آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ☆ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ — نمبر ۱

بابت ماہ جنوری ۱۹۰۶ء

فہرست مضامین

امریکہ میں تبلیغ

مسٹر محمد الگزنڈر رسل وب صاحب کا خط مرقومہ ۲۶۔نومبر ۱۹۰۵ء جو مجھے اخیر دسمبر میں ملا ہے اس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں کیونکہ بہت سے احباب نے خواہش کی ہے کہ ایسے خطوط وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہنے چاہئیں وہ لکھتے ہیں۔

در السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ آپ کا پہلی تاریخ کا عنایت نامہ مجھے ابھی پہنچا ہے۔ اور میں اسی وقت اسکا جواب بھی لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اشاعت اسلام کے لئے کوئی خدمت خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو کرنے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور چونکہ آپ کے میگزین کو میں سچے دل سے ایک نہایت زبردست ذریعہ صداقت کے پھیلانے کا سمجھتا ہوں اس لئے مجھے آپ کی خدمت کرنے سے خوشی ہوتی ہے۔ جو کاپیاں میگزین کی آپ مجھے بھیجتے رہے ہیں۔ وہ میں ان لوگوں کو بانٹ دیتا رہا ہوں جنہوں نے اُسے شوق سے پڑھنے کا اقرار کیا اور جب زیادہ کاپیاں مجھے بھیجی جاتی تھیں تو میں اُن کو ایسے طور پر تقسیم کر دیا کرتا تھا جس سے کوئی فائدہ ہو۔ بعض ایسی مثالیں تو میرے علم میں ہیں جہاں ان میگزینوں نے تحقیق کی روح پیدا کر دی ہے مگر مجھے یہ علم نہیں کہ کوئی چندہ دہندہ یا خریدار بھی پیدا ہوا ہے یا نہیں۔ اس ملک کے لوگ عجیب قسم کے ہیں وہ ایسی باتوں کے لئے جن سے ان کو نفسانی لذات اور خوشی حاصل ہو سوسائٹی میں عزت بڑھے۔ کھلے دل سے روپیہ خرچ کرتے ہیں بڑا بننے کی خواہش اس جگہ دوسرے یورپی ممالک سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ کیونکہ اسکا حاصل کرنا بھی آسان ہے۔ اور روپیہ سے فی الفور آدمی بڑا بن جاتا ہے۔ یہ ایک بڑی بھاری روک ہے جسکا مجھے مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو آج اسلامی عقیدہ کو ظاہر کرنے کے لئے تیار ہیں اگر ان کو یہ خوف نہ ہو۔ کہ اس سے سوسائٹی میں ان کی حیثیت بگڑ جائے گی۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو اس بات کی علامت ہے کہ انہوں نے اسلام کو ٹھیک سمجھا نہیں اور انکے دل تو نہیں وہ بات نہیں جس کا وہ منہ سے اقرار کرتے ہیں یہ بات ایک حد تک صحیح ہے مگر بکلی صحیح نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انکی خود غرضی اور اخلاقی بزدلی انکے کانشنس کی ترغیب پر غالب آجاتی ہے۔ میں نے ایکدفعہ ایک دوست کو تحریک کی کہ وہ آپکے میگزین کو خریدا کرے تو اس نے جواب دیا کہ میں تو خوشی سے ایسا کروں مگر آپ جانتے ہیں۔ کہ میری عورت ایک متعصب ممبر میتھوڈسٹ کلیسیا کی ہے اور میگزین کے میرے گھر میں ہونے سے فساد پیدا ہوگا جب میں گیارہ سال ہوئے اپنا رسالہ مسلم ورلڈ نکالا کرتا تھا۔ اور اسے نہایت کم قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ تو اسوقت بھی امریکہ میں بہت خریدار تھے۔ کیونکہ وہ ایسے ایک تبلیغی پرچہ سمجھکر یہ چاہتے تھے کہ اسکی اشاعت ہو چنانچہ مجھے یہی طریق اختیار کرنا پڑا تھا۔

کوئی کہیگا کہ وب صاحب امید بھی دلاتے ہیں اور ناامیدی بھی مگر میں اپنی جماعت کو مخاطب کرکے یہ کہتا ہوں کہ ہم ہرگز ناامید نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے وعدے ہیں کہ وہ اسلام کو غالب کریگا اور اس سلسلہ کے ذریعے سے اسے ملکوں میں پھیلائیگا ہمارا کام کوشش اور ہمت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اسلام (۶) بجواب سیل

اسلامی بہشت اور دوزخ

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ معترضین جب اسلام پر اعتراض کرتے ہیں تو کسی اصول کی پابندی سے نہیں کرتے۔ مثلاً ایک مسلمان جب عیسائی مذہب پر کوئی اعتراض کریگا تو وہ ایسا اعتراض ہرگز نہیں کریگا۔ جو اس کے اپنے مذہب پر آتا ہو۔ مگر عیسائی صاحبان کو اس بات کی قطعًا کوئی پروا نہیں۔ خدا جانے کب تک ان کا یہ شیوہ چلا جائیگا اور کب وہ سمجھیں گے کہ مذہب دہوکہ بازی کا نام نہیں۔ بلکہ حق طلبی اور حق پسندی سچے مذہب کی پہلی نشانی ہے۔ پھر ایک اور عجیب بات ہے کہ جس لفظ پر انکے خیال میں کوئی زد پڑسکتی ہو۔ خواہ وہ کیسی ہی لغو اور اپنے اصول کے برخلاف بھی کیوں نہ ہو۔ وہ تو پادری صاحبان بڑی محنت سے ورق گردانی کرکے نکال لیتے ہیں مگر صاف اور صریح آیات جنپر اگر وہ غور کریں تو ان کا اعتراض خود ہی دُور ہو جائے وہ ان کو ملتی ہی نہیں۔ مگر تعجب کیا کیا جائے جب ان لوگوں نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے اور اُنکی غرض اسلام کے اصول کی تہ تک پُہنچنا نہیں بلکہ صرف اسکو کسی نہ کسی رنگ میں بدنما کرکے دکھلانا ہے تا عیسائیت کا دَور ختم نہ ہو جائے انجیل کو مان کر نعماے جنت اور آلام نار پر اعتراض کرنا بڑی جرأت کا کام ہے مگر اس بات کو چھوڑ کر میں یہ کہتا ہوں کہ کیا پادری صاحب نے کبھی جنت اور نار کے متعلق قرآن کریم کی کُل آیتوں کو یکجائی نظر سے دیکھا اور انپر غور کیا ہے کہ اسلام کا اصل منشا کیا ہے ہم تو دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا کی کُل مذہبی کتابوں میں سے یہ خصوصیت صرف قرآن کریم ہی میں پائی جاتی ہے۔ کہ نہ صرف اس نے بہشت کی لذات اور راحت کے اصل فلسفہ کو نہایت صفائی سے بیان کیا ہے۔ بلکہ وہ طریق بھی بتا دیا ہے جسپر چلکر انسان اِسی دنیا میں اس موعودہ جنت کی جھلک دیکھ سکتا ہے اور یقین کامل سے بول اُٹھتا ہے کہ واقعی حق وہی ہے جس کو خدا نے تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن شریف میں بیان فرمایا

ہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ اس سے نہ صرف اسلام کا دامن تمام اعتراضوں سے ہی پاک ہوتا
ہے بلکہ معاً یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ واقعی اسلام ہی حصول نجات کا اکیلا ذریعہ ہے کیونکہ جس
نجات کا وہ آئندہ وعدہ کرتا ہے اس نجات کا مزہ وہ اسی دنیا میں چکھا دیتا ہے۔ تمام مذاہب نے آئندہ
زندگی اور اس دنیا کی زندگی کے درمیان موت کو ایک ایسا پہاڑ سمجھا ہے کہ اسکے اِدھر کے نظاروں
کو اُدھر کے نظاروں سے گویا کچھ تعلق ہی نہیں مگر اسلام کے نزدیک موت صرف اِس عالم سے
اُس عالم کی طرف انتقال کرنیکا ایک دروازہ ہے اور جس روحانی حالت میں انسان اپنی موت کے
وقت ہوتا ہے اسی حالتمیں وہ اپنے آپ کو اس دوسرے عالم میں پاتا ہے۔
اس امر کی تائید قرآن شریف کے بہت سے مقامات سے ہوتی ہے مثلاً اسی آیت پر غور کرو۔
من کان فی ھذہٖ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیلا۔ یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا
رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہیگا۔ اب ظاہر ہے کہ اُس دنیا میں اندھا رہنے سے یہ مراد ہے کہ وہ
جنت میں داخل نہیں ہوگا اور بہشتی زندگی اس کو نہیں ملیگی۔ پس آیت کا صاف مفہوم یہ ہے کہ جو شخص
اس دنیا میں بہشتی زندگی حاصل نہیں کر لیتا وہ آخرت میں بھی جنت سے محروم رہیگا پس قرآن شریف کی
رُو سے انسان کی بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے اور اسکی بنیاد اسی جگہ رکھی جاتی ہے
ایک اور امر قابل غور اس آیت میں یہ ہے کہ اندھا رہنے کی حالت کو گویا دوزخ سے تعبیر کیا ہے۔
جس سے یہ منشا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں روحانی امور سے اندھا رہا اور جس نے اللہ تعالےٰ
کے چہرہ کو اس دنیا میں نہیں دیکھا وہ اس سبب سے کہ ناپاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے گویا دوزخ
میں پڑا ہوا ہے اور اسی دنیا کی ناپاکیوں کا دوزخ اسکے لئے آخرت میں دوزخ بن جائے گا بہشت
کی سب سے بڑی نعمت دیدار الٰہی ہے اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو اس کے
چمکدار نشانوں سے اسی دنیا میں دیکھ لے اور اگر یہاں اس کو وہ آنکھیں نہیں ملیں جن سے وہ اللہ
تعالیٰ کو یقین کامل سے دیکھتا ہے تو آخرت میں بھی اس سے محروم ہی رہیگا۔ پس جب نعمائے جنت
میں سے سب سے بڑی نعمت بھی انسان کو اسی دنیا میں حاصل ہونی چاہئے تو معلوم ہوا کہ لذات جنت
کا حصول اسی دنیا سے شروع ہوتا ہے اگرچہ جیسا میں آگے چلکر دکھاؤنگا اس دنیا میں ان لذات
کا حصول ایک باریک اور مخفی رنگ میں ہوتا ہے جس کو صرف عارف ہی پہچانتا ہے اور اس
دوسری دنیا میں ان تمام لذات کا حصول نہایت کھُلے طور پر ہوگا۔ پس اصل حقیقت اس دنیا کی
بہشتی زندگی اور اُس عالم کی بہشتی زندگی کی ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو ایک الگ رنگ کا

نور اور آنکھیں مل جائیں۔

اسی طرح پر اور بہت سی آیات سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں صاف الفاظ میں فرماتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ یعنی راستبازوں کے لئے جو مقام رب سے ڈرتے ہیں دو جنت ہونگے یعنی ایک جنت اسی دنیا میں اور ایک جنت آخرت میں۔ پس سب سے اول اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ اس دنیا میں جس جنت کا مومن کو وعدہ دیا گیا ہے وہ کس قسم کا جنت ہے یعنی اس کی حقیقت کیا ہے کیونکہ اصل حقیقت دونوں جنتوں کی ایک ہی ہے جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے۔ اگرچہ کیفیات میں فرق ہے قرآن شریف کی رُو سے اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت کا نام بہشتی زندگی ہے چنانچہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ۔ یعنی اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ۔ اپنے رب کی طرف واپس آ وہ تجھ سے راضی تو اس سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت کے اندر آجا یہی اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت کہ انسان اسی دنیوی زندگی میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ آرام پا جائے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اس کی خدا میں ہی ہو جائے وہ حالت ہے جس کا نام بہشتی زندگی ہے اور یہ بہشتی زندگی اسی دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے ایسا ہی قرآن شریف میں دوسری جگہ پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ یعنی جو شخص اپنے تمام قویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرتا ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسپر نہ کوئی خوف اور نہ حزن وارد ہو سکتا ہے یعنی اول اسی دنیا پر ایک بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ بہشتی زندگی آئندہ بہشتی زندگی کے لئے گویا بطور ایک تمہید کے ہوتی ہے۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ اسلام کی تعلیم کی رُو سے تو اس دنیا کی بہشتی زندگی بھی انسان کو اُسوقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے نفسانی جذبات پر قابو نہیں پاتا اور اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری جس میں خدا اس سے راضی ہو اور وہ خدا سے راضی ہو اختیار نہیں کر لیتا۔ اور اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ اسلام ایک ایسے بہشت کی تعلیم دیتا ہے جو نفسانی جذبات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے بہشت کی اس نہایت مطہر زندگی کو نفسانی زندگی کہنا ان عیسائی صاحبان کا ہی کام ہے جو ہر طرح کے نفسانی جذبات کے مطیع ہو کر بھی یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسیح کے کفارہ نے ان کو گناہ سے نجات دیدی ہے

اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلکر بھی وہ بہشت کی سیدھی سڑک پر قدم مار رہے ہیں کیا پادریصاحبان کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس مذہب کے خلاف نفسانی بہشت کا اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے جو نجات کے لیئے ہر قسم کی خواہشات سے پاک ہونیکو ضروری ٹھہراتا ہے اور بغیر گناہ سے نجات کے حقیقی نجات کا اور کوئی راہ ہی نہیں بتاتا۔ کیا مسلمان کبھی یہ خیال کر سکتے ہیں کہ انکا بہشت نفسانی جذبات کے پورا کرنے کا داخل ہی نہیں ہو سکتے؟ پہلا قدم ہی بہشت کی طرف اُسوقت اُٹھ سکتا ہے جب انسان تمام نفسانی جذبات سے پاک ہو جائے اور پھر واقعی اس بہشتی زندگی کو حاصل کرنے کے لیئے راستبازی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراحل طے کرنے ضروری ہیں۔ پس غور کرلو کہ یہ اعتراض جو اسلام کے خلاف کیا جاتا ہے۔ کس قدر حماقت پر مبنی ہے۔

اگر اسلام حصول جنّت کی بنیاد کسی ایسے عقیدہ ... پر رکھتا جیسے کفارہ جس کی رُو سے ایک غلطے کار ... نفسانی خواہشات میں مبتلا انسان مرتے ہی معًا کفارہ کی طفیل جنّت میں داخل ہو سکتا ہے تو نفسانی بہشت کا اعتراض اسپر صادق آسکتا تھا۔ مگر جس صورت میں اسلام کی یہ کھُلی کھُلی تعلیم ہے جس سے کسی عیسائی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ بغیر گناہ سے نجات حاصل کرنیکے کوئی آدمی جنّت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب تک اس دنیا میں اس کی زندگی بہشتی زندگی نہ ہو موت کے بعد بھی وہ بہشت کا وارث نہیں ہو سکتا۔ تو ایسے جنّت کو نفسانی خواہشات کے پورا کرنیکا ذریعہ بتانا سخت حماقت ہے بہشت کیا ہے اسلام کی تعلیم کے رُو سے یہ وہ مقام ہے جسکا حاصل کرنا انسان کی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد ہے پس اسکی حقیقت تو خود وہ راہ بتاتی ہے جس راہ پر اسلام اس مقصد کے حاصل کرنیکیلیئے انسان کو چلانا چاہتا ہے۔ کیونکہ کم از کم اس امر میں تو کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ اسلام ایک اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور طہارت کی راہ پر انسان کو چلاتا ہے بلکہ عیسائیوں کو تو اس سے ایسی ٹھوکر لگی ہے کہ انہوں نے اس پاکیزگی کو ناممکن الحصول سمجھکر اسلام پر اسی بنا پر اعتراض کیا ہے پس کوئی عقلمند انسان یہ نہیں کہیگا کہ اس قدر پاکیزگی پر زور دینے کی غرض ایک ناپاک مقصد تک پہنچانا تھا اس راہ کو دیکھو کہ اسلام انسان کو کس قدر پاک دل بنانا چاہتا ہے اور پھر قیاس کرو کہ اس کی غایت اور غرض کس قدر پاکیزہ ہونی چاہیئے۔ آخر نتیجہ تو انہیں ذرایع سے پیدا ہوتا ہے ہاں اگر اسلام کی وہ تعلیم ہوتی جو عیسائی مذہب کی ہے کہ ایک ایسا انسان جو اس دنیا میں آخر عمر تک نفسانی خواہشات کے پنجہ میں گرفتار رہا ہے وہ بھی مرتے ہی بہشت میں جا سکتا ہے تو یہ شک تھا۔ کہ شاید اسلامی بہشت بھی نفسانی اغراض کے پورا کرنے کے لیئے ہی ہو۔

* ذریعہ بہشت جگہ وہ جاتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کی رو سے نفسانی جذبات کو دور کرنے کا نتیجہ وہاں ہیں۔

علاوہ ازیں جب قرآن کریم پر غور کیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تعلیم کے رُو
سے بہشت کی تمام نعمتیں اسی دنیا کی روحانی ترقیات کا نتیجہ ہیں اور انہی روحانی نعمتوں کا جو اسجگہ
عارف کو ملتی ہیں ایک دوسرا نقشہ ہیں۔ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا
مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۱
وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ یعنی جو لوگ ایمان لانیوالے اور
اچھے کام کرنیوالے ہیں جن میں ذرہ فساد نہیں انکو خوشخبری دے کہ وہ اس بہشت کے وارث
ہیں جسکے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب وہ اسکے پھلوں کو کھائیں گے کہیں گے یہ وہی پھل ہیں جو
پہلی زندگی میں ہم کو دیے گئے تھے۔ اور (یہ اسلئے ہوگا کہ) انہی پہلی دنیا کی زندگی کے پھلوں کے
(جو وہ کھا چکے تھے) مشابہ پھل ان کو دیے جاوینگے اور انکے لئے اس جنت میں پاک ازواج
موجود ہونگے اور ہمیشہ اسی میں رہ پڑیں گے"۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت کی نعمتیں
کس قسم کی ہونگی اور مسلمان انکو کیسا سمجھتے ہیں۔ اگر پہلی زندگی کے پھلوں سے مراد دنیا کے معمولی
پھل جو درختوں میں لگتے ہیں لئے جاویں تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ کسی بہشتی کو کوئی ایسا
پھل نہ دیا جاویگا جو وہ اس دنیا میں کھا نہ چکا تھا۔ پس ایسا بہشت جس میں صرف وہی چیزیں
مل سکتی ہیں جو انسان کو اس زندگی میں بھی میسر آئی تھیں کیونکر باعث کشش ہو سکتا ہے۔
علاوہ ازیں بہت سے راستباز ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے اس دنیا کی زندگی بڑی تنگی سے بسر
کی ہوگی اور بہت سی اس دنیا کی نعمتیں انکے حصہ میں نہ آئی ہونگی تو کیا ان کو یہ سمجھ لینا چاہئے
کہ بہشت میں بھی انکو وہی کچھ ... ملیگا جو یہاں کھانے پینے کیلئے ملتا تھا۔ کیا کبھی کسی مسلمان نے
ایسا عقیدہ اپنا بیان کیا ہے۔ مگر آیت صاف طور پر کہتی ہے کہ جب جب انکو بہشت میں کوئی
پھل دیا جاویگا وہ کہیں گے یہ پھل تو ہم پہلی زندگی میں بھی کھا چکے ہیں پس اس سے صاف ظاہر
ہے کہ اس آیت میں جن پھلوں کا ذکر ہے وہ اس دنیا کی جسمانی نعمتیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اعمال
صالحہ کے پھل ہیں جو اس دنیا کے درختوں کے پھلوں سے بالکل الگ ہیں اس آیت سے
یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضروری ہے کہ انسان روحانی طور پر وہ پھل اسی دنیا میں کھا چکا ہو
یعنی آخرت میں بہشت میں داخل ہونیکے لئے ضروری ہے کہ ایک بہشت انسان کو اسی
زندگی میں مل جائے۔ اور آخرت کا بہشت اس زندگی کے بہشت کا ہی ایک نقشہ ہوگا۔ ہاں اسکو

جو نعماء صرف روحانی طور پر محسوس ہو سکتی ہیں وہاں وہ کھلے کھلے طور پر ملیں گے۔

قرآن شریف کے دوسرے بہت سے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہشت میں درختوں اور انہار اور پھلوں کا ذکر مثالی طور پر ہے ورنہ واقعی وہ اس دنیا کی چیزیں نہیں ہونگی کئی جگہ اس کی تصریح موجود ہے چنانچہ ایک مقام پر قرآن شریف میں نیکیوں کو عمدہ درختوں سے اور بدیوں کو بُرے درختوں سے مشابہت دی گئی ہے دیکھو سورہ ابراہیم آیت ۲۳ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اور پھر اسکے ساتھ ہی دوسری آیت میں گویا اسی جنت کی تشریح کرتا ہوا فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔ جنت کا تذکرہ فرما کر ساتھ ہی اس مثال کے بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ یہ تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ ایماندارونکے لئے جنت کہاں سے آجائیں گے۔ تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال دی ہے کہ وہ ایمانی کلمہ جو ہر ایک افراط اور تفریط اور نقص سے پاک اور خالی ہو وہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہو جو ہر ایک عیب سے پاک ہو جسکی جڑھ زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہوں وہ اپنے رب کے اذن سے اپنے پھل کو ہمیشہ دیتا ہے (یعنی دنیا کی درختوں کی طرح نہیں کہ کبھی پھل دیا اور کبھی خالی ہیں بلکہ نیک کلمہ کا پھل ہر وقت مومن کو ملتا رہتا ہے) اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ایسی مثالیں اس لئے بیان فرماتا ہے کہ تا وہ نصیحت پکڑیں۔ اور پھر اسکے بعد گویا مقابلہ کے طور پر بیان فرماتا ہے کہ نیک کلمۂ توحید کے برخلاف پلید کلمہ کفر کا ہے اسکی مثال بھی ایک درخت کی ہے جو زمین میں سے اُکھڑا ہوا ہو یعنی فطرت انسانی اس کو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے وہ قرار نہیں پکڑتا چنانچہ دوسری جگہ دوزخ میں زقوم کے درخت کا ہونا بیان کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اسی دنیا کے خبیث کلمات کی مجسم صورت ہے اور اس طرح بہشت اور دوزخ دونوں کی جڑھ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے جیسا ان آیات مذکورہ بالا میں کلمات یعنی ایمان کو درختوں کے ساتھ مشابہت دی ہے ایسا ہی دوسری جگہ نیک کاموں کو چشموں اور نہروں سے مشابہت دی ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا یعنی نیک کام کرنیوالے ایک ایسے پیالے کو پی رہے ہیں جسکی ملونی کافور ہو یعنی جو انکے دل کے خیالات اور ارادات کو پاک کرتا ہے وہ ایک چشمہ ہو جس سے خدا کے نیک بندے پیتے ہیں اگر وہ چشمہ

ایسا ہو کہ) خود نیک لوگ اپنے ہاتھوں سے اُسے چیرتے ہیں یعنی انہی کے اعمال صالحہ کا چشمہ ہے۔ یہ آیت اسی دنیا کی زندگی کے متعلق ہے جیسا کہ اسکے ساتھ کی ہی اگلی آیت سے ظاہر ہو جہاں فرماتا ہے یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا یعنی وہی ابرار جو کافوری پیالہ پی رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے چشمے چیر رہے ہیں وہ اپنی منتیں بھی پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت سب طرف پھیلی ہوگی اور وہ محض اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ پس گویا نیک لوگ اپنے اعمال صالحہ سے اسی دنیا میں اپنے لئے چشمے اور نہریں بہاتے ہیں اور یہی چشمے اور نہریں قیامت میں نمایاں رنگ میں ظاہر ہونگی۔ کافوری پیالہ اس واسطے کہا گیا ہے کہ کافور کا لفظ کفر سے مشتق ہے جسکے معنے دبانے اور ڈھانکنے کے ہیں اور مطلب اسکا یہ ہے کہ انکے تمام جذبات دب گئے ہیں اور دنیا کی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے اسلئے انکو خالص اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے پس جب انکے جذبات اسی جگہ دب چکے ہونگے اور بالکل نیست و نابود ہو جائیں گے تو یہ کہنا کہ بہشت جذبات نفسانی کے پورا کرنیکے لئے ہو کس قدر حماقت ہے۔

ان تمام آیات سے بداہت ثابت ہے کہ بہشت جسکا وعدہ قرآن شریف دیتا ہے ایک ایسا باغ ہے جسکو انسان کے اپنے ہاتھوں نے تیار کیا ہے جہاں ایمان درختوں کی صورت پکڑتا ہے اور اعمال صالحہ نہریں ہو کر اسکو سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں۔ اس بات پر قرآن شریف نے بار بار زور دیا ہے چنانچہ جہاں جہاں بہشت کا وعدہ دیا ہے قریبًا ہر جگہ ہی اس طرز پر بیان کیا ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو باغ دیے جائیں گے جنکے نیچے نہریں بہتی ہونگی گویا ایمان کو باغ سے مشابہت دیکر اس کے بالمقابل بیان کیا ہے اور اعمال صالحہ کو نہروں سے مشابہت دیکر انکے بالمقابل بیان کیا ہے جیسا کہ اس آیت منقولہ بالا میں بھی وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ۔ * "واضح رہے کہ اسجگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہو وہی رشتہ

* اگرچہ اس کل مضمون کی بنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لکچر جلسہ مہوتسو والا ہے مگر بعض جگہ خصوصیت سے عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔ منہ

اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے پس جیساکہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کا بہشت انسان کے اندر سے ہی نکلتا ہے اور ہر ایک کا بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے۔ کہ سچا اور پاک اور مستحکم ایمان جو خدا اور اُسکے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوشنما اور بارور درخت ہے اور اعمال صالحہ اس بہشت کی نہریں ہیں۔،،

جب یہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام میں اس بہشت کی تعلیم دی گئی ہے جو ہمارے اپنے ہی ایمان اور اعمال صالحہ سے پیدا ہوتا ہے اور جسکا موجود ہونا اس دنیا میں بھی نظر آتا ہے بلکہ مومن اپنے آپ کو اسکے اندر پاتا ہے تو بہشت کی حقیقت کے متعلق جسقدر مشکلات اور اعتراضات ہیں وہ خودبخود ہی رفع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ نعمائے بہشت کے نام سمجھانیکے لئے وہی رکھے گئے ہیں۔ جو دنیوی نعماء کے نام ہیں۔ مگر وہ دونوں ایک نہیں صرف ناموں کا اشتراک ہے اللہ تعالےٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔ یعنی جو جو نعمتیں ایک راستباز کے لئے چھپی ہوئی موجود ہیں ان کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ پس اگر اُس بہشت کی نعمتیں اس دنیا کی نعمتیں ہی ہوتیں تو یہ بیان صحیح نہ ہوتا کیونکہ دنیا کی نعمتوں کو تو سب لوگ جانتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ نعمتیں الگ رنگ کی ہیں اور ان کا قیاس کسی صورتمیں ہم دنیا کی نعمتوں پر نہیں کر سکتے۔ اسی آیت کی تشریح ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ بہشت اور اُسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں حالانکہ اس دنیا کی نعمتوں کو ہم دیکھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں اور دلوں میں بھی وہ گذرتی ہیں۔ پس جب خدا اور اُسکا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہشت کی نعمتوں کو اس دنیا کی چیزوں سے نرالا بتاتے ہیں تو جو شخص ان کو اسی دنیا کی نعمتوں کے رنگ پر قیاس کرتا ہے۔ وہ غلطی کرتا ہے اور اسکا اعتراض فضول اور بیجا ہے۔

دوسرا امر جو قرآن کریم کی مذکورۂ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ مومنین کیلئے دو بہشتوں کا وعدہ ہے ایک بہشت اسی دنیا میں اور ایک بہشت آخرت میں! ور یہ دونوں بہشت ایک ہی حقیقت رکھتی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ جو لذات اس دنیا میں راستبازوں کو روحانی طور پر حاصل ہوتی ہیں آخرت میں وہ کھلی کھلی اور نمایاں رنگ میں ظاہر ہونگی ہم یہ نہیں مانتے کہ جنت کی نعما کوئی خیالی نعما ہیں بلکہ وہ حقیقی واقعی نعمتیں ہیں ہاں ہم یہ مانتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے وہ اسی دنیا کی روحانی نعمتوں کی جسمانی صورتیں ہونگی یعنی جو کچھ ہمارے نیک اعمال کے نتائج مخفی طور پر اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں وہ کھلے کھلے اور نمایاں طور پر عالم آخرت میں ظاہر ہونگے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ جب بہشتی بہشت کے پھلوں کو کھائینگے تو کہینگے کہ یہی پھل ہم نے پہلے بھی کھائے تھے یعنی روحانی طور پر ہم ان پھلوں کو پہلے بھی کھا چکے ہیں یعنی اعمال صالحہ کے جو پھل مخفی رنگ میں اس دنیا میں دیے گئے تھے وہی آخرت میں کھلے کھلے دیے جائینگے ایسا ہی بہشت اور دوزخ کے فلسفہ کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے جس سے اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے ۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل) یعنی ہمنے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اسکی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انہیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کر دینگے اور ایک کھلے کھلے اعمالنامہ کی شکل پر دکھا دینگے یہاں قرآن کریم نے اس اصول کو بیان فرمایا ہے کہ جو کوئی عمل انسان کرتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اسکا ایک اثر انسان کی روحانی زندگی پر پیدا ہوتا ہے اور اس طرح ساتھ ساتھ ہر ایک انسان کا ایک اعمالنامہ تیار ہوتا رہتا ہے جو ان آنکھوں سے مخفی ہوتا ہے اور یہی پوشیدہ اعمالنامہ جو اسکا بہشت یا دوزخ ہے دوسری دنیا میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائیگا اسی اصول کو دوسری جگہ قرآن شریف ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ یعنی اسدن ایمانی نور جو پوشیدہ طور پر مومنوں کو یہاں بھی حاصل ہے کھلے طور پر انکے آگے اور انکے داہنے ہاتھ پر دوڑتا نظر آئیگا اور اسی دنیا میں نور کا مومنین کو ملنا قرآن شریف کے بہت سے مقامات سے ظاہر ہے جیسا کہ سورہ انعام کی آیت ۱۲۲ سے جہاں فرماتا ہے کہ مومن کو ہم نے اس دنیا میں بھی ایک نور دیا ہے اور کافر ایک تاریکی میں چلتا ہے فرق ان دونوں نوروں کی اصلیت اور حقیقت میں نہیں بلکہ انکے اخفا و ظہور میں ہے یعنی اس دنیا میں مومن کا نور دوسروں کی آنکھوں سے مخفی ہوتا ہے یعنی کھلا کھلا نظر نہیں آتا مگر آخرت میں یہ نور کھلا کھلا نظر آئیگا ۔ جیسا کہ آیت منقولہ بالا کے بعد کی آیت سے ظاہر ہے کہ جب منافق مرد اور منافق عورتیں مومن مرد اور مومن عورتوں کے آگے اور ساتھ ساتھ نور دوڑتا ہوا دیکھیں گے تو وہ کہینگے کہ ہمیں بھی اس نور سے کچھ حصہ دو ۔ تو انکو کہا جائیگا کہ پیچھے کو لوٹو اور نور

تلاش کرو (جسکا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ نور تو دنیا کی زندگی سے ساتھ آیا ہے پس تم بھی اپنی پچھلی زندگی کو
دیکھو کہ کوئی نور اسمیں تم کو ملا تھا) پس منافق اپنے آپکو تاریکی میں پائینگے میری غرض یہ ہے کہ مومنوں کا نور قیامت
کے دن ایسا بیّن ہوگا کہ منافق بھی دیکھ لیں گے اگرچہ اس دنیا میں انکی جسمانی آنکھیں اس نور کو نہیں
دیکھ سکتیں۔ پھر سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس آیت سے اسی مضمون کا اور بھی وضاحت سے ثبوت ملتا ہے
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ
طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ
وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ۔ یعنی وہ بہشت جو پرہیزگاروں کو دیا جاویگا۔ اسکی مثال یہ ہے جیسے ایک باغ
ہے اس میں پانی کی نہریں ہیں جو کبھی متعفن نہیں ہوتا اور نیز اس میں دودھ کی نہریں ہیں جسکا کبھی مزہ
نہیں بدلتا اور نیز اس میں شراب کی نہریں ہیں جو سراسر سرور بخش ہے جسکے ساتھ خمار نہیں اور
نیز اسمیں اس شہد کی نہریں ہیں جو نہایت صاف ہیں جسکے ساتھ کثافت نہیں وہ اسجگہ صاف طور پر
فرمادیا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھلو کہ ان تمام چیزوں کی اس میں ناپیدا کنار نہریں ہیں وہ زندگی
کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے اس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ
جس سے وہ شیر خوار بچہ کیطرح روحانی طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی
دیگا۔ اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا اب
بہشت میں ظاہر ظاہر اسکی نہریں نظر آئیں گی۔ اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور
پر عارف کے مُنہ میں جاتا تھا۔ وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دیگا اور
ہر ایک بہشتی اپنے باغوں اور اپنی نہروں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کرکے دکھلا دیگا"

جنّت کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے دوزخ کی حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کیونکہ جنّت
اور نار زندگی کی دو ایسی حالتوں کے نقشے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل واقع ہوئے ہیں پس جیساکہ
بہشتی زندگی اسی دنیا سے ہی شروع ہوتی ہے دوزخی زندگی کی ابتدا بھی اسی جگہ سے ہوتی ہے جیساکہ فرمایا
نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ یعنی دوزخ وہ آگ ہے جسکا منبع خدا کا غضب ہے
اور گناہ سے بھڑکتی ہے اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے یعنی اس دنیا میں وہ دوزخ ایک روحانی عذاب کی
صورت میں ہے جسکا استیلاء دل پر ہوتا ہے پھر یہی آگ جو اس زندگی کی روحانی آگ ہے بعد الموت ایک کھلے
کھلا دوزخ کی صورت اختیار کریگی پھر جیساکہ بہشت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر ایک انسان اپنا
بہشت اپنے لئے تیار کرتا ہے یعنی اسی کے اعمال صالحہ کا وہ ثمرہ ہوتا ہے اسی طرح دوزخ کے متعلق بھی

فرماتا ہے کہ وہ اسی کے اعمال سیئہ اور دنیا کی محبت اور خدا سے غفلت کا ثمرہ ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ - یعنی دنیا کی کثرت حرص و ہوا نے تمہیں خدا سے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پڑتے ہو تم عنقریب جان لوگے - پھر تم عنقریب جان لوگے (کہ یہ تمہارا دنیا میں انہماک اور خدا سے غفلت ہی تمہارا دوزخ ہے) اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہوتا تو تم اس دوزخ کو (اسی دنیا میں) دیکھ لیتے پھر وہ وقت تو آئیگا ہی جب تم (مرنیکے بعد) عین الیقین سے اسے دیکھ لوگے - پھر اسکے بعد قیامت کا عظیم الشان دن ہوگا جس دن تم سے نعمتوں کا مواخذہ کیا جائیگا "۔ اس سورت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حرص و ہوا ہی وہ تخم ہے جس ہی اسکے لئے دوزخ تیار کیا جاتا ہے مگر خدا کی طرف سے غافل ہونیکی وجہ سے انسان اس دوزخ کو دیکھ نہیں سکتا جب تک کہ موت اسپر وارد ہو کر اسکو کھلے طور پر نہیں دکھا دیتی پس اس عالم کا دوزخ اسی دنیا میں پوشیدہ پوشیدہ تیار ہوتا رہتا ہے مگر جب تک انسان کو عین الیقین حاصل نہ ہو وہ دوزخ اس دنیا میں اسے نظر نہیں آتا - ایک اور مقام پر قرآن شریف اس عذاب کے آغاز کو یوں بیان فرماتا ہے - وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ یعنی ان میں اور انکی خواہشات میں ایک روک ڈالدی جاویگی - (جس سے انکے دل میں ایک جلن پیدا ہوگی)

جیسا کہ بہشت کے متعلق یہ دکھایا گیا ہے کہ اسکی لذات اس دنیا کی روحانی لذات کی جسمانی صورتیں ہیں ایسا ہی دوزخ کے آلام جو بیان فرمائے گئے ہیں وہ اس دنیا کی ناپاکیوں اور ناراستیوں کے روحانی ثمرات ہیں جو وہاں جسمانی رنگ میں ظاہر ہونگے چنانچہ ایک جگہ کفار کے عذاب کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۙ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ؕ یعنی اس جہنمی کو پکڑو اس کی گردن میں طوق ڈالو پھر دوزخ میں اسکو جلاؤ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمائش میں ستر گز ہے اسکو داخل کرو - ان آیات میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ دنیا کا روحانی عذاب عالم معاد میں جسمانی طور پر نمودار ہوگا - چنانچہ طوق گردن دنیا کی خواہشوں کا جسنے انسان کے سر کو زمین کی طرف جھکا رکھا تھا وہ عالم ثانی میں ظاہری صورت میں نظر آجائیگا اور ایسا ہی دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیر پاؤں میں پڑی ہوئی دکھائی دیگی اور دنیا کی خواہشوں کی سوزشوں کی آگ ظاہر ظاہر بھڑکتی ہوئی نظر آئیگی - فاسق انسان دنیا کی زندگی میں ہوا و ہوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے اور ناکامیوں میں اس جہنم کی سوزشوں کا احساس کرتا ہے پس جبکہ اپنی فانی شہوات سے

دُور ڈالا جائیگا اور ہمیشہ کی ناامیدی طاری ہوگی۔ تو خدا تعالیٰ ان حسرتوں کو جسمانی آگ کے طور پر اس پر ظاہر کر دیگا۔ اور پھر جو فرمایا کہ ستر گز کی زنجیر میں اسکو داخل کرو یہ اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک فاسق بسا اوقات ستر برس کی عمر پالیتا ہے لیکن وہ بدبخت اپنی عمدہ زندگی کے ستر برس دنیا کی گرفتاریوں میں گذارتا ہے۔ اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا۔ خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہی ستر برس جو اُسنے گرفتاریٔ دنیا میں گذارے ہیں عالم معاد میں ایک زنجیر کیطرح متمثل ہو جائینگے جو ستر گز کی ہوگی ہر ایک گز بجائے ایک سال کے ہے۔ اس جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے بُرے کام اسکے آگے رکھدیتا ہے پھر اسی سُنت کے اظہار میں خدا تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ یعنی اے بدکارو گمراہو گوشہ سایہ کی طرف چلو جسکی تین شاخیں ہیں جو سایہ کا کام نہیں دیسکتیں اور نہ گرمی سے بچا سکتی ہیں اس آیت میں تین شاخوں سے مراد قوت سبعی اور بہیمی اور وہمی ہے جو لوگ ان تینوں قوتوں کو اخلاقی رنگ میں نہیں لاتے اور انکی تعدیل نہیں کرتے انکی یہ قوتیں قیامت میں اس طرح پر نمودار کی جاوینگی کہ گویا تین شاخیں بغیر پتوں کے کھڑی ہیں اور گرمی سے بچا نہیں سکتیں اور وہ گرمی سے جلیں گے"۔

یہ امر نہایت ضروری اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہشت اور دوزخ قرآن شریف کے رو سے محض راحت اور دکھ کیلئے دو جگہیں نہیں جنکی غرض کوئی نہ ہو۔ بلکہ بہشت انسان کی غیر متناہی ترقیات کیجگہ ہے۔ اور دوزخ اسکی روحانی بیماریوں کے علاج کی جگہ۔ اس میں شک نہیں کہ انسان ہمیشہ انسان ہی رہیگا اور وہ انسانیت کے دائرہ سے نکلکر حقیقی طور پر فرشتہ یا خدا نہیں بن سکتا مگر اسی اپنے دائرہ کے اندر جو ترقیات وہ کر سکتا ہے وہ غیر محدود ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بہشتیوں کے متعلق فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (التحریم) یعنی جو لوگ دنیا میں ایمان کا نور رکھتے ہیں انکا نور قیامت کو انکے آگے اور انکی دہنی طرف دوڑتا ہوگا۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ اے خدا ہمارے نور کو کمال تک پہنچا۔ اور اپنی مغفرت کے اندر ہمیں لیلے تو ہر چیز پر قادر ہے اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہینگے کہ ہمارے نور کو کمال تک پہنچا یہ ترقیات غیر متناہیہ کیطرف اشارہ ہے یعنی ایک کمال نورانیت کا انہیں حاصل ہوگا پھر دوسرا کمال نظر آئیگا۔ اُسکو دیکھکر پہلے کمال کو ناقص پائینگے۔ پس کمال ثانی کے حصول کیلئے التجا کرینگے۔ اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا انپر ظاہر ہوگا پھر اسکو دیکھکر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھینگے اور اسکی خواہش کرینگے۔ یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اَتْمِمْ کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے

غرض اسیطرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائیگا۔ تنزل کبھی نہیں ہوگا۔ اور نہ کبھی بہشت سے نکالے جاینگے۔ بلکہ ہر روز آگے بڑھیں گے اور پیچھے نہ ہٹیں گے" دوسرے کسی مذہب نے بہشت کی اس حقیقت کو نہیں سمجھا اور اسے غیر متناہی ترقیات انسانی اور حصول کمالات کی جگہ قرار نہیں دیا بلکہ آریہ سماج کی عقیدے کی رو سے تو بجائے ترقیات کے بہشت تنزل کیجگہ ہے کیونکہ انکے عقیدہ کے مطابق جو شخص ہزارہا سال ترقیات کرتا کرتا آخر بہشت تک پہنچیگا وہ چند روز بہشت میں رہ کر پھر واپس اسی دنیا کی طرف بھیجا جائیگا اور ازسرنو جونیں بھگتیگا۔ پس انکے نزدیک بہشت ترقی کی جگہ نہیں بلکہ تنزل کی جگہ ہے ایسا ہی عیسائیوں کی کتب مقدسہ کو تلاش کرنیسے کہیں اس فلسفہ کا پتہ نہیں ملتا کہ جنت غیر متناہی ترقیات کی جگہ ہے بلکہ جو کچھ انکی کتابونسے معلوم ہوتا ہے زیادہ صرف اسی قدر ہے کہ بہشت ایک ایسی جگہ سے مشابہ ہے جہاں کھانے پینے کو عمدہ عمدہ چیزیں ملیں اور زندگی بیکاری میں گذرے مگر قرآن شریف نہ صرف آریہ سماج کے عقیدے کو ہی رد کرتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ ماھم منھا بمخرجین۔ یعنی بہشتی کبھی بھی بہشت سے نکالے نہیں جائیں گے (الحجر) اور عطاء غیر مجذوذ (ہود) یعنی جنت خدا کیطرف سے ایسا عطیہ ہے جو کبھی واپس نہیں لیا جائیگا۔ بلکہ عیسائی مذہب کی تعلیم کے نقص کو بھی ظاہر فرماتا ہے اور یہ پُر حکمت فلسفہ بیان کرتا ہے جو دنیا کی کسی کتاب نے بیان نہیں کیا کہ بہشت غیر متناہی ترقیات کی جگہ ہے اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں بھی آسکتی ہے کہ انسان کی روح کو باقی رکھنا عبث ہوتا اگر اسکے لئے غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا نہ ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ بہشت میں پہنچنا بھی ایک کمال کو چاہتا ہے مگر ہم یہ نہیں مان سکتے کہ خدا تعالیٰ کی خدائی میں کمال کی وہیں انتہا ہے بلکہ ایک کمال سے بڑھکر دوسرا کمال حاصل ہوتا رہیگا اور یہ ایسا سلسلہ ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

دوزخ بھی ایک رنگ میں انسانی ترقی کا ممد ہے کیونکہ جو لوگ طرح طرح کی بدکاریوں اور خطرناک سیاہ کاریوں اور غفلتوں میں مبتلا ہو کر اپنی روحانی صحت کو بگاڑ چکے ہیں جب تک انکی بیماریوں کا علاج نہ ہووے تب تک وہ اس قابل نہیں ہو سکتے کہ کمالات انسانی کے حصول کیلئے ترقیات کر سکیں ان کیلئے دوزخ کا عذاب بطور ایک علاج کے بھی ہوگا جو انکے تمام گندوں کو جلا کر انکو صاف کریگا۔ اور اس قابل بنا دیگا کہ وہ بھی انسانی ترقی کے زینہ پر قدم رکھلیں اسی لئے دوزخی ندریجاً دوزخ سے نکالے جاوینگے یعنی جسقدر کم یا زیادہ کسی کی بدعملیاں ہیں اور جسقدر کم یا زیادہ علاج اسکے لئے ضروری ہے اسی قدر دوزخ میں رہ کر وہ باہر نکالا جائیگا۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن شریف نے

دوزخ میں رہنے کو بھی ایک ایسے زمانہ سے تعبیر کیا ہے جسکا نام ابد رکھا ہے جسکے معنے لاانتہا زمانہ ہیں مگر جیسا کہ ہم خود بھی لاانتہا زمانہ ایک بڑے طویل زمانہ کو کہہ دیتے ہیں ایسا ہی خود لفظ ابد کے معنے عربی میں دہر طویل بھی آئے ہیں یعنی ایک لمبا زمانہ چنانچہ اسی لئے اس قسم کے محاورات عربی زبان میں پائیجاتے ہیں کان ھٰذا فی آباد الدھر جسکے یہ معنے ہیں کہ اسپر بہت لمبا زمانہ گذر گیا ہے اور اسی لئے واقعی لاانتہا زمانہ کیلئے ابد الابد اور ابد الآباد کے محاورات کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ ابد کے معنوں میں انتہا کا نہ ہونا لازمی نہیں ہے۔ علاوہ اسکے خود قرآن شریف سے ہمیں یہ شہادت ملتی ہے کہ ہمیں بہشتیوں کا ابد اور دوزخیوں کا ابد ایک برابر نہیں رکھے گئے بلکہ سورہ ہود میں بہشت اور دوزخ کے ابد کو بالمقابل بیان کر کے اس فرق کو کھلے کھلے طور پر ظاہر فرمادیا ہے وہ آیات یہ ہیں فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّ شَھِیْقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ (ہود ۱۰۹-۱۱۰) جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہونگے وہاں انکے لئے چلانا اور دہاڑنا ہوگا رہ پڑے وہاں جبتک زمین و آسمان ہیں مگر اگر تمہارا پروردگار چاہے (تو انکو نجات بھی دیدے) بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں وہ بہشت میں ہونگے رہ پڑے اسمیں جبتک زمین و آسمان ہیں مگر اگر تمہارا پروردگار چاہے (مگر وہ کسی کو وہاں سے نکالیگا نہیں کیونکہ بہشت خدا کا ایسا عطیہ ہے جسکا کبھی خاتمہ ہی نہیں ہوگا" اب اسجگہ غور طلب یہ بات ہے کہ پہلے تو یہ کہا کہ دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہینگے مگر ساتھ ہی استثنا لگادیا کہ تمہارا پروردگار چاہیگا تو انکو نکال بھی دیگا کیونکہ تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے اب اس ترکیب سے صاف ظاہر ہے کہ دوزخیوں کو خدا کسی وقت دوزخ سے باہر نکالدیگا پھر اسکے مقابل پر جو کچھ جنت کیلئے بیان کیا ہے وہ بھی انہی معنوں کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہاں استثناء کے بیان کرنے کے بعد معًا یہ فرمایا کہ کسی کے دل میں یہ خیال نہ گذرے کہ جنت سے بھی کبھی جنتیوں کو نکالدیا جاویگا کیونکہ جنت خدا تعالیٰ کیطرف سے ایک ایسی عطا ہے جو کبھی کاٹی نہیں جاویگی۔ اس تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ جنت کی ابد اور نار کی ابد کو خدا تعالیٰ نے برابر نہیں رکھا۔ دوسری آیت میں الا ماشاء ربک کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں "مگر جسکو خدا تعالیٰ چاہے سزا دیکر بدیر جنت میں داخل کرے"، اس سے بھی انہیں معنوں کی تائید ہوتی ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ یاتی علی جھنم زمان لیس فیھا احد ونسیم الصبا تحرک ابوابھا یعنی جہنم پر ایک ایسا زمانہ آئیگا جب اس میں کوئی باقی نہ ہوگا اور خدا کی رحمت کی ہوا اسکے دروازوں کو کھٹکھٹاتی ہوگی اسوقت قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ دوزخ جو انسان کے اپنے ہی بداعمال کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے تمام گندوں اور آلودگیوں کے دور کرنیکا

ذریعہ بنادیا ہی اور جب وہ پاک ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایک بہشت کو پالیتا ہی جسمیں اسکے لئے ترقیات کی راہ کھلی ہی۔
یہ ہے بہشت اور دوزخ کا فلسفہ جو قرآن شریف نے بیان فرمایا ہی اور میں نہین سمجھتا کہ کوئی سمجھدار آدمی معقولیت سے اس عجیب فلسفہ پر اعتراض کرسکتا ہے بلکہ یہ بات تو اسلام کے منجانب اللہ ہونے پر ایک قطعی اور یقینی شہادت ہی کیونکہ یہ پُرحکمت فلسفہ صرف قرآن کریم میں ہی پایا جاتا ہے اور دنیا کی کسی اور کتاب یا دنیا کے کسی اور مذہب نے یہ فلسفہ بیان نہیں کیا اسلام ہی ہی جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر ایک شخص کیلئے جنت اور دوزخ اسکے اپنے اعمال سے تیار ہوتے ہیں اور بہشتی یا دوزخی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے اور اسی دنیا کے نیک و بد اعمال کے روحانی اثر عالم آخرت میں ایک جسمانی شکل اختیار کرلیں گے! اور جنت اور دوزخ انسان کی غیر متناہی ترقیات کیلئے اور اسکو تمام گندوں سے صاف کرنیکے لئے دو جگہیں ہیں یہ تمام پُرحکمت باتیں نص صریح سے قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں جیسا کہ بہت آیات کے حوالہ سے اوپر ثابت کیا ہے مگر ان میں سے ایک بات بھی کسی دوسری مذہبی کتاب نے بیان نہیں کی خواہ وہ کتاب قرآن کریم سے پہلی کی ہو یا پیچھے کی ہمیں کسی مذہب سے تعصب نہیں ہاں ہم پاک سے پاک۔ سادہ سے سادہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم چاہتے ہیں اور چونکہ ایسی پاک اور پُرحکمت تعلیم ہمیں قرآن کریم کے سوا اور کہیں نہیں ملتی اسلئے ہم اس کتاب پاک کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور صحیح اور بلا آمیزش کلام سمجھتے ہیں اور نہ ہی کسی دوسری کتاب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں خدا کا سچا اور صحیح اور بلا آمیزش کلام ہوں پس جب ہم ایک طرف دعویٰ بھی پاتے ہیں اور اس دعوے کے دلائل بھی کھلے کھلے نظر آتے ہیں اور قرآن شریف کے سوا دنیا کی کسی دوسری کتاب میں نہ یہ دعویٰ ہی پاتے ہیں اور نہ ہی ایسی کوئی دلیل تو کیونکر ہم دوسری کتابوں کو اسکی برابر سمجھ لیں۔ قرآن شریف کی اصولی تعلیموں میں سے جسقدر اعتراض بہشت اور دوزخ پر مخالفین نے کئے ہیں ویسے اور کسی اصولی تعلیم پر نہیں کئے۔ مگر ایمانداری اور انصاف یہ ہی کہ کسی اور کتاب میں جو آسمانی یا الہامی ہونیکا دعویٰ رکھتی ہو ایسی پاک ایسی قریب الفہم اور ایسی پُرحکمت تعلیم نکالکر دکھائی جاوے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اس مضمون میں قرآن شریف کی آیات کے حوالوں سے تمام باتیں ثابت کی گئی ہیں اسی طرح مخالفین بھی اپنی اپنی کتب مقدسہ سے باتیں نکال کر دکھاویں اور ان فقروں کو نقل کریں جن میں بہشت اور دوزخ کے متعلق یہ اعلیٰ تعلیم یا اگر ممکن ہی تو کوئی اس سے بھی اعلیٰ تعلیم ہو ورنہ خود مُنہ سے چند باتیں کہدینا کچھ وقعت نہیں رکھتا بلکہ اس صورت میں یہی سمجھا جاویگا کہ اسلام کی تعلیم کو چُرا کر ہی مخالفین نے فائدہ اُٹھانا چاہا ہے الزام دیدینا تو آسان ہی جیسا کہ پادری سیل صاحب نے اہل اسلام پر یہ الزام دیا ہی کہ اصل تعلیم قرآن شریف کی رو سے جو بہشت اور دوزخ کی حقیقت ہی اسکو چھوڑکر اب اہل اسلام مغربی تعلیم اور عیسائی مذہب کے اثر سے الفاظ

کی تاویلیں کرنے لگے ہیں مگر بات تو تب ہے کہ دعوی کے ساتھ کچھ ثبوت بھی دیا جاوے ہم نے تو قرآن شریف کی آیات کو پیش کرکے بہشت اور دوزخ کی اصل حقیقت کو بیان کیا ہے اب پادریصاحب بھی بائبل کی آیات کو پیش کرکے دکھادیں کہ عیسائی مذہب کی تعلیم بہشت اور دوزخ کے متعلق کیا ہے اور کونسا فلسفہ بائبل نے بیان کیا ہی بلکہ چاروں اناجیل میں سے حضرت مسیح کے اپنے الفاظ نقل کریں کہ اسنے بہشت اور دوزخ کے متعلق کون کونسی پُرحکمت باتیں بیان کی ہیں اگر پادریصاحب یہ طریق اختیار کریں تو میں سمجھونگا کہ انکا حملہ اسلام پر نیک نیتی سے تھا کیونکہ انکو انجیل میں ایک اعلیٰ درجہ کی پُرحکمت تعلیم بہشت اور دوزخ کی دیگئی تھی اور انکو اپنی ناواقفیت سے یا کم فہمی سے یہ تعلیم قرآن شریف میں نہ ملی اسواسطے انہوں نے اعتراض کردیا۔ مگر مَیں ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ نہ توریت اور نہ انجیل سے اور نہ ہی دنیا کی اور کسی کتاب سے ایک لفظ بھی ایسا نکالکر دکھایا جاسکتا ہے جو قرآن شریف سے اعلیٰ تو ایک طرف رہا اسکے برابر پُرحکمت فلسفہ بہشت اور دوزخ کا بھی بیان کرتا ہو۔

مگر پادریصاحبان کو چونکہ غرض حق طلبی سے نہیں بلکہ انہیں کچھ نہ کچھ بہانہ اعتراض کیلئے درکار ہے اسلئے جب وہ ایسی اعلیٰ درجہ کی پُرحکمت تعلیم بہشت اور دوزخ کے متعلق اپنی کتب سے نکالکر نہیں دکھاسکتے تو پھر یہ اعتراض کردیتے ہیں کہ اس میں حوروں کا ذکر ہے جنکی متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی خوبصورت ہونگی گویا کہ عیسائیوں کو دنیا کی تمام قوموں سے بڑھکر خوبصورت عورتوں سے نفرت ہے اور وہ گوارا ہی نہیں کرسکتے کہ ایک کمال کو پہنچی ہوئی انسانی سوسائٹی میں خوبصورت عورتیں بھی ہوں۔ اعتراض اور اسکے جواب کو الگ چھوڑ کر میں پوچھتا ہوں کہ اس منافقت کے کیا معنی کہ بہشت میں خوبصورت عورتوں کے موجود ہونے پر اعتراض اور اسوجہ سے اس مطہر مقام کو شہوانی قرار دینا مگر آپ دنرات اسبات کے خواہاں ہیں کہ اعلیٰ درجہ کی خوبصورت عورتوں میں جو نہایت فاخرہ لباس پہنے ہوئے اور ہر طرح سے زینت کئے ہوئے ہوں جسقدر وقت گذر جائے غنیمت ہے کیا یہ سچ نہیں کہ بڑے سے بڑا پادری جسکو راستباز ہونیکا دعوی ہے اور جو . . . روح القدس کے سوا کوئی کام ہی نہیں کرتا جب بال (ناچ کی مجلس) میں شریک ہوتا ہے تو اپنی عورت کو چھوڑ کرکے دوسرے کی خوبصورت نوجوان عورت پر ہاتھ ڈالتا ہے کہ اسکے ساتھ رقص کرنے سے حظ اُٹھائے کیا یہ پادریصاحباں کے نزدیک شہوانی جذبات اور نفسانی خواہشات کا محرک نہیں؟ اب میں اصل اعتراض کی طرف آتا ہوں بیشک قرآن شریف جہاں بہشت کی دوسرے نعماء کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں حوروں یعنی خوبصورت عورتوں کے ہونیکا ذکر بھی کرتا ہے مگر مَیں قرآن شریف سے ہی یہ بھی ثابت کر چکا ہوں کہ بہشت کی کسی نعمت کو اس دنیا کی چیز سمجھ لینا سخت غلطی ہے بہشت کی تمام نعماء خواہ وہ حور اور قصور ہیں اور خواہ نہریں اور ثمرات۔ انسان کے اپنے اعمال صالحہ کا نیک ثمرہ ہیں مگر یہ کہ . . .

انکی اصل حقیقت تو کیا ہوگی وہیں جا کر معلوم ہوگا ہاں قرآن شریف کی رُو سے اس دنیا کی چیزوں پر انکو قیاس نہیں کر سکتے علاوہ ازیں خود مومنہ عورتیں بھی تمام نقصوں سے بری ہو کر جنت میں موجود ہونگی جیسا کہ خدا تعالٰے فرماتا ہے هم وازواجهم فی ظلال علی الارائك متكئون لهم فيها فاكهة ولهم ما يدعون (یٰس) - الغرض جنت کے متعلق جو کچھ قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے وہ ایک اعلٰی درجہ کی خوشحال سوسائٹی کے حال کے منافی نہیں - اور جب یہ بات کو مدنظر رکھ لیا جاوے کہ نعیم جنت میں اس دنیا کی کوئی چیز نہیں تو کوئی اعتراض پیدا ہو ہی نہیں سکتا - اور پھر اسلامی عقیدے کی رُو سے جنت کی سب نعمتوں میں بڑی نعمت جس سے مومن کو سب سے اعلٰی درجہ کی راحت نصیب ہوگی دیدار الٰہی ہے اللہ تعالٰی فرماتا ہے دعواهم فيها سبحانك اللهم وتحيتهم فيها سلام - واخر دعواهم ان الحمد لله رب العلمين (یونس) یعنی انکی پکار بہشت میں یہی ہوگی کہ اے ہمارے محبوب و معبود و مقصود تیری ہی ذات پاک ہے - اور انکی دعائے خیر باہمی سلام ہوگی - اور آخری پکار انکی یہ ہوگی کہ سب تعریف خدا کو ہی سزاوار ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے -

اس سے ظاہر ہے کہ بہشت میں مومنین کے تمام افعال و اقوال ایسے ہونگے جنسے تسبیح اور حمد الٰہی ہو - اور یہی اُن کی ترقی مدارج کا ذریعہ ہوگا - اب جنت کی نعماء اور اس دنیا کی نعمتوں میں علاوہ اس فرق کے جو اوپر ظاہر کیا گیا ایک دوسرا فرق ظاہر ہے کہ اس دنیا کی نعمتیں بسا اوقات انسان کی روحانی ترقی میں سد راہ ہو جاتی ہیں مگر جنت کی نعمتیں ایسی نہ ہونگی - یہاں اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ دوست بی بی اور بچوں کی محبت نے خدا کی محبت کی آگ کو سرد کر دیا ہوا ہے مگر وہاں کی نعمتیں خدا کی محبت اور اسکے پاک تعلق کو ہر وقت بڑھانیوالی ہونگی - اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ اسکی نظیر ہم اس دنیا میں بھی راستبازوں کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ وہ بھی اس دنیا کی نعمتوں سے متمتع ہوتے ہیں - مگر یہ چیزیں ان کے قدم کو خدا کی راہ میں سست نہیں کر سکتیں - یہ محض سمجھانے کیلئے میں نے لکھا ہے ورنہ جنت کی نعمتوں کا قیاس اسپر نہیں کر سکتے بلکہ انہیں کوئی اور ہی ایسا کامل رنگ ظہور پذیر ہوگا کہ وہ سب لذات موجب ترقی ہونگی - اور جیسا کہ خدا تعالٰی سے تعلق جنت میں انسان کی خوشی کا بڑا سرچشمہ ہوگا - ایسا ہی باہمی تعلقات بھی جنتیوں کے وہ اعلٰی درجہ کے تعلقات بھی ہونگے جو ہر قسم کے گند سے پاک ہونگے ان تعلقات کو سلام سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ہر قسم کے کھوٹ اور آلائش اور نفسانیت اور ہر ایک عیب سے پاک تعلقات - پھر نعماء بہشت کے متعلق فرمایا لا یسمعون فیها لغوا ولا تاثیما الا قیلا سلما سلما (واقعہ) یعنی وہ نہ کوئی لغویات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات صرف ایک ہی آواز سلام سلام کی ہر طرف سے آرہی ہوگی

میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ہی دلیل تمام اعتراضات کو دُور کرنیکے لئے کافی ہے کہ بہشت کی تمام نعمتوں کی اصل غرض یہی ہے کہ اُنکا قرب اللہ تعالیٰ سے بڑھے جنّت کی سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی کا حاصل کرنا بیان کیگئی ہے وعد اللہ المؤمنین والمؤمنٰت جنّٰت تجری من تحتہا الانہٰر خٰلدین فیہا ومسٰکن طیبۃ فی جنّٰت عدن ط ورضوان من اللہ اکبر ط ذٰلک ہو الفوز العظیم (توبہ) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کے باغوں کا وعدہ کیا ہے جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی وہ انہیں ہمیشہ رہیں گے اور پاک اور ستھرے مکانوں کا وعدہ کیا ہے جو دائمی جنّت میں ہونگے اور ان سب نعمتوں سے بڑھکر خدا کی خوشنودی ہوگی یہی اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے پس جس صورتمیں اصل مقصد اور غرض وغایت تمام نعمائے جنّت کی رضائے الٰہی کا حاصل کرنا ہے تو باقی تمام نعمار اور لذّات اسی مقصد تک پہنچانیوالی ہوئیں۔ ان سب باتوں کے ساتھ پھر قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین (سجدہ) یعنی جنّت کی نعمتوں کو کوئی جانتا بھی نہیں پس ایک طرف ہم ان نعمتوں کا قیاس اس دنیا کی نعمتوں پر نہیں کرسکتے دوسری طرف ان نعمتوں کی غرض حصول رضائے الٰہی بتائی جاتی ہے۔ تو پھر اعتراض ہو ہی کیونکر سکتا ہے۔ کیونکہ بناء اعتراض سوائے اسکے کچھ نہیں کہ جس صورتمیں جنّت کی نعمتوں کے نام اس دنیا کی نعمتوں کے ہیں تو ضرور ہے کہ ان لذّات کا حصول بھی اسی قسم کا ہو جیسا اس دنیا میں ہوتا ہے اور پھر انکے نتائج بھی وہی ہوں اور جس طرح یہاں اکثر نفوس میں دنیا کی نعمتیں خدا سے ایک غفلت پیدا کرتی ہیں وہاں بھی کریں مگر قرآن شریف فرماتا ہے کہ نام کے اشتراک کے سوا اور جنّت کی نعمتوں کا کوئی تعلق اس دنیا کی نعمتوں سے نہیں نہ وہ یہاں کی چیزیں ہیں نہ ان سے وہ کثافت اور نتائج ہی پیدا ہوتے ہیں بلکہ برعکس اسکے محبت اور معرفت الٰہی میں ترقی ہوتی ہے۔ اور وہ تمام حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ ہیں۔

جیسا کہ بہشت میں حور وقصور کے ہونے پر اعتراض کیا جاتا ہے ایسا ہی دوزخ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسمیں سخت دردناک عذاب کا ہونا بیان کیا گیا ہے سب سے زیادہ تعجب ان اعتراض کرنیوالوں پر ہے جنکی انجیل میں ایک یا دو دفعہ نہیں بلکہ سات دفعہ دوزخ کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس خطرناک آگ میں ہمیشہ کا رونا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا دیکھو متی ۸:۱۲ و ۱۳:۴۲ و ۱۳:۵۰ و ۲۲:۱۳ و ۲۴:۵۱ و ۲۵:۳۰ و لوقا ۱۳:۲۸۔ قرآن کریم کی رو سے جیسا کہ میں بیان کرچکا ہوں آدمی کی اپنی ہی بدکرداریاں اسکا دوزخ ہو جاتی ہیں پس جیسی کسی کی بدکاریاں خطرناک ہونگی ایسا ہی اسکا دوزخ بھی خطرناک ہوگا۔ تمام گنہگاروں کو ایک سا ہی عذاب دوزخ کا نہ ہوگا ہر ایک کو اپنے کئے کے مطابق سزا ملیگی کم درجہ کے گنہگار کو کم اور خطرناک بدکار کو دردناک عذاب دیا جائیگا۔ قرآن شریف فرماتا ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا ج ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزیٰ الا مثلہا

وھم لا یظلمون۔ (۱۱ الانعام) یعنی نیکی والے کو تو اللہ تعالیٰ اپنے رحم اور فضل سے دس گناہ نیک اجر دیگا لیکن جو شخص بدی کرتا ہے اسکی سزا اسی بدی کے مثل ہوگی اور ذرہ بھی ظلم انپر نہیں کیا جاویگا۔ یعنی جزا و سزا مطابق اعمال کے ہوگی اس میں کمی بیشی نہ ہوگی۔ پس اگر دوزخ میں دردناک عذاب کا ہونا بیان کیا گیا ہے تو کیا دنیا میں خطرناک سیاہ کاریاں کرنیوالے مجرم نہیں جنکی جرموںکو سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر کیوں انکی خطرناک سیاہ کاریاں انکے لئے نہایت دردناک عذاب پیدا نہ کریں گی۔ دور جانیکی ضرورت نہیں مفصلہ ذیل کہانی کلیسیا کے اعلیٰ درجہ کے عہدداروںکی پڑھکر پادری صاحب بتادیں کہ کیا قرآن شریف میں دوزخ کا عذاب اس سے زیادہ دردناک بیان کیا گیا ہے جو اس قسم کے خبیث اور شیطانی افعال کیلئے ہونا چاہیئے۔ یہ قصہ اس "مقدس مذہبی عدالت" کے متعلق ہے جو ہسپانیہ سے مسلمانوںکو خارج کرنیکے بعد وہاں قائم ہوئی۔ اس غیر محدود اختیارات والی عدالت کے تین افسر تھے اور انہیں کی شرمناک اور وحشیوں سے بھی بدتر کارروائیوں کی ایک جھلک اس میں نظر آتی ہے۔ یہ قصہ عیسائیوںکی اپنی کتابوں سے لیا گیا ہے اسکے بیان کرنیوالی ایک نوجوان عورت ہے جسنے اس "مقدس مذہبی عدالت" کے پنجے سے ساٹھ ایسی ہی نوجوان خوبصورت عورتوں کے ساتھ اس وقت رہائی پائی جب فرانسیسی فوج کو خدا نے رحم کرکے انپر مسلط کر دیا۔ وہ کہتی ہے کہ میں پندرہ برس کی لڑکی تھی ایک عمدہ گھرانے کی۔ جب ایک معزز امیر لیڈی کے گھر میں اسکی ملاقات کرتے وقت مینے وہاں ڈان فرانسسکو کو دیکھا جو "مذہبی عدالت" کا دوسرا جج تھا۔ دیکھتے ہی اسکی نیت بدل گئی۔ اور جب رات ہوئی تو اپنے افسران پولیس کو میری گرفتاری کیلئے بھیجدیا اس عدالت کا نام ہی ایسا ہولناک تھا اور اسقدر ذلت سے اسکے احکام کی فرمانبرداری کی جاتی تھی کہ رات کے وقت وہ "مقدس مذہبی عدالت" کا نام سنتے ہی میرے باپ نے بغیر چون و چرا کے مجھے انکے حوالے کیا۔ انہوں نے پکڑ کر مجھکو گاڑی میں ساتھ بٹھالیا اور میں وحشت زدہ بت کی طرح بیٹھی تھی کہ اب جاتے ہی میرا کام تمام ہو جائیگا مگر مجھے کسقدر حیرت ہوئی جب میں نے دیکھا کہ مجھے انہوں نے ایک ایسے کمرے میں اتارا ہے جو اعلیٰ درجہ کی عیاشی کے سامان سے مہیا ہے۔ دوسرے دن تک مجھے کچھ پتہ نہ لگا کہ مجھے کس غرض کے لئے یہاں لائے ہیں جب شام ہوئی تو فرانسسکو آیا اور بڑے ادب سے سلام کرکے کہا کہ میں اسلئے آیا ہوں کہ تا تمہیں معلوم ہو کہ مجھے تمہارے خاندان کی کسقدر عزت منظور ہے اور پھر کہا کہ تمپر مذہبی الزام تمہارے ایک عاشق نے لگائے ہیں اور انکے لئے وہ "مقدس مذہبی عدالت" نے تمہاری نسبت یہ حکم دیا ہے کہ ایک جھلنگ کڑاہی میں تمکو رکھکر اسکے نیچے آہستہ آہستہ آگ جلائی جاوے اور اسطرح بر ایذا دیکر تمکو مار ڈالا جاوے مگر مجھے چونکہ تمپر رحم آیا اور میں تمہارے خاندان کی عزت کرتا ہوں اسلئے مینے اس حکم کو ابھی روکدیا ہے مگر اب یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم ایسی طرز اختیار کرو جس سے یہ حکم ہمیشہ کیلئے رکا رہے۔ یہ لفظ کہکر وہ چلا گیا اور میں نے رات

اپنے ننگ و ناموس کے خیال سے روتے ہوئے گذاری صبح ہوئی تو میری خادمہ نے جو دراصل اس خبیث
ظالم کی دلالہ تھی، مجھے کہا کہ چلو میں تمہیں دکھاؤں کہ خشک کڑاہی میں جلانے سے کیا مراد ہے۔ اسنے ایک بڑا
کمرہ کھولا جس میں ایک بڑا چولھا تھا جس میں تھوڑی آگ جل رہی تھی اور اسکے اوپر پیتل کی ایک بڑی
کڑاہی رکھی ہوئی تھی جسپر ایک ڈھکنا تھا اور اسکے ساتھ ایک تالا لگا ہوا تھا۔ پھر ایک دوسرا کمرہ اسنے مجھے
دکھایا جس میں ایک بڑا چکر تھا اور اسکے دونوں طرف موٹے موٹے تختے لگے ہوئے تھے پھر اسنے ایک چھوٹا سا دریچہ کھولا
تو میں نے دیکھا کہ اس چکر میں نہایت تیز استرے جابجا لگے ہوئے تھے۔ اسکے بعد مجھے اسنے ایک بڑا گڑھا دکھایا جو
تمام زہریلے جانوروں سے بھرا ہوا تھا جب میں ان نظاروں کو دیکھکر سخت دہشت زدہ ہوئی تو اس نے
کہا اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ یہ چیزیں کس کام آتی ہیں۔ یہ کڑاہی مرتدوں کیلئے ہے اور ان لوگوں کیلئے جو
"مقدس باپ" کی مرضی اور خوشی کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ زندہ اسمیں رکھ دیے جاتے ہیں اور اوپر سے
ڈھکنا دیکر تالا لگا دیا جاتا ہے۔ پھر نیچے آہستہ آہستہ آگ جلائی جاتی ہے یہانتک کہ جسم خاکستر ہو جاتا ہے۔
چکر ان لوگوں کیلئے ہے جو پوپ کی یا دوسری مذہبی عدالت کے "مقدس باپوں" کے خلاف کچھ کہتے ہیں انکو دریچہ
کھولکر اندر ڈالدیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ بشپ کو برا کہتے ہیں یا دوسرے مقدس لوگوں "یعنی کلیسیا کے عہدیداروں" کا ادب
نہیں کرتے وہ گڑھے میں ڈالے جاتے ہیں جہاں زہریلے جانور انکو ڈس ڈس کر ہلاک کرتے ہیں۔ پھر
میں اپنے کمرے میں واپس چلی گئی اور اس خادمہ نے کہا کہ پھر کسی دن میں تمکو اس سے بھی ہولناک نظارے
موت کے دکھاؤنگی مگر میں نے کہا کہ مجھے ان چیزوں کے دیکھنے کی برداشت نہیں۔ تب اسنے کہا کہ دیکھو فرانسسکو
جو کچھ کہے اسیطرح کرنا کیونکہ اگر تمنے اسکے حکم کے ماننے سے ذرہ بھی انکار کیا تو اسی کڑاہی میں ڈالکر جلائی جاؤگی
دوسری صبح اس خادمہ نے آکر کہا کہ میں تمہیں عمدہ سے عمدہ پوشاک پہنا کر اور زینت کرکے فرانسسکو کے
پاس لے جاؤنگی چنانچہ اسیطرح کیا اور جب میں اسکے کمرے میں پہنچی تو وہ ابھی بستر پر لیٹا ہوا تھا اسنے خادمہ
کو چلے جانیکا حکم دیا اور اسکے بعد جو کچھ چاہا کیا اور میں نے ایک بھوت کی طرح اپنی جان بچانیکے لئے اسکے
حکموں کو مانا۔ اس سیاہ کاری کا اعادہ تین دن تک ہوتا رہا اور روز مجھے عمدہ سے عمدہ لباس پہنایا جاتا۔
اسی اثنا میں مجھے ایک باغ دکھایا گیا جس میں باون اور میری طرح ہی خوبصورت نوجوان لیڈیاں
فاخرہ لباس پہنے ہوئے موجود تھیں مگر مجھے ابھی تک علم نہ تھا کہ وہ وہاں کس غرض کیلئے ہیں جب چوتھا
دن ہوا تو رنگ بدل گیا اور بجائے اس عیاشی کے محل اور باغ کے مجھے وہ خادمہ ایک تنگ و تاریک
کوٹھڑی میں جو آٹھ فٹ سے زیادہ نہ تھی لے گئی۔ جہاں ایک عورت آگے قیدی تھی اور مجھے کہا کہ اب یہ تمہارا
کمرہ ہوا۔ یہاں اس عورت نے جو پہلے موجود تھی مجھے سنایا کہ وہ تمام نوجوان عورتیں جو تمنے باغ میں دیکھی ہیں

وہ میری طرح ان ظالموں کے وحشیانہ جذبات کا شکار تھیں پھر اس نے سارے قصہ کو یوں بیان کیا در
ہمیں یہ سخت حکم ہے کہ جب کبھی کوئی نئی نوجوان لیڈی یہاں پکڑ کر لائی جائے تو تین دن تک بہت اظہار
خوشی کریں اور ہنسی اور کھیل میں دن گذاریں - جیساکہ ہم نے تمہارے آنے پر کیا اور جیسا تم دوسرون
کے آنے پر کرو گی - مگر اسکے بعد ہم سخت ذلت کی حالت میں قیدیوں کی طرح رکھی جاتی ہیں اور سوائے خادمہ
کے اور کسی شخص کو کبھی دیکھتی بھی نہیں تین دن ہفتہ میں ہم ملکر بڑے کمرے میں کھانا کھاتی ہیں - اور
ان دو مقدس افسرون ،، میں سے جب کسی کا آرادہ ہمارے ساتھ زنا کرنے کا ہوتا ہے - تو خادمہ آکر اسے
بلا لے جاتی ہے - بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خادمہ ہمارے کمرے کے دروازے کھلے چھوڑ جاتی ہے -
اور یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان میں سے رات کو کوئی سیاہ کاری کیلئے آئے گا - اگر ہم میں سے
کوئی حاملہ ہو جائے تو وہ ایک الگ کمرے میں نکال دی جاتی ہے - اور جب بچہ ہو جائے - تو اسکو کہیں
لے جاتے ہیں جس کا ہم کو کچھ علم نہیں ہوتا - اور نہ ہی کبھی ہم اس کے متعلق کچھ بھی آئندہ سنتے ہیں
میں اس ذلت کے گھر میں چھ سال سے ہوں اور چودہ برس کی تھی جب پہلے مجھے یہاں پکڑ کر لائے -
اس اثنا میں میرے ایک بچہ ہوا - اسوقت یہاں باون ۵۲ عورتیں ایسی موجود ہیں - مگر انہیں سے ....
ہر سال چھ یا آٹھ گم ہو جاتی ہیں اگرچہ ہمکو کچھ پتہ نہیں ملتا کہ وہ کہاں جاتی ہیں - مگر اس سے ہمارے
تعداد میں کمی نہیں آتی کیونکہ ہمیشہ اور گرفتار ہو کر آتی رہتی ہیں - ایک وقت میں ستر تک تعداد پہنچ
گئی تھی - ہمیشہ یہ سوچ سوچ کر ہماری جان ایک عذاب میں رہتی ہے - کہ جب کوئی ان دو مقدس باپوں
میں سے (جو تین آدمی ہیں) ہم میں سے کسی سے سیر ہو جاتا ہے تو اسکو مار ڈالا جاتا ہے کیونکہ یہ ممکن
نہیں کہ وہ زندہ اسکو یہاں سے باہر نکالدیں جس سے انکی بدکاریاں بیرونی دنیا پر ظاہر ہو سکتی ہیں
ہم سے زیادہ بدبخت روئے زمین پر کون ہے کہ جان بچانے کی خاطر ہم اس ذلت اور سیاہ کاری کو
قبول کرتی ہیں مگر ہماری جان بھی آخر نہیں بچتی -

اس قصہ کو پڑھکر پادری سیتل صاحب بتا دیں کہ کیا دوزخ کے وہ دردناک عذاب جو قرآن شریف
میں بیان کئے گئے ہیں ایسے خبیث اور پلید شیطانوں کے لئے جو انسانوں کی شکل رکھتے
اور مقدس باپ کہلاتے ہیں - انکے نزدیک زیادہ سخت ہیں؟

وصیت* حضرت مسیح موعود علیہ السلام

الحمد للہ رب العٰلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدٍ وّآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

امابعد چونکہ خدائے عزّوجلّ نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہی کہ میرا زمانہ وفات نزدیک ہی اور اس بارہ میں اسکی وحی اسقدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا اسلئے مینے مناسب سمجھا کہ اپنے دوستوں اور ان تمام لوگوں کے لئے جو میرے کلام سے فائدہ اُٹھانا چاہیں چند نصائح لکھوں۔ سو پہلے میں اس مقدس وحی سے اطلاع دیتا ہوں جسنے مجھے میرے موت کی خبر دیکر میرے لئے یہ تحریک پیدا کی اور وہ یہ ہے جو عربی زبان میں ہوئی اور بعد میں اردو کی وحی بھی لکھی جائے گی۔ قرب اجلك المقدّر۔ ولا نبقی لك من المخزیات ذکراً۔ قلّ میعاد ربك ولا نبقی لك من المخزیات شیئاً۔ واما نرینك بعض الذی نعدهم او نتوفینك۔ تموت وانا راضٍ منك۔ جاء وقتك ونبقی لك الاٰیات بیّنات۔ قرب ما توعدون۔ واما بنعمة ربك فحدث۔ انه من یتق الله ویصبر فان الله لا یضیع اجر المحسنین۔ ترجمہ۔ تیری اجل قریب آگئی ہی اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو۔ تیری نسبت خدا کی میعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی ہی۔ اور ہم ایسے تمام اعتراض دُور اور دفع کردیں گے اور کچھ انمیں سے باقی نہیں رکھیں گے جنکے بیان سے تیری رسوائی مطلوب ہو۔ اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو کچھ مخالفوں کی نسبت ہماری پیشگوئیاں ہیں انمیں سے تجھے کچھ دکھا دیں۔ یا تجھے وفات دیدیں۔ تو اس حالت میں فوت ہوگا کہ میں تجھسے راضی ہونگا۔ اور ہم کھلے کھلے نشان تیری تصدیق کے لئے ہمیشہ موجود رکھیں گے جو وعدہ کیا گیا وہ قریب ہی۔ اپنے رب کی نعمت کا جو تیرے پر ہوئی لوگوں کے پاس بیان کر۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو خدا ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اسجگہ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم تیری نسبت ایسے ذکر باقی نہیں چھوڑیں گے جو تیری رسوائی اور ہتک عزت کا موجب ہوں اس فقرہ کے دو معنی ہیں (۱) اوّل یہ کہ ایسے اعتراضات کو جو رسوا کرنیکی نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ہم دور کردینگے اور ان اعتراضات کا نام و نشان نہ رہیگا (۲) دوسرے یہ کہ ایسے شکایت کرنے والوں کو جو اپنی شرارتوں کو نہیں چھوڑتے اور بدذکر سے باز نہیں آتے دنیا سے اُٹھالیں گا اور صفحہ ہستی سے معدوم کردینگے تب انکے نابود ہونیکی وجہ سے انکے بیہودہ اعتراض بھی نابود ہوجائینگے۔ پھر بعد اسکے خدا تعالیٰ نے میری وفات کی نسبت اُردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اُس دن سب پر اُداسی چھا جائیگی۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ بعد اسکے تمہارا واقعہ ہوگا تمام حوادث اور

* اس وصیت کا ایک ضمیمہ جو ضروری امور پر مشتمل ہی الگ شائع ہوگا۔

عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔
حوادث کے بارہ میں جو مجھے علم دیا گیا ہے وہ یہی ہے۔ کہ ہر ایک طرف دنیا میں موت اپنا دامن پھیلائے گی اور زلزلے آئیں گے اور شدت سے آئینگے اور قیامت کا نمونہ ہونگے اور زمین کو تہ وبالا کریں گے۔ اور بہتوں کی زندگی تلخ ہو جائیگی۔ پھر وہ جو توبہ کریں گے اور گناہوں سے دستکش ہو جائینگے۔ خدا اُنپر رحم کرے گا۔ جیساکہ ہر ایک نبی نے اس زمانہ کی خبر دی تھی ضرور ہے۔ کہ وہ سب کچھ واقع ہو۔ لیکن وہ جو اپنے دلوں کو درست کریں گے اور اُن راہوں کو اختیار کرینگے جو خدا کو پسند ہیں۔ انکو کچھ خوف نہیں اور نہ کچھ غم۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تُو میری طرف سے نذیر ہے۔ میں نے تجھے بھیجا تا مجرم نیکوکاروں سے الگ کئے جائیں اور فرمایا کہ دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ میں تجھے اسقدر برکت دونگا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔
اور آئندہ زلزلہ کی نسبت جو ایک سخت زلزلہ ہوگا مجھے خبر دی اور فرمایا پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اسلئے ایک شدید زلزلہ کا آنا ضروری ہے لیکن راستباز اس سے امن میں ہیں۔ سو راستباز بنو اور تقویٰ اختیار کرو تا بچ جاؤ۔ آج خدا سے ڈرو تا اُس دن کے ڈر سے امن میں رہو۔ ضرور ہے کہ آسمان کچھ دکھاوے اور زمین کچھ ظاہر کرے لیکن خدا سے ڈرنے والے بچائے جائیں گے خدا کا کلام مجھے فرماتا ہے کہ کئی حوادث ظاہر ہونگے اور کئی آفتیں زمین پر اُتریں گی کچھ تو انمیں سے میری زندگی میں ظہور میں آجائینگی اور کچھ میرے بعد ظہور میں آئینگی۔ اور وہ اس سلسلہ کو پوری ترقی دیگا۔ کچھ میرے ہاتھ سے اور کچھ میرے بعد۔
یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اُسنے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور انکو غلبہ دیتا ہے۔ جیساکہ فرماتا ہے کتب اللّٰہ لاغلبن انا و رسلی۔ یعنی خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اسکے نبی غالب رہیں گے اور غلبہ سے مراد یہ ہے جیساکہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشا ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پُوری ہو جائے اور اسکا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ انکی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اُسکی تخم ریزی انہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اُسکی پوری تکمیل انکے ہاتھ سے نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے

* اگر دنیا کی آنکھ کھلتی تو وہ دیکھتی کہ میں صدی کے سر پر ظاہر ہوا اور چہارم حصہ کے قریب اب تک چودھویں صدی بھی گذر گئی اور احادیث کے مطابق عین میرے دعوے کے وقت رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن اور سورج گرہن بھی ہوا۔ اور طاعون بھی ملک میں ظاہر ہوئی۔ اور زلزلے بھی آئے اور آئیں گے مگر افسوس اُن پر جنہوں نے دنیا سے پیار کیا انہوں نے مجھے قبول نہ کیا منہ

وقت میں انکی وفات دیکر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقعہ دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جنکے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (۱) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائیگی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑ جاتے ہیں اور انکی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر فرماتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رض کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہ رض بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رض کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا۔ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔ یعنی خوف کے بعد پھر ہم انکے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جبکہ حضرت موسیٰ ع مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزل مقصود تک پہنچا دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں اُنکے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بیوقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰ ع کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔ اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہو گئے اور ایک انمیں سے مرتد بھی ہو گیا۔

سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اسلئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اسکا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤنگا۔ تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیجدیگا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیگی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ

تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ "میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دونگا" سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اسکے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے۔ وہ سب کچھ تمہیں دکھائیگا جس کا اسنے وعدہ فرمایا۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جنکے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جبتک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جاویں جن کی خدا نے خبر دی ہیں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو اور چاہئے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھاوے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے اپنی موت کو قریب سمجھو تم نہیں جانتے کہ کس وقت وہ گھڑی آجائے گی:۔

اور چاہئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں✝ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جسکے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد ملکر کام کرو۔

اور چاہئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو کہ بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتی اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو

✝ ایسے لوگوں کا انتخاب مومنوں کے اتفاق رائے پر ہوگا پس جس شخص کی نسبت چالیس[۴۰] مومن اتفاق کرینگے وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لیوے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا اور چاہئے کہ وہ اپنے تئیں دوسروں کے لئے نمونہ بناوے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کرونگا اور اسکو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کرونگا اور اسکے ذریعہ سے حق ترقی کریگا اور بہت سے لوگ سچائی کو قبول کرینگے سو ان دنوں کے منتظر رہو اور تمہیں یاد رہے کہ ہر ایک کی شناخت اسکے وقت میں ہوتی ہے اور قبل از وقت ممکن ہے کہ وہ معمولی انسان دکھائی دے یا بعض دھوکہ دینے والے خیالات کی وجہ سے قابل اعتراض ٹھہرے جیسا کہ قبل از وقت ایک کامل انسان بننے والا بھی پیٹ میں صرف ایک نطفہ یا علقہ ہوتا ہے۔ منہ

اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیگا خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جبتک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اسکی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تم تلخی اٹھالوگے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤگے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤگے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائینگے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ "تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جسکو دل میں لگانا چاہیئے" وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے تقویٰ ایک ایسی جڑ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے اور اگر وہ باقی رہے تو سب کچھ باقی ہے انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن قدم صدق نہیں رکھتا دیکھو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کیساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے جسکے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کریگا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اسطرح ہلاک ہو جاؤگے جسطرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں اور تم میں خدا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہلاک کرکے خدا خوش ہوگا لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤگے تب تم خدا میں ظاہر ہو جاؤگے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا جسمیں تم رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی اور گرمی محض خدا کے لئے ہو جائیگی۔ اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کروگے اور تعلق کو نہیں توڑوگے بلکہ آگے قدم بڑھاؤگے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤگے تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکوگے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤگے خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اسکی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے کینہ وری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو نہ معلوم کس راہ

سے تم قبول کئے جاؤ گے۔

تمہین خوشخبری ہو کہ قرب پانیکا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اسکی طرف دنیا کو توجہ نہین وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ مین داخل ہونا چاہتے ہین انکے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائین اور خدا سے خاص انعام پاوین یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہین ضایع کردیگا تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین مین بویا گیا خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھیگا اور پھولیگا اور ہر ایک طرف سے اسکی شاخین نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائیگا پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان مین آنیوالے ابتلاؤن سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤن کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمایش کرے کہ کون اپنے دعوی بیعت مین صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلا سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہین کرے گا اور بدبختی اسکو جہنم تک پہنچائیگی اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اسکے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کرین گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئینگے اور حوادث کی آندھیان چلین گی اور قومین ہنسی اور ٹھٹھا کرین گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئیگی وہ آخر فتحیاب ہونگے اور برکتون کے دروازے انپر کھولے جائین گے خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ مین اپنی جماعت کو اطلاع دون کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اسکے ساتھ دنیا کی ملونی نہین اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہین اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہین ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہین اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہین جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

اے سننے والو سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ پس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ اسکے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان مین نہ زمین مین ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے۔ جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ مین وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہین بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے اسکی تمام صفات ازلی ابدی ہین کوئی صفت بھی معطل نہین اور نہ کبھی ہوگی وہ وہی واحد لاشریک ہے جسکا کوئی بیٹا نہین اور جسکی کوئی بیوی نہین وہ وہی بے مثل ہے جسکا کوئی ثانی نہین جسکا کوئی ہم صفات نہین اور جسکی کوئی طاقت کم نہین وہ قریب ہے باوجود دور ہونیکے اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئین ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اسکے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔ اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہین کہہ سکتے کہ اسکے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہین وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام محامد حقہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیون کا اور جامع ہے تمام طاقتون کا اور

مبدا ہے تمام فیضوں کا اور مرجع ہے ہر ایک شے کا اور مالک ہے ہر ایک ملک کا اور متصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزّہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں اور اسکے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اور تمام روح اور انکی طاقتیں اور تمام ذرّات اور اسکی طاقتیں اسی کی پیدایش ہیں اسکے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی وہ اپنی طاقتوں اور اپنی قدرتوں اور اپنے نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اس کو اسی کے ذریعہ سے ہم پا سکتے ہیں اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی قدرتیں انکو دکھلاتا ہے اسی سے وہ شناخت کیا جاتا اور اسی سے اسکی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اسکا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے پس اسی طرح اسکی تمام قدرتیں ہیں نادان ہے جو اسکی قدرتوں سے انکار کرے اندھا ہے وہ جو اسکی عمیق طاقتوں سے بیخبر ہے وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے بغیر ان امور کے جو اسکی شان کے مخالف ہیں یا اسکے مواعید کے برخلاف ہیں اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں اور اس تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے۔ اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں انکی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ اُن سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اسکے سب راہیں بند ہیں تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں اور نہ اسکے بعد کوئی سچائی آئیگی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہئے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اسکے لئے ایک انجام بھی ہے۔ لیکن یہ نبوت محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے اور اس کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی محبت اور اسکے مکالمہ مخاطبہ کا اس سے بڑھکر انعام مل سکتا ہے۔ جو پہلے ملتا تھا۔ مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے ہاں امتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اس پر صادق آ سکتے ہیں کیونکہ اس میں نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی ہتک نہیں بلکہ اس نبوت کی چمک اس فیضان سے زیادہ تر ظاہر ہوتی ہے ✢ اور جبکہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کے رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے پس یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قوم جسکے لئے فرمایا گیا کہ کنتم خیر امة اخرجت للناس۔ اور جنکے لئے یہ دعا سکھائی گئی کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم انکے تمام افراد اس مرتبہ عالیہ سے محروم رہتے اور کوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہ تھی کہ امت محمدیہ ناقص اور ناتمام رہتی اور سب کے سب اندھوں کی طرح رہتے بلکہ یہ

✢ باوجود اسکے یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اسکی پیروی معطل کرے بلکہ اسکا عمل قیامت تک ہے۔ منہ

بھی نقص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت فیضان پر داغ لگتا تھا اور آپ کی قوت قدسیہ ناقص ٹھہرتی تھی اور ساتھ اسکے وہ دعا جسکا پانچ وقت نماز مین پڑھنا تعلیم کیا گیا تھا اسکا سکھلانا بھی عبث ٹھہرتا تھا مگر اس کی دوسری طرف یہ خرابی بھی تھی کہ اگر یہ کمال کسی فرد امت کو براہ راست بغیر پیروی نور نبوت محمدیہ کے ملسکتا۔ تو ختم نبوت کے معنے باطل ہوتے تھے پس ان دونون خرابیون سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا تعالی نے اسکا مکالمہ مخاطبہ کاملہ تامہ مطہرہ مقدسہ کا شرف ایسے بعض افراد کو عطا کیا جو فنا فی الرسول کی حالت تک اتم درجہ تک پہنچ گئے اور کوئی حجاب درمیان نہ رہا اور امتی ہونے کا مفہوم اور پیروی کے معنے اتم اور اکمل درجہ پر اُنمین پائے گئے ایسے طور پر کہ ان کا وجود اپنا وجود نہ رہا بلکہ ان کے محویت کے آئینہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود منعکس ہوگیا اور دوسری طرف اتم اور اکمل طور پر مکالمہ مخاطبہ الہیہ نبیون کی طرح انکو نصیب ہوا۔

پس اس طرح پر بعض افراد نے باوجود امتی ہونیکے نبی ہونے کا خطاب پایا کیونکہ ایسی صورت کی نبوت نبوت محمدیہ سے الگ نہین بلکہ اگر غور سے دیکھو تو خود وہ نبوت محمدیہ ہی ہے جو ایک پیرایہ جدید مین جلوہ گر ہوئی یہی معنے اس فقرہ کے ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے حق مین فرمایا کہ نبی اللہ امامکم منکم یعنی وہ نبی بھی ہے اور امتی بھی ہے ورنہ غیر کو اسجگہ قدم رکھنے کی جگہ نہین مبارک وہ جو اس نکتہ کو سمجھے تا ہلاک ہونے سے بچ جائے عیسی علیہ السلام کو خدا نے وفات دیدی جیسا کہ خدا تعالی کی صاف اور صریح آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم اسپر شاہد ہے جس کے معنے آیات متعلقہ کے ساتھ یہ ہین کہ خدا قیامت کو عیسی سے پوچھے گا کہ کیا تو نے ہی اپنی امت کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری مان کو خدا کر کے مانو تو وہ جواب دینگے جب تک مین اُنمین تھا تو انپر شاہد تھا اور ان کا نگہبان تھا اور جب تو نے مجھے وفات دیدی تو مجھے کیا علم تھا کہ میرے بعد وہ کس ضلالت مین مبتلا ہوئے اب اگر کوئی چاہے تو آیت فلما توفیتنی کے یہ معنے کرے کہ جب تو نے مجھے وفات دیدی اور چاہے تو اپنی ناحق کی ضد سے باز نہ آکر یہ معنے کرے کہ جب تو نے مع جسم عنصری مجھے آسمان پر اٹھا لیا بہر حال اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسی دوبارہ دنیا مین آئے ہوتے اور صلیب توڑی ہوتی تو اس صورت مین ممکن نہین کہ عیسی جو خدا کا نبی تھا ایسا صریح جھوٹ خدا تعالی کے روبرو قیامت کے دن بولے گا کہ مجھے کچھ بھی خبر نہین کہ میرے بعد میری امت نے یہ فاسد عقیدہ اختیار کیا کہ مجھے اور میری مان کو خدا قرار دیدیا کیا وہ شخص جو دوبارہ دنیا مین آوے اور چالیس برس دنیا مین رہے اور عیسائیون سے لڑائیان کرے وہ نبی کہلا کر ایسا مکروہ جھوٹ بول سکتا ہے کہ مجھے کچھ بھی خبر نہین پس جبکہ یہ آیت حضرت عیسی کو دوبارہ آنے سے روکتی ہے (ورنہ وہ دروغ گو ٹھہرتے ہین) تو اگر وہ مع جسم عنصری آسمانپر ہین تو بموجب تصریح اس آیت کے قیامت کے دن تک زمین پر نہین اترینگے تو کیا وہ آسمان پر ہی مرینگے اور آسمان پر ہی انکی قبر

ہوگی لیکن آسمان پر مرنا آیت **فیھا تموتون** کے برخلاف ہے پس اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ وہ آسمان پر مع جسم عنصری نہیں گئے بلکہ مر کر گئے اور جس حالت میں کتاب اللہ نے کمال تصریح سے یہ فیصلہ کر دیا تو پھر کتاب اللہ کی مخالفت کرنا اگر معصیت نہیں تو اور کیا ہے۔

اگر میں نہ آیا ہوتا تو محض اجتہادی غلطی قابل عفو تھی لیکن جب میں خدا کی طرف سے آگیا اور صریح اور سچے معنے قرآن شریف کے کھل گئے تو پھر بھی غلطی کو نہ چھوڑنا ایمانداری کا شیوہ نہیں میرے لئے خدا کے نشان آسمان پر بھی ظاہر ہوئے اور زمین پر بھی اور صدی کا بھی قریباً چوتھا حصہ گذر گیا اور ہزارہا نشان ظہور میں آگئے اور دنیا کی عمر سے ساتواں ہزار شروع ہو گیا تو پھر اب بھی حق کو قبول نہ کرنا یہ کس قسم کی سخت دلی ہے دیکھو میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ خدا کے نشان ابھی ختم نہیں ہوئے اُس پہلے زلزلہ کے نشان کے بعد جو ۴ اپریل ۱۹۰۵ء میں ظہور میں آیا جس کی ایک مدت پہلے خبر دی گئی تھی پھر خدا نے مجھے خبر دی کہ بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنے والا ہے وہ بہار کے دن ہوں گے نہ معلوم کہ وہ ابتدا بہار کا ہوگا جب درختوں میں پتا نکلتا ہے یا درمیان اُس کا یا اخیر کے دن جیسا کہ الفاظ وحی الٰہی یہ ہیں۔ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں تھا اسلئے خدا نے خبر دی کہ وہ دوسرا زلزلہ بھی بہار میں ہی آئیگا اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسی مہینہ سے خوف کے دن شروع ہونگے اور غالباً مئی کے اخیر تک وہ دن رہینگے۔ +

اور خدا نے فرمایا **زلزلة الساعة** یعنی وہ زلزلہ قیامت کا نمونہ ہوگا اور پھر فرمایا **لک نری آیات ونهدم ما یعمرون*** یعنی تیرے لئے ہم نشان دکھلائیں گے اور جو عمارتیں بناتے جائینگے ہم انکو گراتے جائینگے اور پھر فرمایا بھونچال آیا اور شدت سے آیا اور زمین تہ و بالا کر دی۔ یعنی ایک سخت زلزلہ آئیگا اور زمین کو یعنی زمین کے بعض حصوں کو زیر و زبر کر دیگا جیسا کہ لوط کے زمانہ میں ہوا اور پھر فرمایا **انی مع الافواج اتیک بغتة** یعنی میں پوشیدہ طور پر فوجوں کے ساتھ آؤنگا اُس دن کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوگی جیسا کہ لوط کی بستی جب زیر و زبر ہوئی کسی کو خبر نہ تھی اور سب کھاتے پیتے اور عیش کرتے تھے کہ ناگہانی طور پر زمین الٹائی گئی پس خدا فرماتا ہے کہ اس جگہ بھی ایسا ہی ہوگا کیونکہ گناہ حد سے بڑھ گیا اور انسان حد سے زیادہ دنیا سے پیار کر رہے ہیں اور خدا کی راہ تحقیر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور پھر فرمایا زندگیوں کا خاتمہ اور پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

+ مجھے معلوم نہیں کہ بہار کے دنوں سے مراد یہی بہار کے دن ہیں جو اس جاڑے کے گذرنے کے بعد آنیوالے ہیں یا کسی اور وقت پر اس پیشگوئی کا ظہور موقوف ہے۔ جو بہار کا وقت ہوگا بہر حال خدا تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہار کے دن ہونگے خواہ کوئی بہار ہو مگر خدا ایک ایسے شخص کی طرح آئیگا جو رات کو پوشیدہ طور پر آتا ہے یہی خدا نے مجھے فرمایا۔ منہ

* ایک خدا کی وحی اس بارے میں یہ بھی ہے۔ تیرے لئے میرا نام چمکا۔ منہ

قال ربك انه نازل من السماء ما يرضيك رحمة منا وكان امرا مقضيا۔ یعنی تیرا رب کہتا ہے کہ ایک امر آسمان سے اتریگا جس سے تو خوش ہو جائیگا یہ ہماری طرف سے رحمت ہے۔ اور یہ فیصلہ شدہ بات ہے جو ابتدا سے مقدر تھی اور ضرور ہے کہ آسمان اُس امر کے نازل کرنے سے رکا رہے جب تک کہ یہ پیشگوئی قومون مین شایع ہو جائے کون ہے جو ہماری باتون پر ایمان لاوے بجز اسکے کہ خوش قسمت ہو۔

یاد رہے کہ یہ اعلان تشویش کے پھیلانے کے لئے نہین بلکہ آیندہ تشویش کی پیش بندی کے لئے ہے تا کوئی بیخبری مین ہلاک نہ ہو ہر ایک امر نیت سے وابستہ ہے۔ پس ہماری نیت دکھ دینے کی نہین بلکہ دکھ سے بچانے کی نیت ہے وہ لوگ جو توبہ کرتے ہین خدا کے عذاب سے بچائے جائینگے مگر وہ بدقسمت جو توبہ نہین کرتا اور ٹھٹھے کی مجلسون کو نہین چھوڑتا اور بدکاری اور گناہ سے باز نہین آتا اسکی ہلاکت کے دن نزدیک ہین کیونکہ اسکی شوخی خدا کی نظر مین قابل غضب ہے۔

اس جگہ ایک امر اور قابل تذکرہ ہے کہ جیسا کہ مین پہلے بیان کر چکا ہون کہ خدا نے مجھے میری وفات سے اطلاع دی ہے اور مجھے مخاطب کر کے میری زندگی کی نسبت فرمایا کہ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہین اور فرمایا کہ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئیگا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضرور ہے کہ میری وفات سے پہلے دنیا پر کچھ حوادث پڑین اور کچھ عجائبات قدرت ظاہر ہون تا دنیا ایک انقلاب کے لئے طیار ہو جائے اور اُس انقلاب کے بعد میری وفات ہو اور مجھے ایک جگہ دکھلا دی گئی کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہوگی ایک فرشتہ مین نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے تب ایک مقام پر اسنے پہنچکر مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے۔ پھر ایک جگہ مجھے ایک قبر دکھلائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی اور اسکی تمام مٹی چاندی کی تھی تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اسکا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگون کی قبرین ہین جو بہشتی ہین۔ تب سے ہمیشہ مجھے یہ فکر رہی کہ جماعت کے لئے ایک قطعہ زمین قبرستان کی غرض سے خریدا جائے لیکن چونکہ موقعہ کی عمدہ زمینین بہت قیمت سے ملتی تھین اسلئے یہ غرض مدت دراز تک معرض التوا مین رہی اب اخویم مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد جبکہ میری وفات کی نسبت بھی متواتر وحی الہی ہوئی مین نے مناسب سمجھا کہ قبرستان کا جلدی انتظام کیا جائے۔ اسلئے مین نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے جسکی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہین اس کام کے لئے تجویز کی اور مین دعا کرتا ہون کہ خدا اس مین برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بنا دے اور یہ اس جماعت کے پاکدل لوگون کی خوابگاہ ہو جنہون نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا اور دنیا کی محبت چھوڑ دی اور خدا کے لئے ہو گئے اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی طرح وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھلایا آمین یا رب العالمین پھر مین دعا کرتا ہون کہ اے میرے قادر خدا اس زمین کو میری جماعت مین سے ان پاکدلون کی قبرین بنا جو فی الواقع

تیرے لئے ہو چکے اور دنیا کی اغراض کی ملونی انکے کاروبار میں نہیں آمین یا رب العٰلمین۔

پھر میں تیسری دفعہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر کریم اے خدائے غفور رحیم تو صرف ان لوگوں کو اس جگہ قبروں کی جگہ دے جو تیرے اس فرستادہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور کوئی نفاق اور غرض نفسانی اور بدظنی* اپنے اندر نہیں رکھتے اور جیسا کہ حق ایمان اور اطاعت کا ہے بجا لاتے ہیں اور تیرے لئے اور تیری راہ میں اپنے دلوں میں جان فدا کر چکے ہیں جن سے تو راضی ہے اور جنکو تو جانتا ہے کہ وہ بکلی تیری محبت میں کھوئے گئے اور تیرے فرستادہ سے وفاداری اور پورے ادب اور انشراحی ایمان کے ساتھ محبت اور جانفشانی کا تعلق رکھتے ہیں۔ آمین یا رب العٰلمین۔

اور چونکہ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ انزل فیھا کل رحمۃ۔ یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں اسلئے خدا نے میرا دل اپنی وحی خفی سے اسطرف مائل کیا کہ ایسے قبرستان کے لئے ایسے شرائط لگا دیئے جائیں کہ وہی لوگ اس میں داخل ہو سکیں جو اپنے صدق اور کامل راستبازی کی وجہ سے ان شرائط کے پابند ہوں سو وہ تین شرطیں ہیں اور سب کو بجا لانا ہوگا۔

(۱) اس قبرستان کی زمین موجودہ بطور چندہ کے میں نے اپنی طرف سے دی ہے لیکن اس احاطہ کی تکمیل کے لئے کسی قدر اور زمین خریدی جائیگی جس کی قیمت اندازاً ہزار روپیہ ہوگی اور اسکے خوشنما کرنے کیلئے کچھ درخت لگائے جائیں گے۔ اور

* بدظنی ایک سخت بلا ہے جو ایمان کو ایسی جلدی جلا دیتی ہے جیسا کہ آتش سوزان خس و خاشاک کو اور وہ جو خدا کے مرسلوں پر بدظنی کرتا ہے خدا اس کا خود دشمن ہو جاتا ہے اور اس کی جنگ کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور وہ اپنے برگزیدوں کیلئے اسقدر غیرت رکھتا ہے جو کسی میں اسکی نظیر نہیں پائی جاتی میرے پر جب طرح طرح کے حملے ہوئے تو وہی خدا کی غیرت میرے لئے افروختہ ہوئی جیسا کہ اسنے فرمایا۔ انی مع الرسول اقوم والوم من یلوم واعطیک ما یدوم لک درجۃ فی السماء وفی الذین ھم یبصرون۔ ولک نری اٰیات ونھدم ما یعمرون۔ وقالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا قال انی اعلم ما لا تعلمون۔ انی مھین من اراد اھانتک۔ لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون۔ اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ۔ بشارۃ تلقاھا النبیون۔ یا احمدی انت مرادی ومعی۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی۔ وانت منی بمنزلۃ لا یعلمھا الخلق۔ وانت وجیہ فی حضرتی اخترتک لنفسی۔ اذا غضبت غضبت وکلما احببت احببت۔ اثرک اللہ علی کل شیء۔ الحمد للہ الذی جعلک المسیح ابن مریم۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔ وکان وعدًا مفعولا۔ یعصمک اللہ من العدا۔ ویسطو بکل من سطا۔ ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ الیس اللہ بکاف عبدہ۔ یا جبال اوبی معہ والطیر۔ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی۔ وھم من بعد غلبھم سیغلبون۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ ان الذین اٰمنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم۔ سلام قولا من رب رحیم۔ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون۔ منہ

ایک کنوان لگایا جائیگا اور اس قبرستان کے شمالی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گندگاہ ہے اسلئے وہان ایک پل طیار کیا جائیگا اور ان متفرق مصارف کے لئے دو ہزار روپیہ درکار ہوگا سو کل تین ہزار روپیہ ہوا جو اس تمام کام کی تکمیل کے لئے خرچ ہوگا سو پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان مین مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لئے چندہ داخل کرے اور یہ چندہ محض انہین لوگون سے طلب کیا گیا ہے نہ دوسرون سے بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہیئے لیکن اگر خدا تعالی نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہیگا اس صورت مین ایک انجمن چاہئیے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہیگا اعلاء کلمہ اسلام اور اشاعت توحید مین جس طرح مناسب سمجھین خرچ کرین۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت مین سے اس قبرستان مین وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو اسکی موت کے بعد دسوان حصہ اسکے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن مین خرچ ہوگا اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت مین اس سے زیادہ بھی لکھدے لیکن اس سے کم نہین ہوگا اور یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہیگی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظون کے لئے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کرینگے اور خدا تعالی کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو ترقی دیگا اسلئے امید کیجاتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے ایسے مال بھی بہت اکٹھے ہو جائینگے اور ہر ایک امر جو مصالح اشاعت اسلام مین داخل ہے جس کی تفصیل کرنا قبل از وقت ہے وہ تمام امور ان اموال سے انجام پذیر ہونگے اور جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے فوت ہو جائے گا تو وہ لوگ جو انکے جانشین ہونگے انکا بھی یہی فرض ہوگا کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاوین ان اموال مین سے ان یتیمون اور مسکینون کا بھی حق ہوگا جو کافی طور پر وجوہ معاش نہین رکھتے اور سلسلہ احمدیہ مین داخل ہین اور جایز ہوگا کہ ان اموال کو بطور تجارت کے ترقی دیجائے یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دور از قیاس باتین ہین بلکہ یہ اس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے مجھے اس بات کا غم نہین کہ یہ اموال جمع کیونکر ہونگے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جنکے سپرد ایسے مال کئے جائین وہ کثرت مال کو دیکھکر ٹھوکر نہ کھاوین اور دنیا سے پیار نہ کرین سو مین دعا کرتا ہون کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہین جو خدا کے لئے کام کرین۔ ہان جایز ہوگا کہ جن کا کچھ گذارہ نہ ہو انکو بطور مدد خرچ اس مین سے دیا جائے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان مین دفن ہونیوالا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو سچا اور صاف مسلمان ہو۔

(۴) ہر ایک صالح جسکی کوئی بھی جائداد نہین اور کوئی مالی خدمت نہین کر سکتا اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان مین دفن ہو سکتا ہے۔

ہدایت

(۱) ہر ایک صاحب جو حسب شرایط متذکرہ بالا کوئی وصیت کرنا چاہین تو انکی وصیت پر عملدرآمد انکی موت کے بعد ہو گا۔ لیکن وصیت کو لکھکر اس سلسلہ کے امین معوض الخدمت کو سپرد کر دینا لازمی امر ہو گا اور ایسا ہی چھاپ کر شایع کرنا بھی کیونکہ موت کے وقت اکثر وصایا کا لکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور چونکہ آسمانی نشانون اور بلاؤن کے دن قریب ہین اسلئے خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسی صحت مین وصیت لکھنے والا بہت درجہ رکھتا ہے جو امن کی حالت مین وصیت لکھتا ہے اور اس وصیت کے لکھنے مین جس کا مال انکی مدد دینے والا ہو گا اسکو دوہرا ثواب ہو گا اور خیرات جاریہ کے حکم مین ہو گا۔

(۲) ہر ایک صاحب جو کسی دوسری جگہ مین ہون جو قادیان سے دور اس ملک کے کسی اور حصہ مین ہون اور وہ ان شرایط کے پابند ہون جو درج ہو چکی ہین تو انکے وارثون کو چاہئے کہ انکی موت کے بعد ایک صندوق مین ان کی میت کو رکھکر قادیان مین پہنچا دین اور اگر اس قبرستان کی تکمیل سے پہلے یعنی پل وغیرہ کی طیاری سے پہلے کوئی صاحب فوت ہو جائین جو حسب شرایط اس قبرستان مین دفن ہونگے تو چاہئے کہ بطور امانت صندوق مین رکھکر اپنی جگہ دفن کئے جائین پھر تمام لوازم کی طیاری کے بعد جو قبرستان کے متعلق ہین قادیان مین انکی میت لائی جائے لیکن جو صاحب جو بغیر صندوق کے دفن کئے جائین ان کا قبر مین سے نکالنا مناسب نہ ہو گا ✝

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ایسے کامل الایمان ایک ہی جگہ دفن ہون تا آیندہ کی نسلین ایک ہی جگہ انکو دیکھکر اپنا ایمان تازہ کرین اور انکے کارنامے یعنی جو خدا کے لئے انہون نے دینی کام کئے ہمیشہ کیلئے قوم پر ظاہر ہون۔

بالآخر ہم دعا کرتے ہین کہ خدا تعالیٰ اس کام مین ہر ایک مخلص کو مدد دے اور ایمانی جوش انمین پیدا کرے اور ان کا خاتمہ بالخیر کرے : آمین۔

مناسب ہے کہ ہر ایک صاحب ہماری جماعت مین سے جنکو یہ تحریر ملے وہ اپنے دوستون مین اسکو مشتہر کرین اور جہان تک ممکن ہو اسکی اشاعت کرین اور اپنی آیندہ نسل کے لئے اسکو محفوظ رکھین اور مخالفون کو بھی مہذب طریق پر اس سے اطلاع دین اور ہر ایک بدگوئی پر صبر کرین اور دعامین لگے رہین و اخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

الراقم خاکسار المفتقر الی اللّٰہ الصمد غلام احمد عافاہ اللّٰہ و ایّد ۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء

حاشیہ ✝ کوئی نادان اس قبرستان اور اس انتظام کو بدعت مین داخل نہ سمجھے کیونکہ یہ انتظام حسب وحی الٰہی ہے انسان کا اسمین دخل نہین اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ صرف اس قبرستان مین داخل ہونے سے کوئی بہشتی کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مطلب نہین ہے کہ یہ زمین کسی کو بہشتی کر دیگی بلکہ خدا کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ صرف بہشتی ہی اسمین دفن کیا جائیگا۔ منہ

الا ای کہ ہشیاری و پاک زاد
اگر باز باشد ترا گوش ہوش
ہر آن کو بدنیای دون مبتلاست
سفر کردہ پیش از سفر سوے یار
چو کار حیات است کاری نہان
چو آخر ز دنیا سفر کردن است
بدین قحبہ بستن دل خود خطاست
چرا دل نہندی بدان دلستان

پی حرص دنیا مدہ دین بباد
ز گورت ندائی در آید بگوش
گرفتار رنج و عذاب و عناست
کشیدہ ز دنیا ہمہ رخت و بار
ہمان بہ کہ دل بگسلی زین مکان
چو رفتن ازین رہ گذر کردن است
کہ این دشمنِ دین و صدق و صفاست
کہ مہرش رہاند ز بند گران
عروسی بود نوبت ماتمت۔

بدین دلستانی دلِ خود مبند
کسے طعمۂ من بسی ز چند روز
پرست آنکہ پر سوت دارد نگاہ
پی داغ عقبیٰ کمر بستہ چست
جہنم کزو داد فرقان خبر
چرا عاقلے دل نبندد دران
چہ حاصل ازین دلستانِ دو رنگ
برد فکر انجام کن اے غوی
اگر بر نکوئی بود خاتمت

کہ دارد نہان راستش صد گزند
پے فکر دنیاے دون کم بسوز
بدیدہ ز دنیا۔ دو دیدہ براہ
رہا کردہ سامانِ این جا نخست
ہمین حرص دنیاست جانِ پدر
کہ ناگہ دزد برگِ او خزان
کہ گاہی بصلحت کشد گہ بجنگ
ز سعدی شنو گر ز من نشنوی

ضمیمہ متعلقہ رسالہ الوصیّۃ

رسالہ الوصیت کے متعلق چند ضروری امر قابل شاعت ہین جو ذیل مین لکھے جاتے ہین۔

(۱) اول یہ کہ جبتک انجمن کارپرداز مصالح قبرستان اس امر کو شایع نہ کرے کہ قبرستان باعتبار لوازم ضروری کے من کل الوجوہ طیار ہو گیا ہے۔ اسوقت تک جایز نہ ہوگا کہ کوئی میت جس نے رسالہ الوصیۃ کے شرایط کی پابندی کی ہے قبرستان مین دفن کرنیکے لیے لائی جائے پل وغیرہ لوازم ضروریہ کا پہلے طیار ہو جانا ضروری ہوگا اور اس وقت تک میت ایک صندوق مین امانت کے طور پر کسی اور قبرستان مین رکھی جائیگی۔

(۲) ہر ایک صاحب جو رسالہ الوصیۃ کی پابندی کا اقرار کرین ضروری ہوگا کہ وہ ایسا اقرار کم سے کم دو گواہون کی ثبت شہادت کے ساتھ اپنے زمانہ قائمی ہوش و حواس مین انجمن کے حوالہ کرین اور تصریح سے لکھین کہ وہ اپنی کل جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا دسوان حصہ اشاعت اغراض سلسلہ احمدیہ کیلئے بطور وصیت یا وقف دیتے ہین اور ضروری ہوگا کہ وہ کم سے کم دو اخبارون مین اسکو شایع کرادین۔

(۳) انجمن کا یہ فرض ہوگا کہ قانونی اور شرعی طور پر وصیت کردہ مضمون کی نسبت اپنی پوری تسلی کر کے وصیت کنندہ کو ایک سارٹیفکیٹ اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ دیدین اور جب قواعد مذکورہ بالا کی رو سے کوئی میت اس قبرستان مین لائی جائے تو ضروری ہوگا کہ وہ سارٹیفکیٹ انجمن کو دکھلایا جاے اور انجمن کی

ہدایت اور موقع نمائی سے وہ میّت اس موقع میں دفن کی جائے جو انجمن نے اسکے لئے تجویز کیا ہے۔

(۴) اس قبرستان میں بجز کسی خاص صورت کے جو انجمن تجویز کرے نابالغ بچے دفن نہیں ہوں گے کیونکہ وہ بہشتی ہیں۔

( ) نہ اس قبرستان میں اُس میّت کا کوئی دوسرا عزیز دفن ہوگا جب تک وہ اپنے طور پر کل شرائط رسالہ الوصیۃ پورا نہ کرے۔

(۵) ہر ایک میّت جو قادیان کی زمین میں فوت نہیں ہوئی اُسکو بجز صندوق قادیان میں لانا جائز نہ ہوگا اور نیز ضروری ہوگا کہ کم سے کم ایک ماہ پہلے اطلاع دیں تا اگر انجمن کو اتفاقی موانع قبرستان کے متعلق پیش آگئے ہوں تو ان کو دور کر کے اجازت دے۔

(۶) اگر کوئی صاحب خدانخواستہ طاعون کی مرض سے فوت ہوں جنہوں نے رسالہ الوصیۃ کے تمام شرائط پورے کر دیے ہوں انکی نسبت یہ ضروری حکم ہے کہ وہ دو برس تک صندوق میں رکھکر کسی علیحدہ مکان میں امانت کے طور پر دفن کئے جائیں اور دو برس کے بعد ایسے موسم میں لائے جائیں کہ اس فوت ہونیکے مقام اور قادیان میں طاعون نہ ہو۔

(۷) یاد رہے کہ صرف یہ کافی نہ ہوگا کہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کا دسواں حصہ دیا جائے بلکہ ضروری ہوگا کہ ایسا وصیّت کرنیوالا جہاں تک اس کیلئے ممکن ہے پابند احکام اسلام ہو اور تقویٰ طہارت کے امور میں کوشش کرنیوالا ہو اور مسلمان خدا کو ایک جاننے والا اور اسکے رسول پر سچا ایمان لانیوالا ہو اور نیز حقوق عباد غصب کرنیوالا نہ ہو۔

(۸) اگر کوئی صاحب دسویں حصہ جائداد کی وصیت کریں اور اتفاقاً ان کی موت ایسی ہو کہ مثلاً کسی دریا میں غرق ہو کر ان کا انتقال ہو یا کسی اور ملک میں وفات پاویں جہاں سے میّت کو لانا متعذر ہو تو انکی وصیت قائم رہیگی اور خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہوگا کہ گویا وہ اسی قبرستان میں دفن ہوئے ہیں اور جائز ہوگا کہ انکی یادگار میں اسی قبرستان میں ایک کتبہ اینٹ یا پتھر پر لکھ کر نصب کیا جائے اور اسپر یہ واقعات لکھے جائیں۔

(۹) انجمن جس کے ہاتھ میں ایسا روپیہ ہوگا اسکو اختیار نہیں ہوگا کہ بجز اغراض سلسلہ احمدیہ کے کسی اور جگہ وہ روپیہ خرچ کرے اور ان اغراض میں سے سب سے پہلے اشاعت اسلام ہوگی اور جائز ہوگا کہ انجمن باتفاق رائے اس روپیہ کو تجارت کے ذریعہ سے ترقی دے۔

(۱۰) انجمن کے تمام ممبر ایسے ہونگے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں اور پارسا طبع اور دیانت دار ہوں اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ دیانت دار نہیں یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ کوئی اور مقرر کرے۔

(۱۱) اگر وصیتی مال کے متعلق کوئی جھگڑا پیش آوے تو اس جھگڑے کی پیروی میں جو اخراجات ہوں وہ تمام وصیتی مالوں میں سے دیئے جائیں گے۔

(۱۲) اگر کوئی شخص وصیت کر کے پھر کسی اپنے ضعفِ ایمان کی وجہ سے اپنی وصیت سے منکر ہو جائے یا اس سلسلہ سے روگردان ہو جائے تو گو انجمن نے قانونی طور پر اسکے مال پر قبضہ کر لیا ہو پھر بھی جائز نہ ہوگا کہ وہ مال اپنے قبضہ میں رکھے بلکہ وہ تمام مال واپس کرنا ہوگا کیونکہ خدا کسی کے مال کا محتاج نہیں اور خدا کے نزدیک ایسا مال مکروہ اور رد کرنے کے لایق ہے۔

(۱۳) چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اسلئے اس انجمن کو دنیا داری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اسکے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔

(۱۴) جائز ہوگا کہ اس انجمن کی تائید اور نصرت کے لئے دور دراز ملکوں میں اور انجمنیں ہوں جو انکی ہدایت کے تابع ہوں اور یہ جائز ہوگا کہ اگر وہ ایسے ملک میں ہوں کہ وہاں سے میت کو لانا متعذر ہے تو اسی جگہ میت کو دفن کر دیں اور ثواب سے حصہ پانیکی غرض سے ایسا شخص قبل از وفات اپنے مال کے دسویں حصہ کی وصیت کرے اور اس وصیتی مال پر قبضہ کرنا اس انجمن کا کام ہوگا جو اس ملک میں ہے۔ اور بہتر ہوگا کہ وہ روپیہ اُسی ملک کے اغراض دینیہ کیلئے خرچ ہو۔ اور جائز ہوگا کہ کوئی ضرورت محسوس کر کے وہ روپیہ اس انجمن کو دیا جاوے جسکا ہیڈ کوارٹر یعنی مرکز مقامی قادیان ہوگا۔

(۱۵) یہ ضروری ہوگا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے کیونکہ خدا نے اس مقام کو برکت دی ہے اور جائز ہوگا کہ وہ آئندہ ضرورتیں محسوس کر کے اس کام کے لئے کوئی کافی مکان طیار کریں۔

(۱۶) انجمن میں کم سے کم دو ممبر ایسے چاہئیں جو علم قرآن اور حدیث سے بخوبی واقف ہوں اور بخصیل علم عربی رکھتے ہوں اور سلسلہ احمدیہ کی کتابوں کو یاد رکھتے ہوں۔

(۱۷) اگر خدانخواستہ کوئی ایسا شخص جو رسالہ الوصیۃ کی رو سے وصیت کرتا ہے مجذوم ہو جسکی جسمانی حالت اس لایق نہ ہو جو وہ اس قبرستان میں لایا جائے تو ایسا شخص حسب مصالح ظاہری مناسب نہیں ہے کہ اس قبرستان میں لایا جائے لیکن اگر اپنی وصیت پر قایم ہوگا تو اسکو وہی درجہ ملیگا جیسا کہ دفن ہونیوالے کو۔

(۱۸) اگر کوئی کچھ بھی جایداد منقولہ یا غیر منقولہ نہ رکھتا ہو اور یہ ثابت ہو کہ وہ ایک صالح درویش ہے اور متقی اور خالص مومن ہے اور کوئی حصہ نفاق یا دنیا پرستی یا قصور اطاعت کا اسکے اندر نہ ہو تو وہ بھی میری اجازت سے یا میرے بعد انجمن کی اتفاق رائے سے اس قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے۔

(۱۹) اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی خاص وحی سے رد کیا جائے تو گو وصیتی مال بھی پیش کرے تاہم اس قبرستان میں داخل نہیں ہوگا

(۲۰) میری نسبت اور میرے اہل و عیال کی نسبت خدا نے استثنا رکھا ہے باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت انکو ان شرائط کی پابندی لازم ہوگی اور شکایت کرنیوالا منافق ہوگا۔

یہ وہ شرائط ضروریہ ہیں جو اوپر لکھی گئیں آیندہ اس مقبرہ بہشتی میں وہ دفن کیا جائیگا جو ان شرائط کو پورا کریگا۔ ممکن ہے کہ بعض آدمی جن پر بدگمانی کا مادہ غالب ہو وہ ہمیں اس کارروائی میں اعتراضوں کا نشانہ بناویں اور اس انتظام کو اغراض نفسانیہ پر مبنی سمجھیں یا اسکو بدعت قرار دیں لیکن یاد رہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بلاشبہ اسنے ارادہ کیا ہے کہ اس انتظام سے منافق اور مومن میں تمیز کرے اور ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ جو اس الٰہی انتظام پر اطلاع پاکر بلا توقف اس فکر میں پڑتے ہیں۔ کہ دسواں حصہ کل جائداد کا خدا کی راہ میں دیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اپنا جوش دکھلاتے ہیں وہ اپنی ایمانداری پر مہر لگا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ؕ کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں اسی قدر پر راضی ہو جاؤں کہ وہ کہدیں کہ ہم ایمان لائے اور ابھی انکا امتحان نہ کیا جائے۔ اور یہ امتحان تو کچھ بھی چیز نہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان جانوں کے مطالبہ پر کیا گیا۔ اور انہوں نے اپنے سر خدا کی راہ میں دئے پھر ایسا گمان کہ کیوں یونہی عام اجازت ہر ایک کو نہ دیجائے کہ وہ اس قبرستان میں دفن کیا جائے کسقدر دور از حقیقت ہے اگر یہی روا ہو تو خدا تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں امتحان کی کیوں بنا ڈالی وہ ہر ایک زمانہ میں چاہتا رہا ہے کہ خبیث اور طیب میں فرق کرکے دکھلاوے اسلئے اب بھی ایسا ہی کیا خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض خفیف خفیف امتحان بھی رکھے ہوئے تھے جیسا کہ یہ بھی دستور تھا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا مشورہ نہ لے جب تک پہلے نذرانہ داخل نہ کرے پس اسمیں بھی منافقوں کے لئے ابتلا تھا ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ اسوقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائینگے اور ثابت ہو جائے گا کہ بیعت کا اقرار انہوں نے سچا کرکے دکھلا دیا اور اپنا صدق ظاہر کر دیا بیشک یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گذریگا۔ اور اس سے انکی پردہ دری ہوگی اور بعد موت وہ مرد ہوں یا عورت اس قبرستان میں ہرگز دفن نہیں ہو سکیں گے

فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا لیکن اس کام میں سبقت دکھلانے والے راستبازوں میں شمار کئے جائینگے اور ابد تک خدا کی ان پر رحمتیں ہونگی۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ بلا کے دن نزدیک ہیں اور ایک سخت زلزلہ جو زمین کو تہ و بالا کر دیگا قریب ہے پس وہ جو معائنہ عذاب سے پہلے اپنا تارک الدنیا ہونا ثابت کرینگے اور نیز یہ بھی ثابت کرینگے کہ کسطرح انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی خدا کے نزدیک حقیقی مومن وہی ہیں اور اسکے دفتر میں سابقین اوّلین لکھے جائینگے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ زمانہ قریب ہے کہ ایک منافق جسنے دنیا سے محبت کرکے اس حکم کو ٹال دیا ہے۔ وہ عذاب کے وقت آہ مار کر کہیگا

کہ کاش میں تمام جایداد کیا منقولہ اور غیر منقولہ خدا کی راہ میں دیدیتا اور اس عذاب سے بچ جاتا۔ یاد رکھو کہ اس عذاب کے معائنہ کے بعد ایمان بے سود ہوگا اور صدقہ خیرات محض عبث۔ دیکھو! میں بہت قریب عذاب کی تمہیں اطلاع دیتا ہوں اپنے لئے وہ زاد جلد تر جمع کرو کہ کام آوے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مال لوں اور اپنے قبضہ میں کرلوں بلکہ تم اشاعت دین کے لئے ایک انجمن کے حوالہ اپنا مال کروگے اور بہشتی زندگی پاؤگے۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ وہ دنیا کی محبت کرکے میرے حکم کو ٹال دینگے مگر بہت جلد دنیا سے جدا کئے جائینگے تب آخری وقت میں کہیں گے ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

الراقم خاکسار میرزا غلام احمد خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود ۶ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

ہندوستان میں عیسائی مذہب کی ناکامی کی وجہ

یہ سوال کہ ہندوستان میں کیوں عیسائی مذہب ناکام ہوا ہے۔ ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا ہے عیسائی صاحبان میں ایک تو وہ گروہ ہے جو سمجھ چکا ہے کہ پادریوں کی تمام کوششیں ہند میں عبث ہیں مگر جنکا ساتھ ہی یہ خیال بھی ہے کہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے عمدہ ہے اور اسلئے وہ اس ناکامی کے راز کو سمجھنے کے قابل اپنے آپ کو نہیں پاتے مگر ایک دوسرا گروہ عیسائیوں کا وہ ہے جنکے نزدیک عیسائی مذہب کی طرف ناکامی منسوب کرنا سخت گناہ ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوؤں میں جو نئے نئے فرقے آئے دن پیدا ہوتے ہیں جیسے برہمو سماج یا آریہ سماج وغیرہ یہ سب عیسائیت کی تعلیم کا اثر ہی ہے۔ اور یہ سب سماج آخر کار عیسائی مذہب کا شکار ہوں گے نئے عیسائیوں کی تعداد کی کمی انکے نزدیک ناکامی کی کوئی دلیل نہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب پردہ ایک ایسا اثر ہندوستان پر ڈال رہا ہے جو آہستہ آہستہ اسکو اس مذہب کے قبول کرنے کے لئے تیار کر رہا ہے ایک بارہ یا چودہ سال کے بچے کی کہانی جو بائیبل کو پڑھکر خوش ہوا خواہ اسکی سمجھ ابھی ان ہی سوالات پر غور کرنیکے کیسی ہی ناقابل کیوں نہ ہو سمندر پار اس رنگ میں پہنچتی ہے کہ کل کا کل ہندوستان مسیح کے قدموں پر سر رکھنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ اور یوں ان لوگوں کی تسلی ہو جاتی ہے جنکی جیبوں سے پیسے نکلکر پادری صاحبان کا گذارہ ہوتا ہے۔ پس اصل سوال پر غور کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے گروہ کے خیالات کا بھی معائنہ کیا جاوے۔

اس امر واقعی سے کوئی پادری انکار نہیں کرسکتا کہ جو وسائل عیسائی مذہب کی اشاعت کے واسطے موجود ہیں کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں جہاں ذرا سا بھی موقع کسی کو عیسائی ہونیکا ہوتا ہے پرجوش پادریوں کی فوج بیحساب روپیہ پانی کی طرح بہانے کو تیار ہوتی ہے قحط زدہ علاقوں اور ہندوستان کی ادنیٰ اقوام میں عیسائیت کی زیادہ اشاعت ہی خود اس امر کی دلیل ہے کہ کن حالات میں مذہب کو فروغ ہو رہا ہے بلکہ اگر نو مرید عیسائیوں کی تعداد جو نقشجات میں

دکھلائی جاتی ہین ایسے مذکورہ بالا ہر دو قسم کے اشخاص نکال دیے جاوین تو امید ہے کہ انگریز بہت جلد پادریون کو کسی دیگر
مفید کام کے واسطے ولایت بلا لیوین اس لیے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہندو یا مسلمانون مین سے کوئی عیسائی ہوا ہی نہین لیکن
یہ بالکل سچ ہے کہ اگر اس تعداد کو خارج کر دیا جاوے جو افلاس کے باعث داخل ہوئے ہین تو جو کامیابی بلحاظ زور و
طاقت کے جو اس کام مین خرچ کیا گیا ہے ہونی چاہیے تھی مطلق نہین ہوئی اگر ان ذرائع پر نظر ڈالی جاوے جو اشاعت
عیسائیت کے واسطے اختیار کیے گئے ہین تو اور بھی مایوسی ہوتی ہے سولھوین صدی سے لیکر جبکہ کیتھولک مشن اوّل
ہی اوّل اس ملک مین قایم ہوئے اب تک برابر سکولون کے قایم کرنیکا سلسلہ جاری رہا ہے پراٹسٹنٹ مشنین اوائل اٹھارھوین
صدی مین قایم ہوئین لیکن تین چار صدی مین پادریون کی کوشش کا نتیجہ ایک عیسائی گورنمنٹ کے زیر سایہ صرف قریباً تیس لاکھ
دیسی عیسائی آبادی ہے پچھلے دس سالون مین عیسائی آبادی مین پیدایش و نو داخل شدہ تعداد ملا کر چھ لاکھ انتالیس ہزار
کی ایزادی ہوئی ہے حالانکہ اس عرصہ مین اہل اسلام کی تعداد مین باوجود نہ ہونے کسی مشنری کوشش کے پچاس لاکھ کی
بیشی ہوئی ہے جو نہ صرف اسی وجہ سے ہو سکتی ہے کہ پیدائش کی تعداد اموات سے زیادہ ہوئی ہو کیونکہ اسی عرصہ مین پلیگ نے
ملک مین ایسی تباہی ڈالی ہے کہ ہندوستان کی تمام آبادی مین صرف پچھتر لاکھ کی بیشی ہوئی جسمین سے ۶۶ فیصدی اسلام کی
وجہ سے ہے اور ۳۴ فی صدی باقی تمام مذاہب کے باعث پس اس سے صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہل اسلام کی بیشی کی وجہ صرف
نومسلمون کی تعداد ہے تیس فیصدی کی بیشی جو گذشتہ مردم شماری سے بعد عیسائیت مین ہوئی ہے وہ بمقابلہ بیشی
نومسلمون کی پادریون کی کوشش اور خرچ کثیر کو مد نظر رکھکر بالکل کم ہے غرضیکہ جہان اسلام اور عیسائیت کی عزت
پہلو بہ پہلو ہوئی ہے اسلام مین باوجود مالی حالت کی تنگی کے عیسائیت کی نسبت بیحد ترقی ہوئی ہے اب مین ان
دلائل پر غور کرتا ہون جو پادریون کی نظر مین اس امر کا ایک قطعی ثبوت ہین کہ ہندوستان عیسائیت کے قریب آ رہا ہے اور
ایکدن یسوع کی خدائی کو تسلیم کریگا انمین سے ایک تو یہ ہے کہ یسوع کے نام کی ہندوستان مین عزت کی جاتی ہے اور
اسی کو عیسائیت کے قریب آنا خیال کیا جاتا ہے مگر ایسا خیال کرنا دھوکا ہے [illegible] اس سے زیادہ مسلمان حضرت عیسیٰ
کو خدا کا سچا نبی جانکر اسکی تعظیم کرتے ہین تو کیا اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہین کہ بہ نسبت دیگر اقوام کے وہ عیسائیت کے زیادہ
قریب ہو گئے ہین بلکہ برعکس اسکے عیسائیت کے غلط اعتقادات سے کوئی قوم اتنی دور نہین ہے اور روے دنیا پر کوئی شخص اس مذہب کے
اختراعات قبول کرنے سے اتنا بچا ہوا نہین ہے اسلیے حضرت عیسیٰ کے نام کی تعظیم کرنے سے عیسائیت کا میلان نہین پایا جاتا۔
بلکہ ایسی تعلیم تثلیث و کفارہ کے غلط اعتقادات کی سخت مخالفت اور تکفیر کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے بلکہ جو شخص حضرت
عیسیٰ کی نسبت ان خوبیون کا پکا اعتقاد کرے جو مسلمان اسکی نسبت بحیثیت ایک انسان اور خدا کا نبی ہونیکے تسلیم کرتے
ہین وہ اس غلطی کے حملون سے پورا محفوظ ہو جاتا ہے جسکی یسوع کے نام سے منادی کی جاتی ہے اگر حضرت عیسیٰ کے نام
کی تعظیم کرنے سے عیسائیت کے قریب آ جانا سمجھا جا سکتا ہے تو عیسائیون کو پادریون کے واسطے ایک کوڑی تک بھی خرچ کرنیکی

کوئی ضرورت نہین ہے اب سوال یہ ہے کہ یہ غلط فہمی کسطرح پیدا ہوتی ہے اصل مین اسکی بنا عیسائی پادریون کی ہی تنگدلی پر ہے ان کو اسبات کی نہ صرف تلقین بلکہ شروع سے ترغیب کی جاتی ہے۔ کہ عیسائیت کے سوا باقی تمام مذاہب سے نفرت کرین اور یسوع مسیح کے سوا باقی تمام پیشوایان مذاہب کی تحقیر اور اہانت کرین اس تنگدلی کے خاص نشان کے ساتھ وہ دنیا مین بھیجے جاتے مین کہ یسوع کی انجیل کا غیر عیسائی لوگون مین وعظ کرین مگر ان بیچارون کو انگلستان یا امریکہ کے دینی مدارس مین تو تعلیم نہین ملی ہوتی نہ ان کی ایسی جگہ پرورش ہوئی ہوتی ہے جہان عیسائیت کی تنگدلی کا اثر پھیلا ہوا ہو اسلئے یہ انکے مذہب کا کوئی جزو نہین کہ پاک لوگون کی تحقیر اور اہانت کرین یہی وجہ ہے کہ کوئی لفظ تعریف کا جو یسوع کے حق مین بولا جاوے تو ایک پرشوق پادری غلط فہمی سے اسکو عیسائیت کی طرف جھکنا تصور کرتا ہے اس سوال کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ عیسائیت جیسا کہ ہم سب جانتے ہین ہندوستان مین حکام کا مذہب ہے پس اگرچہ عیسائی پادریون کو گورنمنٹ کی مذہبی معاملات مین عدم مداخلت کی پالسی بہت ہی ناگوار گذرتی ہے کیونکہ اسکی عدم موجودگی سے عیسائیت کی اشاعت کے واسطے ہندوستان مین بڑی بھاری تحریک ہوتی تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ اسلئے حکام کا قومی مذہب ہونیکی وجہ سے رعایا کے دلون پر اسکا ایک مخفی اثر ہوتا ہے۔ ایک مشرقی ضرب المثل ہے کہ "الناس علیٰ دین ملوکہم" یعنی لوگ اپنے حکام کا مذہب اختیار کر لیتے ہین بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس بارہ مین انکے لئے بڑی ترغیب ہوتی ہے۔ اور حکام کے مذہب کو اچھی نظر سے دیکھتے ہین اور انکی اوضاع و اطوار کی تقلید مین انکو فائدہ معلوم ہوتا ہے اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ عیسائیت نے ہندوستان پر کوئی نہ کوئی اثر ڈالا ہے۔ لیکن جو فائدہ اس سے حاصل ہوا ہے اس سے بڑھکر خرابی پیدا ہوئی ہے جہان ایک طرف سکول کالج و شفاخانے قائم کرکے اسنے فائدہ پہنچایا ہے (اگرچہ اسکی نیکنامی پر یہ بھی ایک دھبا ہے کہ یہ چیزین ہمدردی انسانی کی غرض سے قائم نہین کین بلکہ محض عیسائیت کی غلطیان پھیلانے کی نیت سے۔ اور فائدہ تو صرف اتفاقی طور پر ہوگیا) دوسری طرف علاوہ بہت سے غلط اعتقادات کے شرابخواری اور قماربازی جیسی خرابیان بھی پھیلائی ہین اور اگر مثلاً عیسائی مذہب نے تعلیم پھیلائی ہے تو اس تعلیم کے ساتھ دہریت کو بھی بہت فروغ دیا ہے اور بجائے دینی فائدہ پہنچانیکے اور بھی زیادہ مردار دنیا پر لوگون کو جھکا دیا ہے مین نہین تسلیم کرتا کہ یہ تاثیرات ہندوستان کو عیسائیت کے قبول کرنے پر آمادہ کر رہی ہین کیونکہ اگرچہ انسان بدی پر کیسا ہی مائل کیون نہ ہو تاہم انجام کار صداقت اور نیکی ہی غالب آیگی مذہب جو کسی قوم کی زندگی پر پاک اثر ڈال سکتا ہے۔ تو روحانی طاقت کے بدولت ہی ڈال سکتا ہے۔ اور یہ روحانی طاقت یعنی وہ طاقت جو انسان کو راستباز بنادیوے آج ملک ہند مین عیسائیون مین ایسی ہی مفقود ہے جیسی کہ ملک عرب مین چھٹی صدی عیسوی مین مفقود تھی کہا جاتا ہے کہ عیسائیت نے ہندوستان

مین مذہبی احساس پیدا کیا ہے لیکن مذہبی تحریرات پر جو اثر اسنے ڈالا ہے وہ بہت ہی قابل افسوس ہے جسوقت سے عیسائیون نے اس ملک مین قدم رکھا ہے انکے مباحثات ایسے الفاظ مین لکھے ہوئے ہین جنسے مہذب تحریر پاک رہنی چاہیے عیسائیت کے اس برے نمونہ کی آریہ سماج نے بھی تقلید کی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ کم ازکم ان معنون مین آریہ سماج نے عیسائیت کے اثر کو قبول کیا ہے۔

کیون ہندوستان کے لوگ عیسائی مذہب قبول نہین کرتے؟ یہ ایک عجیب سوال ہے اصل مین سوال یہ ہونا چاہیے کہ کیون وہ اس مذہب کو قبول کرتے ہین جسقدر فی الواقع کرتے ہین اور اسکا جواب یہ ہے کہ آرام کی زندگی جو بہت سے عیسائی گذارتے ہین اور یہ اعتقاد کہ انسان صرف یسوع کو خدا مان لینے سے گناہون سے پاک ہوجاتا ہے اور کہ وہ ہماری خاطر صلیب پر لعنتی موت مرا یہ باتین ایک آرام طلب آدمی کے واسطے بڑی زور آور تحریکین ہین کیونکہ عیسائیت کا یہ پیغام نہین ہے کہ آدمی کو بدی سے بچنا چاہیئے اور نیک کام کرنے چاہئین بلکہ اس کی یہ تعلیم ہے کہ اسکو کفارہ کا یقین کرنا چاہیے یعنی یہ کہ اسکے گناہ یسوع نے اٹھائے عیسائی مذہب عوام کے سامنے ایک بےقیدی کی زندگی پیش کرتا ہے اور یہی وجہ عیسائیت کی اس ترقی کی ہے جسپر پادری صاحبان کو بڑا ناز ہے اسکے علاوہ عیسائیت کی فروغ کی دو اور وجوہات ہین جنکی طرف مینے پہلے اشارہ کیا ہے ایک انمین سے قحط ہے جو بات پادری صاحبان کو وعظ سے میسر نہین آتی وہ روٹی سے مل جاتی ہے یعنی ہزارہا بچے جب فاقہ سے مرنے لگتے ہین تو پھر انکو مذہب کی کیا پرواہ ہوتی ہے ایسے وقت مین پادری صاحبان نہایت چستی سے نومریدین کی تعداد بڑہانے مین مصروف ہوتے ہین گویا جب ملک مین قحط پڑتا ہے تو پادری صاحبان کو عمدہ فصل کی امید ہوتی ہے دوسرے نیچ ذاتون جیسے پاریا اور خاکروبون مین بھی مسیحی مذہب کو بہت کچھ کامیابی حاصل ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ادنی درجہ کی قومون کو ہندؤن کے اندر حقارت کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور یہان تک حقیر انکو سمجھا گیا ہے کہ ان بیچارون کی یہ خواہش ہی مرچکی ہے کہ وہ بھی سوسائٹی کے معزز ممبر بن سکین یا کہلائین اب خوش قسمتی سے ان لوگون کو عیسائی مذہب کے قبول کرنیسے وہ راہ مل گئی ہے جس سے وہ ایک نسل مین نہین تو دوسری نسل مین اعلے اقوام کے مساوی ہو جاتے ہین اور وہ ذلت جو انکے خون کا جزو ہو گئی تھی ان سے دور ہو جاتی ہے اس سے بڑھکر زبردست تحریک عیسائیت کے قبول کرنے کی ان لوگون کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے کہ ذلیل سے ذلیل حالت سے نکل کر وہ معزز عہدہ دار بن سکتے ہین اسمین شک نہین کہ یسوع کے خون اور صلیب کی طاقت کو جسقدر ان ادنی اقوام نے محسوس کیا ہے اور کسی نے نہین کیا اور جس قدر فروغ عیسائی مذہب کو اس ایک ذریعہ سے ہوا ہے کسی اور ذریعے سے نہین ہوا۔

پھر یہ سوال کہ کیون ہندوستان کے لوگ عیسائی مذہب کو قبول نہین کرتے۔ صرف یہ فرض کرکے پوچھا جاتا

ہے کہ عیسائی مذہب اُن تمام مذاہب سے افضل ہے جنکے سامنے یہ پیش کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے ہندوستان کے بڑے مذہب ہندو مذہب اور اسلام ہین اور ان سے اتر کر بدھ مذہب ہے کہ جسکی اخلاقی تعلیم عیسائی مذہب کی اخلاقی تعلیم سے بہت ملتی جلتی ہے اور کسی طرح سے اس سے کم درجہ پر نہین بلکہ کفارہ کا بیہودہ عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے بدھ مذہب کی تعلیم زیادہ معقول نظر آتی ہے ہان ناقابل عملدر آمد ہونے مین دونون یکسان ہین پس بدھ مذہب والے کس بات کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت کی طرف رجوع کرین ہان اسقدر مین تسلیم کرتا ہون کہ عیسائی مذہب ہندوستان کے سب سے ادنےٰ مذہب پر فوقیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ خود ان ادنیٰ مذاہب والی اقوام کے عیسائی مذہب مین بکثرت داخل ہونے سے ثابت بھی ہوتا ہے خواہ اسکی بنا کسی دنیوی غرض اور لالچ پر ہی ہو مگر مین اسبات کے ماننے کے لئے تیار نہین کہ اپنے مذہبی عقاید مین عیسائی مذہب ہندو مذہب پر کچھ فوقیت رکھتا ہے مانا کہ ہندو بت پرست ہین مگر وہ اپنے بتون کو واقعی اور حقیقی طور پر خداوند جہان خالق ارض و سما نہین سمجھتے حالانکہ عیسائی ایک کمزور انسان کو صرف شفیع اور مظہر الوہیت ہی نہین مانتے ہین بلکہ واقعی طور پر اسے خداوند زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا سمجھتے ہین پس کیونکر بت پرستی عیسیٰ پرستی سے ادنےٰ مذہب قرار دیا جاوے بلکہ بت پرستی مین جو کچھ ترقی بتون اور اللہ تعالیٰ مین رکھا گیا تھا۔ عیسائیون نے مسیح کو بت بناتے وقت اس فرق کو بھی بالاے طاق رکھدیا یہی دلیل عرب کے بت پرستون نے اسوقت دی تھی جب عیسائی مذہب اُن کے سامنے پیش کیا گیا جیسا کہ قرآن شریف کی اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ءالھتنا خیر ام ھو (الزخرف آیت ۵۸) یعنی کفار نے کہا کہ کیا ہمارے معبود اچھے ہین یا یسوع جسکو عیسائی معبود بناتے ہین وہ اچھا ہے گویا مطلب اُن کا یہ تھا کہ عیسائی مذہب کے بننے سے تو ہمارے بت ہی اچھے ہین یہی وجہ تھی کہ عیسائی مذہب عرب مین کامیاب نہ ہوسکا اور یہی وجہ اسکی ہند مین ناکامی کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جو کچھ ہندو مذہب بیان کرتا ہے عیسائی مذہب اس سے بڑھکر کوئی بات بیان نہین کرتا باقی رہا آریہ سماج سو اگرچہ اس نے بھی اللہ تعالیٰ کو کمزور قرار دے کر اسے خالق مادہ و ارواح نہین سمجھا مگر ایک کمزور انسان کو جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہو خدا قرار دینا یقیناً آریہ سماج کے عقیدہ سے جو وہ خدا کے متعلق رکھتے ہین بہت گرا ہوا عقیدہ ہے اصل بات یہ ہے کہ آخر کار وہی مذہب سب مذاہب پر غالب آئیگا جسکی تعلیم اللہ تعالیٰ کے متعلق اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی اور پاکیزہ سے پاکیزہ ہو اور اگر چند روز کے لئے کسی مصنوعی معبود والے مذہب کی ترقی بھی نظر آئے تو اس سے یہ دھوکا نہین کھانا چاہیے کہ انجام کار وہی مذہب (جو مذہب نہین بلکہ توہم پرستی ہے) کل دنیا کا مذہب ہو جاویگا اسی لئے مین یقین رکھتا ہون۔

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو آخر کار کل دنیا کا فائق مذہب ہوگا کیونکہ جو پاکیزہ تعلیم اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام نے دی ہے وہ دوسرے کسی مذہب مین نہین پائی جاتی کسی نے بتون کو خدا مانا۔ کسی نے انسان کو کسی نے یہی کہا کہ خدا کو انسان کی طرح کمزور سمجھکر نیستی سے ہستی کرنے پر قادر نہ تھا مگر اسلام ان سب نقصون سے پاک اور بری ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ اسلام ایک زندہ خدا کو پیش کرتا ہے۔

مگر وہ بات جس پر عیسائی مذہب نے ہمیشہ سے بہت ناز کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ طریق نجات جو یہ مذہب پیش کرتا ہے۔ وہ دوسرے کسی مذہب مین نہین پایا جاتا اور وہ ایک بہت آسان راہ ہے لو ہندو مذہب نے عیسائیت کے اس بیہودہ فخر کو بھی توڑ دیا ہے۔ کیونکہ ہندون مین سبیل نجات عیسائیون سے بہت کچھ ملتا ہے بلکہ عیسائیون نے کسی ایسی ہی بت پرست قوم سے یہ عقیدہ لیا ہے۔ جیسا ایک عیسائی کے نزدیک یسوع خدا ہے۔ ہندو کرشن کو خدا سمجھتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ یسوع کے خون کی طرح یہان کرشن کا خون گناہون سے پاک کرنیکا ذریعہ نہین مگر اس بارے مین ہندو بہت اچھے رہے کیونکہ کاوری کے پہاڑ پہ جو دو چار قطرے خون کے گرے ہونگے ان سے بہر حال گنگا کا اشنان اچھا ہے کیونکہ اس کر کم از کم جسم تو صاف ہوجاتا ہے۔ مگر کفارہ جسم کو ہی پاک کر سکتا ہے اور نہ ہی روح کو اب غور طلب امر یہ ہے کہ جس صورت مین عیسائی صاحبان اس بات کو تسلیم کرتے ہین۔ کہ خدا انسان کی صورت مین زمین پر آسکتا ہے۔ تو پھر وہ کرشن کے خدا ہونے پر کیا اعتراض کرسکتے ہین اور جس صورت مین ان کے نزدیک چند قطرے خون کے جو انیس سو سال ہوئے کسی انسان کے جسم سے نکلے تھے اس زمانہ مین چالیس کروڑ انسان کو گناہون سے پاک کر سکتے ہین تو سولہ میل لمبے ایک عظیم الشان صاف پانی کے دریا مین نہانے سے گناہون کے جاتے رہنے کو وہ کیونکر غلط کہہ سکتے ہین۔ اعتراض تو ہندون کے ان دونون عقیدون پر وہ کرے جو خود کوئی بہتر عقیدہ رکھتا ہو مگر جب دونون قومون کے عقیدون کی ایک سی ہی توہم پرستی اور جہالت پر بنیاد ہے تو ایک کو دوسرے کے مذہب مین جانیسے کونسا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے دونون کے ان عقاید پر جمے رہنے کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہین کہ انہون نے اپنے باپ دادون کو انہین عقاید پر پایا اور یہی وجہ تبدیلی مذہب کی مانع ہے پس ہندو پر یسوع کی الوہیت اور یسوع کے خون کے ذریعہ گناہون سے پاک ہوجانے کے عقاید کچھ اثر نہین رکھتے کیونکہ اس کا اپنا خدا مسیح کی طرح کرشن کے وجود مین موجود ہے اور گناہون سے پاک ہو جانے کے لئے دریائے گنگا کافی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ وہ انسان کا جسم اختیار کرکے دنیا مین آیا کرتا ہے۔ تو پھر

یسوع کو کوئی امتیاز نہین بلکہ جس قدر قومون نے الگ الگ خدا نبار کھے ہین وہ سب
سچی ہو سکتی ہین کیونکہ خدا کی سنت کسی قوم سے مخصوص نہین جیساکہ اس نے اپنے انبیاء
دنیا کی ساری قومون مین بھیجے ایساہی یہ بھی اگر ممکن تھا تو ضروری تھاکہ وہ خود انسانی
جامہ پہنکر مختلف قومون اور مختلف زمانون مین ظاہر ہوتا رہتا اور اگر ہندؤن اور
عیسائیون کی واقعی اخلاقی حالتون کا مقابلہ کیا جاے تو شراب خواری مین کمتر
مبتلا ہونے مین ہندؤن کو ترجیح دینی پڑیگی۔ مگر باقی کئی اخلاقی حالتون مین وہ
دونون قومین ایک سی ہی گری ہوئی ہین۔

یہان مین اس اعتراض کو بھی دور کرنا چاہتا ہون۔ جو کہا جاتا ہے۔ کہ اگر
کفارہ سے گناہ کا استیصال نہین ہوا توپھر اسلامی عقیدے سے بھی تو نہین
ہوا۔ یہ مقابلہ سراسر دھوکہ دہی ہے اسلام عیسائی مذہب کی طرح یہ دعوی نہین
کرتا کہ تم فلان بات پر ایمان لے آؤ اور تمہارے گناہ خود بخود دور ہوجاوینگے
یا یہ کہ کسی شخص کے مرنے یا جی اٹھنے سے دنیا کے گناہ جاتے رہے بلکہ ایسے عقیدون
کی بیخ کنی کرکے اسلام وہ راہ بتاتا ہے جسپر چل کر انسان گناہ سے نجات پا سکتا
ہے اب دونون صورتون مین فرق یہ ہے کہ کفارہ کا عقیدہ رکھکر کروڑون انسان
گناہون کی نجاست مین سرتاپا غرق ہورہے ہین مگر اسلام کی بتائی ہوئی راہ پر
چل کر کوئی شخص گناہون مین مبتلا نہین رہ سکتا پس اگر مسلمانون مین بھی گناہون
کا ارتکاب پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہین کہ اسلام کے بتائے ہوئے راہ مین
کوئی نقص ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس راہ پر چلتے نہین حالانکہ عیسائی مذہب
کے بتائے ہوئے علاج کو اختیار کرکے یعنی کفارہ پر ایمان لاکر بھی کروڑ در کروڑ
مخلوق گناہون مین غرق ہورہی ہے مگر اس کے علاوہ ایک اور فرق یہ ہے
کہ اسلام ہمارے سامنے ایک عظیم الشان جماعت کے نمونہ کو پیش کرتا ہے جس
نے قرآن شریف کی تعلیم پر چل کر پاکیزگی کا وہ نمونہ دکھایا جو دنیا کی کسی دوسری
جماعت مین نہین پایا جاتا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت پھر اسکے بعد بھی ہم دیکھتے
ہین کہ مسلمانون مین بہت سی بدیان جو اخلاق اور روحانیت کے لیئے تباہ کن ہین
بہت کم پائی جاتی ہین جیسے شرابخوری۔ قماربازی۔ زناکاری۔ یا یون کہنا چاہیئے کہ

بمقابلہ عیسائی اقوام کے یہ بدیاں مسلمانوں میں پائی ہی نہیں جاتیں۔ پس جس پہلو سے غور کیا جائے یہی ثابت ہوگا کہ اسلام کے سوا دوسرا کوئی مذہب نہ خدا تک ہی پہنچاتا ہے اور نہ حقیقی پاکیزگی کی راہ ہی سکھاتا ہے۔

اسلام وہ دوسرا مذہب ہے جس کا مقابلہ ہندوستان میں عیسائیت کو کرنا پڑا ہے مگر جس صورت میں عیسائی مذہب ہندو مذہب پر بھی کوئی فضیلت اپنی ثابت نہیں کر سکتا۔ تو اسلام سے ناقص ہونا اس کا خود ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق جو پاک عقیدہ اسلام نے سکھایا ہے وہ خود اپنے اندر ایک ایسی کشش اور خوبصورتی رکھتا ہے کہ بغیر تنخواہ اور واعظوں کے جن کی فوجوں کی فوجیں عیسائیت کے لئے کام کر رہی ہیں۔ اسلام نومرید بنانے میں عیسائیت سے بہت بڑھکر کامیاب ہو رہا ہے ہندوستان کی آبادی میں گذشتہ دس سال میں معمولی ترقی مردم شماری کی رُو سے صرف تین فیصدی کے قریب ہے اور اس نسبت کے لحاظ سے مسلمانوں کی تعداد میں صرف سترہ لاکھ کی زیادتی ہونی چاہئے تھی۔ مگر بجائے سترہ لاکھ کے ہم پچاس لاکھ کی ترقی دیکھتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ۳۳ لاکھ کی ترقی یا اس کے قریب قریب صرف اس وجہ سے ہوئی ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بکثرت اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور یہ تو ایک مثال ہے ورنہ جہاں جہاں اسلام کو عیسائیت کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم پیش کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہاں ہی ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں داخل ہونیوالے لوگوں کی تعداد عیسائیت میں داخل ہونیوالوں سے بہت بڑھی رہی ہے اب بالمقابل اسلام کی اس ترقی کے ہندوستان میں انہی دس سال کے اندر عیسائیوں کی تعداد میں کل ترقی مع نئی پیدائشوں کے صرف چھ لاکھ انتالیس ہزار ہوئی ہے اب یہ کہدینا کہ عیسائیوں کی تعداد کے لحاظ سے بتیس فیصدی ترقی ہے، دھوکہ دینا ہے بتانا تو یہ چاہئے کہ واعظوں کی جو فوجیں کام کر رہی ہیں اور جو روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اسکے لحاظ سے بمقابل اسلام کے کسقدر ترقی عیسائی مذہب کو ہوئی کیونکہ نسبت نومریدوں کی وہ صحیح ہوگی جو ذرائع کے لحاظ سے لگائی جاوے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ترقی کی وجہ صرف

اس کے اصول کی صداقت ہے اور عیسائیت کی ترقی کی وجہ محض روپیہ ہی
اسلام مین ایک خوبی ایسی ہے جو دوسری کسی مذہب مین پائی نہین جاتی یعنی اسلام اس خدا کی طرف بلاتا ہے جس کا بت پرست یا عیسائی بھی انکار نہین کر سکتے سچے خدا کے ساتھ لوگون نے طرح طرح کی غلطیان ڈالی ہین کسی نے یسوع کو خدا بنا لیا کسی نے بتون کو کسی نے کرشن کو کسی نے کسی کو مگران تمام قومی اور عارضی خداؤن کے علاوہ جن پر کوئی سی دو قومون کا بھی باہمی اتفاق نہین سب قومون نے سچے خدا کو بھی تسلیم کیا ہے مگر اسلام ان تمام قومی خداؤن سے بیزار ہے اورصرف اس اکیلے سچے خدا کو پیش کرتا ہی جو تمام عیبون سے پاک اور تمام نقصون سے بری ہے پس اسلام کو کوئی مذہب کیونکر جیت سکتا ہے جسکے خدا سے کسی کو بھی انکار نہین علاوہ اسکے جن لوگون نے خدا کو ایک بھی مانا ہے انکی تعلیم مین بھی کچھہ نہ کچھ نقص باقی ہے کوئی اسکو نیستی سے ہستی کرنے پر قادر نہین سمجھتا اور مادہ اور ارواح کو اسکا شریک ٹھہراتا ہے کوئی اسکو زندہ خدا نہین سمجھتا مگر اسلام اس خدا کو پیش کرتا ہے جو ہر چیز پر قادر اور ہمیشہ زندہ چلا آتا ہے جو اپنے بندون کی دعائین سنتا اور ان کو جواب دیتا ہے اور جو اپنی ہستی اور قدرت کے عجیب نشان آپ ظاہر کرتا ہے پس عیسائی مذہب ایسے پاک مذہب کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہے بلکہ عیسائی مذہب کا قومی خدا زمانہ مین روشنی اور تعلیم پھیلنے کیساتھ ساتھ خود ہی زائل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسیکہ بھی اکثر عیسائی صاحبان کہدیا کرتے ہین کہ تعلیم کا اثر اسلام پر بھی یہی ہوا ہے جہان تعلیم یافتہ عیسائی یسوع کی خدائی اور کفارہ کا کھلا کھلا انکار شایع کر رہی ہین جو یہی اس مذہب کا شہتیر ہے تعلیم یافتہ مسلمانون نے خدائے واحد کا انکار نہین کیا اگر کوئی اختلاف ہی تو وہ اور معاملات مین ہی بلکہ جو عیسائی یسوع کی خدائی کا انکار کر رہے ہین۔ وہ بھی اصل مین اسلام کی تعلیم کی طرف ہی چلے آ رہے ہین۔ باقی رہی نجات سو اسمین عیسائیت نے بہت سخت ٹھوکر کھائی ہے اول تو یہ قرار دیا کہ محض گناہ نہ کرنا ہی نجات ہی حالانکہ اسلام کی تعلیم یہ بتاتی ہے کہ گناہ سے بچنا نجات کے زینہ کی پہلی سیڑھی ہے اور اصل مقصد کو حاصل کرنیکے لئے بڑی بڑی منازل انسان کو طے کرنے چاہئین مگر ایک غلطی پر دوسری غلطی یہ کہ نجات کے اس ناقص مفہوم تک پہنچنے کا بھی سیدھا راہ اس مذہب نے نہین پایا بلکہ ناحق ایک بے تعلق بات کیساتھ اسے لگا دیا کہ یسوع کے کفارہ کو مان لینے سے گناہ جاتے رہتے ہین ایسے ناقص مذاہب کے متعلق یہ امید رکھنا کہ وہ ابھی اور ترقی کریگا۔ این خیال است و محال است و جنون +

گر یہی نہین

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ

۶ دسمبر ۱۹۰۵ء قرب اجلک المقدر ولا نبقی لک من المخزیات ذکرا۔ قل میعاد ربک ولا نبقی لک من المخزیات شیئاً۔ ۷ دسمبر ۱۹۰۵ء یہی الہامات پھر ہوئے اور ساتھ یہ الفاظ زاید تھے واخر دعوینا ان الحمد للہ رب العلمین۔ ۹ دسمبر ۱۹۰۵ء نئی قبرستان کی زمین کے متعلق الہام ہوا۔ انزل فیہا کل رحمۃ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ کبرت فتنۃ۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ جاء وقتک۔ ونبقی لک الایات باہرات۔ ۲۔ جاء وقتک و نبقی لک الایات بینات۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۵ء قال ربک انہ نازل من السماء ما یرضیک رحمۃ منا وکان امراً مقضیا۔ قرب ما توعدون۔ ۲ امرت نافذا۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۰۵ء واما بنعمت ربک فحدث۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ یا قمر یا شمس انت منی وانا منک۔ فرمایا اس الہام مین خدا تعالیٰ نے ایک دفعہ اپنے آپ کو سورج فرمایا ہے اور مجھی چاند اور دوسری دفعہ مجھے سورج فرمایا ہی اور اپنی آپ کو چاند یہ ایک لطیف استعارہ ہی جسکی ذریعہ سی خدا تعالیٰ نے میری نسبت یہ ظاہر فرمایا ہے کہ مین ایک زمانہ مین پوشیدہ تھا اور اسکی روشنی کے انعکاس سے مین ظاہر ہوا۔ اور پھر فرمایا کہ ایک زمانہ مین وہ خود پوشیدہ تھا۔ پھر وہ روشنی جو مجھی دیگئی۔ اس روشنی نے اسکو ظاہر کیا یہ ایک مشہور مسئلہ ہی کہ نور القمر مستفاض من نور الشمس۔ یعنی چاند کا نور سورج کی نور سے فیض حاصل کرنیوالا ہے پس اس الہام مین اول خدا تعالیٰ نے اپنے تئین سورج قرار دیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی تئین قمر قرار دیا کیونکہ وہ میری ذریعہ سے ظاہر ہوا اور اس نے اپنا زندہ وجود میرے وسیلہ سی لوگون پر نمایان کیا یہ شمس و قمر کا خطاب الہام کے دوسرے حصہ کی تشریح ہے کہ انت منی وانا منک۔ یہ ایک ایسی تعبیر ہے جو انسان کے وہم و گمان مین بھی نہین آ سکتی۔ ۲ انا نبشرک بغلام۔ نافلۃ لک۔ نافلۃ من عندی ۱۳ دسمبر ۱۹۰۵ء رؤیا دیکھا کہ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی قبر کے پاس تین اور قبرین ہین اور ایک قبر پر لال کپڑا ڈالا ہے یکم جنوری ۱۹۰۶ء ۳۰ جنوری ۱۹۰۶ء انی مع الافواج اتیک بغتۃ حرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک۔

۹-جنوری ۱۹۰۶ء اللہ غالب علی کل شیءٍ ینجیک من کرب ۔ رؤیا میں دیکھا کہ بہت سے ہندو آئے ہیں اور انہوں نے ایک کاغذ پیش کیا کہ اسپر دستخط کر دو۔ میں نے کہا کہ میں دستخط نہیں کرتا۔ اسپر انہوں نے کہا کہ پبلک نے تو کر دیئے ہیں میں نے جواب دیا کہ میں پبلک میں نہیں یا پبلک سے باہر ہوں۔ اور ایک اور بات کہنے کو تھا۔ مگر کہی نہیں اور وہ یہ تھی کہ کیا خدا نے بھی اس پر دستخط کر دیئے ہیں
۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء خواب میں دیکھا کہ دہلی گئے ہیں اور بخیریت واپس آئے ہیں تو الہاماً کہا کہ الحمد للہ الذی اوصلنی صحیحا
۱۲ جنوری ۱۹۰۶ء کو رؤیا دیکھا کہ محمد حسین کہتا ہے قطع دابر القوم فکر ہوا کہ یہ دشمن ہے کیا کہتا ہے۔ الہام ہوا قطع دابر القوم الذین لا یومنون ۔ ۱۳ جنوری ۱۹۰۶ء قل اللہ ثم ذرکل شیءٍ ۔ ان اللہ مع الذین ھم یتقون ۱۴ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی ۔ (۲) سلامٌ قولاً من رب رحیم (۳) ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں ۔ ترجمہ (۱) خدا نے ابتدا سے مقدر کر چھوڑا ہے کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے ۔ (۲) خدائے رحیم کہتا ہے کہ سلامتی ہے یعنی خائب و خاسر کی

یاددہانی

دسمبر سال گذشتہ کے رسالہ کے ساتھ سب احباب کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ بار بار کے تقاضوں اور آخر بعض حالتوں میں بقایا کے نہ وصول ہونیکی جھگڑوں سے بچنے کے لئے یہ تجویز کیگئی ہے کہ سب احباب ابتدائی تین ماہ کے اندر اندر قیمت رسالہ کی ادا کر دیں اور جو ان تین ماہ کے اندر یعنی اخیر مارچ ۱۹۰۶ء تک قیمتیں ادا نہ کر سکتے ہوں وہ بہرحال دفتر میں اطلاعی کارڈ بھیجدیں کہ کس مہینے میں وہ اپنی قیمت بھیجیں گے یا کس ماہ کے پرچے کو وی پی کر کے اُنسے قیمت وصول کی جاوے یہ رعایت صرف پچھلے خریداروں سے ہے ورنہ آئندہ کوئی رسالہ بغیر قیمت پیشگی وصول ہونے کے جاری نہ کیا جاوے گا۔ نیز احباب کی خدمت میں یہ بھی التماس ہے کہ ابتدائے سال میں اخراجات زیادہ ہوتے ہیں اسلئے حتی الوسع جلدی قیمتوں کے بھیجنے کی کوشش کریں اور مارچ کا انتظار نہ کریں
افسوس کہ خریداروں کی تعداد میں ترقی کی رفتار بہت ہی سست ہے۔ ہمارے احباب توجہ کریں۔

نوٹس

یہ نوٹس ان تمام بقایا داران کے نام ہے جنہوں نے دفتر کے وی پی انکاری کر دیئے ہیں۔ اور بار بار یاددہانی کے باوجود بقایا ادا کرنے کیطرف توجہ نہیں کی۔ آئندہ کے لئے انکا اختیار ہے کہ دفتر میں اطلاع دے کر رسالہ بند کر دیں یا اگر وہ چاہتے ہیں تو جاری رکھیں۔ مگر بقایا کی وصولی سے ہم کسی طرح درگذر نہیں کر سکتے اور جو خریداران اسقدر بد خلقی سے پیش آرہے ہیں کہ نہ صرف وی پی انکاری کر کے اسکی وجہ ہی نہیں دیتے بلکہ پھر دفتر سے بار بار خطوط لکھے جاتے ہیں تو ان کا جواب تک بھی نہیں دیتے۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ دفتر کے جائز مطالبوں سے اس طرح سے انکار کرنے پر مصر رہیں گے تو ان کے نام بذریعہ رسالہ مشتہر کئے جاویں گے

منیجر

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

جاپان میں اشاعت اسلام اور اعانت کا سلسلہ

سب سے اول میں ان احباب کو جزاکم اللہ خیرا کہتا ہوں جنہوں نے سلسلہ اعانت میگزین میں نہایت سرگرمی دکھائی ہے ایسے احباب کا ذکر وقتاً فوقتاً میگزین میں ہوتا رہا ہے مگر اسکی تازہ نظیر جہلم کی جماعت احمدی ہے جنہوں نے میری توقع سے بہت بڑھکر اس کار خیر میں حصہ لیا ہے یعنی اٹھانوے روپے کی رقم جمع کرکے بھیجی ہے کہ اسکے عوض جاپان میں یا کسی اور جگہ رسالے بھیجے جاویں۔ خداتعالیٰ ان تمام مخلص احباب کو جزائے خیر دے اور دوسری جگہ کی جماعتوں کو جنہوں نے ابتک خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اس نمونہ پر چلنے کی توفیق دے آمین یہ فہرست دوسری جگہ اخبار میں انشاء اللہ شایع کیجاوے گی سردست میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ احباب کو جو اعانت بھیجتے ہیں اس قید کے لگانیکی ضرورت نہیں کہ اس روپیہ سے ایک خاص ملک میں اشاعت ہو۔ آجکل اکثر احباب لکھ دیتے ہیں کہ جاپان میں ہی اشاعت ہو مگر میں اس امر کے اظہار کو اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جاپان میں بہت کثرت سے انگریزی رسالے بھیجنے مفید نہیں ہوسکتے کیونکہ اصل زبان ملک کی اور عوام کی انگریزی نہیں بلکہ انگریزی زبان لوگ شوقیہ پڑھ لیتے ہیں اسلئے جاپان کے متعلق میں بالفعل صرف یہ انتظام کر رہا ہوں کہ وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں جسقدر پبلک لائبریریاں یا پبلک ریڈنگ روم ہیں اور جہاں طرح طرح کی اخبارات جمع ہوتی ہیں صرف ایسے مقامات کے پتے حاصل کرکے وہاں رسالہ بھیجا جاوے تا جو شخص پبلک میں سے انگریزی پڑھ سکتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاسکے اور باقی رسالے زیادہ تر انگلستان اور امریکہ میں بھیجے جاویں جہاں پبلک کی زبان انگریزی ہے تا جس دل پر خدا چاہے انکا اثر ہو چنانچہ اسی غرض کیلئے میں نے شیخ عبداللہ کوئلیم اور مسٹر محمد الگزنڈر رسل وب وغیرہ سے فہرستیں منگوائی ہیں اور اور منگوانیکی کوشش کر رہا ہوں اور ایسا ہی بعض اخبارات میں جیسے کریسنٹ اور لایٹ آف ڈی ورلڈ یہ اشتہار بھی شایع کرایا ہے جاپان کے متعلق وہی تجویز احسن معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر مسٹر محمد اسحاق پراچہ نے اپنے خط مندرجہ پیسہ اخبار میں کیا ہے یعنی چھوٹے چھوٹے رسالے یہاں سے تالیف کرکے بھیجے جاویں اور اپنے خرچ پر جاپانی زبان میں ترجمہ کراکر پھر مفت پبلک میں شایع کئے جاویں اسکے لئے اللہ تعالیٰ سے ہی استدعا ہے کہ وہ مجھے ان تالیفات کیلئے اور احباب کو ان کی اشاعت کیلئے ہمت اور توفیق دے میں یہ بھی ذکر کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ جب کوئی دوست روپیہ بھیجتا ہے تو فی الفور اسکے عوض رسالہ نہیں بھیجا جاتا بلکہ جب کوئی عمدہ موقع بھیجنے کا ملے تو اسوقت بھیجا جاتا ہے۔

پھر بعض ایسے کرمفرماؤں نے جو اس جماعت میں داخل نہیں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ اگر رسالہ انگریزی میں خدا کے اس سلسلہ کا ذکر نہ ہو تو وہ بھی ممالک غیر میں اشاعت کے لئے مدد دینے کو تیار ہیں۔ میرا یہ گمان ہے کہ انہوں نے نیک نیتی سے ہی یہ لکھا ہوگا اسلئے میں انکو سوائے اسکے کچھ نہیں کہتا کہ خدا کا سلسلہ کسی کا محتاج نہیں اور یہی سلسلہ ہے جسکے ذریعہ سے اسلام دوسرے ادیان پر غالب آسکتا ہے ہم اس راہ پر چلتے ہیں جو خدا کے اس برگزیدہ انسان نے ہمیں بتائی جسکی سچائی کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے اور جسکی صداقت پر کامل اطمینان حاصل کرچکے ہیں پس جس نور کے ذریعے سے ہمنے ہدایت پائی اگر ہم اسکو دوسروں کے سامنے پیش نہ کریں تو ہم سے بڑھکر کافر نعمت کون ہوگا۔ اس سلسلہ کا حامی خود خداتعالیٰ ہے۔ اور وہ اس کی سب کاروائیوں کی تکمیل کریگا ہم مجبور ہیں کہ کسی انسان کی خواہش کی پیروی نہیں کرسکتے بلکہ اسی راہ پر چلیں گے جس پر خدا نے ہمیں چلایا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

محمد علی --

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ÷ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ —— نمبر ۲

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۶ء

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ فروری سنہ ۱۹۰۶ء کو میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ عـ

اشاعت اسلام

اسی میگزین میں ہمنے دوسری جگہ ذکر کیا ہے کہ مفت رسالے بھیجنے کا طریق کیسا مفید ثابت ہو رہا ہے اور یہی اندر ان لوگوں کے دلوں میں جنکو ایسے رسالے پڑہنے کا موقع ملتا ہے۔ کیا تبدیلی پیدا ہوتی ہے جسکی ایک مثال مشہور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ٹائے کا ایک مضمون ہے جو امریکہ کے ایک میگزین میں چھپا ہے۔ اس کا ذکر ہمنے اسی رسالے میں "اسلامی خطرہ" کے عنوان کے نیچے کیا ہے۔ ایسا ہی نیوزیلینڈ کے اخبارات میں بھی اسی قسم کا ذکر پایا جاتا ہے۔ منجملہ ان لوگوں کے جن کو رسالہ بھیجا جاتا ہے۔ ایک لیڈی ہیں جن کا نام مس ایس اے رجوی ہے اور جو مانچسٹر کے رہنے والی ہیں ایک تازہ خط میں وہ لکھتی ہیں "میں ریویو آف ریلیجنز کو بہت ہی شوق سے پڑہتی ہوں اور پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا یہ سب مضامین آپ کے ہی لکھے ہوئے ہوتے ہیں جو مضامین غلامی پر اس رسالہ میں لکھے گئے ہیں وہ ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے والے ہیں جو غلط خیالات کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ اور تعدد ازواج پر جو مضمون لکھے گئے ہیں وہ بہت معقول ہیں۔ میں یہ بھی دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ حضرت مسیح کی قبر اس مقام سے جہاں آپ رہتے ہیں کتنی دور ہے۔ میں نے اٹلس میں اس مقام کا نام تلاش کیا مگر پتہ نہیں ملا۔ تہیوسوفی والے بھی کہتے ہیں کہ مسیح ہندوستان کو گیا تھا اور وہاں فوت ہوگیا۔ یہ بھی بہت قابل توجہ امر ہے میں بھی یہ یقین نہیں کر سکتی کہ اس نے صلیب پر جان دی ہو۔ اگرچہ بڑی مدت سے بڑے حصہ میں یہ بات اس کے متعلق شایع کی گئی ہے لیکن اب جو طالبان حق سچائی کی راہ کو دیکھیں گے تو اس سے مروجہ عیسائیت کی جڑھ کٹ جائیگی .... ریویو آف ریلیجنز کا نومبر کا رسالہ بھی پہنچا اور میں نے اسے پڑھا ہے۔ دجال پر جو مضمون اس میں لکھا گیا ہے اس سے میں نے بہت سا نیا علم حاصل کیا ہے۔ مگر جیسے میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتی ہوں میں یقین رکھتی ہوں کہ اکثر حصہ اس تعلیم کا جو عیسائی مذہب میں دیجاتی ہے مسیح کی تعلیم نہیں بلکہ دجال کی تعلیم ہے عیسائی سلسلہ کے ان خاتمہ کے دنوں میں بہت سے عیسائی اس سچائی کو محسوس کر رہے ہیں جو مسیح اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سکھائی ہے"۔ ایسا ہی ایک دوست کی فیاضی سے جس نے اپنا نام ظاہر کرنے سے منع کیا ہے۔ گذشتہ سالوں کی جلدیں یورپ اور امریکہ میں ایسے لوگوں کو بھیجی گئی تھیں جنکے نام مسٹر کولیم اور روب نے لکھے تھے اور خوشی کا مقام ہے کہ ان سب لوگوں نے اس رسالہ کو پڑھا اور خوشی کے خطوط لکھے اور آئندہ رسالے ان کے نام بھیجے جانیکی خواہش ظاہر کی ایک صاحب لکھتے ہیں "میں آپ کا بہت ہی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے نام ریویو آف ریلیجنز کے رسالے بھیجے جو بہت ہی مفید اور دلچسپ ہیں"۔ کسی نے لکھا ہے "میں ان رسالوں کو پڑھکر نہایت ہی خوش ہوا ہوں"۔ کسی نے لکھا ہے کہ "میں نے انکو خوشی اور دلچسپی سے پڑھا ہے اور ابھی میں انکو دوبارہ اور بھی غور سے پڑھنا چاہتا ہوں"۔ غرضیکہ یہ سلسلہ بہت مفید ثابت ہو رہا ہے ہمارے احباب کو بھی پوری سرگرمی سے اس سلسلہ کو جاری رکھنا چاہیئے۔

خاکسار۔ منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سود

عیسائی مذہب کی نرالی اصطلاحات کا ہم مشرقی لوگوں کیلئے سمجھنا بھی مشکل ہے انگریزی زبان میں آجکل سود کے متعلق دو الگ الگ لفظ ہیں جنکو معنوں کے لحاظ سے سود ناجائز اور سود جائز سے تعبیر کرنا پڑتا ہے مگر جنمیں اصل فرق صرف شرح سود کا زیادہ یا کم ہونا ہے یہ امتیاز زمانہ حال کی ایجاد ہے اور زمانہ قدیم میں اسکی کوئی اصلیت نہیں پائی جاتی قدیم زمانہ سے ایک ہی لفظ سود کے لیے چلا آیا ہے جس سے مراد ایسا منافع سمجھا جاتا تھا جو زر نقد کے استعمال کے عوض بخوشی ادا کیا جاوے یا ادا کرنیکی شرط کیجاوے اور ان معنوں میں اس سے وہی مراد ہوتی تھی جو اب سود جائز سے ہے صرف فرق یہ ہے کہ جہاں زیادہ شرح سود کی سود کے ان قدیم معنوں میں داخل تھی سود جائز میں ایسا نہیں ہے لیکن زمانہ حال میں اس لفظ کو جو ہمیشہ سود کے لیے مستعمل ہوتا رہا ہے صرف سود کی ان قسموں سے مخصوص کر دیا گیا ہے جنکی شرح بہت بھاری ہو یا جو بھاری سود محتاج یا فضول خرچ لوگوں سے لیا جاوے اور جو سود معمولی طور پر لیا جاوے اسکے لئے ایک نئی اصطلاح تراش کر اسکا نام سود جائز رکھا گیا ہے یہ جھوٹا امتیاز صرف عیسائی مذہب کی دنیا پرستی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے چونکہ اس مذہب کی ہمدردی انسانی کا دعویٰ سود کو جائز نہیں ٹھہرا سکتا تھا اسلئے بہت عرصہ تک یعنی یورپ کے درمیانی زمانہ کے اختتام تک نہ صرف یہی بات تھی کہ سود کی اجازت نہ تھی بلکہ پیشوایان عیسائی مذہب اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے سود کی اس قطعی ممانعت کا یہ نتیجہ ہوا کہ عیسائیوں میں یہودی قرض دینے والی بڑی قوم بنگئی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عیسائی مذہب میں انسانی اخوت کے قائم کرنیکے بڑے بڑے دعوے ہیں مگر ایک عیسائی اپنے ہم مذہب بھائی کو بھی قرض حسنہ نہیں دے سکتا تھا پس سود کی اس نفرت سے عیسائیوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا حالانکہ انکو حکم تھا کہ "جو تجھسے قرض مانگے اس سے منہ نہ پھیر" مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ بجائے برادرانہ ہمدردی کے خیال کے اس سے تنگدلی پیدا ہوئی مگر یہودیوں کی دولت دیکھکر جو بیزاری الٹی عیسائیوں کو پیدا ہوا اسکے سامنے پادریوں کی اس سود کے متعلق مخالفت کی کوئی پیش نہ گئی اگرچہ بیچارے یہودیوں کو تو اسکا معاوضہ صرف ایذا رسانی جسمانی تکالیف جلاوطنی اور قتل کی شکل میں ہی دیا جاتا تھا ۱۲۹۰ء میں یہودی بڑی بے رحمی سے انگلستان سے نکالے گئے اور انکی جگہ عیسائی متمولوں نے سود پر قرض دینا شروع کیا لیکن پھر بھی کچھ عرصہ بعد سود کی نفرت کم نہیں ہوئی کیونکہ انگلستان کے مشہور مصنف شیکسپیر کی تصنیف میں جو تصویر شائی لاک ایک یہودی سودخور کی کھینچی گئی ہے وہ سودخوری کی خوفناک خرابیوں کا پورا آئینہ ہے اگرچہ سودخوری اسی وقت سے

ہوگئی مگر یہ سود خوری خفیہ تھی یعنی عیسائی لوگ کھلم کھلا سود نہ لے سکتے تھے اور نہ ہی سود کے لئے عدالتوں میں چارہ جوئی کر سکتے تھے اور قانون نے اس سود خوری کیواسطے موجودہ زمانہ کی اصطلاحات جایز و ناجایز سود کی قایم نہیں کی تھیں بلکہ ایسے عجیب حیلوں سے اسکو جایز ٹھہرایا تھا جو قرضدار کے حق میں یہودیوں کے زیادہ سود لینے کی نسبت اکثر زیادہ مضر ہوتے تھے چنانچہ راس اپنی تصنیف لکھر ہلے برقانون سکاٹلینڈ میں لکھتا ہے کہ جج روپیہ پر سود نہیں دلا سکتے تھے کیونکہ یہ خلاف قانون اور اخلاقی بدی اور قرضدار کے حق میں ظلم تھا لیکن ہرجانہ اور قرضدار کیوقت مقرر پر نہ ادا کرنے کے بہانے اصل قرض سے دو چند رقم کی ڈگری دیجاتی تھی (دیکھو انسکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۲ صفحہ ۱۹)

اگر عیسائی مذہب کی تاریخ پر غور سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاں یہ کسی خرابی کے انسداد میں ناکام رہا وہاں اسنے ایک سخت اور نرم صورت کا فرق قایم کرکے اسکو جایز قرار دیدیا مگر اسطرح جایز قرار دیکر بھی کسی خرابی کے انسداد میں اسکو کامیابی نہیں ہوئی عیسائی مذہب یا یوں کہو کہ عیسائی ممالک اعتدال کی شرابنوشی اور بکثرت شرابخوری کے مابین اور تھوڑی یا بڑی رقم کیساتھ قماربازی کے درمیان اور ایسا ہی ایک معمولی شرح پر سود لینے میں ایک فرق قایم کرتے ہیں اگر ایسا امتیاز کرنے سے اول دو صورتوں میں فائدہ ہوا ہو تو امید ہو سکتی ہے کہ تیسری صورت میں بھی فائدہ ہو لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتدال کی شرابخوری کی حد سے زیادہ شرابخوری کی عادت پیدا ہوتی ہے اور تھوڑی تھوڑی رقموں کے قماربازی کرنے کرنے خطرناک قماربازی کی عادت پڑتی ہے کیونکہ ابتدا ہمیشہ تھوڑے سے ہوتی ہے پھر اگر وہ بدی ہے تو اس بدی میں انسان ترقی کرتا چلا جائیگا اور اگر نیکی ہے تو نیکی میں ترقی کرتا چلا جائیگا قدرت نے انسان کو ترقی کے لئے پیدا کیا ہے وہ ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں خرابیاں یعنی شرابخوری اور قماربازی عیسائی ممالک میں خطرناک طور پر پھیل گئی ہیں کیا ان دو باتوں کا کبھی کسی عیسائی کے دل میں خیال نہیں آیا؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ ایسی خرابیاں ہیں جو جڑ سے ہی نکالڈالنی چاہئیں لیکن اگر صرف شاخ تراشی کیجاویگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ شاخیں اور بھی زیادہ نکلینگی اور خرابی پہلے سے بھی زیادہ زور پکڑیگی واقعات سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے اور عیسائی ممالک میں جو شرابخوری اور قماربازی کا زور ہے اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ اعتدال سے شرابخوری اور چھوٹی چھوٹی رقموں سے قماربازی جایز رکھی گئی ہے۔ بلکہ مغربی ممالک میں انکو سوسائٹی کی ضروریات قرار دیا گیا ہے جایز اور ناجایز سود خوری ایک ہی بدی کی دو صورتیں ہیں ممکن ہے کہ ایک صورت میں اس سے کم خرابی پیدا ہو اور دوسری جگہ میں زیادہ مگر آخر خرابی ہی ہے جو خرابیاں ناجایز سود خوری یعنی زیادہ سود لینے سے بکثرت پیدا ہوتی ہیں وہ تھوڑے سود کے قانوناً روا رکھنے سے بھی ضرور پیدا ہونگی اگرچہ کسی حد تک کم ہوں لیکن جو بڑا نقصان اس سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسا امتیاز ممکن ہی نہیں اور نہ عملاً رکھا جا سکتا ہے جب ایکدفعہ دروازہ کھل گیا تو کوئی ایسی حدبندی شرح کی نہیں ہو سکتی جس کے مطابق سود لگایا جاوے اور نہ ایسی صورتوں کی کوئی تعیین کی جا سکتی ہے جنمیں روپیہ سود پر دیا جائے۔

زیادہ سود لینے کو اب بھی اخلاقی خرابی اس وجہ پر گنا جاتا ہے کہ اسمیں بیرحمی سختی اور بیاہی ہے مگر جو سود جایز

رکھا گیا ہے۔ اسکی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ صورت ناجائز سود خوری سے مختلف ہے اور زمانہ حال کی تجارتی ضروریات نے اسکو
ہے۔ دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ابتدائی اور رہبانی زمانہ میں روپیہ محتاجی کی وجہ سے قرض لیا جاتا تھا اور چونکہ قرض کی ادائیگی
کی امید قوی نہ ہوتی تھی اسلئے قرضخواہ لوگ ان اشخاص سے جو واقعی قابل رحم ہوتے تھے بھاری سود لیتے تھے لیکن اب یہ
صورت نہیں ہے اور روپیہ عموماً تجارتی اغراض کی خاطر قرض لیا جاتا ہے اور جو سود اسپر لیا جاتا ہے وہ تجارتی منافع کا ایک حصہ
سمجھا جا سکتا ہے اب اگر یہ سچ بھی ہو کہ آجکل سودی روپیہ کا لین دین زیادہ تر تجارتی اغراض کیواسطے ہے اگرچہ کم ازکم
ہندوستان کی صورت میں تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے تاہم کسی شہادت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ جس وجہ سے زیادہ سود خوری
سے نقصان پیدا ہوتے تھے وہ وجہ اب نہیں رہی دنیا میں اب بھی ایسے مفلس بکثرت ہیں جنکو اگر بلا سود قرض نہ ملے تو ان کو
سود کی جس شرح پر قرض ملے لینا پڑیگا اور جب ایک دفعہ ایسا قرضہ لے لینگے تو پھر مشکل سے ہی کوئی ایسی صورت ہوگی
بلکہ قریباً ناممکن ہوگا کہ وہ قرضخواہ کے پنجہ سے نجات پا سکیں فضول خرچ لوگ اب بھی دنیا میں موجود ہیں بلکہ بہت زیادہ
ہو گئے ہیں جو قرضہ لینے سے نہیں جھجکتے خواہ کیسی ہی بھاری شرح سود پر ملے جبتک کہ ایسا قرضہ دیوالہ نکال سکے اگرچہ
ایسے قرضوں کا انجام جیسا کہ بظاہر معلوم ہو سکتا ہے آخرکار واقعی تباہی ہوا کرتی ہے جو سود تجارتی اغراض کے قرضہ پر
لیا جاتا ہے خواہ کیسا ہی بے ضرر اور ضروری معلوم ہو مگر اسمیں شک نہیں کہ جبتک کسی قسم کے سود کو بھی جائز دکھایا جاویگا سود
خوری کی خرابی سوسائٹی میں سے دور نہیں ہوگی اور اخلاقی خرابی کا دھبہ اس قانون پر لگیگا جو سود کو جائز قرار دیوے زیادہ
سود لینے کو برا کہنا اور تھوڑا سود لینے کو روا رکھنا منہ سے ایک خرابی کو برا کہنا اور عملی طور پر اسکو دنیا میں پھیلانا ہے کوئی
آئین حدبندی نہیں ہو سکتی جسکی رو سے ایسے قرضہ میں جو تجارتی اغراض کیواسطے لیا جاوے اور اس روپیہ میں جو احتیاج کے باعث
یا عیاشی کی خاطر قرض لیا جاوے فرق ہو سکے اور جبکہ اس اخیری صورت میں سود کو وجہ خرابی کا پیدا ہونا مانا جاتا ہے تو گویا صاف طور پر
جواز سود کے اصولوں کی خرابی کو تسلیم کیا جاتا ہے علاوہ بریں یہ سمجھ نہیں آتا کہ کیونکر ایک قسم کے سود کو اخلاقی خرابی کہا جاتا ہے
اور دوسری قسم کی سود خوری کو ضروری اور جائز ٹھہرایا جاتا ہے۔ جب کہ ہر دو کے مفہوم کا اصل ایک ہی ہے یہ کسطرح قیاس میں آوے
کہ ایک شخص کا فعل جو دس فیصدی سود لیتا ہے جائز یعنی اخلاق کے رو سے درست ہے اور ایک دوسرے شخص کا فعل جو بیس
فیصدی سود لگاتا ہے ناجائز یعنی ایک اخلاقی خرابی ہے اگر عیسائی اقوام کی ترقی کی یہی رفتار رہی کہ آج تھوڑی شراب نوشی جائز
ہوگئی کل کو تھوڑی قمار بازی تیسرے دن تھوڑی سود خوری چوتھے دن تھوڑی زناکاری تو وہ دن بھی آ جائیگا جو ہر
ایک قسم کی بدکاری تھوڑی تھوڑی جائز کہتے کہتے آخر اسکی کثرت کو بھی جائز کر دیا جاوے کیونکہ جسقدر بدکاریوں کی
مائیں تھیں ان سب کو تو ایک حد تک جائز قرار دے لیا ہے۔ باقی بدیاں خود ان سے پیدا ہو
جائیں گی۔

جس دلیل کی رو سے عیسائی ممالک نے سود کو قانوناً جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ مذہب کسی شخص کے ان حقوق

میں کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا جو اسکو اپنے روپیہ کے استعمال کی اجازت دیکر اپنی دولت بڑہانے کیواسطے حاصل ہیں اور یہ کہ عیسائی مذہب میں جو ممانعت تھی وہ ایک متوسط حد کے سود کی بابت نہ تھی بلکہ ایسی بھاری شرح کے سود کے واسطے تھی جس سے قرضدار کی تباہی ہو اسی طرح پر جیسا کہ پہلے ذرا بھی بیان کیا ہے عیسائی ممالک نے اور کئی خرابیاں قانوناً جائز ٹھہرا دی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی تھوڑی سی شراب پی لینا کوئی نقصان نہیں کرتا بلکہ محنت سے تھکے ہوئے انسان کیواسطے ایک مقوی دوا کا کام دیتی ہے اور قمار بازی بھی اگر کبھی کبھی اور تھوڑی رقم کی شرط پر کیجاوے تو کوئی ضرر نہیں کرتی بلکہ دماغی یا جسمانی محنت کے بعد راحت پہنچاتی ہے بعینہ انہی وجوہات پر جواز سود کی دلیل پیش کیجاتی ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ متوسط درجے کے سود سے وہ خرابیاں نہیں پیدا ہوتیں جو بھاری سود خوری سے جو ممنوع ہے پیدا ہوتی ہیں بلکہ اس سے کفایت شعاری اور پس اندازی کی تحریک ہوتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب نے ایک سچے مذہب کا کام نہیں دیا اور نہ اس قابل ہی ہے اسکا اثر عیسائی قوموں پر بہت ہی کمزور ہے کیا دنیا میں صرف شراب ہی ایک مقوی دوا ہے؟ اور صرف قمار بازی ہی ایک تفریح رہ گئی ہے؟ اور صرف سود پر روپیہ چلانا ہی ایک تحریک پس اندازی کے واسطے ہے؟ نہیں بلکہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں جن سے یہی اغراض پوری ہو سکتے ہیں سچے مذہب کا یہ کام ہے کہ ایک طرف تو انسانوں کو ان راہوں سے روکے جن پر چلکر وہ آخر تباہ ہوں یا ان کی اخلاقی یا روحانی ترقی میں فرق آوے اور دوسری طرف ایسی راہیں پیش کرے کہ جن پر چلکر انسان اس دنیا میں بھی اقبال مند ہوں اور ساتھ ہی ان کی اخلاقی اور روحانی حالت اعلیٰ درجہ پر رہے لیکن یہ کہنا کہ مذہب کو نہیں چاہیئے کہ کسی شخص کو ایسے ذرایع اختیار کرنے سے روکے جن سے اسے فوراً کوئی خوشی یا فائدہ پہنچ سکتا ہے خواہ انکے نتایج کیسے ہی مضر اور مہلک کیوں نہ ہوں گویا بدیوں کے خطرناک سیلاب کا بند انکے لئے کھولدینا ہے میں پھر کہتا ہوں کہ مذہب کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہر ایک ممکن طریقے سے دنیاوی فائدہ ہی پہنچایا جاوے خواہ اخلاقی اور روحانی حالت پر اسکا کیسا ہی برا اثر ہو بلکہ مذہب کا مدعا یہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی ترقی کمال کو پہنچے اور اس اخلاقی اور روحانی ترقی میں کوئی چیز اسکی سدّ راہ نہ ہو اگرچہ دنیاوی اغراض کا کسی قدر نقصان بھی ہو کیونکہ اگر مذہب کا اصلی منشاء انسان کی اخلاقی اور روحانی تکمیل ہے تو دنیاوی فوائد پر اخلاقی فوائد کو مقدم رکھنا پڑے گا جہاں پہلا ان میں سے دوسرے کے سدّ راہ ہو۔

اس مضمون کو زیادہ واضح کرنیکے لئے میں اسکی اور بھی تشریح کرتا ہوں انسان کے ذمہ دو قسم کے فرائض ہیں ایک خدا تعالیٰ کے متعلق اور دوسرے انسانوں کے متعلق اور مذہب کا یہ کام ہے کہ ان ہر دو قسم کے فرائض کے ادا کرنیکی ٹھیک راہ بتاوے ہر ایک انسانی غرض میں یہ دونوں امر ملحوظ رہنے چاہئیں انسانوں کے متعلقہ فرائض کے ادا میں اگر یہ ہو کہ سوسائٹی کی بہبودی کے واسطے بعض حقوق دنیاوی فواید کے انسان کو ترک کرنے پڑیں گے اسی اصول پر سود خوری کو برا کہا جاتا ہے اور اسی اصول پر معمولی سود خوری بھی ترک کرنی چاہیئے

جب کوئی شخص کسی حاجتمند کو قرض دیتا ہے اور اسکو اپنا اصل روپیہ واپس لینے کی پوری امید نہیں ہوتی ہے تو ظاہر صورت میں وہ اپنے سرمایہ کو زیادہ خطرہ میں ڈالتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جو تجارتی غرض کیواسطے کسی کو روپیہ دیتا ہے کیونکہ ایسے شخص کو تجارتی مال سے اپنا روپیہ وصول کرنے کی امید تو ہوتی ہے یورپ امریکہ والوں کے اخلاقی معیار کے بموجب جو شخص نقصان کے زیادہ خطرہ میں پڑے وہ زیادہ شرح پر سود لینے کا مستحق ہے اور حقیقت میں تجارتی کاروبار میں ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جہاں سود کی شرح کی کمی بیشی مقروض کے اعتبار پر موقوف ہوتی ہے پس اگر جواز سود کی دلیل کو صحیح سمجھا جاوے تو سود کی بھاری شرحیں جنکو ناجایز سود خوری کے نام سے پکارا جاتا ہے کسی صورت میں قابل اعتراض نہیں ہو سکتیں لیکن مذہبی اخلاقی معیار کے بموجب اس سوال کی صورت ہی اور ہے بشرطیکہ دنیا پرستوں کے اخلاقی معیار کا رنگ اس پر نہ چڑھا یا جاوے مذہب ہمکو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر ہمارا بھائی حاجتمند ہو اور ہم اسکی مدد کر سکتے ہوں تو ایسی صورت میں اسکی مدد کرنا ہمارا فرض ہے مذہب نہ صرف یہی بتلاتا ہے کہ ایسی حالت میں ہمیں بلا سود قرضہ دینا چاہیئے بلکہ ہمیں سخاوت کی طرف بھی بلاتا ہے ہمیں شک نہیں کہ جب ہمارا بھائی حاجتمند ہو تو ایک بڑا عمدہ موقع ہے کہ بڑی بڑی شرح سود پر جو وہ ادا کرنے کو تیار ہو روپیہ دیکر ہم اپنی دولت بڑھاویں لیکن یہی وہ موقع ہے کہ ہمدردی کا اظہار عملاً کیا جاوے کسی قسم کا نقصان اٹھانیکے بغیر تو ہم کوئی ہمدردی کا کام بھی نہیں کر سکتے پس اگر تمام کاموں میں ہمارا مدعا دنیاوی مفاد ہی ہو تو ہمدردی انسانی کا مادہ بہت جلد معدوم ہو جاویگا حالانکہ اس نیکی کی قوت کو عمل میں لانا مذہب کے رو سے ایک بڑا ضروری فرض ہے۔

عیسائی ممالک کا سود خوری کو قانوناً جایز ٹھہرانا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ یا تو عیسائی مذہب نے ابنائے جنس کے متعلق جو انسانی فرائض ہیں انکی حقیقت ہی نہیں سمجھی یا نہایت ہی ذلیل ہو کر اپنے پیرو ونکے دنیاوی اغراض کی ماتحتی اختیار کر لی۔ اُس مذہب کا ایسی چال اختیار کرنا بڑا ہی عجیب ہے جو ابتدا انسانی مساوات کے خیالات کی طرف میلان رکھتا تھا یا تو یسوع کے زمانہ کی نسبت اب خدا کی بادشاہت کا حاصل کرنا زیادہ آسان ہو گیا ہے یا عیسائی اب خدا کی بادشاہت کے سوا کوئی اور بادشاہت تلاش کر رہے ہیں استاد صاحب نے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ "جو کوئی تم میں سے اپنے سارے مال سے کنارہ نہ کرے میرا شاگرد نہیں ہو سکتا" (لوقا باب ۱۴ آیت ۳۳) لیکن اب وہ لوگ اس کے شاگرد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جنکو موقع ملے تو اپنے بھائیوں کا سارا مال لے لینے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے استاد کی تعلیم کے بموجب یہ ضروری تھا کہ دولتمند آدمی اپنی ساری جایداد فروخت کرکے جو قیمت وصول ہو وہ غربا کو دیدیوے تاکہ وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونیکے قابل ہو جاوے لیکن اسکی بیسویں صدی کے شاگرد ایک طرف تو اپنی کفایت شعاری کے قوانین سے اسکی تعلیم کو رد کرتے ہیں اور دوسری طرف اس بادشاہت میں داخل ہونیکا ذریعہ صرف یہ قرار دیا ہے کہ ہر ایک ممکن طریق سے اپنی دولت بڑھائی جاوے خواہ اس سے بنی نوع پر کیسی ہی سختی اور بربادی آوے اس مذہب کی حالت بہت ہی قابل افسوس ہے جسکا بانی اسکے اپنے قول کے موجب ایک پہلو میں حد سے بڑھ گیا اور اُسکے پیرو دوسرے پہلو میں حد سے گذر گئے۔

مذہب اسلام اور اسکے پیروان کیواسطے ہر صورت میں میانہ روی کا زریں اصول مقرر کرتا ہے اس سچے اور عظیم الشان مذہب اسلام نے نہ تو حد سے تجاوز کر کے کسی کے ایسے حقوق سے جو اُسے اپنی جائداد کے متعلق حاصل ہیں انکار کیا ہے بلکہ ہر شخص کو اسکی محنت اور ہنر کی کمائی کا مالک قرار دیا ہے اور نہ ہی خود غرضی کے تمام مطالب پورا کرنے اور اپنی دولت کو ترقی دینے کے تمام وسائل کو جائز ٹھہرایا ہے ممکن ہے کہ بعض اوقات کسی کے دنیاوی فائدہ کا اخیری نتیجہ اسکا اپنا یا سوسائٹی کا نقصان ہو یا کسی بنی نوع انسان پر سختی عاید ہوتی ہو توان صورتوں میں ایسے شخص کو ایسے مفاد کے حصول سے منع کیا گیا ہے اسی اصول پر قماربازی کی ممانعت ہے جسکی نسبت قرآن میں یوں آیا ہے کہ اسکا نقصان اُسکے نفع سے بدرجہا بڑھکر ہے۔ جو بعض وقت حاصل ہونا ممکن ہو اور اسی اصل پر ہی ہر قسم کے سود کو قرآن شریف نے حرام ٹھہرایا ہے کیونکہ اسمیں غربا پر سختی ہوتی ہے جن سے روپیہ نکلکر ان لوگوں کی جیبوں میں جاتا ہے جنکے پاس پہلے ہی بہت ہے مذہب اسلام کو اس مسئلہ کو حل کرنا منظور نہ تھا کہ جو پہلے ہی دولتمند ہیں وہ زیادہ دولتمند کیونکر بنجاویں بلکہ یہ کہ غربا کیونکر تباہ نہ ہوکر آسایش سے زندگی بسر کر سکیں اور اس مطلب کے حاصل کرنیکے واسطے ضروری تھا کہ سود کی ممانعت کیجاوے شاید یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس مسئلہ کو مذہبی رنگ دینے کی کیا ضرورت تھی بلکہ عدالتہائے دیوانی کے اختیار پر چھوڑ دینا کافی تھا جو ایسی حالتوں میں کوئی سود نہ دلائیں جہاں غربا پر سختی کا احتمال ہوتا اور تجارتی معاملات میں سود دلایا جاتا یہ اعتراض اصل میں نرا لی کی حقیقت کو نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے اول تو تجارتی سود خواہ موجودہ تجارتی حالات کے رو سے کیسا ہی ضروری معلوم ہوتا ہو اُن بد نتائج سے خالی نہیں ہے جو خاص سود خوری کے معاملات میں پیدا ہوتے ہیں تجارت کا انحصار صرف سرمایہ پر ہی نہیں اسکے لیئے محنت بھی درکار ہے اور اسلیئے نفع یا نقصان میں دونوں کو شریک ہونا چاہیئے لیکن جو قانون سود کو جائز ٹھہراتا ہے وہ سرمایہ دار کو منافع کا حصہ تو دلاتا ہے لیکن نقصان میں شریک نہیں کرتا اور ساری نقصان کا تحمل اس شخص کو ہونا پڑتا ہے جو محنت اور ہنر خرچ کرتا ہے بلکہ سارا نقصان سرمایہ دار کو برداشت کرنا پڑتا تو بات کسی قدر معقول ہوتی کیونکہ وہ ایسے نقصان کا تحمل ہو سکتا ہے اور اسکے تو صرف سرمایہ میں ہی کسیقدر کمی ہوتی لیکن سارا نقصان محنت والے پر ڈالنا عین بے انصافی ہے کیونکہ اسکی کل کی کل محنت ہی اکارت گئی بلکہ ساتھ ہی اسکو خطرناک تباہی کا منہ بھی دیکھنا پڑا علاوہ ازیں بہ نسبت سرمایہ کے محنت زیادہ قیمتی ہے اور اسی وجہ سے جو اشیاء محنت سے تیار ہوتی ہیں انمیں بہ نسبت سرمایہ کے محنت کا زیادہ حصہ ہے غرضیکہ سرمایہ دار کو منافع میں شریک کرنا اور نقصان کی صورت میں الگ رکھنا محنت والے کے حق میں سب سے بڑی بے انصافی ہے اور روپیہ کی حد سے زیادہ قدر کرنا ہے پس جو قانون سود کو جائز ٹھہراتا ہے گویا اسکا مدعا بہت سے ایسے اشخاص کو تباہ کرنیکا ہے جو دوسرے کے سرمایہ پر محنت خرچ کریں جہاں بدقسمتی سے اتفاقاً کسی معاملہ میں نقصان ہو جاوے اور حقیقت میں ہر روز صدہا ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جنمیں کہ صرف ایک حصہ بذریعہ عدالتہائے دیوانی ظاہر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی سود سے وہی نقصانات پیدا ہوتے ہیں جو معمولی سود کر اور ان دونوں کے درمیان امتیاز کرنا بھی درحقیقت ناجائز سود خوری کا دوسرا نام رکھکر اس کو جائز کرنے کے واسطے ایک

خود غرضی کا حیلہ ہے اصل میں خواہ قرض لینے والا تاجر ہو یا کاشتکار یا کوئی اور شخص ہو اس سے کوئی فرق نہیں آتا پس یہ ممانعت بالکل لغو ہے کہ ایک پیشہ والے سے سود لیا جائے اور دوسرے سے نہیں ممانعت تو قرض دیے ہوئے روپے پر مقررہ شرح سود کی ہونی چاہیے اس بیان سے واضح ہے کہ کیوں اسلام نے ہر ایک قسم کے سود کو ناجائز ٹھہرایا ہے خرابی کی جڑھ یہی مقررہ شرح سود کی ہے کہ قرض لینے والے کو خواہ کیسا ہی نقصان ہو قرض کا روپیہ برابر بڑھتا رہتا ہے پس سود کے جواز کا یہ اثر ہے کہ انسانوں کا ایک فریق اور وہ فریق بھی ایسا جو اپنے جنس کی طرف سے امداد کا محتاج ہے طاقت سے زیادہ بوجھ کے نیچے دب رہا ہے اور ایک دوسرا فریق اپنے حق سے بھی زیادہ پا رہا ہے شرح سود کی کمی بیشی جس پر جائز و ناجائز سود کے امتیاز کا انحصار ہے اس میں کوئی فرق نہیں ڈالتی اس بیہودہ امتیاز کا اگر کوئی فائدہ بتایا جا سکتا ہے تو یہ ہے کہ بھاری شرح سود سے زیادہ نقصان پہنچیگا مگر زیادہ سود لینے والا اسکے برخلاف یہ دلیل پیش کر سکتا ہے کہ بھاری شرح سود کی عیاش آدمی کو اندھا دھند قرض لینے سے روکے گی بالفرض اگر زیادہ شرح سود اور کم شرح سود میں کوئی فرق ہے بھی تو نقصان کی کمی بیشی میں ہے یعنی کمیت میں نہ کیفیت میں تجارتی سود کی ایک صورت بھی ہے جو اقسام مذکورہ کی طرح ہی نقصان دہ ہے وہ یہ ہے کہ تجارتی معاملات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مال خرید کردہ کی قیمت اسی وقت ادا نہیں کی جاتی ہے یا اسکا ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا ایسی صورتوں میں سودی ہنڈیوں سے کام لیا جاتا ہے ایک سرسری نظر سے دیکھنے والا انسان خیال کریگا کہ ایسی صورتوں میں سود روا رکھنے سے بائع و مشتری دونوں کو سہولت ہوگی لیکن گہری نظر سے دیکھنے پر معلوم ہو سکتا ہے کہ ایسی صورت میں بھی کسی ممکن فائدہ کی نسبت نقصان بہت ہی زیادہ ہے اس صورت میں وہ نقصان تو بدستور رہا جو روپیہ قرض لینے کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اور اسپر علاوہ یہ کہ اسکا اثر عوام تک بھی پہنچتا ہے ظاہر ہے کہ جس تاجر کو علاوہ قیمت مال کے سود بھی ادا کرنا پڑے گا وہ بوقت فروخت اپنے مال کی قیمت اسقدر زیادہ وصول کریگا جس سے سود کی رقم بھی پوری ہو جاوے اس صورت میں یہ نقصان ان لوگوں کو برداشت کرنا پڑیگا جو اسکا مال خریدینگے پس ملک کا فائدہ تو اسی میں تھا کہ یا تو سودا نقد قیمت پر ہوتا یا قرض بلا سود ہوتا پس جس پہلو سے دیکھا جاوے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قرضہ کے سود سے خواہ تجارتی معاملہ کے واسطے ہو خواہ کسی دیگر غرض کیلئے بہ نسبت کسی ممکن فائدہ کے نقصان بہت ہی زیادہ ہے۔

اب معلوم ہو گیا کہ کیوں اسلام نے سود کی حرمت کو یہانتک لیا ہے سود خواہ کسی صورت میں لیا جاوے۔ یہ ایک ایسی خرابی ہے جو انسانی ترقی کی سد راہ ہے نہ صرف اخلاقی و روحانی حیثیت سے بلکہ دنیاوی لحاظ سے بھی۔ کیونکہ انسانی ترقی کا یہ منشا نہیں ہے کہ معدودے چند اشخاص غیر معمولی طور پر دولتمند ہو جاویں بلکہ یہ مدعا ہے کہ تمام مسلمانوں کی عام حالت جن میں غربا بھی داخل ہیں بہتر ہو جاوے اسلئے اسلام کا پیغام صرف یہی نہیں تھا کہ سود خوری کی صرف ممانعت بیان کر دیوے بلکہ اس بڑی خرابی کی نسبت اپنے پیروؤں کے دلوں میں ایک نفرت بٹھانا تھا۔ کیونکہ جب تک ایسا نہ کیا جاتا تو قانون کی گرفت کے بچنے کے واسطے ہزاروں حیلے تراشے جا سکتے تھے جیسا کہ عیسائی

مذہب کے حال سے روشن ہے اسی وجہ سے قرآن مجید نے جیسا کہ میں آئندہ بیان کرونگا سود کی حرمت بڑے پرزور الفاظ
میں بیان کی ہے کیونکہ اگر اس خرابی کا نقصان پورے طور پر ذہن نشین نہ کیا جاتا تو سود پر قرضہ دینے کی محض ممانعت
اسکے انسداد کے واسطے کافی مؤثر نہ ہوتی اگر سود کی ممانعت صرف سول قانون کی شکل میں ہوتی تو ایسے قانون کو بالائے
طاق رکھنے کیواسطے کئی حیلے بہانے پیدا ہو جاتے اور پھر ایسے قانون کی خلاف ورزی کی سزائیں بجائے سودخوری
کو روکنے کے اور بھی اس خرابی کے پھیلنے کا باعث ہوتیں اسلئے اسلام نے سودخوری کو قانوناً ممنوع ٹھہرانے
پر ہی بس نہیں کی بلکہ اسکی حرمت کو ایسا ہی دین کا جزو قرار دیا ہے جیسا کہ قماربازی شرابخوری یا لحم خنزیر کھانے
کی حرمت کو یہی وجہ ہے کہ اسلام میں آجتک سودخوری سے وہی نفرت ہے جو سور کھانے سے اور حسن اتفاق سے ان ہر دو
ناموں یعنی سود اور سور میں ایسی مشابہت لفظی ہے کہ ایک کے ذکر سے جھٹ دوسرے کا خیال بھی آجاتا ہے اسی وجہ
پر جب کسی مسلمان کی نسبت معلوم ہو جاوے کہ وہ سود کھاتا ہے تو مسلمان کہا کرتے ہیں کہ وہ سور کھاتا ہے اس طور
پر مذہب اسلام سود کی نفرت مسلمانوں کے دلوں میں جمانے میں کامیاب ہوا ہے اس کا نیک اثر اس ہمدردی سے معلوم ہو سکتا
ہے جو مسلمانونکو اپنے غریب بھائیوں سے ہوتی ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ مسلمان مالک زمین نے اپنے کاشتکاروں کا
مالیہ فصل کے نہ ہونیکی صورت میں معاف کر دیا لیکن سود لینے والے کا یہ حوصلہ کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اپنے سود در سود
کی رقم کو پورا کرنیکے لئے ہر طرح کے ظلم اور بیرحمی کا مرتکب ہوتا ہے یہانتک کہ اگر اسکو معلوم ہو کہ اسکے بھوکے قرضدار کو
صرف ایک ہی لقمہ خوراک کا ملا ہے تو وہ اسے چھیننے میں تامل نہیں کریگا اور نہ ہی سخت سے سخت مفلس کو ایک کوڑی
بھی چھوڑنیکا روادار ہوگا یہ نمایاں فرق جو دو پاس پاس رہنے والی قوموں کی ہمدردی کی صفت میں پایا جاتا ہے یہ وجہ
سودخوری کی تاثیر کے ہی ہے الغرض اسلام کا مدعا صرف سودخوری کی ممانعت ہی نہ تھا کیونکہ ایسی ممانعت کو تو تنگدل
دنیا پرست چالاکی کے حیلوں سے ٹال سکتے تھے) بلکہ ساتھ ہی یہ غرض بھی تھی کہ انسانوں میں ہمدردی کا اعلیٰ جوش پیدا کرے
جو صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ سودخوری سے سخت نفرت ہو یہ مدعا سودخوری کی حرمت کو مذہبی رنگ دینے
سے ایسی خوبی سے حاصل ہو گیا کہ مسلمانوں کو سودخوری سے اب تک نفرت چلی آتی ہے اور کوئی مسلمان کھلم کھلا اس کی
خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے اس پاک انسان کی روحانی طاقت کیسی اعلیٰ اور اس کی
اخلاقی تاثیر کیسی زبردست تھی جس نے ایک ہی اشارہ سے ان راسخ شدہ خرابیوں کو دنیا سے محو کر دیا۔ اللھم صل وسلم علیہ

مسلمان اگر اس اعلیٰ درجہ کی کامیابی پر فخر کریں تو بجا ہے کہ اسلام نے انکی قوم میں سے سودی قرضہ دینے کی
بدرسم کی بیخکنی کر دی ہے جبکہ یہ خرابی آجکل کی بڑی سے بڑی مہذب اقوام میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے لیکن یہ
نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ مہذب اقوام اس بدرسم کے نقصانوں سے بیخبر ہیں انکے بڑے بڑے اہل الرائے جب
سوسائٹی کی ایسی کامل حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں جیسے کہ ان کا دل چاہتا ہے کہ انکی اپنی سوسائٹی ہو تو سود کی ممانعت

ممانعت کی ضرورت کو تسلیم کر چکے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی انسانی سوسائٹی مکمل ہونیکا دعوے نہیں کر سکتی جہاں مقررہ شرح سود پر روپیہ دینے کی بدرسم جاری ہو مسٹر ولز کی حال ہی کی تصنیف ماڈرن یوٹوپیا میں جہاں ایک ایسی سوسائٹی کی حالت بیان کی ہے جسمیں انسانی ضروریات کے تمام پہلو پائے جاویں اور یوں اسکو نہ صرف مکمل ہونیکا بلکہ عملی ہونے کا امتیاز بھی حاصل ہو اس موقع پر فاضل مصنف حالت سیاست مدنی فرضی ملک یوٹوپیا کے بیان میں یوں رقمطراز ہے "ہمکو اس امر میں شک ہے کہ آیا یوٹوپیا کے لوگ خاص قسم کے حصص کو پسند کریں گے یا اجرائے سکہ کاغذی کو اور خصوصاً یہ کہ آیا سود خوری یعنی مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کی یوٹوپیا میں اجازت بھی ہو گی یا نہ۔"

اس بیان سے دو بڑے نتیجے نکلتے ہیں اول تو یہ کہ مغربی ممالک کے مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حال کی مہذب اقوام میں جواز سود بڑا نقص ہے اور یہ کہ سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کے شایان نہیں ہے دوئم اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ تعریف سود خوری کی جو سابقہ تعریف کی جگہ اختیار کی گئی ہے محض بے دلیل ہے کیونکہ اس برائی کی جڑھ تو صرف مقررہ شرح سود پر روپیہ دینے میں ہے نہ کہ اس شرح سود کی کمی بیشی میں یا قرض لینے والے کی حالت کی وجہ سے ایک اور موقع پر اپنی کتاب کے نویں فصل میں جو سود خوری کے بیان میں ہے مصنف مذکور لکھتا ہے کہ "ابتدا میں سمورائی (یہ اس فرضی ملک یوٹوپیا کے باشندوں کا نام ہے) لوگوں کو سود خوری یعنی مقررہ شرح سود پر روپیہ قرض دینے کی ممانعت تھی اب بھی انکو وہی ممانعت ہے لیکن چونکہ ہمارے تجارتی قوانین سود خوری کو بالکل ممنوع ٹھہراتے ہیں اور نہ ہمارا قانون غریب لوگوں کو اپنی آسایش کے لئے سودی معاہدے کرنیکی اجازت دیتا ہے اسلئے اب سود کی ممانعت کی ضرورت بھی نہیں ہے اہل یوٹوپیا کے نزدیک بات بڑی مکروہ ہے کہ کوئی شخص نکما رہ کر اور ایک مفلس مقروض کو معرض خطر میں ڈالکر زیادہ دولتمند بنے اور اب ہمارے احکام اس بات پر بخوبی زور دیتے ہیں کہ قرضخواہ قرضدار کے نفع و نقصان دونوں میں شریک ہو" اس بیان کی صداقت میں کسی معقول پسند آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے دولتمندی بڑائی کا معیار نہیں ہے اور نہ قوم کے بعض افراد کا دولت جمع کرنا اس قوم کی اقبالمندی کی نشانی ہے دنیا پرستی کے خیالات نے عیسائی سوسائٹی کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ دولت جمع کرنے کے وسائل ہی سچی خوشی کے وسائل ہیں اس سوسائٹی کے ہر فرد کا اصلی مدعا یہ ہوتا ہے کہ کیونکر دولتمند ہو اور اسی لئے سود خوری کا نام جائز سود رکھکر اسکو قانوناً روا کر لیا ہے لیکن ایسے خیالات سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کے مناسب نہیں ہیں کیونکہ ان سے خود غرضی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے۔ سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کا نقشہ پیش کرتے وقت مسٹر ولز کہتا ہے "دولت ہرگز کوئی طاقت نہیں ہے جبتک کہ تم خود اسے طاقت نہ بنالو اگر تمہاری دنیا میں یہ طاقت سمجھی جاتی ہے تو بیعقلی کی وجہ سے ہے دولت ایک گورنمنٹ کی ساختہ چیز ایک سماجی بات اور سب سے بڑھکر مصنوعی طاقت ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنی دنیا میں آرام۔ حرکت۔ ہر قسم کی آزادی بلکہ زندگی کو بھی قابل خرید و فروخت بنا دیا ہے بس تم بڑے ہی بیعقل ہو ایک غریب محنت کرنیوالا شخص تمہارے نزدیک مصیبت و خوف میں ہے یہ کوئی جائے تعجب نہیں کہ تمہارے دولتمندوں کے پاس طاقت ہے لیکن یہاں ہر شخص معقول آرام و شایستہ زندگی بغیر اپنے آپکو دولتمند

کے پاس نہ پہنچنے کے بآسانی حاصل کرسکتا ہے"۔ یہ ایک ایسی سوسائٹی کا نقشہ ہے جو اسلام کے سچے اصولوں کا پابند ہو کر بن سکتی ہے اور اس سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال فراست اور اعلیٰ فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے دنیا میں ایک ایسی سوسائٹی کی بنا رکھی جو بڑے سے ترقی یافتہ اہل الرائے کی اعلیٰ سے اعلیٰ خواہشوں کے مطابق ایک پوری اعلیٰ سوسائٹی کا نقشہ ہے ذیل کے اقتباس کو اگرچہ مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو ایسی پاکیزہ سوسائٹی کا کتنا شوق ہے جسکی بنا تیرہ سو سال ہوئے مذہب اسلام نے مسلمانوں میں قائم کی سموا ائی یعنی یوٹوپیا کے باشندوں کی نسبت مسٹر ولز اس طرح لکھتا ہے کہ "ناٹکوں کے تماشے کرنے راگ اور مشاعرے کرنے کی ان کو ممانعت ہے اگرچہ تقریر کرنی یا بحث مباحثہ کا انکو اختیار ہے لیکن سوانگ بھرنے کا پیشہ کسی مرد یا عورت کیواسطے صرف ایک ذلت کی بات ہی نہیں بلکہ اس سے روح کمزور اور فاسد ہوتی ہے۔ بیوقوفی کی یہانتک نوبت پہنچتی ہے کہ دل جھوٹی تعریف کا خواہاں ہو جاتا ہے۔ اور عمدہ اوصاف کی بھونڈے پیرایہ میں جھٹ پٹ نقل اتارنے میں حد سے زیادہ مہارت ہو جاتی ہے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ ناٹکوں میں حصہ لینے والے مرد اور عورتیں سب کے سب کمینہ رذیل اور جھوٹے لوگ ہوتے ہیں"۔ غرضیکہ خواہ تعصب کچھ عرصہ تک کیسی ہی مشکلات اشاعت اسلام کی راہ میں ڈالے اب صاف صاف نظر آرہا ہے کہ اسلام کے اصولوں کو تسلیم کرنیکے واسطے دنیا تدریجی ترقی کر رہی ہے۔

عیسائی ممالک میں ایک فریق کے دولتمندی میں بڑھتے جانے اور دوسرے فریق کے افلاس میں ترقی کرتے جانے نے مغربی عقلا کو بھی بہت فکرمند کیا ہوا ہے اور دولت کی اس غیر مساوی تقسیم کے متعلق بہت سی تجاویز ہیں جن میں سے بعض قابل عمل ہیں اور بعض بالکل ناممکن آئے دن رسالوں اور کتابوں میں بحث ہوتی رہتی ہے مختلف ممالک کا سرمایہ یوماً فیوماً تھوڑے سے اشخاص کے قبضہ میں آرہا ہے اس سے اب سوشلزم یعنی انسانی مساوات کی طریقہ کی تحریک پیدا ہوئی ہے جو خواہ کیسی ہی ناممکن ہو مگر اس سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ اب دولت کی اس قسم کی تقسیم کی طرف خیالات جھک رہے ہیں جو مساوی نہ ہو تو کم از کم بہت غیر مساوی بھی نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ بعض لوگ کروڑپتی بنجاویں اور انکے دیوار بدیوار رہنے والے ہمسائے نان شبینہ کے بھی محتاج ہوں مفلسوں اور بیکاروں کی تعداد روز مرہ بڑھ رہی ہے اور بیشمار روپیہ اس قسم کے لوگوں پر خرچ ہوتا ہے ان خرابیوں کے تدارک کے اسلام نے تین طریقے بتائے ہیں جن پر کاربند ہونے سے دولت کی تقسیم جہانتک انسانی حالات کو مدنظر رکھکر ممکن ہے برابر نسبت سے عمل میں آسکتی ہے کیونکہ پوری پوری مساوات تو بالکل ناممکن ہے۔ یہ تین قسم کے علاج ان اصولوں میں داخل ہیں جو اسلام نے صدقات و حرمت سود و تقسیم میراث کے قانون کے متعلق بیان کئے ہیں ان میں سے ہر ایک مضمون پر علیحدہ بحث کی ضرورت ہے لیکن صدقات کے اصول جنکی اسلام تعلیم دیتا ہے اور حرمت سود کا ایکدوسرے سے بہت تعلق ہے اور اسی وجہ سے قرآن مجید نے ہر دو کا یکجا ذکر کیا ہے۔

حرمت سود کے مضمون کی تمہید میں قرآن شریف صدقات کے فوائد و برکات کا بیان کرتا ہے چنانچہ فرمایا ہے مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضعف لمن یشاء واللہ واسع علیم ۰ الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لہم اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۰ ومثل الذین ینفقون اموالہم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسہم کمثل جنۃ بربوۃ اصابہا وابل فاتت اکلہا ضعفین فان لم یصبہا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیر ۰ (البقر رکوع ۳۵) "جو لوگ اپنے مال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانہ کی مانند ہے جس میں سات بالیاں لگیں اور ہر بالی میں سو دانہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ جسکو چاہتا ہے کئی گنا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا دینے والا اور جاننے والا ہے جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اسکے بعد کسی طرح کا احسان نہیں جتاتے اور نہ ایذا ہی دیتے ہیں وہ خدا کے ہاں اپنا اجر پائیں گے اور نہ انکو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنیکے لئے اور اپنی ثابت قدمی سے اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی مانند ہے جو پہاڑ پر ہو جہاں عمدہ بارش ہوتی ہو تو وہ دوچند پھل دیتا ہے اور اگر بھاری بارش نہ ہو تو اس کو ہلکی پھوار ہی کافی ہوتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسکو دیکھ رہا ہے۔"

اور جو چیز خیرات میں دینی چاہئے اسکے متعلق یوں بیان فرماتا ہے یایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید (البقرہ۔ رکوع ۳۶) "اے مومنو! عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم اپنی کمائی سے حاصل کی ہیں اور جو ہمنے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیں اور ایسی بری چیز کے دینے کا ارادہ نہ کرو جو تم خود بھی بغیر آنکھ بند کئے نہیں لے سکتے۔"

جو لوگ صدقات دئے جانیکے مستحق ہیں ان کے بارہ میں یوں ارشاد ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفہم بسیماہم لا یسئلون الناس الحافا وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم (البقرہ رکوع ۳۶) صدقات ان غیر مستطیع لوگوں کو دینے چاہئیں جو خدا کی راہ میں روکے گئے ہیں (اور تلاش معاش یا تجارت کے لئے ملک میں سفر نہیں کر سکتے) چونکہ وہ حیا کے باعث سوال نہیں کرتے نا واقف انکو دولتمند خیال کرتا ہے تو اس علامت سے انکو پہچان لے گا کہ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے اور جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ تو اسکو جانتا ہی ہے۔"

یہ تمام مضمون قرآن شریف میں حرمت سود کے احکام کی تمہید کے طور پر آیا ہے اس میں صدقات کی تاکید

کی گئی ہے اور اسکو اعلیٰ درجہ کے برکات کا باعث کہا گیا ہے کبھی اسکی تمثیل ایک بیج بونے سے دی ہے جس کے ایک ایک
دانے کا پھل سات سات سو دانہ ہوا اور کبھی اسکو ایک باغ سے مشابہت دی ہے جو دو چند پھل دیوے پھر صدقات میں ایسی
چیزوں کے دینے کی ہدایت کی ہے جو عمدہ ہوں اور خود مالک کی نظر میں پیاری ہوں جیسا کہ دوسری جگہ بھی آیا ہے "تم ہرگز کامل نیکی
کو نہیں پا سکتے تا وقتیکہ اپنی پیاری چیزیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو" (آل عمران رکوع ۱۰) قرآن شریف کا یہ حکم کہ ہمکو
اپنی پیاری چیزیں اپنے ہمجنسوں کی خاطر ایثار کردینی چاہئیں انسان کے دل میں سچی ہمدردی پیدا کرنے کا بڑا زبردست
آلہ ہے یوں تو ہر ایک مذہب میں غربا و مصیبت زدگان کو خیرات دینے کا حکم ہوتا ہے بلکہ جنکا کوئی مذہب نہیں ہے وہ
بھی اپنے ہمجنسوں کو خیرات دیتے ہیں لیکن یہ تعلیم اسلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے کہ انسانکو اپنی پیاری اغراض اپنے
بھائی پر قربان کردینی چاہئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی فطرت کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے اُس نے دیکھا کہ یہ
انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی اپنے ہم جنس کو مصیبت میں دیکھے تو اسے اُسپر رحم آتا ہے اور ایسے
موقع پر طبعاً وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوسکے اسکو دوں یہ آسان بات ہے کہ جبتک کسی کو خود کوئی تکلیف نہ معلوم ہو۔ وہ
خیرات دے سکتا ہے بلکہ انسان تو انسان حیوان بھی جب اپنے کسی ہم جنس کو تکلیف میں دیکھیں تو اس پر رحم کرتے
ہیں لیکن ممکن ہے کہ کوئی شخص اس قسم کی خیرات تو گاہے گاہے دیتا ہو پھر بھی اسکے دل میں خودغرضی کا مادہ غالب ہو
اور وہ سچی ہمدردی سے بالکل بے بہرہ ہو ایک لاکھ پتی کے واسطے خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی ہو یا ہندو ہو یا دہریہ محتاجوں
اور بے روزگاروں کی امداد کی خاطر کچھ روپیہ دیدینا بڑا مشکل نہیں ہے لیکن وہ کبھی اس سود کو نہیں چھوڑیگا جو روپیہ پر اسکو
ملتا ہے لیکن قرآن شریف نے سب سے پیاری چیزیں خرچ کرنیکا حکم دیکر مسلمانوں کو اس بات کے واسطے تیار کردیا کہ خواہ ان کا
کیسا ہی پیارا کوئی مطلب ہو اپنے ابنائے جنس کی خاطر ترک کردیں جب وہ اپنے ابنائے جنس کی خاطر اپنی پیاری اغراض
قربان کرنیکو طیار ہوگئے تو ان کو سودخوری سے باز رہنے کا حکم دیا گیا اگرچہ یہ عجیب معلوم ہوگا مگر بات یہی ہے کہ قرضہ پر سود کے
چھوڑنے کی نسبت اپنی گرہ سے کچھ دیدینا آسان ہوتا ہے شاید اسکی یہ وجہ ہے کہ آخری صورت میں ناموری کے خیال سے
دلکو تسلی ہوجاتی ہے اور پہلی صورت میں چونکہ اصل رقم صرف قرضہ ہوتا ہے سود کا چھوڑدینا کوئی بڑا احسان نہیں معلوم
ہوتا اسوجہ پر و نیز دیگر ایسی وجوہات پر قرآن شریف سود کے مضمون سے پہلے صدقات پر بہت زور دیتا ہے اور اسطرح
پر وہ بھاری حکم دینے سے پہلے دلونکو ایسے بڑے علو ہمتی کے کام کے قبول کرنیکے واسطے تیار کرتا ہے

حرمت سود کے مضمون کا تعلق صدقات و خیرات کیساتھ ظاہر کرکے قرآن شریف نے ان بڑے نقصانوں کا ذکر کیا ہے جو
سودخوری کی وجہ سے انسان کو ہوتے ہیں جسطرح خیرات دینے سے دل کشادہ ہوتا ہے اور وسیع ہمدردی کے مادہ کے قابل ہوجاتا
ہے اسی طرح سودخوری سے نفس پرستی خودغرضی اور دنیا پرستی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور کئی ایک بدیوں کی تخم ریزی ہوجاتی ہے
جو انسان کو اخلاقی حالت سے گرا دیتی ہے اصلی بڑائی دولتمندی اور روپیہ کمانے میں نہیں ہے بلکہ اعلیٰ اخلاق کے حاصل کرنے میں ہے۔ جو

سود خوری سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جہاں ایک فیاض آدمی اپنے مصیبت زدہ ہم جنسوں کی امداد کرتا ہے سود خور پیسہ پیسہ تک اُن سے چھین لیتا ہے اور اس طرح انکو مفلس بنا کر اُن سے ایسے جرائم و مجرمانہ حرکات کا ارتکاب کراتا ہے جن سے وہ اپنی معاش حاصل کرتے ہیں لیکن خیرات دیکر انسان اپنے ہم جنسوں کو بہت سے جرائم کے ارتکاب سے بچاتا ہے جو بوجہ افلاس کے ان سے سرزد ہوتے ہیں مثلاً چوری سرقہ بالجبر ڈاکہ زنی یا کسبیوں کا پیشہ اور ایسے دیگر خوفناک جرائم جو انسانی ترقی کے کمال کی حالت تک پہنچنے میں سد راہ ہیں علاوہ اسکے اگرچہ سود خور قرض دیکر قرضدار کیساتھ دکھانے کو ہمدردی ظاہر کرتا ہے لیکن اصل میں اسکا دلی منشاء اسکو بالکل تباہ کرنے کا ہوتا ہے کیونکہ وہ کبھی اپنا قرضہ ادا کرنیکے قابل نہیں ہوگا اور یہ قرضہ برابر بڑھتا جائے گا خواہ مقروض کو اس روپے کے استعمال سے فائدہ ہو یا نہ ہو پس جو شخص سود پر روپیہ دیتا ہے وہ بتدریج تمام اعلیٰ اوصاف سے بے بہرہ ہو جاتا ہے کیونکہ بڑے سے بڑا مدعا جو اسکو مد نظر ہوتا ہے روپیہ کمانا ہی ہوتا ہے اور انسانی ہمدردی کے اعلیٰ اوصاف اسکے اصلی محرکات میں نہیں ہوتے خیرات دینے والا آدمی تو دوسروں کی بہبودی کے لئے محنت کرتا ہے لیکن سود خور نکما رہ کر اوروں سے لیتا ہے علاوہ تنگدلی کے جو سود خوری کا پہلا نتیجہ ہے بیکاری اور خرچ کرنیکے لئے بہت مال پاس ہونے سے بہت ہی بد نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

یہ تو ان نقصانوں کا بیان ہوا جو سود خوری سے فرداً فرداً ہر شخص کو اور پھر ان کے ذریعہ سوسائٹی کو ہوتے ہیں لیکن اس کے علاوہ سوسائٹی پر جو بد اثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قوم کا روپیہ رفتہ رفتہ تھوڑے اشخاص کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے اور باقی سب رفتہ رفتہ نادار ہو جاتے ہیں اور انکے ہاتھ میں اتنا بھی نہیں رہتا کہ وہ دیانت داری اور شائستگی سے زندگی بسر کر سکیں اسی خرابی کا استیصال قرآن شریف کی تعلیم صدقات کا عین مدعا ہے اور یہی خرابی ہے جسکی وجہ سے اسقدر سوسائٹیاں تباہ ہوئیں یہ بھی یاد رہے کہ صدقات کا دینا مسلمانوں میں ایک لازمی امر قرار دیا گیا ہے جو شخص قرضدار نہ ہو اور مالک نصاب ہو یعنی ایک مقررہ حد تک مال رکھتا ہو اسپر اپنے مال کے موافق زکوٰۃ دینا واجب ہے اور جو روپیہ اس طور پر جمع ہو وہ محل خیرات پر خصوصاً غربا کی امداد میں خرچ کیا جاتا ہے گویا روپیہ دولتمندوں سے لیکر جن کے پاس زائد ہوتا ہے غربا کو دیا جاتا ہے جنکے پاس نہیں صرف یہی ایک تدبیر ہے جو مہذب سوسائٹیوں کے افلاس کو بڑھنے سے آخر کار روک سکتی ہے کیونکہ یہی سوشلزم و انڈیویجولزم کے

---

† سوشلزم (Socialism) اصطلاح پولٹکل اکانومی یعنی علم تدبیر معاشرت کی ہے جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ سوسائٹی کے قابل کار افراد اپنی اپنی طاقت کے سوافق کام کریں لیکن بجائے اپنی ہمت کا صلہ پانیکے ہر شخص کو مشترکہ سرمایہ میں سے اسقدر دیا جاوے جو اسکے اور اسکے اہل و عیال کے گذارہ کو کافی ہو مدعا یہ ہوتا ہے کہ دولت مندی و غریبی کا فرق اٹھ جاوے اور کوئی شخص بھی کسی ذاتی جایداد کا مالک نہ سمجھا جاوے۔

انڈیویجولزم (Individualism) سے یہ مراد ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی جایداد کا مالک سمجھا جاوے اور اسکے مال میں غربا کا حق کوئی نہ سمجھا جاوے۔

لیکن اس مضمون پر علیحدہ بحث کی ضرورت ہے۔ یہاں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صدقات کے واجب ٹھہرانے میں جو مدعا قرآن شریف کے مدنظر تھا وہ کبھی حاصل نہ ہوتا اگر سودخوری یعنی مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کی رسم کا قلع قمع نہ کیا جاتا اس امر کی صداقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب ہم موجودہ مہذب سوسائٹیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ جہاں جواز سود کی رسم بعض کو نو لاکھ پتی بنا دیتی ہے لیکن باقی تمام افراد کو افلاس کا منہ دکھاتی ہے مشرقی ممالک کے لوگ سب سمجھے بیٹھے ہیں کہ مغربی ممالک کی سوسائٹیاں بڑی دولتمند ہیں یہ بات ٹھیک تو ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ سوسائٹیاں بحیثیت مجموعی خوشحال بھی ہیں دولت تو بہت ہے لیکن ساری معدود چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے اور جوں جوں زیادہ دولت مند بنتے جاتے ہیں باقی تمام دن بدن غریب ہوتے جاتے ہیں سچی خوشحالی کی یہ بالکل علامت نہیں ہے مسٹر ڈبلیو جی کری نے اخبار ٹرونتھ سیکر میں ایک مضمون سوشلزم کی مخالفت کرنیوالوں کے متعلق لکھا ہے اسمیں وہ لکھتا ہے کہ "سرمایہ داروں کی اقبال مندی سے یہ مراد ہے کہ بہت سا روپیہ کاروبار میں لگایا گیا ہے اور اسپر بڑا منافع ادا ہوتا ہے لیکن اصل میں اسکے یہ معنے ہیں کہ روپیہ کمانیوالوں کے ہاتھ سے روپیہ نکلکر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں جا رہا ہے تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر بابل اور ایران کو تب ہی زوال آیا جبکہ صرف اٹھارہ سو اشخاص اسوقت تک معلومہ دنیا کے مالک ہو گئے۔ ستر سال گذرے کہ امریکہ میں کوئی لاکھ پتی نہیں تھا اور اسوقت وہاں افلاس کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا اسوقت اس ملک میں آٹھ ہزار ۸۰۰۰ لاکھ پتی ہیں جنمیں سے بعض کے پاس کروڑہا روپیہ ہے۔ اور مفلسوں کی تعداد کوئی پچاس لاکھ ہے دراصل اسوقت تین لاکھ پچاس ہزار اشخاص ہیں جو قوم کی دولت کے مالک کہے جاسکتے ہیں۔" اور دوسری طرف فریڈرک پیرسن کی رپورٹ کے بموجب "روپیہ کمانے والوں میں سے نوے ۹۰ فیصدی ایسے ہیں جنکا اپنا گھر بھی کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جو کچھ قیمت کی ہو سوا اس حد سے بڑھکر ہے جو ایک چھوٹی سی گاڑی میں رکھی جاسکیں" کہا جاتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں ایک کروڑ سے زیادہ مفلس ہیں اور اس ملک کی کل آبادی بموجب مردم شماری سنہ ۱۸۹۰ء کے چھ کروڑ بیس لاکھ سے کچھ ہی زیادہ ہے بیس لاکھ بچے اور پچاس لاکھ عورتیں صرف پیٹ کے گذارہ کیواسطے مزدوری پر لگے ہوئے ہیں پنسلوینیا کے کوئلہ کی کانوں میں ... ہم پہنچے کام پر لگے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں جن میں سے صرف ۰۰۰ ۱۱ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ مسٹر کری لکھتا ہے "تمام زمین جو کسی قیمت والی تھی۔ متمول اشخاص نے بھاری بھاری منافع کی امید پر خرید کر لی ہے۔ بموجب قوانین عطائے اراضی دو کروڑ چالیس لاکھ ایکڑ اراضی ٹکسلاوئیں ف دو جماعتوں کے قبضہ میں ہے اب اگر بنجر زمین بھی مل سکے تو اسکو آباد کرنے کے لئے واقفیت روپیہ اور وقت درکار ہے جو افلاس زدگان کو کہاں میسر ہو سکتا ہے اس ملک میں صرف دس فیصدی ایسے لوگ ہیں جنکا کوئی اپنا گھر ہے اور ریاستہائے متحدہ کی آباد اراضی میں سے نصف سرمایہ دار مالکان زمین کے ہاتھوں میں ہے۔ اور باقی میں سے بہت بڑا حصہ رہن ہے اگر تمول کی ترقی کی یہی صورت رہی تو تھوڑے ہی عرصہ میں امریکہ کے چھوٹے چھوٹے خود کاشت مالکان اراضی کا تعلق ملکیت زمین سے منقطع ہو جائیگا جیسا کہ آئرلینڈ کے کاشتکاروں کا حال آجکل ہے۔"

صرف امریکہ میں ہی سود خوری کے بدنتائج سے یہ حال نہیں ہو رہا بلکہ یورپ میں بھی یہی حال ہے۔ برطانیہ کی نصف زمین کے مالک صرف ۲۵۰۰ اشخاص ہیں اور کل آبادی میں تیس فیصدی اشخاص کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا ہے تمام قومی سرمایہ صرف پچاس لاکھ اشخاص کی ملکیت ہے اور باقی تین کروڑ بیس لاکھ آبادی کو مزدوری پر کام ملنے کے واسطے انہیں کے ہاتھ تکنے پڑتے ہیں ہندوستان کا اس سے بھی ابتر حال ہے سود خوری کے باعث بہت ساری زمین غریب کاشتکاروں کے ہاتھ سے نکلکر قرض پر روپیہ چلانیوالے بنیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے اور گورنمنٹ نے اس خرابی کے اصل منبع کو روکنے کا علاج تجویز کرنے کی بجائے انتقال اراضی کو محدود کر دیا ہے جس سے کاشتکاروں کی تکالیف کے دور کرنے میں تو کوئی امداد نہیں ملی ہاں حریص بنیا کو زمین ملنی بند ہو گئی لیکن اصل میں جس تجویز سے کاشتکاروں کی تکالیف دور ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے قرضہ کے بنک کھولے جاویں اور تنگی کے ایام میں جب فصل سے کچھ حاصل نہ ہو یا مویشی وبا سے مر جاویں تو چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو جنکا گذارہ محض اپنی زمین پر موقوف ہے بلا سود قرضہ دیا جاوے لیکن جبتک ایسی کوئی تجویز نہ کی جاویگی صرف سود کی بھاری شرح کی ممانعت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ساہوکاروں کو ایسے قانون سے بچنے کی چالاکیاں آتی ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایکسو روپیہ کا قرضہ جو دو یا تین سال بعد جب ادا ہو تمسک میں پہلے ہی دوسو روپیہ لکھوایا جاتا ہے اور عدالت کو اصل واقعات کا علم کبھی حاصل نہیں ہوتا تنگی کے ایام میں زمیندار کو کم شرح پر سود ادا کرنا بھی مشکل ہوتا ہے اور گورنمنٹ کا فرض ہے کہ جب زیادہ تر حصہ آمدنی کا کاشتکاروں سے حاصل ہوتا ہے تو مصیبت کے وقت انکی امداد کے واسطے فوراً کوئی مناسب تجویز بھی کیا کرے۔

اب ہم قرآن شریف کی ان آیتوں کو بیان کرتے ہیں جن میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے مال بظاہر اور پوشیدہ صدقات کے دینے کے بعد ہی یہ آیت ہے الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس (البقرہ رکوع ۳۸) یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جیسے کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جو مس شیطان سے مخبوط الحواس ہو گیا ہو۔ قرآن مجید میں اسجگہ لفظ ربوٰ کا آیا ہے اور اسپر بہت بحث مباحثہ ہوا ہے کہ اس آیت میں اس سے کیا مراد ہے اسکے لفظی معنے بڑھوتی یا زیادتی ہے لیکن رواجاً اس سے وہی مراد ہے جو ابتداً سود خوری سے مراد ہوتی تھی یعنی اسکے معنے ہیں قرضہ پر سود جیسا کہ اسی آیت کے بعد کی تیسری چوتھی آیت سے ظاہر ہوتا ہے جہاں صاف صاف الفاظ ربوٰ اور راس المال کے آئے ہیں جن سے سود اور اصل مال مراد ہے علاوہ ازیں آیت متذکرہ بالا میں ربوا اور تجارت کے منافع کا فرق خود ربوٰ کے معنوں کو ظاہر کر رہا ہے کیونکہ دوسرے حصہ آیت مذکورہ میں یہ مطلب ہے کہ "خدا تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوٰ (یعنی سود خوری) کو حرام"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں سود کی مذمت بیان کرنیسے قرآن شریف کا مدعا اس رسم کے استیصال کا ہے جو مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کے بارہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں بھی ایسی ہی پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے کہ دیگر تمام ممالک میں۔ اس آیت میں ایک اور امر بہت ہی توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص سود پر قرضہ

دیوے اسکی مثال ایسے شخص سے دیگئی ہے جو مس شیطان سے گر گیا ہو یا دیوانہ ہو گیا ہو دو اصل الفاظ سے دونوں معنی نکل سکتے ہیں) قرآن شریف نے اس ایک ہی لفظ میں سودخوری کے تمام بدنتائج جتلا دیئے ہیں اور یہ اس پاک کتاب کا خلاصہ ہے کہ اکثر موقع پر ایک ہی لفظ میں ایک لمبے مضمون کا فلسفہ بیان کر دیتی ہے یہاں کہا گیا ہے۔ کہ سودخور کبھی سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا بلکہ جب وہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے تو پھر گر پڑتا ہے۔ سودخوری کے ذریعہ دولت کے بڑھانے کی خواہش کو مس شیطان سے مشابہت دیگئی ہے جسکے باعث انسان زمین پر جھکا رہتا ہے یعنی بالکل زمینی ہو جاتا ہے اور آسمان سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہتا سودخور ہر وقت اور ہر آن اسی غم اور فکر میں غرق رہتا ہے۔ کہ کسطرح اسکی دولت بڑھے اسی لیے وہ حد سے زیادہ زمین کی طرف جھکا ہوا ہے اور انسانی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی خواہش اسکے دل میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی وہ خود چونکہ گرا ہوا ہوتا ہے اسلیئے اپنے ابنائے جنس کی بھی کوئی امداد نہیں کر سکتا وہ اسی دنیا کی خواہشات کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ اور پاکیزہ خیالات سے بے بہرہ ہوتا ہے شیطان سے مراد دنیا داری ہے۔ اور اس لئے مس شیطان سے مراد اس دنیا کی محبت ہے ہمدردی محبت اور شفقت نہ ہونا جو سودخوری کا لازمی نتیجہ ہے اخلاقی تنزل کا باعث بنجاتا ہے جسکو زمین پر گرا ہوا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری آیت جسمیں سودخوری کی حرمت اس سے بھی زیادہ پُر زور الفاظ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین ۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۔ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (البقرہ رکوع ۳۷) ”یعنی اے مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کروگے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو رہو اور اگر توبہ کرنے ہو تو اپنی رقم تمکو لینی پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگدست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اسکو اصل قرضہ بھی بخشدو“ ان آیات سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے تفاؤلاً سود کے چھوڑ دینے کے حکم سے پہلے تقویٰ اختیار کرنیکا حکم ہے کیونکہ بنی نوع انسان کے فائدہ رسانی کا کام درحقیقت ایک تقویٰ کی راہ ہے علاوہ ازیں اس حکم سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ تمام احکام میں قرآن شریف کا جو مدعا نظر ہوتا ہے وہ حصول تقویٰ ہی ہے اسی سے اس امر کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسقدر فکر رہتا تھا کہ آپ کے اتباع تقویٰ کے اعلیٰ مدارج حاصل کریں اور جیسا کہ آپ کو اس بات کا فکر رہتا تھا ایسا ہی جو نتائج حاصل ہوئے وہ بھی بہت عظیم الشان ہیں کیونکہ آپ کے انفاس طیبہ نے تقوے کی وہ روح آپکے پیروؤں میں بھی پھونک دی جسکی نظیر نہیں پائی جاتی ۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی نہ کسی شکل میں قرضہ پر سود کا لینا جایز ٹھہرانا چاہتے ہیں وہ اور نہیں تو یہی غور کریں کہ پہلے زمانہ کے مسلمانوں

نے جب سچے تقوی کے حصول کی خاطر اپنا تمام مال خدا کی راہ میں دیدیا تو ہم ان مدارج کو کیونکر پاسکتے ہیں اگر ہم حرمت سود کے حکم کے پابند نہیں
آیات بالا سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کیسی زبردست تھی کہ کس قوت سے تمام برائیوں کا قلع قمع کر دیا۔
ہمیں تعجب آتا ہے جب بعض مسلمان کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعدد ازدواج کو اسلئے دور نہیں کرسکے کہ یہ رسم ملک
عرب میں جڑھ پکڑ گئی تھی اس سے بہت بڑھکر سود خوری تھی کیونکہ یہ ایک ایسی برائی تھی جسمیں متمول اشخاص کو جو سوسائٹی میں بھی زیادہ
اقتدار لے ہوتے ہیں واقعی فائدہ تھا اور اس خرابی کے دور کرنے سے بڑھکر اور کوئی مشکل کام تھا لیکن غور کرو کہ کس تقدر راز
پیرایہ میں حرمت سود کا پُر حکمت حکم دیا گیا "اگر تم باقیماندہ سود نہیں چھوڑتے ہو تو اللہ اور اسکے رسول کی لڑائی کے واسطے تیار ہو"
یہ دھمکی لڑائی کی کفار کے برخلاف نہ تھی کہ کوئی کہہ سکے کہ نبی کریم صلعم کو اپنے مخالفوں کے برخلاف اپنے پیرووں کی طاقت پر بھروسہ
تھا بلکہ یہ خطاب مومنوں کو ہی تھا اور انہیں کو کھلے کھلے الفاظ میں کہا گیا تھا کہ وہ سود خوری سے باز نہ آویں تو اللہ اور
اسکے رسول کی لڑائی کیواسطے تیار رہیں لڑائی بھی کس کے ساتھ؟ اللہ اور اسکے رسول کیساتھ یہ الفاظ کسی انسان
کے منہ سے نہیں نکل سکتے سوچنے کی بات ہے کہ ایک شخص جو ہر طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا اپنے پیرووں کو کہے کہ اگر وہ سود
خوری نہیں چھوڑینگے تو وہ انکے ساتھ لڑائی کا اعلان کر دیگا کیا ایسا شخص کسی برائی کی مذمت کرنے سے ڈر سکتا
ہے اگر منصف مزاج آدمی اس بات پر غور کرے تو اسکا دل عجیب لذت سے بھر جاتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالی کی ذات پر کیسا
بھروسہ تھا اسکی مرضی کو پورا کرنیکے لئے نہ اپنے دشمنوں کی پروا کی نہ دوستوں کی اس قوت قلب پر غور کرو کہ اُن لوگوں
کو جو اسوقت تک ساتھ ہوئے تھے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم سود نہ چھوڑوگے تو خدا اور اسکا رسول تمہارے خلاف جنگ کا اعلان
کرتے ہیں ناخدا ترس مخالف کہتا ہے کہ آپ نے جمعیت حاصل کرنیکے بعد جنگ شروع کی گر تبا ؤ اسوقت کسکو ساتھ
رکھکر اعلان جنگ کیا تھا آپنے یہ پروا بھی نہیں کی کہ ساتھ کون ہوگا بلکہ یہی کہا کہ خدا اور اسکا رسول تمہارے ساتھ جنگ
کرینگے اصل بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلعم میں ہر قسم کی برائیوں کے دور کرنیکی ایک فوق العادت اخلاقی طاقت نظر آتی ہے کسی اور
مصلح آبادی نے ایسی قوت اور جراءت ہرگز نہیں دکھائی ناظرین اس سے یہ بھی قیاس کرسکتے ہیں کہ سود خوری اور سود خوروں
سے خود آپکو کتنی بڑی نفرت تھی اور پھر اپنے پیرووں کی نظر میں بھی آپ اسکو کیسا مکروہ بنانا چاہتے تھے سود خوری کی ایسے
زور سے مذمت کرنا اس امر کو بخوبی ثابت کرتا ہے کہ کسی صورت میں اسکی اجازت روا نہیں رکھی گئی اگر قرآن شریف کا یہ مدعا ہوتا کہ
بعض قسم کی سود خوری مثلاً جیسے کہ آجکل کا تجارتی سود ہے رائج رہے تو اسکی مذمت میں ایسے سخت الفاظ نہ بولے جاتے بلکہ اور
کسی بدی کی نسبت ایسے سخت لفظ نہیں بولے اگر تم اسکو نہ چھوڑوگے تو تمہارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور تمہیں دشمن اسلام
سمجھکر تمہارے ساتھ جنگ کیا جاویگا گر سود خوری کی کوئی قسم بھی مستثنے ہوتی تو ممکن تھا کہ ایسے لفظ جن سے سود خوری سخت مکروہ معلوم ہو

اس مضمون کو پہلے حصہ کو یہیں اسی جگہ ختم کر کے دوسرے حصہ میں ان مختلف مضامین پر بحث کرونگا۔ جو سود کے
جواز کے متعلق زمانہ حال میں بعض مسلمانوں نے لکھے ہیں۔

مستعمل کئے جاتے

پادری صاحب کے مضمون کا اول حصہ جسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو نشانہ اعتراضات بنایا گیا ہے ہجرت کے بیان سے ختم ہوتا ہے اس واقعہ کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتا ہے " اسوقت یعنی طایف سے واپس آنیکے بعد نقل مکانی کا خیال آپ کے دلمیں پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس زمانہ کی ایک سورۃ میں ہم الفاظ ذیل پاتے ہیں واعرض عن المشرکین ہ ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناک علیھم حفیظاً (الانعام) یعنی مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہمنے تمکو انپر کوئی محافظ مقرر نہیں کیا پس جسوقت ہجرت کا آپنے ارادہ کر لیا تھا اسکی منظوری وحی الہی سے حاصل کر کے آپنے مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تعلقات قایم کرنے شروع کئے جس جگہ کے چند حاجی عقبہ کی پہلی بیعت کیوقت آپکی بیعت میں داخل ہو چکے تھے ایک سال بعد ایک بڑی جماعت نے عقبہ کی دوسری بیعت میں یہ اقرار کیا کہ وہ آنحضرت اور آپکے دین کی حفاظت تلوار کے ذریعہ سے کرینگے اور آنحضرت نے انکو کہا کہ تمہارا خون میرا خون ہے جسکا خون تم گراؤ گے اسکا خون میں بھی گراؤنگا تم مجھسے ہو اور میں تم سے ہوں جسکے ساتھ تم جنگ کرو گے اسکے ساتھ میں بھی جنگ کرونگا اور جسکے ساتھ تم صلح کرو گے اسکے ساتھ میں بھی صلح کرونگا پیغمبر (ص) اب وعظ اور ترغیب کے طریقوں کو جنمیں ناکامی ہوئی تھی چھوڑ کر کسی اور زبردست طریق کو عمل میں لانیکے لئے غور کر رہے تھے اسلام کی ملکی اور مذہبی ترقی ایک پہلی حالت سے نکل چکی تھی اور اب ملکی اور سیاسی طور پر تمام عرب کو ایک جماعت بنانے کی تجویز زیادہ ممکن العمل معلوم ہوتی تھی مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کو بغیر ایک عہد اور ایک سرزنش کے نہیں چھوڑا چونکہ آپ کو اپنی رسالت کی انجام کار کامیابی اور مکہ والوں پر آیندہ کسی زمانہ میں فتح کا پورا یقین تھا اسلئے آپنے ایک الہام پیش کر دیا کہ مسلمان ہی زمین کے وارث ہونگے اور ظالم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے عظیم الشان واقعات میں سے ایک نہایت ہی اہم واقعہ آپکا مدینہ کو ہجرت کرنا ہے اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسکی اہمیت کو سمجھکر ہی اسلامی سنہ کا ابتدا واقعہ ہجرت سے ہی رکھا اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے متعلق کسیقدر تفصیل سے لکھا جاوے اور ان واقعات کو بھی بیان کیا جاوے جو ہجرت سے پہلے واقع ہوئے کسی پہلے حصہ مضمون میں نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف کا ذکر کیا ہے کہ کیسی بیرحمی سے وہ لوگ پیش آئے وہاں سے واپس آ کر

جب آپ مکہ میں پہنچے تو ایام حج بالکل قریب تھے اور جیسا کہ پہلے بھی آپ کا دستور تھا آپنے ان مختلف قوموں کو جو موسم حج میں مکہ میں جمع تھیں تبلیغ شروع کی ایک ایک قوم کے ڈیرے میں آپ جاتے اور انسے یوں مخاطب ہوتے کہ اے بنی فلاں میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں وہ حکم دیتا ہے کہ تم اللہ کی ہی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو کچھ خدا کے سوا ان بتوں کی تم پرستش کرتے ہو ان کو بالکل چھوڑ دو اور میری بات کو مان لو اور میری تصدیق کرو اور لوگوں کو مجھ پر حملہ کرنیسے روکو یہاں تک کہ جو پیغام دیکر اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے اسکو میں کھولکر بیان کردوں۔" کبھی آپ ایک قوم کے ڈیرہ پر جاتے اور جب وہ خدا کا کلام سننے سے انکار کرتے تو پھر دوسری قوم کی طرف رخ کرتے اور وہی جواب وہاں سے بھی پاتے غرضیکہ تمام منازل میں پھر پھر کر عرب کی ایک ایک قوم کو بلا رہے تھے اب غور کرنیوالے غور کریں کہ وہ کیسی تڑپ آپکے دل کے اندر تھی کہ عرب راہ راست پر آجاویں کہ آپ اس طرح سے دیوانہ وار یکے بعد دیگرے تمام قوموں کی التجا کرتے پھرتے تھے کہ کوئی میری بات سنے اگر ایسی تڑپ کسی جھوٹے کے دل میں بھی ہو سکتی ہے تو پادری صاحبان کوئی اسکی نظیر پیش کریں اور پھر آپکا اللہ تعالیٰ پر کیسا قوی ایمان تھا کہ ایک یا دو یا تین جگہ سے جواب پاکر مایوس نہیں ہوگئے گویا کہ آپ اس یقین کامل کیساتھ ان ڈیروں میں پھر رہے تھے کہ ان میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو ضرور ہے کہ آپ کی آواز کو سنیں اور آپکے پیغام کو قبول کریں اور گویا آپ انہی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں آخر کار عین اس موقع پر جب لوگوں کی واپسی کا وقت آپہنچا تھا آپکو ایک جگہ چھ آدمیوں کا ایک گروہ نظر آیا اور آپ نے انکی طرف رخ کیا اور جس طرح اوروں کو خطاب کرتے پھرتے تھے انکو بھی خطاب کیا یہ لوگ بنی خزرج میں سے اور مدینہ کے رہنے والے تھے انہوں نے آپکا پیغام سننے کا شوق ظاہر کیا چنانچہ آپ بیٹھ گئے اور انکو قرآن شریف سنانا شروع کیا اور حق کی طرف دعوت کی خدا تعالیٰ نے بھی ان لوگوں کے دلوں کو حق کے قبول کرنیکے لئے کھولدیا اور سب اسلام لے آئے اور مدینہ کو جو اسوقت یثرب کہلاتا تھا واپس چلے گئے وہاں پہنچکر انہوں نے اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ شروع کی اور اسلام نے وہاں حیرت انگیز ترقی کرنی شروع کی اور وہ بیج جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان زائرین مکہ میں ڈالا تھا وہ ایک سرسبز درخت کی صورت میں نشو ونما پانے لگا چنانچہ اگلے سال قوم خزرج اور اسکے بارہ آدمی حج کے موسم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف بیعت حاصل کرنیکے لئے آئے اور انکی بیعت عقبہ کی بیعت اولیٰ کہلاتی ہے اس مقام کے نام کی وجہ سے جہاں انہوں نے بیعت کی بیعت کے الفاظ یہ تھے لا نشرك بالله شيئا ولا نسرق ولا نزني ولا نقتل اولادنا ولا نأتي ببهتان نفتريه من بين ايدينا وارجلنا ولا نعصيك في معروف یعنی نہ ہم خدا سے شرک کرینگے نہ چوری کرینگے نہ زناہ کرینگے نہ اپنی اولاد کو قتل کرینگے نہ کسی پر بہتان باندھینگے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی معروف امر میں نافرمانی کرینگے" اسکے بعد اہل مدینہ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو انکے ساتھ اس غرض کیلئے بھیجا کہ ان کے ایمانوں کو مضبوط کریں اور انکو احکام دین اور قرآن شریف کی تعلیم دیں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو اس تبلیغ میں ایسی کامیابی ہوئی کہ ایک سال کے عرصہ کے اندر مدینہ میں بنی خزرج اور اسکے گھروں میں سے بہت تھوڑے گھر ایسے رہ گئے جنمیں کوئی نہ کوئی مسلمان نہ ہو۔

ادھر جس اثنا میں مدینہ منورہ میں اسلام کو یہ فتوحات حاصل ہو رہی تھیں مکہ میں کفار کے حالات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم طرح طرح کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کا نشانہ ہو رہے تھے مگر اسوقت ان ابتلاؤں اور تکلیفوں اور غموں کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کیحالت جسکا پتہ اس زمانہ کی وحی سے لگتا ہے حیرت میں ڈالنے والی ہے ظاہری سامان کے رو سے تو دن بدن مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں مگر کلام الٰہی دن بدن زیادہ پُرشوکت اور تحدیانہ الفاظ میں آنحضرت کے غلبہ اور مخالفوں کی ذلت اور ناکامیوں اور نامرادیوں کی خبر دیتا ہے جب جب انکو یہ سنایا جاتا کہ انجام کار اسلام کا غلبہ اور اسلام کی فتح ہوگی اور تمام مخالفت کی کوششیں اور منصوبے ناکام اور نامراد رہینگے تب تب ہی یہ سوال کفار نے کیا یقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صدقین یعنی یہ وعدہ یا یہ فتح کب آئیگی اور بار بار انکو کہا گیا قل یقوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم۔ یعنی ای میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرو میں بھی اپنی جگہ پر عمل کر رہا ہوں پھر عنقریب تمکو پتہ لگ جائیگا کہ کسکو وہ آفت آتی ہے جو اسی دنیا میں اسکو رسوا کر دے پھر آخرت میں اسپر دائمی عذاب نازل ہو (الزمر) یا یہ کہا گیا وارتقبوا انی معکم رقیب کہ اسوقت تم انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں (ہود) اور پھر یہ کہا گیا قل کل متربص فتربصوا فستعلمون من اصحب الصراط السوی ومن اھتدی (طٰہٰ) کہدو کہ اپنی اپنی جگہ پر سبھی انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو عنقریب تمکو معلوم ہو جائیگا کہ سیدھے راستے پر کون ہیں اور وہ کون ہیں جو ہدایت پا گئے اور پھر فرمایا حتی اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصرا واقل عددا ۰ قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا (الجن) جب اس وعدے کو جو کیا جاتا ہے پورا ہوتا دیکھ لیں گے تو تب انکو معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار تھوڑے ہیں اور کس کا جتھا شمار میں کم ہے کہدے مجھے علم نہیں کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہی ہے یا میرا پروردگار اسکو ایک خاص وقت تک ملتوی کر دیگا اور پھر فرمایا قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم ولا ھم ینظرون ۰ فاعرض عنھم وانتظر انھم منتظرون (السجدہ) کہدو فتح کے دن کافروں کو انکا ایمان کچھ بھی فایدہ نہیں دیگا اور نہ ہی اس دن انکو مہلت دیجائیگی پس تم ان سے کنارہ کش رہو اور ان کی ذلت کا انتظار کرتے رہو کہ وہ تمہاری ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں اور پھر عین اسوقت جب کفار یقین کر چکے تھے کہ اب دین حق نابود ہو جائیگا فرمایا وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحی الیھم ربھم لنھلکن الظلمین۔ ولنسکننکم الارض من بعدھم ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید ۰ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید۔۔ اور پھر اسی سورۃ کے اخیر پر پکار کر فرمایا وسکنتم فی مسکن الذین ظلموا انفسھم وتبین لکم کیف فعلنا بھم وضربنا لکم الامثال ۰ وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال ۰ فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ان اللہ عزیز ذو انتقام یعنی کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمکو اپنے ملک سے نکال دینگے یا تم ہماری مذہب میں واپس آجاؤگے تو خدا نے اپنے پیغمبروں کی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور انکے بعد تمہیں کو اس زمین میں آباد کرینگے یہ وعدہ اسکے لئے ہے کہ جو میرے مقام

اور میرے وعید سے ڈرتا ہے پھر پیغمبروں نے طلب فتح و نصرت کی اور ہر ایک سرکش ضدی ہلاک ہو گیا اور اے لوگو! تم انہی لوگوں کے گھروں میں رہ رہے ہو جنہوں نے پہلے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تم پر بھی کھل چکا تھا کہ ہمنے انکے ساتھ کیا کچھ کیا اور ہمنے انکی مثالیں بھی تمہارے لئے بیان کیں اور یہ لوگ بڑی بڑی تدبیریں کر رہے ہیں مگر انکی یہ سب تدبیریں خدا کے ہاتھ میں ہیں یعنی وہ انکو توڑ کر دکھاویگا) اگرچہ انکی تدبیریں ایسی مضبوط ہوں کہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا دیں پس ہرگز یہ خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ کر چکا ہے اسکا خلاف کرے گا اللہ بیشک زبردست اور انتقام لینے والا ہے (ابراہیم) بظاہر تو مشکلات کی کوئی حد نہ تھی مگر صرف خدا کے وعدوں کی بنا پر آپ کو یہ حیرت انگیز یقین اپنی آئندہ کامیابیوں پر تھا یہانتک کہ مخالفین نے بھی اسکے حیرت انگیز ہونیکا اقرار کیا ہے چنانچہ میور لکھتا ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسطرح پر اپنے مخالفین کو جو ان کو دنیا فتح کا چپ چاپ انتظار کرنا بظاہر حالات بیکسی اور کمزوری کی حالت میں ہونا اور آپ کی چھوٹی سی جماعت کا گویا شیر کے منہ میں ہونا مگر باوجود ان سب باتوں کے استقامت اور ثابت قدمی سے خدا تعالیٰ پر توکل رکھنا جسکا ایلچی وہ اپنے کو سمجھتے تھے یہ ایک ایسا حیرت انگیز نظارہ ہے جسکی نظیر صرف پاک نوشتوں کے بعض حصوں میں بنی اسرائیل کی استقامت کے سوا کہیں نہیں ملتی"

مدینہ میں جو کچھ کامیابی مصعب کو ہوئی اسکی خبر اگلے سال موسم حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی مدینہ سے ۷۳ مرد اور دو عورتیں اس موقع پر بیعت کے لئے حاضر ہوئے ملاقات کے لئے وہی جگہ مقرر ہوئی جہاں پہلے سال بھی اہل مدینہ نے بیعت کی تھی اور اسی لئے یہ بیعت عقبہ کی بیعت ثانیہ کے نام سے مشہور ہے رات کے وقت تہائی رات گذرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس کو جو ابھی کفر پر تھے ہمراہ لیکر اس موقع پر پہنچے جہاں مدینہ کی چھوٹی سی جماعت آپکا پہلے سے انتظار کر رہی تھی جب سب لوگ بیٹھ گئے تو حضرت عباس اہل مدینہ سے مخاطب ہو کر بولے اے گروہ خزرج (عرب لوگ بنی خزرج اور بنی اوس دونوں کو اکٹھا بنی خزرج کے نام سے پکارتے تھے) تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہم میں کیسا ہے اور اپنی قوم کے ان لوگوں سے جو ہنوز آبائی دین پر قائم ہیں ہم اسکی اب تک محافظت کرتے رہے ہیں پس وہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں مگر انہوں نے اب تمہاری طرف توجہ کی ہے اور تمہارے ساتھ ملکر رہنے کا ارادہ کر لیا ہے پس اگر تم سمجھتے ہو کہ تم جس وعدے پر وہاں انکو بلاتے ہو اسکو پورا بھی کرو گے اور دشمنوں سے انکی حفاظت کرو گے تو یہ بوجھ اٹھا لو لیکن اگر تم خیال کرتے ہو کہ تم ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں دیدو گے اور انکا ساتھ چھوڑ دو گے بعد اسکے کہ وہ مکہ سے نکلکر آپ لوگوں کے پاس جا ملیں تو ابھی سے اس خیال کو چھوڑ دو اور آپ کو اس جگہ رہنے دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں راوی کہتا ہے ہم نے کہا ہمنے تمہاری بات سن لی ہے اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود کلام کریں چنانچہ آپ نے پہلے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور انکو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلایا اور دین اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا پھر بعد اس کے کہا کہ میں تمہاری بیعت اس بات پر لیتا ہوں کہ تم میرے پر حملہ کرنیسے دشمنوں کو اسی طرح روکو جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنے سے روکتے ہو جب آپ یہ کہہ چکے تو براء رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور کہا کہ ہاں قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپکو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ کی ایسی ہی حفاظت کرینگے جیسے ہم اپنی حفاظت کرتے ہیں

پس اے خدا کے رسول ہماری بیعت لیجئے خدا کی قسم ہم لڑنیوالے اور زرہ پوش لوگ ہیں جسکو ہمنے بڑوں سے ورثہ میں پایا ہے یعنی بزدل اور کمزور نہیں جو دشمنوں سے ڈر کر آپ کو دشمنوں کے حوالہ کر دینگے پھر اس نے کہا کہ اے خدا کے رسول ہمارے اور لوگوں کے درمیان معاہدہ ہے اور اب ہمیں وہ توڑنا پڑیگا پھر اگر ہم ایسا کریں اور اسکے بعد اللہ تعالیٰ آپکو دشمنوں پر غالب کردے تو آپ یہ تو نہیں کرینگے کہ ہمیں چھوڑ کر پھر اپنی قوم کے پاس چلے جاویں اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا نہیں یہ نہیں ہو سکتا تمہارا خون میرا خون ہے جو تمہاری پناہ میں ہو وہ میری پناہ میں ہے میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو جسکے ساتھ تم جنگ کروگے میں بھی اسکے ساتھ جنگ کرونگا اور جس سے تم صلح کروگے میں بھی اس سے صلح کرونگا اسکے بعد آپنے اس قوم میں سے انہی کے بارہ نقیب مقرر کیئے۔

ان آخری فقرات کو باقی عبارت سے الگ کر کے پادری سیل نے مورد اعتراض بنایا ہے حالانکہ خود بیعت کے الفاظ سے جسکا بعینہٖ لفظی ترجمہ میں نے اوپر کر دیا ہے صاف ظاہر ہے کہ بیعت حفاظت اور دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لئے تھی نہ ان پر چڑھائی کرنیکے لئے چنانچہ اسکی حقیقت خود عباسؓ نے اپنی تقریر میں بیان کر دی تھی کہ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ بنی ہاشم نے دیا ہے اور انکو اعدا یعنی قریش کے حوالے کرنے سے انکار کیا ہے اب جب وہ ایک اجنبی قوم کے درمیان رہایش کرنیکے لئے جاتے ہیں تو ضرور ہے کہ یہ قوم پہلے یہ معاہدہ کرے کہ انکو دشمنوں کے حوالہ نہ کر دینگے اور دشمن اگر ان پر حملہ کریں تو ہم انکے حملوں کو ایسا ہی روکیں گے جیسا اپنے بچوں اور اہل کے حملوں کو روکتے ہیں بیعت کے الفاظ پر اور اس سارے واقعہ پر خوب غور کرو کہ سوائے حفاظت کے اسکا کچھ مطلب نہ تھا ابو طالب اور بنی ہاشم نے کیا حفاظت آنحضرت صلعم کی کی تھی یہ تو نہیں کیا تھا کہ تلوار پکڑ کر کفار کو کہا تھا کہ تم آنحضرت صلعم کا دین قبول کرو ورنہ ہم تمہاری گردنیں مارتے ہیں بلکہ انکی حفاظت صرف یہ تھی کہ جب قریش نے یہ درخواست کی کہ آنحضرت صلعم کو انکے حوالے کر دیا جاوے اور آپ کے خون کا بدلہ نہ لیا جاوے تو ابو طالب نے اس سے انکار کیا اور آخر کل بنی ہاشم نے آنحضرت صلعم کا ساتھ نہ چھوڑا اور تین سال تک شہر کے ایک کونے میں بند رہنا منظور کر لیا ایسی ہی حفاظت انصار سے چاہی گئی اور یہ صاف لفظ تھے کہ انصار دشمنوں کے حملوں کو آپ پر سے روکیں گے اور انصار کے جواب میں جب انہوں نے پوچھا کہ آیا آپ غلبہ کیوقت ہمارا ساتھ تو نہ چھوڑینگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جس سے تم جنگ کرو اس سے میں جنگ کرونگا اور جس سے تم صلح کرو اس سے میں صلح کرونگا یہ صرف اسی امر کے ظاہر کرنیکے لئے تھا کہ میں اب آخر تک تمہارے ساتھ ہی رہونگا۔ باقی رہا انصار کا یہ خیال کہ آخر آپ کو دشمنوں پر غلبہ ہوگا سو اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ اسوقت کوئی ایسا معاہدہ کیا گیا ہو بلکہ قرآن شریف پر اس سوال کی بنا تھی کیونکہ خدائے تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ وعدہ تھا کہ میں آخر کار آنحضرت صلعم اور آپکے ساتھیوں کو غالب کرونگا اور دشمنوں کو مخذول اور ہلاک کرونگا یہ وعدہ یہانتک قرآن شریف میں دہرایا گیا ہے کہ مشکل سے کوئی ایسی سورت ہوگی جسمیں اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو بیان نہ فرمایا ہو اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو یہ یقین دلانا چاہا کہ جیسا اس بیکسی کی حالت میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں ویسا ہی غلبہ کیوقت بھی تمہارے ساتھ ہی ہونگا اور تم اور میں ایک ہونگے اس سے زیادہ ان الفاظ کا کوئی منشا نہیں جو آپنے بولے کیونکہ آپ کی یہ مراد تو ہو نہ سکتی تھی کہ جو کام تم کروگے میں اسی میں تمہاری پیروی کرونگا۔ بیعت تو انصار آنحضرت صلعم کی کر رہے تھے اور فرمانبرداری کا اقرار

انہوں نے کیا تھا یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اُن کے آنحضرتؐ اُنکی فرمانبرداری کا اقرار کرتے مطلب آپکا صرف وحدت ظاہر کرنیکا تھا اور اس وعدت کو آپ نے آخر دم تک نباہا کہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں نہیں ٹھہرے بلکہ انصار کے ساتھ ہی مدینہ میں آ گئے۔

عقبہ کی بیعت ثانیہ سے پادری سیل یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ اور ترغیب کے طریق کو چھوڑ کر جس میں آپ ناکام ہو چکے تھے ایک نئے طریقہ کو جو اس سے زیادہ زبردست تھا عمل میں لانے کی تجاویز کر رہے تھے یہ نتیجہ غالباً پادری صاحب نے صرف اس واقعہ سے نکالا ہے کہ بیعت کے الفاظ میں جنگ کو مدنظر رکھکر حفاظت کا عہد لیا گیا ہے مگر بیعت کے الفاظ میں یہ صاف طور پر ذکر ہے کہ انصار دشمنوں کے حملوں کو روکیں گے آنحضرت کی حفاظت کرینگے اور آپ کو دشمنوں کے سپرد نہیں کرینگے خواہ کچھ ہی ہو اب غور کرلو کہ اسکا مدعا تو صرف یہ تھا کہ قریش حملہ کریں تو اس صورت میں کس طرح اپنی حفاظت کیجاوے اور زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانیکا اسمیں کوئی ذکر نہیں ہے پادری سیل اور اسکے پادری بھائیوں کو دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ کسی حدیث یا روایت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں دکھا سکتے جسکا صراحتاً یا کنایتاً یہ مفہوم ہو کہ بیعت کی غرض اپنی حفاظت نہ تھی بلکہ اسلام کو بذریعہ تلوار پھیلانا تھا باقی رہا یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ قریش جنگ کرینگے جس صورت میں انکے حملوں کو روکنے کے لئے اس بیعت میں عہد لیا گیا سو یہ کوئی نیا خیال نہ تھا جو انصار مدینہ کو دیکھکر آنحضرتؐ کے دل میں پیدا ہو گیا ہو جنگ کی پیشگوئیاں تو قرآن شریف میں بصراحت ان سورتوں میں موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہو چکی تھیں اور جنکا اوائل زمانہ تبلیغ میں نازل ہونا متفقاً تسلیم کر لیا گیا ہے پس اگر پادری صاحب نے ایسا ہی نتیجہ نکالنا تھا تو عقبہ کی بیعت تک کیوں گئے یہی کہدیتے کہ ابتدا سے ہی آنحضرتؐ جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے اور اسلام پھیلانے کے لئے تلوار کو ہاتھ میں لینا چاہتے تھے مثلاً سورہ جن میں جسکا نازل ہونا اسوقت مانا گیا ہے جب آپ طائف سے واپس آ رہے تھے یہ آیات ہیں حتی اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصرا واقل عددا یعنی جب کفار دیکھ لینگے ان باتوں کو جنکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اسوقت انکو معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کا جتھا کم ہے" اب اس جگہ مددگاروں اور جتھے کا ذکر صاف بتا رہا ہے کہ یہ جنگ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مددگاروں اور جتھوں کی ضرورت جنگ میں ہی پڑتی ہے نہ کسی اور غرض کے لئے اور کفار کو یہ بتایا گیا ہے کہ آج مسلمان انکی نظروں میں تھوڑے اور کمزور ہیں تو وہ اسپر فخر نہ کریں عنقریب وہ دن آتا ہے کہ ثابت ہو جائیگا کہ کمزور اور تھوڑے کون ہیں اب طائف میں جو سلوک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا اسکے متعلق تو شاید پادری سیل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ وہاں سے آنحضرتؐ کوئی ایسی امیدیں لیکر نہ آئے تھے کہ اب چلکر کفار کیساتھ جنگ کر کے انکو تباہ کر دینگے اور سورتوں میں جو اس زمانہ سے بہت پہلے کی نازل ہوئی ہوئی ہیں اس سے بھی زیادہ صراحت سے جنگ اور کفار کی شکست کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں مثلاً سورۃ القمر میں جسکو راڈول اور میور دونوں نے ابتدائی زمانہ کی سورۃ مانا ہے۔ یہ پیشگوئی ہے۔ ام یقولون نحن جمیع منتصر ○ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ کیا کفار مکہ کہتے ہیں کہ ہمارے بڑی جماعت ہے جو ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔ عنقریب یہ تمام کی تمام جماعت شکست کھائے گی اور مسلمانوں کے مقابلہ

پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے ایسا ہی سورہ ص میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یہ بھی ابتدائی زمانہ کی وحی ہے جند ما ھنالک مھزوم
من الاحزاب یعنی احزاب کا ایک لشکر جو تمہاری مخالفت پر اسجگہ آمادہ ہوا ہے اسکو شکست دیجاویگی اب دیکھنا یہ ہے
کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ابتدائی زمانہ کے ہمراہیوں نے ان جنگوں سے مراد جنگ اور کفار کی شکست سے مراد شکست ہی
سمجھا یا کچھ اور سو اسکا ثبوت مدنی سورتوں سے ملتا ہے سورہ احزاب میں جہاں جنگ احزاب کا ذکر فرمایا ہے وہ ان الفاظ میں ہے ولما
المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما اور جب مومنین نے احزاب
یعنی دشمنوں کے گروہوں کو دیکھا تو وہ بول اُٹھے کہ یہ تو وہی موقع ہے جسکا وعدہ ہم سے اللہ اور رسول نے کیا تھا اور
اللہ اور اسکے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے انکا ایمان اور انکی فرمانبرداری اور بھی زیادہ ہوگئی۔ اب ان آیات سے کیسی صراحت
سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ابتدا سے ہی یقین تھا کہ انپر چڑھائیاں ہونگی اور کفار شکست کھاینگے اسجگہ مومنوں نے
کفار کے لشکروں کا بڑا جتھا دیکھتے ہی یہ کہدیا کہ خدا اور اسکے رسول کا وعدہ پورا ہوا یعنی شکست کا انتظار بھی نہیں کیا بلکہ
ان کے جتھونکو دیکھکر اور وعدہ الٰہی کا ایک حصہ پورا ہوتا دیکھکر جھٹ سمجھ لیا کہ اب کفار کو شکست بھی ہوگی سبحان اللہ
کیا ایمان تھے دشمن ٹڈی دل کی طرح سر پر چڑھا ہے بھاگنے نکلنے کی کوئی راہ نہیں اور مومن خوش ہو رہے ہیں کہ اب خدا کا وعدہ
پورا ہوگیا یہی وہ موقع تھا جب بعض کمزوردلوں کے دل چھوٹ گئے تھے اور وہ طرح طرح کے بہانوں سے الگ ہونا چاہتے تھے
جسکا ذکر مفصل قرآن کریم کی سورہ احزاب میں موجود ہے پس یہ تو ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مسلمانوں کو
بھی پہلے سے ہی علم تھا کہ کفار کی ان سے جنگیں ہونیوالی ہیں خواہ وہ کسی زمانہ میں ہوں مگر میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ایک
بات کا علم ہونے سے کیا اسکی حقیقت میں فرق آجاتا ہے کیا محض اتنی بات سے کہ لڑائیاں تو اپنی حفاظت کے لئے تھیں مگر چونکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپکے صحابہ کو ان جنگوں کا پہلے سے خیال تھا جسکی بنا وحی الٰہی پر تھی ان لڑائیوں کی حقیقت
بدلکر وہ دین کے بزور شمشیر پھیلانے کی لڑائیاں بن گئی تھیں جنہیں ناحق کفار کو گھر میں بیٹھے ہوئے دکھ دیا گیا اگر پیشگوئیوں
سے واقعات کی حقیقت ایسی ہی بدل جاتی ہے تو یسوع کی کسی پیشگوئی کا جو حصہ پورا ہوا اسکے متعلق پادری صاحبان کیا
کہیں گے پس جنگ کے وقوع کے خیال کا ابتدا اہالی مدینہ کے اسلام لانے یا عقبہ کی بیعت ثانیہ کے وقت
پیدا نہیں ہوا بلکہ اسکے متعلق صریح پیشگوئیاں ابتدا سے ہی ہوچکی تھیں جب ابھی سوائے معدودے چند
اشخاص کے کوئی انسان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا اور آپ کی حالت نہایت ابتدائی تھی۔ مگر
اسوقت جنگ اور پھر جنگ میں کفار کو شکست ان واقعات کو ایسا دور از قیاس سمجھا جاتا تھا کہ کفار ان پیشگوئیوں پر
کہ وہ مغلوب ہوجاینگے ہنسا کرتے تھے۔

یہ بھی محض خیالی اور جھوٹ ہے کہ عقبہ کی بیعت ثانیہ کی غرض یہ تھی کہ اشاعت اسلام کے لئے بجائے وعظ اور ترغیب کے
اب تلوار ہاتھ میں لیکر زبردستی لوگوں کو مسلمان کیا جاوے اور اس سیاہ جھوٹ کے مرتکب وہ پادری صاحبان جو ہندوستان میں

صداقت کی تعلیم پھیلانیکے بہانے سے آتے ہیں جس قدر تفصیلات اس بیعت کی ملتی ہیں اسی قدر زیادہ صراحت سے اسبات کا ثبوت ملتا ہے کہ اسمیں غرض صرف آپ کی حفاظت اور دشمنوں کے حملوں کا روکنا تھا نہ کوئی اور غرض۔ قبل اسکے کہ انصار نے بیعت کا یہ اقرار کیا عباس بن عبادہ بن نضلۃ الانصاری نے اٹھکر اپنی قوم کو ان الفاظ میں مخاطب کیا کہ اے خزرج کے گروہ! کیا تم جانتے ہو کہ کس چیز پر تم اس شخص یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے ہو انہوں نے کہا ہاں اس نے کہا تم اسکی بیعت سفید و سیاہ یعنی عرب اور عجم کی لڑائی پر کرتے ہو پس اگر تم سمجھتے ہو کہ جب تمہارا مال چھین لیے جاوینگے اور تم میں سے بڑے بڑے لوگ جو اشراف الناس ہیں قتل کر دیے جاوینگے تو ایسی مصیبت کے وقت میں تم آنحضرتؐ کو دشمنوں کے حوالہ کر دو گے تو ابھی تم اسکا ساتھ نہ دو خدا کی قسم یہ سب سے بڑی رسوائی دنیا اور آخرت کی ہے اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جس معاہدہ پر تم آپ کو بلاتے ہو اسکو باوجود مالوں کے چھینے جانے اور اشراف کے قتل کیے جانیکے بھی پورا کرو گے تو پھر آپ کو لے لو خدا کی قسم دنیا اور آخرت میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ انصار نے کہا ہم مالوں کے چھینے جانے اور اشراف کے قتل کیے جانے پر بھی آپ کا ساتھ دینگے اور اسی شرط پر ہم آپ کو لیتے ہیں۔ اے خدا کے رسول اسکا ہمکو کیا ملیگا آنحضرتؐ نے فرمایا جنت۔ اب اسجگہ بیعت تو حرب احمر اور اسود پر کی ہے۔ پس کیا کوئی جلد باز پادری بھی بول اٹھیگا کہ اسکا منشا یہ تھا کہ دین اسلام کے پھیلانیکے لیے ساری دنیا سے جنگ کرو۔ لیکن جب اسی کی تشریح ہم ساتھ ہی پڑھتے ہیں تو یہ شرط کہ نہکۃ الاموال و قتل الاشراف پر بھی ہم آپکا ساتھ نہ چھوڑینگے اور دشمنوں کے حوالے ہم آپ کو نہ کر دینگے صاف بتا رہی ہے کہ یہاں دشمنوں کی مدافعت کا ذکر ہے نہ ان پر چڑھائی کا یا انکو بزور شمشیر مسلمان کرنیکا۔ احمر و اسود سے جنگ اسواسطے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن جو آپ کی جان لینا چاہتے تھے صرف عرب کے اندر ہی نہ تھے بلکہ عرب سے باہر بھی تھے چنانچہ چند ہی سال میں آپ مدینہ میں تھے تو خسرو پرویز نے اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا کہ آپ کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ جس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب نشان آپ کی صداقت کا ظاہر کیا تھا جس سے وہ سارا منصوبہ شاہ ایران کا خاک میں مل گیا۔ اس سے صحابہ کے حوصلوں کا بھی پتہ لگتا ہے کہ وہ آدمی یہ اقرار کرتے ہیں کہ اگر ساری دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو تو ہم کل دنیا کا ہی مقابلہ کرینگے اور ہرگز ہرگز آپکا ساتھ نہ چھوڑینگے خواہ انکے سارے اموال لوٹ لیے جاویں اور انکے سردار و اشراف لوگ سب کے سب قتل کر دیے جاویں ایک ہی شرط جس پر بار بار زور دیا گیا یہ تھی کہ کسی صورت میں آنحضرتؐ کو دشمنوں کے حوالے نہیں کیا جاویگا اگر اسکے علاوہ پادری سیل صاحب ایک لفظ بھی ایسا دکھاویں جس سے معلوم ہو کہ اسجگہ بیعت میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ ہم دین اسلام کو بزور شمشیر پھیلا دینگے یا اقل درجہ یہی کہ ہم کفار مکہ پر چڑھائی کر کے انکو نیست و نابود کر دینگے اگرچہ ثانی الذکر معاہدہ بالکل درست بھی ہوتا کیونکہ کفار مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ کو سخت تکلیفیں دے چکے تھے لیکن اگر پادری سیل صاحب کسی تاریخ یا سیرت یا حدیث کی کتاب سے نکالکر دکھاویں تو میں اپنے تمام دلائل کو واپس لیکر انکی بات کو تسلیم کرونگا لیکن اگر یہ پادری صاحب کے اپنے دماغ کا ہی اختراع ہے اور وہ اسکی کوئی اصلیت نہیں دکھا سکتے تو تقاضائے شرم و حیا یہ ہے کہ وہ اسبات کا کھلے طور پر اقرار کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہؓ نے اسلام کو بزور شمشیر پھیلانیکا کبھی ارادہ نہیں کیا اصل بات صرف اسی قدر ہے کہ انصار مدینہ کی طرف سے آنحضرتؐ کی حفاظت کا ایسا وعدہ ہونا آنحضرتؐ کے مدینہ جانیکے لیے نہایت ضروری تھا جسکی

ایک وجہ تو میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ مکہ میں بنی ہاشم اپنے تعلقات قرابت کے سبب سے آنحضرت کی محافظت کو اپنا فرض سمجھتے تھے مگر مدینہ میں انصار سے چونکہ اس قسم کے تعلقات نہ تھے اسلئے معاہدہ یا اقرار بیعت ان الفاظ میں ضروری تھا کہ وہ اخیر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اسجگہ اسقدر تشریح کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حفاظت سے کیا مراد ہے اسجگہ ہندوستان میں مثلاً کل رعایا گورنمنٹ کے زیر حفاظت ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کو مار ڈالے تو گورنمنٹ اس سے باز پرس کریگی مگر گورنمنٹ کی حفاظت کا یہ منشا نہیں کہ ایک ایک فرد رعایا کیساتھ ایک پہرہ پولیس کا رکھے کوئی اسکو نہ مار ڈالے عرب میں ایسی منتظم گورنمنٹ تو تھی نہیں پس ہر ایک قوم یا قبیلہ ہی گورنمنٹ کا کام دیتا تھا یعنی وہ حفاظت جو ہمکو اسجگہ بوجہ گورنمنٹ کے نیچے ہونیکے حاصل ہے وہاں ہر ایک قوم یا قبیلہ کے فرد کو اس لحاظ سے حاصل تھی کہ وہ اس قوم کا یا قبیلہ کا فرد ہے ایسی حفاظت بنی ہاشم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے تھے لیکن جب اپنی قوم کو چھوڑ کر کوئی شخص کسی دوسری قوم میں جاتا اور اس دوسری قوم کے ساتھ ہی رہنا یا ملنا پسند کرتا تو اسکے لئے ضروری تھا کہ اب وہ دوسری قوم اسکی حفاظت کا وعدہ کرے کہ وہاں تعلقات خون تو ہیں نہیں جنکے سبب سے ایسی حفاظت اسے خود بخود حاصل ہو انصار کی حفاظت کا وعدہ جو عقبہ کی بیعت ثانیہ کیوقت ہوا وہ اس دوسری قسم کی حفاظت تھی دوسری وجہ جس کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر پکے اور مضبوط وعدے لینے کی کیا ضرورت تھی یہ تھی کہ قریش کے ارادے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہمیشہ بہت بدے تھے اور وہ ہمیشہ ایسے منصوبے گانٹھتے رہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جاوے پس جب تک آپ مکہ میں تھے اسوقت تک قریش کم از کم اسقدر تو مطمئن تھے کہ وہ ہمارے زیر نظر ہیں جب چاہینگے انکا کام تمام کر دینگے اور انکے سلسلہ کو نیست و نابود کر دینگے مگر دوسری جگہ چلے جانے پر یہ بات باقی نہ رہیگی پس یہ ظاہر تھا کہ آپ کے مدینہ تشریف لیجانے پر انکی مخالفت کی آگ اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھیگی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ذرایع اسلام کو نیست و نابود کرنیکے اختیار کریں گے اسکا قیاس اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ طایف سے واپس آئے حالانکہ وہاں سے جس حال میں واپس آئے وہ کفار کیلئے موجب خوشی کا تھا مگر پھر بھی محض آپ کے دوسری جگہ تشریف لیجانیکی وجہ سے انکی مخالفت تیز ہو گئی تھی اور طایف سے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہو سکے بلکہ باہر ہی ٹھہرے رہے یہانتک کہ ایک قریشی رئیس مطعم کی طرف سے آپ کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ کفار شرارت سے باز رہینگے تب آپ زید کیساتھ مکہ میں داخل ہوئے جن لوگونکی مخالفت کی یہ حالت ہو چکی تھی ظاہر ہے کہ ان سے اسحالت میں کیا امید رکھی جا سکتی تھی جب وہ یہ بھی دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی جماعت بنالی ہے جہاں وہ اپنے کام کو اپنے حسب منشاء بذریعہ تبلیغ ترقی دے سکتے ہیں اور یہاں وہ معمولی طریق سے انکو روک نہیں سکیں گے۔

اس مقام پر اس بات کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ انبیاء کو جو حفاظت کے وعدے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں یہ امر ان وعدوں کے منافی نہیں کہ انبیاء علیہم السلام معمولی انسانوں کی طرح حفاظت کے سامانوں سے فائدہ اٹھائیں یہ بات مد نظر رکھیں میری سمجھ میں حفاظت الٰہی کا یہ منشا ہوتا ہے کہ باوجودیکہ وہ معمولی انسانوں کی طرح معمولی انسانی حالات کے

ماتحت ہوتے ہیں اور معمولی انسانی سامانوں سے ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ پھر بھی انکی حفاظت غیر معمولی طور پر کرتا ہے اور ان راہوں سے انکو بچا کر نکالتا ہے جن سے معمولی انسان بچ کر نہیں نکل سکتے شلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کرو آپ بیشک ایک ایسے خاندان میں سے تھے جو مکہ میں عزت اور وجاہت رکھتا تھا اور آپ کے چچا ابو طالب نے بیشک کل قوم کی مخالفت کو گوارا کیا مگر آپکا ساتھ نہ چھوڑا اور آپ کو کفار کے حوالہ کرنے سے انکار کیا مگر یہ جسقدر حفاظت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئی ایسی حفاظت اور بھی ہزارہا انسانوں کو دنیا میں میسر ہوتی ہے جو ذرا ذرا سی بات پر قتل کئے جاتے ہیں عرب کی طبایع ہی کچھ ایسی واقع تھیں کہ ایک انسان کو مار ڈالنا ان کے نزدیک کچھ بھی وقعت یا حقیقت نہ رکھتا تھا وہ ایک سخت کینہ ور قوم تھی جنکا کینہ آجتک شہرۂ آفاق ہے ادنیٰ ادنیٰ بات پر خون کر دینا انکے نزدیک معمولی امر تھا خواہ اسکے کیسے ہی بد نتائج خانہ جنگی کے سبب سے بھگتنے پڑیں اب انہی لوگوں کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش نہیں بلکہ علانیہ انکے بتوں کی مذمت کرتے اور خود انکو عذاب کی دھمکیاں دیتے تھے اگر آپ صرف اسی قدر کرتے کہ ایک نئے مذہب کا وعظ کرتے لیکن عربوں کے قومی مذہب اور انکی بت پرستی کے خلاف کچھ نہ کہتے تو انکو بھی آپکی مخالفت سے کوئی سروکار نہ ہوتا مگر بتوں کی مذمت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب و روز کرتے تھے اس سے بڑھکر عرب کو اشتعال دلانیوالی اور کوئی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک ایسی بات تھی جو انکو دیوانہ کر دیتی تھی اب دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ تنہا دن کو اور رات کی اندھیری گھڑیوں میں باہر جاتے تھے اور کوئی پہرہ آپ کیساتھ نہ ہوتا تھا بلکہ آپ مسلح بھی نہ ہوتے تھے پس ایسے اشتعال کے ہوتے ہوئے اور اس آسانی کے باوجود وہ کونسی چیز تھی جس نے کفار کو آپکے قتل سے روک رکھا یا اگر کبھی انہوں نے کوئی منصوبہ کیا تو وہ منصوبہ خاک میں ملگیا اور اس میں کامیابی نہ ہوئی یہ تھی حفاظت الٰہی جو خدا کی طرف سے آپکے شامل حال تھی اور جسکے بغیر آپ ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے ایسا ہی مدینہ کو جانیکا ارادہ کرتے وقت بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ظاہری سامان حفاظت کئے جو ایک معمولی انسان کرتا ہے مگر کیا یہ احتیاطیں آپ کی جان کو بچانیکے لئے کافی تھیں ہرگز نہیں اور میں آگے چلکر دکھاؤنگا کہ ان حفاظتوں اور احتیاطوں پر آپ کو کوئی بھروسہ نہ تھا اور نہ ہی یہ کافی تھیں بلکہ اصل بھروسہ آپکا محض حفاظت الٰہی پر تھا اور یہ تمام سامان اسلئے آپ کرتے تھے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جہانتک انسان کی اپنی حفاظت کا سامان کرے اور اپنی جان کو ارادتاً ہلاکت میں نہ ڈالے ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ۔

اب ایک اور امر قابل غور ہے اگر عقبہ کی بیعت ثانیہ کا منشا اسلام کو بذریعہ شمشیر پھیلانا تھا تو جو عہد انصار سے لیا گیا تھا وہی مہاجرین یعنی اہل مکہ سے بھی لینا چاہئے تھا مگر یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ جو مسلمان مکہ میں موجود تھے انہوں سے ازسرنو بیعت کی تھی ہاں صلح حدیبیہ کیوقت ایک بیعت کا لیا جانا پایا جاتا ہے سو وہ کئی سال بعد کا واقعہ ہے پس اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے بیعت اسوجہ سے لی تھی کہ آپ جانتے تھے کہ جب آپ مدینہ میں جائینگے تو کفار قریش آپ پر حملہ آور ہونگے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار نے خود بلایا تھا کیونکہ دونوں روایتوں میں جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ کہ ہماد ھو

طاقت حربی

یعنی جس عدہ پر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہو مگر پادری صاحبان کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے محض مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں تبلیغ کرنے یا ایسا ارادہ کرنے سے اس تبلیغ کی حقیقت کیونکر بدل گئی۔

پادری سیل نے یہ بھی دعوے کیا ہے کہ وعظ اور ترغیب کا طریق جو آنحضرت صلعم نے پہلے اختیار کیا تھا اسمیں آپکو ناکامی
ہوئی اور اسلئے آپنے نیا طریقہ یعنی بزور شمشیر دین پھیلانیکا اختیار کیا میں پوچھتا ہوں کہ خزرج اور اوس کس طرح مسلمان ہوئے
کیا یہ وعظ اور ترغیب کا ہی طریق تھا یا بزور شمشیر ان لوگوں کو مسلمان کیا گیا تھا؟ پادری صاحبان نے صرف اپنے مذہب کی خاطر یہ
جھوٹ بنایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کو بذریعہ وعظ مسلمان بنانیسے مایوس ہو چکے تھے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں
کہ مدینہ میں آپکے ایک صحابی کے وعظ سے اسلام کا چرچا گھر گھر میں پھیل گیا تھا اور ایک ہی سال میں کئی لوگ مسلمان ہو گئے
تھے اور مکہ میں باوجود قریش کی سخت درجہ کی مخالفت کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے جنمیں سے بعض تو علانیہ اظہار اسلام
کر کے تکالیف اٹھا رہے تھے اور بعض کمزور ابھی انہی تکالیف کے ڈر سے کھلا اظہار اسلام نہ کر سکتے تھے اسلام کے اصول
خود اپنے اندر ایسی کشش رکھتے ہیں کہ وہ دن بدن دلوں کو اپنی طرف کھینچے چلے جاتے تھے پس ان کامیابیوں کو جو کہ میں
آپ کو حاصل ہوئی تھیں ناکامی کہنا اگر عمداً کذب اختیار کرنا نہیں تو حماقت ضرور ہے ہاں اگر پادری صاحب یہ کہتے کہ مکہ سے
آنحضرت صلعم کا بھاگنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے اسوقت تک وہاں قدم نہ جم سکتے تھے تو یہ اور بات تھی مگر اسکو صحیح
معنوں میں ناکامی نہیں کہا جا سکتا نجاشی شاہ حبش اور مدینہ کی اقوام خزرج اور اوس اور قریباً تین سو کے مرد و زن جو مکہ
میں تھے یہ سب وعظ سے ہی اسلام لائے تھے پادری سیل کے نزدیک شاید کامیابی کے یہ معنے ہوں کہ ایک آدمی گدھے پر
سوار ہو اور عوام الناس اور جہلا اسکے آگے خوشی کے نعرے بلند کر رہے ہوں مگر جب ذرا سی مصیبت اسپر آئے تو ایک بھی
آدمی اسکے ساتھ نہ رہے مگر کسی سمجھدار انسان کے نزدیک ایک بانی مذہب کیلئے یہ امر کامیابی کا موجب نہیں ہو سکتا کامیابی قلیل و کثیر
تعداد پر منحصر نہیں بلکہ اسبات پر منحصر ہے کہ جو آدمی ایک نبی کیساتھ ہوئے ہیں وہ ایسے تو نہیں جو جہلا کی طرح ایک بات سنکر
خوش ہو گئے اور ذرا سی تکلیف کیوقت دم دبا کر بھاگ گئے اور آیا ان میں وہ صبر اور استقامت پائی جاتی ہے جو شدید سے شدید
مصائب کیوقت بھی انکو متزلزل نہیں کر سکتی اسی قسم کے سینکڑوں آدمی آنحضرت صلعم کے مکہ میں وعظ کرنیسے پیدا ہو چکے تھے جنکے لئے
خدا کی راہ میں مال و عزت و جاہت کا قربان کرنا تو ایک طرف رہا جان کا قربان کرنا بھی کچھ مشکل امر نہ تھا پادری صاحب اور نہیں تو میور
صاحب کے اقرار کو ہی پڑھ لیں جو انکی طرح دل سے دشمن اسلام ہے مگر جسکو صحابہ کی حالت دیکھکر ان باتونکا اقرار کرنا پڑا اور پھر سوچیں
کہ یہ کیسی کامیابی آنحضرت صلعم کو ہو چکی تھی وہ کہتا ہے اس سے یعنی ہجرت سے ۱۲ سال پہلے تک اس ذلیل حالت میں مردہ پڑا تھا مگر ان تیرہ برسوں نے عجیب
تبدیلی پیدا کر دکھائی کئی سو آدمیوں کے ایک گروہ نے بت پرستی کو چھوڑ دیا ایک خدا کی پرستش اختیار کی اور جس کلام کو وہ خدا کی وحی مانتے تھے اسکی سچے
دل سے تابعداری کی دعا اکثر اور بہت ہی خضوع خشوع سے بارگاہ الٰہی میں دعائیں کرتے اور اسی کے رحم کو اپنی نجات کا ذریعہ
سمجھتے۔ اور اعمال صالحہ سخاوت پاکیزگی اور میانہ روی کی راہوں میں چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے دل اس احساس سے

بھر چکے تھے کہ وہ ہر وقت ایک مقتدر ہستی کے تصرف کے نیچے ہیں اور اسی کو وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا مہیا کرنیوالا اور اپنا رب سمجھتے تھے ہر ایک نعمت میں جو انکو ملتی زندگی کے ہر ایک معاملہ میں اپنے تمام کاروبار میں خواہ وہ افراد کے متعلق ہوں یا پبلک کے غرضیکہ ہر ایک امر میں وہ خدا کا ہاتھ کام کرتا ہوا دیکھ رہے تھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ یہ نئی زندگی جس نے انکی طبیعتوں میں ایک عجیب لذت اور سرور سی بھر دیا تھا اسکو وہ خدائے تعالیٰ کا خاص فضل سمجھتے تھے اور دوسری طرف وہ گویا یہ مشاہدہ کر رہے تھے کہ انکے اندھے ہموطنوں کا کفر پر باصرار تمام جمے رہنا انکی قساوت قلبی کی وجہ سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے اندر زندگی کی روح پھونکی اور ہی خدا کے نیچے انکی نئی امیدوں کے سرچشمہ تھے اور اسی لئے وہ آپ کی سچے دل سے فرمانبرداری کرتے تھے اسقدر تھوڑے زمانہ میں مکہ میں اس عجیب تحریک کی وجہ سے دو گروہ ہو گئے تھے جو قوم اور قبیلہ کی پرانی تفریق کو بالائے طاق رکھکر ایک دوسرے کے خلاف خونخوار مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے تھے مومنین نے کفار کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کو صبر اور استقلال سے برداشت کیا اور اگرچہ ایسا کو نہیں انہوں نے دور اندیشی سے کام لیا مگر تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اعلیٰ درجہ کی برداشت اور بردباری دکھائی ایکسو مرد اور عورتوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ملک حبش میں جا پناہ لی مگر اپنے ایمان کو ہاتھ سے دینا گوارا نہ کیا اور اب اس سے بھی بڑی تعداد نے آنحضرت صلعم سمیت اپنے وطن مالوف اور اسکے پاک عبادتگاہ کو جو انکے نزدیک کل روئے زمین پر سب سے مقدس جگہ تھی چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کی مدینہ میں اسی جیرت انگیز جادو نے دو تین سال کے اندر ایک ایسی جان نثار جماعت تیار کر دی تھی جو اپنی جانوں کو آنحضرت صلعم اور آپکے صحابہ رض کی حفاظت کے لئے قربان کرنے کو تیار رکھتی یہودی بھی اپنے مذہب کا وعظ مدت سے کر رہے تھے مگر وہ اپنی خواب سے بیدار نہیں ہوئے جبتک آنحضرت صلعم کی زندگی بخش آواز ان کے کانوں میں نہیں پڑی اور جب انہوں نے اس آواز کو سن لیا تو ایک نئی اور پرجوش زندگی کی روح ساتھ ہی انمیں پھونکی گئی"

یہ شہادت جو ایک سخت مخالف کے قلم سے نکلی ہوئی ہے ایک طالب حق کو یقین دلا دیگی کہ جو کامیابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں تیرہ سال کے اندر ہوئی وہ دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر کامیابی ہے لیکن پادری صاحبان کے لئے اسلام کی کسی عمدگی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی فضیلت کا اقرار کرنا موت سے بھی سخت تر ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ایک فقرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ناکامی منسوب کرکے ساتھ ہی دوسرے فقرے میں پادری سیل کہتا ہے کہ "اسلام کی ملکی اور مذہبی ملی ہوئی ترقی ایک منزل کو طے کر چکی تھی اور اب عرب کی کل اقوام کو متفق کر لینا زیادہ قریب قیاس معلوم ہوتا تھا" اب اس فقرے میں پادری صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی ہوئی تھی اور یوں انکا دوسرا فقرہ انکے پہلے فقرے کی تردید کرتا ہے بات یہ ہے کہ ایک طرف تو پادری صاحب نے یہ دکھانا تھا کہ دین کے پھیلانے کے لئے تلوار اٹھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وعظ کے ذریعہ کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی اور دوسری طرف

انکو یہ ثابت کرنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسقدر جمعیت تھی جو تلوار پکڑ کر عرب کو فتح کر سکے اب پادری صاحب خود ہی بتادیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وعظ دین اسلام پھیلانے میں ناکام ہوئے تھے تو وہ آدمی کہاں تھے جن کے بھروسے پر آپ نے تلوار اٹھائی اور اگر آپ کے ساتھ اسقدر زبردست افواج مل چکی تھیں حالانکہ یہ تو وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اسوقت تک آپ نے صرف وعظ سے ہی کام لیا تھا تو پھر وعظ میں ناکامی کیونکر ہوئی اصل بات یہ ہے کہ حق ان دونو دعووں کے بین بین ہے نہ تو آپ ناکام ہی ہوئے تھے کہ آپ کیساتھ ایک بھی آدمی نہو اور نہ ہی آپ اسقدر جمیعت حاصل کر چکے تھے جو بزور شمشیر کل عرب کی جنگی اقوام کو فتح کر لے جنگ بدر میں جو آپ کی مشہور لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی ہے جو ہجرت سے ایک سال اور عقبہ کی بیعت ثانیہ سے دو سال سے زیادہ عرصہ بعد وقوع میں آئی آپکے ساتھ صرف ۳۱۳ کل لڑنیوالے تھے جنمیں وہ نوجوان بچے بھی شامل تھے جنکی عمریں ابھی تک بیس سال تک بھی نہیں پہنچی تھی اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ اس سے دو سال پہلے آپکے ساتھ کسقدر جمعیت جنگ کرنیوالی تھی جسکے بھروسے پر آپ نے دین کو بزور شمشیر پھیلانا چاہا اسمیں شک نہیں کہ بدر کے موقع پر کفار کی طرف سے بھی ایک ہزار ہی لڑنیوالے نکلے تھے مگر اسکی یہ وجہ نہ تھی کہ ان کے پاس اس سے زیادہ لڑنیوالے نہ تھے بلکہ وہ مسلمانوں کی طاقت کو اسقدر کمزور سمجھتے تھے کہ انہوں نے اسی فوج کو مسلمانوں کی جماعت کے نیست و نابود کرنیکے لئے کافی سمجھا تھا۔

عقبہ کی بیعت ثانیہ کے بعد آپ نے حکم الہی سے اپنے پیرووں کو یہ اجازت دیدی کہ وہ مدینے کو چلے جائیں چنانچہ معاً تیاریاں شروع ہوگئیں اور اکیلے اکیلے یا دو دو چار چار ہو کر مسلمان نکلنے شروع ہوگئے اور جتنی انکی وسع انکی زندگی مخفی طور پر ہوئی تھی اب اگر قریش کی ایذا رسانی اس حد تک ختم ہو جاتی تو ہم سمجھ لیتے کہ انکو اسلام کے نیست و نابود کرنیسے کوئی غرض نہ تھی بلکہ وہ صرف بتوں کی مذمت یا کسی اور وجہ سے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا پسند نہ کرتے تھے اور اسی لئے انہیں دکھ دیتے تھے مگر بجائے اسکے کہ ایذا رسانی کا اسجگہ خاتمہ ہو جاتا مسلمانوں کے مکہ کو چھوڑنے میں یہ اور بھی ترقی کر گئی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے اپنے دل میں یہ ٹھان لیا ہوا تھا کہ اسلام کو نیست و نابود کر کے ہی چھوڑیں گے اسلئے وہ یہ گوارا نہ کرتے تھے کہ مسلمان امن سے کسی دوسری جگہ جا آباد ہوں کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر ایسا ہوا تو اسلام کے پیر جم جائینگے اور وہ اسکی ترقی کو روک نہ سکیں گے چنانچہ اس موقع پر بڑی بڑی بیرحمیوں کا ارتکاب کفار نے پھر کیا مثال کے طور پر میں ایک نظیر بیان کرتا ہوں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کیساتھ آنحضرت صلعم کا حکم سنتے ہی مکہ سے نکل پڑے انکی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا ابو سلمہ نے اپنی بیوی اور بچے کو اونٹ پر سوار کر کے خود اسکی مہار پکڑ کر بے سر و سامانی کی حالت میں مدینہ کا راہ لیا ابھی تھوڑی دور نکلے تھے کہ بنی مغیرہ کے بعض لوگوں نے انکو دیکھ لیا اور ابو سلمہ سے اونٹ کی مہار لیکر اسے تو جانے دیا اور اس کی بیوی اور بچے کو واپس لے آئے جب ابو سلمہ کے قبیلے بنی عبد الاسد کو اس کی خبر پہنچی تو وہ بچے کے دعوےدار ہوئے اور

دونوں فریقوں میں کشمکش ہوئی آخر بچے کو تو بنی عبدالاسد لے گئے اور ام سلمہ اکیلی بنی مغیرہ کی حراست میں رہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں صبح کو باہر نکل جاتی اور وادی میں بیٹھکر شام تک وہیں رویا کرتی اور اسی طرح ایک سال بھر گذر گیا ایک دن وہ اس طرح بیٹھی رو رہی تھی کہ انکے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک کا گذر ان پر ہوا اسے ترس آیا تو اسنے بنی مغیرہ کو ملامت کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی مغیرہ نے ام سلمہ کو اجازت دیدی چنانچہ وہ اپنے بچے کو بنی عبدالاسد سے واپس لیکر اکیلی مدینہ کو چلیں جب مقام تنعیم پر پہنچیں تو وہاں انکو عثمان بن طلحہ مل گئے اور جب انکو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اکیلی مدینہ کو جا رہی ہیں تو انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور جب تک مدینہ میں انکو انکے خاوند کے پاس نہیں پہنچا دیا واپس نہیں ہوئے۔" غرض اس طرح سے جہاں قریش کا زور چلتا وہ بھاگنے والوں کو پکڑ کر سخت ایذائیں دیتے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم جسطرح سے بن پڑتا چھپ چھپ کر نکلے جا رہے تھے بعض نے ان میں سے ایسا بھی کیا کہ کفار کو اپنا سارا مال دیکر نکلجانے پر رضامند کر لیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مکہ مسلمانوں سے بالکل خالی ہو گیا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما رہ گئے حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہا عرض کرتے کہ آپ کو بھی اب ہجرت کرنی چاہیئے مگر آنحضرتؐ ہمیشہ یہی فرماتے کہ مجھے ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں پہنچا یہ بات بہت قابل غور ہے کہ اسطرح چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں اور دشمن بھی وہ جنکی غضب کی آگ مسلمانوں کے مدینہ میں جانیسے اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھی ہے ایسے حالات کے ماتحت کوئی معمولی انسان ایک دن کیلئے بھی ایسی جگہ میں رہنا پسند نہ کرتا کیونکہ ظاہری حالات سے اس طرح تن تنہا دشمنوں میں رہجانا ایک نہایت خطرناک امر تھا مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کی اور نہ کسی دشمن کی دشمنی کو کچھ چیز سمجھا نہ انکی طاقتوں اور منصوبوں کی حقیقت سمجھی بلکہ یہی فرمایا کہ میں خدا کے حکم کا منتظر ہوں اب بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ پر ایسا مضبوط ایمان اور اسکے وعدوں پر ایسا بھروسہ اور اسکے احکام کی ایسی فرمانبرداری کی نظیر کہاں ملتی ہے دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے اور دن رات آپکے ہلاک کرنیکے لئے منصوبے کر رہے ہیں دوست سب کئی سو میل کے فاصلے پر بیٹھے ہیں مگر آپ خدا کے حکم کے منتظر ہیں کہ کب وہ حکم دے اور جبتک اسکا حکم نہ آیا انہی دشمنوں میں جو آپکے خون کے پیاسے تھے رہنا پسند کیا نا خدا ترس مخالف ہر خوبی کی بات میں عیب تلاش کرتا ہے اس موقع پر میور صاحب آنحضرتؐ کے اس طرح تنہا دشمنوں میں رہ جانیسے حیران ہو کر کہتا ہے کہ شاید اسکی یہ وجہ تھی کہ آپ اس بات کے منتظر تھے کہ مدینہ سے یقینی خبر اس امر کی پہنچ جائے کہ آپکے لئے وہاں انتظام حفاظت کافی ہے مگر پادری صاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ اگر آپ کو اسقدر خیال حفاظت کا تھا تو مکہ میں تنہا دشمنوں میں کیوں بیٹھے ہوئے تھے کیا تعجب نہیں کہ اس شہر میں جہاں آپکے متبعین کل جمع ہو چکے تھے جانیسے حفاظت کے خیال سے ڈریں اور مکہ میں تنہا دشمنوں کے اندر بیٹھے رہیں پھر اگر آپ کو اپنی حفاظت کا ایسا ہی خیال ہوتا تو جب طائف کو آپ اکیلے نکلے تھے اسوقت حفاظت کا کونسا سامان کر لیا تھا پادری صاحب نے خود بھی اپنے بیان کے بودا پن کو کسی قدر

محسوس کیا ہے کیونکہ ساتھ ہی پھر وہ لکھتا ہے "یا ممکن ہے کہ آنحضرتؐ کے مکہ میں ٹھہرے رہنے کی یہ وجہ ہو کہ آپ چاہتے ہوں کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے سارے اصحاب پہلے نکل لیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو یہ خیال ہو کہ شاید اب اہل مکہ پر جہاں دس بھی مسلمان نہ رہ گئے تھے وہ عذاب نازل ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا" اصل بات یہ ہے کہ آپ ف حکم الٰہی کے منتظر تھے اور آپ کا دل اس یقین سے بھرا ہوا تھا کہ آپ کی حفاظت کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہی ہے آپکو کسی اور کی حفاظت کی پروا نہ تھی بلکہ آپکا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر تھا چنانچہ میں اوپر بھی لکھ چکا ہوں کہ باوجود اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے کفار کے حملوں کی مدافعت کی بیعت لی مگر آپکو ان حفاظتوں پر بھروسہ نہ تھا بلکہ آپ اسی طرح چلتے جس طرح خدا آپ کو چلاتا تھا اگر آپ ظاہری سامانوں کو مدنظر رکھتے تو چاہیے تھا کہ بیعت عقبہ کی خبر کے مشہور ہونے پر سب سے پہلے آپ مکہ سے نکلکر مدینہ میں پناہ گیر ہو جاتے مگر آپ کا بھروسہ محض اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر تھا اسی لئے آپ اسی کے احکام کے منتظر رہتے تھے۔

ادھر جسوقت آپ یوں تنہا کفار کے درمیان رہ گئے تو وہ لوگ جو اپنی مخالفت میں صحابہ کی ہجرت کیوجہ سے اور بھی تیز ہو چکے تھے اب نئے نئے منصوبے آپ کی ہلاکت کے سوچنے لگے چنانچہ دار الندوہ میں جو اپنے مشوروں کے لئے مقرر تھا قریش کے بڑے بڑے مدبرین نے اکٹھے ہو کر یہ مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے پہلے یہ تجویز کی گئی کہ آپ کو قید کر لیا جاوے مگر ایک شیخ نجدی جو شیطان مجسم تھا اس مشورہ میں شامل تھا اسنے اس تجویز کی قباحتونکو بیان کر کے رد کر دیا پھر دوسری تجویز یہ ہوئی کہ آپ کو مکہ سے نکال دیا جاوے مگر یہ بھی شیخ نجدی نے پسند نہ کی آخر ابوجہل اٹھا اور اسنے کہا کہ یہ تجویز کرنی چاہیئے کہ تمام اقوام میں سے ایک ایک مضبوط آدمی چن کر سب کے ہاتھوں میں ایک ایک تلوار دیجاوے اور وہ سب ایسے طور سے آنحضرتؐ پر حملہ کریں کہ سب کی تلواریں یکمرتبہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لگیں تا کہ قتل کا الزام کسی ایک آدمی یا ایک قوم کے سر پر نہ آوے اس تجویز کی شیخ نجدی نے بھی تحسین کی چنانچہ اسی کے مطابق ایک جماعت قاتلین کی جمع ہو کر آنحضرتؐ کے گھر کے باہر جمع ہو گئی اور اس موقع کی تاک میں لگے رہے جبکہ وہ تجویز کے مطابق کل کے کل یکمرتبہ ہی حملہ آور ہو کر آپ کا کام تمام کر دیں مگر جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس موقع پر قرآن شریف میں فرماتا ہے اذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین یعنی وہ وقت یاد کرو جب کفار یہ تدبیریں کر رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کر کے قید میں رکھیں یا تمکو مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنیوالو نکا ہے (انفال - ۳۰) اس مقام پر قرآن شریف نے کفار کی ان تدابیر کا ذکر کیا ہے جو وہ دار الندوہ میں کرتے تھے اور فرمایا ہے کہ کافروں نے بھی تدبیریں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے انکو ناکام کیا اور ایسی تدابیر کی جس سے آنحضرتؐ باوجود اسکے کہ آپکے گھر کا محاصرہ قاتلین نے کیا ہوا تھا صحیح سلامت انکے درمیان سے نکل آئے اور وہ ایسے مبہوت ہو گئے کہ آپکو پہچان بھی نہ سکے ادھر کفار آپکے ہلاک کرنیکے لئے یہ تجاویز سوچ رہے تھے ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دی کہ اب ان کفار

پر اتمام حجت ہو چکا ہے جس سے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں اور یہ تمہارے قتل کے لئے وہ منصوبہ بازی کر چکے ہیں اب تمہیں اجازت ہے کہ تم اس شہر کو جو عذاب الٰہی کا مستحق ہو چکا ہے چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ۔ (باقی آیندہ)

اسلامی خطرہ۔

پروفیسر ٹلے ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر نے حال میں ہی امریکہ کے ایک مشہور میگزین میں ایک مضمون بعنوان "کیا مسلمانوں سے کوئی خطرہ ہے" چھپوایا ہے اس سوال کا جواب پروفیسر مذکور نے نفی میں دیا ہے سب سے اول اسلامی سلطنتوں کی حالت پر غور کر کے راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ روم یا ایران یا افغانستان یا مراکش وغیرہ کی سلطنتیں اس قابل نہیں کہ خود بخود عیسائی سلطنتوں پر حملہ کر بیٹھیں ابتدا کریں اور علاوہ ازیں وہ سب کی سب کسی ایک یا زیادہ عیسائی سلطنتوں کے زیر اثر بھی ہیں لیکن زیادہ زور مذہبی پہلو کے لحاظ سے اس مضمون میں دیا گیا ہے پروفیسر ٹلے کہتا ہے کہ خواہ افریقہ کی کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو اور وہ بھی اسکے نزدیک بظاہر خطرے کی حالت نہیں لیکن ضرور ہے کہ افریقہ کی اسلامی آبادی پر ہندوستان کے مسلمانوں کے طرز عمل کا اثر پڑے وہ اس بات سے غافل نہیں کہ کسطرح مہدویت کے دعویداروں نے ملک کے امن کو خطرہ میں ڈالا ہے جیسا کہ حال میں ہی مہدی سوڈانی نے انگریزی قوم کو سخت تکلیف میں ڈالا مگر ہندوستان کی نسبت وہ بالکل مطمئن ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کے خیال امن اور صلاحیت کے ہیں اس امر کی وجہ یہ بیان کرتا ہے جو میں اسکے اپنے الفاظ میں بتاتا ہوں "ہندوستان میں مسلمانوں کی رائے کا عام میلان کیا ہے اسکی شہادت ہمیں ایک نئے مدعی مسیحیت مرزا غلام احمد کے بیانات اور تحریروں سے ملتی ہے یہ وہی شخص ہے جس نے تھوڑا عرصہ ہوا شکاگو کے ڈاکٹر ڈوئی کو یہ چیلنج دیا تھا کہ وہ دعا میں انکا مقابلہ کرے اس طرح پر کہ ڈوئی نہ کہ یہ دعا کرے کہ دونوں نبیوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ دوسرے سے پہلے مر جاوے جنگ کے متعلق احمد نے اپنے خیالات کا اظہار ہندوستان کے ایک میگزین ریویو آف ریلیجنز میں ان صاف الفاظ میں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آخری مسیح پہلے مسیح کی طرح اسلئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنا پیغام صلح اور امن پہنچاوے اور جہاد کو یعنی بزور شمشیر دین کے پھیلانے کو موقوف کرے خود زمانہ حامیان جہاد کو زبان حال سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ جہاد کے ذریعہ اس شخص کو جو تلاش حق میں ہے کبھی اطمینان نہیں ہو سکتا کوئی مہذب قوم اس زمانہ میں مذہبی اغراض کے لئے تلوار ہاتھ میں نہیں پکڑتی بلکہ تمام مہذب ممالک میں مذہبی عقاید میں پوری آزادی ہر ایک شخص کو حاصل ہے پس ان حالات کے ماتحت غازی مہدی اور خونی مسیح کے منتظروں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہو جانا چاہئیے ایسے عقاید اللہ تعالیٰ کے منشا کے مخالف ہیں اور عقل بھی ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہوتا کہ مسلمان اپنے مذہب کی خاطر لڑائیاں کریں تو چاہئیے تھا کہ مروجہ فنون جنگ میں بھی قوم دنیا کی تمام اقوام سے بڑھی ہوئی ہوتی مگر امر واقعہ یہ ہے کہ وہ فنون حرب میں اسقدر پیچھے رہ گئے ہیں اور عیسائی قومیں ان فنون میں اسقدر سبقت لے گئی ہیں کہ یہ خیال محض عبث اور لغو ہے کہ مسلمان عیسائیت کو تلوار سے کبھی نیست و نابود کر سکیں اس سے صاف منشا الٰہی یہ پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ

اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اسلام کو بذریعہ تلوار پھیلانیکی کوشش کیجاوے پھر ایک دوسرے موقعہ پر وہ لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی پہلی سورۃ میں پیشگوئی ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک مسیح پیدا ہوگا جو پہلے مسیح کی طرز پر آئیگا یعنی وہ تلوار نہیں اُٹھائیگا بلکہ سچے دین کو آسمانی نشانوں اور زبردست دلائل کے ذریعہ سے پھیلائیگا پھر وہ لکھتے ہیں کہ میں تمام دنیا کو اپنی اس پیشگوئی پر جو زمین و آسمان کے قادر مطلق خدا کے نام سے میں کرتا ہوں گواہ ٹھیراتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے پیرودں کو تمام ملکوں میں پھیلائیگا اور وجوہات اور دلائل کے رُو سے انکو تمام قوموں پر غالب کرے گا"

اس کے بعد پروفیسر مذکور وہ الفاظ لکھتا ہے جنپر تمام مسلمانان ہند کو غور کرنا چاہیے وہ کہتا ہے "میں یقین کرتا ہوں کہ ہندوستان کے تمام سمجھدار آدمی جہاد کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے ہونگے اور ان حالات میں ہندوستان میں کسی مذہبی بغاوت کا ہونا اگر بالکل ناممکن نہیں تو قریب قریب ناممکن ضرور ہے"

اسمیں شک نہیں کہ وہ معنے جنکو "اسلامی خطرہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے بڑھکر غازی مہدی کے مفہوم میں پائے جاتے ہیں اور جبتک یہ عقیدہ کہ ایک ایسا مہدی ظاہر ہونیوالا ہے جو تلوار پکڑ کر لوگونکو مسلمان کریگا دور نہ کیا جاوے تب تک جہاد کے متعلق وہ عقیدہ آدمی ہرگز نہیں رکھ سکتا جسکا اعلان حضرت مرزا صاحب نے کیا ہے عوام کو میں مخاطب نہیں کرتا کیونکہ وہ تو بلا سوچے سمجھے جوبات علماء کہدینگے اسکے پیچھے لگینگے مگر ان لوگوں سے جو اپنی قوت متفکرہ سے کچھ بھی کام لینا چاہتے ہیں یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ جہاد کا عقیدہ کہ مہدی بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کریگا مذاہب حقہ اسلام پر سخت دھبہ نہیں اور کیا غیر قوموں کے سامنے ہمیں وہ اسلام پیش کرنا چاہیئے جسکے عقاید کو ایک فاضل پروفیسر مسلمانوں کی امن پسندی اور صلح جوئی پر بڑی بھاری دلیل سمجھتا ہے پھر میں کہتا ہوں کہ اس احسان کا (جو حضرت مرزا صاحب نے جہاد کا یہ غلط عقیدہ دور کرکے مسلمانوں پر کیا ہے) مسلمانان ہند نے کیا بدلہ دیا؟ بجائے اسکے کہ وہ شکر گذار ہوتے اور اس محسن کی قدر کرتے گالیاں نکالی گئیں ایذائیں دی گئیں مقدمات کئے گئے اور ہر طرح سے نیست و نابود کرنے کی تجویزیں کی گئیں آخر ایک فاضل عیسائی نے اگر اس بات کو قبول کیا کہ بیشک اسلام یا مسلمان اسوقت جہاد کے غلط عقیدے کو چھوڑ رہے ہیں تو کس وجہ پر؟ اسوجہ پر کہ سلسلہ احمدیہ کا بانی یہی تعلیم دیتا ہے اور اسوجہ پر کہ یہ تعلیم ایسی معقول ہے کہ فاضل پروفیسر کے نزدیک کوئی سمجھدار مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا کاش مسلمان غور کریں کہ اس سلسلہ کا کسقدر بڑا احسان ہے کہ ایک ایسے دھبہ کو جو کئی سو سال سے اسلام پر لگتا چلا آیا تھا اسی سلسلہ نے آکر دور کیا اور آخر اسلام پر نکتہ چینی کرنیوالوں کو اقرار کرنا پڑا کہ مسلمانان ہند سے ہمیں اب کوئی خطرہ جنگ کا نہیں کیونکہ وہاں سے وہ مہدی اور مسیح پیدا ہوا ہے جسکی تعلیم جہاد کے خلاف ہے اور یوں نہ صرف مذہبی پہلو سے ہی بلکہ ملکی پہلو سے بھی یہ ایک عظیم الشان احسان بانی سلسلہ احمدیہ کا مسلمانان ہند پر ہے ایسا ہی ایک اور اخبار میں جو نیوزیلینڈ سے نکلتا ہے اور جسکا نام آکلینڈ سٹار ہے کوئی چیدہ ماہ ہوئے اسی "اسلامی خطرہ" کے مضمون پر ہی بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مسلمانان ہند سے ہم بالکل مطمئن ہیں کیونکہ "انہیں ایام میں وہاں ایک نیا مسلمان مسیح مرزا غلام احمد اُٹھا ہے جو مسلمان اقوام کے اندر یہ تعلیم دیتا ہے لیکن یہ نہایت کھلے طور پر یہ کہتا ہے کہ آخری مسیح اسلئے بھیجا گیا ہے کہ اپنا پیغام صلح اور امن سے پہنچائے اور جہاد یا بذریعہ تلوار مسلمان کرنیکی قبیح رسم کو دور کرے" غرضیکہ اسوقت دنیا کے مختلف ممالک میں یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ نے اسلام پر سے ایک بڑے دھبہ کو دور کیا ہے اور

وہ اسلام پیش کرنا چاہیے جسمیں ایسے ایسے نفرت دلانیوالے عقاید موجود ہیں یا وہ

یوں نہ صرف مسلمانوں کے ایک مذہبی عقیدہ کی غلطی کو ہی دور کیا ہے بلکہ ملکی رنگ میں بھی فائدہ پہنچایا ہے کہ غیر اقوام کو یا خود گورنمنٹوں کو جو اپر بدظنی تھی اسکے دور کرنے میں بڑی بھاری مدد دی ہے ان تحریرات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ کہاں کہاں تک پہنچا ہے اور اسکی تحریرات کو بڑے بڑے فاضل پروفیسروں اور اخبار نویسوں نے کس عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے پروفیسٹا سے منجملہ ان اشخاص کے ہیں جنکو ہم دو تین سال سے مفت رسالہ بھیج رہے تھے اور ہمیں کچھ علم نہ تھا کہ آیا وہ اسکو ردی میں ہی پھینک دیتے ہیں۔ یا اسکو پڑھتے ہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو کیا اثر اپر ہوتا ہے لیکن انکی اس تحریر نے ہمیں بتا دیا ہے کہ یہ سلسلہ مفت رسالے باہر بھیجنے کا دین حق کے پھیلانے میں ایک نہایت ہی مفید طریق ہے جس سے تھوڑا خرچ کر کے اسلام کی بڑی بھاری خدمت ہو سکتی ہے اور اگرچہ ہمیں اسوقت علم نہ ہو سکے کہ کیا کیا مفید نتیجے اس سے پیدا ہوتے ہیں مگر یہ ایک بیج ہے جو بویا جا رہا ہے اور اپنے وقت پر یہ پودہ پھولے اور پھلیگا

ریویو

الفرقان: حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی آخری تصنیف ہے جو مرحوم نے اپنے آخری دنوں میں شروع کی تھی ۲۷ صفحہ تک چھپ چکی تھی کہ آپکا انتقال ہو گیا حکیم فضل دین صاحب نے اسی قدر حصہ کو ایک مختصر دیباچہ کیساتھ جو شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے شایع کر دیا ہے اگرچہ اصل غرض مصنف مرحوم کی صرف ایک شیعہ کے خط کا جواب دینا تھا مگر قرآن کریم کی وہ سچی محبت جو آپکے دل میں تھی جسکا ذکر آپ اس کتاب میں ان الفاظ میں کرتے ہیں "اگرچہ بات لمبی ہوتی جاتی اور مقرر کردہ اندازہ سے کتاب کی ضخامت کے بڑھ جانیکا اندیشہ ہے مگر قرآن کریم کے اکرام اور اعزاز کی آرزو جو میری روح کی حقیقی غرض اور غذا ہے مجھے اس دل کے ملاحظہ سے پرواہ کرنے کی تعلیم دیتی ہے کہ میں ایسے موقعوں کو کبھی ہاتھ سے نہ دوں اور غنیمت سمجھوں کہ اس تھوڑی فرصت میں جو خدائے تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے ملی ہے اسی کی توفیق سے کچھ زاد راہ پیدا کر لوں" الغرض اس سچی محبت کلام الٰہی کا جو آپکے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے یہ تقاضا تھا کہ آپنے اسمیں قرآن شریف کی بہت سی آیات کی نہایت لطیف تفسیر کی ہے اور عصمت انبیاء اور ذنب اور غفر کے معنوں پر قرآن شریف سے نہایت لطیف استدلال کئے ہیں یہ بیش بہا جوہر جو مرحوم کی آخری یادگار ہے حکیم فضل دین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے ۴ر قیمت کو دستیاب ہو سکتا ہے۔

تعلیم الاسلام: تہذیب الاسلام کا جواب ماسٹر عبدالرحمن صاحب نے لکھا ہے جنکی کتاب اختیار الاسلام تین حصوں میں پہلے شایع ہو چکی ہے مصنف سے ملسکتی ہے۔

تحفہ احمدیہ: محمد منظور الٰہی صاحب سوہدروی کی تصنیف "دو آریوں کی باہمی گفتگو" بالفاظ مصنف گپ شپ ہے مصنف سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اس طرز تحریر کو جسمیں وہ متانت اور سنجیدگی نہیں پائی جاتی جو مذہبی اور خصوصاً احمدی لٹریچر میں ہونی چاہئے آیندہ بالکل ہی چھوڑ دیں ۲۴ صفحے قیمت ۱ر شیخ یعقوب علی صاحب مالک الحکم سے ملسکتی ہے۔

ضیاء الاسلام ماہوار مذہبی رسالہ مراد آباد سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکا دوسرا نمبر میرے پاس پہنچا ہے جسمیں عمدہ مضامین ہیں

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم جنوری ۱۹۰۶ء تین بکرے ذبح کئے جائیں گے فرمایا ظاہر پر عمل کرکے آج ہم نے تین بکرے ذبح کرادئے ہیں۔

۳- جنوری ۱۹۰۶ء انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ حرام علی قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک۔ ترجمہ میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس اچانک آؤنگا جس گاؤں کو ہم نے ہلاک کردیا ان پر پھر واپس آنا حرام ہے اور ہمنے تجھسے وہ بوجھ اتار دئے جنہوں نے تیری پیٹھ توڑ دی۔ ۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) اللہ غالب علیٰ کل شیئٍ (۲) ینجیک من کربک۔ ترجمہ (۱) خدا ہر شے پر غالب ہے۔ (۲) تجھے تیرے کرب سے نجات دیگا ایک رؤیا میں دیکھا کہ بہت کہ ہندو آئے ہیں اور ایک کاغذ پیش کیا کہ اسپر دستخط کر دو میں نے کہا کہ میں نہیں کرتا انہوں نے کہا کہ پبلک نے کردئے ہیں بیٹے کہا کہ میں پبلک میں نہیں یا کہا کہ پبلک سے باہر ہوں ایک اور بات بھی کہنے کو تھا کہ کیا خدا نے اسپر دستخط کردئے ہیں مگر یہ بات نہیں کی تھی کہ بیداری ہوگئی ۱۳- جنوری ۱۹۰۶ء (۱) قل اللہ ثم ذرکل شیئٍ (۲) ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم یتقون ترجمہ تو کہدے اللہ پھر سب چیزوں کو چھوڑدے یعنی اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ کر اور دوسری کسی کی پرواہ نہ کر (۳) رؤیا میں مولوی محمد حسین صاحب کو دیکھا کہ کہتے ہیں قطع دابر القوم۔ دل میں خیال گذرا کہ یہ تو دشمن ہے کسی قوم کے متعلق یہ الفاظ بولتا ہے تب الہام ہوا قطع دابر القوم الذین لا یؤمنون ترجمہ اس قوم کی جڑھ کاٹی گئی جو ایمان نہیں لاتی (۴) رؤیا میں دیکھا کہ دہلی گئے ہیں اور بخیریت واپس آئے ہیں پھر الہاماً یہ الفاظ زبان پر جاری ہوئے۔ الحمد للہ الذی اوصلنی صحیحا ترجمہ سب حمد اس اللہ کے لئے ہے جسنے مجھے صحیح سالم پہنچادیا۔ ۱۴ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (۲) سلام قولا من رب الرحیم (۳) ہم کہیں مرینگے یا مدینہ میں ترجمہ خدا تعالیٰ نے ابتدا سے مقدر کر چھوڑا ہے کہ وہ اور اسکے رسول غالب رہینگے (۲) خدائے رحیم کہتا ہے کہ سلامتی ہے یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے اور یہ کلمہ کہ ہم کہ میں مرینگے یا مدینہ میں اسکے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی جیسا کہ وہاں دشمنوں کو قہر کیساتھ مغلوب کیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کیے جائینگے دوسرے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی یعنی خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہوجائینگے فقرہ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی مکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور فقرہ سلام قولا من رب رحیم مدینہ کی طرف ۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء

تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد۔ ۲۰ جنوری ۱۹۰۶ء کی سیر میں سنایا۔ یوم تاتی السماء بدخان مبین وتری الارض یومئذ خامدۃ مصفرۃ اس دن آسمان ایک کھلا کھلا ایک دھواں لائیگا یعنی آسمان ایک خاص صورت کا عذاب زمین پر نازل کریگا اور تو زمین کو دیکھیگا کہ ایک مردہ سی ہوگئی اور راکھ کی طرح بن گئی ہے اور اسپر بجائے سرسبزی کے زردی چھا گئی ہے ۲۵- جنوری ۱۹۰۶ء (۱) تاتی السماء بدخان مبین (۲) یوم تاتی السماء بدخان مبین

۲۶ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) فرمایا دل میں ان سنۃ کا ایک خیال تھا جو سلسلہ حقہ کی راہ میں ہیں تو الہام ہوا سفینۃ وسکینۃ۔ ترجمہ کشتی اور سکینت (۲) دیکھا کہ ایک عجیب شکل کا صندوق ہے جسمیں دو خانے ہیں ایک خانہ میں مومنہ ایک عورت کی شکل میں بیٹھی ہے اور دوسرے خانہ میں اسکی لڑکی ہے وہ عورت مجھے تلاش کرتی ہے اور وہ صندوق گاڑی کی طرح چلتا ہے مینے اسکو اشارہ کر کہا کہ کچھ تاخیر کر تب وہ مقابل سے رہ گئی ۔ ۲۸ جنوری ۱۹۰۶ء رؤیا میں سنا کہ کوئی شخص انگریزی زبان میں پرزور اور پرجوش الفاظ میں تقریر کر رہا ہے اسکی تقریر کے یہ الفاظ سنے "یسے ورڈ اینڈ ٹو گرلز" پھر منہ دیکھا تو وہ مولوی محمد علی صاحب تھے وہ تقریر بالکل ایسی تھی جیسے

یکم فروری ۱۹۰۶ء (۱) تتبعها الرادفة - ترجمہ - اس کے پیچھے آنے کی پیچھے آنیوالی یعنی ایک زلزلہ آیا - اسکے بعد ایک اور آنیوالا ہے (۲) پھر بہار آئی - خدا کی بات پھر پوری ہوئی - (۳) واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض - ترجمہ - اور جو چیز لوگونکو نفع دینے والی ہے وہی زمین میں ٹھہرے گی یعنی جو انسان خلقت کو فائدہ پہنچانیوالے ہیں ان کو زندگی عطا کیجاویگی ۴- فروری ۱۹۰۶ء رات کے تین بجے کے قریب جبکہ بادل نہایت زور سے گرج رہا تھا - الہام ہوا - اٹھو نمازیں پڑھیں اور قیامت کا نمونہ دیکھیں - فرمایا اس وقت ہمارا شغل یہی ہوگا - کہ نمازیں پڑھیں اور خدا کی عبرت کا نظارہ دیکھیں - ۸- فروری ۱۹۰۶ء (۱) زمین کہتی ہے - یا نبی اللہ کنت لا اعرفک - ترجمہ - اے اللہ کے نبی میں تجھے نہیں پہچانتی تھی - (۲) ایک دانہ کس کس نے کھانا - سنخرج همه وغمه دوحة اسمٰعیل فاخفها حتی تخرج ترجمہ - اس کا ہم اور غم باہر نکال دیگا - اسمٰعیل کے درخت کو پس اسکو پوشیدہ رکھ یہانتک کہ وہ ظاہر ہو جاوے - ۸- فروری ۱۹۰۶ء خواب میں دیکھا کہ ہمارے باغ کے قریب ایک نہر رواں ہے - میں کہتا ہوں کہ اب باغ جلد چند روز میں پرورش پا جاویگا - اور اگر پانی نہ بھی لگا تب بھی سرسبز ہو جاویگا - میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ باغ سے مراد اپنی جماعت ہے اور نہر سے مراد نصرت اور تائید الٰہی ہے جو نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوگی - ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء ”دیکھا کہ ایک جماعت کثیر میرے پاس کھڑی ہے - ایک حاکم آیا اور اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ کیوں اس جماعت کو منتشر نہ کیا جائے - میں نے کہا کہ اس جماعت میں کوئی مخالف نہیں صرف تعلیم پاتے ہیں - پھر اس حاکم نے ذکر کیا گویا وہ ایک فرشتہ تھا - آسمان کی طرف منہ کر کے ایک دو باتیں کیں جو مجھے نہیں آئیں پھر اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا - کہ سلام - اور چلا گیا“

بنگالہ کی نسبت ایک پیش گوئی -

۱۱- فروری ۱۹۰۶ء - الہام ہوا - پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی

ایک پوشیدہ خبر شائع ہونے کی پیش گوئی

۱۱- فروری ۱۹۰۶ء اول کسی نے کہا - کرنسی نوٹ - پھر ایک کتاب مجھے دکھائی گویا وہ کرنسی نوٹ تھی اور پھر الہاماً میری زبان پر جاری ہوا - دیکھو میرے دوستو اخبار شائع ہو گیا - (فرمایا - اخبار سے مراد خبر ہے)

اعانت اور خریداری

خدا کا احسان ہے کہ سلسلہ اعانت اور خریداری برابر جاری ہے - اگرچہ وہ ابتدائی جوش اس میں نہیں - مگر ایک امر خصوصاً قابل ذکر ہے کہ وہ احباب جو اس سلسلہ سے تعلق نہیں رکھتے انہوں نے بھی خود بخود رسالہ کی قدر افزائی کی طرف توجہ کی ہے - میرے مکرم مولنا مولوی محمد عبد الولی صاحب لکھنو سے ایک خط میں حضرت مولوی نور الدین صاحب کو لکھتے ہیں کہ ”ریویو آف ریلیجنس کو میں ہندوستان کے تمام رسالوں سے اعلیٰ و افضل خیال کرتا ہوں“ مکہ معظمہ ادام اللہ شرفہا سے مدرسہ صولتیہ کے مہتمم صاحب نے بھی ابتدا سے اس رسالہ کی جلدیں طلب کی ہیں جو مجلد کرا کر بھیجدی گئی ہیں - کئی ایک احباب خود نمونہ دیکھکر خریدار بھی ہوئے ہیں - اور

پچھلے سالوں کی پوری پوری جلدیں طلب کی ہیں۔ اعانت میں اس مہینہ میں غیر احمدی احباب میں سے خاص طور پر قابل ذکر جناب مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور ڈاکٹر عبدالقادر صاحب اسسٹنٹ سرجن بنوں اور شیخ عمر بخش صاحب وکیل لاہور ہیں۔ جنہوں نے اپنے خرچ پر بیرونجات میں مفت پرچے بھیجنے کیلئے کئی کئی رسالوں کی قیمت بھیجی ہے۔ احمدی احباب نے اردو رسالے کے خریدار ماہ جنوری و فروری میں حسب ذیل دیئے ہیں۔ قاضی نعمت خانصاحب پپشاور نے ۵ ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم اور بابو محمد منظور الٰہی صاحب بھٹنڈہ اور ڈاکٹر یعقوب خانصاحب مونہ نے چار چار۔ بابو محبوب عالم صاحب لاہور اور منشی محمد نواب خانصاحب گجرات اور سید قاسم علی صاحب دہلی نے تین تین۔ سید محمد علیشاہ صاحب بدوملہی منشی نورالدین صاحب دہرم کوٹ رندھاوا۔ اور مولوی محمد فضل صاحب چنگوی دو دو۔ اور مفصلہ ذیل احباب سے ایک ایک خریدار دیدیا ہے منشی عطا محمد صاحب چوہدری والہ۔ چوہدری محمد خان جسروال۔ میاں عبدالسلام کاٹھ گڑھ۔ میاں محمد ابراہیم کراچی۔ منشی محمد صدیق مہاراجکے۔ منشی برکت علی گڈھ شنکر۔ بابو شاہ الدین لارنس پور۔ منشی طفیل احمد چندوسی۔ جناب حامد صاحب ٹھٹھہ مولوی غلام حسن صاحب پپشاور۔ مولوی فضل کریم قلعہ صوبہ سنگھ۔ منشی نواب الدین صاحب پسرور۔ بابو محمد الٰہی کوہاٹ۔ منشی محمد یوسف مردان۔ میاں محمد دین محمد خلیل بمبئی۔ منشی غلام محی الدین۔ محمد ابراہیم بن حاجی موسیٰ کراچی۔ منشی عبدالحی پسرور۔ میاں محمد عبداللہ بھینی۔ منشی خدا بخش پٹیالہ۔ ایس ایم عبدالرحمٰن صاحب۔ منشی ناظر حسین سہارنپور۔ منشی محمد سلطان صاحب میاں احمد علی مرار۔ منشی رمضان علی۔ منشی نعمت خانصاحب پھلور۔ میاں عبدالرحمٰن بمبئی۔ چودہری رستم علی انبالہ۔ احمدی احباب نے اعانت کا روپیہ حسب ذیل دیا ہے۔ منشی محمد ظفروال عہ میاں رحیم بخش پٹیالہ عصہ شیخ نور احمد لاہور۔ للعہ میاں الہ بخش ریام ۶ میاں دوست محمد جہلم للعہ۔ میاں الہ دتا گولاواہ عصہ مولوی عبداللہ کھرل چک نمبر ۲۸۷ ۱ سے ۶ خواجہ کمال الدین لاہور عصہ بابو امام الدین کوہاٹ ۸ منشی غلام نبی کوہاٹ ۸ ڈاکٹر مختار علی خان بربرہ عہ شیخ علی محمد ڈنگہ عصہ جماعت شملہ ۲ بابو گلاب خان دہرمسالہ ۶ میاں فضل الدین سری نگر عصہ میاں کریم بخش لاہور عہ منشی ہاشم علی سروال گڈھ عہ منشی عبدالرحمٰن صاحب کلکتہ ۲۔ چوہدری رستم علی انبالہ عہ بابو عبدالرحمٰن انبالہ عصہ شیخ میران انبالہ ۹ جماعت جہلم ۹۸ مستری برکت علی خان ہانگ کانگ عہ جماعت کوہاٹ ۱۴ میاں الہ بخش غلام حسین امرتسر ۴ منشی محمد شفیع گوجرانوالہ ۱۲ میاں امام بخش منی پور آسام ۲ میاں عصمت اللہ گجرات عصہ میاں احمد صاحب گجرات عصہ ماسٹر ہدایت اللہ جہلم ۶ بابو فیروز علی ۲ چوہدری مولاداد خان رجھانوالہ للعہ۔ جماعت احمدیہ پشاور ۲۸ جماعت احمدیہ لائل پور ۲۔

نوٹ۔ اس سال سے انشاء اللہ یہ اہتمام کیا جاویگا کہ جو احباب خریدار دیتے ہیں یا اعانت کا روپیہ بھیجتے ہیں انکے نام ماہ بماہ شائع ہوتے رہیں گے۔

مینیجر ریویو

مطبع میگزین قادیان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے باردوم چھپکر شائع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ —— نمبر ۳

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

فہرست مضامین

اشاعت اور اعانت

ان احباب کی طرف سے جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہیں اس ماہ میں حسب ذیل مدد پہنچی ہے منشی چھجو خان صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ بہ تحریک منشی علی گوہر صاحب وٹرنری اسسٹنٹ پیر ٹھ ۱۲؎ شیخ عمر بخش صاحب پلیڈر لاہور بہ تحریک خواجہ کمال الدین صاحب ۵؎ حکیم غلام نبی صاحب لاہور بہ تحریک خواجہ کمال الدین صاحب للعہ ر ایک دوست جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے بہ تحریک مولوی محمد فضل چنگوی ۱۲؎ رجناب خان عالم صاحب نائب تحصیلدار جنڈ خود بخود للعہ انہیں سے وطن کی تحریک پر کوئی رقم نہیں آئی اور اخبار وطن کا بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوا کہ بہت سے احبابنے براہ راست قادیان میں اعانت کے چندے بھیجدئے اردو رسالے کے بیشک بعض دوست اس تحریک پر خریدار ہوئے ہیں مگر اردو رسالہ ابتدا سے کبھی اس تجویز میں شامل نہیں ہوا اگر کسی صاحبنے وطن کی تحریک پر اور اس غلط فہمی کے نیچے اعانت کا روپیہ بھیجا ہو کہ رسالہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی سے الگ کر دیا گیا ہے جسکا ذکر انکے خطوط میں نہیں پایا جاتا تو وہ دفتر میں اطلاع دیکر اپنا روپیہ واپس لے سکتے ہیں احمدی احباب میں سے چودھری رستم علی صاحب ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ رسالہ کی اشاعت اور اعانت کا سلسلہ ہے اور باوجود دیکہ عہ ماہوار وہ اب مستقل فنڈ اعانت میں بھیجتے ہیں کم یا بیش نئے خریدار بھی بھیج رہے ہیں اور بعض پچاس رسالوں کی اعانت کا وعدہ کرتے ہیں سیدنا صر شاہ صاحبنے پچاس روپے فنڈ اعانت میں بھیجے ہیں اور مرزا یعقوب بیگ صاحبنے دس رسالوں کا چندہ بھیجا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اگر وطن والی تجویز کی تکمیل نہ ہوئی تو دس رسالوں کا چندہ بھیجا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اگر وطن والی تجویز کی تکمیل نہ ہوئی تو دس رسالوں کا چندہ بھی بھیجدینگے مولوی میر قاسم علی صاحب دہلی سے ۹ خریدار اردو کے دے چکے ہیں اور دس کی تعداد پورا کرنیکی فکر میں لگے ہوئے ہیں ایسے باہمت ایک ہزار آدمی بھی پیدا ہو جائیں تو رسالہ کی اشاعت خاطر خواہ بڑھ سکتی ہے جماعت امرتسر نے بھی خاص طور پر اب اسکام کی طرف توجہ کی ہے اور للعہ اعانت کے لئے بھیجے ہیں جماعت جہلم اور منشی امام الدین صاحب اہلمد پولیس خصوصاً قابل شکریہ ہیں کہ جسقدر رسالے کہ معطل بھیجے گئے تھے ان سب کی قیمت انہوں نے فراہم کرکے بھیجدی ہے دیگر احبابنے جو امداد دی ہے وہ حسب ذیل ہے خدا تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے

اسمائے جدید خریداروں کنندگان انگریزی میگزین لغایت فروری ۱۹۰۶ء

منشی ہاشم علی صاحب سرودگڈھ + میر صادق حسین صاحب اٹاوہ + خواجہ کمال الدین صاحب ۳۔ بابو محمد آلہی صاحب کوہاٹ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب پنڈی گھیپ ۲۔ قاضی عبدالحمید صاحب لاہور + میاں غلام جیلانی اسلامیہ کالج لاہور ۱۔ بابو برکت علی صاحب کلرک نہر سیالکوٹ ۱۔ میاں احمد علی صاحب سیالکوٹ ۱۔ چودھری محمد نواب خان صاحب تحصیلدار گجرات ۱۔ منشی محمد جعفر خان صاحب منڈلہ ۱۔ میاں علم الدین صاحب طالب علم اسلامیہ کالج لاہور ۱۔ بابو شرست علی صاحب پشاور ۱۔ منشی محمد یوسف صاحب مردان ۱۔ قاضی محمد یوسف صاحب طالبعلم پشاور ۱۔ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور ۱۔ چودھری فضل محمد صاحب رئیس ہرگووال دکھوپہ ضلع ۱۔ میاں غلام محمد صاحب ساکن رائے ونڈ ۱۔ منشی عبداللہ جان صاحب کوئیٹہ ۱۔

اطلاع ع۔ احمدی احباب صوفی عبدالرحمن مالیر کوٹلوی کا وی پی [illegible] واپس نہ کریں۔ رنج اٹھاینگے۔ محمد نواب خان ثاقب سکرٹری انجمن احمدیہ مالیر کوٹلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جوازِ سود کی کوششیں

سود پر جو مضمون گذشتہ نمبر میں لکھا گیا تھا اسکے اختتام پر مینے یہ وعدہ کیا تھا کہ سود کے جواز کے لئے جسقدر کوششیں بعض اہل اسلام نے کی ہیں اُن پر آیندہ بحث کیجاویگی اسلئے اس حصہ مضمون میں میں صرف ان لوگوں کے خیالات پر بحث کرونگا جنہوں نے سود کی عام حرمت کا انکار نہ کرکے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ بعض صورتوں میں اسلام کی او رسے سود کا لینا جائز ہے ان تمام کوششوں میں سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا گیا ہے کہ لفظ ربا کی تشریح شریعت نے نہیں کی اسلئے یہ لفظ مشتبہ المعنی ہے مگر یہ محض ایک حیلہ ڈھونڈتا ہے فقہای اسلام ربا کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں ایک ربا النسیہ اور دوسرا ربا الفضل۔ ربا النسیہ سے مراد وہ بڑھوتی ہے جو قرضہ کے کچھ مدت بعد ادا کیا جانے کے عوض لی جاتی ہے اور ربا الفضل سے مراد وہ بڑھوتی ہے جو ہم جنس چیز کے دست بدست مبادلہ کرنے میں لی جاوے پس ربا کے مضمون میں جو اشکال بیان کیا جاتا ہے وہ اس تفریق کی بحث کی وجہ سے ہے لیکن اس بحث کو ہمارے مضمون سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ اس مضمون میں میں سودخوری کی ممانعت کو ثابت کرنا چاہتا ہوں اور کسی فقیہ یا عالم نے کبھی اس سودخوری کو جو آج کل بھی دنیا میں مروّج ہے ربا کے معنوں سے خارج نہیں سمجھا بلکہ یہ ربا کی وہ قسم ہے جسکو اصطلاح میں ربا النسیہ کہا جاتا ہے اب ہمارے علماء نے جسقدر بحث ربا کے معنوں پر کی ہے اس کا موضوع یہ ہے کہ آیا ربا الفضل یعنی دست بدست سودے کا ربا بھی اس ربا میں شامل ہے جسکو قرآن شریف نے منع کیا ہے یا نہیں لیکن اس بحث کو مضمون سود سے کچھ تعلق نہیں اور سود یقیناً ربا کے معنوں میں آتا ہے اتنا میں ضرور کہونگا کہ میری اپنی سمجھ میں ربا الفضل اس حکم میں شامل نہیں ہے جو سورہ بقرہ کی آخری آیات میں ربا کی ممانعت میں وارد ہوا ہے کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ راس المال و ربا کو الگ الگ کرکے بیان کرتا ہے لیکن ربا الفضل میں راس المال ہم کسی چیز کو نہیں کہہ سکتے بلکہ راس المال صرف اس قرضہ کا نام ہے جو کچھ مدت کے لئے دوسرے کو دیا گیا اور اس کا ربا وہ سود ہے جو لیا جاوے ہم جنس اشیاء کے دست بدست مبادلہ میں جو بڑھوتی لی جاوے اسکی حرمت کے متعلق جو کچھ احکام ہیں وہ میرے نزدیک صرف احادیث میں ہیں اور قرآن شریف کی زیر بحث آیات میں وہی ربا مراد ہے جسکو ہم سود کے نام سے نامزد کرتے ہیں

وہ ربا جس کی ممانعت قرآن کریم نے کی ہی عرب کے لوگوں میں زمانہ جاہلیت میں مشہور و معروف امر تھا امام رازی اپنی تفسیر میں اس جاہلیت کے ربا کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "ربا النسیہ وہی جو عرب کے لوگوں میں ایام جاہلیت میں مشہور اور متعارف امر تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال بطور قرضہ دیتا تھا اس شرط پر کہ قرضہ لینے والا مہینے کے مہینے ایک رقم معین (جسکو شرح سود کہنا چاہیئے) قرضخواہ کو دی اور راس المال بدستور مدیون کے ذمہ باقی رہتا تھا جب میعاد قرضہ کی ختم ہو جاتی تب قرضخواہ مدیون سے اپنا قرضہ یعنی راس المال طلب کرتا پھر اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو ادھر قرضہ کی رقم بڑھا دی جاتی اور ادھر مہلت بڑھا دیجاتی یہ وہ ربا تھا جو جاہلیت کے ایام میں جاری تھا" اور ربا کے معنوں کے اسقدر واضح اور کھلے کھلے ہونیکے باوجود یہ کہا جاتا ہی کہ حضرت عمرؓ کو بھی ربا کے معنے معلوم نہ تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ربا کے کچھ معنے نہیں بتائے اس لئے کہ آپ کو مہلت ہی نہیں ملی اگر ایسی کوئی حدیث پائی جاتی ہو تو میں بلاشبہ اسے غلط کہنے کو تیار ہوں اسمیں شک نہیں کہ سورہ بقرہ کی وہ آیات جن میں ربا کی ممانعت کا حکم نازل ہوا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخیر زمانہ میں نازل ہوئی ہیں مگر یہ کہنا کہ آپکو ان آیات کے نزول کے بعد اسقدر مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ آپ ربا کے معنوں کی تشریح کر سکتے اور کہ اسلئے یہ مسئلہ بلا وضاحت ہی رہ گیا ایک بالکل بیہودہ دعویٰ ہے کیا ربا کی تشریح کرنیکے لئے کئی سالوں یا مہینوں یا دنوں کی ضرورت تھی اگر کسی تشریح کی ضرورت تھی تو یہ تو ایک سنٹ کا کام بھی نہ تھا۔ یہ لفظ عام طور پر عرب میں مستعمل تھا اور ربا کا رواج عام تھا آخر اسکی تشریح کے لئے کوئی مجلد تو نہیں بنائے جانے تھے کچھ نہ کچھ اس کا مفہوم عرب کے لوگوں کے دل میں بھی تھا اگر قرآن شریف نے ان عام معنوں کو چھوڑ کر ربا کو کسی اور معنوں میں مستعمل کیا تھا تو یہ ممکن نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکے معنے مسلمانوں کو نہ بتاتے کیا یہ ممکن ہی کہ قرآن شریف اسقدر سختی سے مسلمانوں کو سودخوری کے چھوڑنیکا حکم دیتا اور ان کو صاف الفاظ میں یہ اعلان جنگ دیتا کہ اگر تم ربا کو نہ چھوڑو گے تو خدا اور اسکے رسول کے ساتھ تمہارا جنگ ہی حالانکہ یہ انکو خبر ہی نہیں دی گئی کہ ربا سے مراد کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ نہ بتایا اور نہ ہی قرآن شریف نے یہ تشریح کی یہ کیسا بیہودہ خیال ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن شریف نے ایسے احکام بھی دئیے ہیں اور مسلمانوں کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہی اور عمل نہ کرنیکی صورت میں عذاب کی دھمکیاں دی ہیں حالانکہ انکا مفہوم نہیں بتایا گیا وہ قرآن شریف سے محض جاہل ہی روح الربانی حقیقۃ الربا کا مصنف جو ایک مشہور مولوی ہی یہی خیال ظاہر کرتا ہے اور پھر مثال کے طور پر کہتا ہے کہ صلوٰۃ اور صوم اور زکوٰۃ بھی مشکوک المعنی الفاظ ہیں ان لفاظ کے اصل معنوں سے تو ہمیں بحث نہیں مگر سوال یہ ہی کہ جب قرآن شریف میں انکے متعلق احکام دئیے گئے تو کیا مسلمانوں کو شک ہی رہا تھا کہ صوم صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے کیا مراد ہی ایسا خیال بیہودہ تمام پیچیدہ ہی جسطرح دیگر احکام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف سے سمجھایا کہ صلوٰۃ کسطرح ادا کرنی چاہیئے

صوم کے متعلق کیا گیا یا بنایا ں میں میرہ وغیرہ تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ربا کی حرمت کا حکم دیا تو اگر یہ لفظ تشریح طلب تھا تو اسکی تشریح کیوں نہ کی کیونکہ پھر تو حکم ہی لغو اور بے معنے ٹھہرا اصل بات یہی ہے اور یہی حضرت عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ ایسا مشہور اور متعارف تھا کہ اسکی تشریح کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

علاوہ ازیں یہ بات بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر جلدی اس حکم کے نزول کے بعد فوت ہو گئے تھے کہ آپ کو اسکی تفسیر کرنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ ان آیات کے نزول کے بعد آپ کا حجۃ الوداع کرنا ثابت ہے جہاں آپ نے کل مسلمانوں کو جمع کرکے ایک بہت لمبا وعظ کیا جیسا کہ کل معتبر کتب احادیث میں درج ہے اور اسی کے اثنا میں ربا کے ممنوع ہونے پر بھی زور دیا عن سلیمان بن عمرو عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع یقول الا ان کل ربا من ربا الجاهلیة موضوع لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون الا وان کل دم من دم الجاهلیة موضوع واول دم اضع منها دم الحارث بن عبد المطلب . . . . قال اللّهم هل بلغت قالوا نعم ثلاث مرات قال اللّهم اشهد ثلاث مرات یعنی سلیمان بن عمرو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا دیکھو ہر ایک ربا جاہلیت کا موقوف کیا جاتا ہے ہاں راس المال لینے کا حق تمہیں ہے نہ تم دوسروں پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے دیکھو ہر ایک خون جاہلیت کے خون کا موقوف کیا جاتا ہے اور پہلا خون جسکو میں موقوف کرتا ہوں۔ وہ حارث بن عبد المطلب کا خون ہے . . اسکے بعد آپ نے پکار کر فرمایا کیا میں نے تم لوگوں تک پیغام پہنچایا ہے اور سب نے کہا ہاں اور تین دفعہ آپ نے یونہی پکارا اور یہی جواب کل حاضرین نے آپ کو دیا اسکے بعد تین دفعہ آپ نے فرمایا اے خدا تو گواہ رہ یعنی اس بات پر کہ میں نے ان لوگوں کو یہ پیغام پہنچا دیئے ہیں اور اسکا یہ سب اقرار کرتے ہیں حدیث کے یہ الفاظ میں نے ابو داؤد سے لئے ہیں مگر بہت تھوڑی کمی بیشی سے یہی الفاظ ہر ایک معتبر کتاب حدیث میں ملینگے اب ظاہر ہے کہ یہ آپکا فرمانا ان آیات کے نزول کے بعد تھا جو سورہ بقرہ میں وارد ہوئی ہیں جو وہاں بھی بعینہ یہی ذکر ہے کہ راس المال تمکو واپس مل سکیگے مگر ربا تم پر حرام کیا گیا ہے اب یہاں آنحضرت تو کھول کر سمجھاتے ہیں کہ جاہلیت میں جسقدر ربا تم لیتے تھے وہ سب اسکل کا کل موقوف کیا جاتا ہے اور اس زمانہ کے مجتہد ہمیں یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو وقت ہی نہیں ملا کہ بتائیں کہ کونسا ربا حرام کیا گیا ہے اور کونسا باقی رکھ لیا گیا ہے یا تو آپ نے کوئی باقی نہیں رکھا البتہ جیسا قرآن شریف میں حکم تھا یہ فرمایا کہ اصل روپیہ تمہارا جسے راس المال کہا جاتا ہے جو بطور قرضہ دیا گیا تھا وہ تمہیں واپس مل سکتا ہے کیا اب بھی ربا کے معنوں میں کوئی شک باقی ہے پھر آپ نے بآواز بلند ہزارہا حاضرین کو مخاطب کرکے یہ فرمایا کہ کیا میں نے یہ پیغام تمکو پہنچا دیا ہے اور سب نے بالاتفاق یہی کہا کہ بیشک آپ نے پہنچا دیا ہے اگر ربا کے معنوں میں ان کو کوئی شک تھا تو اسوقت کس نے انکے منہ پر ہاتھ رکھدیا تھا جو یہ کہدیتے کہ اے رسول خدا ہمیں ابھی تک ربا کے معنوں کا کچھ پتہ نہیں لگا ذرا اس کی تشریح

کر دیجئے پھر ایک دفعہ نہیں تین دفعہ انہوں نے یہی شہادت دی کہ ہاں ہم نے ان باتوں کو سمجھ لیا اور آپ نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔ یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے اور اگر انہوں نے اس موقع پر کچھ نہیں کہا تو بعد میں وہ یہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ ہمیں ربا کے معنے سمجھ میں نہیں آئے کیونکہ آنحضرت کو سمجھانے کا موقع ہی نہیں ملا۔

کثرت سے اور احادیث موجود ہیں جنمیں ربا کے متعلق بڑے بڑے وعید آئے ہیں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ ضد ہے یا کم فہمی جو یہ کہا جاتا ہے کہ ربا کے معنوں کا ہی صحابہ کو پتہ نہ تھا اور پھر ان حدیث پر کل اسلامی دنیا کا ابتدا سے عمل بھی رہا ہے جس سے انکا معتبر اور صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے ایک حدیث شریف میں جسکو تمام معتبر کتب احادیث نے بیان کیا ہے یہ وارد ہوا ہے کہ لعن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربا وموکلہٗ وشاھدہ وکاتبہٗ یعنی آپ نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سودی معاہدہ کے گواہ اور کاتب پر لعنت کی کیونکہ وہ سب اسی بدی کے معاون ہیں بخاری کی ایک حدیث میں مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں قالت لما نزلت اٰخر البقرۃ قرأھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد ثم حرم التجارۃ فی الخمر یعنی جب سورۂ بقر کی آخری آیات (جو سود کے متعلق ہیں) نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو مسجد میں پڑھا اور اسکے بعد شراب کی تجارت کو حرام کیا اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ربا کی حرمت کے بعد ربا کی تشریح کی مہلت نہ ملی تھی تو شراب کی تجارت سے منع کرنیکی مہلت کیونکر مل گئی مصنف روض الزلال نے اس حدیث سے ایک نہایت ہی بیہودہ نتیجہ نکالا ہے جسکو میں بعد میں بیان کرونگا اصل میں اسکو سمجھ نہیں آئی کہ حرمت ربا کی آیات اور تجارت شراب کی حرمت میں کیا تعلق ہے اور ان دونوں کو ایک حدیث میں اکٹھا کیوں بیان کیا گیا ہے اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات میں جہاں ربا کی حرمت کا ذکر ہے وہاں بیع کی حلت کا ذکر ہے اور چونکہ الربا اور البیع جامع لفظ تھے اسلئے ایک خاص قسم کی بیع کو جسکی حلت قرآن شریف کا منشا نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ کر دیا اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر الربا میں بھی قرآن شریف کا منشا کسی قسم کا استثنا کرنیکا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو بھی بیان فرما دیتے کیونکہ جب آپنے احل اللہ البیع کا مستثنیٰ بعد نزول آیت بیان فرما دیا تو حرم الربا کا بھی اگر کوئی مستثنیٰ ہوتا تو ضرور بیان فرما دیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ولم یفسرلنا کے ایک معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں اور اس سے قطعی دلیل پیدا ہوتی ہے کہ مطلق ربا کو قرآن شریف نے حرام ٹھہرا دیا اور ربا کے مفہوم میں کسی قسم کا شک کرنا قرآن شریف سے ہنسی کرنا ہے ایسا ہی اور بھی احادیث ہیں جن میں سود خوری کی ممانعت اور سود خوری کے لئے وعید ہیں مثلاً دیکھو حدیث صحیح بخاری عن ابن جندب رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رایت اللیلۃ رجلین اتیانی فاخرجانی الی ارض مقدسۃ فانطلقنا حتی اتینا علی نھر من دم فیہ رجل قائم وعلی وسط النہر رجل بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النہر فاذا اراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی

فیہ فردہ خبیث کان فجعل کلما جاء لیخرج فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت ما ھذا فقال الذی رأیتہ فی النھر آکل الربا۔ ان تمام روایات سے ظاہر ہے کہ ربا کی ممانعت مدت سے تھی ورنہ اسقدر وعید اور اسقدر حرمت کی تاکید نہ پائی جا سکتی تھیں جب قرآن شریف پر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے سورہ بقرہ کی آخری آیات سے پہلے کی بھی ایسی آیات قرآن شریف میں موجود ہیں جن میں ربا کی حرمت صراحتاً یا کنایتاً پائی جاتی ہے مثلاً آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوٰا اضعافا مضٰعفۃ ص واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ اے مومنو نہ کھاؤ سود کہ بار بار اسکو بڑھاتے جاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اب اسجگہ صراحتاً سود کی ممانعت کی گئی ہے اور دونوں مقاموں کی ممانعت میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ سورہ بقرہ میں بہت پر زور الفاظ میں ممانعت کی گئی ہے اور یہاں صرف معمولی الفاظ میں کہدیا ہے کہ لا تاکلوا الربا۔ اب اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ یہ آیت سورہ بقرہ کی آیات کے ساتھ نازل ہوئی ہے جس سے یہ یقینی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ بقر کی آیات کے نزول سے بہت پہلے ربا کی ممانعت ہو چکی تھی اور یہی لفظ ہے جسکو قرآن شریف نے سود کا مفہوم ظاہر کرنیکے لئے بار بار استعمال کیا ہے پس یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے لفظ کا مفہوم تاریکی میں رہتا ایسا ہی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو اس بات پر ملزم ٹھہراتا ہے کہ حالانکہ انکو ربا کی ممانعت کی گئی تھی پھر بھی انہوں نے ربا لیا اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی جیسا کہ فرمایا واخذھم الربوٰا وقد نھوا عنہ۔ بلکہ اس سے بھی مدت پہلے ایک مکی سورۃ میں ربا کا ذکر پایا جاتا ہے جہاں اگرچہ بالصراحت ممانعت نہیں مگر ایسے الفاظ میں ذکر ہے جن سے پایا جاتا ہے کہ ربا کا لینا خدا کی نزدیک پسندیدہ امر نہیں چنانچہ سورہ روم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما اٰتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون۔ یعنی جو تم لوگ سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھوتری ہو تو وہ خدا کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم خدا کی رضا جوئی کے لئے زکوٰۃ دیتے ہو وہی لوگ اپنے مالوں کو بڑھاتے ہیں یہ کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ ربا کے اسقدر بار بار ذکر کے باوجود مسلمانوں کو ربا کے مفہوم کا ہی پتہ نہ تھا اس بات پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بار بار ایک ہی حکم کیوں دیا گیا دیکھو نماز پڑھنے کا حکم قرآن شریف میں کتنی دفعہ آیا ہے ایسا ہی جسقدر ضروری احکام ہیں وہ قرآن شریف نے بار بار بیان فرمائے ہیں کیونکہ سب طبیعتیں یکساں نہیں ہوتیں بلکہ بار بار کے جگانیسے وہ جاگتی ہیں اسی راز کو سمجھکر قرآن شریف نے اپنے ضروری مطالب کو کئی کئی بار دُہرایا ہے۔

اس بحث سے یہ امر واضح ہے کہ ربا کے معنوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی قسم کا تردد باقی نہ رہ سکتا تھا پس اگر کوئی حدیث ایسی پیش کی جاوے جس سے معلوم ہو کہ صحابہ کو ربا کے معنے معلوم نہ تھے تو وہ حدیث جھوٹی ہے کیونکہ قرآن شریف کے خلاف ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول بیان کیا جاتا ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا

کہ آپ نے ربا کے معنوں کو نہ سمجھا تھا ابن ماجہ میں آپ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے ان اٰخر ما نزلت اٰیۃ الربا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرلنا فدعوا الربا والریبۃ۔ یعنی آخری وحی جو نازل ہوئی وہ ربا کی آیت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے اور ہمارے لئے تفسیر نہیں کی پس ربا اور ریبہ کو چھوڑ دو ان الفاظ کا مطلب صاف ہے مگر یہ مطلب نہیں کہ ہمیں ربا کے معنے معلوم نہیں کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا کہ ربا کے معنے معلوم نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سمجھائے تو پھر خود یہ کیوں فرماتے کہ ربا کو چھوڑ دو اس صورت میں تو چاہئے تھا کہ وہ خود تشریح کرکے لوگوں کو بتاتے یہ تو بالکل بے معنی بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے معنی نہیں سمجھائے پس تم ربا کو چھوڑ دو سننے والوں نے نہ کہا کہ جب خود آپ کی ہی سمجھ میں آج تک ربا کے معنے نہیں آئے اور نبی نے سمجھائی نہیں تو ہم چھوڑیں کس چیز کو وہ ربا کیا بلا ہے حضرت عمرؓ کا یہ منشاء تھا کہ دیکھو تم ربا کے معنوں میں شک کرو کیونکہ اگر ربا کے معنوں میں کوئی شک ہوتا تو آنحضرت صلعم خود اسکے معنے بیان فرماتے مگر چونکہ آپ نے معنے بیان نہیں فرمائے اسلئے ربا کے معنے میں کوئی شک نہیں ہے تم ربا کو چھوڑ دو اس طرح پر معنے ان لفاظ کے صاف ہو جاتے ہیں تفسیر تو ہمیشہ ان الفاظ کی کیجاتی ہے جو مشکوک المعنی ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لفظ کی تفسیر نہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ قرآن شریف میں یہ لفظ مروج معنوں میں استعمال ہوا اور اسکی تفسیر کی کوئی ضرورت نہ تھی اسی معنی کی تصدیق صاحب مجمع بحار الانوار بھی کرتا ہے چنانچہ لفظ ربا کی تشریح کے نیچے لکھا ہے۔ وفیہ اٰخر ما نزلت اٰیۃ الربا فدعوا الربا والریبۃ وھی الذین یاکلون الربا لایقومون الایۃ فھی غیر منسوخۃ ولا متشابھۃ فلذا لم یفسرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاترکوا الحیلۃ فی حلھا وھی المراد بالریبۃ۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے اور اسی بارے میں (یعنی ربا کے بارے میں) حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ آخری وحی جو نازل ہوئی وہ آیت ربا ہے پس ربا اور ریبہ کو چھوڑ دو آیت کا اشارہ اسجگہ آیت الذین یاکلون الربوٰا والی آیت کی طرف ہے جو نہ منسوخ ہوئی ہے اور نہ ہی اسکے معنوں میں کوئی شبہ ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی کوئی تفسیر نہیں کی پس ان تمام حیلوں کو جنسے ربا حلال کرنا چاہتے ہو چھوڑ دو۔ اور یہی مراد ریبہ سے ہے یعنی ریبہ سے مراد ہیں ایسے حیلے جن سے ناحق ربا کو جائز بنایا جاتا ہے گویا حضرت عمرؓ کا یہ قول مجوزین سود کی تائید نہیں بلکہ کھلی کھلی تردید کرتا اور انکو تنبیہ کرتا ہے کاش وہ غور کریں۔

میں نے اس بحث کو کسیقدر تفصیل کیساتھ اس غرض سے کیا ہے کہ جسقدر لوگوں نے سود کے جواز کی کوششیں کی ہیں انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس قول پر بہت زور دیا ہے اور یہ بات محض نافہمی کی وجہ سے ہوتی رہی ہے ورنہ حضرت عمرؓ تو انہی کو متنبہ کر رہے ہیں۔ سید احمد قادر نے تو اپنا سود پر مضمون ہی حضرت عمرؓ کے اس قول سے شروع کیا ہے اور مصنف روض الربٰی نے بھی اسپر بہت خوشی ظاہر کی ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو ربا کے معنے معلوم نہ تھے پس اب ہمارا اختیار ہے جہاں چاہیں ربا کو جائز کرلیں پس اس

غلط فہمی کو دور کر کے اب میں ان لوگوں کے دلائل پر غور کرتا ہوں جنہوں نے جواز سود پر ہماری اس زمانے میں مضامین لکھے ہیں انمیں سے پہلے سر سید احمد خان صاحب کے مضمون پر میں غور کرونگا جو انہوں نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے نیچے لکھا ہے۔ سید صاحب نے ربا یا ربا النسیہ کی تشریح امام رازی سے ہی لی معلوم ہوتی ہے چنانچہ جو کچھ صاحب تفسیر کبیر نے اسکی تشریح لکھی ہے کہ ربائے جاہلیت کیا تھا اسکو لکھکر سید صاحب لکھتے ہیں "یہ طریقہ ربا کا جو عرب جاہلیت میں جاری تھا بعینہ ہندوستان کے سود خواروں میں جاری ہے" اسکے بعد سود خواری کے چند مشہور طریقوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں "یہ سب صورتیں اسی ربا کی ہیں جسکا ذکر اس آیت میں ہے اور بلا شبہ یہ ربا حرام ہے" اسقدر تسلیم کر لینے کے بعد بظاہر کوئی گنجایش استثنا کی نظر نہ آتی تھی لیکن سید صاحب اسجگہ پہنچکر عجیب راہ اختیار کرتے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حرم الربوا میں جو حکم ہے وہ عام ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ سیاق و سباق سے اس حکم کی تخصیص ہو جاتی ہے انکے اپنے الفاظ میں یہ حکم حرمت کا "اسی ربا پر منحصر ہے جو ایسے لوگوں سے لیا جاوے جنکے ساتھ سلوک کرنی اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کی قرآن مجید میں ہدایت ہوئی ہے" دلیل اس دعوی کی سید صاحب یہ دیتے ہیں۔ کہ حرمت ربا کا ذکر صدقات کے ذکر کیساتھ ہوا ہے اول "خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو بعوض سلوک و ہمدردی کرنیکے سود لیتے ہیں پس قرینہ مقام و طرز کلام سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جو غریب مساکین لوگوں سے سود لیتے تھے اور اسی سود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا جو قابل رحم اور ہمدردی اور سلوک کرنے کے تھے خدا نے حرام کیا"

یہ دلیل جو سید صاحب نے دی ہے اسقدر بودی اور کمزور ہے کہ جو شخص کچھ بھی غور کریگا وہ فی الفور اسکے بودا پن کو دیکھ لیگا اگر قرآن شریف کے عام احکام کی اسطرح کے قرائن سے یعنی خالی سیاق و سباق سے تخصیص کرنے کا قاعدہ صحیح ہے تو شاید پھر کل کے کل احکام کی عمومیت سے دست بردار ہونا پڑیگا کیونکہ آخر کسی نہ کسی دوسرے حکم کے آگے یا پیچھے ہی انکا ذکر ہوگا۔ سید صاحب کی دلیل کے اجزاء کو اگر الگ الگ کیا جائے تو ماحصل یہ ہے کہ چونکہ قرآن شریف صدقات کی ترغیب کے بعد ہی سود کی حرمت کا ذکر کرتا ہے اور چونکہ صدقات صرف غریب اور مفلس لوگوں کیلئے ہوتے ہیں اسلئے سود کی حرمت بھی صرف غریب لوگوں کے متعلق ہے۔ یعنی جن لوگوں کو صدقات دینے کا حکم ہے انہیں سے سود لینے کی ممانعت ہے یہ نتیجہ کہانتک اصول منطق کے رو سے صحیح ہے ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں علاوہ ازیں قرآن شریف نے اسی موقع پر اس خیال کی تردید بھی بصراحت تام کر دی ہے ان آیات پر غور کرو یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین ہ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ ج وان تبتم فلکم رؤس اموالکم ج لا تظلمون و لا تظلمون ط وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ ط وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اے مسلمانو تقوی اختیار کرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو اور اگر نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنیکے لئے خبردار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرو تو تمہاری

راس المال تمہارا حق ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر تمہارا مقروض تنگدست ہو تو راس المال کے واپس لینے میں بھی اسے مہلت دو یہاں تک کہ اسے فراخی ہو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے کہ اصل رقم قرضہ بھی بطور صدقہ اسے چھوڑ دو ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ربا کی ممانعت کرتے وقت قرآن شریف نے دونوں قسم کے مقروض منظر رکھے ہیں یعنی تنگدست اور وہ جو تنگدست نہیں تنگدست مقروض کے متعلق تو یہ حکم ہے کہ ربا بھی چھوڑ دو اور اصل رقم قرضہ بھی واپس تو جب تک کہ اسے فراخی نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ اصل رقم بخش ہی دو اور دوسری قسم کے مقروض کے متعلق حکم ہے کہ ربا کو چھوڑ دو اور اصل رقم فی الفور واپس لے لو۔ اب اگر اسکو سید صاحب کی قرآن سے بیخبری نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے کہ قرآن شریف تو صاف دونوں قسم کے مقروضوں کا ذکر کرتا ہے۔ اور سید صاحب کہتے ہیں کہ ان آیات میں صرف ان مقروضوں کا ذکر ہے جو تنگدست تھے۔

سر سید نے بہت سے مذہبی سوالات کے متعلق اسطرح ٹھوکر کھائی ہے کہ قرآن شریف کو مدِ نظر نہیں رکھا جسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے ایک رائے ایک سوال کے متعلق قایم کر لیتے ہیں اور پھر جہاں کوئی لفظ حسب منشا ملجاتا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی رائے کی تائید میں اسے لے لیتے ہیں اور قرآن شریف کی اصل تعلیم پر غور نہیں کرتے وہ اپنے اصولوں کو قرآن شریف کی تابع نہیں کرتے بلکہ قرآن شریف کو اپنے اصولوں کے تابع کرنا چاہتے ہیں مغربی تہذیب کے مادی اثر سے موثر اور مرعوب ہو کر پہلے وہ ایک رائے قایم کر لیتے ہیں اور کچھ پروا نہیں کرتے خواہ انکی رائے قرآن کریم کے صریح منطوق کے کیسی ہی خلاف ہو۔ اس نقص نے انکی تفسیر کے بہت سے حصہ کو اس وقعت کے قابل نہیں رہنے دیا جو ایسے فہیم اور قابل انسان کی تحریر کو حاصل ہونی چاہیے تھی اسی راہ پر چلکر انہوں نے سود کے جواز کی کوشش کی ہے کیونکہ اگر وہ قرآن شریف کی آیات پر کچھ بھی تدبر کرتے تو ایسی ٹھوکر نہ کھاتے کہ اصول ہی ایسا قایم کریں جسکی تردید قرآن شریف کے الفاظ کر رہے ہیں پھر جب وہ سود کے مضمون پر اسکے نقصانات کے لحاظ سے بحث کرتے ہیں تو اسلام کے پاکیزہ اور صحیح اصولوں کو چھوڑ کر مادہ پرست دنیا داروں کے اصول کی پیروی کرتے ہیں لکھتے ہیں "ربا درحقیقت ایک نہایت بری چیز ہے اور انسانی اخلاق اور تمدن کیلئے بعض حالتوں میں نہایت مضر ہے ربا جبکہ ایک پیشہ کر لیا جاتا ہے جیسا کہ سود خوار بنیئے اور مہاجن بطور پیشہ کے اسکو برتتے ہیں۔ تو تمدن کیلئے نہایت مضر ہوتا ہے ذی مقدور شخص اس روپیہ کو ملک کی ترقی اور تجارت کی افزونی میں صرف نہیں کرتا بلکہ خود اپنے ہی ملک کے لوگوں سے انکا مال لے لینے میں صرف کرتا ہے وہ اپنی محنت اور مشقت سے معیشت پیدا کرنے میں بالکل سست ہو جاتا ہے اور لوگوں نے جو محنت اور مشقت سے کمایا ہے اسکے لے لینے پر راغب ہوتا ہے۔ ایک اور صورت ربا کی ہے جو اس سے بھی زیادہ اخلاق انسانی اور روحانی نیکی کے برخلاف ہے اور بلاشبہ حرب من اللہ ورسولہ کے برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ غریب و محتاج و مفلس ہیں اور نہ کسی عیش و آرام کے لئے بلکہ صرف اپنی زندگی کے لئے قوت لایموت بہم پہنچانے کو روپیہ یا غلہ قرض لیتے ہیں اور ذی مقدور سودی قرضہ انکو دیتے ہیں اور سود لیتے ہیں ایسا کرنا انسانی ہمدردی اور غریبوں کیساتھ سلوک کرنے کے بالکل برخلاف ہے" یہ نقصان ربا کے سر سید خود بیان کرتے ہیں

مگر اس نقطہ پر پہنچکر یا ہوں نے اس سچے اور پاکیزہ اسلامی اصول کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ بدی جسکے مضرات ثابت ہوں اسے جڑھ سے کاٹنا چاہیئے اور یورپ کے اس اصول کی پیروی اختیار کرتے ہیں کہ بدی کی ایک خاص حدتک اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں حالانکہ وہ حد محض وہمی اور خیالی ہوتی ہے چنانچہ سید صاحب کا یہ قول جو اوپر نقل کیا گیا کہ غربا سے جہاں مضرت کا زیادہ احتمال ہے سود نہ لینا چاہیئے اور جہاں بظاہر کوئی نقصان نظر نہ آوے وہاں سود لے لینا چاہیئے اس بات کا موید ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر سید صاحب کے اس اصول کی پیروی کی جاوے تو پھر شرابخوری اور قماربازی کو بھی ایک حدتک کیوں جائز نہ رکھا جاوے بلکہ وہاں تو قرآن شریف نے خود ہی فرمایا ہے کہ ان دونوں میں لوگوں کے لئے کچھ کچھ منافع بھی ہیں حالانکہ سود کے منافع کا ذکر قرآن شریف میں نہیں پس سید صاحب کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص شراب کا اس حدتک استعمال کرتا ہے یا قماربازی اس حدتک کرتا ہے کہ جہاں وہ ان کے نقصانوں سے بچا رہتا ہے تو وہ حق بجانب ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرابخوری اور قماربازی کو ایک حدتک جائز ماننا پڑے گا مگر قرآن شریف نے کسی بدی کے متعلق یہ پہلو اختیار نہیں کیا بلکہ ہر ایک بدی کو جڑھ سے کاٹنے کا حکم دیا ہے اور یہی اصول صحیح بھی ہے کیونکہ جب ایک حدتک بدی کو جائز رکھا گیا تو اسکا دروازہ تو کھول دیا گیا اب روک کیا ہوگی اگر عملی نظیر سید صاحب کے اس اصول کی پیروں کی دیکھنی ہو تو یورپ پر ایک نظر ڈال لو کہ تھوڑا تھوڑا بدیوں کو جائز کرتے کرتے کس حدتک ان میں ترقی کی ہے اس مضمون پر مفصل بحث پہلے حصہ مضمون میں گذر چکی ہے اسلئے میں اسکو یہاں نہیں دہراتا۔

اب میں ان حالتوں کو لیتا ہوں جن کو سید صاحب نے سود کی ممانعت کے مستثنیات سمجھا ہے اور میں یہ دکھاؤنگا کہ سید صاحب اپنے اصول پر بھی قایم نہیں ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں ایسی ہی مضرات پائی جاتے ہیں جیسا کہ اس صورت میں جسکو سید صاحب واقعی حرام سمجھتے ہیں سید صاحب کا پہلا استثنا اُن لوگوں کے لئے ہے جو قرضے لیکر عیش اڑاتے ہیں ان سے سود کا لینا وہ جایز سمجھتے ہیں اگرچہ ساتھ ہی انکو یہ خیال بھی آیا ہے کہ "گو انکو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو" اب سوال یہ ہے کہ جس صورت میں قرض دینا ہی خلاف اخلاق ہے تو ان سے سود لینا کیونکر مطابق اخلاق ہوگیا یہ بھی سچ نہیں کہ عیاشی اور فضول خرچی کے لئے قرض دینا بعض حالتوں میں ہی خلاف اخلاق ہے بلکہ ایسا کرنا ہر حالت میں ایک قبیح امر ہے میں سمجھتا ہوں کہ سود کی ممانعت کرنیمیں قرآن شریف کا ایک یہ منشا بھی تھا کہ تا فضول خرچی کے لئے قرضہ کا ملنا بہت مشکل ہو جائے کیونکہ کسی شخص کو اسکی فضولخرچی میں مدد دینا بھی گناہ ہے علاوہ ازیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ جب ہم کسی شخص کو مصیبت میں دیکھتے ہیں تو ہماری ہمدردی اور رحم اسکے لئے جوش میں آتے ہیں اور اسلئے ایسے شخص کو ہم ہر طرح سے جہانتک ہماری طاقت میں ہو مدد دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں پس ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں سود کی قطعاً ممانعت ہو ایسے شخص کو جو سخت حاجتمند ہو بلا سود قرضہ ملنا مشکل نہیں ہوتا مگر جو شخص فضول خرچی کیلئے قرضہ لیتا ہے اسکو ایسی سوسائٹی میں قرضہ نہیں ملسکتا اور یوں سود کی ممانعت فضول خرچی سے روکنے کا بڑا بھاری ذریعہ ہے پس اگر قرآن شریف کے اصولوں پر عمل کیا جاوے تو حاجتمند کی حاجت برآری بھی ہو جاتی ہے اور فضول خرچ فضول خرچی

سے رُکا رہتا ہے اور یوں دونوں کی اسمیں بہتری ہے لیکن اگر سود کی اجازت دیجاوے تو دونوں کی حالت بدتر ہو گی مفلس آدمی سود دینے کے قابل ہو گا اور فضول خرچ سودی قرضے لے کر اپنے آپ کو تباہ کریگا پس جیسا غریب اور مفلس کو سود پر قرضہ دینا مضر ہے ایسا ہی دولتمند آدمی کو جو عیاشی اور فضول خرچی کے لئے قرضہ لیتا ہے سود پر قرضہ دینا بھی مضر ہے علاوہ ازیں اسلام صرف سود لینے کو ہی منع نہیں کرتا بلکہ سود دینے کو بھی منع کرتا ہے اور دونوں کو ایک سا ہی بُرا سمجھتا ہے اور اسلئے اور نہیں تو کم از کم ایسا شخص جو دولتمند کو سود پر قرضہ دیتا ہے سود دلانے میں معاون ہوتا ہے۔

دوسری استثنا سید صاحب بنکوں کے سود اور تجارتی سود کے متعلق کرتے ہیں اس قسم کے سودوں کے نقصانات میں اس مضمون کے پہلے حصہ میں بیان کر چکا ہوں سود کی ممانعت تجارت کی ترقی کی مانع ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تجارت پبلک کے لئے زیادہ مفید ہو جائیگی باقی رہے بنک سو وہ بجائے روپیہ سودی دینے یا لینے کے اسکو تجارت میں لگا سکتے ہیں اور اس طرح نقصان کی صورت میں سرمایہ داران پر بحصہ رسدی نقصان تقسیم ہو گا اور یہ جو سید صاحب کہتے ہیں کہ سود لیکر بنک بڑی آسانی اور حفاظت سے روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں سو یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہ سکتا ہے اگر وہ بجائے سود کے کمیشن لے لیا کریں نمبر استثنیٰ سید صاحب نے گورنمنٹوں کے قرضہ لینے کا بیان کیا ہے بظاہر اس کا یہ پہلو کہ ریلوں کے بنانے یا نہروں کے جاری کرنے کیلئے گورنمنٹ سودی قرضے لیکر مفید کام کر سکتی ہے دلکش معلوم ہوتا ہے لیکن اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جو نقصان بنی نوع انسان کو گورنمنٹوں کے سودی قرضہ لینے سے پہنچا ہے وہ بہت بڑا نقصان ہے جسکی تلافی ان چھوٹے چھوٹے کاموں سے جو بغیر سودی قرضہ لینے کے بہتر ہو سکتے ہیں نہیں ہو سکتی سودی قرضے ملجانیکی آسانی کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے عذروں پر عظیم الشان اور خطرناک جنگ باہمی اقوام میں ہوتے رہتے ہیں ایک تازہ مثال دیکھ لو کہ نہ جاپان پر روس حملہ آور ہوا اور نہ روس پر جاپان مگر دونوں نے اپنے اپنے گھروں سے نکلکر ایک تیسرے میدان میں وہ خونخوار جنگ کیا جسنے لاکھوں جانوں کا نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور علاوہ اسکے دونوں سلطنتیں خود قرضوں کے ایسے بوجھ کے نیچے دب گئیں کہ بیشمار روپیہ سالانہ صرف سود کا ہی ادا کرنا پڑتا ہے اگر دونوں گورنمنٹوں کو سودی قرضے لینے کی آسانی نہ ہوتی تو جنگ روس و جاپان کا وجود بھی نہ ہوتا کیونکہ ایسی گورنمنٹ جو سود پر قرضہ لینے کو بُرا سمجھتی ہے وہ کبھی جنگ اختیار نہیں کر سکتی جبتک کہ کوئی دشمن اسکے ملک اور رعایا پر حملہ آور نہ ہو اور جب ایسی صورت ہو گی تو خود قوم اور ملک ہی ایسے حملے کے خطرات کو سمجھکر ہر طرح سے اپنے بچاؤ کی کوشش کرنیکو تیار ہونگے مگر آجکل کی مہذب اقوام میں گورنمنٹیں قرضوں پر قرضے لیکر انسانوں کے خون بہاتی جاتی ہیں حالانکہ رعایا کے لوگ جنکو اصل نقصان ایسی جنگوں کا برداشت کرنا پڑتا ہے اور ایک ایک دن میں کئی کئی ہزار عورتیں بیوہ اور کئی کئی ہزار بچے یتیم رہ جاتے ہیں ایسی جنگوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اگر یورپ کی اقوام کی حالت پر ایک نظر ڈالی جاوے تو وہ دیوانہ وار سامان جنگ اور جنگی جہازوں اور فوجوں کے بڑھانے میں مصروف ہیں قرضوں پر قرضے لئے جاتے ہیں اگر ایک سلطنت نے ۱۸۰۰۰ ٹن کا جہاز تیار کروایا ہے تو دوسری ۲۰۰۰۰ ٹن کے جنگی جہاز کے بننے کا حکم دیتی ہے اور انکے دانشمند مدبر ایک لمحہ کے لئے اس بات پر غور کرنیکے لئے نہیں ٹھہرتے کہ آخر اس مقابلہ کا نتیجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ قوم دن بدن قرضے کے بوجھ کے نیچے دبتی چلی جائے

اور ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ جو رفاہ عام کے کاموں میں صرف ہو سکتا ہے ان قرضوں کے سود میں دیا جاوے ان باتوں کے ثبوت کے لئے یورپ کی مختلف سلطنتوں کے قومی قرضوں پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے سنہ ۱۹۰۶ء میں سلطنت انگلستان کا قرضہ نو ارب پینتالیس کروڑ روپیہ تھا اور بوئروں کی جنگ نے اسپر دو ارب اڑتیس کروڑ کا اور اضافہ کر کے کل قرضہ گیارہ ارب ۸۳ کروڑ روپے تک پہنچا دیا ہے فرانس کا قرضہ سنہ ۱۹۰۰ء میں سولہ ارب انتیس کروڑ دس کا نو ارب چوراسی کروڑ اسپر موجودہ قرضہ جو جنگ روس و جاپان اور اندرونی فسادوں کی وجہ سے جنگی بنا بھی یہی جنگ ہی ہے لینا پڑا اور بڑھا دینا چاہیئے) اطالیہ کا آٹھ ارب اناسی کروڑ ہسپانیہ کا ساڑھے چھ ارب آسٹریا کا پانچ ارب سینتیس کروڑ روپیہ تھا بیچارہ روم بھی عیسائی طاقتوں کی مہربانی سے قرضہ لینے پر مجبور ہو گیا اگرچہ بمقابلہ عیسائی طاقتوں کے روم کا قرضہ بہت کم یعنی صرف دو ارب پچپن کروڑ ہے ہندوستان کا قرضہ سنہ ۱۹۰۰ء میں تین ارب پندرہ کروڑ تھا جسکی بڑی وجہ آفریدی جنگ معلوم ہوتی ہے سنہ ۱۸۹۸ء میں کل دنیا کی سلطنتوں کے قرضے اندازاً چھیانوے ارب اڑتالیس کروڑ تھے جن پر گذشتہ پانچ چھ سال میں بوئروں کی جنگ اور جنگ روس و جاپان اور بڑے بڑے جنگی جہازوں کی تیاریوں کی وجہ سے دس پندرہ ارب کی رقم اور بڑھ گئی ہوگی سنہ ۱۸۹۸ء میں جسقدر قرضہ تھا اسپر پانچ ارب روپیہ سالانہ کے قریب سود ادا کرنا پڑتا تھا جو اب اور بھی بڑھ گیا ہے اب غور کرو کہ اگر یہی پانچ ساڑھے پانچ ارب روپیہ سالانہ دنیا کی سلطنتیں بجائے سود میں دینے کے غربا کی مدد اور رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کریں تو موجودہ حالت پر کسقدر ترقی ہو سکتی ہے ایک سلطنت انگلستان کو ہی چونتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ بوئروں کی جنگ کے قرضے سے پہلے سود میں دینا پڑتا تھا کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ یہ سود کے فوائد ہیں اگر قرآن شریف کی پُرحکمت تعلیم پر دنیا عمل کرتی تو اسکی حالت کسقدر بہتر ہوتی اور پھر یہ سود کی بیشمار رقمیں چند ساہوکاروں کی جیب میں چلی جاتی ہیں اب بھی اگر کوئی شخص اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ گورنمنٹوں کو سودی روپیہ لینے سے فائدہ ہوا تو اسکا اختیار ہے کہ تمام واقعات کا انکار کر کے فرضی دل خوش کن باتیں کرے مگر اصل بات یہی ہے کہ سود نے جسقدر دنیا کو تباہ کیا ہے اس تباہی کا اندازہ کرنا مشکل ہے یورپ میں بھی اب بعض سمجھدار آدمی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بجائے جنگ کے سلطنتوں کو صلح کے بڑھانے پر زور دینا اور خرچ کرنا چاہیئے لیکن جبتک سودی قرضہ لینے پر کوئی روک نہ ڈالی جائیگی تب تک امن کا قایم ہونا مشکل ہے اور باہمی صلح کے اگر عہدنامے بھی کئے جائیں تو اس سے بہتر ضمانت جنگ کے رکنے کی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ سودی قرضوں کے اصول کو دنیا سے نیست و نابود کیا جاوے۔

اس بحث سے یہ ظاہر ہے کہ جو مثالیں سرسید احمد خاں سود کے فوائد کی پیش کرتے ہیں وہ بھی انکی غلطی ہے بلکہ جو نقصان اور مضرات اس قسم کے سود سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ دوسرے نفعوں سے بہت بڑھ کر ہیں پس سید صاحب کی فرضی مستثنیات کی یہ حالت ہے سید صاحب کے علاوہ جن لوگوں نے جواز سود کو ثابت کرنیکی کوششیں کی ہیں انکی بنا دارالحرب اور دارالاسلام میں امتیاز پر رکھی گئی ہے ان الفاظ کے صاف معنے تو صرف یہ ہیں کہ دارالحرب وہ جگہ ہے جہاں جنگ ہوتا ہو اور دارالاسلام اسلام کا ملک ہے لیکن فقہائے اسلام کی قانونی اصطلاح میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ المراد بدار الاسلام بلاد یجری فیہا حکم امام المسلمین و یکون

تحت قہرہ وبدار الحرب بلاد یجری فیہا امر عظیمہا ویکون تحت قہرہ۔ اور یہہ لکھا ہے دار الاسلام لا تصیر دار الحرب عند ابی حنیفۃ الا بثلثۃ اشیاء احدھا ان یکون متصلاً بدار الحرب لیس بینہما موضع فی ید اھل الاسلام والثانی ان یجری فیہا اھل الحرب احکامھم والثالث ان لا یبقی فیہا مسلم او ذمی آمنا بالامان الاول یعنی دار الاسلام وہ ہے جہاں مسلمانوں کے بادشاہ کا حکم جاری ہو اور دار الاسلام دار الحرب تین شرطوں سے ہو جاتی ہے۔ (۱) کہ وہ دار الحرب کے ساتھ ایسی طرح پر پیوست ہو کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسا موضع نہ ہو جو اہل اسلام کے ہاتھ میں ہو اور (۲) کہ اسمیں اہل حرب اپنے احکام جاری کریں اور (۳) کہ اس میں کوئی مسلم یا ذمی ایسا نہ رہ جائے جسکو پہلے کی طرح وہاں امن حاصل ہو اس تعریف سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں غیر اسلامی سلطنتوں میں مسلمانوں کو امن حاصل نہ تھا ایسے دار الحربوں میں کسی شرعی حیلہ پر سود کے جواز کا فتوے دیدیا گیا تھا پھر جیسے جیسے اسلامی طاقت بڑھتی گئی دار الحرب سے یہ مراد چھوڑ کر وہاں کی حکومت غیر مسلم مسلمانوں کیساتھ جنگ کرتی ہو یہ مراد لیا جانے لگا کہ یہ تعریف ہر ایک ایسے ملک پر حاوی ہے جو غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت ہو میں اس مضمون پر صرف قرآن شریف اور حدیث صحیح سے استدلال کی بنا پر بحث کرونگا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن شریف یا صحیح احادیث میں سود کی ممانعت کے بارہ میں دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا نہ ہی ان دونوں کا نشان خدا کے کلام یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں پایا جاتا ہے ہاں اس امر پر کہ کفار کیساتھ مسلمانوں کو کیسا سلوک کرنا چاہیئے قرآن شریف کی مفصلہ ذیل آیات روشنی ڈالتی ہیں لا ینہٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۰ انما ینہٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علٰے اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظّٰلمون خدا تمکو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ احسان اور منصفانہ برتاؤ کرو جنہوں نے تم سے تمہارے دین کی خاطر جنگ نہیں کئے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا بلکہ اللہ تو منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے ہاں اللہ تمکو منع فرماتا ہے اس بات سے کہ تم ان لوگوں سے دوستانہ تعلقات رکھو جنہوں نے تمہارے دین کی خاطر تم سے جنگ کئے اور جنہوں نے تمہارے گھروں سے تمکو نکالا اور تمہارے نکلنے میں تمہارے مخالفوں کی مدد کی ہیں جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھیگا تو ایسے لوگ ظلم کرنیوالے ٹھہرینگے (الممتحنہ) یہ اصول جو قرآن شریف نے اس موقع پر بیان کیا ہے نہایت پاکیزہ اصول ہے کیونکہ ایسے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا جو ہلاکت کے درپے ہوئے ہوں اپنی قوم پر ظلم کرنا ہے ان دو آیتوں سے چند مفید نتائج پیدا ہوتے ہیں اول (اگرچہ اسکو مضمون زیر بحث سے تعلق نہیں) یہ نتیجہ ہے کہ جن لوگوں نے حماقت اور تعصب سے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں نے دین کے پھیلانیکے لئے لڑائیاں شروع کی تھیں ان آیات میں ان کا جواب ہے کیونکہ یہاں کفار پر یہ الزام دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے روکنے کی خاطر انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کئے اب

یہ سورۃ مدینہ کی آخری زمانہ کی سورتوں میں سے ہے پس یہ ایک امر واقعہ ہے جسکو آج ہم مخالفین اسلام کے بیجا الزاموں کے بالمقابل قطعی جواب کے طور پر پیش کرسکتے ہیں کہ عین اسوقت بھی جب یہ جنگوں کا سلسلہ زوروں پہ تھا قرآن شریف نے کفار کو ہی ملزم کیا کہ وہ لوگوں کو دین اسلام سے روکنے کے لئے مسلمانوں سے جنگیں کرتے ہیں اور یہ تاریخی شہادت جو قرآن شریف سے ہمیں ملتی ہے اعلیٰ درجے کی یقینی شہادت ہے دوسرا نتیجہ ان آیات سے یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ سوائے ان کفار کے جو انکی بیخکنی کے درپئے تھے محض اختلاف مذہب کی وجہ سے کسی کیساتھ نیکی اور احسان کرنیسے نہ رکیں تیسرا یہ کہ جو کفار مسلمانوں کی بیخکنی کے درپئے ہو رہے تھے ان سے قطعاً کسی قسم کے بھی دوستانہ تعلقات نہ رکھے جاویں چوتھا یہ کہ قرآن شریف اس بات میں کوئی امتیاز نہیں کرتا کہ کوئی ملک مسلمان بادشاہ کے ماتحت ہو یا غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت یا بالفاظ دیگر دارالحرب اور دارالاسلام کا فرق کوئی نہیں رکھا بلکہ جو امتیاز قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے وہ صرف غیر مسلموں کے ان گروہوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک گروہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہا ہو اور وہ بھی انکے دین کی خاطر اور دوسرا گروہ جنگ نہ کرتا ہو سلوک کے بارے میں ہماری کتاب پاک کی یہ ہدایت ہے کہ پہلے گروہ سے کوئی ایسا معاملہ نہ کیا جائے جس میں دوستانہ تعلقات پائے جاویں اور چونکہ قرضہ دینا خواہ وہ سود پر ہو یا نہ ہو دوستانہ تعلقات کی قسم میں سے ہے اسلئے اہل حرب کیساتھ ایسا معاملہ کرنے سے قطعاً منع کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے دوسرے گروہ کیساتھ جو جنگ نہیں کرتا کلام الٰہی میں یہ ہدایت ہے کہ ان سے نیکی اور سلوک کرنے میں کوئی دریغ نہ کرو گویا جیسا مسلمانوں سے نیکی اور سلوک کیا جاتا ہے ایسا ہی ان سے بھی کیا جائے پس ایسے لوگوں کو اگر قرضہ دیکر ان سے سود لیا جاوے تو یہ قرآن شریف کی اس ہدایت کی بھی خلاف ورزی ہوگی قرآن شریف نے تیسری کوئی صورت بیان نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ ہم غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات لین دین کے بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر ان سے سود لیکر نیکی اور سلوک کا انکار بھی کرسکتے ہیں۔

ان آیات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دارالحرب سے مراد ابتدا میں صرف ایسا ملک ہوگا جسکے ساتھ مسلمانوں کا جنگ ہو رہا ہو لیکن ان لوگوں سے سود لینے کی اجازت میری سمجھ میں نہیں آتی جب قرآن شریف ایسے لین دین ہی منع کرتا ہے فقہا نے کس بنا پر غیر مسلم بادشاہ کی غیر مسلم رعایا سے سود لینا جائز رکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا صرف ایک روایت ہے جس سے اس قسم کا نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے مگر یہ روایت اسقدر پایہ اعتبار سے گری ہوئی ہے کہ اسکی بنا پر قرآن شریف کی کھلی کھلی تعلیم کو چھوڑنا سخت غلطی ہے روایت جو پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے یعقوب قال حدثنا بعض المشیخة عن مکحول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ربا بین المسلم والکافر فی دارالحرب یہ روایت سود کے مجوزوں کی حیرت میں ڈالتی ہے ایک طرف تو اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے صحابی نے کہا کہ آنحضرت صلعم کو ربا کے معنی بتلانے کی مہلت نہیں ملی اور دوسری طرف اسی ربا کے متعلق اس قسم کی روایتیں بیان کی جاتی ہیں جنمیں اس روایت کے یہ ہیں کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مجھے بعض مشایخوں نے مکحول سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دارالحرب میں مسلمان اور غیر مسلم

کے مابین یا حرام نہیں ہے اول تو اس حدیث کے راوی قابل غور ہیں جن کے نام ہی ندارد ہیں بعض مشائخ کون تھے کون نہ تھے انکی روایت کو محدثین نے کیسا سمجھا ہے وہ مکحول کو ملے بھی یا نہیں اس کا فیصلہ کون کرے محدثین کے نزدیک ایسی حدیث قابل استدلال نہیں جسکی راویوں کا ہی پتہ نہیں پھر مکحول تابعی ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر روایت کر سکتے ہیں کوئی صحابی ہوتا تو پھر بھی یہ حدیث کسی قدر قابل بحث ہوتی پھر قرآن شریف کے مخالف ہے امام شافعی کا فتویٰ اسکی نسبت یہ ہے لیس بثابت ولا حجة فیہ دوسری حدیث جسکو جواز سود ثابت کرنیکے لئے پیش کیا جاتا ہے صحیح بخاری کی حدیث ہے جسکے معنی میں پہلے بیان کرچکا ہوں عن عایشة رضی اللہ تعالے عنہا لما نزلت اٰخر البقرة قرأھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیھم فی المسجد ثم حرم التجارة فی الخمر مصنف روض الربٰی کا استدلال اس حدیث سے یہ ہے کہ آیت ربا کو خمر کی تجارت کے حرام کرنیسے کوئی تعلق نہ تھا مگر چونکہ ربا مکہ میں دار الحرب ہونیکی وجہ سے جایز تھا اور ایسا ہی خمر کی تجارت بھی اسی وجہ پر مکہ میں جایز تھی اب چونکہ دار الحرب نہ رہا اور ربا منع کیا گیا تو آنحضرتؐ نے خمر کی تجارت . . . .

. . . . کو بھی منع کردیا کہ اب مکہ دار الحرب نہیں اب ناجایز طریق حصول مال کے یہاں منع ہو گئے ہیں یہ ٹھوکر جو مصنف مذکور نے کھائی ہے اسکی وجہ جیسا کہ میں بیان کرچکا ہوں صرف حدیث کے معنی کی ناواقفیت ہے اور وہ یہ سمجھ نہیں سکا کہ حرمت سود اور حرمت تجارت خمر کو ایک جگہ کیوں بیان کیا حالانکہ پہلے بھی خمر کی تجارت حرام ہوچکی تھی چونکہ خدا تعالیٰ نے سود کو حرام کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ احل اللہ البیع وحرم الربٰوا اسواسطے ممکن تھا کہ لوگ سمجھ لیتے کہ ہر قسم کی تجارت حلال ہو گئی ہے اسلئے آپ نے شراب کی تجارت کو منع فرمایا۔

مگر سب سے زیادہ زور میں اسی بات پر دونگا کہ قرآن شریف نے ممانعت سود کا حکم دیتے وقت یہ نہیں کہا کہ سود لینا بعض جگہ حلال اور بعض جگہ حرام ہے اور نہ ہی دار الحرب اس کلام پاک کی کوئی اصطلاح ہے نہ ہی یہ فرمایا کہ مسلمان بادشاہ تمپر حکمران ہو تو سود نہ لیا کرو اور غیر مسلم بادشاہ حکمران ہو تو سود لے لیا کرو مگر روض الربٰی کا مصنف چار استشہاد قرآن کریم سے پیش کرتا ہے جنپر نظر کرنی ضروری ہے پہلا استشہاد اسکا یہ ہے کہ قرآن کریم کا پاک ارشاد ہے یا یہا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل اسے ہماندارو اپنا مال آپسمیں وجوہ نامشروعہ سے نہ کھاؤ۔ استدلال مصنف کا یہ ہے کہ "اس آیت کی نظم میں لفظ بینکم صرف اسی لحاظ سے بڑھایا گیا ہے کہ سود قمار اور عقود فاسدہ کی حرمت صرف اسوقت ہیں ہے جب مسلمان دوسرے مسلمان سے معاملہ کر رہا ہو۔ باقی غیر دار الاسلام میں جبکہ معاملہ سود یا قمار مسلمان ہندو یا عیسائی کے درمیان ہے تو بسبب مفقود ہونے قید بینکم کے حرمت ثابت نہ ہوگی" یہاں تو پہلے ہی ہاتھ میں مولوی صاحب نے نہ صرف سود کو ہندوستان میں جایز کردیا بلکہ قماربازی کا دروازہ بھی کھولدیا اور وہ ممانعت جو انما الخمر والمیسر من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون میں وارد تھی اسکو بھی ساتھ ہی اڑا دیا مگر اسی پر بس نہیں کی اسکے بعد آپ خوش ہو کر لکھتے ہیں کہ صرف آپ کا ہی یہ مذہب نہیں بلکہ اور لوگ بھی آپکے موید ہیں اور اسکے ثبوت کے لئے تفسیر مظہری کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے آیت موصوفہ کے نیچے وہ لکھتے ہیں "لا یاکل احدمنکم مال غیرہ بین المسلمین ومن تبعہم من اھل الذمة ولا باس باکل مال الحربی

الغیر المعاہد من غیر غدر۔ بالباطل۔ ای بوجہ ممنوع شرعاً کالغصب والسرقۃ والخیانۃ والقمار والربا والعقود الفاسدۃ“ میں نہیں کہتا کہ یہ قول مصنف روض الربا کے خیال کا جو وہ ہندوستان کے متعلق پیش کرتا ہے مؤید ہے لیکن اس سے مصنف مذکور یہ فائدہ اٹھاتا ہے کہ بینکم اور بالباطل کی تشریح میں یہ تفسیر اسکی مؤید ہے اب بالباطل کی تشریح کو ناظرین ملاحظہ فرماویں جو یوں کیگئی ہے کہ ”بالباطل سے مراد ہے کسی وجہ سے جو شرعاً منع کی گئی ہو مثلاً زبردستی چھین لینا چوری خیانت قمار بازی سود جھوٹے معاہدے“ یہ حالت ہو گئی ہے ہماری علماء کی اس تعلیم کے رو سے نہ صرف ہندوستان میں غیر مسلموں سے سود لینا ہی جائز ہے بلکہ انکے ساتھ جوا کھیلنا زبردستی انکے مال چھین لینا انکی چوری کر لینا خیانت سے انکا مال لے لینا جھوٹے معاہدے ان سے کر کے انکا مال مار لینا غرضیکہ ہر ایک جرم مال کے متعلق جائز ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ہذہ العقاید الفاسدۃ۔ اگر مسلمان جیلخانوں میں زیادہ تعداد میں ہیں تو پھر ایسی ہی تعلیموں کی بدولت ہیں یہ عقیدے ایسے قابل حقارت اور نفرت انگیز ہیں کہ انکی تردید کرنا بھی انکو عزت دینا ہے میں یہی کہکر مصنف کی اس دلیل کو چھوڑتا ہوں کہ قرآن شریف ایسے فاسد عقیدہ پر لعنت بھیجتا ہے ہاں یہ بات بیشک دُکھ دینے والی ہے کہ ہندوستان کے اندر ایک ایسی کتاب تصنیف ہو اور علما خاموش رہیں اور اسکی تردید نہ کریں۔

دوسرا استشہاد مصنف روض الربا کا قرآن کریم سے یہ ہے کہ آیت حرمت سود فتح مکہ سے بعد نازل ہوئی گویا جبتک مکہ دارالاسلام نہیں ہو گیا اسوقت تک سود کا لینا اسمیں جائز رہا اسلئے ہر ایسی جگہ میں جسپر اسکی اصطلاح میں دارالحرب کا لفظ اطلاق پا سکے مصنف کے نزدیک سود کا لے لینا اسمیں جائز ہے اول تو اس دلیل میں بہت سی غلط بیانیاں ہیں سورہ بقرہ کی آخری آیات سے پہلے سود کی حرمت کے متعلق اور آیات بھی نازل ہو چکی تھیں جن میں یہ نہیں لکھا تھا کہ دارالاسلام میں سود منع کیا جاتا ہے بلکہ وہاں بھی عام حکم سود کی حرمت کا ہے یہ آیات پہلے نقل کر چکا ہوں اور اسلئے انکا اعادہ یہاں ضروری نہیں ہاں سورہ بقرہ کی آیات متعلقہ سود میں ایک زائد حکم بھی موجود ہے یعنی یہ کہ ذروا ما بقی من الربوا جسکے صاف معنے یہ ہیں کہ جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو قرآن شریف کے احکام تدریجاً نازل ہوئے ہیں پس جب اول اول سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اسوقت سے کوئی سودی معاہدہ کرنا منع سمجھا گیا مگر اس آیت کے الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے اور ایک روایت بھی ایسی ہے کہ حرمت کے حکم سے پہلے جو سود واجب الادا تھا اسکا مطالبہ بعض لوگ کرتے رہے سو انکو حکم ہوا کہ جو سود تمہارا پہلے واجب الادا ہو چکا تھا اسکو بھی چھوڑ دو اور صرف اپنے راس المال واپس لو پھر دوسری بات غور طلب یہ ہے کہ اگر اس حکم کی علت یہ ہوتی کہ اب مکہ دارالحرب نہیں رہا تو چاہیے تھا کہ فتح مکہ کیساتھ ہی سورہ بقرہ کی آیات نازل ہوتیں حالانکہ انکا نزول بالاتفاق اخیر زمانہ نبوت میں ہے بلکہ انکو آخری وحی قرار دیا گیا ہے اور فتح مکہ کے بعد بہت سا حصہ قرآن شریف کا نازل ہوا سو معلوم ہوا کہ یہ کوئی اس حکم کی علت نہ تھی علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ کسی حکم کے کسی وقت دئے جانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس حکم کے نزول سے پہلے جو حالات تھے انکے ماتحت اس حکم کی خلاف ورزی اب بھی جائز ہے محض جہالت ہے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں نزول احکام تدریجی تھا پس اس طرح سے تو کل کے کل احکام کی خلاف ورزی کی جا سکتی ہے مثلاً جسقدر احکام فتح مکہ کے بعد نازل ہوئے تو اسوقت چونکہ دارالحرب نہیں رہا اسلئے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہندوستان میں جو بزعم مصنف دارالحرب ہے ان تمام احکام کی خلاف ورزی جائز ہے

یا مثلاً چونکہ شراب اور قمار مدینہ میں آکر حرام کئے گئے یعنی بعد ہجرت اسواسطے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ اگر مسلمانوں کو اپنے مخالفین کی طرف سے کسی قسم کا دُکھ اور تکلیف پہنچ رہی ہو جیسا کہ مکہ میں قبل از ہجرت پہنچتی تھی تو مسلمان شراب بھی پی لیا کریں اور قمار بازی بھی کر لیا کریں یا چونکہ مدینہ دار الاسلام تھا اور مکہ دار الحرب اسلئے ہر دار الحرب میں جس میں ہندوستان بھی شامل ہے مسلمانوں کو شراب پی لینا منع نہیں تعجب ہے کہ ایک سود کے جواز کے لئے کیسی کیسی فاسد عقیدوں کی تعلیم دیجاتی ہے۔

مصنف مذکور وذروا ما بقی من الربٰو کے شان نزول کے متعلق متضاد اور مختلف روایات سے بھی دلیل پکڑتا ہے شان نزول ہمیشہ ہمارے مفسرین کو یہ موقع دیتا رہا ہے کہ بلا ضرورت قصے تفسیروں میں درج کئے جاویں اب کوئی شان نزول ان آیات کا یہ بیان کرتا ہے کہ مکہ والوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو کفر کی حالت میں سود لیتے تھے کوئی ثقیف کے قبیلے کے بعض لوگوں کا نام لیتا ہے کوئی حضرت عباس اور خالد کا نام لیتا ہے مگر سوال یہ نہیں کہ کس کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئیں بلکہ انکے صاف معنے کیا ہیں اور جو حکم ان آیات میں دیا گیا ہے وہ کیا ہے ان آیات میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ چونکہ اب مکہ دار الحرب نہیں رہا اسلئے سود منع کیا جاتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے جو دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں یہ ایک عام حکم ہے کہ وہ سود نہ کھائیں خواہ سود دینے والا کوئی ہو جن باتوں کو قرآن شریف نے مضر سمجھکر انسے روکا ہے وہ بہرحال برائیاں ہی ہیں خواہ مسلمان کے متعلق انکا ارتکاب ہو اور خواہ غیر مسلم کے غیر مسلم کا مال چورانا ایسا ہی جرم ہے جیسا مسلمان کا علی ہذا القیاس غیر مسلم سے سود لینا ایسا ہی برا ہے جیسا مسلمان سے یہ قرآن شریف کے کھلے کھلے احکام ہیں اپنی طرف سے انمیں تخصیص اور قید لگانا صحیح نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حرمة مال الانسان کحرمة دمه یعنی انسان کے مال کی حرمت اسکے خون کی حرمت کی طرح ہے یہاں مومن نہیں فرمایا بلکہ انسان فرمایا اب جسطرح غیر مسلم کا خون بہانا جائز نہیں خواہ وہ مسلم بادشاہ کے ماتحت ہو خواہ غیر مسلم کے اسی طرح اس کا مال کسی ایسے طریق سے لینا جسکو قرآن شریف نے ناجائز قرار دیا ہے جائز نہیں اور سود ان ناجائز طریقوں میں سے ایک طریق ہے۔

تیسری دلیل مصنف روض الربٰی کی ایسی ہی لغو ہے قرآن شریف فرماتا ہے کہ یہودیوں کو بھی ہمنے ربا لینے سے منع کیا تھا مگر انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اب مصنف کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ یہودیوں کو ربا نہ لینے کا حکم بھی خدا کی طرف سے ہی تھا اسلئے مسلمانوں کو جو حکم دیا گیا ہے اسے ہم توریت کے حکم پر قیاس کر سکتے ہیں مگر توریت میں ربا کے بارہ میں یہ صریح حکم پایا جاتا ہے کہ یہودی اپنے بھائیوں سے ربا نہ لیں اور دوسری قوموں سے لے لیں میں کہتا ہوں کہ توریت کے حکموں پر قرآن شریف کے احکام کو بلا وجہ قیاس کرنا سخت غلطی ہے شریعت موسوی صرف ایک قوم کے لئے تھی یعنی یہود کے لئے اور اسلامی شریعت کی طرح اسکا دایرہ وسیع نہ تھا اسلئے اسمیں احکام بھی ایسے تھے جو یہودیوں سے مخصوص تھے مگر قرآن شریف دنیا کی کل قوموں کے لئے آیا اسلئے اسکے احکام میں بھی عمومیت پائی جاتی ہے علاوہ ازیں قرآن شریف پہلی شرایع کا ناسخ ہے جب ایک عام حکم قرآن شریف میں پایا جاتا ہے تو ہم اسکو توریت کی بنا پر مخصوص نہیں کرینگے بلکہ یہ کہیں گے کہ توریت کے مخصوص حکم کو قرآن شریف نے منسوخ کرکے عام حکم دیا ہے یہ مذہب اہل اسلام کا قرآن شریف اور توریت کے بارے میں ہے اگر خدا تعالیٰ کا منشاء قرآن شریف کے حکم کو ایک قوم تک

مخصوص رکھنے کا ہوتا تو جس طرح توریت کے حکم میں تخصیص کردی گئی ہے قرآن شریف کے حکم میں بھی تخصیص کردی جاتی۔

مصنف بروم ألم الی کا جو تھا استشہاد قرآن شریف سے کسی قدر تفصیل کو چاہتا ہے ہجرت سے پانچ چھ سال پہلے جب مسلمان مکہ میں کفار کے پاؤں تلے روندے جا رہے تھے روم اور ایران میں بھی جنگوں کا سلسلہ شروع تھا اور ایرانی آتش پرست رومی عیسائیوں پر غالب آکر انکے اندرون ملک تک پہنچ چکے تھے یہاں تک کہ یروشلم کو فتح کر کے اب سلطنت کو نیست و نابود کرنیوالے تھے ایران کا بادشاہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی برا ارادے رکھتا تھا جس کا ثبوت اسکی بعد کی کارروائیوں سے ملتا ہے رومیوں اور مسلمانوں کی اس مغلوبیت کے وقت جب دونوں کے دشمن اپنی طرف سے انکو نیست و نابود کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر قرآن شریف میں یہ غیب کی خبر ظاہر فرمائی الٓمٓ ۝ غلبت الروم ۝ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین ۝ للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المؤمنون ۝ بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم وعد اللہ لا یخلف اللہ وعدہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۝ الٓمٓ (میں ہوں خدا غیب کے جاننے والا) قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں لیکن وہ مغلوب ہونیکے بعد چند سال میں (اہل فارس پر) غالب آجائینگے پہلے اور بعد اللہ کے ہی ہاتھ میں اختیار ہے اور وہ دن (رومیوں کے غالب آنیکا) ایسا ہوگا کہ مومن بھی اُسدن اللہ کی مدد سے خوش ہو جائینگے وہ جسکی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا زبردست اور رحم والا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ۔ میرا جی چاہتا تھا کہ اس عظیم الشان پیشگوئی پر بسط کے ساتھ لکھوں لیکن موجودہ مضمون اجازت نہیں دیتا انشاء اللہ کسی دوسرے وقت میں میں دکھاؤں گا کہ اس پیشگوئی نے ہستی باریتعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا کیسا بیّن ثبوت دیا ہے جس وقت یہ پیشگوئی کیگئی اسوقت ایرانیوں کا ہاتھ غالب تھا اور رومی شکست پر شکست کھا کر اپنے ملک کو چھوڑے جا رہے تھے ادھر مسلمان کفار کے ہاتھ سے سخت ایذائیں اُٹھا رہے تھے اور کفار انکی بیخکنی کے درپے تھے جب یہ پیشگوئی (ایک طرف نصاریٰ نے روم کی فتح کی اور دوسری طرف عین اسی وقت میں مسلمانوں کی کفار پر فتح کی) کی گئی تو کفار نے ہنسی کی کہ بھلا یہ بات بھی کبھی ہونیوالی ہے چنانچہ اسی وقت حضرت ابوبکرؓ نے اُبی کیساتھ ایکسو اونٹ کی شرط لگائی کہ اگر پیشگوئی سچی نکلی تو اُبی سو اونٹ حضرت ابوبکرؓ کو دے اور اگر جھوٹی نکلی تو حضرت ابوبکرؓ سو اونٹ اُبی کو دیں چنانچہ اس پیشگوئی کے شائع ہونیکے پانچ چھ سال بعد ہجرت کے قریب قریب ایرانی اور رومی جنگ میں فتوحات کا رخ اُلٹ گیا یہانتک کہ ایرانی پسپا ہوتے ہوتے ملک شام سے نکل آئے اور آخر ۶۲۲ء میں رومی فوجیں ایران میں آگھسیں جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے ادھر عین اسی سال میں بدر کا عظیم الشان جنگ ہوا جسکا نام قرآن شریف نے فرقان رکھا ہے جس میں کفار کو باوجود کثرت تعداد کے سخت شکست ہوئی غرضیکہ ادھر سے رومی ایرانیوں پر غالب آئے اور ادھر سے مسلمان کفار پر غالب آئے اور خدا کا وعدہ سچا ہوا اور دوہری پیشگوئی جس طرح کی گئی تھی اسی طرح پوری ہوئی یہ ہجرت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے جب یہ نشان الٰہی پورا ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے اُبی کے ورثاء سے سو اونٹ کا مطالبہ کیا اور قربانی کر کے گوشت مساکین کو کھلا دیا یہ خدائے تعالیٰ کے عظیم الشان نشان

کے پورا ہونے کی یادگار تھی اب مصنف روض الربی کا استدلال سنئے وہ کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ شرط ہجرت سے پہلے اور اس لئے حرمت قمار کے حکم سے پہلے لگائی تھی مگر اس کے نزدیک یہ پیشگوئی صلح حدیبیہ کے وقت پوری ہوئی اور اس وقت قمار منع ہو چکا تھا پس جائز نہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ سو اونٹ لیتے مگر اس امر سے کہ انہوں نے سو اونٹ لیا یہ شہادت ملتی ہے کہ قمار مدینہ میں جو دارالاسلام تھا منع ہو چکا تھا مگر چونکہ یہ شرط مکہ کے ایک کافر کیساتھ بدی گئی تھی اور مکہ دارالحرب تھا اسواسطے مال قمار کو لینا جائز سمجھا گیا اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جس طرح دارالحرب میں قمار جائز رکھا گیا اسی طرح سود کا لینا بھی دارالحرب میں جائز ہے اس استدلال کی ساری عمارت کی بنیاد تاریخ سے ناواقفیت پر ہے رومیوں کا غلبہ ۲ یا ۳ ہجری میں ہو چکا تھا اور یہی سال مسلمانوں کے اس غلبہ کا تھا جس کا نام خدا تعالیٰ نے یوم الفرقان رکھا ہے اور اس سال رومی فوجیں ایران کے وسط تک جا پہنچی تھیں اب مصنف کے اپنے اقرار کے مطابق حرمت قمار کا حکم تیسرے یا چوتھے یا چھٹے سال ہجرت میں ہوا لیکن پیشگوئی دوسرے سال ہجرت میں پوری ہو چکی تھی اور اس لئے اسی سال میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی شرط بھی پوری کر دی پس نہ قمار دارالحرب میں درست ہوا نہ سود علاوہ ازیں حضرت ابوبکرؓ نے ان اونٹوں کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھا بلکہ خدا کی راہ میں دیدیئے کیونکہ یہ خدا کے دین کے غلبہ کا نشان تھا اور اس سے اسلام کی عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ یہ بعینہٖ اسی کے مطابق ہے۔ جو حضرت میرزا غلام احمدؐ صاحب بانی سلسلہ احمدیہ نے اس بات کو جائز رکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا روپیہ بنک میں رکھنے کے لئے مجبور ہو تو اسکے سود کا روپیہ دین اسلام کی اشاعت اور اسکی عظمت ظاہر کرنے میں صرف ہو سکتا ہے اس سے جواز سود نہیں پایا جاتا بلکہ ایک مجبوری کی حالت ہے کیونکہ اس روپے کو دین حق کی تائید میں صرف نہ کیا جاوے گا تو وہ باطل کی تائید میں صرف ہو گا۔

جسقدر کوششیں زمانہ میں جواز سود کے لئے کی گئی ہیں وہ اہنی دو کے جن کی میں تردید کر چکا ہوں نیچے آتی ہیں اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام مصلحت اور حکمت پر مبنی ہیں قرآن شریف ہمیں ہرگز یہ تعلیم نہیں دیتا کہ ہم غیر مذاہب کیساتھ ایسی تنگدلی برتیں کہ انکو ہم سے کوئی فائدہ پہنچ سکے سود کی ممانعت سے غرض یہ ہے کہ تا دائرۂ انسانی ہمدردی کا وسیع ہو اور روپیہ ایسے طور پر منقسم ہوا ہے کہ غربا کی غربت اور دولتمندوں کی دولتمندی بڑھتی نہ جاوے اب اگر غیر مسلموں سے سود لینا جائز رکھا جاوے تو ظاہر ہے کہ یہ اغراض کبھی پورے نہیں ہو سکتے بلکہ معلوم ہوا کہ سود کے جائز رکھنے میں پھر یہ دقت پیش آئیگی کہ مصنف روض الربیٰ کی طرح یہ ماننا پڑے گا کہ ہند میں قماربازی سرقہ۔ غصب۔ خیانت وغیرہ غیر مسلموں کی عمایز ہے یہ سخت درجہ کی تنگدلی ہے جس سے اسلام بیزار ہے اسلام سود لینے اور دینے دونوں سے یکساں منع کرتا ہے خواہ غیر مسلم کو دیا یا اس سے لیا جائے لیکن ساتھ ہی اس کے اسلام دوسرے پہلو کو بھی فراموش نہیں کرتا جو شخص ہم سے نیکی کرے ہمیں بھی اس سے نیکی کرنی چاہیئے اب سوال یہ ہے کہ جو شخص ہمیں بلا سود قرضہ دے کر ہم سے نیکی کرتا ہے ہم اس سے کیا نیکی کر سکتے ہیں اسکے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے ہمیں تعلیم دی ہے کہ جس شخص نے آپ کو قرضہ دیا آپ نے واپس دیتے وقت اسے ساتھ کچھ

اور کبھی دیدہ باجو بعض اوقات اصل سے دُگنا تگنا تھا اب یہ فراخ دلی اور عالی حوصلگی سودخور کے دل میں نہیں آسکتی
وہ اگر بحالت مجبوری کسی سے بلا سود قرضہ لے اور اسے مل سکے تو وہ گوارا نہیں کرے گا کہ جب شرط نہیں
ہے تو ایک پیسہ بھی اسے سا تھ دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نمونہ پر مسلمانوں نے چل کر دکھایا ہے۔
اور آج تک اس کی نظیریں ان کے اندر پائی جاتی ہیں یہ سود نہیں کیونکہ اس میں اقرار کچھ نہیں صرف هل جزاء الاحسان
الا الاحسان کی تعمیل میں ایک آدمی اپنے قرضہ دینے والے کیساتھ نیکی کرتا ہے ہاں سود کی حالت میں جو نقصانات
تھے اس حالت میں وہ نہ ہونگے کیونکہ اگر قرضہ لینے والے نے فائدہ اُٹھایا ہے تو وہ قرضہ کو مع شئے زاید واپس کریگا
اور اگر نقصان اُٹھایا ہے تو نہیں پس یہ صورت ایسی ہے کہ تمام نقصانوں سے بری اور فراخ حوصلگی اور عالی
ہمتی اور وسیع ہمدردی انسانی کا ثبوت ہے۔

اب میں صرف ایک سوال کا اور جواب دیکر اس مضمون کو بالفعل ختم کرتا ہوں یہ سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب
قرآن شریف نے روپیہ کو بڑھانے کا یہ طریق یعنی سودی روپیہ دینا بند کر دیا ہے تو پھر اسکی بجائے کونسا عمدہ
طریق بتایا ہے اسکا جواب اسی آیت میں دیا گیا ہے جس میں ربا حرام کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ و
احل اللہ البیع وحرم الربٰوا یعنی ربا کو حرام کر کے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے تجارت کی راہ کھولدی ہے
اور وہ اپنے مال اور سرمایہ کو تجارت میں لگائیں یہ تجارت کا سلسلہ جیسا کہ میں مضمون کے حصہ اول میں ثابت کر
چکا ہوں سود والے تمام نقصانوں سے بری ہے اور یہی قومی اور ملکی ترقی کا گُر ہے افسوس کہ جسقدر کوشش
مسلمانوں کو سود لینے کی ترغیب دینے میں کی جاتی ہے اگر وہی کوشش انکو تجارت کی ترغیب دینے میں کی جائے
تو یہ افلاس جو مسلمانوں پر غالب آیا ہوا ہے دور ہو جائے قرآن شریف کا یہ حکم احل اللہ البیع وحرم الربٰوا
حکمت سے خالی نہیں ورنہ ایک ہی جگہ دونوں باتوں کا ذکر کرنیسے کیا منشا تھا یہ کلام پاک ہمیں سمجھاتا ہے کہ تمہاری
دینی اور دنیوی بہتری اور تمہاری اخلاقی اور روحانی ترقی حرمت ربا اور حلت بیع سے وابستہ ہے سو جو ان احکام
پر عمل کریگا وہ بیشک فلاح پائیگا یہی راہ قوم کی ترقی کی ہے اخیر میں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں
مسلمانوں کے افلاس کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے قرآن شریف کے احکام کی خلاف ورزی کی بیہودہ رسموں میں
پڑکر فضول خرچ ہو گئے اور پھر ان فضول خرچیوں کے لئے جب بلا سود قرضے نہ ملے تو قرآن شریف کے
حکم کے خلاف سودی قرضے لئے اور آخر اس سود کے نیچے تباہ ہو گئے یہ بات صرف زمیندار قوموں پر ہی صادق
نہیں آتی بلکہ اکثر حصہ اہل اسلام کے افلاس کا یہی موجب ہے کہ وہ قرآن شریف کی سچی تعلیم سے دور جا پڑے اگر وہ اس
تعلیم پر چلنیوالے ہوتے تو ضرور ہی نتائج پاتے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے پائے۔

اسلام نمبر ۸ (جواب پادری سیل)

ہجرت سے آنحضرت کی صداقت پر شہادت

میں نے ہجرت کے مضمون کے شروع میں ہی لکھا تھا کہ ابتدا سے مسلمانوں نے اس واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات میں ایک نہایت عظیم الشان اور اہم واقعہ سمجھا ہے اس حصہ میں اس اہمیت کے وجوہات بیان کرنے کی کوشش کرونگا گذشتہ مضمون اس موقع پر ختم ہوا تھا جہاں کفار قریش میں سے ان لوگوں نے جو آپ کے قتل کے لئے معین کئے گئے تھے آپ کے گھر کو آگھیرا تھا عین اسوقت آپ کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ اب اس شہر کو چھوڑ دو اسمیں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مکہ والوں کو ڈھیل دیتا رہا کہ وہ توبہ کریں مگر وہ شرارتوں میں ترقی کرتے گئے یہانتک کہ تمام قوم نے ملکر اب یہ آخری اور پکا منصوبہ آپکے قتل کا کیا آنحضرت کا مکہ کو چھوڑنا گویا اس بات کی علامت تھی کہ وعید الٰہی اب آجائے اور آپ کی وہاں موجودگی نے ہی ابتک انکو عذاب الٰہی سے بچا رکھا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم مگر اب اس آخری منصوبہ سے انکی شرارتوں کا پیالہ بھر چکا تھا پس ہجرت کا حکم دیکر اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھا دیا کہ اب عذاب الٰہی جلد ان لوگوں پر آجاویگا مجھے اسبات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ کیونکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنے دشمنوں کے درمیان سے جو آپکے خون کے پیاسے تلواریں ہاتھوں میں لئے انتظار کر رہے تھے صحیح سلامت نکل گئے خواہ کسی طرح سے بھی نکلے ہوں اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک کھلا کھلا معجزہ تھا نہ ہی یہ ضروری ہے کہ اس مضمون کی اغراض کے لئے میں آپکے سفر مدینہ کے حالات کو لکھوں قرآن شریف نے ایک موقع پر جہاں بعض کمزور دلوں کو تنبیہ کی ہے اس ہجرت کے واقعہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا (التوبہ - رکوع ۵) اگر تم ہمارے رسول کی مدد نہ کروگے تو خدا تمہاری مدد کا محتاج نہیں اسنے اسوقت بھی اپنے رسول کی مدد کی جب کافروں نے مکہ سے اسکو بے سروسامانی کی حالت میں نکالدیا اور صرف ایک اور آدمی ساتھ تھا جب وہ دونوں غار میں تھے تو رسولؐ نے اپنے ساتھی کے حزن کو دیکھ کر فرمایا کہ کچھ رنج وفکر نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے اب مقام غور ہے کہ نہ کوئی ساتھ ہے نہ بھاگنے کا سامان ہے دشمن سر پر کھڑے ہیں اور ابوبکرؓ جیسا مستقل مزاج آدمی حیران ہے کہ اب کیا چارہ ہے مگر آنحضرت کا خدا پر بھروسہ کیسا عجیب ہے کہ اسوقت کس قوت سے فرماتے ہیں کہ فکر کی کوئی بات نہیں کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ جب اسکا ارادہ ہمکو بچانے کا ہو چکا ہے تو کوئی ہم پر قابو پا سکے پس اگرچہ ظاہر اسباب کی رعایت سے آنحضرت غار میں چھپے ہوئے تھے مگر آپ کے یہ الفاظ کس صفائی سے ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کو کسی دنیا کے اسباب پر بھروسہ نہ تھا بلکہ سارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی تھا آپنے یہ نہیں فرمایا کہ ہم پر نظر نہیں پڑ سکتی کیونکہ ہم انکی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں بلکہ یہی یہ ہے

کہ اسوقت اندر سے وہ کفار کو پھرتے دیکھ رہے تھے بلکہ یہی فرمایا کہ کچھ پرواہ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پس جیسا خدا پر آپ کو حیرت انگیز بھروسہ تھا ایسا ہی خدا نے حیرت انگیز طریق سے آپ کو اسقدر دشمنوں میں سے صحیح سلامت نکال کر مدینہ پہنچا دیا۔

مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف یہ چند واقعات ہی آپ کے صحابہ کے لیے آپ کے منجانب اللہ ہونیکی دلیل تھی کہ کسطرح آپ تنہا اپنے دشمنوں کے درمیان جو آپکے خون کے پیاسے تھے حفاظت الٰہی کے نیچے مکہ میں اکیلے رہے یا کس طرح قاتلوں کے گروہ کے درمیان میں سے جو تلواریں لئے کھڑے تھے کہ آپ کا کام تمام کریں آپ صفائی سے گذر گئے یا کیونکر غار ثور میں آپ انکی نظروں سے غائب رہے حالانکہ وہ سامنے کھڑے تھے بلکہ وہ ہر ایک امر میں خدا کا ہاتھ آپکی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھتے تھے اور الٰہی حفاظت کو آپکے شامل حال پاتے تھے اس بات نے انکے دلوں کو سچے یقین سے بھر دیا تھا کہ بیشک آپ خدا کی طرف سے آئے ہیں وہ دیکھتے تھے کہ جسطرح دشمن دن رات آپکے خلاف منصوبے کرتے ہیں مگر ہر بار ناکام اور نامراد ہوتے ہیں نہ صرف یہی بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسطرح انکو للکار کر کہتے تھے کہ جسقدر منصوبے میرے برخلاف اور میری ہلاکت کیلئے کر سکتے ہو کر لو مگر تم میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور نہ اس سلسلہ کو نیست و نابود کر سکتے ہو حضرت نوحؑ کے وہ الفاظ جنمیں وہ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہیں قرآن شریف میں ان کا خطاب قریش ہی کی طرف تھا یٰقوم ان کان کبر علیکم مقامی وتذکیری بآیٰت اللہ فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الی ولا تنظرون (یونس - ۱۷) اے میری قوم اگر میرا رہنا اور خدا کی آیتوں کیساتھ نصیحت کرنا تم پر گراں گذرتا ہے تو مجھے اسکی کیا پرواہ ہے میرا توکل تو اللہ پر ہی ہے پس تم اور تمہاری شریک سب اکٹھے ہو کر ایک بات ٹھہرا لو پھر تمہاری وہ تدبیر تم پر تاریک نہ ہو بلکہ پورا زور اس میں صرف کرو پھر جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ کر گذرو۔ اور مجھے ایکدم کی بھی مہلت نہ دو ایسا ہی سورۃ اعراف کے اخیر پر فرمایا قل ادعوا شرکاءکم ثم کیدون فلا تنظرون۔ یعنی اپنے شرکاء کو بلا لو پھر تم ملکر تدبیریں کر لو اور مجھے کوئی بھی مہلت نہ دو پھر انکو سمجھایا گیا کہ کس طرح پہلے مخالفین انبیاء نے طرح طرح کی تدبیریں اپنے زمانہ کے نبیوں کو ہلاک کرنیکے لئے کیں مگر ان کی تدبیریں الٹی انہیں پر پڑیں قد مکر الذین من قبلھم فاتی اللہ بنیانھم من القواعد فخر علیھم السقف من فوقھم واتٰھم العذاب من حیث لا یشعرون (النحل) ان سے پہلے بھی بدبخت لوگوں نے انبیاء کی ہلاکت کی تدبیریں کیں جو خدا نے انکے منصوبوں کی عمارت کی بنیاد کو جڑھ سے اکھیڑ ڈالا اور انہی پر چھت گر پڑی اور عذاب نے انکو اس راہ سے آ پکڑا جدھر سے انکو خبر بھی نہ تھی یعنی وہی منصوبے جنپر انکا سارا دارومدار تھا انہی کی اپنی ہلاکت کا باعث ہو گئے ایسا ہی دوسرے مقامات پر اسی قسم کی آیات بکثرت پائی جاتی ہیں وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال (ابراہیم) اور انھم یکیدون کیدا واکید کیدا فمھل الکفرین امھلھم رویدا۔ اب یہ

تمام آیات جو مکہ میں نازل ہوئیں جسوقت نازل ہوتیں تھیں اسی وقت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مشتہر ہو جاتی تھیں پس کفار دن رات اپنی سازشوں اور تدبیروں میں لگے رہتے تھے یہ تمام منصوبے اسوقت اپنے انتہائی نقطہ پہنچے جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنی پڑی اور اسی لئے ان سب منصوبوں کے خاک میں ملنے کی پیشگوئی اپنے پورے کمال کیا تھ اسی وقت پوری ہوئی یہی وہ وقت تھا جب شہر کے تمام بڑے بڑے لوگوں نے جمع ہوکر آخری منصوبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کا کیا اور پورا زور لگایا کہ اس دفعہ آنحضرتؐ انکے ہاتھوں سے بچکر نہ نکل جائیں مگر اس آخری موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب معجزہ سے اپنے نبی کو بچا کر نکال لیا اور انکے منصوبے اور کوششیں سب مٹی میں مل گئیں۔

ایک طالب حق کو چاہیے کہ وہ اس مقام پر غور کرے کہ یہ پیشگوئیاں کیسے وقت میں کی گئیں اور پھر کس طرح ان کو پورا کرکے اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ دنیا کو دکھایا اس سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر وہ عظیم الشان دلیل ملتی ہے جسکو کوئی حملہ توڑ نہیں سکتا آیندہ کے ایسے مخفی راز جو واقعات موجودہ کے بالکل خلاف تھے کون انکو جان سکتا تھا سوائے ایک عالم الغیب ہستی کے اور ایک اکیلے اور بیکس انسان کے خلاف تمام قوم کے منصوبوں کو کون خاک میں ملا سکتا تھا سوائے ایک مقتدر اور طاقتور ہستی کے جو تمام انسانی طاقتوں سے بڑھکر ہو مکہ میں جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا نشانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بن رہے تھے اور جسقدر آپ کو ہلاک کرنے کی کوششیں کیجارہی تھیں انکو دیکھکر کوئی شخص دور اندیشی سے کام لیکر ایسی پیشگوئیاں ہرگز منہ سے نہ نکال سکتا تھا مگر جسقدر بظاہر ناکامیابیاں بڑھتی جاتی تھیں اسی قدر زیادہ زور سے قرآن شریف بار بار ان پیشگوئیوں کا اظہار فرماتا تھا کہ کافروں کا کوئی منصوبہ کام نہیں آئیگا اور انکو یہ چیلنج کرتا تھا کہ جس قدر انکی طاقت ہے وہ نبی کریم کے ہلاک کرنے کے لئے اپنا زور لگالیں مگر آنحضرت ضرور ضرور غالب ہوکر رہینگے اب کوئی شخص انصاف سے بتادے کہ کسکا علم ان غیب کی باتوں کو اتنے سال پہلے بتاسکتا تھا اور کس کی طاقت تمام ملک اور قوم کی متفقہ کوششوں اور منصوبوں کو خاک میں ملا سکتی تھی میں تمام منکران نبوت محمدیہ کو دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ آنحضرتؐ کو نعوذ باللہ مفتری کہتے ہیں مگر وہ کسی سچے نبی کی زندگی میں بھی ان پیشگوئیوں کی نظیر پیش نہیں کرسکتے مگر ایسا وہ کیوں کرتے ہیں اسلئے کہ مذہب کو انہوں نے ایک رسم بنا رکھا ہے اور اسسے انکو کچھ غرض نہیں کہ انکے مذہب انکو خدا کی ہستی کا کونسا نشان دیتے ہیں۔

ہجرت کے متعلق ایک اس سے بھی زیادہ ضروری پہلو ابھی باقی ہے ہجرت کی پیشگوئیاں کثرت کی سورتوں میں پائی جاتی ہیں جو نہ صرف یہی ظاہر کرتی ہیں کہ کسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنی پڑے گی بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتاتی ہیں آپ پھر کامیابی اور فتح کیساتھ اسی شہر میں واپس آئینگے پادری سیل شہ کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی جہالت کی وجہ سے یہ لکھتا ہے کہ اسوقت یعنی طائف سے واپس آنیکے بعد نقل مکانی کا خیال آپکے دل میں پیدا ہونا شروع ہوگیا تھا اور اسی

کی ایک سورۃ میں ہم الفاظ ذیل پاتے ہیں یعنی مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے ہمنے تمکو کوئی محافظ مقرر نہیں کیا پس جس ہجرت کا آپنے ارادہ کیا تھا اسکی منظوری وحی الٰہی سے حاصل کرکے آپنے مدینہ کے لوگوں کیساتھ تعلقات کرنے شروع کئے۔" اور پھر آگے چلکر لکھتا ہے "مگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کو بغیر ایک وعید اور ایک سرزنش کے نہیں چھوڑا۔ چونکہ آپ کو اپنی رسالت کی انجام کار کامیابی اور مکہ والوں پر آیندہ زمانہ میں کسی فتح کا پورا یقین تھا اسلئے آپنے ایک الہام پیش کردیا کہ مسلمان ہی زمین کے وارث ہونگے اور ظالم لوگ ہلاک کئے جاوینگے" اب میں پادری سیل سے پوچھتا ہوں کہ یہ پیشگوئی تو ہی اور سچی بھی نکلی پس اسکا منبع اسکے نزدیک کیا تھا۔ اور یہ یقین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخرکار غالب ہوجاوینگے اور مکہ والوں پر ان کو فتح ہوگی اور مسلمان ہی وارث مکہ کے ہونگے کس ذریعہ سے آپکے دل میں آیا؟ کیونکہ ظاہر حالات نبیؐ کریم کے تو ہرگز اس کے موید نہ تھے کیا کوئی شخص انسانی دور اندیشی سے اس نتیجہ تک پہنچ سکتا تھا کہ ایک شخص جس کی ہلاکت کے لئے ایک قوم منصوبے کر رہی ہے اور جسکو اپنی جان بچانیکے لئے رات کے وقت اپنے مکان سے تنہا بھاگنا پڑا ہے اور جسکے ساتھ کوئی جمعیت بھی نہیں ایسا شخص ایک طاقتور جنگجو قوم کو مغلوب کر لیگا؟ میں نہیں سمجھتا کہ پادری سیل اپنے تعصب اور اس دشمنی کے باوجود جو اسے اسلام سے ہے یہ جواب دینے کی جرأت کرسکے کہ ہاں یہ امر انسانی دور اندیشی کی حیطۂ قدرت کے اندر تھا اب یہ دو واقعات تاریخی شہادت سے قطعی طور پر ثابت ہیں کہ قرآن کریم نے یہ پیشگوئیاں کیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مکہ سے ہجرت کرنی پڑے گی پھر ایک وقت آیگا کہ آپ غالب اور فتحمند ہوکر اس شہر میں داخل ہونگے اور ایسے وقت میں ان پیشگوئیوں کو شہرت دی گئی جب ظاہر حالات سے آنحضرت کا غلبہ قریباً ناممکن معلوم ہوتا تھا اور پھر دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ہم ان پیشگوئیوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی پورا ہونا بھی دیکھتے ہیں پس جس صورت میں یہ دو واقعات ثابت شدہ ہیں اور سیل صاحب کو بھی ایک حد تک اقرار کرنا پڑا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا کس درجہ پر انکار کیا جاسکتا ہے اور اگر پادری صاحبان کا یہ خیال ہے کہ ان پیشگوئیوں کے منجانب اللہ ہونے میں فلاں نقص ہے تو انکا فرض ہے کہ وہ اس نقص کو پیش کریں اور دکھائیں کہ کیوں یہ پیشگوئیاں قطعی ثبوت کا حکم نہیں رکھتیں مگر ساتھ ہی انکو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا نقص دکھانے میں انکو سنت انبیاء کو مدنظر رکھنا چاہیے یعنی یہ دکھانا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں انکے منجانب اللہ ہونے کی دلیل اسوقت ہوسکتی ہیں کہ فلاں فلاں اجزاء انمیں پائے جاتے ہوں اور یہ اجزاء ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں نہیں پائے جاتے اور بہتر ہو کہ یسوع مسیح کی پیشگوئیاں اس موقع پر پیش کی جاویں جنکے پورا ہونیکو عیسائی صاحبان مانتے ہوں اور اگر پادری صاحبان کی نظر انجیل پر ایسی ہی ناقص ہو جیسی قرآن شریف پر تو میں انکو بتا دیتا ہوں کہ یہ چند پیشگوئیاں انجیل میں ملتی ہیں کہ بارہ حواری جن میں یہودا اسکریوطی شامل ہے بارہ تختوں پر بیٹھینگے اور داؤد کا تخت قایم کیا جاویگا جسکے پورا کرنیکے لئے یہ حکم صادر ہوا تھا کہ کپڑے بیچکر تلواریں خریدلو اور کہ ابھی وہ نسل موجود ہی ہوگی کہ آپ واپس تشریف لے آوینگے اور جن میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے وہ اگر پہاڑ کو کہینگے کہ اپنی جگہ

سے ٹل جاتو وہ ٹل جائیگا مثال کے طور پر یہ کافی ہیں۔

بیس صاحب باوجود پیشگوئی کا اقرار کرنیکے اسکی قدر کو یہ کہکر کم کرنا چاہتے ہیں کہ جب مدینہ کے چند آدمیوں نے بیعت کی تو اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا خیال آیا اگرچہ یہ جھوٹ ہے جیسا کہ میں ابھی دکھاتا ہوں مگر پیشگوئی کی وقعت صرف ہجرت کرنے میں نہیں ہے اگرچہ ایسے دشمنوں کے ہاتھ سے بچکر نکل جانا بھی اعجاز تھا مگر بڑا اعجاز جس کی نظیر ہم اور جگہ نہیں پاتے غلبہ اور فتح کیساتھ واپس آنیکی پیشگوئی ہے کیا مدینہ کے چھ آدمیوں کے بیعت کرنیسے یہ خیال دلمیں پیدا ہو سکتا تھا کہ اب قریش جیسی جنگجو قوم کو فتح کر لینگے یہ محض حماقت کا خیال ہے اب میں نیچے وہ آیات نقل کرتا ہوں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت کی پیشگوئی اور پھر فتح اور غلبہ کے ساتھ مکہ واپس آنیکی پیشگوئی ابتدائے زمانہ نبوت کی وحی سے لیکر اخیر تک کی وحی میں پائی جاتی ہے اور اسی زمانہ میں پیشگوئی بہت شہرت پا چکی تھی۔

سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحیٰ الیھم ربھم لنھلکن الظٰلمین ۝ ولنسکننکم الارض من بعدھم ذٰلک لمن خاف مقامی وخاف وعید ۝ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید ۝ منکروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمکو اپنے ملک سے ضرور باہر نکال دینگے یا تم پھر ہماری مذہب میں آجاؤ گے اسپر پروردگار نے پیغمبروں کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالم لوگوں کو ضرور ہلاک کرینگے اور انکے بعد تمکو اس سرزمین میں (جس سے وہ تمہیں نکالتے ہیں) ضرور ہی آباد کریں گے یہ اس شخص کے لئے ہے جو ہمارے حضور میں کھڑے ہونیسے ڈرے اور ہمارے وعید کا خوف کرے پھر انہوں نے فتح طلب کی اور ہر ایک سرکش ضدی ہلاک ہوگیا ان آیات میں گویا اللہ تعالیٰ اپنی سنت کو بیان فرماتا ہے جو تمام انبیاء کے ساتھ رہی ہے کہ اول اول کافر لوگ ان کو زمین سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں یا نکال دیتے ہیں پھر خدا تعالیٰ ظالموں کو ہلاک کرکے اپنے پیغمبر اور اسکے متبعین کو اس زمین کا وارث بنادیتا ہے اب دیکھو ان الفاظ میں جو ہجرت سے بہت مدت پہلے کے ہیں کیسی کھلی کھلی پیشگوئی مکہ سے نکالے جانیکی اور پھر کفار کی ہلاکت کے بعد غلبہ اور فتح سے واپس آنیکی موجود ہے یہ ایسی کھلی پیشگوئی ہے کہ ایسی صریح پیشگوئی کی نظیر دوسرے انبیاء میں ہمیں نہیں ملتی ایسا ہی سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات پر غور کرو جو اس آیت سے شروع ہوتی ہیں وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منھا واذا لا یلبثون خلفک الا قلیلا یعنی قریب ہے کہ یہ لوگ تمہیں مکہ سے نکال دیں لیکن جب ایسا کریں گے تو اسوقت تمہارے پیچھے یہ بھی چند دن ہی رہینگے یہی سنت ان رسولوں کے بارہ میں رہی ہے جو ہمنے تمسے پہلے بھیجے ہیں اور خدا کی سنت بدلتی نہیں اور تو دعا مانگتا رہ کہ اے میرے رب جب تو مجھے (پھر مکہ میں) داخل کرے تو صدق یعنی قوت اور غلبہ کے ساتھ داخل کیجیو اور جب یہاں سے نکالے تو صدق یعنی سلامتی کے ساتھ نکالیو اور اپنے ہاں سے مجھکو دشمنوں پر فتحیابی کیساتھ غلبہ دیجیو اور انکو کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوگیا کیونکہ باطل نیست و نابود ہونیوالا ہی تھا پھر اسی سورہ میں آگے چلکر موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے وقت فرمایا فاراد ان

من الارض فاغرقنٰہ ومن معہ جمیعا ۝ وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض - یعنی فرعون نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت موسیٰ اور اسکے ساتھیوں کو اس زمین سے نکالدیوے تو ہمنے فرعون اور اسکے ساتھیوں کو غرق کر دیا اور اسکے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ تم زمین میں آباد ہو جاؤ - یہ یاد رکھنا چاہئے کہ چونکہ قرآن شریف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے اور اسی مماثلت کی وجہ سے ہی حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو بار بار بیان فرمایا ہے اسلئے جو کچھ فرعون نے حضرت موسیٰ سے سلوک کیا اور جو اسکا انجام ہوا وہ بطور پیشگوئی ہے کہ ایسا سلوک کفار آنحضرتؐ سے کرینگے اور وہی انکا انجام ہوگا گویا یہ قصے بطور پیشگوئی بیان کئے گئے ہیں -

سورہ القصص کے اخیر میں ہجرت اور اسکے بعد فتح اور غلبہ کیساتھ واپسی کی پیشگوئی کو نہایت ہی مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد - وہ خدا جس نے قرآن کریم کو تمپر فرض کیا ہے وہ یقیناً یقیناً تمکو تمہاری پہلی جگہ کی طرف پھیر لائیگا لفظ معاد کی تفسیر صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے لرادک الی معاد قال الی مکۃ یعنی معاد سے مراد اس جگہ مکہ ہے کیونکہ معاد کے معنے ہیں اصلی یا پہلی جگہ اور آنحضرتؐ کی پہلی جگہ مکہ تھی اب یہ سورۃ اور آیت مکہ میں ہی نازل ہوئی تو اسمیں یہ پیشگوئی کی گئی کہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے لیجا کر پھر مکہ میں واپس لائیگا کیونکہ لفظ رد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی اور جگہ جا کر پھر واپس آئے پس اس ایک ہی لفظ میں ہجرت اور ہجرت کے بعد واپسی کی پیشگوئی ہے پھر سورۃ السبا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم - تو کہہ ہمارا پروردگار پھر ہمکو اکٹھے کریگا اور ہم میں انصاف کیساتھ فیصلہ کریگا اور وہ ٹھیک فیصلہ کرنیوالا اور سب کے حال سے واقف ہے یہاں بھی دوبارہ جمع کرنیکی پیشگوئی چاہتی ہے کہ پہلے ہجرت کرنی پڑی اور اسکے بعد فرمایا - ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین ۝ قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنہ ساعۃ ولا تستقدمون یعنی جب انکو یہ کہا گیا کہ وہ دن آنیوالا ہے جب خدا مسلمانوں اور کافروں کو پھر جمع کرکے مسلمانوں کو فتح دیگا تو انہوں نے سوال کیا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا جسکا جواب یہ دیا گیا کہ تو کہدے ایک دن کی میعاد تمہیں دیجاتی ہے جس سے نہ تم ایک گھڑی بھی آگے بڑھ سکتے ہو اور نہ پیچھے رہ سکتے ہو پیشگوئی میں ایک دن سے مراد ایک سال ہوتا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے ایک سال بعد کفار اور مسلمانوں کا مقابلہ میدان بدر میں ہوا جہاں مسلمانوں نے کفار کو سخت شکست دی یہ تمام پیشگوئیاں صراحت ہجرت اور ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور مکہ میں واپس آنیکو بتا رہی ہیں -

ایسا ہی ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں بھی ہجرت اور فتح کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں چنانچہ الصٰفٰت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۝ انھم لھم المنصورون ۝ وان جندنا لھم الغٰلبون ۝ فتول عنھم حتی حین ۝ وابصرھم فسوف یبصرون ۝ اور ہمارے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں ہمارا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے کہ بیشک انہی کو مدد دیجائیگی اور ہمارا لشکر بیشک وہی غالب ہوگا تو اسے پیغمبر تم چند روز ان سے اعراض کرو یعنی الگ ہوجاؤ اور دیکھتے رہو کہ کیا ہوتا ہے یہ بھی دیکھ لینگے

ایسا ہی سورۃ الزخرف میں فاصفح عنہم وقل سلام سے علیحدگی پائی جاتی ہے اور سورہ سجدہ میں فاعرض عنہم وانتظر انہم منتظرون میں یہی اشارہ ہے۔

اور بھی بہت سے حوالے دئے جا سکتے ہیں مگر مضمون کے لمبا ہونیکے اندیشہ سے میں اسی پر کفایت کرنا ہوں ایک بات اور اسجگہ کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جیسا اوپر ذکر ہوا قرآن شریف میں جسقدر قصص بیان ہوئے ہیں وہ بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور پیشگوئیوں کے ہیں انہیں سے حضرت موسیٰؑ کے قصہ کا اوپر ذکر ہوا اسجگہ دو اور کا میں ذکر کرونگا جن میں ہجرت کی اور بعدہٗ غلبہ کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ اول حضرت یوسفؑ کا قصہ ہے جسکے ابتدا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد کان فی یوسف واخوتہٖ اٰیٰت للسائلین۔ یعنی یوسف اور انکے بھائیوں میں ان لوگوں کے لئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کرنے میں نشانیاں ہیں وہ نشانیاں کیا تھیں یہی کہ یہ قصہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے متعلق عجیب در عجیب پیشگوئیاں اپنے اندر رکھتا ہے حضرت یوسف ایک رؤیا دیکھتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایکدن انکے سامنے انکے بھائی فرمانبرداروں کی طرح حاضر ہونگے اور وہ انپر غالب ہونگے اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کے ذریعہ سے خبر دیجاتی ہے کہ وہ آخر کار کفار قریش پر غالب آوینگے حضرت یوسفؑ کے بھائی انکے قتل کا ارادہ کرتے ہیں اور آخر ایک کنوئیں میں انکو پھینک دیتے ہیں یہ پیشگوئی تھی کہ اسی طرح قریش بھی متفق ہو کر آپکے قتل کا ارادہ کرینگے مگر ناکام ہونگے اور جیسا حضرت یوسفؑ کنوئیں میں ڈالے گئے آنحضرتؐ کو غار میں پناہ لینی پڑی پھر جیسے حضرت یوسفؑ کو ایک دوسرے ملک میں جاکر عزت و کامیابی حاصل ہوئی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات اور غلبہ بھی مدینہ جاکر شروع ہوئی اور اس بات کے ثبوت کیلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز و انجام کی یہ پیشگوئی ہے جیسا کہ ابتدا میں فرمایا تھا لقد کان فی یوسف واخوتہٖ اٰیٰت للسائلین اخیر میں انہیں الفاظ میں حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف فرمایا تھا انہیں الفاظ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کا قصور اسوقت معاف فرمایا جب وہ یوسف کے بھائیوں کی طرح اپنی خطاؤں کے اقراری ہو کر فتح مکہ کے بعد طالب معافی ہوئے آپ نے فرمایا لا تثریب علیکم الیومؕ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ دوسرا قصہ جسکی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے وہ اصحاب کہف کا قصہ ہے جو وہاں بھی چند صالح آدمیوں کو ایک بت پرست کے ظلم سے ایک غار میں پناہ لینی پڑی تھی انکے قصہ کو بیان فرما کر اللہ تعالیٰ ہمارے نبی کریمؐ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے قل عسیٰ ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا یعنی کہدو کہ مجھکو بھی ایسے واقعات پیش آوینگے مگر میں امید کرتا ہوں کہ میرا پروردگار اس سے قریب تر راہ کامیابی کی مجھے دکھادیگا پس ان دونوں قصوں میں عظیم الشان پیشگوئیاں ہجرت کی اور ہجرت کے بعد فتح اور غلبہ کی پائی جاتی ہیں۔

قرآن کریم کے اسقدر حوالے اس بات کو بڑی صفائی سے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی مکی سورتوں میں خواہ وہ ابتدائی زمانہ کی تھیں یا مکی زندگی کے آخری حصہ کی بار بار اور کثرت سے پیشگوئیاں ہجرت کی اور ہجرت کے بعد

فتح اور غلبہ سے پھر کہیں داخل ہونیکی پائی جاتی ہیں میں حیران ہوتا ہوں کہ جب ہماری مخالفین جلدوں کی جلدیں اعتراضوں کی لکھ مارتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اس کامل اور یگانہ ثبوت کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے اور اسکو یونہی ٹال جاتے ہیں گویا یہ پیشگوئیاں قرآن شریف میں موجود ہی نہیں کسقدر تعجب ہے کہ پادری سیل نے بہت سے اوراق اعتراضوں کے سیاہ کر دئے لیکن ان پیشگوئیوں پر بحث کرنیکے لئے ایک صفحہ بھی نہ لکھ سکا حالانکہ یہی وہ ضروری امور ہیں جنسے کوئی صحیح نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے اگر انکے نزدیک ان پیشگوئیوں کی کوئی اور تشریح ہو سکتی تھی تو انہوں نے کیوں نہ کی بلکہ اس ضروری سوال کو ٹال دینے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ انکے پاس اسکا کوئی جواب نہیں تھا پادری سیل کے ان تمام بڑے بڑے اعتراضات کا جواب مفصل دیدیا ہے جو اسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ زندگی پر کئے ہیں یہ جواب کیسا تھا اس فیصلہ کو میں ناظرین پر ہی چھوڑونگا تھا یہ دکھایا ہے کہ پادری صاحب نے اکثر غلط بیانیوں سے کام لیکر اپنے اعتراضات کی فہرست کو بڑھایا ہے اب اسقدر لکھ چکنے کے بعد میرا حق ہے کہ میں پادری صاحب سے یہ مطالبہ کروں کہ وہ ان عجیب پیشگوئیوں پر کچھ لکھیں تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ انکے اعتراض کسی حق طلبی کی بنا پر ہیں۔ یا محض اندھے تعصب کی وجہ سے اگر انکا مقصد مذہب کے ساتھ ہنسی کرنا ہے تو میں انکو خطاب بھی نہیں کرتا لیکن اگر جیساکہ وہ ظاہر کرتے ہیں وہ سنجیدگی سے دوسرے مذاہب پر بحث کرنا چاہتے ہیں تو انکا یہ فرض ہے کہ یا ان پیشگوئیوں کو آنحضرت کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل قاطع سمجھیں اور یا انکی کوئی معقول تشریح کر کے دکھلائیں بلکہ چونکہ وہ اسلام کی مخالفت میں لکھ چکے ہیں اسلئے بحیثیت ایک معترض ہونیکے انکا یہ فرض ہے کہ وہ اس پہلو پر بھی بحث کریں جسکو میں اب پیش کرتا ہوں اگر وہ اس سوال کو خاموشی سے نہ ٹالدیں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ انکو اسمیں سوائے اسکے کوئی راہ نہ ملے گی کہ ان پیشگوئیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یقینی اور قطعی شہادت تسلیم کرنا پڑیگا۔

اگر ان پیشگوئیوں کو خدائے عالم الغیب کی طرف سے نہ مانا جاوے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ یا دیوانہ کی بڑ تھیں یا یونہی اٹکل پچو چند باتیں کہی گئی تھیں اور یا انسانی دور اندیشی کا نتیجہ تھیں مگر مجنون کی باتوں کا کبھی یہ اثر نہیں ہوتا کہ انسے سننے والوں کے دلوں میں ایک یقین کامل پیدا ہو جاوے حالانکہ ان پیشگوئیوں کی صداقت کا یقین ہزارہا انسانوں کے دلوں میں قبل اسکے کہ وہ انکو پورا ہوتے دیکھیں ایسا گھر کر گیا تھا کہ نہ صرف انہوں نے انکی خاطر اپنی جائدادوں اور مالوں اور گھروں کو ہی چھوڑا اور طرح طرح کی تکالیف کا برداشت کرنا قبول کیا بلکہ جانوں کا قربان کرنا بھی کچھ مشکل نہ سمجھا اور پھر یہ یقین کیسا صحیح ثابت ہوا کسی نبی کی ایک بھی ایسی پیشگوئی نہیں ملتی جو اس صراحت سے شایع کی گئی ہو اور اس صفائی سے پوری ہوئی ہو اگر کفار عرب نے اول اول آنحضرت کو مجنون کہا تو اسکی وجہ انہی پیشگوئیوں کی اشاعت تھی کیونکہ وہ خدا کی طاقتوں کو نہ سمجھتے تھے اور انہوں نے اس امر کو محض ناممکن خیال کیا کہ یہ پیشگوئیاں کبھی پوری ہو سکتی ہیں اور انکو جو جواب دیا گیا وہ یہ تھا ما انت بنعمت ربك بمجنون وان لك لاجرا غیر ممنون یعنی تو مجنون کس طرح ہو سکتا ہے مجنون کے اقوال افعال تو لغو ہوتے ہیں اور ان کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا مگر تیرے لئے ایسا اجر ہے جو قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور

پھر اہل مکہ کو ان اصحاب الجنۃ سے مشابہ کیا گیا ہے جنکا باغ تباہ کر دیا گیا چنانچہ اس پیشگوئی کے بہت برس بعد اہل مکہ نے صاف اپنی غلطیوں کا اقرار کیا اور کہا سبحٰن ربنا انا کنا ظٰلمین۔ یٰویلنا انا کنا طٰغین۔ یہ اقرار اپنے گناہوں اور غلطیوں کا اس لئے کیا کہ اب کوئی عذر انکا باقی نہ رہ گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی زبردست طاقت کو وہ اپنی آنکھوں سے آنحضرتؐ کی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھ چکے تھے اور جو باتیں انکو ابتداء میں کہی گئی تھیں وہ تمام کی تمام سچی ثابت ہو چکی تھیں۔

اب دوسرے سوال پر غور کرو کہ اگر یہ باتیں مجنون کی نہ تھیں تو پھر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس سے ایسا کہدیا تھا یا آیا ان باتوں کا بنادینا انسانی دور اندیشی کی حد کے اندر تھا یہ خیال بھی بالکل بیہودہ ہے اول تو جو شخص قیاس سے یا دور اندیشی سے کہتا ہے وہ اپنے مخالفین کو اسقدر دعوے سے اپنی ہی ہلاکت کے منصوبے کرنے اور پھر ان پر عمل کرنیکے لئے چیلنج نہیں کر سکتا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا قرآن شریف کفار کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ تم اپنی کل تدبیروں اور ناپاک منصوبوں کو میرے خلاف جمع کرو اور اپنے مددگاروں کو مدد کے لئے بلالو پھر ان منصوبوں پر پورے زور سے عمل کرو اور مجھے کوئی مہلت بھی نہ دو اب غور کرو کہ جو شخص محض قیاس سے یہ بات کہتا ہے کہ شاید کسی زمانہ میں میں ہی غالب آ جاؤں درآنحالیکہ اسکے پاس وجہ ایسا کہنے کی کوئی بھی نہیں وہ ان الفاظ میں اپنے مخالفین کو مخاطب کر سکتا ہے؟ جس چیز کی بنا قیاس اور شک پر ہوگی وہ خود شک کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہوگی لیکن یہ یقین تام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں پایا جاتا ہے یہ تو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کا ذریعہ علم یقینی تھا اور ایسا یقینی کہ بڑی سے بڑی ناکامیوں اور مشکلات کے وقت بھی شک کا وہم تک بھی اس یقین کے پاس پھٹکنے نہ جاتا تھا غور کرو کہ ایک طرف تو مکہ میں دن بدن مسلمانوں پر سختیاں اور ظلم بڑھتے جاتے ہیں اور اس غریب جماعت کو طرح طرح سے ہلاک کیا جاتا ہے اور کوئی دنیا کی آنکھوں سے دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ پودہ کبھی سرسبز ہوگا اور دوسری طرف ساتھ ہی ساتھ پیشگوئیوں میں یقین اور زور بڑھتا جاتا ہے کہ ضرور ضرور آنحضرتؐ غالب ہونگے اور کفار مغلوب اور ہلاک ہونگے اور ان کا کوئی منصوبا کارگر نہ ہوگا جو الفاظ اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے یقین کو کسی زبان میں ظاہر کر سکتے ہیں وہی الفاظ اس یقین کو ظاہر کرنیکے لئے استعمال کئے گئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کامیابی پر ہے اب اس یقین کے وجوہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی نہ تھے جس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی وحی منجانب اللہ تھی اور ان پیشگوئیوں کا منبع خدا کا ہی علم غیب تھا نہ کوئی قیاس اور دور اندیشی۔

اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محض یہ قیاس ہوتا تو ایک شکی بات سے دوسروں کے دلوں میں یقین تام کیونکر پیدا ہو سکتا تھا جو قربانیاں صحابہ نے کیں اور جو جو تکالیف سہیں اور پھر ان تکالیف کے بیچ جو ایمانی قوت انہوں نے دکھلائی اور استقامت اور صبر کا نمونہ دکھایا وہ صاف طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ قیاس یا شکی باتوں سے ایسا یقین تام پیدا نہ ہو سکتا تھا یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صرف یہ نہ تھی کہ وہ اصول آخرکار غالب ہونگے جنکی طرف

آپ بلاتے ہیں بلکہ پیشگوئی یہ تھی کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل و ابولہب وغیرہ کفار پر غالب ہونگے اور یہ کفار آپکی آنکھوں کے سامنے ہلاک اور مغلوب ہونگے کسی اصول کے غالب آنیکی پیشگوئی اور بات ہے اور خود ایک انسان کے غالب آنیکی پیشگوئی الگ بات ہے یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور مخالفین کی ہلاکت کی پیشگوئی ہے ان دونوں باتوں میں امتیاز کرنا نہایت ضروری ہے ایک انسان کا اسقدر منصوبوں اور مخالف کوششوں میں بچ رہنا پھر مخالفین کی قوت کا نیست و نابود کئے جانا اور اس انسان کی قبولیت کا زمین پر پھیلایا جانا کہ تا لوگ اسکے ساتھ ملجائیں اور یہ سب نظارہ اسکی زندگی میں اسکی آنکھوں کے سامنے واقع ہونا یہ باتیں صاف دلالت کرتی ہیں کہ ایسی پیشگوئی محض اس مقتدر ہستی کی طرف سے ہے جس کے ہاتھ میں یہ تمام دنیا کا کارخانہ ہے اور جسکے تصرف سے ہی سب کام ہوتے ہیں اور جسکے اذن کے بغیر کوئی انسان ہاتھ نہیں ہلا سکتا یہی پیشگوئیاں ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا کامل ثبوت دیتی اور زندہ یقین پیدا کرتی ہیں اور انکے بالمقابل تمام معجزات جو کسی نبی کی طرف منسوب کئے گئے ہوں ایسی قطعی اور یقینی شہادت پیدا نہیں کر سکتے۔

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں سے جو ثبوت ملتا ہے وہ یگانہ ہے کیونکہ جسقدر نمونہ متذکرہ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت ہے وہ امر پیش کرتا ہوں جنکی مثال ہم دوسری کسی جگہ نہیں پاتے اول یہ کہ ان پیشگوئیوں کا دشمنوں اور دوستوں میں سالہا سال وقوع سے پہلے شایع ہونا اور پھر اپنے وقت پر صفائی سے پورا ہونا دونوں باتیں تاریخی طور پر ایسے ثابت شدہ امور ہیں کہ ان میں ذرا بھی شک کی گنجایش نہیں اگر پیشگوئی صرف ایک دو دفعہ ہی قرآن کریم میں بیان ہوئی تو کسی معاند کو یہ کہنے کی گنجایش ہوتی کہ شاید ایسی آیت مکہ میں نازل نہ ہوئی ہو بلکہ مدینہ میں نازل ہوئی ہو اور پھر مکی سورت کے ساتھ لگادی گئی ہو مگر خدا تعالیٰ نے اسقدر بار بار دوسیکر اس پیشگوئی کو بیان کیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورۃ اس سے خالی ہو اور اسلئے کسی مخالف کو اس پیشگوئی کے قبل از وقوع شایع ہونیمیں انکار نہیں ہوسکتا حالانکہ دوسرے کسی نبی کی پیشگوئی کے قبل از وقت شایع ہونیکا ثبوت تاریخی ہمارے پاس کوئی نہیں دوسرا امتیازی نشان ان پیشگوئیوں کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ میں اس سلسلہ کو منقطع نہیں کیا پس جو شخص گذشتہ سے انکار کرے وہ اب بھی دیکھ سکتا ہے اور یہ ایسا امتیازی نشان اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ہے۔ کہ دوسرا کوئی مذہب مقابلہ کرنا تو ایک طرف رہا ایسا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا اصل بات یہ ہے کہ گذشتہ کہانیاں کسی کام کی نہیں جبتک کہ انکے ساتھ کوئی زندہ نمونہ موجود نہ ہو بلکہ یہ امر خود شک میں ڈالنے والا ہے کہ اگر کوئی مذہب اسی صداقت پر قائم ہے جس پر اول قائم تھا تو کیا وجہ ہے کہ ان خوارق کا دروازہ بند کر دیا گیا جو اول اسکے لئے بطور صداقت کے نشان کے دئے گئے تھے اور کیا وجہ ہے کہ وہ انعام جو اولین کو ملا تھا وہ بعد میں آنیوالوں سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا اور انکو نور نہیں دیا گیا بلکہ تاریکی میں ہی حیران سرگردان پھرنیکے لئے چھوڑ دیا گیا پس اسلام کی یہ دو فضیلتیں اسی سے مخصوص ہیں اور کسی دوسرے مذہب میں ان کا وجود نہیں پایا جاتا اول یہ کہ تاریخی طور پر اسکی پیشگوئیاں اور خوارق ثابت ہیں اور دوم یہ کہ سلسلہ پیشگوئیوں اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا اسلام میں ہمیشہ

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی

خدا کی باتوں کو پورا ہوتا دیکھکر مومن کی روح کو عجیب سرور حاصل ہوتا ہے ۴- اپریل ۱۹۰۵ء کے دہشتناک زلزلہ کے دن بعد ہی حضرت مسیح موعود کو یہ الہام ہوا کہ ابھی زلزلے بھی آئیں گے اور انکی تباہی ایسی ہوگی کہ وہ گویا قیامت کا نمونہ ہونگے چنانچہ یہ پیشگوئیاں اسی رسالہ کے متواتر پرچوں میں بھی گذشتہ سال میں شایع ہو چکی ہیں اور اس امر کے لئے کہ ایک ہی زلزلہ نہیں بلکہ کئی زلزلے آئینگی پیشگوئیاں تھیں ناظرین اشتہار النداء من وحی السماء کو دیکھیں جو گذشتہ جلد رسالہ ہذا میں بھی درج ہے چنانچہ اس جلد کے صفحہ ۲۴۲ سطر ۸ میں یہ درج ہے کہ ایک زلزلہ نہیں بلکہ کئی زلزلے آئیں گے اور ایک یہ بھی الہام الٰہی تھا جو وہ بھی بار بار اور کثرت سے شایع ہو چکا ہے کہ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ جس کا صاف منشا یہ تھا کہ ان زلازل کی ابتدا موسم بہار سے ہی شروع ہوگی اب اگرچہ چھوٹے چھوٹے دھکے زلزلوں کے ۴- اپریل کی زلزلہ کے بعد آتے رہے مگر یہ جیسا کہ ماہرین علم الارض نے بیان کیا تھا سب ۴- اپریل والے زلزلہ کے بقایا تھے چنانچہ انکا خیال لوگوں نے بہت کم کیا مگر جو زلزلہ ۲۸- فروری ۱۹۰۶ء کو آیا وہ اپنے رنگ میں بالکل نیا اور نرالا تھا اس نے وہی دہشت دلوں میں پیدا کر دی جو ۴- اپریل والے زلزلہ نے کی تھی مگر یہ بھی ابتدا ہے ایسے زلزلہ کے آنے سے ماہرین علم الارض نے انکار کیا تھا بلکہ پروفیسر اموری صاحب نے جو جاپان سے آئے تھے یہ یقین دلایا تھا کہ دو سو سال تک اب سخت زلزلہ نہیں آئیگا اب غور کرنیوالے غور کریں کہ خدا کے کلام کی صداقت اس سے کیسی چمکتی ہے کون انسان ۲۸- فروری سے پہلے کہہ سکتا تھا کہ پھر ایسا سخت زلزلہ آئیگا جو مکانوں اور دلوں کو ہلا دیگا پر خدا کے کلام نے کئی ماہ پیشتر یہ بتایا اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی خبر دی کہ ایام بہار میں یہ زلزلہ آئیگا مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جو زلزلہ نمونہ قیامت کا وعدہ تھا وہی آچکا بلکہ یہ ایک تمہید اس عظیم الشان زلزلہ کی ہے جو آنیوالا ہے اسکے متعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ اشتہار درج کرتا ہوں جو آپنے ابھی شایع کیا ہے کاش دنیا ان امور پر غور کرتی تو وہ خدا کی ہستی کا مزہ لیتی مگر وہ ایک مردہ ایمان پر قناعت کئے بیٹھے ہیں اور خدا کے تازہ بتازہ نشانوں پر غور نہیں کرتے اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ہے۔

زلزلہ کی پیشگوئی

دوستو جاگو کہ اب پھر زلزلہ آنے کو ہے — پھر خدا قدرت کو اپنی جلد دکھلانے کو ہے
وہ جو ماہ فروری میں تم نے دیکھا زلزلہ — تم یقین سمجھو کہ یہ اک زجر سمجھانے کو ہے
آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اسکا علاج — آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے

اے عزیزو! آپ لوگوں نے اس زلزلہ کو دیکھ لیا ہوگا جو ۲۸- فروری ۱۹۰۶ء کی رات کو ایک بجے کے بعد آیا تھا یہ وہی زلزلہ تھا

جسکی نسبت خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں فرمایا تھا پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی چنانچہ میری یہ پیشگوئی رسالہ الوصیۃ کے صفحہ ۳ و ۴ و ۱۴ میں اور نیز اپنے اشتہارات اور اخبار الحکم اور بدر میں شایع کردی تھی سو الحمد للہ والمنۃ کہ اسی کے مطابق عین بہار کے ایام میں یہ زلزلہ آیا لیکن آج یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو صبح کے وقت پھر خدا نے یہ وحی میرے پر نازل کی جسکے یہ الفاظ ہیں زلزلہ آنے کو ہے اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ وہ زلزلہ جو قیامت کا نمونہ ہے وہ ابھی آیا نہیں بلکہ آنیکو ہے اور یہ زلزلہ اسکا پیش خیمہ ہے جو پیشگوئی کے مطابق ظہور میں آیا ہوا کیونکہ جیسا کہ میرے رسالہ الوصیۃ کے صفحہ ۳ و ۴ میں قبل از وقت لکھا تھا صرف ایک زلزلہ کی پیشگوئی نہیں بلکہ کئی زلزلوں کی نسبت خدا نے مجھے اطلاع دی تھی سو یہ وہ زلزلہ تھا جسکا موسم بہار میں آنا خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق ضروری تھا سو آگیا اور ممکن ہے کہ وہ موعود زلزلہ قیامت کا نمونہ بھی موسم بہار میں ہی آوے اسلئے میں مکرر اطلاع دیتا ہوں اور متنبہ کرتا ہوں کہ جہانتک میرا خیال ہے وہ دن دور نہیں ہے توبہ کرو اور پاک اور کامل ایمان اپنے دلوں میں پیدا کرو اور ٹھٹھا کرنیوالوں کی مجلسوں میں مت بیٹھو تا تم پر رحم ہو۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہیں میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک جو بچایا جائیگا کیا تم ایک دانہ سے سیر ہو سکتے ہو؟ یا ایک قطرہ پانی کا تمہاری پیاس بجھا سکتا ہے؟ اسی طرح ناقص ایمان تمہاری روح کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا آسمان پر وہی مومن لکھے جاتے ہیں جو وفاداری اور صدق سے اور کامل استقامت سے اور فی الحقیقت خدا کو سب چیز پر مقدم رکھ کر اپنے ایمان پر مہر لگاتے ہیں میں سخت دردمند ہوں کہ میں کیا کروں اور کس طرح ان باتوں کو تمہارے دل میں داخل کردوں اور کس طرح تمہارے دلوں میں ہاتھ ڈالکر گند نکالدوں ہمارا خدا نہایت کریم و رحیم اور وفادار خدا ہے لیکن کوئی شخص کوئی حصہ خیانت کا اپنے دل میں رکھتا ہے اور عملی طور پر اپنا پورا صدق نہیں دکھلاتا تو وہ خدا کے غضب سے بچ نہیں سکتا سو تم اگر پوشیدہ بیج خیانت کا اپنے اندر رکھتے ہو تو تمہاری خوشی عبث ہے اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی پکڑے جاؤ گے جو خدا تعالیٰ کی نظر کے سامنے نفرتی کام کرتے ہیں بلکہ خدا پہلے تمہیں ہلاک کریگا اور بعد میں انکو تمہیں آرام کی زندگی دھوکا نہ دے کہ بے آرامی کے دن نزدیک ہیں اور ابتدا سے جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاک نبی کہتے آئے ہیں وہ سب ان دنوں میں پورا ہوگا کیا خوش نصیب وہ شخص ہے جو اس بات پر ایمان لاوے اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے اور کیا بد نصیب وہ شخص ہے جو بڑھ بڑھ کے دعوے کرتا ہے کہ میں اس جماعت میں داخل ہوں مگر خدا اسکے دل کو ناپاک اور دنیا سے آلودہ اور خیانتوں سے پُر دیکھتا ہے اور اسکے بعد تم لوگوں سے جھگڑا مت کرو اور دعا میں مشغول رہو ٹھٹھے اور ہنسی سے پرہیز کرو اور کسی کو دکھ مت دو اور ڈرتے رہو جب تک وہ خوفناک دن آوے جسکا وعدہ دیا گیا ہے نہیں یہ بھی ضروری نہیں کہ اس خوفناک دن سے پہلے کسی اخبار یا اشتہار کا جو اس پیشگوئی کی تکذیب کے بارہ میں لکھا گیا ہو رد کرو کیونکہ خدا ان مکذبوں کا آپ جواب دیگا۔ نیکی کرو بھلائی کرو صدقہ دو۔ راتوں کو اٹھکر اپنے یگانہ خدا کو یاد کرو اور اگر گالیوں کا پہاڑ بھی تم پر ٹوٹ پڑے تو انکی طرف نظر اٹھا کر مت دیکھو خدا کے غضب کے دن سے فرشتے بھی کانپتے ہیں سو تم ڈرتے رہو ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

المشتہر مرزا غلام احمد مسیح موعود قادیان ضلع گورداسپور ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء

نوٹ اور ریویو

۶ مارچ ۲۰ مارچ کا اخبار آریہ پتر کا عجیب جہالت سے یہ لکھتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کوئی پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ ایک ہی صفحہ پہلے اسی اخبار میں لکھتا ہے کہ "آریہ سماج کی تاریخ میں ۶۔ مارچ کا دن ہمیشہ کیلئے یادگار رہیگا" اور یہ یاد نہ رہا کہ یہ یادگار تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے پورا ہونے کی ہی ہے نہ کسی اور بات کی اگر کچھ ان لوگوں میں شرم ہو تو کم از کم ان دو باتوں کا اکٹھا ذکر تو نہ کریں جب تک دنیا قائم ہے تب تک ۶۔ مارچ کا دن آریہ سماج کو نہیں بلکہ دنیا کو نہیں بھولیگا کیونکہ اس دن وہ عظیم الشان پیشگوئی اپنی تمام تفصیلات کیساتھ پوری ہوئی جو اسوقت سے پانچ برس پہلے مختلف کتابوں اور رسالوں اور اخباروں میں شایع ہو چکی تھی آہ اگر آریہ سماج میں کچھ بھی خوف خدا ہوتا یا اور نہیں تو اپنے وکیل کے اقرار کا ہی جسکو اب شہید شہید کہکے پکارا جاتا ہے کچھ پاس ہوتا تو وہ خدا کے اس نشان کے پورا ہونے سے فائدہ اٹھاتے اور راہ راست پر آتے کیونکہ خود لیکھرام نے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر پیشگوئی سچی نکلی تو یہ آریہ مذہب کے بطلان اور اسلام کی صداقت پر ایک قطعی اور یقینی شہادت ہوگی۔

مسیح کی قبر ولایت کے مشہور رسالے ہبرٹ جرنل میں سید امیر علی نے جو کسی زمانہ میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج تھے ایک مضمون لکھا ہے جس میں یہ دکھانا چاہا ہے کہ مسلمانوں کا عیسائیت کے متعلق کیا خیال ہے اس مضمون میں انہوں نے مسیح کے صلیب کے واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور جو کچھ حضرت مسیح موعود نے خدا سے خبر پاکر لکھا ہے اور مشتہر کیا ہے اسکو سید صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر مرے نہیں بلکہ وہاں سے زندہ اتر آئے اور پھر پوشیدہ پوشیدہ اپنے حواریوں کی مدد سے مشرقی ممالک میں وعظ کے لئے چلے آئے جہاں یہودیوں کی تکلیف دہی سے امن تھا اور پھر یہ بھی حوالہ دیا ہے کہ آجکل ایک مسلمان عالم نے دریافت کیا ہے کہ کشمیر میں ایک قبر بھی ہے جسکو عیسیٰ نبی کی قبر کہا جاتا ہے ہم یقیناً جانتے ہیں کہ تمام دانشمند اس بات کو آہستہ آہستہ قبول کرلینگے البتہ عیسائیوں کے لئے رونا ہے کیونکہ حضرت مسیح کی موت کے ثابت ہونے اور قبر کے دریافت ہونے سے گویا ان کا مذہب مرا ہی جاتا ہے چنانچہ سید امیر علی کے اس مضمون پر بھی عیسائی اخبار بہت جھنجلائے ہیں مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کا ہاتھ کہیں نہیں پڑتا اور ڈوبتے کی طرح تنکے کا سہارا تلاش کرتے ہیں اخبار ہارولڈ جینلڈ سید امیر علی کے اس مضمون پر نوٹ لکھتا ہوا کہتا ہے کہ قادیانی سلسلہ کی شہادت قابل اعتبار نہیں مگر اسکو یاد نہیں رہا کہ شہادت تو تاریخی ہے البتہ حضرت مسیح موعود کو خدا نے اسپر مطلع کر دیا اس تاریخی شہادت کو بالمقابل آسمان پر چڑھ جانیکے لغو قصہ کو کسی منصف جج کے سامنے پیش کرو اور دیکھو وہ کیا فیصلہ دیتا ہے کہ دونوں امور میں سے کونسی بات قابل اعتبار ثابت ہوتی ہے آسمان پر چڑھ جانا یا باقی اقوام بنی اسرائیل کی طرف آکر انکو وعظ کرنا اور

آخر میں وفات پانا۔ اخبار مذکور یہ بھی لکھتا ہے کہ اس قسم کی اخلاقی بزدلی مسیح کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی کہ اسکے شاگرد تو مصائب اٹھاتے رہیں اور وہ الگ ایک گوشہ میں جا بیٹھے۔ گو اخلاقی بزدلی کا اعتراض تو آسمان پر چڑھ جانے سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ بظاہر آسمان پر اسکا کوئی کام نہ تھا عیسائیوں کے قول کے مطابق وہ خدا تو تھا مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ ۳۳ سال کے عرصہ میں جب وہ زمین پر رہا آسمان پر اسکی غیر حاضری کے سبب سے نظام عالم میں کوئی فتور آگیا تھا پھر جب اسکو کام بھی کوئی نہ تھا حالانکہ دوسرے ملک میں جاکر تو اس نے کام بھی کیا تو پھر وہ کیوں شاگردوں کو مصیبتوں میں چھوڑ کر آسمان پر چلا گیا اور اخلاقی بزدلی کا داغ ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر قبول کرلیا مشرق میں جانے سے تو بلکہ اس نے اپنی علو ہمتی کا ثبوت دیا سفر کی مصیبتیں جھیلیں مگر یہ گوارا نہ کیا کہ اسکی قوم یعنی بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام جو مشرق میں آباد ہو چکی تھیں اسکے آنے سے بے خبر رہیں یہ تو اخلاقی جرأت تھی کہ اسقدر دور دراز کا سفر اختیار کرکے اپنی باقی قوم کے پاس پہنچے اور خدا کا پیغام انکو پہنچایا مگر پادری صاحبان ایک ہی عقیدہ پر قائم ہوکر جو منہ پر آیا کہہ دیتے ہیں اور غور نہیں کرتے کہ مسیح کی عزت اور خدا تعالیٰ کی عزت کس بات میں ہے۔

بائیبل کا انجام اور ینابیع الاسلام

ابھی بہت دن نہیں گذرے کہ مسلمانوں سے پادری صاحبان ثبوت طلب کیا کرتے تھے کہ بائیبل میں کب تغیر و تبدل ہوا خدا کی شان ہے کہ آج وہی پادری صاحبان اپنی قلموں سے لکھ رہے ہیں کہ بائیبل میں بیشک تغیر و تبدل ہوا اور کہ وہ خدا کا کلام بھی نہیں تجلی کے تازہ نمبر میں بائیبل کے عنوان کے نیچے لکھا ہے کہ ایک زمانہ تھا جب سبھی علماء کا یہ خیال تھا کہ بائیبل کلام الٰہی ہے مگر زیادہ غور و فکر اور آزادانہ تحقیقات اور حق پسندی نے اس خیال کی غلطی کو واضح کردیا" افسوس کہ حضرت مسیح اور آپکے حواریوں کا بھی بقول انکے اسی عقیدہ پر خاتمہ ہوا اور عیسائیوں کے مجسم خدا کو اور پھر قوم القدس کو دو ہزار سال تک خبر نہ لگی کہ یہ بائیبل کیا چیز ہے اسقدر ہماری استدعا پادری صاحبان سے ہے کہ آزادانہ تحقیقات اور حق پسندی کے خیال کو ذرا وسیع کریں تو اس دوسرے خیال کی بھی کہ نعوذ باللہ یسوع مسیح خدا ہے غلطی واضح ہوجاوے جس جرأت سے پہلا قدم رکھا گیا ہے وہ امید دلاتی ہے کہ یہ دوسرا قدم اٹھانے میں بھی پادری صاحبان بہت توقف نہ کرینگے مسلمانوں کے ہاتھ میں اب عیسائی مذہب کے بطلان کے لئے یہ ہتھیار کافی ہے اور ایسے فقرات جو آگے نقل کئے جاتے ہیں قرآن شریف کی صداقت پر حملہ کرنیوالوں کا منہ کالا کرنے کے لئے کافی ہیں جو آج سے پہلے بائبل کو کلام الٰہی اور قرآن شریف کو کلام انسانی کہا کرتے تھے مثلاً "نہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ بائیبل کے مختلف صحیفے ہر صورت میں انہیں اشخاص کی تصنیف و تالیف ہیں جنکے نام سے وہ کہلاتے ہیں نہ یہ کہ وہ جیسے لکھے گئے تھے تمام و کمال اسی صورت میں محفوظ رہے ہیں اور بعد ازاں ان میں کچھ رد و بدل نہیں ہوا۔ بائیبل کلام اللہ نہیں ہے بلکہ اس میں کلام اللہ کا حال درج ہے اور کلام اللہ درحقیقت خود یسوع مسیح ہے" جسکا صاف الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ بائبل خدا کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کا لکھا ہوا ایک قصہ ہے جس میں مسیح کا حال درج ہے ہم نہیں سمجھتے اس صورت میں بائبل کو مہابھارت پر کونسی فوقیت ہے اور مسیح میں کرشن سے بڑھکر کونسی بات پائی جاتی ہے ❊

پادری صاحب یہ بھی خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ "اہل اسلام میں اگر کتب مثل ینابیع الاسلام و تاویل القرآن وغیرہ کا نوبسی مطالعہ کرینگے تو وہ بھی قرآن کی نسبت اس قسم کے دعاوی کو ترک کر دینگے" یہ پادری صاحب کی خواہش اس کو زرتشت کی بیوی کی بیٹی سی ہے جس نے کہا تھا کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ میں سیدھی ہو جاؤں بلکہ یہ چاہتی ہوں کہ دوسری عورتیں بھی میری طرح کبڑی ہو جاویں سو اسلام کے متعلق انکی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی میں کسی دوسرے موقع پر جہاں تفصیل کی گنجایش ہو گی یہ دکھاؤنگا کہ قرآن شریف میں وہ امور بکثرت پائے جاتے ہیں جو انسانی طاقت سے بالا تر ہیں اور جن سے بائبل خالی ہے اور بھی بہت سے امتیازی نشان ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر پادری صاحب سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ ینابیع الاسلام پر آجتک تو آپ لوگوں کو بڑا فخر چلا آتا تھا کہ اس سے قرآن شریف کا افترا ہونا ثابت ہو گیا مگر آپ کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کے ینابیع الاسلام کے سارے دعووں کو سچا بھی مان لیا جاوے تو اس سے زیادہ اسکا کوئی اثر نہیں کہ قرآن شریف کی حیثیت بائبل کے برابر ہو جائیگی پھر اس تمام جھوٹ کے اظہار آپ لوگوں نے اس کتاب میں کیا آپ کو فائدہ تو کوئی نہ ہوا اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالی کا ہاتھ اسلام کی حمایت میں ہے تم لوگوں نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالیں تو تمہارے گھروں میں ایسے بیٹے پیدا ہوئے کہ انہوں نے تمہارے فرضی خدا کو اس سے بڑھکر گالیاں نکالیں اور ایک پاک مقدس انسان کو گالیاں نکالنے کا مزہ تمکو چکھا دیا پھر تم نے یہ عبث کوشش کی کہ قرآن کو دوسری کتابوں سے چرایا ہوا ثابت کرو تمہاری اس جھوٹ کی وجہ سے تم پر یہ لعنت پڑی کہ تمکو آج اپنے منہ سے یہ اقرار کرنا پڑا کہ بائبل کلام الٰہی نہیں نہ ان نبیوں لوگوں کی لکھی ہوئی ہے جنکے نام پر اسکی کتابیں مشہور ہیں نہ اس زمانہ کی ہے جس زمانہ کی تم لے کے بیٹھے ہو نہ ہی بادجود داوروں کی لکھی ہوئی ہونیکے تحریف و تبدیل سے خالی ہے اب بتاؤ کہ تمہاری اس ساری یاوہ گوئی سے جو آجتک قرآن شریف کے متعلق کرتے رہے ہو اور جو بعض تم میں سے اب بھی کرتے ہیں تمہیں حاصل کیا ہوا صرف یہ کہ خدا نے تمہاری دجل کو دنیا پر کھولدیا اب بھی تم لوگ خدا کا خوف کرو اور ایک پاکوں کے سردار کو جھوٹا کہنے سے باز آجاؤ کیونکہ اللہ تعالی نے وہ سامان پیدا کر دئے ہیں جن سے تمہارا فرضی کلام اللہ اسی طرح مٹی کے نیچے دبا ہوا معلوم ہو گیا ہے جس طرح دوسرے تمام انسان۔ تمہارے باطل عقاید کی بہتری تذلیل ہو چکی ہے اب راہ راست پر آجاؤ۔

اسی رسالہ میں ریویو آف ریلیجنز کے جنوری کے پرچہ کے اس مضمون پر جو "ہندوستان میں عیسائی مذہب کی ناکامی کی وجہ" کے عنوان سے لکھا گیا تھا کچھ اعتراض کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ عیسائی مذہب کا کام ہو رہا ہے مجھے اسکو ثابت کرنیکی ضرورت تو نہ تھی کیونکہ ایک عیسائی کا ہی یہ سوال تھا مگر پھر بھی بخوبی ثابت تو کر دیا تھا پادری صاحبان خود سمجھ سکتے ہیں پادری صاحب میرے اس فقرہ پر بہت خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ "اصل بات یہ ہے کہ آخر کار وہی مذہب سب مذاہب پر غالب آئیگا جسکی تعلیم اللہ کے متعلق اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی پاکیزہ سے پاکیزہ ہو" وہ سمجھتے ہیں کہ عیسائی مذہب ہی ایسا مذہب ہے اس خوشی کا کیا ٹھکانا ہے کیا خدا کی عزت اور جلال یہی ہے کہ وہ حیض کا خون ۹ ماہ تک کھائے اور پھر دوسرے انسانوں کی طرح پیدا ہو کر وہ سب نجاستیں اور وہ تمام افعال اس سے سرزد ہوں جو انسانی بچوں سے ہوتے ہیں آدھی رات کو بیچاری مصیبت زدہ ماں کی ٹھکر اس آپ سے کو بھی نعوذ باللہ

خدا نے پیشاب یا پاخانہ کردیا ہو الگ کرنا پڑے اور اگر اسوقت کپڑا موجود نہ ہو تو خدا کی ماں خدا کو ننگی چارپائی پر سلائے اور وہ ٹیں ٹیں کر کے ساری گھر کو جگائے نعوذ باللہ من ذالک - اور پھر خدا صاحب بڑے ہوں تو باہر بچوں میں کھیلتے کھیلتے کبھی کسی کو ماریں اور کبھی کسی سے مار کھائیں اور ماں کو شکایتوں سے تنگ کریں کبھی آپکے پیٹ میں درد ہو تو ماں بے چین ہو کر آدھی رات کو طبیب کے گھر جائے اگر آپ لوگوں کو ایسا خدا پسند آگیا ہے تو دوسرا کوئی کیا کرسکتا ہے اس سے تو بہتر تھا کہ آپ بتوں کو خدا مان لیتے ہمارا قرآن تو وہ خدا پیش کرتا ہے جو تمام انسانی نقصوں سے پاک اور مبرا ہے اور تمام اعلیٰ صفات سے متصف - وہ کبھی کھانیکو نہیں مانگتا جیسا یسوع مانگا کرتا تھا بلکہ وہ خود دنیا کو کھلاتا ہے ہاں انسان کا فخر اسیں ہے کہ وہ ترقی کر کر اوس پاکیزہ صفات کو حاصل کرے یہی تعلیم اسلام کی ہے -

مسیحی دین اور اخلاق :- جسکو پادری علی بخش صاحب نے ترجمہ کر کے شایع کیا ہے بغرض ریویو ہمارے پاس پہنچی ہے - میں حیران ہوں کہ وہ کونسے اخلاق ہیں جو مسیحی دین سے وابستہ ہیں اگر مسیحی دین نے خصوصیت سے کوئی بات اپنے پیرووں میں پیدا کی ہے تو وہ کثرت شراب نوشی قمار بازی اور کئی قسم کی بے اعتدالیاں ہیں خود شرابخوری ہی ساری بداخلاقیوں کی جڑھ ہے عملی حالت تو یہ ہے اور اگر اس مذہب کی بنیاد کو دیکھا جاوے تو وہ کفارہ کے عقیدہ پر ہے فلسفیانہ رنگ میں جو چاہو اسکو سمجھ لو مگر ہر ایک دانشمند آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ عوام پر کفارہ کے عقیدہ کا اثر کیا ہونا چاہئے جس صورت میں انکو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ تمہارے گناہ مسیح نے اٹھا لئے تو ضرور ہے کہ گناہ پر دلیر ہوں پس جبتک عقاید کو درست نہیں کیا جاتا اسوقت تک ایسی کتابیں لکھنا کاغذوں کو سیاہ کرنے سے بڑھکر کچھ وقعت نہیں رکھتا بائبل سوسائٹی سے ۸ر قیمت پر ملتی ہے -

مکالمہ مسلمان و آریہ - بیس صفحہ کا رسالہ ہے ۲ر قیمت پر رفیق بک ایجنسی امرتسر سے ملسکتا ہے -

یادگار کریم - منشی محمد نواب خانصاحب ثاقب نے ایک نظم حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے متعلق لکھی ہے اس قابل ہے کہ ہر احمدی اسکو پڑھے مرحوم کی سچی یادگار ہے گویا عبدالکریم کو ہوبہو آنکھوں کے سامنے لے آتی ہے حضرت اقدس نے بھی اسے سنا اور بہت پسند فرمایا قیمت صرف ۱ر ہے مصنف سے مقام مالیر کوٹلہ سے مل سکتی ہے جو احباب ایک دو روپے آسانی سے خرچ کرسکتے ہیں وہ متعدد جلدیں منگوا کر غریب دوستوں میں مفت تقسیم کریں -

رسالہ تشحیذ الاذہان :- قادیان سے سہ ماہی نکلنا شروع ہوا ہے جسکا پہلا نمبر یکم مارچ کو شایع کیا گیا ہے اس سلسلہ کے نوجوانوں کی ہمت کا نمونہ ہے خدا تعالیٰ اسمیں برکت دے چندہ سالانہ ۱۲ر ہے اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد حضرت اقدس کے صاحبزادہ ہیں اور پہلے نمبر میں چودہ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن انکی قلم سے لکھا ہوا ہے جماعت تو اس مضمون کو پڑھیگی مگر میں اس مضمون کو مخالفین سلسلہ کے سامنے بطور ایک بیّن دلیل کے پیش کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے خلاصہ مضمون یہ ہے کہ جب دنیا میں فساد پیدا ہوجاتا ہے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ کو چھوڑ کر معاصی میں بکثرت مبتلا ہوجاتے ہیں اور مردار دنیا پر گدوں کی طرح گرجاتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہوجاتے ہیں تو اسوقت میں ہمیشہ سے خدا تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ انہی لوگوں میں سے ایک نبی کو مامور کرتا ہے کہ وہ دنیا میں سچی تعلیم

پھیلائے اور لوگوں کو خدا کی حقیقی راہ دکھلائے پر لوگ جو معاصی میں بالکل اندھے ہوئے ہوتے ہیں وہ دنیا کے نشہ میں مخمور ہونیکی وجہ سے یا تو نبی کی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور یا اسے دکھ دیتے ہیں اور اسکے ساتھیوں کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور اس سلسلہ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں مگر چونکہ وہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اسلئے انسانی کوششوں سے ہلاک نہیں ہوتا بلکہ وہ نبی اس حالت میں اپنے مخالفین کو پیش از وقت اطلاع دیدیتا ہے اور آخر کار وہی مغلوب ہونگے اور بعض کو ہلاک کر کے خدا دوسروں کو راہ راست پر لے آویگا سو ایسا ہی ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو ہمیشہ سے چلی آتی ہے ایسا ہی اسوقت میں ہوا پھر مختصر طور پر یہ بتایا ہے کہ کسطرح پر آج سے بیس پچیس برس پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھکر یہ پیشگوئیاں شایع کی تھیں کہ خداے تعالیٰ ایک سلسلہ قایم کرے گا اور لوگ آپ کی طرف کثرت سے رجوع کرینگے اور مخالف اس سلسلہ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرینگے مگر وہ خود ہی انی مهين من اراد اهانتك کے مصداق ہونگے پھر یہ ذکر کیا ہے کہ کسطرح جیسے جب انبیاے سابقین کی تکذیب حد سے گذر گئی تو خدا نے انکے مخالفوں پر عذاب بھیجے تا کہ وہ تضرع اختیار کریں ایسا ہی یہاں بھی ہوا اسکے بعد اپنی جماعت کے نوجوانوں کو خطاب کر کے لکھا ہے جسکو میں ان کے اصل الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ "اے میرے احمدی بھائیو! اگر ہم نے خداے تعالیٰ کے ایک فرستادہ کو مانا ہے تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اب ہم بالکل سبکدوش ہوگئے ہیں بلکہ ہم نے اپنے سر پہ ایک بار گراں اٹھا لیا ہے دین کو دنیا پر مقدم کرنا کوئی ایسی بات نہیں جو زبان سے کہدینے پر اس سے خلاصی ہوجائے نہیں بلکہ اسکے لیے بڑی قربانی کی ضرورت ہے اگر ہمکو دین اسلام کی مدد کرنیکا جوش نہیں تو بخدا ہم نہایت ہی سخت ٹوٹا پانیوالوں میں ہیں وہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے کہ جسمیں اسلام کی محبت نہیں اور وہ آنکھ جو اسلام کی ترقی دیکھنے کی مشتاق نہیں پھوٹ جائے تو بہتر ہے ٹوٹ جائیں وہ ہاتھ جو اسلام کی مدد سے قاصر ہیں۔ رونیکا مقام ہے اگر ہم اسلام کی ترقی کی کوشش میں کچھ بھی سستی کریں اے میرے خدا تو دیکھتا ہے کہ اسلام پر شرک نے کیسے کیسے حملے کئے ہیں پس ہماری مدد کر کہ ہم تیرے مسیح کے ساتھ ساتھ شرک کے توڑنے میں لگے رہیں" میں اس مضمون کو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ خصوصاً اس وجہ سے نہیں ٹھیرایا کہ ان دلائل کو کوئی مخالف توڑ نہیں سکتا یہ دلائل پہلے بھی کئی دفعہ پیش ہوچکے ہیں مگر اس دلیل سے جو میں سلسلہ کی صداقت پر گواہ کے طور پر اسوقت کل مخالفین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اس مضمون کا آخری حصہ ہے جسکو میں نے صاحبزادہ کے اپنے الفاظ میں نقل کیا ہے اسوقت صاحبزادہ کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور امنگیں کیا ہوتی ہیں زیادہ سے زیادہ اگر وہ کالجوں میں پڑھتے ہیں تو اعلےٰ تعلیم کا شوق اور آزادی کا خیال انکے دلوں میں ہوگا مگر دین کی یہ ہمدردی اور اسلام کی حمایت کا یہ جوش جو ان کے بے تکلف الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے ایک خارق عادت بات ہے صرف اسی موقع پر نہیں بلکہ ہر جگہ دیکھا ہے کہ ہر موقع پر یہ دلی جوش انکا ظاہر ہوجاتا ہے چنانچہ ابھی میر محمد اسحاق کے نکاح کی تقریب پر چند اشعار انہوں نے لکھے تو ان میں بھی دعا ہے کہ اے خدا ان دونوں اور انکی اولاد کو خادم دین بنا برخوردار عبد الحی کی آمین کی تقریب پر اشعار لکھے تو ان میں یہی دعا بار بار کی ہے کہ اسے قرآن کا سچا خادم بنا ایک اٹھارہ برس کے نوجوان کے دل میں اس جوش اور ان امنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں کیونکہ یہ زمانہ سب سے بڑھکر کھیل کود کا زمانہ ہے اب وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اس بات کا جواب دیں کہ اگر یہ افترا ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا جھوٹ تو ایک گندہ بیج ہے اسکا اثر تو چاہیئے تھا کہ گندہ ہوتا۔

نہ ہو کہ ایسا پاک اور نورانی جسکی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی اگر ایک انسان افترا کرتا ہے تو اگرچہ وہ باہر کے لوگوں کی اس افترا کو چھپا بھی لے مگر اپنے ہی بیوی بچوں سے جو ہر وقت اسکے ساتھ رہتے ہیں چھپا نہیں سکتا وہ اسکی ہر ایک حرکت اور سکون کو دیکھتے ہیں ہر ایک گفتگو کو سنتے ہیں اور ہر موقعہ پر اسکے خیالات کو ظاہر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں پس اگر افترا ہو تو ضرور ہے کہ وہ افترا کسی نہ کسی وقت اسکے اپنے بیوی بچوں پر ظاہر ہو جائے اے بدقسمت لوگو! غور کرو کہ کیا مفتری کی اولاد جو اسکے افترا کے زمانہ میں پیدا ہو اور افترا کے زمانہ میں پرورش پائے ایسی ہوا کرتی ہے؟ کیا تمہارے دل انسانی دل نہیں جو ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے اور ان سچے خیالات کا اُن پر کچھ اثر نہیں ہوتا کیوں تمہاری سمجھیں اُلٹی ہو گئی ہیں غور کرو کہ جسکی تعلیم اور تربیت کا یہ پھل ہے وہ کاذب ہو سکتا ہے؟ اگر وہ کاذب ہے تو پھر دنیا میں صادق کا کیا نشان ہے؟۔

طبیب حاذق :۔ کئی ماہ سے قادیان سے نکلتا ہے اس رسالہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسمیں مستقل طور پر حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی سابق طبیب شاہی ریاست کشمیر کے بیاض کا ایک حصہ نکلتا ہے چندہ سالانہ عہ ہے منیجر طبیب حاذق قادیان سے ملسکتا ہے

وطن اور ریویو آف ریلیجنز

ایڈیٹر صاحب اخبار وطن نے اشاعت اسلام کا جو چندہ اس غرض سے شروع کیا تھا کہ اس روپیہ سے ریویو آف ریلیجنز کی کاپیاں ممالک بیرونی میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجی جاویں اخیر ۹۔ مارچ کے پرچہ میں اسکے بند کرنیکا اعلان کر رہا ہے فالحمد للہ علی ذلک مولوی انشاء اللہ خانصاحب یہ تو کہتے ہیں اس بات پر کہ قوم متفق ہو کر کوئی کام نہیں کر سکتی اور اسکو وہ بار قومی کے نام سے پکارتے ہیں مگر مجھے رونا آتا ہے اس بات پر کہ جبھی زندہ اسلام کا نام لیا گیا اور جبھی یہ کہا گیا کہ ہم غیر مسلم اقوام کے سامنے زندہ اسلام کو پیش کرینگے اور اس اسلام کی تبلیغ کرینگے جو اپنے اندر اس زمانہ میں بھی وہی برکات رکھتا ہے جو اپنے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں رکھتا تھا تو ایڈیٹر وطن ایسا فاضل انسان ہم سے ناراض ہو گیا یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وطن کے ناظرین بھی سب کے سب ایڈیٹر صاحب کی رائے سے اتفاق کریں گے مگر خود ایڈیٹر صاحب نے جو کچھ خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بتا رہا ہے کہ اسلام کی کیا حالت ہو گئی ہے افسوس تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف مردہ ایمان پر قانع ہیں بلکہ زندہ اسلام سے ایسی نفرت ظاہر کرتے ہیں کہ یہ گوارا بھی نہیں کر سکتے کہ زندہ اسلام کا نام انکے سامنے آئے اے مسلمانو! خدا کے لئے غور کرو کیوں اپنے پاک مذہب کو لوگوں کے سامنے بدنام کر رہے ہو جو فضیلت اللہ تعالےٰ نے تمہارے مذہب کو دوسرے تمام مذاہب پر دی ہے کیوں اس کا انکار کرتے ہو قوم قوم پکارنے سے کیا بنیگا جب قوم کے دلوں میں وہ ایمان ہی نہیں جو اس قوم کا رہبر لایا تھا ہائے افسوس ہلکو یہ کہا جاتا ہے کہ تم اتفاق نہیں کرنے لگے کیا اس بات پر اتفاق کرلیں کہ اسلام ایک مردہ مذہب ہے اور اسکو دوسرے مذاہب پر کوئی فوقیت اور کوئی مابہ الامتیاز حاصل نہیں خدا وہ دن نہ لائے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہو غور کرو کہ اگر سچی اور جھوٹی تعلیم

کے اثر میں کوئی فرق نہیں تو پھر ایک خدا یا تین خداؤں کے ماننے میں فرق کیا ہوا فلسفیانہ دلائل تم ایسے دیتے جاؤ گے وہ اپنے دیتے جائیں گے اسلام کا یہ فخر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فضیلت تھی کہ تمام انبیائے سابقین کی وحی منقطع ہو گئی اور انکے معجزات قصوں کے رنگ میں رہ گئے اور انکی امتیں خالی ہاتھ رہ گئیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ وحی منقطع ہوئی نہ معجزات پیچھے رہ گئے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کرنیوالوں کو وہ برکات اس زمانہ میں بھی اسی طرح ملتی ہیں جس طرح گذشتہ زمانہ میں ملتی تھیں اگر واقعی اسلام کے دائرہ کے اندر عقاید کی اصلاح کا نام لینا گناہ میں داخل اور اشاعت اسلام کے مفہوم کے خلاف ہے تو اسلام کا خدا حافظ۔ ہاں مولوی انشاء اللہ خانصاحب اور انکے ناظرین کا یہ حق تھا کہ وہ یہ لکھتے کہ یہ عقاید جنکو ہم پیش کرتے ہیں قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف ہیں نہ اسلام زندہ مذہب ہے نہ اسمیں وہ انعامات اور برکات پائے جاتے ہیں جو ہمیشہ اولیاء اللہ کو ملتے رہے نہ بزور شمشیر دین کا پھیلانا برا ہے نہ یہ امت خیر الامم ہے یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ ان عقاید کو پھیلاؤ جسپر تمام مسلمان متفق ہیں مجھے تو اسکا مطلب سمجھ نہیں آتا کیا انکی کوئی فہرست تیار شدہ ہے انہیں مسلمانوں میں شیعوں کا وہ گروہ بھی ہے جو نہ صرف صدیق اور فاروق اور تمام صحابہ کو برا کہتے ہیں بلکہ قرآن شریف کو بھی ناتمام کہتے ہیں اور دس سپارے مہدی غائب کے قبضہ میں بتاتے ہیں۔ مولوی انشاء اللہ خانصاحب! برائے خدا آپ غور کریں کہ آپنے کیا لکھا ہے باتیں کر لینا یا لکھ دینا تو آسان کام ہے مگر آپ کھول کر اپنی پوزیشن کو تو بیان فرمادیں خود تو آپ اسی اخبار میں اسلامی شعار کی کھلی کھلی بیحرمتی کر کے بھی حنفی المذہب ہیں مگر دوسرا شخص اسلام کو زندہ کہکر آپکے متفق علیہ مذہب سے خارج ہو گیا بیحرمتی اسلئے کہ آپنے اسی پرچے میں یہ کھلے کھلے طور پر لکھ دیا ہے کہ مسلمانوں کو قربانیاں نہیں دینی چاہئیں بلکہ "اپنی قربانیوں کی قیمت مذہبی و اخلاقی ہمدردی کے کاموں میں صرف کر دیا کریں مثلاً مجاز ریلوی فنڈ کو دیدیں" اور اسکے ساتھ آپنے یہ نوٹ بھی دیا ہے کہ آپ اس بدعت پر بھی عمل کرتے ہیں "نیاز سند ایڈیٹر وطن عمدہ ہو اپنی تحریک پیش کر چکا ہے بلکہ اس کا اپنا طریق بھی عمل اب یہی ہے"۔ پس اگر آپ قربانی کی پاک رسم کو صرف ترک نہیں بلکہ اسکو منسوخ کرنیکی کوشش کر کے بھی متفق علیہ عقاید کے دائرہ کے اندر ہی رہتے ہیں تو میں اسلام کو زندہ کہکر کیوں اس دائرے سے خارج ہو گیا اور اگر آپ کو مسلمان آپکے ایسے ایسے عقیدوں کے باوجود (اور ہمنے سنا ہے کہ آپ سر سید احمد خاں کی طرز پر سود کو بھی جایز قرار دیتے ہیں) وطن اخبار پر جو نکی مدد دیسکتے ہیں جو طالب علموں اور علماء میں پھیلائے جائیں گے تو ایک ایسے رسالہ کی غیر مسلموں میں اشاعت کے لئے مدد کرنا کیونکر گناہ ہو گیا جو اسلام کو ایک زندہ اور بابرکت مذہب کے رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان تمام عقاید سے بیزار ہے جو خدائے تعالیٰ کی توحید کے منافی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمہ فضیلت کے خلاف ہوں پھر میں کہتا ہوں کہ جو شخص اسلام کو غیر اقوام کے سامنے پیش کریگا وہ اپنے عقاید کے مطابق نہ کریگا تو اور کیا کریگا بعض فروعی مسائل کو اگر الگ بھی رکھا جاوے تاہم اصولی مسائل تو بالکل جدا نہیں ہوسکتے پس کسی تجویز کا یہ منشاء تو ہو نہ سکتا تھا کہ ہم اپنے عقاید کے خلاف کوئی اور اسلام پیش کرینگے مرزا صاحب کے مشن سے الگ کرنا اس سے مراد حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ اور دلائل سے الگ کرنا تھا اور میں دیکھونگا کہ اگر آپ یعنی غیر احمدی لوگ کبھی کوئی اسلامی مذہبی رسالہ بغرض اشاعت اسلام نکالیں تو اسمیں کونسا اسلام پیش کرتے ہیں اور کل دنیا کے علماء اس ایک لکھنے والے سے کیونکر اتفاق کرتے ہیں

بہرحال میں اب آپ کو الوداع کہتا ہوں۔

چند حرف اسکے ان احمدی احباب سے بھی کہنا چاہتا ہوں جنکو بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے دھوکا لگا ہے اکثر احمدی احباب نے جو اس موقع پر قومی جوش اور حمیت دکھائی ہے وہ قابل تعریف ہے اگرچہ اب یہ ورق الٹایا جا چکا ہے مگر بعض اعتراضوں کا مختصر جواب دیتا ہوں اول ہم کبھی امداد کے خواہاں نہیں ہوئے اور کیونکر ہو سکتے تھے جب ہم خدا کا ہاتھ اس سلسلہ کی تائید میں کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ غیر احمدیوں میں دو گروہ ہیں ایک گروہ ان مخالفین مکذبین کا ہے جو اس سلسلہ کی تکفیر کرتے ہیں اسے گالیاں نکالنا ثواب سمجھتے ہیں بلکہ انکے مال چرا لینا انکے خلاف جھوٹ بول لینا ایسے ہر ایک شنیع فعل کو ثواب سمجھتے ہیں ان لوگوں کا اس تحریک میں کوئی حصہ نہ تھا بلکہ انہوں نے اس تجویز کی بھی زور شور سے مخالفت کی دوسرا گروہ وہ ہے اور وہی بڑا گروہ ہے جو آہستہ آہستہ اس سلسلہ کی طرف حرکت کرتا چلا آرہا ہے اور انکو ایسا عناد اس سلسلہ سے نہیں جیسا گروہ اول کو جب اس فریق کو یہ معلوم ہوا کہ ریویو آف ریلیجنز باہر دنیا میں کیا کام کر رہا ہے اور یہ امر اخباروں میں شہرت پا گیا تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اسکی اشاعت میں وہ لوگ بھی مدد دینے کو طیار ہیں اور اشاعت اسلام کے ثواب میں ہمارے شامل ہونا چاہتے ہیں بشرطیکہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کا اسمیں ذکر نہ ہو ان سب کو نفی میں جواب لکھا گیا اور یہ وطن کی تحریک سے پہلے کا ذکر ہے اسکے بعد ایڈیٹر صاحب وطن کی طرف سے تحریک ہوئی اسکا جواب بھی نفی میں دیا گیا انکے اصرار پر اور بار بار لکھنے پر خواجہ صاحب کے ذہن میں یہ تجویز آئی جس کا اصل یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے دعوے کے لئے چند اوراق الگ کر دئے جاویں اس سے یہ نتائج نکالنا کہ "مرزا صاحب کا وجود اشاعت اسلام میں روک ہے" یا یہ کہ "مسیح موعود کی ضرورت نہ ہوئی" یا یہ کہ "رسالہ بغیر دوسروں کی مدد کے کامیاب نہیں ہوا" یا یہ کہ "مولوی انشاء اللہ خاں نے احمدی عقاید سے توبہ کرالی" یہ اعتراض مخالفین کے انکی اسی قسم کی بیہودہ گوئی ہے جیسے وہ ہمیشہ سے کرتے ہیں افسوس ان دشمن کی تجویزوں پر وہ صلح حدیبیہ کی شرائط پر غور کرتے مگر اسجگہ تو اس قسم کی بھی کوئی شرط نہ تھی موٹے رنگ میں ہم مضامین کو تین قسم پر تقسیم کرتا ہوں اول بعض فروعی مسائل اور بعض اعتراضوں کے جواب جیسے تعداد ازواج طلاق وغیرہ جو شریعت اسلام کے احکام پر کئے جاتے ہیں انکا جواب ہم اس رسالہ میں دے سکتے تھے کیونکہ شریعت اسلام نہ تبدیل ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے دوم اسلام کی فضیلت اور اسکے اصول کی صداقت کے دعاوی اور سوم ان دعاوی کے دلائل انمیں سے دوسری قسم کے مضامین کو اگر پیش نہ کیا جاوے تو رسالہ نکالنا ہی عبث ہے اور انہیں میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے زندہ اور با برکت مذہب ہونیکا ہے چونکہ ہم اسکو چھوڑ نہ سکتے تھے اسلئے اسکی تصریح کر دی گئی تھی کہ ہم زندہ اسلام کو پیش کرینگے تیسری قسم کے مضامین خالص ضمیمہ میں رہتے کیونکہ قطعی اور یقینی دلائل اسلام کے زندہ اور بابرکت اور سچا منجانب اللہ مذہب ہونیکے اس زمانہ میں صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور ان دعاوی کے دلائل میں ہی پائے جاتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے بھی خدا نے کسی صدی میں اسلام کو ایسی شہادت کے بغیر نہیں چھوڑا یہ مسلمانوں کی کمزوری تھی مگر ہمارا اسمیں چنداں نقصان نہ تھا کہ دعوے کو ایک حصہ رسالہ میں پیش کر دیتے اور اسکے دلائل کو دوسرے حصہ میں جو شخص دعوے کو بغور دیکھتا اسکے دل میں اگر کوئی طالب حق ہوتی تو وہ خود دلائل کا بھی طالب ہوتا علاوہ ازیں بلا ضمیمہ رسالے صرف دیئے جاتے جو غیر احمدیوں کے خرچ سے ہوتے اور احمدی احباب کی طرف سے بدستور سابق اشاعت ہوتی رہتی یہ وہ تجویز تھی جسکو وطن نے ۹ - فروری کو شروع کرکے ۹ - مارچ کو ختم کیا اور خدا کا شکر ہے کہ قبل اسکے کہ ہم اس ایک پیسہ بھی لیتے

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود

یکم فروری ۱۹۰۶ء (۱) تتبعها الرادفة۔ ترجمہ اسکے پیچھے پیچھے آئیگی پیچھے آنیوالی یعنی ایک زلزلہ آیا اسکے بعد ایک اور آنیوالا ہے (۲) پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی (۳) واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض۔ ترجمہ اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہے وہی زمین میں ٹھہریگی یعنی جو انسان خلقت کو فائدہ پہنچانیوالے ہیں انکو زندگی عطا کی جاویگی۔ ۳۔ فروری ۱۹۰۶ء رات کے تین بجے کے قریب جبکہ بادل نہایت زور سے گرج رہا تھا الہام ہوا اٹھو نمازیں پڑھیں اور قیامت کا نمونہ دیکھیں فرمایا اسوقت ہمارا شغل یہی ہوگا کہ نمازیں پڑھیں اور خدا کی عبرت کا نظارہ دیکھیں۔ ۸۔ فروری ۱۹۰۶ء (۱) زمین کہتی ہے یا نبی اللہ کنت لا اعرفک ترجمہ اے اللہ کے نبی میں تجھے نہیں پہچانتی تھی (۲) اک دانہ کس کس نے کھانا۔ یخرج ھمہ وغمہ دوحۃ اسمٰعیل فاخفھا حتی تخرج ترجمہ اسکا ہم اور غم باہر نکال دیگا اسمٰعیل کے درخت کو پس اسکو پوشیدہ رکھ یہانتک کہ وہ ظاہر ہوجاوے ۹۔ فروری ۱۹۰۶ء خواب میں دیکھا کہ "ہمارے باغ کے قریب ایک نہر رواں ہے میں کہتا ہوں کہ اب باغ جلد چند روز میں پرورش پا جائیگا اور اگر پانی بھی لیگا تب بھی سرسبز ہوجائیگا" میرے نزدیک اسکی تعبیر یہ ہے کہ باغ سے مراد اپنی جماعت ہے اور نہر سے مراد نصرت اور تائید الٰہی ہے جو نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوگی ۱۰۔ فروری ۱۹۰۶ء "دیکھا کہ ایک جماعت کثیر میرے پاس کھڑی ہے ایک حاکم آیا اور اسنے کھڑے ہوکر کہا کہ کیوں اس جماعت کو منتشر نہ کیا جائے میں نے کہا کہ اس جماعت میں کوئی مخالف نہیں صرف تعلیم لیتے ہیں پھر اس حاکم نے کہ گویا وہ ایک فرشتہ تھا آسمان کی طرف منہ کرکے ایک دو باتیں کیں جو سمجھ نہیں آئیں پھر اسنے مجھے مخاطب کرکے کہا کہ سلام اور چلا گیا" ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء الہام ہوا پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب انکی دلجوئی ہوگی ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء اول کسی نے کہا کہ نئی نوٹ پھر ایک کتاب مجھے دیگئی گویا وہ کرسنی نوٹ تھی اور پھر الہاماً میری زبان پر جاری ہوا دیکھو میرے دوستو اخبار شایع ہوگیا فرمایا اخبار سے مراد خبر ہے ۱۶۔ فروری ۱۹۰۶ء رب اشف زوجتی ھٰذہ واجعل لھا برکات فی السماء وبرکات فی الارض۔ ۱۹ فروری ۱۹۰۶ء۔ عورت کی چال ایلی ایلی لما سبقتانی بریّت۔ واذکففت عن بنی اسرائیل ۔ ۱۹۔ فروری ۱۹۰۶ء "دیکھا کہ منظور محمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے" تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ معلوم ہوا بشیر الدولہ فرمایا کئی آدمیوں کیواسطے دعا کیجاتی ہے معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کسکی طرف اشارہ ہے ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ الہام۔ دردناک دُکھ اور دردناک واقعہ۔ اسکے بعد رویا میں دیکھا کہ "کوئی خادمہ عورت جو اپنے تعلق والوں میں سے کسی گھر کی آئی ہے اور کہتی ہے کہ میری بیوی یکایک مرگئی۔ یہ سنکر میں اٹھا ہوں کہ اپنے گھر میں اطلاع کروں کہ پہلا الہام پورا ہوگیا اور پگڑی لی اور عصا ہاتھ میں لیا اور چلنے کو تھا کہ بیداری ہوگئی۔

یکم مارچ ۱۹۰۶ء۔ زلزلہ آنیکو ہے فرمایا اسکے معنے یہ ہیں کہ اسی زلزلہ کو جو اصل زلزلہ نہ سمجھو بلکہ سخت زلزلہ آنیکو ہے۔ ۷ مارچ ۱۹۰۶ء
ھذا الذی اٰخرتک۔ ۹ مارچ ۱۹۰۶ء زلزلہ آنیکو ہے رب لاتُرنی موت احدٍ منھم یعنی اے میرے رب انمیں سے کسی کی
موت مجھکو نہ دکھلا رب لاتُرنی زلزلۃ الساعۃ (ترجمہ۔ اے میرے رب مجھکو زلزلۃ الساعۃ نہ دکھا یعنی اسکی گھبراہٹ اور
فزع نہ دکھا یو) پھر الہام ہوا ہمارے لئے عید کا دن۔ بعد اسکے یہ الہام ہوا جس سے تو بہت پیار کرتا ہے میں اس سے بہت
پیار کرونگا اور جس سے تو ناراض ہے میں اس سے ناراض ہونگا یعنی تیرا کسی سے محبت کرنا اسکو ایسی آفت سے بچائیگا اور تیرا کسی پر ناراض
ہونا اسکو ایسی آفت میں مبتلا کریگا اور پھر الہام ہوا اینما تولّوا فثم وجہ اللہ۔ یعنی جسطرف تیرا منہ ہوگا اسی طرف خدا کا بھی منہ ہوگا
یعنی جس سے تجھے محبت ہوگی خدا بھی اس سے محبت کریگا اور اُسے بچائیگا پھر الہام ہوا خدا نے تیری ساری باتیں پوری کر دیں یعنی
خدا تمام کام تیری مراد کے موافق کریگا پھر الہام ہوا وامّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفّینّک۔ اور وہ تمام عذاب
جو مخالفین منکرین ظالمین کے لئے خدا کا وعدہ ہے خدا یا تو انمیں سے کچھ تجھے دکھلاویگا اور یا تجھے وفات دیگا اور بعد میں وہ سب کچھ پورا
کریگا یاد رہے کہ قرآن شریف کی طرز بیان کے موافق اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ خدا میری زندگی میں مخالفین کو بشرطیکہ نہ کرنے
توبہ کے انکی زبان درازیوں اور شوخیوں کی کچھ سزا دیگا کیونکہ انہوں نے تقوے سے کام نہ لیا اور پھر الہام ہوا قل ان صلوٰتی و نسکی
و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔ یعنی کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا محض خدا کے لئے ہے جو رب العالمین
ہے نہ کسی اور کام کے لئے اور پھر الہام ہوا رب ارنی آیۃ من السماء یعنی اے میرے رب مجھے آسمان سے ایک نشان دکھا۔
اور پھر زلزلہ کی طرف اشارہ کر کے یہ الہام ہوا اکرام مع الانعام یعنی اس نشان کے ظہور کے وقت خدا ایک عزت دیگا جسکے
ساتھ ایک انعام ہوگا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۰۶ء الہام چو دور خسروی آغاز کردند۔ مسلمان را مسلمان باز کردند ۱۲ مارچ ۱۹۰۶ء
انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ ولنجعل لک سھولۃ فی کل امر ان ربک فعّال لما یرید۔ ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء۔
مردوں کی جیتے جاہو ساتھ بیادگر عورتیں نجائیں ۔۱ انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر ۳۔ ان
احدٌ من المشرکین استجارک فاجرہ ۴۔ سواءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون ۱۴ مارچ ۱۹۰۶ء۔
رویا میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انت سلمان ومنی یا ذا البرکات۔ پھر الہام ہوا چمک دکھلاؤنگا
تمکو اس نشان کی پنج بار (یعنی نشان زلزلہ) ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء رویا خواب میں دیکھا کہ میر ناصر نواب صاحب اپنے ہاتھ پر ایک درخت
رکھکر لائے ہیں جو پھل دار ہے اور جب مجھکو دیا تو وہ بڑا درخت ہوگیا جو بیدانہ توت کے درخت کے مشابہ تھا اور نہایت سبز تھا
اور پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور پھل اسکے نہایت شیریں تھے اور عجیب تر یہ کہ پھول بھی شیریں تھے مگر معمولی درختوں سے نہیں تھا ایک
ایسا درخت تھا کہ کبھی دنیا میں دیکھا نہیں گیا میں اس درخت کے پھل اور پھول کھا رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی میری دانست میں
میر ناصر سے مراد نصرت الٰہی ہے کہ وہ ایک عجیب طور سے مدد کریگا جو فوق العادت ہوگی" ۱۵ مارچ ۱۹۰۶ء خدا کا نور ہے ۲۔ انت منی بمنزلۃ بروزی (۳)
وصل اللّٰہ الا ... وعدک ابیلا یعنی خدا ان پنج زلزلوں کے لانیسے اپنا چہرہ ظاہر کریگا اور اپنے وجود کو دکھلا دیگا تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میں ہی۔

[illegible]

ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر

چندہ اعانت دینے والوں کی فہرست لغایت ضروری ۱۹۰۶ء

ڈاکٹر یعقوب خان سونہ ضلع شاہ پور للعہ منشی نیاز محمد للعہ منشی نیاز محمد خان صاحب مدرس منگ للعہ بابو محمد علی خان صاحب ڈرنری اسسٹنٹ انبالہ عصہ سید ناصر شاہ صاحب جموں صہ میاں غلام احمد ساکن کھاریاں عہ منشی محمد حسین صاحب رائےکوٹ للعہ منشی علی گوہر صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ عا ڈاکٹر چھجو خان صاحب وٹرنری اسسٹنٹ میرٹھ للعہ منشی نذیر الدین صاحب بھاموں عہ بابو محمد الٰہی صاحب کوہاٹ عا جماعت انبالہ عصہ شیخ ضیاء اللہ صاحب مانسہرہ صہ منشی نور احمد صاحب چنار کھل للعہ شیخ عمر بخش صاحب پلیڈر لاہور سے بابو برکت علی صاحب کلرک شملہ عا جماعت کوہاٹ عہ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما لاہور للعہ جماعت پشاور عہ حکیم فضل الدین صاحب قادیان لعہ منشی ہاشم علی صاحب سرودگڑھ عصہ قاضی بدرالدین صاحب کنگنہ عا مولوی غلام رسول صاحب مدرس بجواڑہ صہ جماعت سیکھواں عہ میاں امیر الدین دوست محمد صاحبان لائل پور للعہ جماعت جہلم معرفت منشی امام الدین صاحب نقلنویس للعہ میاں رحمت اللہ صاحب راہوں سے جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین قریشی لعہ جماعت امرتسر معرفت ڈاکٹر عباد اللہ للعہ منشی خان عالم صاحب نائب تحصیلدار جنڈ للعہ بابو عبدالرحمٰن صاحب پورٹ فلارنس عصہ ایک بشیر احمدی معرفت مولوی محمد فضل چنگوی راولپنڈی للعہ میاں رحیم بخش صاحب احمدی چھور ۱۱ ضلع گوجرانوالہ ۶

فہرست خریداران ریویو اردو از ۱۲ فروری لغایت ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء

منشی محمد افضل خان صاحب شملہ ۱۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور ۳۔ چودھری سجاول خان صاحب جگراؤں ۱۔ قاضی محمد سراج الدین صاحب قاضی کوٹ ۱۔ منشی محمد نواب خان صاحب تحصیلدار گجرات ۱۔ منشی غلام احمد صاحب انسپکٹر ڈاکخانجات لدھیانہ ۱۔ میاں اکبر علی صاحب ساکن پوراں ۱۔ سید قاسم علی صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ دہلی ۵۔ میاں محمد الدین صاحب قادیان ۱۔ ایڈیٹر صاحب اخبار وطن لاہور ۲۔ مولوی عبدالوحید صاحب منصرم بندوبست حلقہ مولاپور ریاست پٹیالہ ۱۔ منشی محمد حسین صاحب کلرک دفتر پیسہ اخبار لاہور ۱۔ چودھری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر انبالہ ۱۔ ملک پیر بخش صاحب صوابی ۱۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب دہلی ۱۔ بابو علی بخش صاحب گوجرانوالہ بابو عمر الدین صاحب شملہ ۱۔ مولوی محمد فضل خان صاحب چنگوی حال راولپنڈی ۱۔ بابو غلام دستگیر صاحب لاہور ۱۔ ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر ۱۔ چودھری عبداللہ خان صاحب بہلولپور ۲۔ بابو الٰہی بخش صاحب اسٹیشن ماسٹر ڈگرو ۱۔ مولوی محمد علی صاحب مدرس پسرور ۲۔ منشی نواب الدین صاحب پسرور ۱۔ میاں امام بخش صاحب منی پور آسام ۱۔

چشمۂ مسیحی:۔ ایک شخص نے بنا بیع الاسلام کو پڑھکر حضرت اقدس کو ایک خط لکھا تھا اس تحریک پر یہ لطیف کتاب حضرت مسیح موعود نے لکھی ہے جسمیں بدلائل ثابت کیا ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کی تعلیم کیلئے کہاں سے لی گئی ہے اور کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور نجات اسی میں ملتی ہے قیمت ۳ر میر مہدی حسین مہتمم کتب خانہ قادیان سے مل سکتی ہے۔

اعلان :- ہر ایک سامان ... نظام الدین ... سیالکوٹ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر ۴	بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء	جلد ۵

فہرست مضامین

مطبع میگزین قادیان میں باہتمام منیجر میگزین بار دوم طبع ہو کر شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ

امریکہ میں حامیانِ اشاعتِ اسلام

اشاعت اسلام کے متعلق ایک ہی وقت میں دو خوشخبریاں مجھے پہنچی ہیں یعنی ایک صف احمدی قوم میں غیر ممالک میں دین اسلام پھیلانیکے لئے نیا جوش اور دوسری طرف مسٹر محمد الگزنڈر رسل وب صاحب میں اس رسالہ کی اشاعت کے لئے نیا جوش وب صاحب نے چندہ دیتے ہوئے مجھکو لکھا تھا کہ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت اور ادب انکے دل میں بہت ہی بڑا ہے مگر ابتک آپکے جملہ دعاوی کے قبول کرنیکے نہیں تیار ہیں جسپر میں نے صاحب موصوف کو لکھا تھا کہ آپ جو چاہیں اپنا اعتقاد رکھیں مگر اس امر پر غور کریں کہ رسالہ میں جو حضرت مسیح موعود کا دعویٰ پیش کیا جاتا ہے آخر وہ بھی اسلام کی عزت کے لئے ہی کیا جاتا ہے یا کسی اور غرض سے اور اس کا بالآخر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ اسلام کی صداقت ہی ہے یا کچھ اور چونکہ وب صاحب کا دل تعصب سے خالی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات انکے دل پر اثر کر گئی اور اب انہوں نے اسقدر محنت رسالہ کے امریکہ میں پھیلانیکے لئے کی ہے جو انکے متعلق میری امید سے بھی بڑھکر ہے چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھکر ہزار سے زیادہ کتب خانوں کی فہرست مجھے بھیجی ہے جہاں پرچہ بھیجنا چاہیے اور کئی سو مشہور اخبارات کے نام بھیجے ہیں میں انکی اس محنت کو دیکھکر حیران ہوں کہ اگر انکے دل میں رسالہ کی عظمت اور اسکی اشاعت کا سچا جوش نہوتا تو اتنا بڑا کام جو انہوں نے کیا ہے ناممکن تھا اور پھر انہوں نے اور بھی بعض تجویزیں لکھی ہیں رسالہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ "میں یہ چاہتا ہوں کہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اس ملک کے ہزارہا عیسائیوں کے ہاتھ میں ہو کیونکہ یہ ایک بڑا عظیم الشان کام کر رہا ہے اور صداقت کا نور دنیا میں پھیلا رہا ہے میں اسکو بہت ہی شوق اور دلچسپی سے پڑھتا ہوں کیونکہ یہ سچے اسلام کو پیش کرتا ہے اور ہمارے پاک مذہب کے متعلق ان غلط خیالات کو نہیں پھیلاتا جنمیں آجکل کے دشمنی سے مسلمان کہلانیوالے لوگ مبتلا ہو رہے ہیں میں اسبات کو محسوس کر رہا ہوں کہ آخرکار اس ملک میں یہ بڑے بڑے نتیجے پیدا کر کے دکھا دیگا اور اسی لئے جہانتک میری طاقت ہے میں پوری پوری کوشش کر رہا ہوں کہ یہ رسالہ ان سب لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ جاوے جنکے دل تعصب سے خالی ہیں اور جو سچے دل سے سچائی کو تلاش کر رہے ہیں" یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو خود تحقیق کے بعد دین اسلام میں داخل ہوا اور جبتک اس سے بن سکا اشاعت اسلام کیلئے اپنا رسالہ جاری رکھا اب خدا تعالیٰ نے انہیں جوش دیدیا ہے کہ ریویو آف ریلیجنز کی اشاعت کریں انکے علاوہ اور بھی لوگ ہیں جنپر ہمیں اشاعت کی بہت امید ہے دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں بھی اشاعت اسلام کے لئے اسوقت ایک خاص جوش ہے خدا تعالیٰ نے جو جوش جو دونوں طرف دلوں میں پیدا کیا ہے صاف بتاتا ہے کہ منشائے الٰہی اب اسلام کی راہ سے روکوں کو دور کرنیکا ہے احمدی احباب طرح طرح کی تجاویز لکھ رہے ہیں کہ کس طرح سے کافی چندہ جمع ہو سکتے ہیں ان خطوط کو الحکم اور بدر میں شایع کر دیا جاویگا کہ مختلف مقامات کے احباب انپر غور کر کے جو سب سے عمدہ تجویز ہو اسے اختیار کریں یہ وقت اب پوری ہمت دکھانیکا ہے کیونکہ ارادہ الٰہی بھی اسوقت اسلام کیلئے خاص جوش میں ہے اگر ہم اپنی طرف سے اس پیغام کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں لیکر آئے ہیں اور جسکا مقصد یہ ہے کہ لیظہرہ علی الدین کلہ اس پیغام کو تمام دنیا کی مختلف بلاد میں پہنچا دیں تو یقین کامل ہے کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی اور انکی آنکھوں کے سامنے ہی یہ پودہ مختلف ممالک میں لگ

جڑ پکڑ جائے اور پھر جیسا کہ سنت اللہ ہے تدریج نشو و نما پاتا ہے اور جیسا جیسا روحوں کو سعادت کا حصہ ملا ہے ویسا ویسا ہی وہ آکر قبول کرتی جاویں ہاں ہمیں اپنے ذمہ کی خدمت ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اس سال کے لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ کم از کم دو ہزار رسالہ باہر جانے لگے اور میں یہ خوشی سے ظاہر کرتا ہوں کہ ابھی سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام۔ سپرچولزم* اور مخفی سوسائٹیاں

ڈی ایس مارگولیوتھ نے جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں ایک کتاب اسلام پر لکھکر حال ہی میں شایع کی ہے جسکا نام "محمد (صلعم) اینڈ دی رائز آف اسلام" ہے میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے . . . . مگر جہاں میں نے بڑی خوشی سے اس کتاب کو اٹھایا تھا کہ پروفیسر عربی کی لکھی ہوئی ہے تو شاید اسمیں اسلام کے متعلق صحیح خیالات ظاہر کئے گئے ہوں اس سے بہت بڑھکر افسوس کیساتھ اس کتاب کو رکھنا پڑا لکھتے وقت پروفیسر مارگولیوتھ کو یہ امر مد نظر نہ تھا کہ اسلام کے متعلق صحیح واقعات کو پیش کریں اور لوگوں کے خیال کی غلطی کی اصلاح کریں بلکہ زیادہ تر اس بات کو انہوں نے ملحوظ رکھا ہے کہ انکی کتاب میں ایسی ایسی عجیب باتیں ہوں جو لوگوں کے لئے کشش کا باعث ہوں اور انکی اپجو پسند طبیعت تاریخی واقعات سے الگ ہو کر نئی دلخوش کن مسائل کی طرف متوجہ ہوگئی اور یوں ایک تاریخی کتاب کو ناول کے رنگ سے رنگین کرکے اسکی باتوں کو نہ صرف پایہ اعتبار سے ہی گرادیا بلکہ اس سے مسلمانوں کا دل بھی دکھایا۔ تمہید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمریوں کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "سپرنگر اور سر ولیم میور نے جو سوانح عمریاں آنحضرت صلعم کی لکھی ہیں وہ غالباً اسوقت تک اعلیٰ پایہ کی کتب میں شمار ہوتی رہیں گی جب تک کہ یورپ

---

* چونکہ سپرچولزم کے لئے مجھے کوئی موزون لفظ نہیں ملا اسلئے میں نے اصل انگریزی لفظ کو ہی اس مضمون میں استعمال کیا ہے لیکن مضمون سمجھنے کے لئے اسکی کسی قدر تشریح کردینی ضروری ہے سپرچولزم اس خیال یا اعتقاد کا نام ہے کہ موت کے بعد روحیں گھروں میں پھرتی رہتی ہیں اور زندوں کے ساتھ مختلف ذرایع سے کلام کرتی ہیں مثلاً دروازوں کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے یا میز پر کھٹ کھٹ کرنے سے یا لکھکر یا کسی اور طرح مگر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کیساتھ وہ اسطرح کلام نہیں کرتیں اور نہ ہر شخص کو انکی باتیں سمجھ آسکتی ہیں بلکہ بعض خاص طبیعتوں کے آدمی ایسی باتوں کے سمجھنے کے لئے موزون ہوتے ہیں اور انہیں کے بانسے روحیں آتی ہیں اصل میں تو یہ خیال بہت پرانا ہے مگر مغربی ممالک میں آجکل ہی اسکا چرچا زیادہ پھیلا ہے سنہ ۱۸۴۸ء میں اسکی ابتدا ہوئی اور اسکا آغاز امریکہ میں ہوا جہاں دو عورتوں نے یہ ظاہر کیا کہ روحیں انکے دروازہ کو آکر رات کو کھٹکھٹاتی ہیں وہاں سے یہ خیال یورپ میں پھیلا اور اب ایک بڑا بھاری گروہ اس خیال کا ہے اور بعض مشہور آدمیوں نے بھی ان امور کی تحقیقات کی ہے کہ آیا یاد رکھا صحیح ہے یا غلط جس نتیجہ پر وہ لوگ پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ اکثر حصہ اسکا بناوٹی یا عیار لاکی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جو ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکے وہ لوگ ہمارے ہاں کے جنات کی تسخیر کرنیوالوں کی طرح مدد کو بلانے والے اور انکی کھٹ کھٹ کے معنے سمجھنے والے میں انکو میڈیم یعنی وسیلہ یا واسطہ کہا جاتا ہے۔ منہ

میں مشرقی تاریخ مطالعہ کرنیوالے موجود ہونگے باوجودیکہ میور کی کتاب میں عیسائی مذہب کی کھلی کھلی طرفداری پائی جاتی ہے اور سپرنگر کی کتاب میں علمی نقایص اور ناقابل اعتبار باتیں موجود ہیں" مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ پروفیسر مارگولیوتھ کی کتاب ان دونوں سے نیچے گری ہوئی ہے اور نہ صرف اسمیں تعصب اور روایات کے جانچنے میں لاپرواہی ہی کام لیا گیا ہے بلکہ عمداً بھی پروفیسر صاحب نے جہانتک کہ انکی طاقت تھی اپنے نئے اور عجیب خیالات کی تائید کے لئے غلط بیانی سے کام لیا ہے پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ انکو اسلام کے متعلق ایک اور کتاب لکھنے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ میور کی کتاب کے بعد نئی نئی عربی تصنیفات چھپ گئی ہیں اور اسلئے نئی شہادت جو نہایت ضروری اور دلچسپ ہے پیدا ہوگئی ہے مگر دونوں کتابوں کو پڑھکر یہ کہنا پڑتا ہے کہ تاریخی طور پر میور کی کتاب پروفیسر مارگولیوتھ کی کتاب سے بہت بڑھکر قابل اعتبار ہے میور نے بڑی محنت سے کام کیا ہے اور ایک حد تک واقعات کو بگاڑا نہیں اور مقدمہ میں بعض صول بھی بیان کئے ہیں کہ کونسی روایات قابل اعتبار ہیں اگرچہ آگے چلکر کہیں جگہ ان اصولوں کو مدنظر نہیں رکھا مگر پروفیسر مارگولیوتھ نے اس محنت کے کام کو یونہی ٹال دیا ہے وہ کہتا ہے کہ روایات کے معتبر یا غیر معتبر ہونیکے متعلق میں گولڈزیہر، نولدیکی اور ولہاسن کے فیصلوں کو کافی سمجھونگا مگر یہ لکھتے وقت پروفیسر صاحب کو یہ یاد نہیں رہا کہ کتاب کو لکھنے کیلئے عذر تو انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ مسند احمد بن حنبل اور تفسیر جریر کے چھپ جانیکی وجہ سے نئی شہادت ہاتھ میں آگئی ہے پس ان پہلے علماء کا فتویٰ ایسی کتابوں کی روایتوں کے متعلق انکو کیونکر مل سکتا تھا اس سے صاف پایا جاتا ہے اور یہ پروفیسر صاحب کا اپنا اقرار ہے کہ انہوں نے روایات کو فضول طور پر پھر دیا ہے اور یہ غور بھی نہیں کیا کہ کونسی روایت قابل اعتبار ہے اور کونسی نہیں حالانکہ خصوصاً تفسیر ابن جریر کی روایات کے متعلق اور ایک حد تک مسند احمد حنبل کے متعلق پوری تحقیقات اور چھان بین کے بعد روایات کو قبول کرنا چاہئے تھا مگر پروفیسر مارگولیوتھ نے یہ سمجھ لیا کہ چونکہ وہ ایک انگریزی یونیورسٹی میں پروفیسر عربی ہیں اسلئے جو کلمہ وہ اسلام کے متعلق منہ سے نکالیں وہ محض انکی پروفیسری کی وجہ سے قابل اعتبار اور مستند سمجھ لیا جاویگا شاید ہمارے علیگڈھ کے دوست جو عربی کے لئے انگریز پروفیسر منگوانیکی تجاویز سوچ رہے ہیں چاہتے ہیں کہ اسلام کی جو حالت ہوئی ہے وہ تو ہوئی ہے اب رہا سہا اسلام کا نام بھی مٹایا جاوے اور مسلمانوں کی عربی تعلیم بھی ان لوگوں کے سپرد کی جاوے جن کے رگ و ریشہ میں اسلام کے خلاف تعصب رچا ہوا ہے اور جو ہر طرح سے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تذلیل کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کیا مسلمانوں میں کوئی شخص بھی نہیں جو ان انگریزوں جتنی ٹوٹی پھوٹی عربی جانتا ہو؟

کچھ عرصہ ہوا انہیں پروفیسر مارگولیوتھ صاحب نے ایک لیکچر دیا تھا جسمیں انہوں نے لفظ مسلم اور حنیف کا (اوٹ پٹانگ) اصل اور معنی بتلائے تھے اس لیکچر کا ذکر اخباروں میں پڑھکر میں نے خیال کیا تھا کہ شاید پروفیسر صاحب نے محض سامعین کے خوش کرنیکو ان باتوں کا ذکر کیا ہے کیونکہ سنجیدہ طور پر کوئی فہیم شخص ایسی لغو باتوں کو منہ پر نہیں لا سکتا تھا مگر اب جب میں نے انکی کتاب کو پڑھا تو انہیں خیالات کا اظہار پھر اس کتاب میں پایا اگرچہ اب پروفیسر صاحب نے کسی قدر محتاط ہوکر ان بیہودہ خیالات کو ظاہر کیا ہے وہ لکھتے ہیں " آخرکار ایک نام بھی اس نئے فرقہ کے لئے تجویز کرنا ضروری ہوا اور اتفاق سے یا سوچ سمجھکر اس فرقہ کا نام مسلم یا حنیف تجویز کیا گیا اب اس جگہ

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی مسلم اور حنیف دراصل وہ نام تھے جنسے مسلمہ* بنی حنیفہ کے نبی کے پیرو پکارے جاتے تھے یا کوئی اور فرقہ تھا جو توحید پر قایم اور ابراہیم کے مذہب کا پیرو ہو جو اس نام سے مشہور ہو کیونکہ بعض عرب بائبل کے رو سے ابراہیم کی بھی نسل تھی؟ اسکا جواب ہم کچھ نہیں دے سکتے" اگر پروفیسر صاحب ان سوالوں کا بھی جواب نہ دے سکتے تھے تو الٹے لکھنے کیوں بیٹھ گئے تھے مسلمہ اور حنیفہ کے الفاظ پر پروفیسر صاحب نے زور دیا ہے جس سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم اور حنیف دراصل انہیں سے لئے گئے ہیں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کی ہی نقل کی تھی یہ ہر یورپین تاریخدانی کہ ایک شخص جو تمام یورپ میں علوم عربی اور تاریخ عربی کا فاضل سمجھا جاتا ہے وہ ایسی جہالت تاریخ سے دکھاتا ہے جسپر ایک بچہ بھی ہنسے گا۔ لفظ مسلم کا استعمال قرآن شریف کی ابتدائی کی سورتوں میں پایا جاتا ہے حالانکہ مسیلمہ کذاب فتح مکہ کے بھی بعد ظاہر ہوا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے لفظ مسلم صیغہ واحد یا جمع میں مذکر یا مونث قریباً پچاس دفعہ مکی سورتوں میں آیا ہے جنمیں سے بہت سی سورتیں ایسی ہیں جو متفق طور پر ابتدائی زمانہ کی نازل شدہ مانی گئی ہیں مثلاً حمٓ السجدہ۔ الزخرف۔ والذاریات القلم۔ الجن وغیرہ اور یہ وہ زمانہ تھا جب نہ مسیلمہ کذاب کو کوئی جانتا تھا اور نہ ہی اسکے کوئی پیرو تھے۔ بنی حنیفہ عرب کی ایک عیسائی قوم تھی جنہوں نے ہجرت کے نویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا اور انہیں میں مسیلمہ بھی شامل تھا۔ اسوقت بھی وہ ایک غیر معروف شخص تھا مگر مدینہ سے جب وہ پھر اپنے ملک میں واپس آیا تو اسوقت اس نے دعویٰ نبوت کیا اسی وقت ایک دو اور کذاب بھی مدعی نبوت ہوے تھے کیونکہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان کامیابی کو دیکھکر یہ خیال کیا کہ شاید دعویٰ نبوت سے ہی آدمی بڑا بن سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ نے انکو ایک دو سال کے عرصہ میں ہی تباہ کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو اور بھی روشن کر دیا اور دکھا دیا کہ اسکے حضور سے صرف سچے کو ہی نصرت ملتی ہے اور کہ لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین بالکل سچا کلام ہے یعنی کوئی شخص جو افترا علی اللہ کرے اور کہے کہ فلاں وحی خدا کی طرف سے مجھ پر نازل ہوئی ہے حالانکہ اسکا اپنا ہی افترا ہو ایسے شخص کو خدا بہت جلدی ہلاک کر دیتا ہے نہ اسکو مہلت دیجاتی ہے اور نہ ہی تائید و نصرت دیجاتی ہے افسوس ہے کہ آج کل مسلمان حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کے سبب سے اور اس سبب سے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے منشا کے مطابق آپکے دعوی کی تصدیق کردی اس آیت کے اس مضمون سے بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی ان تمام مفتریوں کو ایک دو سال کے اندر اندر ہی ہلاک کرکے بتا دیا تھا کہ اس آیت کا منشاء واقعی یہی ہے کہ مفتری کو اللہ تعالیٰ کبھی اتنی مہلت نہیں دیتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگئی مگر جب حضرت مسیح موعود نے اس دلیل کو اپنے دعوے کی تصدیق میں پیش کیا کہ میں پچیس سال سے برابر یہ کہہ رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھپر اپنا کلام نازل فرماتا ہے

---

* پروفیسر صاحب کی تاریخدانی کا یہ پہلا نمونہ ہے کہ مسیلمہ کا بجائے کذاب کے نام مسلمہ لکھا ہے منہ

پس اگر میں مفتری ہوتا تو خدا تعالیٰ اپنے اس وعدے کے موافق جو آیت لو تقول میں پایا جاتا ہے مجھے کبھی کا ہلاک کر دیتا حالانکہ میری اس وحی کا زمانہ پچیس سال یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے بھی گذر گیا ہے پس اب میرا انکار کرنے سے اس آیت کلام مجید کی تکذیب لازم آتی ہے غرضیکہ جب یہ باتیں پیش کی گئیں تو حالانکہ مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ قرآن شریف کے الفاظ کے صاف معنوں کے رو سے اور اس امر پر غور کر کے کہ خدا تعالیٰ نے اسی زمانہ میں کیونکر ان الفاظ کی تصدیق کذابوں کے ہلاک کرنے سے کر دی وہ ان باتوں کو تسلیم کرتے انکار پر اور بھی اصرار کیا درحالیکہ اس وقت انکار کرنے سے خدا کے کلام کی ہتک ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک بیّن اور قاطع دلیل کو رد کرنا پڑتا ہے اب میں اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ مسیلمہ کذاب کا نام تو اس وقت معلوم ہوتا ہے جب کہ مکہ بھی فتح ہو چکا اور اس کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ماہ ہی پہلے شروع ہوتا ہے لیکن پروفیسر مارگولیوتھ کہتا ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ مسیلمہ سے مسلم کا نام نبی کریم نے لیا ہے یا نہیں کیا اسی نا سمجھائی پر لائف لکھنے بیٹھ گئے تھے پھر یہ کہنا کہ حنیف کا نام بنی حنیفہ سے لیا گیا ہے جو مسیلمہ کی قوم تھی اور بھی حماقت کا ثبوت دیتا ہے کیا حنیف کا لفظ پہلے لغت میں موجود نہ تھا؟ اور بنو حنیفہ کے وفد کے آنے سے بہت پہلے یہ لفظ قرآن شریف میں استعمال ہو چکا تھا یہ ہیں یورپ کے محقق جنکی باتوں کو ہمارے وہ مسلمان جو وحی اور الہام کے منکر ہیں وحی اور الہام سے کم نہیں سمجھتے۔

پروفیسر مارگولیوتھ صرف تاریخ سے ہی ناواقف نہیں بلکہ عربی زبان کی لغت سے بھی وہ ایسا ہی ناواقف ہے چنانچہ لفظ مسلم کی ایک نئی تشریح آپ کو سوجھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ "لفظ مسلم کے قدرتی معنے دغاباز کے ہیں جب فریق یعنی مسلمانوں کی ہجو لوگوں نے شروع کی تو اس لفظ مسلم کی بنا پر وہ ان سے بہت ہنسی کرتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا لفظ اختیار کر کے نہیں کس قدر بھدا مذاق دکھایا مگر اسکو بعد میں ایک معزز معنے دینے میں بڑی ذہانت دکھائی" یہاں پروفیسر صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مسلم کا نام ابتدا ہی میں اختیار کیا گیا تھا کیونکہ ہجو ابتدا میں ہی شروع ہو گئی تھی "قدرتی" معنوں سے پروفیسر مذکور کی کیا مراد ہے میری سمجھ میں نہیں آیا اگر یہ فرض کر لیا جاوے کہ سارا صحیفہ قدرت تعویذ بنا کر پروفیسر صاحب کے دماغ میں رکھ دیا گیا ہے تو شاید "قدرتی" معنوں سے وہ معنے مراد ہوں جو انکے دماغ نے تراشے ہیں ورنہ اس اصطلاح کی تشریح پروفیسر صاحب خود ہی کچھ کریں تو کریں اور چونکہ انہوں نے لفظ مسلم کے ایک "قدرتی" معنے تجویز کر لئے ہیں اسلئے "شاید لغت کو بھی نہ مانیں بہرحال ناظرین کے لئے لغت کا پیش کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا میں نے قاموس تاج العروس۔ لسان العرب کو جو اہل اسلام کی لکھی ہوئی لغت کی کتابیں ہیں دیکھا ہے اور عیسائی مصنفین میں سے لین پول کی مشہور عربی انگریزی ڈکشنری اور سٹائین گاس کی ڈکشنری اور اقرب الموارد کو دیکھا ہے مگر ان میں لفظ مسلم کے معنے دغاباز مجھے کہیں نہیں ملے شاید پروفیسر صاحب کو لفظ اسلم کے معنوں سے غلطی لگی ہو جسکی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ عربی زبان کے محاورات سے وہ ناواقف ہوں جب ہم کہتے ہیں اسلم فلان فلانا تو اس کے معنے ہوتے ہیں فلاں شخص نے فلاں شخص کو ہلاک ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ اسلمتہ میں نے اسکو اس شخص کے ہاتھ

میں چھوڑ دیا جو اسے مارنا یا زخمی کرنا چاہتا تھا اسلم الرجل یا اسلم العدو اس نے اس شخص کو یا دشمن کو چھوڑ دیا یا اس
کی مدد نہ کی لیکن اگر اَسلم بغیر کسی مفعول کے آئیگا تو اسوقت اسکے معنوں میں ہلاکت وغیرہ کے لئے چھوڑنا ہرگز نہ پایا جائیگا۔
میں پروفیسر مارگولیوتھ کو دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ کسی عربی علم ادب کی کتاب سے یا کسی لغت سے بغیر مفعول کے اَسلم کے معنے
ہلاکت کے لئے چھوڑنیکے ہرگز نہیں دکھا سکتے نہ کبھی اہل زبان نے صرف اَسلم کو ان معنوں میں استعمال کیا ہے یہ ایک
خاص صورت محاورہ کی ہے آپ یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ اَسلم کے اصل معنے سپرد کرنیکے ہیں اور جب اسلم الرجل کہتے
ہیں تو ہمیں اہل زبان نے اپنے محاورہ میں ہلاکت کا خیال غالب کر دیا ہے ورنہ اسلم کے معنوں میں ہلاکت نہیں پائی
جاتی دیکھو لسان العرب تاج العروس لین پول علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ جب ہم کسی فعل سے اسم فاعل بناتے
ہیں تو ہمیں فعل کے کل مفہوم نہیں پائے جاتے بلکہ جن معنوں کے لئے اہل زبان نے اسم فاعل کو وضع کیا ہوگا صرف
وہی معنے اس میں پائے جائینگے مثلاً اسلم کے معنے بیعانہ دینے کے بھی ہیں مگر مسلم کبھی بیعانہ دینے والے کو نہیں کہیں گے
پروفیسر صاحب کو عربی زبان کی تعلیم دینے کے لئے ابھی کچھ اور واقفیت عربی زبان سے حاصل کرنی چاہئیے اور انکو تحریر
میں زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہئیے کیونکہ عوام انکو فاضل عربی سمجھکر انکی بات کو صحیح مان لیں گے۔

پروفیسر مارگولیوتھ کا مقصد کتاب لکھنے میں یہ نہ تھا کہ انگریزی پبلک کے سامنے درست واقعات اسلام کے متعلق پیش
کریں بلکہ اصل غرض انکی یہ تھی کہ کوئی ایسی ایسی دلچسپ اور عجیب نئی باتیں پیش کریں جو اس کتابوں کی کثرت کے زمانے میں
ناول کا کام دے کر کتاب کی فروخت کو بڑھا دیں اور اس مدعا کو انہوں نے حاصل بھی کر لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اسلام اصل
میں ایک مخفی سوسائٹی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک میڈیم تھے جس سے اصطلاح سپرچولزم میں ایسا
شخص مراد ہے جو روحوں کو بلاتا اور ان سے سوالوں کے جواب پوچھتا ہے اس مضمون میں میرا منشا صرف عام طور پر
بحث کرنیکا ہے اور اسلئے جسقدر تفصیلات پروفیسر صاحب نے دی ہیں میں اسجگہ انکا جواب نہ دونگا ہاں مثال کے طور پر میں
ایک موقع پر پروفیسر صاحب کی کتاب کا پیش کرتا ہوں جس سے ناظرین یہ قیاس کرنیکے قابل ہو جائینگے کہ کس قسم کے دلائل سے
پروفیسر صاحب نے اپنے دعووں کو ثابت کیا ہے الجاحظ کی کتاب البیان کا حوالہ دیکر (یہ مذہبی کتاب نہیں بلکہ علمی کتاب ہے
اور اسکا مصنف عمرو بن بکر معتزلی ہے) پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نقاب اوڑھے رہا کرتے تھے
اور اسکو اس دعوے کے ثبوت میں کہ اسلام ایک مخفی سوسائٹی تھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں پروفیسر صاحب نے شاید بہت تکلیف سے
ایسا موقع تلاش کیا ہوگا اور اب جب انکو معلوم ہوگا کہ عربی الفاظ کے معنے صحیح نہ سمجھنے سے یہ انکو غلطی لگی ہے تو شاید انکو بڑا صدمہ
پہنچیگا جاحظ کی کتاب البیان کے اس مقام پر جسکا حوالہ پروفیسر مارگولیوتھ دیتے ہیں اصل عبارت یہ ہے "والقناع من سیماء الرؤ

مجھے اس جگہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص فضل کا ذکر کرنا چاہتا ہوں حضرت مولوی نورالدین صاحب کے وجود با برکت سے جہاں اور بڑی بڑی

والدلیل علی ذلک والشاہد الصادق والحجۃ القاطعۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یکاد یرے الا مقنعا۔ یعنی قناع سرداروں اور بڑے بڑے لوگوں کی نشانی ہے اور اسپر دلیل اور شاہد صادق اور حجت قاطع یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مقنّع دیکھے جاتے تھے (البیان۔ جلد ۲ صفحہ ۷۹) اس عبارت میں پروفیسر مارگولیوتھ نے لفظ قناع سے مراد چہرے کا نقاب لیا ہے اور مقنّع سے یہ مراد لیا ہے کہ آپ چہرے پر ہمیشہ نقاب اوڑھے رہا کرتے تھے یا تو یہ انکو غلطی لگی ہے اور انہوں نے قناع اور مقنع کے معنوں کی تحقیقات نہیں کی اور یہ بہت قابل افسوس امر ہے کہ ایک شخص پروفیسر عربی ہو کر دنیا میں ایک کتاب شائع کرتا ہے اور احتیاط اور تحقیق سے کام نہیں لیتا یا اگر انکو اس لفظ کے معنے معلوم تھے تو انہوں نے عمداً دھوکا دیا ہے جو اور بھی زیادہ قابل افسوس بات ہے پروفیسر صاحب اگر عبارت مذکورہ بالا کے سباق و سیاق کو ہی دیکھتے تو ایسی غلطی کے مرتکب نہ ہوتے کیونکہ صاحب کتاب لکھتا ہے کہ قناع سرداروں اور بڑے بڑے لوگوں کی نشانی ہے اب اگر ایک شخص کا سر چکرایا ہوا نہ ہو تو وہ سمجھ لیگا کہ چہرے پر نقاب ڈالکر باہر نکلنا تو بڑے آدمیوں کی نشانی کسی ملک میں کبھی نہیں ہوئی ممکن ہے کہ البیان کے اس طرز بیان سے آپ کو دھوکا لگا ہو کہ لڑائیوں میں جو لوگ مقنّع ہوتے تھے انکے پہچاننے کے لئے کسی علامت کی ضرورت ہوتی تھی اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو گرد و غبار کی وجہ سے عمامہ کے ایک حصہ کو منہ کے آگے سے وہ ایسی صورت میں پیچ دیا کرتے تھے جس سے سانس کے ساتھ بہت گرد و غبار اندر نہ جائے اور دوسرا یہ کہ خود جنگ کا موقع ایسا ہوتا ہے کہ وہاں شناخت مشکل ہوتی ہے ایک فاصلہ زیادہ اور دوسرا جنگ کا گھمسان یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جاحظ نے عمامہ کے ذکر میں قناع کا ذکر کیا ہے حالانکہ اگر قناع سے مراد نقاب ہوتی تو عورتوں کے لباسوں میں اسکا ذکر آتا پروفیسر صاحب کے زیادہ اطمینان کے لئے میں نیچے لغت کے حوالے دکھاتا ہوں کہ قناع کیا مراد ہے

مجمع بحار الانوار میں لفظ قناع کے نیچے یہ عبارت ہے وفی حدیث الہجرۃ ھذا رسول اللہ مقبلاً مقنعا ای القی علی راسہ ازارا لدفع الحر یعنی مقنع سے مراد یہ ہے کہ آپ نے ایک کپڑا گرمی کے روکنے کے لئے سر پر ڈالا ہوا تھا اور پھر آگے چلکر ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکثر دھن راسہ ویکثر القناع کانہ ثوب زیات الدھن والقناع ما تقنع المرأۃ راسہا) یعنی بکثرت

بقیہ حاشیہ ٭ بڑی بڑی برکات لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں مذہب پر لکھنے والا اس برکت کو خاص طور پر محسوس کرتا ہے کہ نہ ہر وقت کے دقت صرف وہ آپ کے علوم اور وسیع تحقیقات سے ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بلکہ ہر ایک قسم کی کتاب جو کسی بڑے بڑے کتب خانہ میں ہوتی ہو گی یہاں فی الفور ملجاتی ہے راقم مضمون حضرت مولانا موصوف کے ان احسانوں اور برکات سے مستفید ہو کر اپنے دل میں انکے لئے دعا کے واسطے جوش پاتا ہے اور میں اس بات کا ذکر اس لئے اس جگہ کرتا ہوں کہ اگر ان مضامین کے پڑھنے والوں کے دلوں میں بھی کبھی جوش دعا پیدا ہو تو وہ حضرت مولانا موصوف کے لئے بھی ضرور دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور صحت میں بڑی برکت دیوے اور اپنے سچے مذاہب اور پاک سلسلہ کی خدمت کا کام مدت تک ان سے لے۔ منہ

اتخاذ القناع عند الدهن لیحفظ العمامۃ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کو اکثر تیل لگاتے تھے اور قناع کا استعمال بھی اکثر کرتے تھے گویا کہ وہ تیل بیچنے والے کا کپڑا تھا (اور قناع وہ کپڑا ہے جو عورت سر پر اوڑھتی ہے) مطلب اس کا یہ ہے کہ تیل لگا کر اکثر قناع اوڑھ لیا کرتے تھے تاکہ پگڑی تیل سے بچی رہے اور پھر ہے القناع خرقۃ یلقی علی الراس بعد استعمال الدھن لئلا یتسخ العمامۃ شبھہ بقناع المرأۃ یعنی قناع ایک کپڑا ہے جو تیل کے استعمال کے بعد سر پر ڈال لیا جاتا ہے تاکہ پگڑی میلی نہ ہو اور اسکو عورت کے قناع کیساتھ تشبیہ دی ہے ان تمام روایات اور تشریحوں سے ثابت ہے کہ قناع سر پر ڈالنے کا کپڑا تھا نہ چہرے کا نقاب اور اسکی غرض پگڑی کو تیل سے بچانا تھی یا گرمی وغیرہ کو روکنے کی ایسا ہی مجمع بحار الانوار میں قناع کو طیلسان سے مشابہت دی ہے اور لین صاحب اپنی ڈکشنری میں طیلسان کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جو سر سے دونوں کندھوں پر ڈالا جاتا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ آج کل بھی عربی ممالک میں علما و فضلا اسکو خاص طور پر پہنتے ہیں پس اگر پروفیسر صاحب کا شک کسی طرح رفع نہ ہوتا ہو تو وہ مصر یا شام میں جاکر دیکھ لیں کہ آیا وہاں علما نقاب پہنتے ہیں یا قناع کسی اور چیز کا نام ہے ایسی ہی تشریح لسان العرب میں قناع کی دی ہے اور لکھا ہے کہ "مقنع بالحدید اس شخص کو کہتے ہیں جو سر پر خود پہنے ہوئے ہوتا ہے کیونکہ قناع کا مقام سر ہی ہے" اور لبید کا یہ شعر نقل کیا ہے فی کل یوم ھامتی مقرعۃ قانعۃ ولم تکن مقنعۃ یعنی ہر روز میری کھوپری پہ چوٹیں لگتی ہیں وہ برہنہ اور اسپر کوئی خود نہیں تاج العروس۔ اور اقرب الموارد میں بھی یہی تشریح قناع اور مقنع کی کی ہے مگر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی کافی سے بڑھکر ہے اب بھی اگر پروفیسر مارگولیوتھ صاحب نہ سمجھیں تو یہ انکی کھوپری کا قصور ہے۔

یہ مثالیں کافی طور پر اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ پروفیسر مارگولیوتھ کی علمی قابلیت اور تاریخدانی کس پایہ کی ہے اور اسی قسم کے دعووں پر پروفیسر صاحب کے سارے لغو خیالات کی بنیاد ہے تاریخی طور پر یہ کتاب کسی قابل نہیں اور ریویو سے بہت کم پایہ کی ہے ہاں عیسائی صاحبان کے لئے اگر اس میں دلچسپی ہے تو صرف یہ کہ اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے نبی کے سپر نیچرلسٹ واسطہ قرار دیا ہے اور اسلام کو مخفی سازش کہا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دار قرار دیا ہے بلکہ پروفیسر صاحب کے نزدیک ابوبکرؓ ہی لوگوں کو مسلمان بناتا تھا اور آنحضرتؐ دعوت نہ کرتے تھے چنانچہ وہ صاف الفاظ میں لکھتا ہے کہ دعوت کرنا اور مرید بنانے کا کام ابوبکر ہی کیا کرتے تھے اور کہ سلسلہ انہوں نے ہی شروع کیا لیکن جب انؓ عوذ کو ثابت کرنے کے لئے مثالوں کی ضرورت پڑی جنسے یہ ثابت ہو کہ واقعی حضرت ابوبکر ہی سلسلہ کے قایم کرنیوالے تھے نہ حضرت رسالتپناہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پروفیسر صاحب کی بیہودگی اور انکا جھوٹ خود کھل گیا اور انکو ماننا پڑا کہ ایک ہی واقعہ ہے انہوں نے یہ سارے نتایج نکالے ہیں اور اسی پر انہوں نے اپنے لغو دعووں کی کل عمارت بنائی ہے اور اس ایک واقعہ سے بھی اس سے بڑھکر کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک شخص کو اسلام قبول کرنیکی دعوت کی پھر اسکے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اس سازش میں اکیلے حضرت ابوبکر ہی شامل نہ تھے بلکہ تیسرا سازشی بلال رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ حضرت عمرؓ نے انکی نسبت کہا کہ بلالؓ اسلام کا تیسرا حصہ ہے حضرت عمرؓ کے ان صاف الفاظ کو

جنکا کھلا کھلا منشاء یہ پایا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے میں بلالؓ تیسرا آدمی تھا تو ڈمر وڈ کر پروفیسر مارگولیوتھ ان سے یہ معنے نکالنا چاہتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی علم تھا کہ اس سازش میں تیسرا سازشی بلال ہے اگر یہی طریق معنے کرنیکا درست ہے تو پھر پروفیسر صاحب کو اختیار ہے کہ جن الفاظ سے جو معنے چاہیں نکالیں۔

یہ خیال کہ مسلمانوں کی سوسائٹی ابتدا میں ایک مخفی سوسائٹی تھی ایسا لغو ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی خواہ وہ دشمن اسلام ہی کیوں نہ ہو ایک لمحہ کیلئے بھی اسے صحیح تسلیم نہیں کر سکتا مخفی سوسائیٹیوں کی ایک موٹی مثال ہمارے زمانہ میں فری میسنوں کی سوسائٹی ہے جو مدت سے چلی آتی ہے شاید بہت کم لوگ ہونگے جو اس بات سے واقف نہ ہوں کہ اس سوسائٹی میں لوگ کس طرح داخل کئے جاتے ہیں اور پھر وہ آسانی سے اسلامی تاریخ کو پڑھکر یہ مقابلہ کر سکتے ہیں کہ آیا اسلام میں لوگ اسی طرح داخل کئے جاتے تھے مخفی سوسائیٹیوں کا سب سے ضروری اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو ابھی داخل نہیں ہوئے اپنے اصول سے اطلاع نہ دیجاوے اگر کسی سوسائٹی میں یہ بات نہیں پائی جاتی تو اسکو مخفی کہنا حماقت ہے اب اگر اسلام کی ابتدائی حالت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ نہ صرف کسی مسلمان سے شروع سے لیکر آخر تک کبھی یہ اقرار نہیں لیا گیا کہ وہ اصول اسلام کو کفار پر ظاہر نہ کرے بلکہ وہ اسلام میں داخل ہوتے ہی یہ بھی اپنا فرض سمجھتا تھا کہ اپنے پاک اصول کی تبلیغ کفار کو بھی کرے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی طرف لوگوں کو بلاتے اور بت پرستی کی کھلے کھلے الفاظ میں مذمت کرتے تھے قرآن شریف کی ہر ایک آیت جیسے جیسے نازل ہوتی تھی معاً دشمنوں اور دوستوں کے اندر مشتہر کیجاتی تھی بلکہ اسلام کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ اسکی کتاب کا لفظ لفظ ابتدا سے اور ساتھ ساتھ ہی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مشتہر ہوجاتا تھا ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی خیال کر سکتا ہے کہ اگر اسلام ایک مخفی سوسائٹی ہوتی تو ابتدا میں جو تکالیف مسلمانوں کو دیجاتی تھیں دیجاتیں۔ جب کفار کو انکے اصول ہی معلوم نہ تھے اور نہ پتہ ہی تھا کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے تو انکا سر چکرایا تھا جو وہ بیوجہ مسلمانوں کو دکھ دیتے اور گھروں سے نکالتے جس رسول کو پہلا حکم یہی ہوتا ہے کہ قم فانذر یعنی اٹھو اور کفار کو آنیوالے عذاب سے ڈراؤ وہ اس پیغام کو مخفی رکھکر کیونکر اپنے فرائض کو پورا کر سکتا تھا ہاں کفار یہ چاہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مداہنت کا پہلو اختیار کریں اور انکے بتوں کی مذمت پسند نہ دیں تو وہ بھی چپ رہینگے ودوا لو تدھن فیدھنون۔ (القلم) مگر خدا تعالیٰ کو یہ بات منظور نہ تھی اور حکم ہوا کہ انکی بات کو نہ مانو بلکہ جو احکام تمہاری طرف بھیجے جاتے ہیں انکو پھاڑ پھاڑ کر بیان کرو مگر اصول اسلام پہلے ہی مخفی رکھے جاتے تو اللہ تعالیٰ ودوا لو تدھن نازل نہ فرماتا یہ آیات بالاتفاق ابتدائی زمانہ نزول وحی کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں کبھی بھی اخفا کا رنگ نہیں آیا۔

پروفیسر مارگولیوتھ نے یہ نہیں بتایا کہ مخفی سوسائٹی کے بنانے کی غرض کیا تھی کیا اس سوسائٹی کا یہ منشا تھا کہ قریش کی طاقت کو توڑ کر ایک نئی حکومت قائم کی جاوے؟ کیونکہ مخفی سوسائیٹیوں کی کوئی نہ کوئی پولیٹکل غرض ضرور ہوتی ہے اگر یہی غرض تھی۔ تو بت پرستی کے دور کرنیکا بیڑا کیوں اٹھایا گیا کیونکہ اس سے تو اس غرض کے حاصل کرنے میں بجائے مدد ملنے کے مشکلات پیدا ہوتی تھیں وہ پاکیزگی جس کے حاصل کرنیکے لئے قرآن شریف بار بار زور دیتا ہے اسکو مخفی سوسائٹی سے کچھ تعلق نہ ہوسکتا تھا قرآن شریف

ابتدا سے ہی اسی بات پر زور دے رہا تھا کہ آنحضرت صلعم دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہیں مگر اصلاح کرنیوالے کا مدعا اخفا سے کب حاصل ہو سکتا ہے آخر ایک بات کرنیکے لئے انسان کو اسکی پس و پیش بھی دیکھنی چاہیے جسقدر اعلان اسلام نے دنیا میں کیا ہے دوسرے کسی مذہب نے نہیں کیا اسکی کتاب گھروں میں اور مجلسوں میں باآواز بلند پڑھی جاتی اور پھر نماز کے لئے بلانے کے وقت بھی اپنے اصول کا اعلان ہی کیا جاتا اسقدر اعلان کے ہوتے ہوئے جو شخص اخفا کو اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے اسے جاہل کہنا پڑتا ہے آج بھی اسلام میں ایک مصلح موجود ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح باآواز بلند لوگوں کو حق کی طرف بلا رہا ہے اگر اسلام کی ابتدا اخفا کے رنگ میں ہوتی تو ضرور تھا کہ اسمیں مصلح بھی ایسے ہی پیدا ہوتے علاوہ ازیں جو مصائب صحابہ رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں اور جو قربانیاں انہوں نے مذہب کی خاطر کیں اور جو استقلال اور صبر انہوں نے دکھایا ایک مخفی سوسائٹی میں یہ باتیں ہرگز نہیں مگر ایک لغو خیال کی تائید کے لئے پروفیسر صاحب کو ایک اور لغو خیال پیش کرنا پڑا ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ایک سپر سیکولسٹ واسطہ تھے یہ دونوں خیال ایسے ہیں کہ ایک کے جھوٹا ثابت ہونیسے دوسرا خود ہی جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے گو میں انکے اس دوسرے خیال کی کسی قدر تشریح الگ بھی ضروری سمجھتا ہوں اس دوسرے خیال کی تائید میں پروفیسر صاحب تین باتیں پیش کرتے ہیں یعنی چہرے پر نقاب ڈالنا جسکی حقیقت میں اوپر بیان کر چکا ہوں خلوت کو پسند کرنا اور نزول وحی کیوقت ایک خاص حالت کا طاری ہونا خلوت پسندی کے متعلق میں مختصراً یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کام کے شروع کرنیکے لئے خلوت کو پسند کیا بلکہ آپ فطرتاً ہی تنہائی پسند تھے لڑکپن کے زمانے میں آپ کو بچوں کے ساتھ ملکر کھیلنے کا شوق نہ تھا جوانی میں بھی کبھی آپ لغو مجلسوں میں شریک نہ ہوتے اور نزول وحی سے بہت مدت پہلے آپ کی یہ عادت تھی کہ آپ ایک مہینہ ہر سال میں گوشہ تنہائی میں بیٹھکر خدائے تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے اب اگر وہ لوگ جو سپر سیکولزم کے دائرے کے اندر واسطہ یا وسیلہ کہلاتے ہیں وہ بھی اپنا کام خلوت میں ہی کرتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ہر ایک خلوت پسند آدمی ایسا ہی ہوتا ہے پروفیسر صاحب کا خاص منطق ہے انبیاء علیہم السلام ایسے وقت میں مبعوث ہوتے ہیں جو تاریکیوں اور غفلتوں اور گناہوں کے سیلاب کا وقت ہوتا ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ ابتدا سے ہی پاک رہیں اور دنیا کے کسی گند میں ملوث نہ ہوں اسلئے انکو فطرت ہی ایسی دیتا ہے کہ وہ ناپاک آدمیوں کی صحبت سے کنارہ کش رہتے ہیں اور انکی طبیعت ہی خلوت پسند بنائی جاتی ہے مثلاً عرب کی حالت کو دیکھو کہ کس قسم کے ذلیل انکے عقیدے اور کس قسم کی گندی انکی کارروائیاں تھیں اور اخلاقی اور تمدنی قوانین سے وہ ایسے ناآشنا تھے جیسے کسی جنگل کے وحشی اسلئے وہ پاک اور مقدس انسان جسکو خدا نے ابتدا ہی سے پاک بنایا تھا ان لوگوں کیساتھ نہ مل سکتا تھا بلکہ جب آپ انکے درمیان کاروبار بھی کرتے تھے تو آپ کی روح کو انکے ساتھ کچھ تعلق نہ ہوتا تھا آپ ان وحشی اور خونخوار بت پرستوں کے درمیان ایسے تھے جیسے انسانوں میں فرشتہ پس یہ ناممکن تھا کہ آپ انکے ساتھ مل سکتے علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام شہرت پسند نہیں ہوتے اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ ناپاک لوگوں کو اس اعتراض کا موقع نہ ملے کہ وہ ایک جاہ طلب اور شہرت پسند انسان ہے جس نے یہی ایک ذریعہ شہرت حاصل کرنیکا سوچ لیا ہے انکے لئے اپنے گوشہ

خلوت سے باہر نکلنا سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے مگر اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے اور اسکی فرمانبرداری میں وہ اپنی تمام خواہشات کو چھوڑ کر اسی کے احکام کی پیروی کرتے ہیں چنانچہ یہی حالت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جیسا کہ متواتر روایات سے معلوم ہوتا ہے اور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لئے مامور اور نبی کرکے بھیجا ہے وہ بھی شہرت پسند نہیں بلکہ ایک عرصہ دراز تک جبتک اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ وہ لوگوں سے بیعت تو لیں آپکو کسی سے کچھ سروکار نہ تھا اور سالہا سال تک گوشہ خلوت سے باہر نہیں نکلے یہی سنت قدیم سے انبیاء کی چلی آئی ہے مگر اندھا مخالف ہر خوبی کی بات پر نکتہ چینی کرتا ہے اور خوبی کا اعتراف کرنیکی بجائے اسی فکر میں لگا رہتا ہے کہ اس خوبی کو کسی نہ کسی طرح عیب کے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کرے گر نہ بیند بروز شپرہ چشم۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ والا معاملہ ہے۔

سپرچولزم کے واقعات ایسی باتیں نہیں جو آج مغربی ممالک میں دریافت کی گئی ہوں بلکہ مشرقی ممالک میں بھی ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں لیکن مذہب اسلام نے ان باتوں کی کوئی تائید نہیں کی خود عرب میں اسلام کے ظہور کے وقت اسی قسم کے لوگ موجود تھے جنکو کاہن کہتے تھے جو آج کل کے سپرچولسٹوں کی طرح یہ سمجھتے تھے کہ جنات یا روحیں انکے تابع ہیں جو انپر چھپی ہوئی چیزیں ظاہر کرتی ہیں اور اسی طرح پر وہ لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے تھے جس طرح پر آج کل روحیں حاضر کی جاتی ہیں اسی کے مشابہ ان لوگوں کے حالات تھے اگرچہ تفصیلات میں کسی قدر فرق آ گیا ہو مگر اصولاً یہ کاہن لوگ گویا اس زمانہ اور ملک کے سپرچولسٹ ہی تھے اسلام نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا بلکہ جہاں دوسری بدیوں کو جڑھ سے اکھاڑا ساتھ ہی کہانت کو بھی باطل کیا اور اسکا نام ونشان مٹا دیا پس اسلام سپرچولزم کی قسم نہیں بلکہ سپرچولزم یا کہانت کو باطل کرنیوالا ہے اور یہ پروفیسر مارگولیتھ کی ناواقفیت ہے جو وہ اسلام کو سپرچولزم سے مشابہت دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ کاہن یا روحوں کو حاضر کرنیوالا ٹھہراتا ہے۔

اب ان حالات پر غور کرو جنکے نیچے روحوں کو حاضر کیا جاتا ہے اور پھر انکا نبی کی حالت وحی سے مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ پروفیسر صاحب نے ایکدوسرے کیساتھ مشابہت دینے میں سخت غلطی کھائی ہے یا سخت دھوکا دینا چاہا ہے روحوں کے حاضر کرنے میں تمام تکلف اور بناوٹ سے کام لیا جاتا ہے اور طرح طرح کی تیاری کی جاتی ہے اس مکان میں جسمیں یہ تماشا ہونا ہو تاریکی کا ہونا ضروری ہے اکثر رات کے وقت یہ کام کیا جاتا ہے اور لیمپ کی بتی اسقدر نیچے کیجاتی ہے کہ کسی چیز پر صاف نظر نہ پڑ سکے بلکہ تمام چیزیں دھندلی دھندلی نظر آئیں پھر ایک عالم خاموشی ہوتا ہے اور حاضر کرنیوالا اپنے آپ پر یا شاید بذریعہ مسمریزم دوسروں پر ایک حالت ربودگی کی طاری کرلی جاتی ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورتیں اور جلد متاثر ہونیوالی طبیعتیں ان روحوں کو جلدی دیکھ سکتی ہیں بہ نسبت دوسروں کے ایسے موقع پر پوری تحقیقات کرنیکا کوئی مجاز نہیں ہوتا اور اکثر حالتوں میں یہ معلوم ہوا ہے کہ فریب یا دھوکے سے ایسے موقع پر زیادہ کام لیا جاتا ہے اور بہت سی صورتوں میں روح کا حاضر ہونا محض ایک سازش ثابت ہوئی ہے اب کوئی شخص انصاف کو مدنظر رکھکر غور کرے کہ ان حالتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت وحی سے کیا مشابہت ہے کیا ایک بھی ایسی روایت ہے خواہ وہ ضعیف ہی ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ آنحضرت وحی کے آنے سے پہلے ایک کمرہ میں چند آدمیوں کو لیکر بیٹھ جایا کرتے تھے پھر وہاں تاریکی کی جاتی تھی اور سب چپ چاپ وحی کے آنیکا منتظر رہتے تھے پھر

اگر ان میں سے ایک بھی بات ثابت نہیں بلکہ برعکس اسکے یہ ثابت ہے کہ وحی کے نزول کا نہ کوئی خاص وقت مقرر تھا۔
نہ کوئی خاص حالت بلکہ ہر حالت میں نزول وحی ہو جایا کرتا تھا یہانتک کہ بھری مجلسوں میں بیٹھے ہوئے بھی جنکے درمیان ہر طرح
کے لوگ ہوتے تھے تو اس دروغگوئی سے پروفیسر صاحب کو کیا حاصل تھا کہ وحی کی حالت معمولوں کو عاضر کرنیکی حالت کے مشابہ تھی۔

اسمیں کچھ شک نہیں کہ سپرچولسٹ تکلف سے اپنے اندر وہ ربودگی کی حالت پیدا کرنا چاہتے ہیں جو نبی پر نزول
وحی کیوقت منجانب اللہ طاری ہو جاتی ہے خدا کے فضلوں میں سے جو اس سلسلہ میں شامل ہونیسے ہم لوگوں کو حاصل ہوئے ہیں
ایک یہ بڑا فضل ہے کہ آج ایسے امور کے لکھنے کے لئے ہمیں ڈھکوسلوں کا کام نہیں لینا پڑتا بلکہ ان حالات کو ہم بچشم خود حضرت مسیح موعود
کی ذات میں مشاہدہ کر رہے ہیں کوئی شخص اس سلسلہ میں شامل نہیں وہ دعوے سے اس مضمون پر قلم نہیں اٹھا سکتا کیونکہ وہ خود
اس بات سے بے خبر ہے کہ نزول وحی کسطرح ہوتا ہے جاننا چاہئے کہ نزول وحی کیوقت عموماً انبیاء پر ایک حالت ربودگی کی طاری ہو
جاتی ہے اگرچہ بعض وقت عین بیداری میں بھی نزول وحی یا مکاشفہ ہو جاتا ہے اس ربودگی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ
کا کلام پاک دوسرے عالم سے آتا ہے اسلئے جبتک اس طرف سے انقطاع کلی کر کے دوسرے عالم میں انسان اپنے آپ کو نہ
پائے اسوقت تک وہ دوسرے عالم کی حالت کو مشاہدہ بھی نہیں کر سکتا مگر یہ ربودگی کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ وہ معمولی اسباب
میں سے کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کیجا سکتی بلکہ یکایک ہی یہ حالت آتی ہے کہ جب نزول وحی ہو چکتا ہے تو پھر خود ہی وہ حالت
جاتی رہتی ہے اب کسی سپرچولسٹ سے یہ پوچھکر دیکھ لو کہ آیا اسپر حالت ربودگی خود بخود طاری ہوتی ہے؟ اسکا جواب نفی
میں ملیگا وہ حالت ربودگی خود اپنے اوپر لانا چاہتے ہیں اور یہ انکی طرف سے ملاقات روح کے لئے ایک قسم کی تیاری ہوتی ہے
مگر نبی پر حالت ربودگی خود بخود طاری ہوتی ہے۔

صرف ایک ظاہری مشابہت کو دیکھکر ایک نتیجہ قایم کر لینا اور اصل واقعات کی تہ تک نہ پہنچنا عقلمند آدمی کا کام نہیں
اسطرح سے تو ایک شخص جھوٹے اور سچے ہیرے کی چمک کی مشابہت کی بنا پر دونوں کو یکساں کہہ سکتا ہے اور پروفیسر مارگولیوتھ
کی طرح اس بات کے دریافت کرنے پر فخر کر سکتا ہے ایک ظاہری مشابہت کا بیان کر دینا کوئی فخر نہیں بلکہ انسان کی دانشمندی اس
سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ ظاہر حالات سے دھوکا نہیں کھاتا بلکہ ایک ظاہر مشابہت کو دیکھکر اور معلوم کر کے پھر ایک بات کی حقیقت
کو پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ دریافت کرتا ہے کہ وہ کونسے امتیازی نشان ہیں جو سچے اور جھوٹے میں فرق کو ظاہر کر سکتے
ہیں پس اگر کوئی مشابہت ظاہر میں تھی بھی تو پروفیسر صاحب کا فرض تھا کہ وہ یہ دکھاتے کہ کوئی ایسا امتیازی نشان نہیں
جس سے ایک نبی اور سپرچولسٹ میں فرق ہو سکے دیکھنے اور غور کرنیکے قابل امتیازی نشان ہیں نہ ظاہری مشابہتیں سو
پہلا امتیازی نشان یہ ہے کہ سپرچولسٹ بہت سی محنت اور سردردی کے بعد جن باتوں کو حاصل کرتا ہے وہ محض
لغو باتیں اور بچوں کا کھیل ہوتی ہیں اور کوئی سنجیدہ آدمی انکے دریافت کرنیکے لئے اپنا وقت ضایع کرنا پسند نہیں کریگا۔
آدھی رات کو دروازوں کا کھٹکھٹانا یا میزوں کا الٹانا اور لغویات جو سپرچولزم کا فخر ہیں کونسی حکمت کی باتیں ہیں اور

یا کونسی انسانی ترقی کے راز انہیں پائے جاتے ہیں یا کس طرح سے اخلاقی یا روحانی ترقی حاصل ہو سکتی ہے یہ سب محض بیکاری کے شغل ہیں اور انسانی ترقی کی راہ میں روکیں ہیں اسی لئے سپرچوئلسٹوں میں دوسروں سے بڑھکر ہم کوئی بات ایسی نہیں پاتے جو فخر انسانیت ہو بلکہ اکثر اوقات انکی اخلاقی حالتیں معمولی انسانوں سے بھی گری ہوئی ہوتی ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جسقدر لوگ میڈیم کہلاتے ہیں یعنی روحوں کے حاضر کرنیکا کام کرتے ہیں انہیں سے ایک بھی ایسا آدمی ثابت نہیں ہوا جو کسی نہ کسی موقع پر دھوکے یا سازش کا مرتکب ثابت نہ ہوا ہو علاوہ ازیں جو اطلاع اس طرح حاصل کی جاتی ہے وہ اکثر اسیقدر ہوتی ہے کہ فلاں شخص کو اپنی زندگی میں فلاں واقعہ پیش آیا تھا حالانکہ اسبات کا علم اور کسی طرح بھی حاصل ہو سکتا ہے اب ان فضول اور بے معنی پیغاموں کا مقابلہ نبیوں کی تعلیم سے کرو جس کی غرض تزکیہ نفس اور ترقی سوح ہوتی ہے اور وہ بار بار اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ لوگ اخلاقی ترقی کریں ۔ اور پاکیزگی کی راہوں پر چلیں بلکہ وہ اپنے پیرووں کو ان پاکیزگی کی راہوں میں چلا کر بھی دکھا دیتے ہیں وہ نفوس کا تزکیہ اور تطہیر کرتے ہیں حالانکہ سپرچوئلزم بجائے فائدہ کے نقصان پہنچاتا ہے ہاں اگر پروفیسر صاحب کوئی ایسا سپرچوئلسٹ ہمیں دکھا دیں جو تزکیہ اور تطہیر نفوس کا دعویٰ کرتا ہو تو میں مان لونگا کہ ایک نبی اور ایک سپرچوئلسٹ کے پیغام میں کچھ فرق نہیں مگر کیا کوئی ایسا سپرچوئلسٹ ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسکو جو پیغام روحوں کے ذریعہ سے ملتے ہیں انکی غرض یہ ہے کہ لوگ ناپاکی کی راہوں کو چھوڑ کر پاکیزگی اختیار کریں بلکہ جو شخص دنیا میں اصلاح کرنی چاہتا ہے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی وہ سپرچوئلسٹ کا پیشہ کبھی اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ یہ باتیں اصلاح کی معاون نہیں بلکہ اسکی سدراہ ہیں قرآن شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کی اصل غرض کو بار بار ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایٰتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین یعنی خدا نے امی لوگوں کے درمیان جو پہلے سخت گمراہی اور جہالت کی راہوں میں پھنسے ہوئے تھے اپنے رسول کو اسلئے بھیجا ہے کہ تا وہ اسکی پاک آیتیں انکو پڑھکر سنا دے اور انکو ہر قسم کی گندگی سے خواہ وہ عقیدہ کی گندگی ہو اور خواہ عمل کی پاک صاف کرے اور انکو حکمت کی باتیں اور کتاب سکھا دے پروفیسر صاحب اس سپرچوئلسٹ کا نام اور پتہ بتا دیں جس نے یہی بات کہی ہو۔

دوسرا امتیازی نشان وہ سرچشمہ ہے جس سے نبی کو بات پہنچتی ہے سپرچوئلسٹ کبھی یہ نہیں کہتا کہ اسے خدا کی طرف سے پیغام ملتا ہے حالانکہ نبی اپنی ہر ایک وحی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کو ہی بیان کرتا ہے چھوٹی سی بات نہیں اگر واقعی نبی اور سپرچوئلسٹ میں کوئی فرق نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک نبی اپنی ہر ایک کلام کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کو بتا دے۔ اور دوسرے کو کبھی یہ جرأت بھی نہ ہو کہ وہ کہہ سکے کہ اسکو خدا کی طرف سے فلاں پیغام یا جواب ملا ہے اور یہ فرق صرف دعووں میں ہی نہیں بلکہ ان دونوں کے کلام میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے جو اس کلام کے سرچشمہ کے فرق کو ظاہر کرتا ہے ایک کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی جبروت اور اسکی طاقت اور عظمت کا ذکر نیکوں پر اسکے رحم اور بدوں پر اسکے غضب کا ذکر پایا جاتا ہے تو دوسرے کا کلام ان باتوں سے قطعاً خالی ہے نہ وہ نبی کی طرح نیکی کی طرف بلاتا اور نیک راہوں پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے اور نہ بدی سے ڈراتا اور خدا کی نافرمانی کی راہوں سے ہٹاتا ہے نہ دعاؤں کی قبولیت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکے جواب ملنے کا وعدہ کرتا ہے افسوس ہے کہ یہ لوگ جو بڑے منطقی ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں کبھی غور نہیں کرتے کہ جو تڑپ نبی کے دل میں پیدا ہوتی ہے کہ لوگ راہ راست پر آجائیں

نیک نہیں اور بدیوں کو چھوڑیں وہ کہاں سے آتی ہے اسکو کیا ضرورت ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں طرح طرح کے مصائب اٹھاتا اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتا ہے اور اصلاح خلق کا جوش اسکے دل میں کہاں سے پیدا ہوتا ہے اگر وہ محض سپرچوئلسٹ ہوتا تو یقیناً ان باتوں میں سے کوئی بات اسکے دل میں نہ پائی جاتی بلکہ جس طرح سپرچوئلزم ایک بیکاری کا مشغلہ ہے نبوت بھی ایک کھیل ہی ہوتی ہیں حیران ہوں کہ جو لوگ بڑے بڑے علمیت کے دعوے کرتے ہیں موٹی بات انکو سمجھ کیوں نہیں آتی۔

مگر ان کے علاوہ ایک تیسرا امتیازی نشان ایسا پایا جاتا ہے جس سے موٹی سے موٹی سمجھ والا آدمی بھی انکار نہیں کر سکتا اور وہ یہ ہے کہ نبی کے کلام میں غیب کی وہ خبریں پائی جاتی ہیں جن پر انسان قادر نہیں ہو سکتا یہ وہ بات ہے جس سے قطعی شہادت ایک شخص کے منجانب اللہ ہونیکی ملتی ہے یعنی اظہار غیب اور جسقدر معجزات ہیں انکے ساتھ دوسرے لوگ ایک گونہ مشابہت پیدا کر لیتے ہیں مثلاً بعض معجزات ایسے ہوتے ہیں کہ انسے ملتے جلتے ہتھکنڈے بھی پائے جاتے ہیں اور جو شہادت انکے متعلق ہوتی ہے وہ بھی ہر قسم کے شبہ سے خالی نہیں ہوتی بعض معجزات جیسے بیماریوں کو شفا دینا سپرچوئلزم یا مسمریزم کی مدد سے بھی ہو سکتے ہیں لیکن پیشگوئی میں کوئی انسان شریک نہیں ہو سکتا پیشگوئی کی حقیقت کو اب تک یورپین لوگوں نے سمجھا نہیں جسکی وجہ شاید بائبل کی بعض مجمل پیشگوئیاں ہوں لیکن پیشگوئی ہی ایک ایسا معجزہ ہے جو یقینی اور قطعی طور پر اپنا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیتا ہے کیونکہ انسانی علوم یا انسانی قویٰ کا اس میں کوئی دخل نہیں پایا جاتا مسمریزم یا بعض قسم کے مکاشفات یا ایک دل سے دوسرے دل تک ایک بات کا نامعلوم ذریعہ سے پہنچ جانا یا بیماری کو شفا دینا یہ سب باتیں اکتساباً حاصل ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں اور اسلیئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ انسانی قلب و دماغ کی بعض قوی ہیں اگرچہ ابھی ہم انکی کوئی تشریح نہ کر سکتے ہوں لیکن پیشگوئی کی طاقت اکتساباً حاصل نہیں ہو سکتی اور اسلیئے ماننا پڑتا ہے کہ پیشگوئی کا سرچشمہ انسانی دل و دماغ سے بالاتر کوئی اور ہے اور انسان کے اندر یہ طاقت نہیں رکھی گئی کہ جسطرح وہ مثلاً بعض وقت باوجود حجاب یا بعد کے دوسری چیز کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح آیندہ کے کسی واقعہ کی نسبت بھی حتمی طور پر پیشگوئی کر سکے کیونکہ آیندہ کے واقعات پیچ در پیچ اور نامعلوم اسباب کے نتائج ہوتے ہیں جو سب انسان کے علم اور اسکی قدرت کی حیطہ سے باہر ہیں اور ان کی نسبت وہی خبر دے سکتا ہے جو تمام ذرات عالم پر متصرف اور انکے تمام کاموں اور قوتوں سے آگاہ ہے اور اپنے حسب منشاء ہر ایک چیز سے کام لے سکتا ہے اور ہر وقت دنیا کی ہر حرکت اور سکون پر قادر ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے پیشگوئی کو ثبوت کی صداقت کا بڑا معیار ٹھہرایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے عٰلم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بہت سی پیشگوئیوں کا ذکر میں رسالہ میں کئی بار کر چکا ہوں جنکے قبل از وقت شایع ہونے اور پھر حیرتناک طریق سے پورا ہونے کی شہادت اعلیٰ درجہ کی قطعی اور یقینی ہے مثلاً گذشتہ اشاعت میں ہی میں ذکر کیا تھا کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعف اور ناتوانی اور بے سروسامانی اور سخت مخالفتوں اور دشمنوں کے آپکی ہلاکت کے منصوبوں کے وقت میں یہ پیشگوئی کی جو قرآن شریف کی کئی سورتوں میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ نہ صرف آپ ان تمام منصوبوں سے بچائے جاوینگے اور صحیح سالم کفار کے درمیان سے نکل جاوینگے بلکہ بعد اسکے وہ وقت بھی آنیوالا ہے جب آپ نصرت اور

فتحمندی اور غلبہ کیساتھ اسی شہر مکہ میں داخل ہونگے اور آپکے دشمن ہلاک کئے جائینگے اور یا مغلوب اور ذلیل ہونگے جہاں
ایک طرف دشمن و دوست کے درمیان اسکا شایع ہونا ثابت ہے بیس بائیس سال بعد اسکا اپنی تمام تفصیلوں کے ساتھ پورا ہونا اسی
طرح سے ثابت ہے اب غور کا مقام ہے کہ ایسی بعید از قیاس باتیں اتنی مدت پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر معلوم ہوگئیں
یہ کامیابی جو ہزاروں مخالفتوں کے بعد ہونیوالی تھی اسکی خبر انکو کسنے دیدی ایک انسان تو دعوے سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ
کب تک زندہ رہیگا مگر یہاں نہ صرف اپنی زندگی کی ہی پیش از وقت خبر دی ہے بلکہ اسکے ساتھ غلبہ اور فتح کی خبر بھی دی ہے
کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ اسکو
کوئی بیماری ایسی نہ آوے جو اسکو ہلاک کردے یا دشمن کا کوئی وار اسپر نہ چل سکے رات کی اندھیری گھڑیوں میں جب آپ سنسان
جنگلوں میں عبادت کے لئے نکلتے تھے تو اسوقت کوئی محافظ آپ کیساتھ ہوتا تھا اگر خدا تعالیٰ اپنے خاص تصرف سے دشمنوں
کے ہاتھوں کو نہ روکتا تو کس طرح آپ بچ سکتے تھے پھر باوجود سخت مخالفت کے یہ امید کس طرح آپ کو ہو سکتی تھی کہ آپکے ساتھ
اسقدر لوگ مل جائینگے جو کفار پر غالب آجاوینگے کیسے کیسے نازک موقعوں پر آپ بچ نکلے اور کیسی کیسی خطرناک زخم لڑائیوں میں آپ کو لگے
سینکڑوں آپکے ساتھی انہی جنگوں میں شہید ہوئے ان سب باتوں کو مدنظر رکھکر پھر غور کرو کہ کیا یہ بات انسانی طاقت اور علم کے
اندر تھی کہ بیس سال پہلے ایک بات کہی جاوے اور پھر اسکو اسی طرح پورا کرکے دکھایا جاوے اگر پروفیسر مارگولیوتھ کے علم میں ساری دنیا
میں کوئی ایسا سپرچولسٹ یا نجومی یا دور اندیش انسان ایسا موجود ہے جو ایسی ہی جیتی پیشگوئیاں کر سکے اور پھر وہ اسی طرح پوری
ہوں تو چاہیے کہ اسکی کوئی نظیر پیش کریں ورنہ ان پیشگوئیوں کا منجانب اللہ ہونا تسلیم کرکے اپنی حق پسندی کا ثبوت دیں۔

تعجب ہے کہ جو لوگ لغو باتوں کے لئے اسقدر تحقیقات کر سکتے ہیں وہ اسلام کے منجانب اللہ ہونیکے ان بیّن ثبوتوں پر کیوں
غور نہیں کرتے اور کیوں اس امر کی تحقیقات نہیں کرتے کہ ان پیشگوئیوں سے ہستی باریتعالیٰ کا کیسا بیّن ثبوت ملتا ہے میں دعوے
سے کہتا ہوں کہ وہ ہرگز یہ بات ثابت نہیں کر سکتے کہ ایسی پیشگوئیوں کا بیان کرنا کسی انسان کی طاقت میں ہے پھر کیوں وہ سیدھی راہ
پر نہیں آتے یا تو ہمیں ان پیشگوئیوں کی نظیر کسی دوسری جگہ دکھاویں یا قبول کریں کہ واقعی اسکے اندر انسانی علم اور طاقت سے کوئی
بالاتر علم اور طاقت پائی جاتی ہے اگر وہ یہ کہیں کہ ہم اس تاریخی ثبوت کو نہیں مانتے جسکے برابر اور کوئی تاریخی شہادت ہمیں گذشتہ
تاریخ میں نہیں ملتی تو میں کہتا ہوں کہ خدا نے اب بھی اسلام کو اس بیّن ثبوت کے بغیر نہیں چھوڑا بلکہ تازہ بتازہ ہم انکے سامنے وہ
واقعات پیش کر سکتے ہیں جنکو وہ ہر طرح سے جانچ سکتے اور پڑتال کر سکتے ہیں اور جس طرح کی تحقیقات چاہیں کر سکتے ہیں کیا ساری
دنیا میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں جو اس تحقیقات کو اپنے ذمہ لیکر اپنے بھائیوں کو ان نتائج حقہ سے آگاہ کرے جو اس عجیب شہادت سے
پیدا ہوتے ہیں یعنی یہ کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کے زندہ نشانات اور معجزات ابتک موجود ہیں اور کہ اسی مذہب
سے خدا کی ہستی کا صحیح پتہ لگتا ہے یہ نشانات حضرت مسیح موعود کی تازہ پیشگوئیاں ہیں جو سینکڑوں کی تعداد تک پوری ہو چکی ہیں
اور جنکا ثبوت اگر دیکھا جائے تو ایسا یقینی اور واضح ہے جسکی قطعیت میں کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں بلکہ اکثر حالتوں میں ایسا تحریری

ثبوت موجود ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ایک تازہ نشان پر ہی غور کرو کہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے خداتعالیٰ سے الہام پاکر یہ پیشگوئی اخباروں میں شایع کی تھی کہ "ایک زلزلہ کا دھکا" اور پھر اسکے پانچ ماہ بعد یہ دوسری پیشگوئی بھی اخبارات میں شایع کی کہ عفت الدیار محلها ومقامها جسکے صاف اور لفظی معنے یہ ہیں کہ عارضی اور مستقل سکونت کے مکان سب زمین سے ملجائیں گے اور انکا نام و نشان مٹ جائیگا اب دیکھو کہ ۴۔اپریل کے زلزلہ میں یہ پیشگوئی کیسی بیّن طور پر پوری ہوئی مگر لوگوں نے حسب عادت شور ڈالا کہ الفاظ پیشگوئی کے مبہم تھے حالانکہ ان میں ذرہ بھر ابہام نہیں ہے تب اس زلزلہ کے چند دن بعد ہی پھر خداتعالیٰ نے ظاہر کیا کہ ابھی اور بھی زلزلے آئیں گے اور وہ قیامت کا نمونہ ہونگے اور جب وقت کے لئے توجہ کی گئی تو خدا نے فرمایا "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" جس سے اسیوقت یہ مراد سمجھی گئی کہ جیسا کہ اخبار الحکم اور دوسری اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ موسم بہار میں پھر ایک سخت زلزلہ آئیگا کیونکہ پہلا زلزلہ بھی موسم بہار میں آیا تھا اور پھر ایک الہام بھی تھا کہ "۲۵ فروری کے بعد جانا ہوگا" جسکا صاف مفہوم یہ تھا کہ یہ زلزلہ ۲۵ فروری کے بعد ہوگا۔ سو ایسا ہی ہوا کہ ۲۸۔فروری ۱۹۰۶ء کو جو عین موسم بہار ہے پھر ایک سخت زلزلہ آیا جسکے متعلق اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور لکھتا ہے کہ اسکا زور ۴۔اپریل والے زلزلہ کے برابر تھا اور کئی شہروں میں عمارتیں گر گئیں اور بہت شکستہ ہوگئیں اور کچھ جانیں بھی تلف ہوئیں اور بہت لوگ مکانوں کے نیچے دب کر زخمی ہوئے اب ان واقعات کیساتھ اس امر کو بھی مد نظر رکھ لو کہ ۴۔اپریل کے زلزلہ کے بعد پروفیسر اموری جو جاپانی اور علم زلزلہ کے ماہر ہیں۔ ہندوستان میں آئے تھے اور انہوں نے شملہ سے بلکہ کانگڑہ وغیرہ تمام مقامات کو دیکھکر علمی لحاظ سے یہ خبر دی تھی کہ اب اس طرف دو سو سال تک کوئی سخت زلزلہ آئیگا اور باوجود انکی اس خبر دینے کے حضرت مسیح موعود نے بار بار سخت زلزلوں کے آنیکی پیشگوئی کو شایع کیا اب اگر کسی شخص کے دل میں طلب حق ہے تو وہ غور کرے کہ کیا اس پیشگوئی سے اور پھر اسکے صفائی سے پورا ہونیسے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ پیشگوئی منجانب اللہ تھی کیونکہ کسی انسان کا علم یہ بات نہ بتا سکتا تھا کہ موسم بہار میں پھر سخت زلزلہ آئیگا انسانی علم نے تو یہی خبر دی تھی کہ اب سو یا دو سو سال تک کوئی سخت زلزلہ نہ آئیگا یہ وہ بات ہے جسکی نظیر دنیا میں کوئی نہیں اور نہ وہ انسانی طاقت کے اندر ہے بلکہ صرف ایک عالم الغیب ہستی کے بتانیسے ہی وہ بات معلوم ہو سکتی ہے ان سب باتوں کے پیش از وقت شایع ہونے اور پھر پورا ہونیکا تحریری ثبوت موجود ہے کیا اس ساری قوم میں جو اپنے آپ کو تحقیقات کی شیدائی بتاتی ہے ایک شخص بھی ایسا نہیں جو ان باتوں کی تحقیق کرے؟

اور ان تمام گذشتہ پیشگوئیوں کے بعد اب حضرت مسیح موعود نے پھر خبر دی ہے کہ "زلزلہ آنیکو ہے" اور پھر اس کے بعد خدا نے فرمایا "چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشان کی پنج بار" یعنی یہ نشان زلزلہ پانچ بار ظاہر ہوگا اور ایک قیامت کا نمونہ دکھائیگا اور ان زلازل کے متعلق پہلے سے بھی بہت سی پیشگوئیاں شایع ہو چکی ہیں جیسے لک نری آیات ونهدم ما یعمرون۔ یعنی تیری تائید میں ہم پے در پے نشان دکھائیں گے اور جو عمارتیں وہ بناتے جائینگے ہم گراتے جائیں گے اور پھر فرمایا "زمین تہ و بالا کر دی" اور پھر "پہاڑ گرا زلزلہ آیا" اور بھی بہت سے الہامات ہیں جو اس رسالہ میں اور اخبارات و کتب و اشتہارات میں شایع ہو

* یاد رہے کہ جن زلزلہ کو ان پیشگوئیوں میں قیامت کا نمونہ دکھایا گیا ہے اسکا آنا ابھی باقی ہے *

چکے ہیں اگر پچھلی باتوں پر غور نہیں کیا جاتا تو کم از کم اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں یا اگر اسکو بھی انسانی طاقت کے اندر سمجھا جاتا ہے تو پھر چاہیئے کہ اسکے مقابل کوئی پیشگوئی کرے یا اسکی کوئی نظیر پیش کرے مگر یاد رکھو کہ اسکی نظیر کوئی پیش نہیں کر سکتا کسی نجومی سپرچولسٹ۔ سائنس دان۔ عالم کی طاقت میں یہ بات نہیں ہے صرف خدائے عالم الغیب ہی اس بات کو جانتا ہے اور وہی ان مخفی رازوں کو جو اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں ظاہر کر سکتا ہے کاش پروفیسر مارگولیوتھ اور پروفیسر اموری صاحب غور کریں۔

مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک اور بات کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عیسائی صاحبان کو اسلام کے خلاف کوئی تحریر پڑھکر ایسی خوشی ہوتی ہے کہ وہ پھولے نہیں سماتے اور ہر ایک گندی تحریر پر اس طرح گرتے ہیں جیسے گدھ مردار پر پادریوں کا ایک پرچہ "دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ" ہے جو ولایت سے نکلتا ہے اس میں اس کتاب کا ریویو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب بہت ہی قابل قدر ہے اور انگریزی دانوں کو اس سے صحیح صحیح خیالات اسلام اور اسکے پیغمبر کے متعلق مل سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک مستند کتاب آئندہ کے لئے مانی جاویگی تعجب ہے کہ وہ کتاب جسکا حملہ صرف اسلام پر نہیں بلکہ سارے سلسلہ نبوت پر ہے اور سب سے بڑھکر یسوع مسیح اگرچہ پروفیسر مارگولیوتھ نے یسوع کا نام صراحت سے نہیں لیا اسکی تعریف کیجاتی ہے مگر مردہ پرست قوم کو اس سے کیا غرض ہے کہ خدا کے نبی سچے ٹھہرائے جاتے ہیں یا جھوٹے اسلام پر کوئی اعتراض ہو پھر خواہ اپنے اصول کی ہی بیخکنی کرتا ہو پادری صاحبان پرواہ نہیں کرتے ایڈیٹر رسالہ مذکور کہتا ہے کہ اس کتاب میں جو مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا سپرچولسٹوں کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے آپ کی وحی کی حقیقت کسقدر معلوم ہوتی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ جن باتوں کو پروفیسر مارگولیوتھ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا چاہا ہے وہ یسوع مسیح کے ان حالات میں پائی جاتی ہیں جو اناجیل میں مذکور ہیں مثلاً پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ اسلام ایک مخفی سوسائٹی تھی اب اسکے ثابت کرنیکے لئے انکو چاہئے تھا کہ دو باتیں دکھلاتے اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی مسلمان کو یہ ہدایت کی ہو کہ اپنے اصول کو کفار یا ان لوگوں پر ظاہر نہ کریں جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور دوسرا یہ کہ آپ کی کوئی پولیٹکل غرض تھی مگر اناجیل سے یہ دونوں باتیں حضرت مسیح کے حالات میں پائی جاتی ہیں مثلاً متی ۱۶ باب میں لکھا ہے کہ مسیح نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ میری متعلق کیا کہتے ہیں کہ میں کون ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نہ دل میں خدشہ تھا کہ آپ کے اصل دعوے کا لوگوں کو علم نہ ہو جائے شاگردوں میں بھی خود ایسی لاعلمی پائی جاتی ہے کہ صرف پطرس نے یہ جواب دیا کہ تو مسیح ہے جسپر خوش ہو کر اسکو بہت سے وعدے دیئے گئے کہ زمین و آسمان کی کنجیاں تجھے دی جاویں گی اور ساتھ ہی شاگردوں کو اخفا کے لئے ارشاد کرتے ہیں گویا ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ بات مشہور نہ ہو جائے "تب اس نے اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں" پادری صاحبان ایمانداری سے بتاویں کہ مخفی یہ ہے یا وہ جسے مارگولیوتھ کہتا ہے ایسا ہی لوقا باب ۹ میں مذکور ہے کہ جب یسوع نے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ میری نسبت کیا کہتے ہیں تو انھوں نے مختلف رائیں بیان کیں "تب اس نے ان سے کہا تم کیا کہتے ہو کہ میں کون ہوں پطرس نے جواب میں کہا کہ خدا کا مسیح اس نے ان سے تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کسی سے کہو

لوگ بھی اس بات کو شاکی تھے کہ وہ خفیہ خفیہ کام کرتا ہے یہاں تک کہ خود اسکے بھائیوں نے اسے ملامت کی اور اسے اخفا سے روکا اور کہا کہ دو ایسا کوئی نہیں جو کچھ کام چھپ کے کرے اور چاہے کہ آپ مشہور ہو اگر تو یہ کام کرتا ہے تو اپنے تئیں جہان کو دکھا" (یوحنا ۷) اب ایک طرف تو اخفا ہے اور دوسری طرف یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں داؤد کے تخت کو قایم کرنے آیا ہوں بلکہ ایکدفعہ تو شاگردوں کو یہ حکم بھی دیدیا تھا کہ کپڑے بیچکر تلواریں خرید لو - ایسی ایسی کارروائیوں اور اخفا کی وجہ سے ہی رومی گورنمنٹ کو یہ شک پڑا کہ یہ شخص بغاوت کا جھنڈا کھڑا کرنا چاہتا ہے اسی لئے آپ کو گرفتار بھی کیا گیا - پس مخفی سوسائٹی کیلئے جو باتیں ضروری ہیں وہ سب اسجگہ پائی جاتی ہیں حالانکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے دعوے اور اصول مذہب کو ہی کھول کھولکر بیان کیا بلکہ دوسری طرف یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آپکو سلطنت یا حکومت کی کوئی خواہش نہ تھی چنانچہ جب قریش نے خود یہ امر پیش کیا کہ آپ ہمارے بادشاہ بن جائیں تو آپنے فرمایا کہ مجھے کسی بادشاہت کی پروا نہیں - اصل میں پروفیسر مارگولیوتھ نے سخت غلطی کھائی ہے اگر وہی باتیں جو ہمارے نبی کریم کے متعلق لکھی ہیں یسوع مسیح کے متعلق لکھتے تو انکو واقعات سے الگ نہ ہونا پڑتا اور انکی بات بھی سچ جاتی اور پھر ہم بھی دیکھتے کہ یسوع کی غریب بھیڑیں کس طرح کتاب کا ریویو کرتیں -

جو معجزات اناجیل میں حضرت مسیح کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ بھی پروفیسر مارگولیوتھ کے دلایل کے موید ہوتے مثلاً برانز و بیماروں کے چنگا کرنے پر دیا جاتا ہے - لیکن ایسی باتیں دنیا کی ہر قوم میں پائی جاتی ہیں خود اس وقت میں مسیح کے ساتھ دوسرے ایسے لوگ موجود تھے جو یہی کام کرتے تھے - بلکہ یہ معجزات باقی کے معجزات پر بھی شک ڈالتے ہیں کہ شاید اسی قسم کی مشاقی سے ہی سب کام کئے ہوں پھر بھوتوں کا نکالنا جسکا ذکر انجیل میں پایا جاتا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جو تمام وحشی اقوام کی معمولی توہم پرستی ہے کہ بعض بیماریاں جیسے مرگی وغیرہ کو یہ سمجھ لیتے تھے کہ ان میں بھوت داخل ہو گئے ہیں - اور انجیلوں میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح ان بھوتوں کو نکالا بھی کرتے تھے ہمارے اس ملک میں بھی بہت سے لنگوٹی پوش درویش بھوت نکالنے کا کام کیا کرتے ہیں اور پانی پر چلنے کا جو معجزہ بتایا جاتا ہے - ایسا ہی کرتب اس زمانے میں بھی لوگ آگ پر چلنے کا دکھاتے ہیں - اور چند شرابیوں کو جو شراب سے بدمست ہو رہے تھے یہ یقین دلا دینا کہ پانی کو شراب بنا دیا گیا ہے ہنسی کے قابل بات ہے - انجیر کے درخت پر خفگی کا اظہار جس حالت کو ظاہر کرتا ہے اسے ناظرین خود قیاس کر لیں - غرضیکہ اگر پروفیسر مارگولیوتھ صاحب کو اپنے خیالات کی تائید بکار ہے تو انجیلوں کی بنا پر یسوع مسیح کی لائیف لکھکر خوب تائید کر سکتے ہیں اور ہم بھی دیکھیں گے کہ پادری صاحبان اس کتاب کی کس قدر تعریف کرتے ہیں -
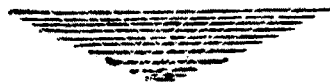
اسلام میں دس سال

(عبدالحق سورایٹ از نیوزیلینڈ)

اپنی عمر کے چوبیسویں سال میں یعنی ۱۳- مارچ ۱۸۹۶ء کو میں نے بہت سوچ بچار کے بعد اور عیسائی اصول کا اسلامی توحید کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد اُس خدائے واحد کو قبول کیا- جو قرآن شریف میں پیش کیا گیا ہے- یسوع کو چھوڑ کر جسکو عیسائی اپنا منجی خیال کرتے ہیں اور جس کے بغیر عیسائیوں کو خدا سے کوئی تعلق نہیں- نہ خدا کو اُن سے- میں نے اپنے ملک کے لوگوں کے مذہب کو چھوڑا- اور اس طرح اپنے تئیں ان کی نظروں میں حقیر بنایا- مگر حق کو پا کر میں نے لوگوں کی کچھ پروا نہ کی- اور مندرجہ بالا تاریخ پر میں نے شہر ملبورن واقعہ آسٹریلیا میں مسلمانوں کے ایک بڑے جلسہ میں اسلام کو قبول کیا- اور شہادت دی- کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں- اور محمدؐ اُس کا رسول ہے- میں نے زمین و آسمان کے خالق پر جو مسلمانوں کا خدا ہے- ایمان لانا بہتر سمجھا بجائے اسکے کہ یسوع کی پرستش کروں- اور اپنے آپ کو یسوع کے سپرد کردوں اور آسمانوں کی طرف نظر اٹھا کر کہوں کہ میرا منجی یسوع آسمانوں میں ہے جیسا کہ عیسائی کرتے ہیں- جس خدا کو پادری پیش کرتے ہیں اُس کی نسبت اسلامی خدا کو ماننا بدرجہا اولیٰ ہے- قرآن کو پڑھ کر میں یسوع کی عبادت پر راضی نہیں ہو سکتا تھا- دنیا خدا کی ہے- نہ یسوع کی- اور خدا ہی دنیا پر حکومت کرتا ہے- نہ یسوع- اگر ایک ہی خدا ہے- اور ایک ہی کائنات ہے- تو حق حکمت سچا مذہب- سچا فلسفہ ایک ہی ہو سکتا ہے- جو فطرت اور عقل کے مطابق ہو- لیکن چونکہ ممکن ہے کہ ایک ہی بات کے مختلف پہلو ہوں اور مختلف طرز کے لوگ یا مختلف فرقے ایک ہی بات کے مختلف معنے کریں اس لئے اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے اسلام کے اصول کو نظر غور سے دیکھنا شروع کیا- اور اپنے اعتقاد اور عمل میں عام مسلمانوں کے نمونہ پر چلنے لگا-

میں یہ بھی جتانا چاہتا ہوں- کہ میں مسلمانوں کی کسی خاص فرقہ میں شامل نہیں رہا ہوں- بلکہ محمد رسول اللہ کے مذہب کے ماننے والا ایک سادہ مسلمان ہوں- واقعی مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے- کہ میں بجائے انگریز ہونے کے ایشیائی ہو جاؤں- ہاں ظاہری معنوں میں ایشیائی ہو جاؤں- تاکہ ایشیائی لوگوں کے اعمال میں پوری طور سے شریک ہو سکوں- میں محمد کا پیرو اور قادیان کی احمدی جماعت کا ممبر ہوں میں نے احمدی جماعت سے اس لئے تعلق پیدا کیا ہے کہ یہ مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ محقق اور ترقی یافتہ گروہ ہے- اور اسلامی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کے لئے مسلمان مشنریوں کی ایک چست جماعت ہے- باقی مسلمانوں کی طرح میں نے بھی اسلام کو پڑھا ہے اور اسپر غور کیا ہے اور دس سال کے مطالعہ نے خدا کی نسبت میرے معلومات کو ایسا وسیع کیا ہے جنکا مجھے اُسوقت کوئی علم نہیں تھا جبکہ میں عیسائیت کی بحر ظلمات میں سرگردان تھا-

اسلامی فلسفہ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں- وہ مخالفین کی اپنی غلطی ہے اُن کے اعتراض عوام الناس کی عملی حالت پر مبنی ہیں جو بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں- جہاں عیسائی سلطنتوں کے ہونے کی وجہ سے عیسائی بدیاں پھیل گئی ہیں- میں نے

عیسائی مصنفوں کی کتابیں پڑھی ہیں جن میں مسلمانوں کی تمدنی حالت پر حملے کیے گئے ہیں اور صرف عیب لگانے کی کوشش کی گئی ہے اور عمداً خوبی کی باتوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ [illegible] اور [illegible] میں جبکہ میں ایک سرکاری کام پر متعین تھا۔ مجھے تمام انگلستان میں پھرنے کا موقعہ ملا اور جو کچھ میں نے وہاں دیکھا۔ وہ ناگفتہ بہ ہے۔ میں امریکہ میں بھی تین سال رہ چکا ہوں۔ اور جو خوفناک نظارے میں نے دیکھے ہیں۔ میں انکو بیان نہیں کرسکتا۔ میں سپین۔ فرانس۔ اٹلی اور نیز اپنے وطن آسٹریلیا میں بھی بہت پھرا ہوں۔ اور جو کچھ میں نے عیسائی ممالک میں دیکھا ہے۔ حیا اجازت نہیں دیتی۔ کہ اس کو بیان کیا جاوے۔ یہی حال نیوزیلینڈ کا ہے جہاں میں رہتا ہوں۔ یہاں ہر ایک چیز خوبصورت ہے۔ سوائے انسان کے جو ناپاک ہے۔

خدا کے جاننے کے لئے پہلے اپنے آپ کو جاننا ضروری ہے۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہے۔ خدا کو پہچانتا ہے۔ اس لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو پورے طور پر سمجھنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ میں اپنے نفس کا علم حاصل کروں۔ اور جب میں اپنے نفس کا مطالعہ کرنے لگا تو مجھے جلدی یقین ہو گیا کہ کوئی چیز میرے ایسی قریب نہیں ہے جیسا کہ میرا نفس۔ جب میں اپنے نفس کو اچھی طرح سے نہ پہچانوں تو کس طرح کسی اور چیز کو پہچان سکتا ہوں۔ قرآن شریف کی ایک اور آیت کے معنے بھی میرے پر واضح کئے گئے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم اپنے نشان ان کو آفاق میں دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ وہ حق کو پہچانیں میں نے دیکھا کہ متی کی انجیل باب ۲۲۔ آیت ۳۷ بھی اسی آیت کی تائید کرتی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ تو اپنے خداوند خدا سے پیار کر اپنے تمام دل کے ساتھ۔ اور اپنی تمام روح کے ساتھ۔ اور اپنی تمام جان کے ساتھ۔ اسی مضمون کی تائید میں موسیٰ کا قول ہے کہ تو انتقام نہ لے نہ اپنی قوم کے بچوں سے کینہ رکھ بلکہ تو اپنے پڑوسی سے ایسا ہی پیار کرتا۔۔۔ جیسا کہ اپنے نفس سے پیار کرتا ہے۔ دس سال کے تجربے نے مجھے ثابت کیا ہے۔ کہ اس حکم کی تعمیل جیسی مسلمانوں میں ہوتی ہے۔ ایسی عیسائیوں میں نہیں ہوتی۔ میں نے دونوں قوموں میں رہ کر دیکھ لیا ہے۔ میں نے عمداً مسلمانوں کو آزمایا ہے۔ کہ وہ اس قاعدہ کی کیسی پابندی کرتے ہیں۔ میں نے ان کو بڑا سچا پایا جیسا کہ وہ خدا کی عبادت میں پکے ہیں ایسا ہی وہ مخلوق کی ہمدردی میں بھی بڑے سرگرم ہیں۔ عیسائی دنیا کا تو یہی ایمان ہے کہ جو کچھ کما سکتے ہو کما لو۔ اور جو کچھ کماؤ اس کو اپنے پاس رکھو۔ ایسا پتھر ڈھونڈو جو کہ تمہارے پیسے کو بھی سونا کر دے۔ وہ یہ عذر کرتے ہیں کہ چونکہ انسان کاروبار میں بہت مصروف ہیں ان کے پاس اپنی جسمانی یا روحانی صحت کی طرف توجہ کرنے کے لئے کوئی وقت نہیں ہے پانچ دفعہ خدا کے آگے گھٹنے ٹیک کر دعا کرنا تو کجا + عیسائی ممالک زیادہ مغرب میں واقع ہیں۔ اور جب انکی زندگی پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو خدا سے کوئی واسطہ نہیں۔ بلکہ ان کی ساری کوششیں اس لئے ہیں کہ ان کی دولت بڑھے اور دنیاوی باتوں میں ترقی حاصل ہو۔ ہر ایک مرد اور عورت کے دماغ میں صرف دولت کا ہی خیال سمایا ہوا ہے۔ وہ اپنی تہذیب پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ مگر ان کی تہذیب صرف دنیاوی تہذیب ہی ہے نہ وہ اپنی تمام جان سے خدا سے محبت

کرتے ہیں اور نہ وہ اپنے پڑوسیوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اپنے نفسوں سے جیسا کہ انکو یسوع نے حکم دیا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ ملنے سے میری یہ غرض تھی کہ حق اللہ اور حق العباد کے متعلق جو احکام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دئے ہیں انپر یہ کس حد تک عمل کرتے ہیں۔ یہی دو اصول ہیں جنکو مختلف رنگوں اور مختلف پہلوؤں میں اسلام نے پیش کیا گیا ہے میں نے دنیا کے مذاہب کو پڑھا ہے۔ اور یہ دیکھنا چاہا ہے کہ کونسا مذہب عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے جو مشرقی دنیا اور مغربی دنیا دونوں کے مناسب حال ہو۔ میں نے یونانیوں کی تعلیم کو پڑھا ہے۔ رومیوں عربوں اور ہندیوں کے مذاہب کو دیکھا ہے۔ پارسیوں اور چینیوں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور میں دس سال کی تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ کوئی تعلیم اس سے زیادہ پاک اس سے زیادہ خوبصورت اس سے زیادہ سادہ اور اس سے معقول نہیں ہے جیسا کہ مسلمانوں کے کلمہ طیبہ میں پائی جاتی ہے۔ کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ ایسی تعلیم ہے کہ خواہ سب تعلیمیں مر جائیں مگر یہ تعلیم ہمیشہ تک زندہ رہے گی۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور جتنے جتنے بڑے تغیرات دنیا میں ہوئے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے ارادے اور حکم سے ہوئے ہیں۔ میں ہر ایک بات میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ دیکھتا ہوں کہ کام کر رہا ہے۔ جو شخص خدا کو سمجھنا چاہتا ہے اور اپنے تئیں خدا کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو قبول کرے اور محمد صلعم کے مذہب کو اختیار کرے جو نہایت ہی پاکیزہ مذہب ہے۔ اور جس کا نام بھی نہایت پیارا اور پاکیزہ ہے۔ یعنی اسلام جس کے معنے ہیں اپنے تئیں خدا کے سپرد کر دینا۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ تم اپنے نفس کو پہچانو۔ اور اپنی پیدائش کی حقیقی غرض کو دیکھو خدا میں ہو کر انسان بے حد ترقی کر سکتا ہے۔ اسلام کی تعلیم ہے کہ سعی کرو یہی تقدیر ہے۔ مبارک وہ ہے جو اپنے کام کو اس کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ اور جب تک خدا اسکو مہلت دیگا وہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریگا۔ زندگی کس چیز کا نام ہے۔ کام کرنے کا۔ اپنے تمام دل سے جس سے خدا کی برکت نازل ہوتی ہے۔ اور انسان کو اپنے نفس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسلام ایک ایسا فلسفہ ہے۔ جو عین فطرت اور قدرت کے مطابق ہے۔ ہمیں استقلال سیکھنا چاہیئے۔ جہاں جہالت بیہودگی یا تاریکی کو پائیں اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور قضا پر راضی ہونا چاہیئے۔

سوالات جی ڈانیل

جے ڈانیل صاحب ہیڈ ماسٹر مشن ہائی سکول گجرات کچھ عرصہ ہوا یہاں آئے تھے اور چند لکھے ہوئے سوالات جواب کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دے گئے تھے۔ میں ان سوالوں کا کچھ مختصر سا جواب دیتا ہوں۔ مگر شروع میں یہ جتا دینا ضروری ہے کہ ڈانیل صاحب کے سوالات حق طلبی پر مبنی نہیں اور اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ پادری صاحب

اسقدر مشقت اٹھاکر یہاں پہونچے اور پھر انہوں نے ایسے سوالات نہ کئے جو فیصلہ کن ہوتے بلکہ چند معمولی سوالات پیش کئے جیسے پادریانہ نکتہ چینیا کی عادت ہوتی ہے چونکہ یہ سوالات ایسے ہیں کہ ڈائیل صاحب نے اس قدر عرصہ عیسائی رہ کر بھی عیسائی مذہب کے بانی کے متعلق نہ پوچھے ہونگے اس لئے ضروری ہوگا کہ کسی قدر الزامی جوابوں سے بھی کام لیا جاوے یعنی جس قسم کے اعتراض ڈائیل صاحب یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کرتے ہیں۔ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے کوئی نبی خالی نہیں رہا حتیٰ کہ حضرت مسیح کی زندگی میں یہ اعتراض سب سے بڑھکر پائے جاتے ہیں پس میں جہاں کہیں حضرت مسیح کے متعلق ایسے اعتراضات کو بیان کرونگا ان سے صرف میرا یہ منشا ہوگا کہ یہ دکھاؤں کہ یہ راہ جو ڈائیل صاحب اختیار کرتے ہیں حق طلبی اور فیصلہ پر پہونچنے کی راہ نہیں بلکہ ایسے مباحثوں میں پڑنا محض تضیع اوقات ہے۔ ڈائیل صاحب کے سوالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) کیا آپ کو کبھی کوئی دماغی مرض ہوا اگر ہوا تو کیا اور کب۔ آج کل اس مرض کا دورہ ہوتا ہے کہ نہیں۔

(۲) کیا اس مرض کے شروع ہونے سے پہلے آپ کو الہام ہونا شروع ہوا یا بعد ازاں اور آپ کے رشتہ داروں میں سے کسی نے کوئی ایسے دعوے کئے اگر کئے تو کیا کیا اور کب کب۔

(۳) کیا آپ کو کبھی اپنے دعووں کے غلط ہونیکا خیال و یقین اگر آیا تو وہ شک کس طرح رفع ہوا۔ کیا ممکن نہیں کہ وہ شک درست ہو

(۴) کیا آپ نے قولاً یا فعلاً گناہ کئے یا کرتے ہیں۔

(۵) ایک شخص کا مختلف تعلیم دینے والے اشخاص کا مثیل ہونا ناممکن ہے۔ مثلاً حضرت مسیح نے کفارہ کی تعلیم دی حضرت محمد (صلعم) اسکے مخالف ہیں تو آپ ان دونوں کے مثیل ہوکر دو مختلف تعلیموں کو کس طرح پھیلا سکتے ہیں اسی طرح حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) و حضرت مسیح تناسخ کے قایل نہیں مگر گرو نانک و سری کرشن یہ تعلیم دیتے ہیں تو آپ ان چاروں کے مثیل کس طرح پر ہو سکتے ہیں۔

(۶) سری کرشن نانک مسیح و محمد (صلعم) صاحبان کے مثیل ہونیکے سوا آپ کی زبان کے جو ممکن ہے غلط ہو آپ کے پاس عقلی اور نقلی ثبوت کیا ہیں۔

(۷) آپ کے اس دعوے کا کیا مطلب اور ثبوت ہے کہ عیسیٰ ابن مریم مجھ میں سے ہے اور میں خدا میں سے ہوں

ان سوالوں کے جوابوں سے ڈائیل صاحب کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکتے۔ سوائے چھٹے سوال کے جہاں انہوں نے کسی قدر ثبوت طلب کیا ہے سب سے پہلا سوال دماغی مرض کے متعلق ہے۔ اس قسم کے لغو سوالات اسوقت موزوں ہوتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی وحی کے منجانب اللہ ہونیکے ثبوت دینے سے انکار کرتے۔ اور یہ کہتے کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں سوائے اس دعوے کے جو میں کرتا ہوں۔ اناجیل کے بیان کے مطابق یسوع نے نشان دکھانے سے انکار کیا اور یہودیوں کو ثبوت نہ دیا لیکن اس بات کا ہمیں کوئی علم نہیں کہ یہودیوں نے اس انکار کے بعد آپکی طرف دیوانگی کو منسوب کیا یا پہلے بہرحال خواہ کوئی سی صورت ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نشان دکھانے سے انکار نہیں کرتے اور نہ وہ یہ کہتے ہیں

کہ میرے پاس میرے دعوے کی کوئی شہادت نہیں بلکہ آپ کی وحی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم تؤمنون۔ قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم تسلمون پس جو شخص خدا کی طرف سے اپنے دعوے پر شہادت پیش کرتا ہے اس کے متعلق سب سے پہلا سوال تو یہی ہے کہ جو شہادت وہ پیش کرتا ہے وہ کیسی ہے اگر اس شہادت سے اس کا منجانب اللہ ہونا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہو تو اس کے متعلق ایسے سوال کرنا سخت گستاخی اور حماقت ہے۔ اور اگر اس کے پاس کوئی شہادت ہی نہیں یا وہ شہادت جو وہ پیش کرتا ہے اس کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت نہیں کرتی تو پھر ایسے سوالوں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بہر حال یہ سوالات اصل مقصد سے دور لیجاتے ہیں اور سچے فیصلہ کے پیچ در پیچ مباحثہ کی راہ کھولتے ہیں۔ مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس قسم کے مباحثین کی عقلوں کو کیا ہو گیا کہ جب انسے کسی دعوے کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو وہ خود ثبوت دیتے نہیں اور جب ہم کسی دعوے کا ثبوت پیش کرتے ہیں تو وہ اسکی طرف آتے نہیں۔ کوئی شخص انسے پوچھ کر دیکھ لے کہ یسوع کی خدائی کا کیا ثبوت ہے تو وہ چند دعاوی پیش کر دیں گے۔ اور کوئی شخص ان کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت پیش کرے تو وہ اسکی طرف رخ نہیں کرینگے بلکہ دور از مقصد اور غیر متعلق سوالات اور بحث اٹھا کر اصل سوال کی حل کی طرف کبھی نہ آئیں گے۔ میں ڈانیل صاحب کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہتا بلکہ یہ جہالت عام عیسائی مناظرین کی بیان کی ہے۔ اگر ڈانیل صاحب اس پہلو کی طرف آئیں یعنی اس شہادت پر غور کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منجانب اللہ ہونیکا قطعی ثبوت دیتی ہے اور اس کے متعلق کوئی اعتراض انکے دل میں پیدا ہوا تو میں خوشی سے انکا جواب دونگا کیونکہ یہ بحث واقعی نتیجہ خیز ہو سکتی ہے اب میں مثال کے طور پر کچھ اس شہادت میں سے پیش کرتا ہوں

براہین احمدیہ حضرت مرزا صاحب کی ایک تصنیف ہے۔ جو ۱۸۸۰ء سے لیکر ۱۸۸۴ء تک چار جلدوں میں شایع ہوئی گویا اب اسکو شایع ہوئے چوتھائی صدی کے قریب گذر چکی ہے۔ اس لمبے زمانہ کے بعد جب ہم اس کتاب کو جس میں اس زمانہ کی وحی حضرت اقدس نے شایع کی ہے۔ دیکھتے ہیں تو ہمیں اور کسی ثبوت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ بلکہ ایسا قطعی ثبوت آپ کے منجانب اللہ ہونیکا اس سے ملتا ہے جسکی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مثلاً ان چند پیشگوئیوں پر غور کرو جو اس کتاب میں درج ہیں۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی فحان ان تعان وتعرف بین الناس۔ وانی جاعلک للناس اماما۔ ینصرک رجال نوحی الیہم من السماء۔ یاتیک من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ وقل رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین۔ اصحاب الصفۃ وما ادراک ما اصحاب الصفۃ۔ تری اعینھم تفیض من الدمع۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان۔ یریدون ان یطفؤا نور اللہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ یعصمک اللہ ولو لم یعصمک الناس۔ ان الہامات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید اور تفرید پس وقت ہے جو تیری مدد کیلئے لوگ تیار کئے جائیں گے اور تجھ کو لوگوں میں مشہور کیا جائیگا پس بہت سے لوگ تیری تابع اور تیری پیرو کرونگا اور تو ان کا امام کیا جائیگا۔ میں لوگوں کے دلوں میں الہام کرونگا تا وہ اپنے مال سے تیری مدد کریں۔ دور دراز اور عمیق راہوں سے تجھے مالی مددیں پہنچیں گی۔ لوگ تیری خدمت میں دور دور کی راہوں سے آئیں گے پس تجھے لازم ہے کہ انسے بد خلقی نہ کرے

اور ان کی کثرت اور انبوہ اور فوج در فوج آنیسے تھک نہ جائے۔ اور یہ دعا کیا کر کہ اے میرے خدا مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تجھ سے بہتر اور کوئی وارث نہیں۔ خدا اصحاب الصفہ تیرے لئے مہیا کریگا اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا چیز اصحاب الصفہ ہیں تو دیکھیگا کہ ان کے آنسو جاری ہونگے (اور کہیں گے) کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو لوگوں کو ایمان کی طرف بلاتا ہے۔ مخالف ارادہ کریں گے کہ جس نور کو خدا دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے۔ اس کو بجھا دیں مگر خدا اس نور کو پورا کریگا۔ اگرچہ کافر لوگ کراہت بھی کریں خدا تمہیں انکی شرارت سے بچائیگا اگرچہ لوگ بچا نہ سکیں۔

یہ پیشگوئیاں ایسی واضح ہیں کہ انکی تشریح کرنیکی بھی کوئی ضرورت نہیں اور نہ وہ کسی تفصیل کی محتاج ہیں۔ نزول وحی کے وقت میں مہبط وحی کی کیا حالت تھی وہ بھی انسے ظاہر ہے اور آئندہ اس حالت میں کیا کیا تغیرات آنیوالے ہیں وہ بھی کھول کر بیان ہوا ہے۔ اسوقت ایک شخص تنہا اور غیر معروف ہے آئندہ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئیگا جب اسے شہرت دیجاویگی اور لوگ اسکی نصرت کیلئے کھڑے کئے جاوینگے فوج در فوج لوگ دور دور سے آئیں گے اور کچھ ایسے بھی ہونگے جو اپنے گھروں کو چھوڑ کر اسی جگہ آرہیں گے۔ بڑی مخالفت ہوگی اور لوگ ہلاک کرنیکی کوشش کرینگے۔ مگر اللہ تعالیٰ نصرت اور غلبہ دیکر اس سلسلہ کو سرسبز کریگا اور تمام دنیا میں پھیلائیگا۔ ڈائیل صاحب کیلئے یہ ایک آسان راہ ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آیا یہ کتاب براہین احمدیہ جس میں پیشگوئیاں شائع ہوئیں پچیس سال سے دنیا میں شائع ہو چکی ہے؟ آیا یہ پیشگوئیاں جو اوپر نقل کیگئی ہیں اس میں بعینہٖ اسی طرح درج ہیں؟ کیا مصنف کتاب اسوقت تنہا اور گمنامی کی حالت میں تھا؟ جب ان باتوں کے متعلق انکا اطمینان ہو جائے تو پھر وہ ان سوالات پر غور کریں کہ آیا اب لوگ فوج در فوج دور دور کی راہوں سے چلکر انکے پاس آتے ہیں؟ (چونکہ وہ خود بھی قادیان میں آچکے ہیں اسلئے وہ اس معاملہ میں مشاہدہ بھی رکھتے ہیں) کیا ایسے لوگ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس موجود ہیں جو اپنے گھروں اور کاروبار کو چھوڑ کر محض اسلئے آپ کے پاس آرہے ہیں کہ انہوں نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو خدا کی طرف انکو بلاتا تھا؟ کیا ان پیشگوئیوں کے شائع ہونیکے بعد مخالفت کا خطرناک طوفان انکے خلاف اٹھا تھا؟ کیا اس مخالفت کے طوفان نے اس نور کو جو خدا نے روشن کیا تھا بجھا دیا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ میری کسی تشریح کے بغیر ہی ڈائیل صاحب کو ان سوالوں کا بھی اطمینان بخش جواب مل جائیگا۔ اب اسکے بعد صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا ایسی پیشگوئیوں کا کرنا جو اسقدر قوت اور شوکت اور عجیب کے اسرار اپنے اندر رکھتی ہوں اور پھر اس طرح صفائی سے پوری ہوں انسانی طاقت کے اندر ہے؟ شائد ڈائیل صاحب کو اس بات سے انکار نہ ہوگا کہ آئندہ کے متعلق کوئی انسان یہ بھی دعویٰ نہیں کہہ سکتا کہ میں اسقدر عرصہ زندہ رہونگا اور اگر اسقدر دعویٰ کرنا بھی انسان کی طاقت میں نہیں تو یقیناً یہ دعاوی جو اس دعویٰ سے کہیں بڑھکر ہیں اسکی طاقت کے اندر نہیں ہو سکتے۔ کون انسان کہہ سکتا ہے کہ اسپر وہ زمانہ بھی آئیگا جب جوق در جوق لوگ باوجود دنیا کی سخت مخالفتوں کے اسکی خدمت میں حاضر ہونگے بلکہ اپنے گھر بار چھوڑ کر اسکے پاس آرہیں گے؟ ہر ایک آئندہ واقعہ جو کسی انسان کو پیش آنیوالا ہے وہ ایسے پیچ در پیچ اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو انسان کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آئندہ زندگی کے متعلق انسان کچھ بھی نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں ضرور اتنی مدت زندہ رہونگا۔ پھر یہ کیونکر انسانی طاقت کے اندر ہو سکتا ہے کہ اسقدر مدت

پہلے جو چوتھائی صدی تک پہنچ گئی ہے وہ اپنے متعلق آئندہ کی پیشگوئیاں شایع کرے اور پیشگوئیاں بھی ایسی قوت اور شوکت والی کہ خود ان باتوں کا حاصل ہونا بظاہر حالات قریبًا قریبًا ناممکن معلوم ہو۔ لیکن اگر ڈانیل صاحب کا یہ خیال ہے کہ واقعی ایسی پیشگوئیوں کا کر لینا انسانی طاقت کے اندر ہے تو وہ انبیائے سابقین اور خصوصًا حضرت مسیح کی ان پیشگوئیوں میں سے جنھیں وہ واقع شدہ سمجھتے ہیں دو چار ایسی پیشگوئیاں نکال کر دکھا دیں جو ان پیشگوئیوں سے بڑھکر اسرار غیب پر مشتمل ہوں اور ایک مابہ الامتیاز قایم کریں کہ فلان بات انسانی طاقت کے اندر ہے۔ اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں میں پائی جاتی ہے اور فلان بات انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اور صرف خدا کی طرف سے ہی ہو سکتی ہے۔ اور وہ حضرت مسیح اسرائیلی کی پیشگوئیوں میں پائی جاتی ہے اسکے علاوہ انکا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ دکھاویں اور چند ایسی مثالیں پیش کریں جن میں ایک انسان نے ایسی ہی پیشگوئیاں کی ہوں اور وہ پوری ہو گئی ہوں۔

یہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی میں سے مثال کے طور پر ایک پیشگوئی لے لی ہے ورنہ ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ جسقدر الہامات اوپر نقل کئے گئے ہیں وہ سب کے سب اپنے اندر الگ الگ پیشگوئیاں رکھتے ہیں۔ اور ایسا ہی آپکی کل وحی کیحالت ہے مثلًا انہیں الہامات میں ایک یہ پیشگوئی بھی ہے کہ بعض لوگ اپنے گھروں کو چھوڑکر آپکی خدمت میں رہیں گے۔ انکو اصحاب الصفہ کہا گیا ہے۔ اب کون شخص ہے جو انسانی قیاس سے یہ بات کہہ سکتا ہے کہ میں آئندہ ایک ایسا عظیم الشان انسان بننے والا ہوں کہ لوگ میری طرف کھنچے چلے آئینگے یہانتک کہ وہ ہر طرح کی آسایشوں کو چھوڑکر میری خدمت میں رہنا اپنا فخر سمجھیں گے۔ پھر ایک الہام میں یہ پیشگوئی ہے کہ سخت مخالفت ہوگی اور لوگ جان سے مار ڈالنے کے منصوبے کریں گے مگر انکا کوئی منصوبہ کام نہ آئیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس پیشگوئی کو شایع ہونیکے برسوں بعد مخالفت کا شور اٹھا اور یہ فتوے دیے گئے۔ کہ اس شخص کو جو مسیح موعود ہونیکا دعوی کرتا ہے قتل کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور اس طرح پر جاہلوں کو جو مذہب کی خاطر سب کچھ کر گذرنیکو تیار رہیں اکسایا گیا کہ وہ آپکو جان سے مار ڈالیں اور بعض لوگوں نے سازشیں کیں بعض نے خطوط لکھے بعض نے مشتہر کیا کہ ہم قتل کر دیں گے مگر خدا کے کلام کے مطابق آپ ان تمام مخالفتوں اور منصوبوں کے اثر سے بچائے گئے۔ اگر خدا کا ہاتھ آپ کی حمایت اور محافظت میں نہ ہوتا تو اس مخالفت کی آگ میں سے بچ نکلنا ناممکن تھا۔ یہی آپ کی ہر ایک وحی کا حال ہے۔ کہ وہ عظیم الشان اور فوق الطاقت پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ اصل میں منجانب اللہ وحی کی خاص علامت ہے کہ اس میں اسکے منجانب اللہ ہونیکے نشان خود موجود ہوتے ہیں اور اس طاقت اور علم کا اظہار ہوتا ہے جو تمام انسانوں کی طاقت سے بالا تر ہے اگر خدا کی وحی میں یہ خصوصیت نہ ہوتی تو سچی اور جھوٹی وحی میں کوئی امتیاز نہ ہو سکتا۔ اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ جس الہام کے ساتھ خدائی طاقت اور علم کا اظہار نہ ہو وہ کسی اور طرح پر منجانب اللہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا ہی جب ایک وحی میں ایسی طاقت اور علم پایا جاوے تو پھر اسکی صداقت میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا اور نہ اسکے منجانب اللہ ہونے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد میں ڈانیل صاحب کے سوالوں کا بھی تھوڑا تھوڑا جواب دیتا ہوں اگرچہ دراصل فیصلہ کن وہی بات ہے جسکو میں اوپر پیش کر چکا ہوں مگر چونکہ ممکن ہے کہ ڈانیل صاحب یہ خیال کر لیں۔ کہ ان کے سوالات

کا کوئی جواب ہی نہیں اس لئے انکی غلط فہمی کا رفع کرنا بھی ضروری ہے۔ سوال اول اور دوم میں ڈانیل صاحب ناواقفیت کی بنا پر سوال نہیں کر رہے ہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو بعض امراض لاحق حال ہیں انکی بنا پر گویا یہ حملہ کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی وحی دماغی حالت کے خراب ہونیکی وجہ سے ہے جس سے مطلب انکا دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ آپ گویا مجنون ہیں۔ اور آپکی وحی گویا دیوانہ کے پراگندہ خیالات ہیں۔ ماحصل اس اعتراض کا صرف یہ ہے کہ آپکی وحی منجانب اللہ نہیں۔ ہمنے منجانب اللہ وحی کی شناخت کی سچی علامت کو اوپر بیان کر دیا ہے۔ اور پادریصاحب کا فرض ہے کہ اس کسوٹی پر حضرت مرزا صاحب کی وحی کو پرکھیں کہ آیا وہ منجانب اللہ طاقتور اور غیب کی مقتدرانہ پیشگوئیوں پر مشتمل کلام ثابت ہوتا ہے یا دیوانہ کی بڑ۔ ڈانیل صاحب کو اس قسم کا لغو اعتراض کرکے خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ تمام مخالفین انبیاء علیہم السلام ہمیشہ انبیاء کو دیوانہ کہتے چلے آئے ہیں۔ اوروں کو چھوڑ کر آپ حضرت مسیحؑ کی نسبت ہی دیکھیں کہ دشمن تو دشمن دوست بھی انکو دیوانہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں میں سے اکثر لوگوں کی رائے تو یہ تھی کہ ”اسکے ساتھ شیطان ہے اور وہ دیوانہ ہے“ (یوحنا ۱۰/۲۰) مگر خود آپکے خیرخواہوں کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ آپ نعوذ باللہ مجنون ہو گئے ہیں چنانچہ مرقس باب ۳ آیت ۲۱ میں لکھا ہے کہ جب اسکے دوستوں نے (اور بعض نے اس لفظ کا ترجمہ رشتہ دار کیا ہے جس سے مراد انکے بھائی معلوم ہوتے ہیں) اسکے متعلق ایسی ایسی باتیں سنیں تو وہ اس کے پکڑنے کے لئے نکلے۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ وہ دیوانہ ہے“ دوستوں اور خیرخواہوں یا عزیز رشتہ داروں اور بھائیوں کو یہ پختہ یقین ہو جانا کہ نعوذ باللہ آپ کی دماغی حالت خراب ہو گئی ہے اور اس یقین کا یہاں تک مضبوط ہو جانا کہ وہ آپکو گرفتار کرنیکے لئے نکلے جس سے شاید انکا یہ منشاء ہو کہ آپ کو حکومت کے سپرد کر دیں کہ وہ آپ کو پاگل خانے میں رکھے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو بہت تشریح کی محتاج نہیں اور ڈانیل صاحب کا فرض ہے کہ ان باتوں کا خیال بھی کر لیں پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جو چاہیں کہہ لیں۔ بڑے بڑے فقیہہ جو مسیحؑ کی ملاقات کیلئے یروشلم سے آئے تھے انہوں نے بھی ملاقات اور گفتگو کے بعد یہی رائے قائم کی کہ آپکو جنون ہو گیا ہے ”تب فقیہوں نے جو یروشلم سے آئے تھے کہا کہ بعلزبول اس کے ساتھ ہے اور وہ دیووں کے سردار کی مدد سے دیووں کو نکالتا ہے“ (مرقس ۳/۲۲) البتہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہودی آپ کو استعمال شراب کی وجہ سے پاگل سمجھتے تھے کیونکہ وہ آپ کو شرابی تو کہا کرتے تھے اور اس میں بھی شک نہیں کہ مسکرات کے زیادہ استعمال سے دماغ کو سخت نقصان پہونچتا ہے اور بہت لوگ اسی وجہ سے دیوانے بھی ہو جاتے ہیں۔ اور یا ممکن ہے کہ انہوں نے آپ سے اور کوئی ایسے افعال سرزد ہوتے دیکھے ہوں جس سے یہ نتیجہ نکالا ہو۔ بہر حال یہ دیوانگی کا الزام پرانا چلا آتا ہے اور جب عیسائی صاحبان خود ان الزاموں کی جوابدہی کر لیں تو پھر دوسروں پر الزام لگاتے بھی اچھے لگتے ہیں۔

باقی رہی وہ بیماریاں جو حضرت مسیح موعودؑ کے لاحق حال ہیں۔ سو وہ تو آنکھوں والوں کیلئے ایک نشان ہیں نہ جائے اعتراض کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی۔ چنانچہ مسلم میں ایک لمبی حدیث کے اثنا میں مسیح موعود کا ظہور مَھْرُودَتَیْن میں بیان کیا گیا یعنی دو زرد چادروں میں۔ اب ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خبر عبث نہیں دی اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ واقعی اس نے اس رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے پھر پگڑی اور کوٹ پاجامے کے رنگوں کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا اور علاوہ ازیں اگر اوڑھنے کی چادر سچ مچ زرد ہونی تھی تو

مہرودتین یعنی دو چادریں کیوں فرمایا؟ چونکہ پیشگوئیوں کی بنا وحی یا مکاشفات یا رؤیا پر ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں اکثر اوقات وہ استعارات مستعمل ہوتے ہیں جو رؤیا اور مکاشفات کے متعلق ہوتے ہیں۔ اب جب ہم تعبیر کی لغت میں زرد لباس کے معنے ڈھونڈتے ہیں تو تمام معبرین بالاتفاق ہمیں بتاتے ہیں کہ زرد لباس سے مراد بیماری ہوتی ہے یہی امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں ان معنوں کو معلوم کر کے حدیث کے معنوں میں کچھ بھی شک نہیں رہ جاتا۔ دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں اور واقعی دو ہی بیماریاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لاحق حال ہیں جو مدت سے چلی آتی ہیں۔ ایک ان میں سے ایک مرض کثرت پیشاب ہے اور دوسری غشی یعنی برودت اطراف ہو کر نبض کا کمزور اور دل کی حرکت کا سست ہو جانا۔ یہ مرضیں نہ صرف اس رنگ میں ہی نشان ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کرنیوالی ہیں بلکہ اس لئے بھی نشان ہیں کہ ایک شخص جسکی حالت صحت ایسی ہو کہ جب مرض کا دورہ ہو تو موت تک نوبت پہونچ جائے وہ کیونکر انسانی قیاس سے یہ کہہ سکتا ہے کہ نہ صرف میں اسی سال یا اسکے قریب قریب عمر پاؤنگا جیسا کہ حضرت مسیح موعود کی یہ پیشگوئی ہے) بلکہ یہ بھی کہ میری بہت مخالفت ہوگی اور طرح طرح کے منصوبے میرے ہلاک کرنیکے لئے کئے جائیں گے مگر میں غالب ہونگا۔ اور فوج در فوج لوگ میرے پاس آئیں گے اور مخلوق بکثرت میری طرف رجوع کریگی اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ باتیں اس وقت کہی تھیں جب ابھی ان بیماریوں کا حملہ نہ ہوا تھا تو میں کہتا ہوں کہ بیماریوں کے حملے کے بعد اور حملوں کے اوقات میں بھی کئی دفعہ انہی باتوں کا اعادہ کیا گیا ہے اور ان پیشگوئیوں کو بار بار دوہرایا گیا ہے۔ غرضکہ ان دو بیماریوں کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں پایا جانا خود اس مدعی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بڑی زبردست شہادت ہے۔ ایسا ہی اور بھی بہت سے نشان ہیں کہ جنکا ذکر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں پایا جاتا ہے جو اس وقت پورے ہو کر خاتم الانبیاء اور خاتم الخلفاء دونوں کی صداقت کو پکار رہے ہیں مگر اندھے مخالف کا کیا علاج ہے جو ہر خوبی کی بات میں عیب تلاش کرتا ہے۔

بیماری تو انسان کے لئے ضروری ہے جس طرح بھوک پیاس اور تکان ضروری ہے اور کوئی انسان اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ڈاکٹر صاحب جسے خدا مانتے ہیں وہ بھی بیماری سے خالی نہ تھا۔ اور انسانی فطرت میں جو کمزوریاں ہیں وہ اسمیں بھی ویسی ہی پائی جاتی تھیں جیسی دوسرے کسی انسان میں۔ کیا کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک شخص جو بھوک سے از خود رفتہ ہو کر انجیر کے درخت کیطرف دوڑتا ہے۔ وہ بیماری سے خالی ہو سکتا ہے؟ مگر بات یہ ہے کہ انجیل نویسوں کے دل پر عجائب عجائب باتیں لکھنے کا خیال اس قدر غالب تھا کہ بیماریوں وغیرہ کا ذکر وہ نہ کر سکتے تھے۔ اور اصل میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف کہ فلاں وقت آپکو سر درد تھا یا فلاں وقت پیٹ میں درد ہو گیا تھا معمولی تاریخ نویس کو توجہ بھی نہیں ہوتی۔ مگر یہ شہادت جو انہوں نے دی ہے کہ آپ کو بھوک لگتی تھی تو آپ شکم پر کرنیکے لئے کھانا کھایا کرتے تھے بلکہ مچھلی کے کباب کو تو بہت پسند کرتے تھے۔ اور آپ کو پیاس لگتی تھی تو آپ پانی پیا کرتے تھے۔ اور نیند آتی تھی تو سو جاتے تھے یہ کافی ہے اس بات کے ثابت کرنیکے لئے کہ آپ میں وہ تمام عوارض پائے جاتے تھے۔ جو دوسرے انسانوں میں پائے جاتے ہیں اور اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ آپ بیمار بھی ہوا کرتے تھے اور اگر آپ کا یہ خاکی جسم بیماریوں کے لئے روک ہوتا تو کوڑوں کے زخم آپ کی پشت پر کیوں پڑ جاتے اور میخوں کے زخم اتنے گہرے کیونکر ہو جاتے

جن میں ایک آدمی ہاتھ بھی ڈال سکے بلکہ اب تو عیسائی صاحبان کو حضرت مسیح کی موت ثابت کرنیکے لئے آپ کا انشقاق القلب ماننا پڑا ہے۔ اس سے بڑھکر بیماری کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اور ان واقعات کی موجودگی میں کوئی سمجھدار عیسائی اسبات سے انکار نہیں کریگا کہ آپ کو کبھی سر درد بھی ہو جایا کرتا تھا اور کوئی معمولی امراض لاحق حال ہو جاتے تھے مگر یہ معمولی بیماریاں محل اعتراض نہیں اور جنون یا دماغی خلل ایک ایسی موٹی بات ہے کہ ہر ایک آدمی اسکو سمجھ سکتا ہے اور جسکو دماغی خلل ہو اسکے پیچھے لاکھوں انسان اسکے تابع فرمان ہو کر نہیں چلا کرتے اور پھر خلل دماغ والے کی پیشگوئیوں کا اثر نیچر پر کیونکر ہو جاتا ہے۔ اور وہ سچی کیوں نکلتی ہیں ہاں خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ایسی خبیث امراض سے جیسے جنون اور جذام وغیرہ) وہ اپنے انبیاء کو ہمیشہ محفوظ رکھتا ہے۔ معمولی امراض انکو ہوتی ہیں مگر وہ محل اعتراض نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو بشر ہی کہتے ہیں ہاں یسوع کی صورت میں معمولی امراض اور کھانا پینا بھوک پیاس لگنا بھی جائے اعتراض ہیں کیونکہ آپ لوگ اسے بشر سے بڑھکر کچھ بناتے ہیں۔ مگر ان معمولی امراض کے علاوہ انجیل نویسوں نے حضرت مسیح کیطرف بعض ایسے واقعات منسوب کئے ہیں جو ایک پیغمبر کی شان کے شایاں نہیں ہیں منجملہ انکے القائے شیطانی ہے۔ انجیل نویس تو صرف یہی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح شیطان کے ساتھ ساتھ پھرتے رہے مگر ایک عقلمند آدمی سمجھ سکتا ہے اور خود عیسائیوں نے آخر اسبات کو قبول کیا ہے کہ شیطان کا مسیح کے ساتھ ساتھ چلنا ایسا نہ تھا جیسے دو آدمی ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور شیطان جسمانی شکل میں نمودار ہوا تھا بلکہ یہ ایک کشفی نظارہ تھا اور شیطان کا یہ باتیں کہنا کہ تم مجھے سجدہ کرو یا اوپر سے گر جاؤ وغیرہ یہ شیطانی القا تھے اور اگرچہ مسیح نے القائے شیطان کو دور کر دیا مگر ایسے ایسے واقعات ایک شک کرنیوالے کو بہت گنجائش دیتے ہیں اور ادھر ایک اور مشکل پیش آتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو شیطان سلطنت کا وعدہ کرتا ہے اور دوسری طرف حضرت مسیح کا بھی ایسا خیال پایا جاتا ہے کہ وہ داؤد کے تخت کو حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ شاید اسی غرض کے حصول کے لئے شاگردوں کو یہ حکم بھی دیا تھا۔ کہ تم کپڑے بیچ دو اور تلواریں خرید لو۔ ممکن ہے کہ ان ننگے سپاہیوں کے ساتھ آپ رومی سلطنت کو فتح کرنیکا خیال رکھتے ہوں اور بعد میں اس خیال کی اصلاح ہو گئی ہو۔ الغرض کسی معمولی بیماری جیسے سر درد سر چکر آنا وغیرہ یہ کوئی ایسی امراض نہیں جنکی بنا پر کسی نبی کی نبوت باطل ہو سکے۔

دوسرے سوال میں ڈانیل صاحب یہ دریافت کرتے ہیں کہ وہ دماغی مرض جو اصل میں آپ کے اپنے ہی دماغ کی مرض ہے کب شروع ہوئی۔ اب اسکے جواب کی ضرورت نہیں رہی۔ باقی رہیں معمولی امراض سو کوئی انسان یہ یادداشت نہیں بنایا کرتا کہ پہلے پہل اسکو سر درد کب ہوا تھا۔ اور نہ ہی ان دو بیماریوں کے متعلق کوئی ٹھیک تاریخ بیان کی جا سکتی ہے جو پیشگوئی کے مطابق آپکے لاحق حال ہیں مگر چونکہ الہام الٰہی آپکو بہت عرصہ سے ہوتا ہے۔ قیاساً کہا جاتا ہے کہ یہ بیماریاں بعد میں شروع ہوئیں۔ دوسرے سوال میں ہی ڈانیل صاحب یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ آپکے رشتہ داروں میں سے نرالے دعوے کس کس نے کئے اس تجاہل عارفانہ سے کیا حاصل ہے۔ بہتر تھا کہ آپ اپنا شک پیش کرتے کہ چونکہ امام الدین نے بھی کوئی دعویٰ کیا تھا۔ اس لئے آپکے مسیح موعود ہونیکے دعوے پر فلاں زد پڑتی ہے مگر ڈانیل صاحب اسبات کو یاد رکھیں کہ امام الدین نے کبھی ملہم من اللہ ہونیکا دعویٰ نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جب اسنے دیکھا کہ خاکروب بکثرت عیسائی مذہب میں داخل ہوتے جاتے ہیں تو اسنے چاہا کہ انکو اس پھندے سے بچانیکے لئے کوئی

راہ نکالی - سو اسنے یہ اعلان کر دیا کہ یسوع تو خدا کا بیٹا تھا مگر لال بیگ خدا کا بھائی تھا اور اس طرح سے قوم خاکروب کو عیسائی مذہب قبول کرنے سے روکنا چاہا مگر اسنے غلطی کی کیونکہ خاکروبوں کا عیسائی مذہب قبول کرنا اسوجہ سے نہ تھا - کہ انکو نجات کی سمجھ آگئی تھی انہوں نے یسوع کو روحانی منجی سمجھ کر قبول نہیں کیا - بلکہ اس لئے کہ وہ ان کو جسمانی منجی کا کام دیتا تھا یعنی عیسائی مذہب کے قبول کرنے سے وہ نہ صرف بیگار وغیرہ سے چھوٹ جاتے تھے - بلکہ کچھ تعلیم حاصل کر کے وہ دنیوی وجاہت بھی حاصل کر سکتے تھے - مگر اس دعوے کے پیش کرنے سے اگر ڈائیل صاحب کا یہ مطلب ہے کہ اس سے مسیح موعودؑ کے دعوے پر کچھ اثر پڑتا ہے - تو ان جھوٹے مسیحوں کے دعووں کا یسوع کے دعوے پر اثر کیوں نہیں سوچ لیں جو یسوع کے وقت میں اور اس سے پہلے یہودیوں کے درمیان ظاہر ہو رہے تھے - بلکہ وہاں تو کہنے والے کو یہ گنجائش بھی ملتی ہے کہ وہ کہدے کہ انہی جھوٹے مسیحوں کی طرف دیکھکر یسوع نے بھی دعوے کر دیا پس ڈائیل صاحب سوچ لیں کہ انکے ایسے اعتراضوں کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے افسوس ہے کہ انہوں نے اصل بات کیطرف رجوع نہ کی - اور ناحق ان فضول جھگڑوں میں میرا اور اپنا وقت ضائع کیا

ڈائیل صاحب کا تیسرا سوال اس امر کے متعلق ہے کہ آیا حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی وحی کے منجانب اللہ ہونے یا دعووں کے غلط ہونیکا کبھی شک بھی ہوا ہے - اسکے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ کی ایک تحریر سے انکے اپنے الفاظ میں جواب نقل کرتا ہوں جو اسی قسم کے سوال پر دیا گیا تھا - وہ جواب یہ ہے - "جو کلام مجھپر نازل ہوتا ہے اسکے ساتھ ایک شوکت اور لذت اور تاثیر ہے وہ ایک فولادی میخ کیطرح میرے دل کے اندر دھنس جاتا ہے اور تاریکی کو دور کرتا ہے اور اس کے درود سے مجھے ایک نہایت لطیف لذت آتی ہے کاش اگر میں قادر ہو سکتا تو میں اسکو بیان کرتا مگر روحانی لذتیں ہوں خواہ جسمانی انکی کیفیات کا پورا نقشہ کھینچکر دکھلانا انسانی طاقت سے بڑھکر ہے ایک شخص ایک محبوب کو دیکھتا ہے اور اس کی ملاحت حسن سے لذت اٹھاتا ہے مگر وہ بیان نہیں کر سکتا کہ وہ لذت کیا چیز ہے اسی طرح وہ خدا جو تمام ہستیوں کا علت العلل ہے جیسا کہ اسکا دیدار اعلیٰ درجہ کی لذات کا سرچشمہ ہے - ایسا ہی اسکی گفتار بھی لذات کا سرچشمہ ہے اگر ایک کلام انسان سنے یعنی ایک آواز اسکے دل پر پہونچے اور اسکی زبان پر جاری ہو اور اسکو شبہ باقی رہ جاوے کہ شاید شیطانی آواز ہے یا حدیث النفس ہے تو درحقیقت وہ شیطانی آواز ہوگی یا حدیث النفس ہوگی کیونکہ خدا کا کلام جس قوت اور برکت اور لذت اور خدائی طاقت اور چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے خود یقین دلا دیتا ہے کہ میں خدا کیطرف سے ہوں اور ہرگز مردہ آوازوں سے مشابہت نہیں رکھتا بلکہ اس کے اندر ایک جان ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک طاقت ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک کشش ہوتی ہے اور اسکے اندر یقین بخشنے کی ایک خاصیت ہوتی ہے - اور اسکے اندر ایک لذت ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک روشنی ہوتی ہے اور اسکے اندر ایک خارق عادت تجلی ہوتی ہے اور اسکے ساتھ ذرہ ذرہ وجود پر تصرف کرنیوالے ملائک ہوتے ہیں اور علاوہ اس کے اسکے خدائی صفات کے اور بہت سے خوارق ہوتے ہیں اسلئے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایسی وحی کے مورد کے دل میں شبہ پیدا ہو بلکہ وہ شبہ کو کفر سمجھتا ہے اور اگر اسکو کوئی اور معجزہ نہ دیا جاوے تو وہ اس وحی کو جو ان صفات پر مشتمل ہے بجائے خود ایک معجزہ قرار دیتا ہے - خدا کا کلام جو میرے پر نازل ہوا اور ہوتا ہے وہ میری روحانی والدہ ہے جس سے میں پیدا ہوا اس نے مجھے ایک وجود بخشا ہے جو پہلے نہ تھا اور ایک روح عطا کی ہے جو پہلے نہ تھی میں نے ایک بچہ کیطرح اسکی گود میں پرورش پائی اور اسنے مجھے ہر ایک

ٹھوکر سے سنبھالا اور ہر ایک گرنیکی جگہ سے بچا لیا وہ کلام ایک شمع کی طرح میرے آگے آگے چلا یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہونچ گیا۔ اس سے زیادہ کوئی بد ذاتی نہیں ہوگی کہ میں یہ کہوں کہ وہ خدا کا کلام نہیں۔ میں اسی طرح اسکو خدا کا کلام جانتا ہوں جس طرح میں یقین رکھتا ہوں کہ میں زبان سے بولتا ہوں اور کانوں سے سنتا ہوں اور میں کیونکر اس سے انکار کروں اسنے تو مجھے خدا دکھلایا اور وہ چشمہ شیریں کی طرح معارف کا پانی مجھے پلاتا رہا اور ایک ٹھنڈی ہوا کی طرح ہر ایک حبس کے وقت میں مجھے راحت بخش ہوا وہ ان زبانوں میں بھی مجھ پر نازل ہوا جن زبانوں کو میں نہیں جانتا تھا جیسا کہ زبان انگریزی اور سنسکرت اور عبرانی اسنے بڑی بڑی پیشگوئیوں اور عظیم الشان نشانوں سے ثابت کر دیا کہ وہ خدا کا کلام ہے اور اس نے حقایق و معارف کا ایک خزانہ میرے پر کھولدیا جس سے میں اور میری تمام قوم بیخبر تھی وہ کبھی زبان عربی یا انگریزی یا کسی دوسری زبان کے ان دقیق اور نامعلوم الفاظ میں میرے پر نازل ہوا جنسے میں بے خبر تھا تو کیا باوجود ان روشن ثبوتوں کے کوئی شک کا مقام ہو سکتا ہے؟ کیا یہ باتیں ٹالدینے کے لائق ہیں کہ ایک کلام جس نے معجزہ کی طاقت دکھلائی اور نئی نئی کشش ثابت کی اور عجیب کیے بیان کرنے میں وہ بخیل نہیں نکلا بلکہ ہزارہا امور غیبیہ اسنے ظاہر کئے اور ہر ایک باطنی کمند سے مجھے اپنی طرف کھینچا اور ایک کمند دنیا کے سعید دلوں پر ڈالا اور میری طرف انکو لایا اور انکو آنکھیں دیں جن سے وہ دیکھنے لگے اور کان دیئے جن سے وہ سننے لگے اور صدق و ثبات بخشا جس سے وہ اس راہ میں قربانی ہونیکے لئے موجود ہو گئے تو کیا یہ تمام کاروبار شیطانی یا وسوسہ نفسانی ہے۔

چوتھا سوال ڈانیل صاحب کا گناہ کے متعلق ہے کہ آیا مسیح موعود سے گناہ صادر ہوتا ہے یا نہیں۔ میری سمجھ میں تو دنیا میں عیسائیوں سے بڑھکر گناہ کی حقیقت سے ناواقف شاید ہی کوئی قوم ہو انکے نزدیک محض ایک لغو خیال سے انسان گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یعنی جو شخص صرف اسقدر مان لے کہ ایک عورت کا بیٹا یسوع مسیح زمین و آسمان کا خدا تھا اور یہ بھی مان لے کہ وہ صلیب پر مر گیا تھا وہ گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ خدا کے کسی نبی نے یہ تعلیم نہیں دی بلکہ جو تعلیم اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے جنکو عیسائی بھی نبی مانتے ہیں ہمیشہ سے دیتا چلا آیا ہے۔ وہ وہی تعلیم ہے جسکو سب سے آخر مگر سب سے عمدہ اور اعلیٰ طور پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا۔ اس کفارہ کے باطل عقیدہ نے عیسائیوں کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ مانیں کہ کل نبی گنہگار تھے باستثناء یسوع مسیح کے۔ عصمت پر مفصل بحث پہلے کبھی گذر چکی ہے۔ یہاں میں ڈانیل صاحب کے سوالات کے جواب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ بالکل حق بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو شیطان کے تسلط سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ کبھی عمداً خدا کی نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ گناہ حقیقت میں کیا چیز ہے؟ یہ صرف خدا سے دور جانیکا نام ہے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا اور نہ وہ کبھی اسکی جناب سے دور ہی کئے جاتے ہیں اسلئے وہ گناہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔ گناہ پیدا ہوتا ہے ایمان کے نقص اور کمزوری سے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کا ایمان اسوجہ سے کہ وہ خدا کے تازہ بتازہ نشان مشاہدہ کرتے ہیں اور اسکے کلام سے مشرف ہوتے ہیں ایسے نقصوں سے خالی ہوتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا یقین انکو حاصل ہوتا ہے وہ گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتے اور نہ خدا کی مرضی کے خلاف چل ہی سکتے ہیں۔ وہ اپنے تمام قویٰ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا دیتے ہیں اور اسی کے ہو جاتے ہیں پس جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کہتے اور کرتے ہیں اور اسلئے وہ نہ قولاً گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور نہ فعلاً خدا کا کلام جو انپر نازل ہوتا ہے وہ انکے

دلوں کو روشن کر دیتا اور ہر ایک ناپاکی سے پاک کر دیتا ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ انسان ہوتے ہیں اور اس لئے وہ اپنی ضعف کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ بلکہ یہی اپنی ضعف کا اعتراف جو وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور کرتے ہیں یہی اعتراف انکو بچانیوالا ہوتا ہے وہ کبھی یہ خیال دل میں نہیں لاتے کہ انہوں نے اپنی طاقت سے کوئی کمالات حاصل کئے ہیں یا اپنی طاقت سے وہ گناہ سے بچتے ہیں بلکہ انکا دل اس احساس سے بھرا ہوا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انکی ہر ایک قوت اور طاقت کا سرچشمہ ہے۔ جیسا کہ ایک بچہ ہر وقت اپنی ماں کا سہارا تلاش کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ ہر آن اپنے مالک حقیقی کا سہارا تلاش کرتے ہیں اور اسی کی پناہ میں اپنا بچاؤ سمجھتے ہیں یہی استغفار ہے یعنی طلب حفاظت الٰہی۔ یہ انکی کمزوری اور عاجزی کا اعتراف ہی ہے جسکو عیسائی اپنی نافہمی اور ناواقفیت سے گناہ کا اقرار سمجھ بیٹھے ہیں حقیقی گناہ جو انسان میں اور خدائے تعالیٰ میں بُعد پیدا کر دیتا اور محبت اور یگانگت کے تعلقات کو منقطع کر دیتا ہے اس سے وہ بالکل پاک ہوتے ہیں مگر انسانی فطرت کی کمزوری جو اسکا خاصہ ہے انکے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہے اگرچہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید سے وہ گرنے سے بچائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ حقیقی پاکیزگی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے۔ اسلئے انبیاء کبھی یہ جرأت نہیں کرتے کہ خود اپنی طرف ایسی پاکیزگی کو منسوب کریں بلکہ پاکیزگی کا سرچشمہ وہ خدا کو ہی سمجھ کر اپنی کمزوری اور عاجزی کا کھلا کھلا اعتراف کرتے ہیں یہی تشریح بعض ان فقرات کی ہے جنکو محل اعتراض بنایا گیا ہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ کی حالت کو ہی دیکھ لو کہ جب ایک شخص نے آپ کو نیک استاد کہکر پکارا تو آپ نے معًا اسے روکا اور کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک تو سوائے ایک کے یعنی خدا کے اور کوئی نہیں متی ۱۹/۱۷۔ اب اگر ہم ان الفاظ کے معنے اسی طرح پر کریں جس طرح عیسائی صاحبان دوسرے انبیاء کے ایسے ہی اقوال کے کرتے ہیں تو ان لفظوں کے معنے سوائے اسکے کچھ نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے صاف الفاظ میں اپنے گنہگار ہونیکا اقرار کیا۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کا منشاء سائل کو صرف یہ سمجھانے کا تھا کہ حقیقی نیکی اور پاکیزگی تو صرف اللہ تعالیٰ کیطرف ہی منسوب ہو سکتی ہے پس وہی اپنے حقیقی معنوں میں نیک کہلانیکا مستحق ہے اور اس طرح پر مثل دوسرے انبیاء کے انہوں نے اپنے بشری ضعف اور کمزوری کا اعتراف کیا پس اس قسم کے الفاظ کا کسی پیغمبر کے کلام یا وحی میں پایا جانا اسکی عصمت کے منافی نہیں۔

پانچواں اور چھٹا سوال جو مماثلت کے متعلق ہیں بعض غلط فہمیوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ جہانتک بابا نانک صاحب کا سوال ہے حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں مثیل نانک ہوں۔ بابا نانک صاحب خود ایک سچے مسلمان اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو تھے۔ اور انہوں نے کوئی نیا مذہب نہیں نکالا نہ ہی پیغمبر ہونیکا دعویٰ کیا۔ اس کا قطعی ثبوت چولہ صاحب سے ملتا ہے جو بمقام ڈیرہ بابا نانک آجتک انکے ورثاء میں بابا نانک صاحب کی ایک عظیم الشان یادگار چلی آتی ہے۔ اور سکھوں کے اندر نہ صرف اسے عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ اسکی پوجا بھی کیجاتی ہے اور اسپر نذریں چڑھائی جاتی ہیں۔ اس چولہ میں بابا نانک صاحب اپنا مذہب بھی چھوڑ گئے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں بھی اپنے مذہب کو چھپا کر نہیں رکھا بلکہ اس چولہ پر جسکو وہ پہنا کرتے تھے انکا مذہب کھلے کھلے الفاظ میں لکھا ہوا ہے تا کوئی شک باقی ہی نہ رہے۔ چنانچہ اس چولہ پر یہ لکھا ہوا ہے کہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ پس بابا نانک صاحب سچے مسلمان تھے۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنا

فرض سمجھتے تھے اور ڈانیل صاحب جو کرشن اور مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں فرق بتاتے ہیں یہ بھی انکی غلطی ہے خدا کے کل نبیوں نے ہمیشہ سے ایک ہی تعلیم دی ہے مگر ایسا ہو جاتا ہے کہ انکی وفات کے کچھ عرصہ بعد لوگ انکی تعلیم کو بگاڑ کر غلط عقائد داخل کر دیتے ہیں حضرت مسیح نے کبھی کفارہ کی تعلیم نہیں دی بلکہ یہ عیسائیوں کی اپنی تراشی ہوئی راہ ہے مسیح اسی راہ پر چلنے کی تعلیم دیتا تھا جسکی تعلیم اس سے پہلے نبی دیتے چلے آئے تھے ایسا ہی کرشن نے تناسخ کی تعلیم نہیں دی اسپر مبسوط بحث میں دسمبر ۱۹۰۵ء کے رسالہ میں کر چکا ہوں۔ ڈانیل صاحب مماثلت کا ثبوت بھی طلب کرتے ہیں۔ یہ میں ابتدا میں ہی دے چکا ہوں اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی منجانب اللہ ہے تو انکے دعوے سچے ہیں اور اسکے لئے جو شہادتیں میں نے شروع میں پیش کی ہے اسپر ڈانیل صاحب غور کریں۔ وہ یہ بھی غور کریں کہ اس بات کو عیسائیوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح کی آمد کے نشان سب پورے ہو چکے ہیں اور یہی وقت اسکے آنیکا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ غلط خیالات کی بنیاد پر جھوٹی امیدیں باندھے بیٹھے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خود یسوع کو ہی واپس آنا چاہئے حالانکہ ایسا ہی خیال انسے پہلے ایک قوم کو تباہ کر چکا ہے کہ انہوں نے مسیح اسرائیلی کو اسی وجہ سے قبول نہ کیا جسطرح عیسائیوں کو مسیح کی دوبارہ آمد کی خبر دیگئی ہے یہودیوں کو انکی آسمانی کتابوں میں جنکو عیسائی بھی آسمانی مانتے ہیں یہ خبر دیگئی تھی کہ الیاس دوبارہ دنیا میں آئیگا تو پھر مسیح آئیگا۔ مگر الیاس نہ آیا اور خود حضرت مسیح کو ہی یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ الیاس کی دوبارہ آمد سے مراد انکے مثیل یوحنا کی آمد ہے۔ افسوس ہے کہ عیسائی صاحبان اب اپنے مذہب کے بانی کے فیصلہ کو بھی نہیں مانتے۔ ڈانیل صاحب غور کریں کہ کیا مسیح نے یہ فیصلہ نہیں کیا۔ پس اگر یہ فیصلہ سچ نہ تھا تو یہودی سچے رہے اور حضرت مسیح نعوذ باللہ مفتری ٹھہرے۔ اور اگر یہی فیصلہ سچا تھا تو پھر اُسی مسیح کے آنیکے آپ لوگ کیوں منتظر ہیں۔ نشان پورے ہو چکے وقت گذر چکا۔ خدا کا مسیح ظاہر ہو چکا جو پہلے انبیاء کی طرز پر اپنے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت دیتا ہے۔ اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائیگا خدا۔

ڈانیل صاحب کا آخری سوال ایک جملہ کے متعلق ہے جو حضرت مسیح موعود کی اُس چٹھی میں واقع ہوا ہے جو آپ نے ڈوئی کو جو الیاس ہونیکا مدعی ہے لکھی تھی۔ اور اسکو مباہلہ کیلئے بلایا تھا۔ اس جملے کا مطلب اس کل فقرے کو پڑھکر خود ہی سمجھ میں آجاتا ہے اور اسلئے میں کوئی اور جواب دینے کی بجائے وہی فقرہ نقل کر دیتا ہوں سیاق و سباق خود بتا دیگا کہ اسکے کیا معنے ہیں۔ "میں اس شخص کا سخت دشمن ہوں کہ جو کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہو کر پھر خیال کرتا ہے کہ میں خدا ہوں۔ گو میں مسیح ابن مریم کو اس تہمت سے پاک قرار دیتا ہوں کہ اسنے کبھی خدائی کا دعویٰ کیا تاہم میں دعویٰ کرنیوالے کو تمام گنہگاروں سے بدتر سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اور مجھے دکھایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم اس تہمت سے بری اور راستباز ہے اور اس نے کئی دفعہ مجھسے ملاقات کی لیکن ہر ایک دفعہ اپنی عاجزی اور عبودیت ظاہر کی۔ ایک دفعہ میں نے اور اسنے عالم کشف میں جو گویا بیداری کا عالم تھا ایک جگہ بیٹھکر ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا اور اسنے اپنی فروتنی اور محبت سے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ میرا بھائی ہے اور میں نے بھی محسوس کیا کہ وہ میرا بھائی ہے تب سے میں اس کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں سو جو کچھ میں نے دیکھا ہے اسکے موافق میرا یہی عقیدہ ہے کہ وہ میرا بھائی ہے گو مجھے حکمت اور مصلحت الٰہی نے اسکی نسبت زیادہ کام سپرد کیا ہے اور اسکی نسبت زیادہ فضل اور کرم کے وعدے دیئے ہیں مگر پھر بھی میں اور وہ روحانیت کی رو سے ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں اسی بنا پر میرا آنا اسی کا آنا ہے جو مجھ سے انکار کرتا ہے وہ اس سے بھی انکار کرتا ہے۔ اس نے

مجھے دیکھا اور خوش ہوا پس وہ جو مجھے دیکھتا اور ناخوش ہوتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے نہ مجھ میں سے اور نہ مسیح ابن مریم میں سے اور مسیح ابن مریم مجھ میں سے ہے اور میں خدا سے ہوں مبارک وہ جو مجھے پہچانتا ہے اور بد قسمت وہ جس کی آنکھوں سے میں پوشیدہ ہوں "

انسانی نسل کشی اور حفاظت اولاد کا مقابلہ

ایک انگریزی کتاب جس کے نام کا ترجمہ عنوان میں درج ہے میرے پاس بغرض ریویو پہونچی ہے اسکا مصنف ایک شخص ای ملٹن مسٹر نامی ہے اور اگرچہ صرف ساٹھ صفحہ کی کتاب ہے مگر اسکی ایک ایک سطر قابل قدر ہے۔ اس میں عیسائی ممالک کے جھوٹی پرہیزگاری کے دعوے کی حقیقت کھولکر دکھائی گئی ہے۔ اور مصنف نے یہ دکھایا ہے کہ کونسی راہ اختیار کرنے سے عیسائی ممالک میں بدکاریوں کی کمی ہو سکتی ہے۔ جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ حیرت میں ڈالنے والے ہیں مگر اس سے بڑھکر حیرت میں ڈالنے والا یہ امر ہے کہ عیسائی صاحبان ان واقعات کیطرف توجہ نہیں کرتے تعجب ہے کہ ان قوموں میں جہاں ہزاروں دانشمند عجیب عجیب رنگوں میں اپنی ذہانت کے نئے نئے نمونے دکھاتے ہیں ایک بھی ایسا نہیں جو ان بیماریوں کے علاج کیطرف توجہ کرے جو عیسائی سوسائٹی کی جڑھ کو کھا رہی ہیں۔ مہذب دنیا اپنے عیش کے شغلوں میں اسطرح آنکھیں بند کرکے مصروف ہے کہ وہ کبھی یہ غور بھی نہیں کرتے کہ ان باتوں کا آخر انجام کیا ہوگا۔ بلکہ اگر کوئی شخص ان میں کثرت بدکاری پر لکھنے کی جرأت بھی کرتا ہے تو وہ مہذب سوسائٹی سے لعن وطعن کا ہی انعام پاتا ہے اور اسباب کو کہ اصل تصویر ان سیاہ کاریوں کی کوئی کھینچے جو پھیلی ہوئی ہیں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو واقعات مسٹر صاحب نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں وہ انہوں نے عیسائی اخباروں یا عیسائیوں کی تحریروں سے ہی لئے ہیں اور ان میں سے میں بطور اختصار یہاں چند واقعات بیان کرتا ہوں جس سے میری غرض صرف یہ ہے کہ تا ان امور کیطرف تہذیب کے دعویدار توجہ کرکے علاج کی تلاش میں لگیں۔

"شکاگو کا ڈاکٹر نائیٹ لکھتا ہے کہ امریکہ میں مرد عورت کے تعلقات میں بدکاری بڑی تیزی سے پھیلتی جاتی ہے اور اسیکا نتیجہ ہے کہ نہ صرف حمل کے اسقاط میں ہی کثرت ہوتی جاتی ہے بلکہ بچہ کشی بہت پھیلتی جاتی ہے۔ اور ان دونوں باتوں کی کثرت ضرور قانون کو مجبور کریگی کہ انکے روکنے کیلئے سخت سزائیں خاص طور پر دیجاویں حمل کو روکنے کی رسم بہت پھیل گئی ہے اور یہ ایک خطرناک بدی ہے اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ لوگ دنیا کی عیاشی اور نفسانی لذات کا حصول چاہتے ہیں۔ مگر جو نتائج ان اغراض کے پورا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں انکو وہ خود غرضی کی وجہ سے برداشت کرنا نہیں چاہتے۔ مسٹر ڈایک کے بیان کے مطابق جو انجمن اصلاح قانون طلاق کا ممبر ہے ریاست متحدہ امریکہ میں ہر سال چھ ہزار عورتوں کی جانیں اس کوشش میں تلف ہوتی ہیں کہ وہ جنین کو ضائع کرنا چاہتی ہیں یعنی اسقاط حمل کی وجہ سے۔ ویسٹمنسٹر ریویو لکھتا ہے کہ چھوٹے بچوں کی موت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ بچے عمداً ضائع کردیئے جاتے ہیں جنکی ضرورت نہیں سمجھی جاتی یعنی وہ جنکے والدین غریب ہوتے ہیں مگر اکثر اور عموماً وہ ناجائز تعلق سے ہوتے ہیں جنکی سالانہ تعداد ہمارے ملک میں پچاس ہزار سے زیادہ ہے۔

"ذیل کا حیرت میں ڈالنے والا واقعہ ملفوظ سٹیٹسمن میں چھپا ہے۔ بیان ہے کہ کلیولینڈ میں سخت بیماری عام طور پر پھیل گئی اور چونکہ یہ
بیماری کسی مقام سے مخصوص نہ تھی اسلئے حکام نے یہ نتیجہ نکالا کہ پانی میں کوئی نقص ہے چنانچہ تالاب کا پانی نکالا گیا
تو یہ وحشتناک بات معلوم ہوئی کہ اس تالاب میں سات سو بچوں کی لاشیں ہیں وہی پرچہ آگے لکھتا ہے اگر معصوم بچوں کا
اسقدر قتل عام کلیولینڈ میں ہوسکتا ہے تو پھر تجارت اور بدکاری کے بڑے بڑے مرکزوں میں کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا سینٹ لوئس
اور شکاگو کے بدکار شہروں کی کیا حالت ہوگی اور سان فرانسسکو کے عیاش شہر میں کیا کیا ناقابل ذکر باتیں نہ ہوتی ہونگی یہ سات سو
لاشیں ان بدکاریوں کا ایک چھوٹا سا نشان ہیں جو ہمارے ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں نسل کشی کا گناہ جو سخت درجہ کی بزدلی کا نتیجہ
اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت خطرناک گناہوں میں سے ایک گناہ ہے صرف بچہ کشی تک ہی محدود نہیں بلکہ ایسی ہی سیاہ کاری کا ارتکاب
اسقاط حمل کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے یہ خاص عیسائی بدکاریاں ہیں یعنی بکثرت عیسائی لوگوں میں پائی جاتی ہیں لیکن عیسائی
بزرگ کبھی انکا ذکر نہیں کرتے"

میں ان شرمناک واقعات کے ذکر کو بڑھانا نہیں چاہتا جو شخص مفصل واقفیت ان حالات سے حاصل کرنا چاہتا ہو وہ
اس کتاب کو پڑھے وہ سیاہ کاری جسکا نام تمدنی بدی رکھا جاتا ہے خطرناک طور پر عیسائی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے اور اسکو
سب تسلیم کرتے ہیں ایک عورت مسز اڈیشن کیمبل جو ایک مشہور مصنف ہے لکھتی ہیں میں یہ نہیں کہتی کہ ایک خاوند کی ایک ہی عورت
ہونا اعلیٰ درجہ کا اصول نہیں مگر میں کہتی ہوں کہ اس زمانہ کے لوگ عملی طور پر زوج واحد کے قاعدے کو نباہ نہیں سکتے بلکہ تعدد
ازواج کسی نہ کسی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہے یا تو کھلا کھلا جیسا یوٹاہ کی ریاست میں اور یا پوشیدہ طور پر جیسا کہ باقی
کی تمام ریاستوں میں غرضیکہ عام رواج عیسائی ممالک میں تعدد ازواج کا ہے اور جھوٹ موٹ کا قاعدہ زوج واحد کا ایک
سخت دھوکا اور منافقت ہے اور رنڈی بازی کو جھوٹ اور نفاق کیسا منہ چھپایا جاتا ہے یہ امر کہ پانچ لاکھ عورت ہمارے درمیان
اس قسم کی موجود ہے اور ہر ایک شہر و قصبہ میں بحصہ رسدی وہ موجود ہیں یہ کافی ثبوت ہے اس بات کا کہ ایسے خاوند جو نکاح کے
معاہدے کو پوری طور پر نگاہ رکھنے والے ہوں بہت کم پائے جاتے ہیں اور عام قاعدہ کے لئے جو لوگ اسکے خلاف ہیں بطور استثناء
کے ہیں اب یہ تمام کی تمام عورتیں بذریعہ اغوا کسبیوں میں آکر شامل ہوتی ہیں اور یا خرید کر لائی جاتی ہیں اور پھر ہم میں سے
ہی وہ مرد ہیں جو انکے اس کسب میں گذارے کے لئے انکو روپیہ دیتے ہیں جس سے وہ پوشاک اور خوراک خریدتی ہیں اور ہم
میں ہی وہ مرد ہیں جنکی وجہ سے قریباً ایک لاکھ ایسی عورتیں ہر سال نکمی ہو جاتی ہیں اے مردو! جو ہمارے باپ یا بھائی ہو
کب تک تم ہم سے دغابازی کروگے تمہارا دعوےٰ تو یہ ہے کہ تم عورتوں سے جوانمردی کا اور فیاضی کا سلوک کرتے
ہو مگر عمل تمہارا اسکے خلاف ہے اور تم ہر روز ہمیں دھوکا دیتے ہو تم ظاہر میں نیکی اور پرہیزگاری کی عظمت دکھلاتے ہو
مگر اپنی پرہیزگاری کا تمہیں کچھ بھی خیال نہیں ہے تم ہمیں کہتے ہو کہ ہمیں کسبیوں کے پیشہ سے نفرت ہے مگر تم ہی
کسبیوں کے بازار میں جاکر پیسے دیکر عورتوں کو خریدتے ہو"

مگران تمام سیاہ کاریوں اور بدکاریوں کی عیسائی ممالک میں اس وجہ سے برداشت کیجاتی ہی کہ تعدد ازدواج کے خلاف انکو سخت تعصب ہے عیسائی ممالک میں ہر ایک بدکاری کی کھلی اجازت دیجاتی ہی اور اگر رد کا جاتا ہی تو تعدد ازدواج سے ہی رد کا جاتا ہے۔ زنا رنڈی بازی اور نسل کشی ان تمام بدکاریوں کو تعدد ازدواج پر ترجیح دیجاتی ہے یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں دلائل کو دخل نہیں دیا جاتا اور بڑے بڑے دلائل کے شیدا اسجگہ دلیل کو نزدیک نہیں آنے دیتے بڑے بڑے فلاسفر مرد و عورت کے تعلقات کو بیان کرتے وقت نقلی دلائل کو بھول جاتے ہیں انکے نزدیک ارتکاب زنا یا اغوا یا کسبیوں کا پیشہ اختیار کرنا یا کسبیوں سے تعلقات رکھنا یا بچوں کا ضایع کرنا یہ بڑے گناہ نہیں ہیں بلکہ ان سب سے بڑا گناہ جسکی وہ برداشت نہیں کرسکتے تعداد ازدواج ہے تمام بدکاریوں کی برداشت کیجاسکتی ہے مگر تعدد ازدواج کی کسی صورت میں برداشت نہیں کی جاسکتی اور انکے نزدیک یہی سب سے بڑی بدی ہی جس کو دنیا سے نیست و نابود کرنا چاہیے زانی اور اغوا کرنیوالا اور گھر میں عورتیں ڈال لینے والا اور کسبیوں کے پاس جانیوالا ان کے نزدیک قابل گرفت نہیں مگر تعدد ازدواج پر عمل کرنیوالا ہر طرح پر دُکھ دئیے جانیکے لائق ہے اور وہ ایسا خطرناک انسان ہے کہ اس کے پاس بھی کسی کو نہیں پھٹکنا چاہیے اور نہ اسے کسی قومی مشورہ میں شامل کرنا چاہیے میں حیران ہوں کہ تعدد ازدواج کو برا کہنے والوں نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور کیا ہے کہ آیا واقعی تعدد ازدواج زنا کاری سے بدتر ہے ہرگز نہیں کیونکہ یہ ایسا عمل ہی نہیں جس پر عقل اور دلیل کو دخل دیا جاوے زانی اور اغوا کرنیوالا اور منکوحہ کے سوا کسی محبوبہ سے کھلا تعلق رکھنے والا یہ سب لوگ سوسائٹی میں عزت پانیکے قابل ہیں اور سوسائٹی سے نکالا جانیکے قابل اگر کوئی شخص ہی تو وہی ہے کہ جو ایک سے زیادہ بیوی کرے سوسائٹی تباہ ہوجائے اور ذلت کے گڑھے میں گرجاوے مگر تعدد ازدواج کا نفرت انگیز نام کسی عیسائی کے منہ سے نہیں نکلنا چاہیئے تعداد ازدواج کی نفرت گویا ان لوگوں کے نزدیک ایک ایسی نیکی ہے جو خطرناک سے خطرناک بدکاریوں کا کفارہ ہوجاتی ہے اور یہ عذر کہ ہمیں تعدد ازدواج سے نفرت ہے اس بات کے لئے کافی ہے کہ عورتوں کو ذلیل سے ذلیل اور گندے سے گندے پیشوں کے لئے مجبور کیا جاوے

میں یہ نہیں کہتا کہ عیسائیوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے ذہن میں یہ باتیں نہ آتی ہوں اور جو اس احمقانہ تعصب پر جو ان کو تعدد ازدواج کے نام سے ہی غالب نہ آگیا ہو مسٹر صاحب نے جنکی کتاب اسوقت میرے سامنے ہے اعلےٰ درجہ کی اخلاقی جرأت دکھائی ہے اور عیسائیوں کی عقل اور کانشنس کے سامنے پرزور اور پر درد الفاظ میں یہ اپیل کی ہے کہ وہ ناحق کے تعصب کو چھوڑ کر تعدد ازدواج کے سوال پر دلائل سے بحث کریں انکے بعض فقرات اس قابل ہیں کہ ان کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاوے مسٹر صاحب فرقہ مارمن کے عیسائی ہیں اور وہ ایک خط میں (جو انہوں نے ایک تعدد ازدواج کے مخالف کو مخاطب کرکے لکھا ہے) لکھتے ہیں۔

"اب اس امر کے متعلق جس کو تم لوگ تعدد ازدواج کی ناپاک رسم کہتے ہو چند واقعات اور دلائل پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس پاک رسم نکاح کو جو تعدد ازدواج ہے سچا ماننے اور اسپر

عمل کرنیکے لئے کونسی تحریکات اور اغراض ہیں اور انمیں ہماری کیا نیت ہے ہم یہ مانتے ہیں اور کھلے کھلے الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک قسم کی زناکاری اور ناپاکی کے لئے ہمارے دل میں سخت درجہ کی نفرت ہے اور ہمارے نزدیک زنا کاری ایسا ہی خطرناک گناہ ہے جیسا کہ قتل۔ اور ابتداء ہی سے ہم نے اس تعلیم کو اختیار کیا ہے یہ ہمارے مسلمہ اصول میں سے ایک اصل ہے کہ مذہبی اور معمولی عدالتوں میں زناکاری کے لئے ہمارے قوانین اور قواعد دینی سے سخت سزا تجویز ہونی چاہیئے۔

پرانے اور نئے عہدنامے میں شروع سے اخیر تک عورتوں کے صاحب اولاد ہونے کو خدا تعالیٰ کا بڑا فضل کہا گیا ہے اور عقیم یعنی بانجھ ہونے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ایک نشان قرار دیا ہے مارمن یا اور لوگ بڑے ہی بیوقوف اور سخت احمق ہوں اگر وہ ایک بات کو جسکو آپ لوگ وحشیانہ اور ظالمانہ طریق سے ناپاک رسم کہتے ہیں (حالانکہ وہ انسانی ترقی کی معاون ہے) محض جذبات نفسانی کے پورا کرنیکے لئے اختیار کریں خصوصاً اس حالت میں جبکہ انکی خطرناک مخالفت بھی اسی وجہ سے ہو رہی ہو درحالیکہ نفسانی اور شہوانی جذبات کو وہ دوسرے مہذب ملکوں کے عیسائیوں کی طرح بڑی آسانی سے پورا کر سکتے ہیں جس میں نہ کوئی خرچ ہی ہے نہ کوئی ذمہ داری ہے نہ کوئی بُرا کہنے والا ہے اگر صرف شہوت رانی ہی اصل مقصود نکاح سمجھ لیا جاوے تو کوئی آدمی جسکی عقل چکرائی ہوئی نہ ہو اس ذمہ داری کو ناحق اٹھانا پسند نہ کریگا اسکے بچوں کے بڑے بڑے کنبے ہوں جسکو تعلیم اور تربیت دینا اور انکی پرورش کرنا اور ان کے اور انکی ماؤں کے لئے خوراک پوشش مکان وغیرہ کا انتظام کرنا اسکے ذمے ہو اور پھر ساتھ اسکے یہ باتیں اور بھی پڑھی ہوئی ہوں کہ اس کے اس فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو جرمانہ کیا جاتا ہو سزائیں دیجاتی ہوں مال و اسباب قرق کیا جاتا ہو عبادت گاہیں ویران کیجاتی ہوں شہر اور بستے لوٹے جاتے ہوں وغیرہ ہزارہا قسم کی تکلیفیں جھیلنی جاتی ہوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دانشمند لوگ یہ تکلیفیں اور ذمہ واریاں محض ایک نفسانی جذبہ کو پورا کرنیکے لئے اختیار کریں حالانکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ انکے ہی بھائی نفسانی جذبات کو کسقدر آسانی سے پورا کر رہے ہیں اور بڑے سے بڑے شیطانی افعال کا ارتکاب کرنے میں انکو کسقدر آسانیاں ہیں اور کیسے ایک برائے نام مہذب سوسائٹی میں اکثر تعداد بیاہے ہوئے اور مجرد مردوں کی ایسی ہی ہے جو بغیر کسی ذمہ واری کے اٹھانیکے اور نہایت قلیل خرچ سے اغوا زناکاری اور ایسی ہی بدکاریوں کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اپنے جسم اور روح دونوں کو تباہ کر رہے ہیں۔

"میں ایکدفعہ واشنگٹن میں گیا ہوا تھا کہ ایک بڑے مدبر نے جو ہر قسم کی ناپاکی سے ہماری مذہبی نفرت کو خوب سمجھتا تھا سنجیدگی سے میرے پاس یہ بیان کیا کہ کانگریس کے اجتماع کے دنوں میں اس شہر میں کوئی عورت جس کے ساتھ کوئی محافظ نہ ہو عفت پر حملے سے محفوظ نہیں ہوتی سوائے اس آزادی کی دیوی کے جسکا بت گنبد پر موجود ہے اور وہ بھی اس لئے

محفوظ رکھا ہے کہ وہاں تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

مسٹر ویس بلیک ایکس سکرٹری کہتا ہے کہ بعض مقامات پر جہاں صرف ریاست ہائے متحدہ کی حکومت ہر حیثیتوں کی عورتوں کو بطور لونڈیوں کے گھروں میں رکھا جاتا ہے شہر واشنگٹن وہ علاقہ آدمیوں سے بھرا پڑا ہے حالانکہ انہیں سو ایک ہزار میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو جایز طور پر نکاح شدہ والدین کی اولاد ہو۔

"کون آدمی زیادہ عزت کے لایق ہے وہ جو نکاح کی ذمہ داری کو نسل انسانی کی ترقی دینے کے لئے اختیار کرتا ہے اور خوشی سے اسکی تمام پاک اور بڑی بڑی ذمہ واریوں کو جو بحیثیت والد ہونیکے اسے پیش آینگی اٹھاتا ہے اور اسطرح ان حقوق کو ادا کرتا ہے جو خدا اور ملک اور قوم کے حقوق اسکی گردن پر ہیں زیادہ آدمی عزت کے قابل ہوسکتا ہے جو محض ایک جذبہ کو پورا کرنیکے لئے ایک وقتی تعلق محبت کا جسمیں محرک صرف جوش شہوانی ہوتا ہے پیدا کرتا ہے؟

"آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ مہذب دنیا میں لاکھوں بیاہی ہوئی عورتیں ایسی موجود ہیں جو ضعیف اور عقیم ہو چکی ہیں اور جنکا عقم قابل علاج ہی نہیں پھر یہ کیسا ظلم کیسا خلاف فطرت انسانی کسقدر ناانصافی کسقدر دور اندیشی سے بعید اور خدا کے قانون اور قدرت کے قانون اور ملک اور قوم کے خلاف کیسا سخت جرم ہے کہ بڑے بڑے مشہور اور لایق آدمیوں کے نام انکو مجبور کر کے ہمیشہ کے لئے محو کئے جائیں صرف اس وجہ سے کہ ایک عورت جس سے انہوں نے بیاہ کیا ہے عقیم ثابت ہوئی ہے یا کسی اور وجہ سے اولاد پیدا کرنیکی قابلیت نہیں رکھتی ایک آدمی جسکے کیسے زر سے پر ہیں وہ جاگیروں ریل کی سڑکوں بنک جہاز کارخانے سونے کی کانیں اور بڑے بڑے گلے خرید سکتا اور انکا مالک ہو سکتا ہے یہی نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں جسقدر جی چاہے محبوبہ رکھکر ان سے ناجایز تعلق [illegible] پیدا کر سکتا ہے مگر جبتک کہ اسکی قابل اولاد موجود نہ ہے اسوقت تک اس بات کا ہرگز اسے خیال نہیں کرنا جایز اولاد پیدا کر سکے خواہ اسکے دل میں اسکے لئے کیسی ہی تڑپ موجود ہو ایسی اولاد جو اسکے نام کو قایم رکھنے والی ہو اور اس کی وارث ہو"

ایک عورت کے دل میں نکاح کی خواہش ہوتی ہے اسکے متعلق مسٹر صاحب نے ایک عورت کی ہی تحریر کو نقل کیا ہے وہ کہتی ہے

"دس لاکھ عورتوں میں ایک بھی ایسی نہیں جسکو اگر نکاح کرنے کا موقع ملے تو وہ نکاح نہ کرے خواہ وہ دانشمند ہو یا بیوقوف امیر ہو یا غریب خوبصورت ہو یا بدصورت نکاح اسکے لئے بشرطیکہ صحیح معنوں میں نکاح ہو اعلیٰ درجہ کا بہشت ہے اور سچ یہ ہے کہ دنیا میں مرد کا بہشت بھی وہی ہے عورت دوسرے معاملوں میں سفید ثابت ہو سکتی ہے بڑی بن سکتی ہے مگر اس کے تمام قوی جو قدرت نے اسکو دئے ہیں انکی تکمیل سوائے نکاح کے نہیں ہوتی جبتک کہ وہ ایک ماں یا عورت کی محبت کے اظہار کرنیکا موقع نہیں پاتی اسکے قوی کا ایک حصہ بالکل بند رہتا ہے اور اسپر گویا مہر لگی رہتی ہے"

ان تمام شہادتوں سے ثابت ہوا کہ اگر یورپ اور امریکہ کی کثرت فسق کا کوئی علاج ہے تو وہ صرف تعدد ازدواج ہے مگر افسوس ہے کہ عیسائی لوگ دق کے بیمار کی طرح جو اپنے آپکو بیمار نہیں سمجھتا اور اس لئے دوائی استعمال نہیں کرتا بدکاری کی اس

کثرت کے باوجود اپنی بیماری کو تسلیم نہیں کرتے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز اس سوسائٹی کی حالت ابتر ہوتی جاتی ہے کاش کہ وہ ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کریں اور دلونکو تعصب سے خالی کرکے ان دلائل کو وزن کریں کہ کسبیوں کے پیشہ کی بیخکنی اسوقت تک غیر ممکن ہے جب تک کہ عورتوں کے لئے کوئی ایسی راہ نہ کھولی جاوے کہ انکو خاوند کرنیکی ممانعت نہ ہو خواہ وہ دوسری یا تیسری یا چوتھی بیوی بنکر ہی نکاح سے فائدہ اُٹھا سکیں وہ عورتیں جو اپنی جنس کے لئے کوئی عزت اپنے دلونمیں رکھتی ہیں سوچیں کہ ایک غریب اور معصوم لڑکی اسیوقت بدکاری سے بچ سکتی ہے جب اسکو موقع دیا جاوے کہ وہ معززہ بیوی بن سکے ہمدردی انسانی کا دعویٰ کرنیوالے غور کریں۔ کہ جبتک وہ نکاح کے بارے میں اپنے قوانین کو درست نہیں کریں گے سچی ترقی ناممکن ہے کسی اصلاح سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے وہ خدا جس نے امراض پیدا کی ہیں انکے علاج بھی اسنے پیدا کئے ہیں ہاں تھوڑی سی اخلاقی جرأت بکار ہے کہ دوائی کو استعمال کیا جاوے

نوٹ اور ریویو

رسالہ جواز سود۔ یہ ہے تصنیف "فضل الفضلا زبدۃ الحکما مولنا سید عبد الصمد صاحب" کی گویا قرآن شریف کے حکم حرمت سود کے بالمقابل یہ رسالہ جواز سود پر لکھا گیا ہے لوگوں کی رائیں سود کے متعلق بیان کرنیکے بعد آپ ایک قول فیصل دیتے ہیں جو یہ ہے کہ اول تو جو آیت احل اللہ البیع وحرم الربوا نازل ہوئی اسمیں اعلیٰ درجہ کا اجمال ہے دوم جو حدیثیں دربارہ مضمون آیت احل اللہ البیع وحرم الربوا کے وارد ہوئیں وہ خالی اجمال سے نہیں ہیں اور تشریح ناکافی ہے لہذا میری رائے ناقص میں یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ آیت قرآنی احل اللہ البیع وحرم الربوا کو بھی مانند ان آیتوں کے حمل کیا جاوے کہ جنکے متعلق مفسرین تحریر فرماتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ یعنی مانند آیات مقطعات و متشابہات کے کہ جسکے معنے ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ سود کو ہم جایز نہ رکھیں" مگر اگر مجمل بھی ہے تو اسکے خلاف فتویٰ دینے کا آپکو کیا حق ہے اللہ اعلم بمرادہ کے کہنے والے کو تو چاہیئے تھا کہ وہ کہتا کہ میں نہیں جانتا سود حرام ہے یا حلال نہ یہ کہ فتویٰ دے کہ تم سود کھاؤ۔ ابتک توجسقدر لوگوں نے جواز سود کی کوششیں کی ہیں وہ خاص حالات کے ماتحت سود کو جایز کرنا چاہتے تھے مگر سید عبد الصمد نے قرآن کریم کی مخالفت کے کسی پہلو کو باقی نہیں چھوڑا اور قرآن شریف کے عام حرمت ربا کے حکم کے مقابل عام جواز سود کا فتویٰ دیدیا یہ ہے ہمارے علماء کی حالت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ انکے نزدیک جتنا سود کوئی چاہے لے اجازت ہے کیونکہ انکے نزدیک ایک سارے کا سارا رکوع مقطعات اور متشابہات میں سے ہے اس طرح سے تو ہر ایک حکم کو متشابہات میں رکھا جا سکتا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ معلوم نہیں نماز کونسی تھی تیرہ سو برس کی بات ہے ایسا ہی روزے رکھنا زکوٰۃ دینا حج کرنا وغیرہ احکام یا ایسی حرمتیں جیسی شراب یا قمار یا زنا کا حرام کرنا ان سب کو مجمل ٹھہرا کر جواز شراب جواز قمار جواز زنا پر بھی رسالے لکھکر ایک نیا اباحتی مذہب قایم کردیں اور ابھی آپ لکھتے ہیں کہ "یہانتک جو کچھ بندہ عبد الصمد نے لکھا باملاد غیبی کے

لکھا" پھر آپ یہ لکھتے ہیں کہ حرمت سود کے حکم کی علت ظلم ہے جیسا کہ فرماتا ہے لا تظلمون ولا تُظلمون لیکن اگر پہلے معاہدہ ہو جائے کہ اسقدر روپیہ پر اسقدر سود لیا جاویگا تو ظلم نہ رہا بلکہ حق ہو گیا گویا رضامندی فریقین حرام کو حلال کر دیتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ زنا حرام ہو وہاں بھی تو رضامندی فریقین ہو جاتی ہے بلکہ کچھ پیسے اُجرت کے بھی کسبیاں لے لیتی ہیں یہ تو آپ کے نزدیک عین حلال ہونا چاہیئے اور قماربازی کو بھی سود پر قیاس کر لو اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ ربائے جاہلیت میں پہلے سود مقرر نہ ہوتا تھا یہ سراسر حماقت ہے رسالہ جواز سود لکھ مارا اور تحقیق کی یہ حالت ہے دیکھو تفسیر کبیر اما ربا النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھورا متعارفا فی الجاھلیۃ وذلک انھم کانوا یدفعون المال علیٰ ان یاخذوا کل شھر قدرا معینا و یکون راس المال باقیا۔ افضل الفضلا زبدۃ الحکما صاحب اسکے معنے اگر نہیں سمجھتے تو کسی اور سے پوچھ لیں کسی عرب کے جاہل سے ہی پوچھ آئیں۔

"**بیبل کلام اللہ نہیں ہے**" مینے گذشتہ سال میں عیسائی اخبار تجلی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ ایک زمانہ میں عیسائی لوگ بائبل کو کلام الٰہی مانا کرتے تھے اور مسلمانوں کو چیلنج کیا کرتے تھے کہ بائبل میں تحریف کا ثبوت دیں آج نہ وہ اس کتاب کو کلام الٰہی مانتے ہیں اور نہ ہی تحریف سے خالی مانتے ہیں اسپر اخبار نور افشاں جھنجھلا یا ہے اسکا تو حق تھا کیونکہ بائبل کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنے سے مشنریوں کا تو کام نہیں چلتا مگر مجھے حیرت ہے کہ مسٹر فضل نے بھی اس تحریر سے بہت کچھ پریشانی ظاہر کی ہے گویا یہ کہتے ہیں کہ بائبل کلام الٰہی نہیں ہے مینے تحریف کی ہے حالانکہ مینے* اسکے اپنے الفاظ جواب اس مضمون کے عنوان میں درج ہیں پہلے بھی لکھدئے تھے انکے صاف الفاظ یہ ہیں جنکو اب وہ سوائے اسکے کہ تجلی کے وجود کو دنیا سے نیست و نابود کیا جاوے محو نہیں کر سکتے "**بیبل کلام اللہ نہیں ہے** بلکہ اسمیں کلام اللہ کا حال درج ہے اور کلام اللہ درحقیقت خود یسوع مسیح ہے۔" اگر لکھتے وقت بائبل کی اسطرح اسکی پرانی عظمت چھین لینے میں راقم کو یہ خیال ہوتا کہ اب بائبل کا باقی کچھ نہیں رہا اور اسکی ساری عمارت کی بنیاد اکھڑ گئی ہے تو وہ اس قسم کی کفوتھی بات نہ لکھتا کہ "اگرچہ ہم اس یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جسکا ذکر بائبل میں پایا جاتا ہے تاہم ہم اسے اس بنا پر نہیں مانتے کہ اسکا ذکر و شہادت بائبل میں پائی جاتی ہے بلکہ ہمارے ایمان کی بنیاد **ان فانی ورقوں سے** بالا اس روح القدس کی شہادت میں ہے جو ایماندار وں کی روحوں میں سکونت کرتا ہے۔" یہ کیسا سیاہ جھوٹ ہے چاہے ان ورقوں کو فانی کہو یا ردی کہو یہ تو آپکو اختیار ہے مگر یہ جھوٹ ہے کہ بائبل کے ان قصص سے علاوہ تمہیں اور کہیں یسوع مسیح ملا ایمانداری سے کہنا کہ جسوقت اپنے خدائے واحد کو چھوڑ کر مصلوب خدا کے نام میں

*مجھے معلوم نہیں کہ اس مضمون کے لکھنے والے مسٹر فضل ہی ہیں یا اور کوئی صاحب مگر چونکہ بہرحال انہیں مضمون تجلی سے اتفاق ہے اور جو کچھ اسمیں بائبل کے متعلق لکھا گیا ہے وہ اسے سچ مانتے ہیں اسلئے میں انہیں ہی مخاطب کرتا ہوں جسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایڈیٹر صاحب بدر کو ایک خط لکھا ہے جسمیں میرے اس ریویو کو سخت تحریف قرار دیا ہے منہ

نوٹ۔ یہ لکھا جا چکا تھا کہ رسالہ تجلی بھی پہنچ گیا ہے اور اسمیں بھی ایک نوٹ میں ایسی ہی سراسیمگی ظاہر کی ہے۔ منہ

بپتسمہ لیا تھا تو اسی بنا پر لیا تھا کہ بائبل کلام الٰہی ہے اور جو کچھ اسمیں یسوع مسیح کے معجزات اور تعلیم وغیرہ کے متعلق لکھا ہے وہ سچ ہے یا کسی افسانہ پر؟ اور یہ بھی ایمان سے جواب دیں کہ کتنی مدت تک پھر آپ مسیح کو صرف بائبل کی بنیاد پر مانتے رہے؟ بہر حال اگر "بائبل کلام اللہ نہیں ہے" آپ کے ہی الفاظ ہیں اور نقل میں موجود ہیں تو ہمنے تحریف نہیں کی اور دو افشاں اور مسٹر فضل کو نقل کے لکھنے والے پر ناراض ہونا چاہیے جس نے یہ لفظ لکھدیے اور اس سے اختلاف رائے ظاہر کرنا چاہیے کہ یہ ہمارا مذہب نہیں اور ہم بائبل کو کلام اللہ مانتے ہیں

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعودؑ

یکم مارچ سنہ ۱۹۰۶ء۔ زلزلہ آنیکو ہے فرمایا اسکے معنے یہ ہیں کہ اسی زلزلہ کو جو ہوا اصل زلزلہ نہ سمجھو بلکہ سخت زلزلہ آنیکو ہے ۷۔ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء ھا انی اٰتی تلک۔ ۹۔ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء زلزلہ آنیکو ہے رب لا ترنی موت احد منھم یعنی اے میرے رب ان میں سے کسی کی موت مجھکو نہ دکھلا رب لا ترنی زلزلۃ الساعۃ (ترجمہ) اے میرے رب مجھکو زلزلۃ الساعۃ نہ دکھائیو یعنی اسکی گھبراہٹ اور فزع نہ دکھائیو پھر الہام ہوا ہمارے لئے عید کا دن۔ بعد اسکے یہ الہام ہوا جس سے تو محبت پیار کرتا ہے میں اس سے بہت پیار کرونگا اور جس سے تو ناراض ہے میں اس سے ناراض ہونگا یعنی تیرا کسی سے محبت کرنا اسکو ایسی آفت سے بچائیگا اور تیرا کسی سے ناراض ہونا اسکو ایسی آفت میں مبتلا کرے گا اور پھر الہام ہوا اینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی جسکی طرف تیرا منہ ہوگا اسی کی طرف خدا بھی منہ کریگا جس سے تجھے محبت ہوگی خدا بھی اس سے محبت کریگا اور اسے بچائیگا پھر الہام ہوا خدا نے تیری ساری باتیں پوری کردیں یعنی خدا تمام کام تیری مراد کے موافق کریگا پھر الہام ہوا واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک۔ اور وہ تمام عذاب جو مخالفین منکرین ظالمین کے لئے خدا کا وعدہ ہے خدایا تو ان میں سے کچھ تجھے دکھلا دیگا اور یا تجھے وفات دے گا اور بعد میں وہ سب کچھ پورا کرے گا۔ یاد رہے کہ قرآن شریف کی طرز بیان کے موافق اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ خدا میری زندگی میں مخالفین کو بشرطیکہ توبہ کے انکی زباندرازیوں اور شوخیوں کی کچھ سزا دیگا کیونکہ انہوں نے تقوے سے کام نہ لیا اور پھر الہام ہوا قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ یعنی کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا محض خدا کے لئے ہے جو رب العلمین ہے نہ کسی اور کام کے لئے اور پھر الہام ہوا رب ارنی آیۃ من السماء یعنی اے رب میرے مجھے آسمان سے ایک نشان دکھا اور پھر زلزلہ کی طرف اشارہ کرکے یہ الہام ہوا۔ اکرام مع الانعام یعنی اس نشان کے ظہور کے وقت خدا ایک عزت دیگا جس کیساتھ ایک انعام ہوگا ۱۱۔ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء الہام چو دور خسروی آغاز کردند ٭ مسلمان را مسلمان باز کردند۔ ۱۲۔ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء۔ انی مع الافواج

اٰتیک بغتۃً ونجعل لک سھولۃً فی کل امرٍ ان ربک فعال لما یرید ۱۳۔ مارچ ۱۹۰۶ء (۱) سردوں کو مضبوط جا ہو ساتھ لے جاؤ مگر عورتیں نہ جائیں (۲) انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر۔ (۳) ان احدٌ من المشرکین استجارک فاجرہ۔ ۴۔ سواءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون۔ ۱۴۔ مارچ ۱۹۰۶ء رؤیا میں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انت سلمان ومنی یا ذالبرکات پھر الہام ہوا چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشان کی پنج بار (یعنی نشان زلزلہ) ۱۴۔ مارچ ۱۹۰۶ء سفاہم او مبین از راہ تحقیر بدور انش رسولان ما ز کردند ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء (رؤیا) خواب میں دیکھا کہ میر ناصر نواب صاحب اپنے ہاتھ پر ایک درخت رکھکر لائے ہیں جو پھلدار ہے اور جب مجھکو دیا تو وہ بڑا درخت ہو گیا جو بیدانہ توت کے درخت کے مشابہ تھا اور نہایت سبز تھا اور پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور پھل اسکے نہایت شیریں تھے اور عجیب تر یہ کہ پھول بھی شیریں تھے مگر معمولی درختوں میں سے نہیں تھا ایک ایسا درخت تھا کہ کبھی دنیا میں دیکھا نہیں گیا میں اس درخت کے پھل اور پھول کھا رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی میری دانست میں میر ناصر نواب سے مراد خدائے ناصر ہے کہ وہ ایک ایسے عجیب طور سے مدد کریگا جو فوق العادت ہوگی ۱۵۔ مارچ ۱۹۰۶ء خدا نکلنے کو ہے (۲) انت منی بمنزلۃ بروزی (۳) وعد اللہ ان وعد اللہ لا یبدل۔ یعنی خدا ان پانچ زلزلوں کو لانے سے اپنا چہرہ ظاہر کرے گا اور اپنے وجود کو دکھلا دیگا اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میں ہی ظاہر ہو گیا یعنی تیرا ظہور بعینہ میرا ظہور ہوگا یہ خدا کا وعدہ ہے کہ پانچ زلزلوں کے ساتھ خدا اپنے تئیں ظاہر کریگا اور خدا کا وعدہ نہیں ٹلیگا اور وہ ضرور ہو کر رہیگا ۲۴۔ مارچ ۱۹۰۶ء۔ رفیقوں کو کہدیں کہ عجائب در عجائب کام دکھلانیکا وقت آگیا ہے۔ ۲ قال ربک انہ نازلٌ من السماء ما یرضیک (ترجمہ) کہا تیرے رب نے کہ تحقیق وہ آسمان سے وہ چیز اتارنے والا ہے جو تجھے خوش کرے گی، ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء فرمایا آج زلزلہ کیوقت کے لئے توجہ کی گئی تھی کہ کب آویگا اسی توجہ کی حالت میں زلزلہ کی صورت آنکھوں کے سامنے آگئی اور پھر الہام ہوا رب اخر وقت ھذا یعنی اے میرے خدا یہ زلزلہ جو نظر کے سامنے ہے اسکا وقت کچھ پیچھے ڈالدے قاعدہ نحو کے مطابق ھذا کی جگہ ھذہ چاہیے تھا مگر اسجگہ ھذا سے مراد ھذا العذاب ہے کیونکہ اصل غرض تو عذاب ہے ورنہ زلزلے تو پہلے بھی آ چکے ہیں پھر بعد اسکے ساتھ ہی یہ الہام ہوا رب سلطنی علی النار یعنی اے میرے خدا مجھے آگ پر مسلط کر دے یعنی ایسا کر کہ عذاب کی آگ میرے حکم میں ہو جاوے جسکو میں عذاب دینا چاہتا ہوں وہ عذاب میں گرفتار ہو اور جسکو میں چھوڑنا چاہوں وہ عذاب سے محفوظ رہے ۲۸۔ مارچ ۱۹۰۶ء اخرہ اللہ الی وقت مسمّٰی۔ اللہ تعالیٰ نے اسمیں تاخیر ڈالدی ہے وقت مقرر تک فرمایا چھوٹے زلزلے تو آتے ہی رہتے ہیں لیکن سخت زلزلہ جو آنیوالا ہے اسکے وقت میں تاخیر ڈالی گئی ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ تاخیر کتنی ہے ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۶ء میں پچاس یا ساٹھ نشان دکھاؤں گا۔

۱۳-اپریل سنہ ۱۹۰۶ء الہام هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ان الله قدر من علینا در کل خواب میں مولوی عبد الکریم صاحب کو دیکھا اور میں انہیں کہتا ہوں کہ دعا کرو کہ دشمنوں پر خدا مجھے غلبہ دے" اور پھر آج دیکھا کہ وہ میرا نام لیکر کہتے ہیں کہ کیوں لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور کیوں نہیں مانتے اور بڑے جوش اور غضب سے کہہ رہے ہیں" اور چند روز ہوئے میں نے دیکھا تھا کہ ایک انگریز ہمارے گھر میں داخل ہوا ہے ساتھ محمود ہے گویا تلاشی لینی چاہتا ہے اور پاس ہی میر ناصر نواب صاحب کھڑے ہیں وہ اشارہ کر کے مجھے کہتے ہیں کہ یہ انگریز حاکم ہے تلاشی کی غرض سے آیا ہے میں کہتا ہوں کہ اسکو تلاشی کے لئے کونسی مشتبہ چیز ہے صرف ہماری مسودات ہیں معلوم نہیں کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہو مگر ناصر اور محمود کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اگر کوئی امر مکروہ بھی ہو تو انجام اچھا ہے ایسی خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں یہ ضروری نہیں کہ تلاشی سے مراد تلاشی ہی ہو بلکہ کوئی اور پوشیدہ جستجو اس سے مراد ہو سکتی ہے جسکا انجام ظاہری بریت اور صفائی ہو واللہ اعلم بالصواب چند روز ہوئے یہ الہام ہوا تھا انا نبشرک بغلام۔ نافلة لک ممکن ہے کہ اسکی یہ تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا ہو کیونکہ نافلہ پوتے کو بھی کہتے ہیں یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو۔ ۸-اپریل سنہ ۱۹۰۶ء یاتیک الفرج ۸-اپریل سنہ ۱۹۰۶ء رب ارنی زلزلة الساعة (۲) یریکم الله زلزلة الساعة ۹-اپریل سنہ ۱۹۰۶ء (۱) رب ارنی زلزلة الساعة (۲) یریکم الله زلزلة الساعة (۳) اریک زلزلة الساعة (۴) یسئلونک احق هو قل ای وربی انه لحق ولا یرد عن قوم یعرضون (۵) نصر من الله وفتح مبین (۶) اراد الله ان یبعثک مقاماً محموداً (۷) هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ۹-اپریل سنہ ۱۹۰۶ء وقت صبح۔ الامراض تشاع والنفوس تضاع ترجمہ امراض پھیلائی جائینگی اور جانیں ضائع کی جائینگی فرمایا یہ الہام پہلے بھی ہو چکا ہے اب پھر ہوا ہے اور خوف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے معلوم نہیں کہ قادیان کے متعلق ہے یا پنجاب کے متعلق ہے ۱۳-اپریل سنہ ۱۹۰۶ء تا الله لقد اثرک الله علینا وان کنا لخطئین۔ ۱۴-اپریل سنہ ۱۹۰۶ رؤیا دیکھا کہ طاعون ترقی کر رہی ہے الہام۔ زلزلہ آیا۔ زلزلہ آیا رؤیا۔ دیکھا کہ زلزلہ آ رہا ہے۔ الہام۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاهداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً ۱۵-اپریل سنہ ۱۹۰۶ء۔ عالم رؤیا میں دیکھا کہ ایک سانپ شکل لگھہ (مرغابی) میرا تعاقب کر رہا ہے اسکا پھر کوئی دو تین گز کا فاصلہ ہے میں کھڑا ہو گیا اور اسکو کہا کہ "خدا قاتل تو باد۔ مرا از دست تو محفوظ دارد" پھر نظارہ بدل گیا میں نے دیکھا کہ میں اسپر سوار ہوں میں نے اسکی گردن کو پکڑا ہے چونکہ اسکی گردن لمبی تھی اسواسطے اسنے گردن پھیر کر میرے ہاتھ کو کاٹنا چاہا ہے مگر وہ کاٹ نہ سکا اور میں نے احتیاطاً اسکی گردن سر کے قریب پکڑ لی ہے اور پھر آنکھ کھل گئی فرمایا کہ کوئی مخالف پوشیدہ ہمارے برخلاف منصوبے و تدابیر کر رہا ہے چنانچہ اسکے متعلق پہلے بھی مختلف الہام ورؤیا ہو چکی ہیں جیسے الہام انی مع الافواج اٰتیک بغتة اور رؤیا درباره تلاشی مکان وغیرہ لیکن ایسا مخالف بالآخر ناکام رہے گا قتل کے لئے آویگا تو خود مارا جاویگا

خریداران رسالہ کی خدمت میں التماس

پہلے سال میں لکھا گیا تھا کہ جن احباب کی قیمت ۳۱-مارچ تک وصول نہ ہو جائیگی اور نہ ہی انکی طرف سے زیادہ مہلت کی درخواست ہوگی ان سے اپریل میں پرچہ وی پی کر کے قیمت وصول کی جاویگی میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ اگلے مہینہ سے یہ سلسلہ وصولیوں کا شروع کیا جاویگا بہتر ہو کہ جو احباب کچھ مہلت چاہتے ہیں وہ دفتر میں فی الفور اطلاع دیں مگر بعد میں وی پی واپس نہ کریں کیونکہ اس سے بہت رنج پہنچتا ہے۔

معاونین رسالہ:۔ جو احباب خریدار دینی ہیں انکی خدمت میں التماس ہے کہ حتی الوسع یہ کوشش کیا کریں کہ قیمت بذریعہ وی پی پہلے وصول

[illegible] پیدا کرنے میں خصوصیت سے قابل ذکر چودھری رستم علی صاحب اور بابو محمد اشرف صاحب لاہور اور بابو محمد منظور الٰہی صاحب بھٹنڈہ اور ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر کی کوششیں ہیں بابو محمد منظور الٰہی صاحب تو لکھتے ہیں کہ وہ ایکسو خریدار پیدا کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور اصل میں ہمت کے سامنے یہ کچھ مشکل بات بھی نہیں فہرستیں ذیل میں درج ہیں۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

شیخ عبد الرحمن صاحب قادیانی عہ محمد رحیم الدین احمدی کالسی ۸ روپے پائی منشی میر اکبر مردان للعہ میاں خدا بخش صاحب امرتسر عہ میاں مولا بخش صاحب امرتسر عہ بابو عبد الرحمن صاحب کلکتہ صہ بابو نظیر طبیب صاحب جہٹ پٹ عہ میاں محمد حسین صاحب لاہور صہ جماعت پشاور صہ سیٹھ ہدایت اللہ صاحب امرتسر للعہ مولوی غلام نبی صاحب آوال عہ بابو پنجی بخش صاحب شملہ للعہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب عنہ مرزا سلطان احمد صاحب افسر مال میانوالی عہ قاضی خواجہ علی صاحب لدھیانہ للعہ چودھری رستم علی صاحب عہ بابو عبد الرحمن صاحب انبالہ سے میاں نیاز اللہ صاحب سنی پور آسام عہ حاجی رحمۃ اللہ لاہور صہ جماعت لائل پور سے منشی نذر علی صاحب صوابی [illegible] پیر بخش صاحب [illegible] للعہ منشی عبد العزیز صاحب [illegible] شیخ محمد یوسف صاحب انبالہ للعہ جماعت قصور ضلع لاہور للعہ قاضی محمد اکبر صاحب پھلور سے مولوی عبد الوحید صاحب [illegible] جماعت امرتسر للعہ بابو غلام محی الدین صاحب میرٹھ عہ شیخ غلام نبی صاحب تاجر راولپنڈی عنہ میاں غلام قادر [illegible] پٹیالہ عہ منشی خدا بخش صاحب [illegible] سیٹھ اسمٰعیل صاحب آدم بمبئی سے منشی کریم بخش صاحب سنام پٹیالہ للعہ میاں اللہ رحم بن باجوہ للعہ بابو امام بخش صاحب ہیڈ کلرک [illegible] للعہ بابو الٰہی [illegible] صاحب اور سیر [illegible] للعہ منشی رام چرنداس چیف کلرک صہ مولوی صدر الدین صاحب شملہ للعہ مولوی صدر الدین [illegible] عہ صوفی کرم الٰہی صاحب شملہ للعہ بابو برکت علی صاحب شملہ صہ بابو ابراہیم الدین صاحب شملہ عہ مولوی خدا بخش صاحب شملہ عہ منشی شمس الدین صاحب شملہ للعہ جناب سلطان شاہ صاحب [illegible] سے بابو عبد الرزاق صاحب لدھیانہ ۲۲ میاں حشمت اللہ صاحب تیز پور آسام سے منشی امام بخش صاحب رس چک دلیس سے بابو عبد القادر سکینڈ لاہور ۲ محمد رحیم بخش صاحب ہیڈ ماسٹر جگراؤں لدھیانہ عہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب پنڈی گھیپ سے سید اسد اللہ شاہ صاحب پنڈی گھیپ ۸

فہرست خریداران ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء انگریزی پرچہ ریویو آف ریلیجنز

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ ۱۔ منشی مراد بخش لاہور ۱۔ میاں محمد بخش صاحب صوبیدار کولون ہانگ کانگ ۱۔ بابو محمد اشرف لاہور ۲۔ سید محمد علی شاہ پسرور ۱۔ شیخ ضیاء اللہ صاحب مانسہرہ ۱۔ بابو عبد الحکیم خان صاحب اکونٹنٹ پونہ ۱۔ سید اسد اللہ صاحب پنڈی گھیپ ۱۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ لاہور ۱۔ منشی رحیم بخش صاحب [illegible] ۱۔ منشی محمد عثمان خاں [illegible] پور ۱۔ چودھری رستم علی انبالہ ۲۔ شیخ یعقوب علی قادیان ۲۔ ڈاکٹر غلام غوث کینسر ۱۔ میاں عبد الخالق سوداگر مظفر گڑھ ڈاکٹر عباد اللہ امرتسر ۱۔ خواجہ کمال الدین ۳۔ شیخ رحمت اللہ لاہور ۱۔

فہرست خریداران دہندگان اردو از یکم مارچ لغایت ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

چودھری رستم علی ۲۔ بابو محمد اشرف لاہور ۵۔ ڈاکٹر عباد اللہ ۴۔ بابو محمد منظور الٰہی صاحب بھٹنڈہ ۴۔ میاں محمد امین لاہور ۲۔ ایڈیٹر الحکم ۲۔ بابو غلام دستگیر ۲۔ چودھری اللہ داد ۲۔ سید صادق حسین اٹاوہ ۲۔ [illegible] ایک خرید لیا ہے مولوی شیر علی منشی ارادت حسین گجرہ منشی غلام محمد خان کشمیر ڈاکٹر کرم الٰہی امرتسر مولوی محمد نواب خان [illegible] شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادی میاں رحمۃ اللہ [illegible] مولوی محمد علی شاہ صاحب [illegible] منشی الٰہی بخش [illegible] میاں مصلح الدین [illegible] بابو عبد العزیز [illegible] ڈاکٹر محمد اسمٰعیل ڈاکٹر محمد حسین صاحب منشی عبد الغنی خان پٹیالہ مولوی عبد اللہ [illegible] حکیم محمد ابراہیم [illegible] سراج الدین امرتسر میاں محمد [illegible] سید قاسم علی شاہ [illegible] منشی کریم بخش [illegible] منشی محمد علی صاحب [illegible] بابو الٰہی بخش منشی غلام محمد [illegible] ڈاکٹر یعقوب خان [illegible] منشی نبی بخش لاہور [illegible] چودھری [illegible] منشی نور بخش ٹوبہ ٹیک سنگھ میاں غلام رسول [illegible] مرزا محمد اکرم بیگ [illegible] منشی محمد [illegible] منشی عبد الحی امرتسر قاضی محبوب عالم [illegible] خواجہ کمال الدین صاحب شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور

[illegible]

[illegible]

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر ۵	بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۶ء	جلد ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور - ۲۰ - مئی سنہ ۱۹۰۶ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

تعلیم الاسلام

جیسا کہ دوسری جگہ اس رسالے میں لکھا جا چکا ہے مدرسہ تعلیم الاسلام کے لئے مجلس ناظم التعلیم نے ایک ماہوار رسالہ کا نکالنا تجویز کیا ہے جس سے یہ غرض کو ہی پورا کیا جانا مقصود ہے کہ مدرسہ کی تازہ ترین خبریں ماہ بماہ ساری جماعت کو پہنچتی رہیں اور رسید زر کا اعلان ہوتا رہے بلکہ اس میں ایک اور اہم مقصد مدنظر رکھا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کئی احباب نے یہ خواہش کی کہ ایک رسالہ خالص درس قرآن شریف کا ہونا چاہیئے جس میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کے درس قرآن شریف کے مفصل نوٹ باقاعدہ اور بالترتیب درج ہوں۔ اور جب ایک دفعہ قرآن شریف ختم ہو جائے تو یہ بمنزلہ ایک پوری تفسیر کے ہو جائیگا سو اس غرض کو پورا کرنیکے لئے رسالہ تعلیم الاسلام کا اجرا تجویز کیا گیا ہے۔ اور ایسا انتظام کیا جاویگا کہ تفسیر کا حصہ بعد میں ایک جلد میں مجلد ہو سکے چونکہ ساتھ ہی اسکے یہ امر بھی مدنظر تھا کہ اسکا سلسلہ اشاعت وسیع ہو اس لئے قیمت رسالہ جو ۴۰ صفحوں سے کم نہ ہوگا مع محصولڈاک وغیرہ صرف ۲ر تجویز کیگئی ہے یعنی ایک سال کے لئے ۲ر۔ امید ہے ہمارے وہ احباب جنکو دیر دیر تک قادیان دارالامان میں رہنے کا موقع کم ملتا ہے اس نعمت کی قدر کریں گے۔ درس قرآن شریف ابتدا سے شروع کیا جائیگا۔ پہلا رسالہ جولائی کے مہینہ میں نکلیگا مگر یہ ازبس ضروری ہے کہ خریداروں کی تعداد پہلے معلوم ہو جائے تاکہ اسی کے مطابق کاپیاں چھپوانیکا انتظام کیا جاوے اس لئے مخلص بھائیوں کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس اطلاع کو پڑھتے ہی درخواستیں بنام ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان بھیجدیں اور یہ اطلاع ساتھ دیں کہ آیا پہلا پرچہ انکے نام وی پی کیا جاوے یا وہ خود قیمت جولائی تک ارسال فرما دیں گے۔ اس رسالہ کا مالی فائدہ بھی اگر کچھ اسکی اشاعت بڑھ جانے پر ہوا تو وہ مدرسہ کی بہتری کے لئے ہی صرف ہوگا اس لئے یہ دوہرے ثواب کا موقع ہے۔

دینیات کا پہلا رسالہ:۔ جسکو حضرت مولوی نورالدین صاحب نے لکھا ہے۔ مسائل نماز کے متعلق اس میں لکھے گئے ہیں۔ ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ قیمت ۱ر درخواستیں بنام شیخ یعقوب علی صاحب آویں۔

حمایت الاسلام:۔ اس کتاب کے ۱۲۸ صفحے میرے پاس بغرض ریویو پہنچے ہیں۔ اور میں نے بعض بعض مقامات سے اسکو پڑھا ہے اس کے مصنف سید احمد شیعہ مجتہد ہیں مگر جسقدر حصہ کتاب کا چھپ چکا ہے وہ بلا لحاظ فرقہ لکھا گیا ہے۔ اس حصہ میں مذہب کی ضرورت۔ نماز روزہ زکوٰۃ حج پر فلسفیانہ بحث ہے۔ جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ واقعی معقول ہیں۔ کتاب کی قیمت عہ رکھی گئی ہے اور یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ جسقدر اجزا چھپتے جاوینگے وہ خریداروں کو پہنچتے رہیں گے۔ ملنے کا پتہ یہ ہے۔ سید رضی۔ کوٹھی تحسین۔

لغات القرآن:۔ سید عبدالحی عرب کی تالیف ہے۔ اکثر حصہ اسکا مفردات راغب سے لیا گیا ہے جو قرآن کریم کی نہایت معتبر لغات ہے عام فہم بنانیکے لئے مؤلف نے دو کالم کر دیئے ہیں ایک کالم میں عربی عبارت اور اس کے مقابل اردو ترجمہ دوسرے کالم میں۔ میرے خیال میں ایک بہت مفید کتاب ہے۔ اور بڑی محنت سے تیار کیگئی ہے حصہ اول قریباً چارسو صفحوں کا ہے اور قیمت ۱۲ر ہے۔ قادیان میں مصنف سے یا حکیم فضلدین سے ملتی ہے۔

رسالہ ورزش جسمانی:۔ حکیم اکبر شاہ خانصاحب احمدی نجیب آبادی کی تصنیف ہے مضمون نام سے ظاہر ہے۔ ۵۴ صفحے۔ قیمت ۱ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سلسلہ احمدیہ کے مختصر حالات اور عقائد

سلسلہ احمدیہ اسلام میں اس تحریک کے بالمقابل واقع ہے جو یہودی مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شروع ہوئی جس سے مراد وہ عیسائی مذہب نہیں جو آجکل حضرت عیسیٰؑ کے نام پر پھیل رہا ہے بلکہ وہ تعلیم ہے جس کو قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچی تعلیم بیان فرماتا ہے۔ سلسلہ عیسویہ کا خاص نشان جو اس کو یہودیوں کے باقی تمام فرقوں سے (جنکی تعداد بہت بڑی تھی) ممتاز کرتا تھا یہ تھا کہ اس سلسلہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کا مسیح موعودؑ تسلیم کر لیا تھا اور بنی اسرائیل میں جس قدر پیشگوئیاں اور امیدیں مسیحؑ کے نام سے وابستہ چلی آتی تھیں ان سب کا حضرت عیسیٰؑ کے ظہور سے پورا ہونا مان لیا تھا۔ اسی طرح پر سلسلہ احمدیہ کا امتیازی نشان جو اس کو مسلمانوں کے دوسرے تمام فرقوں سے ممتاز کرتا ہے یہ ہے کہ یہ سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ بانی سلسلہ کو مسیح موعودؑ اور مہدی معہودؑ تسلیم کرتا ہے اور جس قدر پیشگوئیاں اسلام کی آئندہ کامیابیوں اور غلبہ کے متعلق مسیح اور مہدی کے نام سے وابستہ ہیں ان سب کا آپکے ظہور سے پورا ہونا مانتا ہے۔ مگر ان دونوں سلسلوں کے ابتدا میں ہی ایک بڑا بھاری فرق بھی ہے چونکہ سلسلہ موسویہ یعنی یہودی مذہب صرف ایک قوم بنی اسرائیل کے لئے تھا اسی قوم کے لئے اس کے تمام نبی بھی جو حضرت موسیٰؑ کے بعد آئے مبعوث ہوتے تھے۔ اور ایسا ہی حضرت عیسیٰؑ بھی صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور وہ صرف اسرائیلیوں کے مسیح تھے نہ کسی اور قوم یا مذہب کے۔ نہ ہی انکے متعلق کسی دوسری قوم یا مذہب میں کوئی پیشگوئی موجود تھی۔ مگر چونکہ مذہب اسلام ابتدا سے ہی کل دنیا کے واسطے آیا تھا اور کسی ایک قوم سے مخصوص نہ تھا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور رحمۃ للعالمین تھا۔ اسی طرح سلسلہ احمدیہ بھی ابتدا سے ہی سب قوموں کے لئے ہے۔ چنانچہ بانی سلسلہ ہذا حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ صرف یہی نہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں کے مطابق آئے ہیں جو اسلام میں مسیح یا مہدی کے متعلق موجود ہیں بلکہ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جسقدر قوموں کو آخری زمانہ میں کسی مصلح کی آنیکی امیدیں دی گئی ہیں ان سب کی امیدیں آپکے ہی ظہور سے پوری ہوئیں اور ہونگی جیساکہ مثلاً عیسائیوں کو بھی مسیحؑ کے دوبارہ آمد یا ایک دوسرے مسیحؑ کے آنیکی خبر دیگئی ہے۔ اور ہندوؤں میں کرشنؑ اوتار کے آخری زمانہ میں ظہور کی خبر دی گئی ہے۔ اسی کے مطابق آپکے یہ دعادی ہیں کہ میں عیسائیوں کے لئے مسیح موعودؑ اور ہندوؤں کیلئے کرشن ہو کر آیا ہوں۔

سلسلہ کی تاریخ مختصر یہ ہے کہ بانی سلسلہ کے ملہم من اللہ ہونیکا دعویٰ ۱۸۸۰ء میں ہی جب آپ کی پہلی کتاب براہین احمدیہ شایع

ہوئی عام طور پر ملک میں شائع ہو چکا تھا ☘ اور پھر اسی کتاب کے ذریعہ آپ کا دعویٰ مجددیت بھی بموجب حدیث ان اللّٰہ یبعث علیٰ راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا شائع ہو کر عام قبولیت پا چکا تھا اور خود کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ دعاوی موجود تھے اور جس میں بہت سی پیشگوئیوں کا جو پوری ہو چکی تھیں اور بہت سی پیشگوئیوں کا جو آئندہ ظہور میں آنیوالی تھیں ذکر تھا۔ تمام اہل اسلام میں مقبول ہوئی۔ یہانتک کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو اب اس سلسلہ کے سخت ترین دشمنوں میں سے ہیں۔ اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں ان سب باتوں کو تسلیم کیا یعنی پیشگوئیوں کا پورا ہونا اور مصنف کتاب کا منجانب اللہ مامور اور ملہم ہونا۔ اور جن لوگوں نے اعتراض کئے تھے انکو بھی جواب دیا۔ لیکن باوجود اس قبولیت کے جو اس زمانہ سے ہی شروع ہو گئی تھی آپ اس وقت کسی کی بیعت نہ لیتے تھے کیونکہ آپکا طریق شروع سے ہی انبیاء علیہم السلام کا تھا اور کوئی امر جس کے لئے آپ خدا کی طرف سے حکم نہ پاتے تھے خود بخود آپ نہ کرتے تھے۔ ۱۸۸۸ء تک ایسا ہی رہا۔ اسوقت بمقام لدھیانہ خدا تعالیٰ سے امر پا کر آپنے یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو یہ اشتہار شائع کیا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے کے لئے حکم فرمایا ہے۔ اس اعلان پر بہت سے لوگ آپ کی بیعت میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ مگر سلسلہ کی یہ امن کی زندگی دو سال سے زیادہ نہ بڑھی۔ ۱۸۹۱ء میں آپنے اللہ تعالیٰ سے تصریح پا کر یہ اعلان کیا کہ مسیح بنی اسرائیلی فوت ہو چکے ہیں اور جس مسیح کے آنے کا وعدہ دیا گیا تھا وہ میں ہی ہوں۔ اس دعویٰ پر مخالفت کا وہ شور اٹھا جسکا بیان کرنا مشکل ہے۔ حالانکہ یہی دعویٰ دوسرے رنگ میں براہین احمدیہ میں پیش ہو چکا تھا جس میں ایسے الہامات موجود تھے جن میں آپ کو عیسیٰ کے نام سے خطاب کیا گیا تھا مگر مخالفت کا ایسا طوفان عظیم اٹھا کہ بڑے بڑے علما اور فضلا جو مثل مولوی محمد حسین بٹالوی کے خود حضرت مرزا صاحب کے منجانب اللہ ہونے پر بڑے زور سے شہادت دے چکے تھے اور اپنی شہادت کا اعلان دنیا میں کر چکے تھے وہ بھی آنکھیں بند کر کے اسی مخالفت میں اندھا دھند دوسرے لوگوں کے ساتھ ہوئے۔ اور مولوی مذکور نے یہانتک مخالفت کا بیڑا اٹھایا کہ ہندوستان میں شہر بشہر اور دہ بدہ پھر کر ایک فتویٰ کفر کا تیار کرنا شروع کیا۔ اور اس کی تیاری میں صدہا تکالیف اور مصائب کو برداشت کر کے ملک کے ملاؤں اور مولویوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ اور اسطرح پر اس سنت اللہ کو پورا کیا جو ہمیشہ سے انبیاء کے لئے چلی آئی ہے۔ ان فتووں میں جو جوش مولویوں نے ظاہر کیا وہ بعض صورتوں میں وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا چنانچہ بعض مولویوں نے یہانتک فتوے دیئے کہ بانی سلسلہ اور وہ لوگ جو اس کو منجانب اللہ تسلیم کرتے ہیں انکے ساتھ مسلمان تعلقات نکاح کو روا نہ رکھیں۔ اور انکی لاشوں کو اپنے قبرستانوں میں دفن ہونے نہ دیں۔ انکو دکھ دینا یا نقصان پہنچانا ایک ثواب کا کام سمجھا گیا۔ انکے مال چرا لینا۔ انکی عورتوں کو نکال لینا اور بالآخر انکو قتل کر دینا یہ سب بہشت میں پہنچنے کی سہل الحصول راہیں تجویز کی گئیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں عوام بسبب جاہل ہونیکے بالکل ملانوں اور مولویوں کے زیر اثر ہیں اور اپنی قوت متفکرہ سے کام کم لیتے ہیں جو کچھ ان فتووں اور اس مخالفت کا اثر ہوا اسکو قیاس کر لینا آسان ہے۔ اور سلسلہ کی ترقی پر جو اسکا اثر ہوا وہ بھی بآسانی سمجھ آ سکتا ہے۔ مگر باوجود اس مخالفت کے سخت طوفان کے یہ سلسلہ جیسا کہ اسکے دشمنوں کی آرزو تھی نیست و نابود نہ ہوا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہا۔ یہ ایک بات بیشک غور طلب ہے کہ جتنے لوگ منجانب اللہ ہوتے ہیں انکی مخالفت کا رنگ بھی الگ ہوتا ہے۔ اور انکے خلاف جو مخالفت کا شور اٹھتا ہے وہ اپنی شدت

☘ یہ صرف تاریخ عام اشاعت دعویٰ کی ہے ورنہ الہام آپ کو بہت مدت پہلے سے ہوتا تھا۔ منہ

میں بے نظیر ہوتا ہے۔ جھوٹے کے خلاف کبھی ایسا شور مخالفت کا نہیں اٹھتا۔ بلکہ اسکی چنداں پرواہ ہی نہیں کیجاتی مگر سچے کو نیست و نابود کرنے پر دنیا کے فرزند کمریں باندھ لیتے ہیں۔ مثلاً ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو کہ جزیرہ نمائے عرب میں آپ کی کسقدر مخالفت ہوئی اور دوسری طرف مسیلمہ کذاب کو دیکھو کہ اسکی کسی نے پروا بھی نہ کی پر جس کی مخالفت ہوئی اس کی کامیابی نے دنیا کو حیران کر دیا اور دوسرا خود ہی ہلاک ہوگیا۔ ایسا ہی اس ملک ہند میں کئی چھوٹے چھوٹے کیڑے مہدویت یا رسالت کے دعویدار اسی زمانہ میں پیدا ہوئے مگر باوجود اسکے کہ انکی کسی نے مخالفت نہ کی وہ خود ہی نیست و نابود ہوگئے۔ دوسری طرف بانی سلسلہ احمدیہ کے نیست و نابود کرنیکے لئے اسی قسم کی مخالفت کی گئی جیسی ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت ہوتی رہی ہے مگر یہ مخالفت سلسلہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں ہر ایک چیز اپنی پیدائش کے وقت بڑی حفاظت کو چاہتی ہے کیونکہ اسکا وجود اسوقت نہایت ہی نازک اور کمزور ہوتا ہے۔ ایک بڑا مضبوط درخت جو بعد میں آندھی کے بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرتا ہے جس وقت اُگتا ہے صد درجہ کی احتیاط اور حفاظت چاہتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ کسی کا اسپر پاؤں پڑ جائے یا کوئی چارپایہ ہی اس کو کھا جائے یا بادصرصر کا جھونکا ہی اسے اکھاڑ لے جائے۔ یا پانی نہ ملنے سے مرجھا جائے غرض ہر طرح کی احتیاط اور حفاظت سے اسکی پرورش کی جاتی ہے تو وہ بڑھ سکتا ہے مگر الٰہی سلسلے عین اپنی پیدائش کے وقت سخت سے سخت مخالفتوں کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہیں پاؤں کے نیچے روندے جاتے ہیں انکے جڑھ سے اکھاڑنیکی کوششیں کیجاتی ہیں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر کوئی ہستی جو ان تمام طاقتوں سے بالاتر اور زبردست ہو اور جسکی مرضی کے بغیر دنیا کی کوئی طاقت اپنا کام نہ کر سکتی ہو۔ اگر ایسی کوئی ہستی ان سلسلوں کی خاص حفاظت اور تائید اپنے خاص ارادہ سے نہ کر رہی ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ نہ صرف زندہ رہیں بلکہ خارق عادت طور پر بڑھتے چلے جاویں اور مخالفتیں انکا کچھ بگاڑ نہ سکیں۔

صادق اور کاذب میں امتیاز کے لئے ایک مثال کا بیان کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ ایک شخص چراغ الدین نام جموں میں تھا جو ابتدا میں اس الٰہی سلسلہ میں داخل ہوا اور خدائے تعالیٰ کے نشانوں کی تصدیق کی مگر کچھ عرصہ بعد مسیلمہ کذاب کی طرح شاید اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ دعویٰ رسالت سے کامیابی ہو جاتی ہے اور خود بخود ہی لوگ کھنچے چلے آتے ہیں چنانچہ سنہ ۱۹۰۲ء میں اس نے دعویٰ رسالت کر کے اس کے شائع کرنیکی اجازت چاہی جپر اسکو تنبیہ کی گئی اور کتاب دافع البلاء میں جو اس وقت زیر تصنیف تھی اسکے متعلق وحی الٰہی سے اسکی ہلاکت کی پیشگوئی کی جو ذیل میں درج ہے۔ "رات کو عین خسوف قمر کے وقت میں چراغدین کی نسبت مجھ یہ الہام ہوا انی اذیب من یریب میں فنا کر دونگا میں غارت کر دونگا میں غضب نازل کرونگا اگر اس نے شک کیا اور اسپر ایمان نہ لایا اور رسالت اور مامور ہونیکے دعوی سے توبہ نہ کی" اس تحریر کے شائع ہونیکے بعد چراغ الدین نے توبہ کا خط لکھا مگر بعض پادریوں کے ورغلانے سے کچھ مدت بعد پھر اس نے دعویٰ رسالت شائع کیا اور خدا کے مسیحؑ کو دجال کہا اس شخص کی حالت مسیلمہ کذاب سے بہت مشابہ ہے جیسا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تھا کہ میں بھی آپکے ساتھ رسول ہوں ایسا ہی اس شخص نے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہی لکھا کہ میں بھی آپکے ساتھ رسول ہوں۔ اور اسکو مہلت بھی مسیلمہ کذاب کی طرح بہت ہی

تھوڑی ملی۔ یعنی توبہ کرنے کے بعد جب اس نے دوبارہ دعویٰ رسالت شائع کیا۔ تو اس کے بعد اسکو اسی کے قریب یا اس سے کچھ کم مہلت ملی جس قدر مسیلمہ کذاب کو ملی تھی اور مطابق اس پیشگوئی کے جو ۱۹۰۲ء میں ہزارہا رسالوں کے ذریعہ شائع ہو چکی تھی وہ اپنی کتاب منارۃ المسیح کو شائع کرنیکے ایک سال بعد ہی ہلاک ہو گیا۔ اور ہلاک بھی عذاب طاعون سے ہوا۔ اب اسجگہ چند باتیں غور طلب ہیں اول یہ بات غور طلب ہے کہ باوجود اس کے کہ اس شخص نے دعویٰ رسالت کیا اور اسلام پر اسکا حملہ سخت تھا کیونکہ وہ عیسائی مذہب کو بھی سچا مانتا تھا۔ کس مولوی نے اسکی مخالفت کی؟ کس نے کفر کا فتویٰ تیار کیا؟ کس نے اخباروں اور رسالوں کے ورق اسکی مخالفت میں سیاہ کئے؟ کیا جائے تعجب نہیں کہ ایک شخص جو اسلام کا حامی ہو کر مدعی رسالت ہو اور اسلام کی صداقت کو تمام دنیا میں ثابت کر رہا ہو اور تمام عقائد باطلہ کی تردید کر رہا ہو اسپر تو فتووں کا اسقدر جوش و خروش ہو کہ کھانا پینا اور سونا بھی حرام کر دیا جاوے اور جب ایک دوسرا شخص عیسائی مذہب کا حامی ہو کر مدعی رسالت ہو اور بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ تو اس کی مخالفت کیلئے ایک سطر بھی نہ لکھی جاوے پھر جسکی مخالفت کی گئی تھی وہی کامیاب ہو اور دوسرا ہلاک ہو۔ اگر واقعی محض دعویٰ رسالت ہی مخالفت کا باعث ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ چراغ دین کی مخالفت نہ ہوئی حالانکہ ابھی مولوی محمد حسین صاحب زندہ ہی ہیں۔ پس اصل راز مخالفت کا صرف یہی ہے کہ جو آسمان سے آتا ہے اس کی مخالفت ہی سخت ہوتی ہے۔ اور اسی کے نیست و نابود کرنے پر کمریں باندھی جاتی ہیں۔ دوسرا امر یہ قابل غور ہے کہ کاذب اور مفتری کو مہلت نہیں دیجاتی۔ جیسا مسیلمہ کذاب کی ہلاکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک شہادت ہو گئی اسی طرح چراغ دین کی ہلاکت ایک یا دو سال کے اندر ہی حضرت مسیح موعود اور اسلام کی صداقت پر ایک شہادت ہو گئی۔ مگر یہ شہادت دو طرح پر ہوئی۔ کیونکہ اسکا اتنی جلدی ہلاک ہونا تو آپ کی صداقت کی شہادت تھی ہی۔ مگر دوسری شہادت یہ ہوئی کہ وہ پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا۔ ایسی صریح پیشگوئی کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک شخص کا نام لکھا ہوا ہے پھر اس کے متعلق بصراحت تمام یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ میں اسے فنا کر دونگا غارت کر دونگا اسپر غضب نازل کرونگا۔ چنانچہ پہلے اس کے دونوں بیٹے ہلاک ہوئے اور پھر خود بھی عذاب طاعون سے جو اس زمانہ میں غضب الٰہی کا نمونہ ہے ہلاک ہوا۔ کاش کوئی غور کرنیوالا غور کرے کہ اس عجیب پیشگوئی نے عجیب طرح پر پورا ہو کر کس طرح سلسلہ احمدیہ کی صداقت کو دنیا میں روشن کر دیا ہے۔

یہ ایک جملہ معترضہ تھا مگر یہ اصل مضمون سے ہمیں دور نہیں لے گیا۔ ابتدا میں جن کتابوں میں بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے دعاوی اور انکے دلائل کو بیان کیا وہ تین کتابیں ہیں۔ یعنی فتح اسلام۔ توضیح مرام اور ازالہ اوہام۔ مگر ان دلائل سے مخالفت میں کوئی نمایاں کمی ظہور میں نہ آئی۔ مگر ۱۸۹۴ء میں ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے مخالفوں کی ہمتیں توڑ دیں۔ قرآن شریف اور حدیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ مہدی کے ظہور کے وقت چاند اور سورج کا خسوف ماہ رمضان میں خاص تاریخوں میں ہوگا اور یہ ایک ایسا نشان ہوگا جو اور کسی مدعی کے لئے کبھی ظاہر نہ ہوا ہوگا۔ اس پیشگوئی کا ظہور ۱۸۹۴ء کے رمضان میں ہوا جب ۱۳ رمضان کو چاند اور ۲۸ رمضان کو سورج کو گرہن لگا۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونیکا بہت اثر اور رعب ہوا۔ اگرچہ اس سے نہ تو مخالفت ہی فی الفور رک گئی اور نہ ہی گروہ در گروہ لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ کیونکہ یہ سنت اللہ بھی نہیں مگر اس میں

شک نہیں کہ مخالفین کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور بعض مولوی بہت ہی مضطرب ہوئے۔ اور دوسری طرف غور کرنیوالی طبیعتوں نے سمجھ لیا کہ اگرچہ بظاہر سلسلہ احمدیہ کے بعض عقائد انکے دلوں میں راسخ اور جمے ہوئے عقیدوں کے خلاف ہیں مگر سنت انبیاء کے مطابق خدا کا ہاتھ اسکی تائید اور نصرت میں ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء کے اخیر پر ۳۱۳ مخلص اس سلسلہ میں داخل تھے جنکی فہرست انجام آتھم کے ضمیمہ کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

اسی اثنا میں بعض اور واقعات بھی ایسے پیش آئے جن کا اثر سلسلہ کی ترقی پر بہت کچھ ہوا۔ بانی سلسلہ نے غیر مذاہب کی تردید میں جو کچھ براہین احمدیہ میں لکھا تھا وہ کم نہ تھا مگر ۱۸۹۱ء میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا اعلان آپ کی طرف سے ہوا تو سب سے زیادہ اسکو عیسائیوں نے محسوس کیا کیونکہ عیسائی مذہب کی بنیاد ہی مسیح کی زندگی ہے۔ ۱۸۹۳ء میں اہل اسلام اور عیسائیوں کے درمیان ایک عظیم الشان مباحثہ بمقام امرتسر ہوا جس میں اہل اسلام کی طرف سے حضرت مرزا صاحب مجادل تھے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبد اللہ آتھم اور انکا مددگار ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک۔ اس مباحثہ میں عیسائی مذہب نہ صرف دلائل کے پیش کرنے سے ہی قاصر رہا بلکہ ایک اصول مباحثہ کا وکیل اسلام کی طرف سے ایسا زبردست پیش کیا گیا جس نے حاضرین پر یہ ثابت کر دیا کہ انجیل ایک ناقص کتاب ہے وہ اصول یہ تھا کہ دونوں فریق اس امر کے پابند ہوں کہ اثنائے مباحثہ میں جسقدر دعاوی اپنے مذہب کی تائید یا دوسرے مذہب کی تردید میں پیش کریں اور جسقدر ان دعاوی کے دلائل پیش کریں وہ اس کتاب میں سے پیش کریں جسے وہ الہامی یا مقدس مانتے ہیں۔ اور اس کتاب کے حوالہ کے بدون کوئی دعویٰ یا دلیل پیش نہ کریں۔ علم کلام میں یہ زبردست اصول اول ہی اول صرف بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ہی پیش ہوا اور اس اصول کے پیش کرنے نے نہ صرف اہل اسلام کے دلوں کے اندر ہی اسلام کی عظمت کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی عظمت کو بھی بٹھا دیا بلکہ عیسائی صاحبان کے اس اصول پر کاربند نہ ہو سکنے نے یہ بھی بتا دیا کہ جس کتاب کو وہ ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں قرآن شریف کے بالمقابل وہ کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں مباحثہ کے خاتمہ پر ایک تیسری زد عیسائی مذہب پر یہ پڑی کہ عیسائیوں نے اپنے اندر ان روحانی برکات کا موجود نہ ہونا کھلے لفظوں میں تسلیم کر لیا جنکا وعدہ سچے مسیحیوں کو انجیل میں دیا گیا ہے اور یوں خود اپنے مذہب کے بطلان پر مُہر لگا دی اور برخلاف اس کے حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے مباحثہ کے خاتمہ پر آتھم کی نسبت یہ پیشگوئی کی گئی کہ وہ جلد ہلاک ہو جاوے گا اور اسکی ہلاکت کی میعاد پندرہ ۱۵ ماہ بتائی گئی اس شرط کے ساتھ کہ اس عرصہ میں وہ حق کیطرف رجوع نہ کرے۔ آتھم نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا جس کی ادنیٰ شہادت یہی ہے کہ عین جلسہ مباحثہ میں ہی اس نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو دجال نہیں کہا۔ اور یہ رجوع الی الحق کا پہلا قدم تھا۔ بعد کے واقعات جنکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں صفائی سے ثابت کرتے ہیں کہ آتھم نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا مگر پندرہ ۱۵ ماہ گذر جانیکے بعد جب عیسائیوں نے ناحق کا شور مچایا اور آتھم سے قسم کھانے کے لئے بار بار کہا گیا کہ وہ حلفیہ بیان کر دے کہ اس نے اس اثنا میں رجوع الی الحق نہیں کیا تو اس نے شہادت حقہ کا اخفا کیا اور پھر اپنے لوگوں کے ساتھ مل گیا۔ اور آخر مطابق پیشگوئی کے بہت جلد ہلاک ہو گیا۔

یعنی حضرت مرزا صاحب کے آخری اشتہار سے ٹھیک ساتویں ماہ کے اندر مرگیا۔ عیسائیوں کو جو کچھ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے اور مباحثہ کی وجہ سے صدمات پہنچے تھے انکا ازالہ انہوں نے کسطرح کرنا چاہا اسکا کچھ ذکر آگے چلکر آئے گا۔

۱۸۹۷ء سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے مشہور رہیگا۔ اس سال کے تین واقعات نہایت عظیم الشان ہیں ان میں سے پہلا واقعہ پنجاب میں آمد طاعون ہے جسکی ہلاکت ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے براہین احمدیہ میں حضرت مرزا صاحب کی طرف سے اسکی خبر دیجا چکی تھی۔ اور اس الہام الٰہی کا کہ "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کردے گا" بھی اسی طرف اشارہ تھا کہ خدائے تعالیٰ سخت عذاب بھیجکر لوگوں کو مسیح موعودؑ کی صداقت کا قایل کریگا۔ اگلے سال ۱۸۹۸ء میں جب ابھی طاعون پنجاب کے ایک یا دو ضلعوں کے بعض دیہات میں ہی گھری ہوئی تھی۔ اور گورنمنٹ پورے زور سے اسکی بیخکنی کے درپے ہو رہی تھی۔ اور تمام قسم کی احتیاطوں کو عمل میں لارہی تھی۔ مثلاً طاعون زدہ علاقہ سے لوگوں کو باہر نہ نکلنے دینا۔ گھروں کو خالی کردینا۔ قرنطین۔ ٹیکہ کرانا وغیرہ وغیرہ تو ۶ فروری ۱۸۹۸ء کو حضرت مرزا صاحب کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں آپ کا ایک رؤیا تھا کہ آپنے پنجاب کے مختلف مقامات پر سیاہ پودے لگائے جاتے دیکھے ہیں اور جب پوچھا گیا کہ یہ سیاہ پودے کیسے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ طاعون کے درخت ہیں چنانچہ اس اشتہار میں اس رؤیا کو لکھنے کے بعد بصراحت تمام یہ پیشگوئی بھی کی گئی کہ ملک پنجاب میں خصوصاً طاعون کا سخت زور ہو جائے گا اور یہ ایک یا دو ضلعوں کے بعض دیہات تک محدود نہ رہے گی بلکہ جگہ جگہ پھیل جائیگی اور سخت حملے ہوں گے۔

دوسرا عظیم الشان واقعہ ۱۸۹۷ء کا پنڈت لیکھرام آریہ سماج لیڈر کی موت ہے۔ سلسلہ احمدیہ کا تعلق اس واقعہ سے یوں ہے کہ چار سال پہلے ۱۸۹۳ء میں بانیٔ سلسلہ نے کھلے الفاظ میں پنڈت مذکور کی اپنی درخواست اور اصرار پر ایک پیشگوئی اسکی موت کے متعلق شائع کی تھی۔ آریہ سماج کو ابتدا میں ہی بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ساتھ عداوت ہو گئی تھی۔ اور بعض سماجیوں نے آپکے ساتھ مباحثات بھی کئے۔ ۱۸۸۲ء میں جب آپکی کتاب براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شائع ہوا تو اس میں بہت سی پیشگوئیوں کے پورا ہونیکا ذکر تھا۔ جن میں سے ایک پیشگوئی جسکے گواہ قادیان کے آریہ سماجی ہی تھے اور یہیں پنڈت دیانند بانی سماج کی موت کے متعلق بھی تھی۔ پنڈت لیکھرام اگرچہ مذہب سے بے بہرہ تھا مگر اسکی شہرت پسند طبیعت نے شہرت کی آسان راہ یہی دیکھی کہ مذہبی مباحثات میں شامل ہو اور مذہبی مباحثات پر کتابیں لکھے۔ ۱۸۸۵ء کے نومبر کے اخیر میں یہ شخص قادیان میں آیا۔ اور مباحثہ کے لئے خط و کتابت حضرت مرزا صاحب سے کی اور بالآخر اس بات پر ہنسی کر کے کہ خدائے تعالیٰ نشان بھی دکھلایا کرتا ہے نشان ہلاکت خود ہی مانگا۔ جو خط و کتابت فریقین کے درمیان اس اثنا میں ہوئی وہ رسالہ استفتا میں چھپ چکی ہے۔ لیکھرام کی موت کی پہلی پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء کو شایع ہوئی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ وہ شخص چھ سال کے اندر اندر دردناک عذاب سے ہلاک کیا جاوے گا۔ اسکے بعد وقتاً فوقتاً اور پیشگوئیاں شائع ہوتی رہیں جن میں زیادہ تفصیلات اسی پیشگوئی کے متعلق بتائی گئیں۔ ان سب پیشگوئیوں کا ظہور ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو ایسے رنگ میں ہوا جس نے دلوں کو ہلا دیا۔ اس کے بعد ہی

آریہ سماج کے خیال کو پورا کرنیکے لئے حضرت مرزا صاحب کی خانہ تلاشی بھی کی گئی۔ مگر اس خانہ تلاشی سے خدا کے مسیحؑ کی اور اس سلسلہ کی اور بھی عزت افزائی ہوئی۔

تیسرا بڑا واقعہ جس نے اس سلسلہ کی صداقت کو دنیا میں روشن کیا اسی سال میں پادری صاحبان کا ایک جھوٹا مقدمہ حضرت مسیح موعودؑ پر کھڑا کرنا تھا۔ آتھم کے مباحثہ میں اور پھر اسکی موت کی پیشگوئی کے پورا ہونے سے جو عیسائی مذہب کو صدمات پہنچ چکے تھے۔ ممکن ہے کہ انہیں کے ازالہ کے لئے یہ ایک تجویز سوچی گئی ہو۔ تین دیسی عیسائیوں نے جو واعظوں کا کام کرتے تھے ایک منصوبہ مقدمہ قتل کا گانٹھا مستغیث ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک تھا جو امرتسر کے مباحثہ میں آتھم کا معاون تھا۔ اور آریہ سماج اور مولوی صاحبان نے بھی مدد دینے سے دریغ نہیں کیا آریہ سماج اور آریہ سماج پرتی ندی سبھا کا پریزیڈنٹ پنڈت رام بھجدت مستغیث کی طرف سے بغیر محنتانہ لینے کے وکیل بنا۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس کی تائید میں شہادت دی۔ مقدمہ اول ڈپٹی کمشنر امرتسر کے پاس دائر ہوا جس نے چالیس ہزار روپے کی ضمانت کا وارنٹ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی گرفتاری کے لئے نکالا۔ مگر قبل اسکے جو وارنٹ پہنچ سکے۔ اسے سمجھ آگیا کہ وہ مقدمہ سُن نہیں سکتا اور اسکا انتقال ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں ہوا۔ جس نے بذریعہ سمن حضرت مرزا صاحب کو طلب کیا۔ مقدمہ کے دائر ہونے سے بہت پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے ایک رُؤیا دیکھا تھا کہ ایک بجلی آپکے مکان کی طرف آئی ہے لیکن نقصان کوئی نہیں کیا اور ساتھ اس کے یہ الہام الٰہی تھا ماھٰذا الا تھدید الحکام۔ اور یہ بھی الہام ہوا کہ ابرّا یعنی انجام کار بری کئے جاویں گے۔ یہ رُؤیا اور الہامات جماعت میں شہرت پا چکے تھے کہ مقدمہ دائر ہوا۔ پبلک بھی بڑے شوق سے مقدمہ کے نتیجہ کی منتظر تھی کیونکہ خلاف فیصلہ سے گویا یہ سلسلہ ہی نیست و نابود ہو سکتا تھا۔ پر خدا جس طرح ہر موقعہ پر اس سلسلہ کی خاص حفاظت اور تائید کرتا رہا ہے اس موقعہ پر بھی اسنے پیشگوئیوں کے مطابق پادری صاحبان اور آریہ سماجی صاحبان اور مولوی صاحبان سب کو ناکام کیا۔ اور مجسٹریٹ نے بریت کا حکم دیا اور صاف طور پر لکھا کہ یہ پادری صاحبان کا بنایا ہوا مقدمہ ہے۔ اور ڈاکٹر مارٹن کلارک کو بھی انہوں نے دھوکا دیکر شامل کرلیا ہے۔ اس مقدمہ کے فیصلہ سے نہ صرف سلسلہ کی صداقت ہی از سر نو چمک اٹھی اور خدا کا ہاتھ اسکی تائید میں ظاہر ہوا بلکہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مخالفین کے حملے اس سلسلہ پر کیسے کمینے اور گرے ہوئے ہیں اور وہ کس کس قسم کی ناجائز کوششوں سے جو انکے بس میں ہیں اس سلسلہ کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔

۱۸۹۷ء میں ان تین واقعات نے سلسلہ احمدیہ کی بنیاد کو نہایت مستحکم کردیا۔ کیونکہ ان واقعات سے نہ صرف مخالفین کی ہمت ہی ٹوٹ گئی بلکہ سمجھدار لوگوں نے خدا کا ہاتھ اس سلسلہ کی کھلی کھلی تائید کرتا ہوا دیکھ لیا۔ چنانچہ اس کے بعد سلسلہ کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔ خصوصاً سنہ ۱۹۰۱ء و سنہ ۱۹۰۲ء میں جب طاعون کی شدت نے ۶۔ فروری سنہ ۱۸۹۸ء کی پیشگوئی کا نقشہ دکھلایا تو بہت سے دل حق کو سمجھ گئے اور یا مسیح الخلق عدوانا پکارتے ہوئے گروہ در گروہ اس سلسلہ میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء میں جو مردم شماری ہوئی اس میں احاطہ بمبئی کی رپورٹ میں ۱۱۰۸۷۔ احمدیوں کی تعداد تھی مگر پنجاب میں جہاں اس سلسلہ نے

بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ مردم شماری کی رو سے صرف ۱۱۱۳ مرد پندرہ سال سے اوپر عمر کے تھے۔ اس رپورٹ کی غلطی بھی کی تعداد سے صاف ظاہر ہے کیونکہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک اسقدر دور دراز کے علاقہ میں جہاں احمدی سلسلہ کی تحریک بہت کم ہے گیارہ ہزار سے اوپر احمدی موجود ہوں اور پنجاب میں جہاں گروہ در گروہ سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں ایک ہزار کے قریب تعداد ہو۔ منجملہ دیگر وجوہات کے ایک وجہ تعداد کے پورا ظاہر نہ ہونیکی یہ بھی ہے کہ اشتہار جس کے ذریعہ سلسلے کے نام کا اعلان کیا گیا تھا اس وقت دیا گیا جب مردم شماری کا کام شروع ہو چکا تھا۔ اور دور دور کے دیہات میں جنکے پتے بھی موجود نہ تھے۔ نام کا پتہ بھی وقت پر نہیں لگا۔ اب بھی اگرچہ مخالفت سلسلہ کی باقی ہے لیکن جیسے جیسے سلسلہ ترقی کر رہا ہے مخالفت خود دن بدن کمزور ہوتی جاتی ہے۔ اسوقت تین لاکھ اس جماعت کی تعداد کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مگر یہ تعداد صرف ہندوستان کی ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے باہر کے ممالک میں بھی بہت جگہ احمدی پائے جاتے ہیں جیسے افغانستان۔ افریقہ۔ عرب۔ ایران۔ اسٹریلیا۔ امریکہ سٹریٹ سٹلمنٹ وغیرہ ممالک میں۔ بالخصوص ۱۹۰۲ء سے سلسلہ کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے۔ ۱۹۰۲ء میں بعض کوششیں پھر کی گئیں کہ بانی سلسلہ پر فوجداری مقدمات کر کے سلسلہ کی رفعت کو کم کیا جائے مگر ہر ایک امر جو اس کے دشمن اسکے خلاف سوچتے ہیں وہ آخر اسکی تائید اور ترقی کا ذریعہ ہو جاتا ہے مثلاً انہی مقدمات میں فیصلہ سے ڈیڑھ سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ اعلان صاف الفاظ میں کر دیا تھا جو رسالہ ہذا میں بھی انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں جولائی ۱۹۰۳ء میں شایع ہو چکا تھا کہ آخرکار وہ بری کئے جائیں گے اور انکے فریق مخالف پر الزام جھوٹ وغیرہ کا قائم ہوگا۔ چنانچہ ان مقدمات کا نتیجہ ڈیڑھ سال بعد عدالت اپیل میں وہی ہوا جو پہلے سے شائع کیا جا چکا تھا اور جیسا کہ ضروری تھا اسکا اثر مستعد طبیعتوں پر نہایت نیک ہوا۔ اور بجائے اسکے کہ مقدمات اس سلسلہ کو کمزور کرنیوالے ہوتے۔ انہوں نے اور بھی اسے قوّت دی۔ ہندوستان سے باہر سب سے زیادہ ترقی اس سلسلہ نے ملک افغانستان میں کی ہے۔ جہاں موجودہ امیر کی ان کوششوں کے باوجود کہ حکومت کے زور سے اس سلسلہ کی ترقی کو روکے۔ یہ سلسلہ دن بدن بہت ترقی کر رہا ہے۔ اور مولوی عبد اللطیف صاحب کی شہادت جو ملک افغانستان میں اس سلسلہ کے اول معتقد اور سرگروہ تھے اور ایسا ہی انکے شاگرد مولوی عبد الرحمن کی شہادت جو نہایت درد انگیز سزا کے ذریعہ ظہور میں آئیں بجائے روک ہونیکے اشاعت سلسلہ کا بڑا ذریعہ ثابت ہوئی ہیں اور اس ملک میں جہاں سیاہی سے اشتہار لکھکر تقسیم کرنے منع ہیں۔ اس خونی اشتہار نے عظیم الشان کام کر کے دکھلایا ہے۔

نئے واقعات جنہوں نے پیشگوئیوں سے متعلق ہونیکی وجہ سے سلسلہ کی رفتار ترقی پر اثر ڈالا ہے وہ زلزلے ہیں جنہوں نے پنجاب اور دوسرے ممالک میں خطرناک تباہی ڈالی ہے۔ اور جنکے متعلق براہین احمدیہ کے زمانہ سے لیکر اب تک پیشگوئیاں شائع ہوتی رہی ہیں۔ پنجاب کے یہ دو زلزلے یعنی ایک گذشتہ سال کے موسم بہار کا زلزلہ اور ایک اس سال کے موسم بہار کا زلزلہ ایسی صراحت سے بتائے گئے تھے جو انسانی طاقت کے اندر نہیں ہے۔ ایسا ہی جو قیامت کا نمونہ زلزلے جگہ جگہ دنیا میں دکھاتے ہیں وہ ایک حق پسند انسان کے لئے صریح نشان آخری زمانہ اور مسیح موعودؑ کی آمد کے ہیں۔ اور انکی مشہور پیشگوئیوں کو پورا کرنیوالے ہیں۔

احمدیہ نام اس سلسلہ کا نومبر ۱۹۰۰ء میں اختیار کیا گیا۔ اور ایک اشتہار میں جسکا بہت سا حصہ احاطہ بمبئی کے افسر مردم شماری نے نقل کیا ہے اس کی وجہ ظاہر کی گئی ہے۔ چنانچہ بمبئی کی رپورٹ سے ایک فقرہ کا ترجمہ یہاں دیا جاتا ہے۔ ''اپنے مریدوں کیلئے بعض اعلیٰ درجہ کے اصول چال چلن کے قائم کر کے بانی سلسلہ احمدیہ بیان کرتا ہے کہ کیوں اس فرقہ کا نام احمدیہ فرقہ رکھا گیا۔ اسکی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ ایک **محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ جلالی نام تھا اور جس میں آنحضرتؐ کی کامیابیوں کی طرف اشارہ تھا۔ اور دوسرا **احمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) جو جمالی نام تھا جس میں اشارہ اس صلح اور اخوت کی طرف تھا جو آپ کے ذریعہ دنیا میں پھیلنی تھی۔ چونکہ ان کے فرقہ نے جہاد اور تمام قسم کی خونریزیوں کو جو مذہب کے نام سے کی جاتی ہیں جائز نہیں رکھا اس لئے وہ اس فرقہ کا نام احمدیہ فرقہ تجویز کرتے ہیں'' گویا احمدیہ نام رکھنے میں اصل غرض اس امر کو ظاہر کرنا ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت جمالی کے ظہور کا ہے جس طرح مکہ میں آپ کی بعثت کے ابتدائی تیرہ سال تھے اور انہی معنوں میں غلام احمدؐ بروز احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

سلسلہ احمدیہ کا امتیازی نشان جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا گیا تھا یہ ہے کہ اس کے بانی حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی مسیح موعود اور مہدی معہودؑ ہیں۔ ان دو ناموں سے کیا مطلب ہے اسکے لئے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر میں سے ایک فقرہ نقل کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے ''سو اس وقت خدا نے جیسا کہ حقوق عباد کے تلف کے لحاظ سے میرا نام مسیح رکھا اور مجھے خو اور بو اور رنگ اور روپ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ مسیح کا اوتار کر کے بھیجا ایسا ہی اس نے حقوق خالق کے تلف کے لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمد رکھا اور مجھے توحید پھیلانے کے لئے تمام خو اور بو اور رنگ اور روپ اور جامہ محمدی پہنا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اوتار بنا دیا۔ سو میں ان معنوں کر کے عیسیٰ مسیح بھی ہوں اور محمدؐ مہدی بھی۔ مسیح ایک لقب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا جس کے معنے ہیں خدا کو چھونے والا اور خدائی انعام میں سے کچھ لینے والا اور اس کا خلیفہ اور صدق اور راستبازی کو اختیار کرنیوالا۔ اور مہدی ایک لقب ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا جس کے معنے ہیں کہ فطرتاً ہدایت یافتہ اور تمام ہدایتوں کا وارث اور اسم ہادی کے پورے عکس کا محل۔ سو خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت نے اس زمانہ میں ان دونوں لقبوں کا مجھے وارث بنا دیا اور یہ دونوں لقب میرے وجود میں اکٹھے کر دیئے سو میں ان معنوں کے رو سے عیسیٰ مسیح بھی ہوں اور محمدؐ مہدی بھی اور یہ وہ طریق ظہور ہے جسکو اسلامی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں سو مجھے دو بروز عطا ہوئے ہیں بروز عیسیٰؑ و بروز محمدؐ۔ غرض میرا وجود ان دونوں نبیوں کے وجود سے بروزی طور پر ایک معجون مرکب ہے۔ عیسیٰ مسیح ہونیکی حیثیت سے میرا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو وحشیانہ حملوں اور خونریزیوں سے روک دوں جیسا کہ حدیثوں میں صریح طور سے وارد ہو چکا ہے کہ جب مسیح دوبارہ دنیا میں آئیگا تو تمام دینی جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔ سو ایسا ہی ہوتا جاتا ہے۔ اور محمدؐ مہدی ہونیکی حیثیت سے میرا کام یہ ہے کہ آسمانی نشانوں کے ساتھ خدائی توحید کو دنیا میں دوبارہ قائم کروں کیونکہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض آسمانی نشان دکھلا کر خدائی عظمت اور طاقت اور قدرت عرب کے بت پرستوں کے دلوں میں قائم کی تھی۔ سو ایسا ہی مجھے روح القدس سے

مدد دی گئی ہے۔ وہ خدا جو تمام نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر بمقام طور ظاہر ہوا اور جس نے حضرت مسیح پر شعیر کے پہاڑ پر طلوع فرمایا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فاران کے پہاڑ پر چمکا وہی قادر قدوس خدا میرے پر تجلی فرما ہو ہے اس نے مجھ سے باتیں کیں اور مجھے فرمایا کہ وہ اعلیٰ وجود جس کی پرستش کے لئے تمام نبی بھیجے گئے میں ہوں۔ میں اکیلا خالق اور مالک ہوں اور کوئی میرا شریک نہیں اور میں پیدا ہونے اور مرنے سے پاک ہوں اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ جو کچھ مسیح کی نسبت دنیا کے اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے یعنی تثلیث و کفارہ وغیرہ یہ سب انسانی غلطیاں ہیں اور حقیقی تعلیم سے انحراف ہے۔ خدا نے اپنے زندہ کلام سے بلا واسطہ مجھے یہ اطلاع دی ہے اور مجھے اس نے کہا ہے کہ اگر تیرے لئے یہ مشکل پیش آوے کہ لوگ کہیں کہ ہم کیونکر سمجھیں کہ تو خدا کی طرف سے ہے تو انہیں کہدے کہ اس پر یہ دلیل کافی ہے کہ اس کے آسمانی نشان میرے گواہ ہیں دعائیں قبول ہوتی ہیں پیش از وقت غیب کی باتیں بتلائی جاتی ہیں اور وہ اسرار جنکا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں وہ قبل از وقت ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور دوسرا یہ نشان ہے کہ اگر کوئی ان باتوں میں مقابلہ کرنا چاہے مثلاً کسی دعا کا قبول ہونا اور پھر پیش از وقت اس قبولیت کا علم دیئے جانا یا اور غیبی واقعات معلوم ہونا جو انسان کی حد علم سے باہر ہیں تو اس مقابلہ میں وہ مغلوب رہیگا گو وہ مشرقی ہو یا مغربی یہ وہ دو نشان ہیں جو مجھکو دیئے گئے ہیں تا ان کے ذریعہ سے اس سچے خدا کی طرف لوگوں کو کھینچوں جو درحقیقت ہماری روحوں اور جسموں کا خدا ہے جس کی طرف ایک دن ہر ایک کا سفر ہے۔"

آپکا دعویٰ مہدویت اس غلط عقیدے کی بیخکنی کرتا ہے جو بد قسمتی سے مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہو چکا ہے کہ مہدی علیہ السلام ایک جنگجو انسان ہوگا جو غیر مسلموں کو محض اس وجہ سے قتل کرتا جائیگا کہ وہ اسلام نہیں لائے اور کسی شخص کو نہیں چھوڑیگا جو فی الفور اسلام قبول نہ کرلے۔ اور اس خونریزی میں مسیح بھی اسکا شریک ہوگا۔ اس خطرناک عقیدے کے بالمقابل جو خصوصاً افریقہ میں کئی دفعہ خونریزی کا باعث ہو چکا ہے۔ سلسلہ احمدیہ کی یہ تعلیم ہے کہ ایسی حدیثیں جن میں خونی مہدی کے آنے کا ذکر ہے وہ سب مجروح ہیں۔ اور کہ مسیح اور مہدی ایک ہی مامور کے جس کی آخری زمانہ میں آنیکی پیشگوئیاں ابتدا سے چلی آتی ہیں دو نام ہیں جیسا کہ حدیث لا المہدی الا عیسےٰ سے صاف ظاہر ہے۔ اور کہ مہدی اور مسیح کی کارروائی کے متعلق وہی حدیث قابل اعتبار ہے جسے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری میں بیان کیا ہے کہ یضع الحرب یعنی وہ جنگوں کو موقوف کر دیگا۔ سلسلہ احمدیہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ جن غلط معنوں میں جہاد کا لفظ مشہور عام ہے وہ خونی مہدی کے آنے کی امیدوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کیونکہ اگر یہ سچ ہے کہ کسی شخص کو محض اس لئے مار ڈالنا جائز نہیں کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ تو پھر ایسا مہدی بھی نہیں آسکتا جو لوگوں کو انکے اسلام قبول نہ کرنیکی وجہ سے قتل کرتا جاوے۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ ایسا مہدی آنیوالا ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یہ اصول درست ہے کہ ایک مسلمان غیر مسلموں کو محض اسلام قبول نہ کرنیکی وجہ سے قتل کرکے مستحق ثواب ہو۔

اہم مسائل سلسلہ احمدیہ کے متعلق حضرت مرزا صاحب کے اس دعوے سے پیدا ہوتے ہیں کہ میں وہ مسیح موعود اور خاتم الخلفا ہوں

جسکا آخری زمانہ میں وعدہ دیا گیا تھا۔ اس مسئلہ پر دو مختلف پہلوؤں سے بحث پیدا ہوتی ہے یعنی ایک عیسائی مذہب کے تعلق سے اور دوسرا اسلام کے تعلق سے۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کی آمد کا دونوں مذہبوں کے لوگوں کو انتظار ہے۔ اور اپنے اپنے رنگ میں وہ اسکے الگ الگ معنے کرتے ہیں۔ اول ہم مسیحی مذہب کے رو سے اس عقیدہ پر بحث کرتے ہیں سو واضح ہو کہ عیسائیوں کو جو مسیح کی آمد ثانی کی امید دلائی گئی تھی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک وہ آمد ثانی اسی قبیل سے ہے جیسی کہ الیاسؑ کی آمد ثانی حضرت مسیح سے پہلے تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ یہودیوں کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ سچے مسیح کی جو انکے درمیان آنیوالا ہے یہ نشانی ہے کہ اس سے پہلے الیاسؑ کی آمد ثانی ہوگی۔ اور جھوٹے مدعیوں اور سچے مدعی میں یہی امتیاز بتایا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ مسیح نہیں آئیگا جبتک کہ الیاسؑ آسمان سے نہ اُترے اور اسکی آمد ثانی نہ ہو لے چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح ہونیکا دعویٰ کیا تو قبل اس کے کہ یہودی کوئی اور معجزہ یا نشان اس سے طلب کریں انہوں نے یہی کہا کہ ضرور تھا کہ مسیح صادق سے پہلے الیاسؑ دوبارہ آوے سو الیاسؑ کہاں ہے جس کا جواب حضرت مسیحؑ نے یہ دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی الیاسؑ ہے کیونکہ وہ اسکی قوت اور طبیعت میں آیا ہے یعنی اسی کے روحانی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ پس جس طرح خود حضرت مسیحؑ الیاسؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ انیس سو برس پہلے کر چکے ہیں اسی طرح آج مسیح ثانی اور آخری زمانہ کا مسیح موعودؑ مسیحؑ کی آمد ثانی کا فیصلہ کرتا ہے اور آمد ثانی کے وہی معنے کرتا ہے جو اس سے پہلے مسیحؑ نے کئے اور اس نظیر کو پیش کرتا ہے جس سے کوئی عیسائی انکار نہیں کر سکتا۔ یعنی یہ کہ مسیحؑ کی آمد ثانی سے مراد ایک ایسے شخص کی آمد ہے جو اسی کے رنگ اور خو میں آوے۔ چنانچہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مسیح موعودؑ کے دعوے سے کئی سال پہلے براہین احمدیہ میں حضرت مرزا صاحب اپنا رؤیا شائع کر چکے تھے کہ گویا وہ اور مسیحؑ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔ یعنی روحانیت میں ایک ہی ہیں اور اسکے علاوہ وہ الہامات بھی شائع کر چکے تھے جن میں آپ کو عیسیٰؑ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ رؤیا اور الہامات اس وقت شائع ہوئے جب ابھی مسیح موعودؑ کے دعوے کا نام و نشان بھی نہ تھا بلکہ مسیحؑ کی آمد ثانی کے معمولی مروجہ عقیدہ پر جو اہل اسلام کے اندر چلا آتا ہے وہ قائم تھے جیسا کہ خود اپنی کتاب براہین احمدیہ میں آپنے اسوقت لکھ بھی دیا۔ پس یہ تو صاف ثابت ہو گیا کہ یہ کوئی بناوٹ نہ تھی کہ کئی سال پہلے اسباب کو مدنظر رکھکر کہ آئندہ مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کریں گے ایسے رؤیا اور الہامات شائع کر دیئے جنسے آپ کا مسیحؑ کے ساتھ روحانی رنگ میں ایک ہونا اور مماثلت کا اس درجہ تک پہنچ جانا کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کو عیسیٰؑ کے نام سے ہی پکارے ثابت ہو تا بعد میں مسیحؑ کی آمد ثانی کے معنے کرنے میں مدد ملے کیونکہ اگر ایسی بناوٹ ہوتی اور یہ محض افترا ہوتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ اسی کتاب میں مسیحؑ کی آمد ثانی کے مروجہ عقیدہ کو لکھ دیتے۔ پس معلوم ہوا کہ واقعی آپ میں مسیحؑ اول سے وہ مماثلت پائی جاتی ہے جو بہر حال یوحنا اور الیاسؑ کی مماثلت سے بہت بڑھکر ہے۔ پس جب ایسی روحانی مماثلت اس درجہ تک موجود ہے تو اب مسیحؑ کی آمد ثانی سے آپکی آمد مراد ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے بلکہ یوحنا اور الیاسؑ کی نظیر کو مدنظر رکھکر اور مسیحؑ کے فیصلہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھکر یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ اس مسیحؑ ثانی کی آمد ہی مسیحؑ اول کی آمد ثانی ہے۔

مسیح کی آمد ثانی کے ان معنوں کے رو سے عیسائی مذہب کے بنیادی عقیدہ کی جڑھ کٹتی ہے۔ یعنی یسوع مسیح کے مردوں میں سے

جی اُٹھنے کی جس طرح یہودی اپنی آسمانی کتابوں کی بنا پر یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ الیاسؑ آسمان پر گیا ہوا ہے اور وہ خود ہی دوبارہ نازل ہوگا اسی طرح عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح آسمان پر گیا ہوا ہے اور وہ خود ہی نازل ہوگا۔ مگر اس سے بڑھکر انکے عقیدہ کا جزو لازم یہ بھی ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر مر گئے اور دفن کئے گئے اور تیسرے دن جی اٹھے۔ اب اگرچہ اناجیل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت مسیحؑ نے جب الیاسؑ کی آمد ثانی سے مراد یوحنا کی آمد لی تو اس نے الیاسؑ کے آسمان پر چڑھ جانیکی کیا توجیہ کی۔ مگر سلسلہ احمدیہ نے اس حقیقت کو کھول کر دکھایا ہے جو مسیح کے آسمان پر چڑھ جانیکے قصہ کے نیچے پوشیدہ ہے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ صلیب پر مرے نہیں بلکہ صرف غشی ہوگئی تھی۔ اور انکو دفن نہیں کیا گیا بلکہ ایک بڑے وسیع کمرے میں جو چٹان کے ایک جانب تھا انکو آرام اور آسائش سے رکھا گیا۔ اور وہ مردوں سے نہیں جی اٹھے بلکہ غشی کی حالت سے ہوش میں آئے۔ اور وہ آسمان پر نہیں گئے بلکہ افغانستان اور کشمیر میں چلے آئے تھے تاکہ بنی اسرائیل کی باقی اقوام کو خدا کا پیغام پہنچائیں۔ اور کشمیر میں ہی سری نگر محلہ خان یار میں دفن کئے گئے جہاں انکی قبر آجتک موجود ہے۔ اور مختلف ناموں کے نیچے مشہور ہے یعنی یوز آسف جو صریحاً عبرانی یسوع آسف کا بگڑا ہوا ہے۔ یعنی یسوع بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام کو اکٹھا کرنیوالا۔ شہزادہ نبی۔ جو حضرت مسیحؑ کا خاص خطاب ہے۔ نبی صاحب۔ عیسیٰ صاحب ان دعوؤں کی تائید میں حسب ذیل شہادت پیش کی جاتی ہے

اول۔ اناجیل کی شہادت۔ (۱) یسوع نے پیشگوئی کے طور پر اپنے آپ کو یونسؑ سے مشابہت دی (متی ۱۲ باب۔ ۳۹ و ۴۰ آیت۔ لوقا ۱۱ باب۔ ۲۹ و ۳۰ آیت) لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں مرا نہیں تھا بلکہ صرف مردہ سی حالت اسکی ہوگئی تھی۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی کا منشا یہ تھا کہ وہ بھی اگرچہ کالمیت ہو جائیں گے مگر یونسؑ کی طرح زندہ ہی رہیں گے اور مرینگے نہیں۔ (۲) یسوع نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ اقوام کی طرف بھیجا گیا ہوں (متی ۱۵/۲۴) اور کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ تا انکو جو کھوئی جا چکی ہیں تلاش کروں (لوقا ۱۹/۱۰) اب یہ یقینی امر ہے کہ ملک شام میں جو یہودی تھے وہ صرف بنی اسرائیل کی دو قومیں تھیں۔ اور باقی دس قومیں بہت عرصہ پہلے مشرق میں آباد ہو چکی تھیں۔ پس گم شدہ بھیڑوں کا لفظ جنکو تلاش کرنا ضروری تھا انپر بہ نسبت شامی اسرائیلیوں کے زیادہ صادق آتا ہے اور صلیب کے واقعہ کے بعد انہی کی طرف حضرت عیسیٰؑ چلے گئے۔ (۳) پیلاطوس کی بیوی کی خواب (متی ۲۷/۱۹) بھی یسوع کے بچ جانیکی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ اگر منشاء الٰہی یسوع کو بچانیکا نہ ہوتا تو فرشتہ کیوں پیلاطوس کی بیوی کو خواب میں ڈراتا کہ ایسے یسوع کے بچانیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ (۴) بڑی زبردست شہادت یسوع کی وہ دعا ہے جو اس نے واقعہ صلیب سے پہلی رات مانگی۔ کیونکہ ایک پرہیزگار اور نیک آدمی کی دعا جو ایسے اضطرار اور مصیبت کی حالت میں کی جاوے کبھی رد نہیں ہو سکتی۔ پس خدائے تعالیٰ نے ضرور انکو وعدہ دیا ہوگا کہ میں تمہیں بچا لونگا اور معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے ایلی ایلی لما سبقتانی پکارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کا وعدہ ہی پیش کر رہے تھے۔ عبرانیوں پانچ باب

ساتویں آیت نے اس دعا کے قبول ہوجانے اور مسیحؑ کے بچایا جانیکو ایسا قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ وہاں لکھا ہے کہ "اسنے اپنے مجسم ہونے کے دنوں میں بہت رو رو اور آنسو بہا بہا کے اس سے جو اسکو موت سے بچا سکتا تھا دعائیں اور منتیں کیں۔ اور اس کے تقوےٰ کے سبب اسکی دعا سنی گئی"۔ (۵) یسوع صلیب پر بہت ہی تھوڑا وقت رہا۔ حالانکہ صلیب کی موت بہت آہستہ واقع ہوتی تھی اور کئی کئی دن تک لوگ صلیب پر زندہ رہ جاتے تھے۔ جن دو آدمیوں کو مسیح کے ساتھ صلیب پر چڑھایا گیا تھا وہ یقینی طور پر اسوقت تک زندہ تھے جب اُتارے گئے۔ (۶) دوسرے دو آدمیوں کی ٹانگیں محض اس لئے توڑی گئیں کہ تا موت کا تیقن ہوجاوے۔ مگر مسیحؑ کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔ (۷) برچھے کو پہلو میں چبھونے سے خون نکلا جو صحیح علامت زندگی کی ہے۔ (۸) پیلاطوس کو بھی یقین نہیں آیا کہ مسیح اتنی جلدی مرگیا (مرقس ۱۵/۴۴) (۹) یسوع کو دوسرے مجرموں کی لاشوں کے ساتھ نہیں ملایا گیا اور نہ ہی جہاں وہ دفن ہوتے تھے اسے دفن کیا گیا بلکہ ایک فراخ کمرے میں بڑی آسائش کے ساتھ رکھا گیا (۱۰) تیسرے دن جب اس کمرے کو دیکھا گیا تو پتھر دروازے پر نہ تھا اگر یسوع خارق عادت طور پر جی اٹھا ہوتا تو پتھر کے دروازے سے ہٹانے کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ یہ واقعہ صاف بتا رہا ہے۔ کہ خود مریدوں نے پتھر کو دروازے سے ہٹا کر اسے باہر نکالا۔ (۱۱) مریم نے جب اسے دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ وہ باغبان ہے (یوحنا ۲۰/۱۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع نے باغبانوں کا بھیس بدل لیا تھا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے اگر مُردوں سے جی اٹھا ہوتا تو بھیس بدلنے کی ضرورت کوئی نہ تھی۔ (۱۲) حواریوں سے جب اسکی ملاقات ہوئی تو اسی خاکی جسم کے ساتھ تھا جس میں گوشت اور ہڈیاں اور خون ہے اور زخم اتنے گہرے تھے کہ ان میں ہاتھ پڑ سکتا تھا۔ اور اسے بھوک بھی لگی اور جسطرح حواریوں نے کھانا کھایا اس نے بھی کھایا۔ (لوقا ۲۴ باب ۳۹-۴۳ آیت) (۱۳) یسوع نے دو مریدوں کے ساتھ گلیل کا سفر اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یروشلم سے بھاگ کر گلیل کو چلا گیا بعینہٖ اسی طرح جسطرح کوئی اور انسان ایسے ہی حالات کے ماتحت چلا جاتا۔ اگر اسکا مقصد آسمانپر چڑھنے کا تھا تو گلیل کا سفر بے معنی تھا۔ گلیل کوئی ایسا اسٹیشن نہ تھا جہاں سے آسمانپر جانیکے لئے ٹکٹ ملتے ہوں۔ (۱۴) واقعہ صلیب کے بعد وہ ہمیشہ اپنے آپ کو چھپانیکی کوشش کرتا رہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اندیشہ تھا کہ یہودیوں کو اصل حال معلوم نہ ہوجائے۔ مُردوں میں سے جی اٹھے ہوئے مسیح کو اپنے آپ کو چھپانے کی بجائے کھلے طور پر یہ معجزہ یہودیوں کو دکھانا چاہیئے تھا۔ پھر جہاں چاہتا چلا جاتا۔

دوم۔ باقی شہادتیں جو پیش کیجاویں گی وہ تاریخی رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اور خصوصیت سے کسی ایک مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں۔ ان میں ایک مرہم عیسیٰ کی شہادت ہے۔ جس کے دوسرے نام مرہم حواریین اور مرہم رسل اور مرہم شلیخا بھی ہیں۔ اس مرہم کا ذکر طب کی اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے جنہیں سے بعض کی فہرست اسی رسالہ کی جلد ۲ نمبر ۱ میں دیگئی ہے یہ وہ مرہم ہے جس کے متعلق یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کے لئے تیار کی تھی۔ اور خود مختلف قسم کے ناموں سے بھی ظاہر ہے کہ اس مرہم سے حواریوں کا بھی ویسا ہی تعلق ہے جیسا حضرت عیسیٰؑ کا۔ اس مرہم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ یہ زخموں کے اچھا کرنے میں بہت نافع ہے۔ چونکہ یہ

کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ صلیب کے علاوہ کوئی اور زخم بھی حضرت عیسیٰؑ کو لگے تھے۔ اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ مرہم صلیب کے موقع ہی زخموں پر لگانے کے لئے تیار کی گئی تھی اور اسی کا اعجازی اثر تھا کہ اتنی تھوڑی دیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلنے پھرنے کے اور گلیل تک کا لمبا سفر اختیار کرنے کے قابل ہو گئے۔

سوئم۔ سری نگر محلہ خان یار میں جو قبر ایک نبی کی ملی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ وہاں سے زندہ بچکر اس طرف آ گئے اور یہیں فوت ہو کر دفن ہوئے۔ اس کے ثبوت میں حسب ذیل شہادتیں پیش کیجاتی ہیں۔ (۱) زبانی روایتیں جو نسلاً بعد نسل کشمیر کے لوگوں میں چلی آئی ہیں اور جنکے متعلق پانچسو آدمی کی دستخطی شہادت لی گئی ہے کہ واقعی یہ روایتیں قدیم سے چلی آتی ہیں۔ کہ قبر مذکور یوز آسف کی قبر ہے جو نبی بھی تھا اور شہزادہ بھی۔ جو کسی مغربی ملک سے قریب انیس سو سال ہوئے کشمیر میں آیا تھا۔ اس قبر کو نبی صاحب یا عیسیٰؑ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں۔ (۲) تاریخ اعظمی جو ایک تاریخی کتاب قریباً دو سو سال کی ہے۔ اس کے صفحہ ۸۲ پر اس قبر کے متعلق یہ شہادت درج ہے۔ "سید نصیر الدین کی قبر کے ساتھ ایک نبی کی قبر مشہور ہے وہ ایک شہزادہ تھا جو غیر ملک سے کشمیر میں آیا وہ زہد تقویٰ اور عبادت میں کامل تھا خدا کی طرف سے نبی بنایا گیا اور اہل کشمیر کی دعوت میں مشغول ہوا اسکا نام یوز آسف تھا۔ بہت سے اہل کشف اور خصوصاً میرے مرشد نے شہادت دی ہے کہ اس قبر سے برکات نبوت ظاہر ہوتے ہیں۔" (۳) کتاب اکمال الدین میں جو قریباً ایک ہزار سال کی تحریر ہے صفحہ ۳۵۹ پر لکھا ہے "وہ (یوز آسف) بہت سے ملکوں اور شہروں میں پھرتا ہوا اس ملک میں آیا جسکا نام کشمیر ہے وہاں اس نے زندگی بسر کی اور وہاں ٹھہرا رہا یہانتک کہ موت کا وقت آ گیا اور اس نے خاکی جسم کو چھوڑا اور نور کی طرف اسکا رفع ہوا۔ پھر یابد کو حکم کیا کہ میرے لئے ایک مکان یعنی مقبرہ بنا۔" (۴) جوزف جیکبس جس نے یوز آسف کے قصوں کو جمع کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ ایک بڑے پرانے قصے کے حوالے سے لکھتا ہے کہ یوز آسف اخیر میں کشمیر پہنچا اور وہاں ہی فوت ہوا۔ (۵) مندرجہ ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوز آسف یسوع ہی ہے۔ ا۔ یوز آسف کی قبر کو بعض لوگ عیسیٰؑ صاحب کی قبر بھی کہتے ہیں۔ ب۔ مسلمان اسکو نبی کہتے ہیں اس لئے یہ قبر کسی مسلمان ولی کی نہیں ہو سکتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں میں کوئی شخص نبی کے نام سے مشہور نہیں ہوا۔ لفظ نبی یا عبرانی میں ہے یا عربی میں۔ لیکن چونکہ کوئی نبی عربی سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوا اس لئے ضرور ہے کہ یہ کسی عبرانی نبی کی قبر ہو۔ ج جو زمانہ یوز آسف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ د۔ یوز اور یسوع اسقدر ایک دوسرے سے ملتے جلتے نام ہیں کہ ایک شخص بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ یسوع ادنیٰ تصرف سے یوز بن گیا۔ ھ۔ بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یوز آسف ایک اسرائیلی تھا جو ملک شام سے بھاگ کر آیا تھا۔ اب چونکہ وہ نبی ہے اور کسی نبی کے واقعات زندگی ایسے نہیں ہیں جو ہم اسکی طرف ملک شام سے بھاگنا منسوب کر سکیں سوائے مسیحؑ کے۔ اور پھر جب زمانہ بھی وہی ہے

تو یہ نتیجہ اور بھی یقینی ہو جاتا ہے۔ و۔ صرف نبی ہی نہیں بلکہ یوز آسف شہزادہ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے اور یہ واقعہ اسکو صاف طور پر یسوع ثابت کرتا ہے۔ ز۔ یوز آسف کی تعلیم یسوع کی تعلیم سے بہت ملتی جلتی ہے یہانتک کہ بعض تمثیلیں بالکل مطابق ہیں۔ مندرجہ ذیل تمثیل کا جو یوز آسف کی تعلیم میں پائی جاتی ہے یسوع کی بیان کردہ تمثیل سے جو متی ۱۳ مرقس ۴ لوقا ۸ میں پائی جاتی ہے مقابلہ کرو۔ "جب کسان بیج بوتا ہے تو کچھ دانے راستے پر گرتے ہیں جن کو پرندے چگ جاتے ہیں کچھ پتھریلی زمین میں گرتے ہیں اور جب انکی جڑھیں پتھر کی سطح تک پہنچتی ہیں تو وہ سوکھ جاتے ہیں بعض دانے کانٹوں میں گرتے ہیں۔ اور بعض دانے اچھی زمین میں گرتے ہیں اور اگرچہ وہ تھوڑے سے ہوتے ہیں مگر وہ اگتے ہیں اور بڑھتے ہیں اور پھل لاتے ہیں۔ کسان سے مراد حکیم ہے اور بیج سے اسکے کلمات حکمت۔ جو دانے راستے پر گرتے ہیں انکی مثال ان حکمت کی باتوں کی طرح ہے جو ایک کان میں آتی ہیں اور دوسرے سے نکل جاتی ہیں۔ جو دانے پتھریلی زمین میں گرتے ہیں وہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو دل میں نہیں بیٹھتیں۔ جو دانے کانٹوں پر گرتے ہیں ان سے مراد وہ کلمات حکمت ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کو اس کی شہوات روکتی ہیں۔ جو دانے اچھی زمین میں گرتے ہیں ان کی مثال ان حکمت کے کلموں کی طرح ہے جو دل میں جڑھ پکڑتے ہیں اور اپنا پھل لاتے ہیں اور انسان انپر عمل کرنے سے نیک چلن انسان بنتا ہے۔" ح اس سے بھی بڑھکر یہ بات حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ یوز آسف اپنی کتاب کا نام بشرٰی رکھتا ہے جو بعینہٖ انجیل ہے۔ جیسا کہ اکمال الدین کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے "حتّٰی بلغ فضاء واسعا فرفع راسهٗ فرای شجرۃ عظیمۃ علٰی عین ماء احسن مایکون من الشجر واکثرها فرعا وغصنا واملاها ثمرا وقد اجتمع الیه من الطیر مالایعد کثرۃ۔ فسرّ بذلك المنظر وفرح به وتقدم الیه حتّٰی دنی منه وجعل یعبّرہٗ ویفسرہٗ الشجرۃ بالبشرٰی التی دعا الیها وعین الماء بالحکمۃ والعلم والطیر بالناس الذین یجتمعون الیه ویقبلون منه الدین" ترجمہ۔ یہانتک کہ وہ یعنی یوز آسف ایک وسیع میدان میں پہنچا۔ اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بڑا درخت ایک چشمہ کے کنارہ پر کھڑا ہے نہایت ہی خوبصورت بہت شاخوں اور ٹہنیوں والا نہایت میٹھے پھل والا اور اسپر بے شمار پرند جمع ہیں پس وہ اس نظارہ سے نہایت خوش ہوئے۔ اور اس درخت کی طرف بڑھے یہاں تک کہ اس کے پاس پہنچے اور اسکی تعبیر کرنے لگے۔ درخت کو انہوں نے اس بشرٰی سے مشابہت دی جسکی طرف وہ لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور چشمۂ آب کو علم و حکمت سے مشابہت دی اور پرندوں کو ان لوگوں سے جو آپکے پاس جمع ہوتے اور آپ کا دین قبول کرتے۔" یہاں لفظ بشرٰی جو انجیل کا مرادف ہے یوز آسف کی کتاب کے لئے استعمال ہوا ہے جس سے صاحب کتاب کا صاف نشان ملتا ہے۔ ط۔ یوز آسف کی کتاب کا ترجمہ بہت عرصے یورپ کی قریباً کل زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور عیسائی دنیا اسے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے یہانتک کہ ایک گرجا بھی اسکے نام پر سسلی میں بنایا گیا ہے۔ اس عزت سے جو عیسائیوں نے یوز آسف کو دی ہے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے

کہ اگر انہوں نے یوزآسف اور یسوع کو ایک ہی نہیں سمجھا تو کم از کم یوزآسف کو یسوع کے حواریوں میں سے سمجھا ہے کیونکہ زمانہ یوزآسف اور یسوع کا ایک ہی ہے اسبات کا بار ثبوت عیسائیوں کے ذمے ہے کہ وہ ثابت کریں کہ کونسا حواری حضرت مسیحؑ کا یوزآسف کہلاتا تھا اور پھر نبی اور شہزادہ بھی اس کے لقب تھے۔ ی۔ عیسائی محققوں نے یہ کوشش کی ہے کہ یوزآسف کو بدھ ثابت کریں۔ چنانچہ ایک تازہ کوشش یہ کی گئی ہے کہ یوزآسف بودی ستوا سے بگڑا ہوا ہے جو بدھ کا نام ہے۔ لیکن محض امکان کہ ایک لفظ سے بگڑ کر دوسرا لفظ بن سکتا ہے ثبوت کا قائم مقام نہیں ہے۔ اور جبکہ یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ بدھ سری نگر کشمیر میں دفن نہیں بلکہ یہ کوئی اور شخص ہے جو بدھ سے الگ ہے تو لازماً اسے یسوع ماننا پڑے گا۔

چہارم۔ جس مسیحؑ کا اسرائیلیوں کو وعدہ دیا گیا تھا وہ کل اقوام بنی اسرائیل کے لئے مسیح ہو کر آنیوالا تھا۔ نہ ایک یا دو قوموں کی طرف۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ بنی اسرائیل کی بارہ اقوام میں سے دس قومیں حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے بہت مدت پہلے مشرق میں آباد ہو چکی تھیں پس مسیحؑ اپنی قوم کا مبلغ کبھی نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ وہ ان دس قوموں کی طرف نہ آتا۔ مندرجہ ذیل شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل کی دس اقوام میں سے ہیں۔ (۱) افغان بالاتفاق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اسرائیلی نسل سے ہیں۔ یہ بات حقیقت سے خالی نہیں ہو سکتی کیونکہ مذہبی طور پر افغانوں کو یہود سے سخت نفرت ہے پس اگر وہ واقعی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے آپ کو اس قوم کی طرف منسوب نہ کرتے۔ انکے پاس نسب نامے بھی موجود ہیں جن میں سلسلہ نسل اسرائیل سے جا ملتا ہے۔ اور یہ افغانوں کا نیا دعویٰ نہیں بلکہ قدیم سے وہ یہی دعویٰ کرتے چلے آئے ہیں۔ (۲) ظاہری خط و خال میں افغان اور کشمیری ان لوگوں سے نہیں ملتے جو انکے پڑوس میں ہیں مگر یہودیوں سے انکو ایسی مناسبت ہے کہ ایک شخص دھوکا کھا سکتا ہے۔ (۳) لباس میں۔ رسم و رواج میں۔ اخلاق اور اطوار میں بھی ایسی ہی مشابہت افغانوں اور کشمیریوں کی یہودیوں سے پائی جاتی ہے۔ (۴) افغانوں کے بعض قبائل کے نام اور کشمیر کے بعض مقامات کے نام صاف بتاتے ہیں کہ وہ اسرائیلی نام ہیں۔ (۵) افغانستان اور کشمیر میں بہت سے ایسے شہر ہیں جنکے نام یہودیوں کے قدیم وطن کے شہروں اور قصبوں کے ناموں سے ملتے ہیں۔ اس میں ہمیں انسانی طبیعت کا یہ میلان نظر آتا ہے کہ جب وہ ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام کو جا آباد کرتے ہیں تو اپنے شہروں وغیرہ کے نام وہاں بھی رکھ لیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل ناموں کا مقابلہ صاف بتاتا ہے کہ یہ اتفاقی بات نہیں۔ مثلاً کابل۔ پونچھ۔ زیدا۔ حمس۔ گلگت۔ تبت۔ لاسہ لداخ۔ لیہ۔ سورو۔ سکیت کا مقابلہ قدیم شام کے ان ناموں سے کرو۔ کابل فونیشیا۔ زیدان۔ حمس۔ گلگوتھا۔ قبتھ۔ لاشا۔ لادخ۔ لیحی۔ شورو۔ سکوتھ۔ (۶) بڑے بڑے مشہور سیاحوں نے یہ شہادت دی ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

دوسرا پہلو دعوے مسیحیت کا متعلق بہ اسلام ہے۔ اسلامی رنگ میں سلسلہ احمدیہ مسیح موعودؑ کے آنے کو اس طرز پر مانتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے اسرائیلی شریعت کی بنیاد حضرت موسیٰؑ کے ساتھ رکھی۔ اور پھر اس موسوی سلسلہ کا خاتمہ اسکے

اخیر میں ایک مسیحؑ بھیجا گیا۔ پس اس موسوی سلسلہ میں اول سلسلہ حضرت موسیٰؑ اور آخر سلسلہ حضرت عیسیٰؑ تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یہ بھی وعدہ دیا تھا کہ میں تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا۔ استثنار ۱۸-۱۸۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے زمانہ نبوی میں یہ فرمایا کہ ہم نے تجھے موسیٰ کی مثل بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ سورۃ مزمل کی آیت انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا اس پر شاہد ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی وعدہ دیا گیا کہ اُمتِ محمدیہ میں خلفاء قائم کئے جائیں گے مثل ان خلفاء کے جو امت موسویہ میں بنائے گئے۔ جیسا کہ آیت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (سورۃ نور) اس پر شاہد ہے۔ پس جیسا کہ سلسلہ موسویہ کے اول یعنی حضرت موسیٰؑ کا مثیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرایا گیا تھا۔ ایسا ہی مطابق وعدہ سورہ نور کے یہ ضروری تھا۔ کہ خاتم سلسلہ موسویہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کا مثیل سلسلہ محمدیہ کے اخیر پر مبعوث کیا جاتا یعنی جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کا خاتم الخلفا ایک مسیح تھا ویسا ہی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الخلفا ایک مسیح بھیجا جاتا۔ بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اس وعدہ کے مطابق دنیا میں بھیجا گیا ہے اور حدیثوں میں جو مسیح ابن مریم کے آنیکا وعدہ ہے وہ بھی قرآن شریف کے اسی وعدہ کے مطابق ہے۔ ورنہ حدیث قرآن شریف کے خلاف ہوگی کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ تم میں سے ہی خلیفے پیدا ہوں گے جس وعدہ کے لحاظ سے ضروری ہوا کہ باہر سے کوئی خلیفہ نہ آئے۔ اس سے حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد کی تکذیب ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل امور سے اس مماثلت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ (۱) یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو دنیوی شان وشوکت والا ہو اور زمینی سلطنت یہود کی قائم کرے جسکا غلبہ کل دنیا پر ہو۔ بعینہٖ اسی طرح مسلمان ایک ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو ظاہری شان وشوکت والا ہو اور اسلام کی سلطنت کل دنیا پر قائم کرے۔ (۲) جس طرح یہ یہودیوں کے لئے ایک ایسا مسیحؑ بھیجا گیا جس نے انکی ظاہری شان وشوکت کی کل امیدوں کو خاک میں ملا دیا ایسا ہی مسلمانوں میں ایک ایسا مسیحؑ بھیجا گیا جو صلح کا پیغام لیکر آیا ہے۔ اور ظاہری جنگ وجدال سے متنفر ہے اور مسیح ابن مریم کی طرح صلح اور آشتی سے دنیا میں اپنا پیغام پھیلانا چاہتا ہے۔ اور دلائل اور نشانوں سے وہ کام لے رہا ہے جس کو مسلمان اپنی غلطی سے یہودیوں کی طرح تلوار سے لینا چاہتے ہیں۔ (۳) حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے وقت یہودی بہت سے فرقوں میں منقسم ہو رہے تھے ایسا ہی حال مسلمانوں کا اسلامی مسیحؑ کے آنیکے وقت ہے۔ (۴) اُس ملک میں جہاں اسرائیلی مسیح ظاہر ہوا اسرائیلیوں کی سلطنت جاتی رہی تھی اور وہ بطور رعایا کے تھے۔ ایسا ہی اس ملک ہند میں جہاں اسلامی مسیح ظاہر ہوا ہے اسلامیوں کی سلطنت جاتی رہی ہے اور وہ بطور رعایا کے بنتے ہیں۔ (۵) خود وہ گورنمنٹیں جن کے نیچے یہ دونوں مسیح اپنے اپنے زمانوں میں پیدا ہوئے آپس میں مشابہت رکھتی ہیں اور رومی اور انگریزی گورنمنٹ کی مشابہت کو عیسائی صاحبان نے بھی بارہا تسلیم کیا ہے۔ (۶) جیسا کہ یہودی مسیح اسرائیلی کے آنیکے وقت راستبازی اور نیکی کے طریقوں کو چھوڑ چکے تھے یہی حال اسلامی مسیحؑ کے آنیکے وقت مسلمانوں کا ہے (۷) جب یہودیوں نے

اپنے مسیح کو سخت ایذائیں پہنچائیں تو انپر طاعون بھیجی گئی - ایسا ہی اس ملک میں بھی مسیح کے ایذا دیئے جانے پر خدا نے طاعون کا خطرناک عذاب بھیجا ہے - (۸) جیسا یہودیوں نے اپنے مسیح کو عدالتوں میں گھسیٹا اور عدالتوں کے ذریعہ مروا ڈالنا چاہا ایسا ہی یہاں بھی ہوا یعنی اسلامی مسیح پر اقدام قتل کا مقدمہ قائم کیا گیا جس میں قوموں نے اتفاق کر کے اسے ہلاک کرنا چاہا - اور جیسے بڑے بڑے یہودی علما مسیح اسرائیلی کے خلاف گواہی دینے کے لئے آئے تھے - یہاں بھی ایک جیب پوشوں کا سردار مسیح کے خلاف گواہی دینے کے لئے عدالت میں آیا - (۹) یسوع مسیح اگرچہ آخری نبی سلسلہ موسویہ کے تھے مگر چونکہ انکا والد بنی اسرائیل میں سے کوئی انسان نہ تھا اس لئے انہیں صحیح معنوں میں اسرائیلی نہیں کہہ سکتے - ایسا ہی موجودہ مدعی مسیحیت کا بھی اگرچہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خلیفہ ہے مگر وہ قریش میں سے نہیں - ہاں جیسا کہ مسیح اول صرف ماں کی طرف سے اسرائیلیوں میں سے تھا ایسا ہی مسیح ثانی کی بھی بعض دادیاں سیدوں میں سے تھیں -

یہاں آکر پھر وہی بحث پیش آتی ہے جو عیسائیوں کے ساتھ پیش آئی تھی - یعنی عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ ابھی تک زندہ آسمان پر اسی جسد عنصری سے بیٹھے ہیں مگر سلسلہ احمدیہ انکے خلاف یہ کہتا ہے کہ انکی زندگی اسی قسم کی ہے جیسے دوسرے تمام انبیاء کی - اور انکا جسد عنصری اسی خاک میں دبا ہوا ہے - علاوہ ان ثبوتوں کے جو اوپر گذر چکے ہیں قرآن شریف اور حدیث سے بھی سلسلہ احمدیہ مسیح کی موت کا ثبوت پیش کرتا ہے قرآن شریف کی تیس آیات ازالہ اوہام میں بانی سلسلہ نے ابتدائے دعویٰ میں پیش کی تھیں مگر ان سب کا حوالہ بہت طوالت کو چاہتا ہے - صرف ایک آیت سورۃ مائدہ کی ہی اس ثبوت کے لئے کافی ہے اور وہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول - فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم - اول توفی کے معنے مع جسد عنصری آسمان پر لیجانے نہ قرآن شریف میں نہ حدیث میں نہ لغت میں نہ عربی علم ادب میں کہیں نہیں آئے اور بفرض محال اگر یہ معنے مان بھی لئے جاویں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ اے خدا جب تو نے مجھے مع جسد عنصری آسمان پر اٹھا لیا تو پھر تو ہی میری امت کا نگہبان رہا - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کبھی فوت ہی نہ ہوں کیونکہ قیامت کے دن بھی وہ اپنی موت کا ذکر نہیں کریں گے بلکہ جسد عنصری کے ساتھ اٹھایا جانیکا ذکر کریں گے - اور اگر توفیتنی کے وہ معنے لئے جائیں جو لغت اور ادب عرب میں لئے گئے ہیں - تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انکے فوت ہونیکے بعد انکی امت بگڑی - پس اگر وہ اب تک فوت نہیں ہوئے تو ماننا پڑیگا کہ انکی امت بھی نہیں بگڑی - اور علاوہ ازیں انکی آمد ثانی بھی باطل ٹھہرتی ہے - کیونکہ اگر آمد ثانی میں انہوں نے کچھ کارروائی کی ہوتی تو جس طرح آمد اول کے ذکر میں یہ کہا تھا کہ کنت علیہم شہیدا ما دمت فیھم اسی طرح آمد ثانی کا بھی کچھ ذکر فرماتے کہ میں نے دوبارہ جا کر یہ یہ اصلاح کی نہ کہ اپنی بیخبری ظاہر کرتے کہ مجھے کچھ پتہ ہی نہیں کہ کیا ہوا - ایسا ہی احادیث بھی بہت سی پیش کی گئی ہیں مثلاً حدیث معراج جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ کو ان انبیاء میں دیکھا جو اس جہان سے گذر چکے ہیں - ظاہر ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو

ان میں نہ مل سکتے تھے۔ ایسا ہی ایک حدیث میں انکی عمر ایک سو بیس سال کی بیان کی گئی ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سری نگر محلہ خان یار والی قبر میں وہی سوئے ہوئے ہیں کیونکہ یوز آسف کی عمر بھی ایک سو بیس سال کی ہی بیان کی جاتی ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں سے ایسی آیتیں بھی پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کشمیر کی طرف آئے۔ جیسا کہ آیت وآوینٰھما الی ربوۃ ذات قرار و معین۔ لفظ اوی کے معنے ہیں کسی بڑی مصیبت کے بعد پناہ دینا۔ سو بڑی مصیبت جو حضرت عیسیٰؑ کو اپنی عمر میں ملک شام میں پیش آئی وہ صلیب کی ہی مصیبت تھی۔ اور پھر جس ملک میں پناہ دینے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بعینہٖ نقشہ کشمیر کا ہے۔

وہ ثبوت جو اس دعوے کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت میرزا غلام احمدؐ صاحب مسیح موعودؑ ہیں حسب ذیل ہے۔

اول ثبوت وفات مسیحؑ جس پر مختصر بحث اوپر گذر چکی ہے۔

دویم۔ مماثلت سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے۔

سویم۔ مماثلت درمیان حضرت میرزا غلام احمد صاحب و حضرت عیسیٰؑ۔ یہ بھی بیان ہو چکی ہے۔

چہارم۔ مماثلت درمیان آدمؑ اول اور آدمؑ ثانی یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ حضرت آدمؑ جمعہ کے دن پیدا کئے گئے جو چھٹے دن کی آخری ساعت تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے پس ضروری تھا کہ مسیح موعودؑ حضرت آدمؑ سے چھٹے ہزار کے اخیر پر پیدا ہوتا مگر چھ ہزار سال ختم ہو کر ساتواں ہزار شروع ہو گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ مسیح موعودؑ پیدا ہو چکا ہو پس جو شخص دعویٰ مسیح موعودؑ ہونیکا کرتا ہے وہی مسیح موعودؑ ہے۔

پنجم۔ ساتواں ہزار شیطان کی مغلوبیت اور حق کی فتح کا ہزار سال ہے۔ جیسا کہ چھٹا ہزار سال شیطان کے غلبہ اور دجال کی کارروائیوں کا وقت تھا۔ پس ساتویں ہزار سال کے شروع ہوتے ہی مسیح موعودؑ کی کارروائی کا شروع ہو جانا بھی ضروری ہے۔

ششم۔ مسیح موعودؑ کی آمد کے کل نشانات پورے ہو چکے ہیں۔ اور مسلمان اور عیسائی دونوں عین اسی وقت اس کی آمد کے سخت انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔ بلکہ عیسائیوں میں سے تو بہت لوگ یہ بھی پکار اٹھے ہیں کہ مسیحؑ کے ظہور کا وقت گذر گیا۔ عیسائیوں کی کتب کے بموجب مسیح کی آمد کے بڑے نشان طاعون اور زلزلے ہیں۔ سو یہ دونوں محتاج بیان نہیں۔ ایک اس اپریل کے ہی مہینہ میں تین ایسی خطرناک تباہیاں دنیا میں آچکی ہیں جن کا ذکر سنکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ویسووی اس کا پھٹنا۔ فارموسا کی تباہی اور سان فرانسسکو کے عیاش شہر کا ہولناک عذاب جہاں اسی دنیا میں ایک جہنم کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا ہے۔ اسی طرح اپریل گذشتہ کا ہولناک زلزلہ۔ زلزلوں کی کثرت اور تباہی کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ اور پھر ان زلزلوں اور طاعون کی نسبت خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

پیشگوئیاں موجود ہیں جن کے مطابق یہ سب عذاب الٰہی نازل ہو رہا ہے۔ اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق نہایت صاف نشان اور امتیازی نشان مسیح موعودؑ کی آمد کا ماہ رمضان میں چاند اور سورج کا خسوف کسوف خاص تاریخوں میں تھا جو ۱۸۹۴ء میں پورا ہو چکا اس نشان کا ذکر قرآن شریف اور حدیث میں دونوں جگہ موجود ہے۔ ایسا ہی طاعون کا ظاہر ہونا۔ صلیبی مذہب کا غلبہ۔ ستارہ ذوالسنین کا نکلنا۔ اونٹوں کا بیکار ہو جانا اور ایک نئی سواری کا نکل آنا۔ سب نشانات پورے ہو چکے ہیں۔

ہفتم۔ اولیائے امت محمدیہ کا عموماً اسی بات پر اتفاق رہا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے سر پر مسیح موعودؑ ظاہر ہوگا٭۔ اور اس زمانے میں بھی بہت سے اولیاء اللہ نے یہ شہادت دی ہے کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ ہی مسیح موعودؑ ہیں۔

ہشتم۔ اگر کسی مذہبی مصلح کی ضرورت ہے تو اسی وقت ہے جبکہ فتن کا سیل ہر طرف سے جوش میں ہے خدا کے نبی ہمیشہ سخت ضرورت کے وقت آتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کی ضرورت مصلح کو چاہتی ہے۔

نہم۔ انبیاءؑ کے دعوے کے لئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ آسمان سے انکی تائید میں طرح طرح کے نشان ظاہر فرماتا رہا ہے ایسی ہی نشانات جو قطعی ثبوت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں سلسلہ احمدیہ کے لئے ظاہر ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔ غیب کی خبروں کا جو انسانی طاقت میں نہیں آپ کی وحی کے ذریعہ ظاہر ہونا۔ آپ کی دعاؤں کا سنا جانا۔ اور قبل از وقوع امر قبولیت کی اطلاع ملنا۔ عربی زبان میں اس قدرت کا حاصل ہو جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ جماعت کی تعداد میں خارق عادت ترقی ہونا۔ جماعت پر تعلیم کا نیک اور پاکیزہ اثر۔ الٰہی تائید اور حفاظت جو سلسلہ اور اس کے بانی کے شامل حال ہے۔ مخالفوں کی ناکامیاں اور نامرادیاں اور سلسلہ کی کامیابی۔ زمین اور آسمان کے نشانات اور بہت سے اور نشان جنکی تفصیل نہیں ہو سکتی۔ ان میں چند نشانوں کا ذکر کتاب تریاق القلوب میں ہے اور بعض کا ذکر نزول المسیح میں ہے جو زیر طبع ہے۔

سلسلہ احمدیہ کا اہم مقصد اور اس مشن کی اصل غرض دنیا میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان کو از سر نو زندہ اور تازہ کرکے انسان کو پاکیزگی کی راہوں پر چلائے اور گناہ سے نجات پانے کی راہ بتائے۔ اس سلسلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف اسی میں شامل ہو کر انسان ان راہوں کو پا سکتا ہے۔ اور اس دعوے کی تشریح یوں کیجاتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان صرف مونہہ کی ایک بات ہے، جب تک کہ دل اس صداقت کے یقین سے بھرا ہوا نہ ہو جس کا اقرار مونہہ سے کیا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قدرت کے ملاحظہ سے بھی دلائل پیدا ہوتے ہیں مگر یہ دلائل صرف اس منطقی نتیجہ تک انسان کو پہنچا سکتے ہیں کہ خدا ہونا چاہیئے۔ مگر اس خدا کو پہچاننا اور یقین سے جان لینا کہ واقعی وہ ہے بھی یہ ایک بالکل الگ امر ہے اور اس کا حصول صرف اسی طرح سے ہو سکتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم کے خارق عادت

٭ حدیث نبوی کی رو سے بھی ضروری ہے کہ مسیح موعودؑ صدی کے سر پر پیدا ہو۔ منہ

نمونے دیکھے جاویں جنکا اظہار صرف انبیاء و رسل کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے اور قدیم سے یہی سنت الٰہی چلی آئی ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے اوقات میں جب زندہ ایمان لوگوں کے دلوں سے نیست و نابود ہو جاتا ہے اپنے انبیاءؑ کے ذریعہ اپنی عظیم الشان قدرتوں کا اظہار بذریعہ خارق عادت نشانوں کے کرکے اپنی ہستی کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے جس سے انکی زندگی میں ایک پاک تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ایسی ہی ضرورت اس زمانہ میں ہے کیونکہ گذشتہ انبیاءؑ کے نشان بطور قصوں کے ہو گئے ہیں۔ اور ان سے دلوں کے اندر وہ زندہ اور قوی ایمان پیدا نہیں ہوتا جو گناہ سوز ایمان کہلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی حالتیں اس درجہ تک گر گئی ہیں اور روحانیت سے لوگ بے بہرہ ہو گئے ہیں اس لئے اس وقت میں خدائے تعالیٰ نے اپنا ایک مرسل بھیجا اور وہ وہی مرسل ہے جس کا اخیر زمانہ میں آنیکا ابتدا سے وعدہ دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جس نے وعدہ دیا تھا وہ اس بات کو جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک مرسل کی ضرورت ہو گی۔ پس اسی وعدہ اور ضرورت کے مطابق ایمان اور مذہب کو زندہ کرنیکے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مامور کو مبعوث فرمایا ہے تاکہ اسکی ہستی کا یقین وہ دلوں میں پیدا کرے اور انکو خدا کی قدرتوں کے وہ نمونے دکھاوے جو انسے پہلے انبیاءؑ کے وقتوں میں لوگوں نے دیکھے۔ کیونکہ جبتک ایسا زندہ ایمان دل میں پیدا نہ ہو گناہ کی غلامی سے انسان نجات نہیں پا سکتا۔ یقین کے بغیر انسان گناہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ اور خدائے تعالیٰ کی قدرت اور علم کی تازہ بتازہ تجلیات کے مشاہدہ کے بغیر یقین کا پیدا ہونا ناممکن ہے اور تازہ نشان خدا کی قدرت کے بغیر وساطت مامور من اللہ اور نبی کے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی ایک مرسل جسکے ذریعہ سے دلوں میں نور ایمان پیدا ہوتا ہے بانی سلسلہ احمدیہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ انکے پیچھے چلتے ہیں وہ حسب استعداد بتدریج طہارت اور پاکیزگی اور تعلق باللہ میں ترقی کرتے ہیں۔ ان معنوں میں یہ سلسلہ ہی ایک سلسلہ ہے جو دنیا میں مذہب کو زندہ کرنیوالا ہے۔

اسی مقصد کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ اس غرض کو پورا کرنا چاہتا ہے جو قرآن شریف میں مسیح موعودؑ کے آنیکی اصل غرض بتائی گئی ہے یعنی دین اسلام کو کل دینوں پر غالب کرنا۔ دوسرے مسلمان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسیحؑ کے آنیکی غرض یہی ہے مگر انکے نزدیک اسلام کا غلبہ ایمان کے زندہ کرنے اور دلائل اور نشانات سے نہیں ہو گا بلکہ مسیحؑ ان لوگوں کو جو اسلام قبول کرنے سے انکار کریں گے قتل کریگا۔ گویا باکراہ لوگوں کو دین میں داخل کریگا حالانکہ قرآن شریف فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین۔ یہ بڑی بھاری غلطی ہے دین کا غلبہ تلوار کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا کیونکہ تلوار تو جسموں پر حکومت کرتی ہے نہ دلوں پر۔ مذہب کا تعلق دل سے ہے اور دلپر اثر صداقت اسی وقت ہو گا جب براہین اور نشانات سے صداقت چمک اٹھے۔ اسی غلبہ اسلام کے متعلق جس کو مسیحؑ کی آمد کی غرض ٹھہرایا گیا ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اس آیت کے متعلق یہ مانا گیا ہے کہ یہ غلبہ مسیح موعودؑ کے وقت میں ہو گا۔ چنانچہ جو جوش سلسلہ احمدیہ میں اشاعت دین اسلام کے لئے ہے اس کی نظیر دوسرے مسلمانوں میں کہیں نہیں ملتی۔ اور یہ

جوش انکا باتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی طور پر ایسی کارروائیاں کی گئی ہیں جنکو سوائے اس سلسلہ کے اور کسی نے نہیں کیا۔

حدیث میں کسر صلیب کو بھی مسیحؑ کے آنیکی بڑی غرض قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے وہ معنے نہیں جو عام مسلمان سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ مسیحؑ واقع میں صلیبوں کو توڑتا پھریگا۔ بلکہ اس سے مراد ہے ایسا حربہ کاری صلیبی مذہب پر چلانا جو اس مذہب کو نیست و نابود کردے۔ اس غرض کو سلسلہ احمدیہ نے پورا کردیا ہے کیونکہ حضرت مسیحؑ کی قبر جو بمقام سری نگر کشمیر دریافت ہوگئی ہے وہ عیسائی مذہب کی بنیادوں کو اکھیڑنے والی ہے۔ اور اس ایک ہی انکشاف سے عیسائی مذہب کا سارا تار و پود بگڑ جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں اسکو کسر صلیب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ایسا امر جس سے صلیب یکمرتبہ ہی ٹوٹ جائے۔

بہت سے عقائد مسلمانوں نے غلطی سے اسلام میں داخل کردیئے ہیں جو اصل تعلیم اسلام کے خلاف ہیں سلسلہ احمدیہ ایسے تمام عقائد کو رد کرتا ہے بڑے بڑے امور جن میں اس سلسلہ کا اختلاف دیگر مسلمانوں سے ہے حسب ذیل ہیں۔

اول۔ سب سے بڑا اور اہم اختلاف سلسلہ احمدیہ کا دوسرے اسلامی فرقوں سے یہ ہے کہ اس سلسلہ کے نزدیک اسلام ایک زندہ مذہب ہے جس کے بالفاظ دیگر یہ معنے ہیں کہ اسلام میں وحی اور کشف کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور ایک سچا مسلمان ان نشانوں کو مشاہدہ کرتا ہے جو خدا کی ہستی پر ایک خارق عادت یقین اس کے اندر پیدا کرتے ہیں۔ موجودہ اسلامی عقیدہ جس پر اکثر مسلمان اس زمانہ میں قائم ہوگئے ہیں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی الٰہی ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگئی ہے۔ اسی کے قریب قریب دوسرے مذاہب کا خیال بھی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے نزدیک اسکی آسمانی کتاب کے بعد الہام الٰہی پر مُہر لگ گئی ہے۔ اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے سلسلہ احمدیہ اپنے عقیدہ کی تائید میں تین قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔ (۱) قرآن شریف کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وحی الٰہی منقطع نہیں ہوئی اور اس انعام کا دروازہ اگرچہ دوسری امتوں پر بند ہوچکا ہے مگر سچے مسلمانوں پر اسکا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ قرآن شریف نے یہانتک اس بات پر زور دیا ہے کہ سورہ فاتحہ میں جو خلاصہ قرآن شریف ہے اس امر کو بیان فرمایا ہے جہاں مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ اب جس صورت میں خود خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو اس دعا کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ منعم علیہم کی راہ پر چلنے کے لئے دعا مانگا کریں تو صاف ظاہر ہے کہ الٰہی منشاء یہ ہے کہ سچے مسلمانوں کو منعم علیہم والے انعام بھی دیئے جاویں۔ ورنہ اس دعا کا سکھلانا بے سود تھا حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے مثلاً ایک اسی حدیث کو لے لو جو ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کے آنیکا وعدہ دیتی ہے۔ کیونکہ جو شخص تجدید دین کے لئے مامور ہوگا وہ بغیر مکالمہ الٰہی کے مامور نہیں ہوسکتا۔ (۲) عقلی دلائل بھی اسی کے موید ہیں۔ کہ اگر مکالمہ الٰہی کا انعام پہلے زمانوں میں خدا کے برگزیدوں کو ملتا تھا تو اب کوئی وجہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے وہ راہ بند کردی ہو۔ سب مذاہب کی یہ تعلیم ہے

کہ خدا انکے کاموں کو دیکھتا اور انکی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اور ہر ایک مذہب نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ کسی وقت وہ بولتا بھی تھا۔ اور اپنے کلام سے نیک لوگوں کو مشرف کرتا تھا۔ اور ایک وقت تک ایسا ہی کرتا رہا۔ مثلاً ہندوؤں کے نزدیک اس دور دنیا کے آغاز میں اس نے کلام کی اور پھر نہیں کی۔ یہودیوں کے نزدیک بنی اسرائیل کے انبیاءؑ سے وہ ہمیشہ کلام کرتا رہا۔ عیسائیوں کے نزدیک حواریوں کے زمانہ تک وہ کلام کیا کرتا تھا اور مسلمانوں کے نزدیک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک۔ پس اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ مثل زمانہ سابق کے دیکھتا اور سنتا اب بھی ہے تو بولنے سے کیوں بند ہو گیا۔ خدا کے صفات ازلی ابدی ہیں اور جبکہ اس کے دوسرے صفات سمع بصر وغیرہ بیکار نہیں ہوئے اور نہ کبھی ہوں گے تو ایسا ہی اس کی صفت کلام بھی نہ کبھی بیکار ہوئی اور نہ ہو گی۔ ہاں جیسے وہ پہلے اپنے برگزیدوں سے کلام کرتا تھا ایسا ہی اب بھی وہ کلام کرتا ہے مگر اسی سے جسکو اس نے چن لیا ہے اور اس کا کلام اس طرح پہچانا جاتا ہے کہ اس میں غیب کی مخفی اور باریک باتیں جن کا جاننا انسان کی طاقت میں نہیں ظاہر کیجاتی ہیں۔

(۳) اسلام کے اندر ایک ایسے شخص کا موجود ہونا جس کا کلام الٰہی سے مشرف ہونا ان تمام نشانات سے ثابت ہے جو دوسرے انبیاءؑ کے کلام الٰہی میں پائے جاتے ہیں صاف ثابت کرتا ہے کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ جس مذہب میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اپنے پیرووں کو تعلق باللہ کے اس مقام تک پہنچا سکے کہ وہ مخاطبہ مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوں اس مذہب کی انسانوں کو کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ انسان کو ترقی کے مراتب طے کرانیکی قابلیت نہیں رکھتا ایسے مذہب کا زندہ مذہب ہونیکا دعویٰ کرنا لغو ہے۔ پس اس زمانہ میں احمدیہ سلسلہ ہی ایک زندہ مذہب کا نشان دیتا ہے کیونکہ اس کا بانی اپنا دعویٰ مورد وحی الٰہی ہونیکا بذریعہ مقتدر پیشگوئیوں اور خارق عادت نشانات کے ثابت کر رہا ہے۔

دوم۔ سلسلہ احمدیہ اس بات کا انکار کرتا ہے کہ دین اسلام بذریعہ تلوار پھیلایا جائے۔ مگر عام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دین کو بزور شمشیر بھی پھیلانا جائز ہے کیونکہ وہ ایک ایسے مسیح اور مہدی کے منتظر ہیں جو ان تمام لوگوں کو تہ تیغ کر دیگا جو دین اسلام کے قبول کرنے سے انکار کریں۔ مگر یہ سلسلہ اس خیال کو غلط ٹھہراتا ہے کہ اسلام نے کسی ایسے مسیح یا مہدی کے آنیکا وعدہ دیا ہو۔ اور ایسی احادیث کو جن میں خونی مسیح یا مہدی کے آنیکا ذکر ہے وضعی قرار دیتا ہے کیونکہ وہ قرآن شریف کی صریح منطوق کے خلاف ہیں جو فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین نیز قرآن شریف وعدہ دیتا ہے کہ جیسا ایک مسیح بنی اسرائیل کے سلسلہ کے خاتمہ پر بھیجا گیا تھا ایسا ہی ایک مسیح اس سلسلہ کے خاتمہ پر آئیگا۔ پس جس طرح اس مسیح نے دین کے لئے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ یہودیوں کے ایسے انتظار کو غلط ٹھہرایا اسی طرح یہ مسیح بھی دین کے لئے لڑائیاں کرنیکی غرض سے نہیں آئیگا بلکہ اس خیال کی غلطی کو دور کریگا ایسا ہی صحیح بخاری کی حدیث بھی مسیح موعود کی تعریف یضع الحرب ہی کہتی ہے یعنی وہ لڑائیوں کو دور کریگا یعنی مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔

سوئم- یہ سلسلہ سچے معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ کوئی نبی خواہ وہ پرانا نبی ہو یا نیا۔ آپکے بعد ایسا نہیں آسکتا جس کو نبوت بدون آپکے واسطہ کے مل سکتی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدائے تعالیٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیئے مگر آپکے متبعین کامل کے لئے جو آپکے رنگ میں رنگین ہو کر آپکے اخلاق کاملہ سے ہی نور حاصل کرتے ہیں انکے لئے یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ گویا اسی وجود مطہر اور مقدس کے عکس ہیں مگر عام مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آپ سے چھ سو سال پہلے نبی ہو چکے تھے دوبارہ آئیں گے جس سے ختم نبوت کا ٹوٹنا لازم آتا ہے۔ ایسا ہی یہ سلسلہ اس امت کو خیر الامم کہتا ہے اور اس لئے اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اس کے مصلح اسی میں سے پیدا نہ ہوں بلکہ باہر سے آئیں کیونکہ جب اشرار اس امت میں ہیں تو پھر اس سے بڑھکر اور کیا مصیبت اسی امت کے لئے ہو سکتی ہے کہ اخیار اس میں سے پیدا نہ ہوں بلکہ وہ باہر سے آئیں۔ آنحضرتؐ کی ختم نبوت آپکے کسی بروز کو آنے سے نہیں روکتی۔ البتہ آپکے بعد شریعت کوئی نبی نہیں آسکتی۔

چہارم- مسیح کی موت پر یہ سلسلہ خاص طور پر زور دیتا ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ بانی سلسلہ کے دعوے کی بنیاد یہی ہے بلکہ اس لئے کہ یہی سب سے طاقتور ہتھیار کسر صلیب کے لئے ہے جس سے عیسائیت کی بنی بنائی عمارت گر جاتی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر ہونے کو غلط ٹھہراتا ہے کیونکہ قرآن شریف حضرت عیسیٰؑ کی موت کو ثابت کرتا ہے۔ اور یہ غلط عقیدہ اسلام کے لئے سخت مضر ہے کیونکہ یہ عیسائی مذہب کی تائید کرتا ہے۔ اسکے متعلق بحث پہلے گذر چکی ہے۔

پنجم- سلسلہ احمدیہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات میں کوئی انسان بھی شریک ہو سکتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ مگر اُس طرح کی خلق جیسی اللہ تعالیٰ کرتا ہے کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے یہ سلسلہ عام مسلمانوں کے اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ خالق طیور تھے۔ اور ان میں روح پھونکا کرتے تھے قرآن شریف کی آیت جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ اس کے معنے کرنے میں عام مسلمانوں کو یہ غلطی لگی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو بھی خالق سمجھ لیا۔ اور جس طرح ایک نبی کو خدائی صفات میں شریک کرتے ہیں اسی طرح جو عقیدہ ان لوگوں کا دجال کے متعلق ہے اس سے دجال کا بھی خدائے واحد کا نعوذ باللہ شریک ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کریگا جہاں چاہیگا مینہ برسائیگا جہاں چاہیگا بارش کو روک دیگا۔ مگر سلسلہ احمدیہ کے نزدیک یہ تمام باطل اور لغو خیالات ہیں اور پیشگوئیوں کے صحیح معنوں کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اس سلسلہ کے نزدیک دجالی تعلیم وہی تعلیم ہے جس پر موجودہ عیسائی مذہب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یعنی کفارہ اور الوہیت مسیح کے عقائد۔ دجال چونکہ دھوکا دینے والے کو کہتے ہیں۔ اسلئے وہی لوگ جو لوگوں کو دھوکا دیکر اس جھوٹی تعلیم کو پھیلاتے ہیں۔ دجال کہلانیکے مستحق ہیں۔ دجال کے متعلق مبسوط بحث کئی جگہ موجود ہے۔ اور نومبر ۱۹۰۵ء کے رسالہ

ریویو آف ریلیجنز میں بھی ہو چکی ہے۔

ششم۔ قرآن شریف اور حدیث سے مسائل اخذ کرنے کے بارے میں بھی سلسلہ احمدیہ دوسرے لوگوں سے اختلاف رکھتا ہے عام طور پر حدیث پر قرآن شریف کی نسبت زیادہ زور دیا جاتا ہے اور حدیث کو قرآن شریف پر قاضی ٹھہرایا جاتا ہے مگر اس سلسلہ کی تعلیم کی رو سے قرآن شریف سے حدیث کا سچ جھوٹ پرکھنے کا معیار ملتا ہے یعنی جو حدیث قرآن شریف کے مخالف ہو اسے رد کیا جاویگا۔ اس طرح سے حدیث کے متعلق قرآن شریف سے فیصلہ لیا جاتا ہے اور اسکو مقدم کر کے حدیث کو اسکے تابع کیا جاتا ہے۔ ؎

سلسلہ احمدیہ کی تعلیم خالص اسلامی تعلیم ہے اور مروجہ عقائد سے جو اختلاف ہے اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے مگر یہ اختلاف حصر کے طور پر نہیں بلکہ صرف بعض بڑی بڑی مثالیں اس کی پیش کی گئی ہیں۔ شرائط بیعت درج ذیل ہیں جو اول مرتبہ ۱۲۔ جنوری ۱۸۸۹ء کو شائع کی گئیں۔ اور ہر شخص کو جو اس سلسلہ میں داخل ہو ان شرائط کا پابند ہونا ضروری ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ اوّل بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہیگا۔ دوّم۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور فسق و فجور ظلم و خیانت فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہیگا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔ سوّم۔ یہ کہ بلاناغہ پنجوقت نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہیگا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روزہ اپنا ورد بنائیگا۔ چہارم۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہ دیگا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔ پنجم۔ یہ کہ ہر حال رنج و راحت عسر و یسر اور نعمت و بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کریگا۔ اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کیلئے اس کی راہ میں طیار رہیگا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہ پھیریگا بلکہ قدم آگے بڑھائیگا۔ ششم۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائیگا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کریگا۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنے ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دیگا۔ ہفتم۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کریگا۔ ہشتم۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔ نہم۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہیگا اور جہانتک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائیگا۔ دہم۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہیگا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور ناطوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

بانی سلسلہ کی تعلیم میں بڑا زور تقویٰ اور راستبازی اور صبر اور تحمل اور حلیمی پر دیا گیا ہے۔ اور یہ تعلیم بہت سی کتابوں میں بیان ہوئی ہے اور کشتی نوح میں خصوصیت سے بیان کی گئی ہے چنانچہ ذیل کے فقرات جن سے کسی قدر اس کا

؎ یہ سلسلہ نہ صرف عیسائی مذہب کے عقائد الوہیت مسیح وغیرہ کا ہی انکار کرتا ہے بلکہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کو بھی کہ مسیحؑ ملعون ہوا جھوٹا قرار دیتا ہے کیونکہ ملعون شیطان کو کہتے ہیں اور لعنت کے معنے خدا سے بیزاری لازم آتی ہے پس مسیحؑ صلیب پر فوت ہوا اور نہ ہی ملعون ہوا۔ منہ

پتہ لگتا ہے اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔ اے وے تمام لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوے کی راہوں میں قدم مارو گے سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقوے سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی جڑھ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑھ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے۔ نہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دیگا سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ ان سب باتوں کے بعد پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے ظاہر کچھ چیز نہیں خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کریگا دیکھو میں یہ کہکر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اسکو مت کھاؤ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو دعا کرو تا تمہیں طاقت ملے جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اسپر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور انکی تعہد خدمت سے لاپروا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنےٰ ادنےٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصوروار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے

پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود او مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنیکے لئے تیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے اور انکی ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب ظالم۔ دروغ گو۔ جعلساز اور انکا ہمنشین اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانیوالا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے اور تاریکی اور روشنی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک جو پیچ در پیچ طبیعت رکھتا ہے اور خدا کے ساتھ صاف نہیں ہے وہ اس برکت کو ہرگز نہیں پا سکتا جو صاف دلوں کو ملتی ہے کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے ہیں اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں کیونکہ وہ ہرگز ضائع نہیں کئے جائیں گے ممکن نہیں کہ خدا انکو رسوا کرے کیونکہ وہ خدا کے ہیں اور خدا انکا وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائیں گے۔ احمق ہے وہ دشمن جو انکا قصد کرے کیونکہ وہ خدا کی گود میں ہیں اور خدا انکی حمایت میں ہیں۔"

ملکی پہلو سے سلسلہ احمدیہ کا اثر بہت ہی بابرکت اور مفید ہوا ہے۔ مہدی کے نام کے ساتھ خونریزی کا خیال ہمیشہ وابستہ رہا ہے۔ اور مہدویت کے دعویدار ہر جگہ گورنمنٹوں کے امن میں مخل ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں خونی مہدی کا انتظار اس عقیدہ کو تازہ کرتا ہے کہ غیر مسلموں کو مار ڈالنا ثواب کا کام ہے۔ کیونکہ دونوں عقائد کی جڑھ ایک ہی ہے۔ اور ایسے عقیدہ کے ساتھ یہ خطرہ بھی لگا ہوا ہے کہ جہاں کہیں ایک جھوٹا دعویدار پیدا ہو گا وہاں جاہل لوگ محض جنگ اور جہاد کا نام سنکر ہی اس کے ساتھ ہو جاویں گے۔ ان حالات کے ماتحت اگر غور کیا جائے تو سلسلہ احمدیہ نے جو تعلیم پھیلائی ہے وہ ملک کے امن کے لئے اعلیٰ درجہ کی مفید تعلیم ہے۔ جہاد کے متعلق جو کچھ بانی سلسلہ احمدیہ نے لکھا ہے اسکو اس گورنمنٹ کے بڑے سے بڑے مدبروں اور دانشمندوں نے ملکی لحاظ سے بہت ہی پسند کیا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر اس جگہ سر الفریڈ لنگھم کی ایک چٹھی کے چند الفاظ نقل کئے جاتے ہیں جو انہوں نے سنہ ۱۹۰۰ء میں جب وہ پشاور کے کمشنر تھے بانی سلسلہ احمدیہ کو لکھی تھی۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ "جہانتک میں غور کرتا ہوں مجھے یہ اسلام کی تعلیم کی نہایت ہی منصفانہ اور عالمانہ تشریح معلوم ہوتی ہے اور آپ جیسے عالم اور صاحب الرائے آدمی کے لئے قابل تعریف ہے میں یقین کرتا ہوں کہ آپ جیسے مشہور معلم کے مونہہ سے اپنے مذہب کی بریت میں ان الفاظ کا نکلنا تمام مسلمان اپنے لئے نعمت سمجھیں گے۔ اور ما سیاست کا ثبوت اسے تصور کریں گے کہ جو قبیح افعال جاہل اور شریر لوگ مذہب کی آڑ کے نیچے کرتے ہیں اسلام انکی ہرگز تائید نہیں کرتا۔ میں بڑا خوش ہونگا کہ آپ کا رسالہ اور فتوے (ممانعت جہاد) کثرت سے سرحدی اضلاع میں شائع ہو۔" ایسا ہی حال میں

پروفیسر ٹائے نے جو امریکہ کی ایک مشہور یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ "اسلامی خطرہ" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس سلسلہ کا اثر عام مسلمانوں کے خیالات پر نہایت ہی نیک ہے۔

علاوہ ان خدمات کے جو خونی مہدی کے عقیدے کی بیخکنی کرنے میں سلسلہ احمدیہ نے کی ہیں۔ اور کئی طرح پر بھی یہ سلسلہ گورنمنٹ کی خدمات کرتا رہا ہے۔ ۱۸۹۸ء میں جب طاعون پنجاب میں پھوٹ نکلا تھا اور گورنمنٹ کے قرنطینہ وغیرہ قواعد کے سبب سے عام لوگوں میں بہت بدظنی پھیلی ہوئی تھی اور کئی جگہ فساد بھی ہو چکے تھے تو اسوقت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی جماعت کا ایک خاص جلسہ منعقد کیا جس میں گورنمنٹ کی تجاویز کی تائید کی اور فرمانبرداری کی ہدایت کی۔ چنانچہ اخبار سول۔ کے ایڈیٹوریل کالم میں خاص نوٹ اس کے متعلق شائع ہوا جو حسب ذیل ہے "اس تقریر کا لب لباب یہ تھا۔ کہ گورنمنٹ نے محض انسانی ہمدردی سے مجبور ہو کر بیماری کے روکنے کے لئے یہ قواعد جاری کئے ہیں۔ اور یہ قواعد بہت ضروری ہیں اور فرضی قصے کہ گورنمنٹ لوگوں کو زہر دینا چاہتی ہے۔ بالکل جھوٹے اور احمقانہ ہیں اور اس شخص کو جو کہ اپنے اندر عقل رکھتا ہے ایک لحظہ بھر کے لئے بھی انہیں تسلیم نہ کرنا چاہیئے۔ اور سخت خطرہ کی حالت میں مثلاً جبکہ خدا کی طرف سے کوئی بیماری نازل ہو۔ عورتوں کا اپنے گھروں سے کھلے میدان میں سگریگیشن کی غرض سے مناسب طور پر چہرہ ڈھانکے ہوئے آنا اسلام کے اصول کے برخلاف نہیں۔" یہ نوٹ ۱۰ جون ۱۸۹۸ء کے سول میں شائع ہوا۔ تاریخ انعقاد جلسہ ۲ مئی ۱۸۹۸ء تھی۔ اور گورنمنٹ نے بھی خاص طور پر ان خدمات کا اعتراف کر کے شکریہ کا خط لکھا یہ چٹھی نمبر ۲۱۳ ایس مورخہ ۱۱ جون ۱۸۹۸ء ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ "حسب الارشاد جناب نواب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر میں اطلاع دیتا ہوں کہ جناب ممدوح نے اس جلسہ کے تمام روئداد کو جو ۲ مئی ۱۸۹۸ء کو قادیان میں متعلق ان قواعد کے جو گورنمنٹ نے انسداد بیماری طاعون کے لئے جاری کئے منعقد ہوا اور نیز اس تقریر کو جو مرزا غلام احمد رئیس قادیان نے اسوقت کی۔ بڑی خوشی کے ساتھ پڑھا۔ حضور ممدوح کا منشا ہے کہ میں اس مدد کے شکریہ کا اظہار کروں جو کہ اس جلسہ کے ممبروں نے گورنمنٹ کو دی۔" ایسا ہی ٹرینسوال کے جنگ کے موقع پر بھی ایک خاص جلسہ بغرض دعا منعقد کیا گیا۔ اور علاوہ اس کے مجروحین کے لئے چندہ بھی کیا گیا۔

سلسلہ احمدیہ کے تعلق میں بہت سے مباحثات بھی ہوئے ہیں۔ غیر مسلموں میں سے بڑا مباحثہ ۱۸۹۳ء کا تھا جو عبداللہ آتھم کے ساتھ ہوا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی کتابیں مباحثات کے رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ آتھم کے مباحثہ سے کچھ عرصہ بعد بشپ لاہور کے ایک عام جلسہ میں اسلام پر بعض ناجائز حملے کرنیکی وجہ سے بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اس کو انہیں سوالات پر مباحثہ کے لئے چیلنج دیا اور انگریزی اخبارات نے بھی بشپ صاحب کو مباحثہ کرنیکے لئے بہت ترغیب دی مگر انہیں حوصلہ نہ پڑا۔ اور آخر انکے انکار پر مشہور انگریزی اخبارات نے بشپ صاحب کو انکی اس کم ہمتی پر بہت ملامت بھی کی۔ آریہ سماج کے ساتھ ایک مباحثہ بمقام ہوشیارپور ہوا تھا جسکی کیفیت کتاب سرمہ چشم آریہ میں درج ہے لیکھرام

بھی مباحثہ کے لئے آیا تھا مگر وہ نشان مانگ کر ہی چلا گیا اور نشان پر ہی اس کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ ابتدائے دعویٰ میں بہت سے مباحثات ہوئے مگر ۱۸۹۷ء میں جب ہر طرح سے اتمام حجت ہو چکا اور خدا کی طرف سے بھی بڑے بڑے نشان ظاہر ہو چکے تو خدا کے منشاء کے مطابق آپ نے مباحثات کا دروازہ بند کر دیا۔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف جو تحریریں لکھی گئی ہیں عموماً ان میں نہ صرف سخت کلامی بلکہ فحش بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ بالمقابل اس کے مخالفین سلسلہ نے اس سلسلہ کی تحریرات پر سختی کا الزام دیا ہے۔ اس امر کا فیصلہ آسانی سے یوں ہو سکتا ہے کہ اول شروع کس کی طرف سے ہوا آریوں اور عیسائیوں کے متعلق جس قدر تحریریں لکھی گئی ہیں براہین احمدیہ سے لیکر چشمہ مسیحی تک وہ سب کی سب انکے حملوں کی مدافعت میں لکھی گئی ہیں۔ مسلمانوں نے جبتک خود گندے حملے کرنے شروع نہیں کئے انکے متعلق ایک لفظ بھی سخت نہیں لکھا گیا۔ علاوہ ازیں جو کوشش مباحثات کے پیرایہ کو درست کرنیکے لئے اس سلسلہ نے کی ہے اسکی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ متعدد مرتبہ میموریلوں اور درخواستوں اور تحریروں میں بانی سلسلہ نے گورنمنٹ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مذہبی مباحثات کی صرف اسی حد تک اجازت دیجاوے کہ دوسرے مذہب پر کوئی حملہ نہ کرسکے اور اپنے مذہب کی خوبیاں ہی بیان کرے۔ چنانچہ ایک میموریل میں جو ۲۲۔ ستمبر ۱۸۹۸ء کو وائسرائے کو بھیجا گیا تھا یہ تین تجویزیں مذہبی مباحثات کی اصلاح کے لئے آپ کی طرف سے پیش کی گئی تھیں۔ اوّل یہ کہ گورنمنٹ یہ قانون بنادے کہ کسی مذہب کا حامی دوسرے مذہب پر کوئی حملہ یا نکتہ چینی نہ کرے جس سے دوسروں کی دل آزاری ہو بلکہ سب لوگ دوسروں پر حملہ کرنیکے بغیر اپنے مذاہب کی خوبیاں اور فضائل ہی بیان کریں کیونکہ اصل غرض ہر مذہب کی یہی ہے کہ وہ اپنی خوبیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرسکے اور ایسا کرنے میں اسے کوئی روک نہ ہو۔ مذہبی آزادی اس بات کا نام نہیں کہ کوئی شخص راستباز نبیوں کو گالیاں دے کر یا مقدس مذہبی کتب پر ناجائز حملے کر کے یا انکے عقائد کو الٹا بیان کر کے انکی دل آزاری کرے۔ دوئم۔ یہی غرض اس وقت بھی حاصل ہو سکتی ہے اگر گورنمنٹ یہ قانون نافذ کردے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے مذہب پر ایسا حملہ نہ کرے جو خود اس کے اپنے مذہب پر عائد ہوتا ہو۔ سوئم۔ یا اگر یہ دونوں تجویزیں نامنظور ہوں تو پھر دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کے ساتھ یہ بڑھا دیا جاوے کہ مذہبی مباحثہ کرنیوالے دوسرے مذہب پر ایسے الزام نہ لگائیں اور ایسے حملے نہ کریں جنکی بنیاد مضبوط شہادت اور مستحکم دلائل پر نہ ہو۔

تبلیغ سلسلہ کتابوں رسالوں اور اخباروں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ موقت الشیوع پرچوں میں سے بعض سلسلہ کے اپنے پرچے ہیں اور بعض افراد سلسلہ کے پرچے ہیں جو تائید سلسلہ میں نکالے جاتے ہیں جن میں ایک (یعنی ریویو آف ریلیجنز) انگریزی زبان میں ہے باقی اردو میں ہیں۔ جو پرچے خاص قادیان سے نکلتے ہیں ان میں سے ایک سہ ماہی ہے یعنی رسالہ تشحیذ الاذہان۔ دو ماہوار یعنی ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اُردو اور دو ہفتہ وار یعنی الحکم اور بدر۔ سلسلہ کا ایک اپنا مدرسہ بھی ہے جہاں دور دور سے متعلمین آکر اس سلسلے کی آنیوالی نسلیں تیار ہوتی ہیں۔ اسوقت یہ ایک ہائی سکول ہے۔

درمیان میں کچھ عرصہ تک ایف اے تک کالج بھی قائم کیا گیا تھا۔ مگر یونیورسٹی کے نئے قواعد کی سختی کی وجہ سے کالج کو بالفعل چھوڑنا پڑا ہے۔ ہائی سکول کا بھی ایک ماہوار رسالہ نکلنا تجویز ہوا ہے جس کا نام سکول کے نام کی طرح تعلیم الاسلام ہے۔ اس رسالہ کی خاص خوبی یہ ہوگی کہ قرآن شریف پر نہایت لطیف نوٹ تفسیری رنگ میں ہونگے۔ بانی سلسلہ علیہ السلام نے ساٹھ کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سب سے اول براہین احمدیہ ہے جو سب سے بڑی اور سب سے عظیم الشان بھی ہے۔ اور جس کی پیشگوئیاں پچیس سال پہلے شائع ہوکر آج پوری ہو رہی ہیں۔ بعض کتابوں کا ذکر اثنائے بحث میں آچکا ہے۔ باقی میں سے خصوصیت سے قابل ذکر منن الرحمن ہے جو ابھی شائع نہیں ہوئی اور نامکمل ہے جس میں یہ دکھایا جائے گا کہ قرآن کریم کی زبان عربی ہی ام الالسنہ ہے۔ ست بچن سکھوں کے لئے لکھی گئی تھی جس میں چولہ صاحب کے متعلق پوری تحقیقات کرکے باوا نانک کا مسلمان ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ اور یوں سکھوں پر اتمام حجت کیا گیا ہے۔ مسیح ہندوستان میں بھی ابھی نامکمل ہی ہے۔ اور شائع نہیں ہوئی۔ اس میں یہ دکھایا جاویگا کہ حضرت مسیح ہندوستان میں آکر رہے اور سری نگر کشمیر میں فوت ہوکر مدفون ہوئے۔ اور اب مسیح ثانی بھی ہندوستان میں ہی آیا ہے۔ عربی کتابیں عموماً متحدیانہ ہیں اور ان میں تمام دوسرے لوگوں کو کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان یہ چیلنج کیا ہے کہ اس کی مانند عربی لکھکر دکھاویں اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہ کرسکیں گے چنانچہ سب نے اپنی عاجزی کا اظہار خاموشی سے کیا اور آج تک ایک بھی کتاب کوئی بالمقابل پیش نہیں کرسکا۔ تریاق القلوب اور نزول المسیح میں بعض ان نشانات کا ذکر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے ہیں ان میں سے موخر الذکر ابھی نامکمل ہے اور شائع نہیں ہوئی۔

آئندہ کے متعلق بانی سلسلہ اس سلسلہ کے لئے بڑی بڑی کامیابیوں کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ براہین احمدیہ میں دو وعدے سلسلہ کی کامیابی کے متعلق ہیں ایک وہ وعدہ جو خود بانی کی زندگی میں پورا ہونیوالا تھا سو وہ پورا ہوچکا اور ہو رہا ہے یعنی ایسے وقت میں جب آپ بالکل تنہا اور گوشۂ گمنامی میں تھے یہ وعدہ کہ جوق درجوق لوگ تیرے پاس آئیں گے اور باوجود مخالفت کے مخلوق بڑی کثرت سے رجوع کریگی اور دور دور راہوں سے نصرتیں آئیں گی۔ یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے اور ہر روز نیا ظہور اسکا ہوتا ہے۔ دوسرا وعدہ کامیابی کا جو اس سلسلہ کو دیا گیا ہے وہ اس کے بانی علیہ السلام کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہونیوالا ہے۔ اور وہ وعدہ ان الفاظ میں ہے کہ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ۔ پہلے وعدہ کا پورا ہونا صاف بتا رہا ہے کہ دوسرا وعدہ بھی پورا ہوکر رہیگا۔ یہ بھی ایک پیشگوئی ہے کہ آپ کے ایک لڑکے کے ذریعہ سے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے سلسلہ کی رہنمائی کے لئے مامور ہوگا یہ سلسلہ بڑا اقتدار اور قوت حاصل کریگا۔ جبتک ایسا شخص ظاہر ہو اسوقت تک آپ کی یہ وصیت ہے کہ جس شخص کے راستباز ہونے پر چالیس مومن شہادت دیں وہ لوگوں سے بیعت لیتے رہیں۔ لیکن انتظام سلسلہ ایک انجمن کے سپرد کیا گیا ہے جس کا نام صدر انجمن احمدیہ ہے اور جو قائم ہوچکی ہے۔

حوادث

"تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا" یہ وہ الہام الٰہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رسالہ الوصیۃ میں شائع فرمایا تھا۔ اور اس کی تشریح اُسی جگہ یوں کی گئی ہے۔

"حوادث کے بارے میں جو مجھے علم دیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ ہر ایک طرف دنیا میں موت اپنا دامن پھیلائے گی اور زلزلے آئیں گے اور شدت سے آئیں گے اور قیامت کا نمونہ ہونگے اور زمین کو تہ و بالا کر دیں گے۔ اور بہتوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی"

یہ پیشگوئی ۱۹۰۵ء کے اخیر ہفتہ میں یعنی ۲۴۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو شائع ہوئی اور ۱۹۰۶ء کے شروع ہوتے ہی ان حوادث کا وقوع بھی شروع ہو گیا۔ جو جو کچھ آفتیں اس عرصہ میں دنیا میں آئی ہیں آیا وہ معمولی آفتیں اور تباہیاں ہیں یا پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق قیامت کا نمونہ دکھانیوالی تباہیاں ہیں؟ ایک انسان جسے عقل و فکر سے کچھ بھی حصہ ملا ہے خود غور کر سکتا ہے۔

مَیں صرف اسجگہ ایک نوٹ اخبار پایونیر سے نقل کرتا ہوں جس سے ان پیشگوئیوں اور نشانوں کا ظہور صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ حوادث معمولی حوادث زمانہ نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے غضب کا ایک خاص نشان ہیں۔ ۲۲ اپریل کے پرچے میں پایونیر ایک ایڈیٹوریل نوٹ دیتا ہے جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"۱۹۰۶ء ... ایک تہائی بھی نہیں گذرا مگر ابھی سے اسکی تاریخ میں مصائب و تباہیاں اسقدر جمع ہو گئی ہیں جو دس سال کے لئے کافی ہیں۔ ایک ہفتہ بھی ایسا نہیں گذرتا جو ان تباہیوں کا نقشہ دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں ظاہر نہ ہو جاتا ہو۔ اور اسکی حرکت دنیا میں ہر طرف یکساں ہے۔ سب سے اول جزائر غرب الہند میں آتش فشاں مادہ کا پھوٹنا تھا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ساٹھ سال کے عرصہ میں اسقدر شدت اسکی نہیں پائی گئی۔ اور اسکے ساتھ قریب قریب کے جزیروں میں بھی مادہ آتش فشاں کی حرکت بڑے زور میں ہوئی۔ اسکے بعد ایک تباہ کن طوفان اور سیلاب دریائے مسیسپی میں آیا۔ فارموسا میں دو زلزلے نہایت ہی سخت یکے بعد دیگرے دو مہینوں کے اندر اندر آئے اور یہ زلزلے اس زلزلے سے شدت میں کہیں بڑھکر تھے جس نے سان فرانسسکو کو تباہ کیا۔ اس کے بعد فرانس کی ایک کوئلہ کی کان میں خطرناک حادثہ آگ لگنے کا وقوع میں آتا ہے جس کی تباہی کی نظیر کسی کان کے حادثہ میں نہیں پائی جاتی۔ اور یہ واقعہ بھی ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں پہلے اس قسم کا کوئی خطرہ بھی نہ ظاہر ہوا تھا۔ اس حادثہ کے نیچے ہوئے لوگ ابھی مشکل سے سطح زمین پر لائے گئے تھے کہ جنوبی اٹلی کی طرف انسانی ہمدردی کو متوجہ ہونا پڑا۔ جہاں ویسوویس اس ایسی سختی کے ساتھ پھٹا کہ اسکی نظیر کئی صدیوں میں نظر نہیں آتی۔ اور اسقدر دور دور تک اسکی تباہی کا اثر پہنچا کہ نیپلز بھی اس خطرے میں پڑ گیا کہ خاکستر کے نیچے دب کر

تباہ نہ ہو جائے۔ اس خوبصورت شہر کے امن کی نسبت ابھی پورا اطمینان نہ ہوا تھا کہ یہ زمینی مادہ کیلیفورنیا کے نہایت خوبصورت اور سرسبز ساحل پر جا نکلا۔ اور ایک آن کی آن میں مغربی دنیا کے سب سے خوبصورت شہر کو خاک میں ملا دیا۔ اس عام اور سخت تباہی کی نظیر پہلی صدی عیسوی کے بعد اور کہیں ہمیں نہیں ملتی۔ جبکہ زلزلے اور آتش فشاں کے مادے یورپ اور ایشیائے کوچک میں اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکل رہے تھے۔ جنکا نقشہ کسی قدر مکاشفات میں ملتا ہے،،

مینے ایک سطر پر خط کھینچا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تباہیاں جو دنیا میں آ رہی ہیں کس قسم کی تباہیاں ہیں۔ اور خواہ ہمارے کٹھ ملاں اپنی ساری عمر مخالفتوں اور بیہودہ گوئیوں میں ضائع کر دیں مگر دانشمند لوگ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ واقعات معمولی واقعات نہیں ہیں۔ بلکہ اسی قسم کے زلازل اور حوادث کا نقشہ پھر آ موجود ہوا ہے جیسا کہ مسیح اول کے وقت میں تھا۔ جائے غور ہے کہ کسقدر صراحت سے پیشگوئی کی گئی اور کسقدر صراحت سے وہ پوری ہوئی یہانتک کہ پایونیر جیسے اخبار کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ان حوادث کی نظیر کوئی نہیں ملتی۔ اب اگر مادہ پرست لوگ ان مصائب کو گناہوں کا نتیجہ نہ بھی سمجھتے ہوں تو بھی اس سے وہ انکار نہیں کر سکتے کہ یہ حوادث ان پیشگوئیوں کے مطابق ہیں جو حال میں ہی شائع ہو کر کل دنیا میں پھیل چکی ہیں ان میں سے کئی پیشگوئیاں ایسی ہیں جو ان ہلاکتوں اور تباہیوں کے نقشے کھلے کھلے الفاظ میں کھینچتی ہیں۔ منجملہ انکے یہ بھی ایک پیشگوئی ہے۔ کہ یوم تاتی السماء بدخان مبین وتری الارض یومئذ خامدۃ مصفرۃ۔ جو ۲۰ جنوری ۱۹۰۶ء کو شائع ہو چکی تھی جسکا ماحصل یہ ہے جیسا کہ پہلے ہی اسکا ترجمہ لکھا گیا تھا۔ کہ وہ دن آتا ہے کہ آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائیگا یعنی آسمان ایک دخانی صورت کا عذاب زمین پر نازل کریگا۔ اور تو زمین کو دیکھے گا کہ ایک مردہ سی ہو گئی ہے۔ اور راکھ کی طرح بن گئی ہے اور اس پر بجائے سرسبزی کے زردی چھا گئی ہے۔ اس الہام الٰہی کا پورا پورا نقشہ ان تار کی خبروں میں کھینچا گیا ہے جو ویسووی اس کے متعلق گذشتہ ایام میں شائع ہوئی ہیں "ویسووی اس کے گرد کئی کئی میلوں تک خطرناک تباہی کا نقشہ کھنچا ہوا ہے۔ اور سبزی کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ تمام شہر اور گاؤں خاکستر کے نیچے دبے ہوئے ہیں جسکی گہرائی کم و بیش چھ فٹ ہے۔ یہ بھیانک نظارہ پامپیائی کے دنوں کو یاد دلاتا ہے۔ تمام ملک پر دھوئیں کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی ہے۔"

سان فرانسسکو کی تباہی کا جو نقشہ تار کی خبروں سے ملتا ہے وہ اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ساڑھے تین لاکھ آبادی کا نئی طرز پر بنا ہوا شہر جلکر خاک سیاہ ہو چکا ہے۔ اور چھبیس مربع میل میں خاکستر ہی خاکستر نظر آتی ہے۔ تین لاکھ آدمی بے سروسامان کھلے میدانوں میں پڑ رہے ہوئے ہیں اور بھوکے پیاسے دیوانوں کی طرح ہو رہے ہیں۔ اسکے علاوہ اور بھی کئی شہر تباہ ہوئے ہیں مگر سان فرانسسکو کی تباہی عبرت انگیز ہے یہ شہر امریکہ میں نہ صرف اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے بلکہ عیاشی کے لحاظ سے بھی قریباً قریباً اول نمبر پر تھا ایک آن کی آن میں وہ عیاشی اور ناچ اور شراب خوری کے نظارے تباہی سے بدل گئے۔ اور سارا شہر ایک سرے سے دوسرے سرے تک یکمرتبہ ہی جل اٹھا۔ اور زلزلہ کی تباہی کو اس آگ کی تباہی نے ہزارہا گنا زیادہ کر دیا۔ کاش لوگ اب بھی غور کریں کہ یہ تباہی کے نظارے بعینہ ایسے ہی ہیں جیسے ان وقتوں میں دکھائے گئے تھے جب زمین فسق و فجور سے پُر ہو گئی اور انبیاء کی تکذیب کیگئی۔ سان فرانسسکو کی تباہی کا نظارہ گذشتہ قوموں کی تباہی کے نظاروں سے کم نہیں مگر دلوں پر غفلت اور تاریکی ایسی چھائی ہوئی ہے کہ اسقدر عبرتناک عذابوں کے باوجود لوگ توجہ نہیں کرتے۔

ایک تازہ پیشگوئی

الہام الٰہی۔ "دشمن کا بھی ایک وار نکلا" وتلک الایّام نداولھا بین الناس۔ یعنی کوئی ایسا امر رنج دہ خدا کی طرف سے ہماری نسبت یا ہماری جماعت کے کسی فرد کی نسبت صادر ہوگا۔ جس سے دشمن خوش ہو جائیگا اور وہ امر رنج دہ خدا کی طرف سے ہوگا۔ یا دشمن کا اس میں کچھ دخل ہوگا اور پھر خدا فرماتا ہے کہ یہ دن خوشی اور غم یا فتح اور شکست کے ہم تو بت یہ نوبت لوگوں میں پھیرا کرتے ہیں بعض وقت خوشی اور فتح خدا کی جماعت کو ملتی ہے اور دشمن ذلیل اور شرمسار ہو جاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بدر کی لڑائی میں ہوا کہ کفار کو سخت شکست آئی اور نامی افسر اور سرگردہ انکی فوج کے اسی لڑائی میں مارے گئے جیسا کہ ابوجہل۔ یہ خوشی تو مومنوں کو پہنچی۔ پھر دوسری مرتبہ کفار کی خوشی کی نوبت آئی اور اُحد کی لڑائی میں دردناک شہادتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے اور ایک تہلکہ برپا ہوا اسوقت بعض ان لوگوں کے دلوں میں جو عادت اللہ سے ناواقف تھے یہ خیال بھی آیا کہ جس حالت میں ہم حق پر ہیں اور ہمارے مخالف باطل پر ہیں تو یہ مصیبت ہم پر کیوں آئی۔ تب ان کا جواب اللہ تعالیٰ نے وہ دیا۔ جو قرآن شریف میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے ان یمسسکم قرحٌ فقد مس القوم قرح مثلہٗ وتلک الایّام نداولھا بین الناس یعنی اگر تم کو احد کی لڑائی میں دکھ اور تکلیف پہنچی ہے تو بدر کی لڑائی میں بھی تو تمہارے مخالفوں کو ایسی ہی تکلیف پہنچی تھی اور ایسا ہی دکھ اور نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ یہاں تک کہ جس کو امیر فوج بنا کر لائے تھے یعنی ابوجہل وہ بھی کھیت رہا اور بڑے بڑے کافر مارے گئے پھر اگر اس کے مقابل امیر حمزہؓ شہید ہوئے اور دوسرے بزرگ صحابہؓ نے شربت شہادت پیا تو اسقدر بالمقابل صدمہ دیکھنا ضروری تھا کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہی قانون قدرت ہے کہ کبھی کافر فنا کیے جاتے ہیں اور کبھی مومن تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اُس دن سے جو خدا نے دنیا پیدا کی یہ قانون چلا آیا ہے کہ کبھی کوئی ایسی تائید اور نصرت ظاہر ہوتی ہے جس سے مومن خوش ہو جاتے ہیں اور کبھی کوئی ایسا ابتلا مومنوں کے لئے پیش آتا ہے جو کافر مارے خوشی کے اچھلتے پھرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اس اپنی وحی مقدس میں بھی جو آج

✤ نوٹ۔ اسی کے ہمرنگ واقعہ عبداللہ آتھم اور لیکھرام کا تھا عبداللہ آتھم عین شرطی پیشگوئی کے موافق مرا مگر ناسمجھی سے مخالفوں نے اس بات پر بہت خوشی ظاہر کی کہ وہ میعاد کے اندر نہیں مرا بس یہ معاملہ ایسا تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت "شبّہ لہم" کا معاملہ تھا خدا کو منظور تھا کہ بموجب اپنے قانون قدرت وتلک الایّام نداولھا بین الناس مخالفوں کو خوشی پہنچائی کیونکہ پہلے نشانوں نے ان کو غمگین کر دیا تھا اور یہ خوشی بھی قائم نہ رہی کیونکہ لیکھرام کی نسبت جو پیشگوئی تھی وہ ایسی صفائی سے پوری ہوئی جو مونہہ بند ہو گئے۔ منہ

اس عاجز پر نازل ہوئی فرماتا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ کچھ عرصہ سے متواتر خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید رحمت کے نشانوں کے رنگ میں اس عاجز کی نسبت ظاہر ہو رہی ہے۔ جس سے مخالف لوگ ایک مسلسل غم دیکھ رہے ہیں اب ضروری ہے کہ بموجب قانون وتلک الایام نداولھا بین الناس ان کو بھی کچھ خوشی پہنچائی جائے۔ اس الہام کی بنا پر کوئی امر ہمارے لئے ناگوار اور انکے لئے موجب خوشی کا ظاہر ہو جائیگا اور جو نشان اس تھوڑے عرصہ میں ہماری تائید میں ظاہر ہوئے جو ہماری خوشی کا موجب اور مخالفوں کے رنج کا موجب تھے وہ بہ تفصیل ذیل ہیں اوّل سب سے پہلے مسمی کرم دین ساکن بھیں ضلع جہلم کے مقدمات میں دو رحمت کے نشان خدا تعالیٰ کے ظاہر ہوئے پہلے وہ مقدمہ ہے جو کرم دین مذکور نے جہلم کی عدالت میں بصیغہ فوجداری مجھ پر دائر کیا تھا اس میں خدا تعالیٰ نے قبل فیصلہ اس مقدمہ کی مجھے خبر دی کہ کرم دین مذکور ناکام رہیگا اور شکست کھائیگا اور مَیں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ چنانچہ ابھی مقدمہ زیر تجویز ہی تھا کہ مَیں نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں اس پیشگوئی کو چھاپکر شائع کر دیا اور جب میری طلبی جہلم کی عدالت میں ہوئی تو مَیں کئی نسخے اس کتاب کے ساتھ لے گیا اور قبل فیصلہ مقدمہ لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور قادیان میں بھی جہلم کے جانے سے پہلے کئی نسخے اس کتاب کے تقسیم کئے اور ایک نسخہ حسب دستور گورنمنٹ میں بھی بھیجدیا۔ اور آخر پیشگوئی کے مطابق کرم دین کے مقدمہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عدالت جہلم نے اس کو خارج کر دیا۔ یہ پہلا نشان ہے جو ظاہر ہوا۔ پھر ایک اور مقدمہ کرم دین مذکور نے فوجداری میں میرے پر گورداسپور کی عدالت میں دائر کیا اور اُسپر بھی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کی طرف سے ایک فوجداری مقدمہ دائر ہو گیا۔ ان مقدمات کے فیصلہ سے پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ انجام کار میں کرم دین کے مقدمہ سے بری کیا جاؤنگا مگر وہ سزا پائیگا چنانچہ وہ پیشگوئی مینے قبل فیصلہ مقدمہ کی اخبار الحکم اور البدر میں شائع کرادی۔ اور ایسا ہی ظہور میں آیا کہ کرم دین سزا پا گیا اور مَیں انجام کار بری کیا گیا اور یہ دو نشان تھے جو ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہوئے۔ اور پھر خدا نے مجھے خبر دی کہ ایک زلزلہ کا دھکا ظاہر ہوگا جس سے جانوں اور عمارتوں کا نقصان ہوگا یہ خبر بھی مَیں نے قبل از وقت الحکم اور بدر کے ذریعہ سے شائع کر دی چنانچہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو وہ زلزلہ آیا جس کی نقصان رسانی کی تفصیل بیان کرنیکی کچھ حاجت نہیں۔ یہ چوتھا نشان تھا جو ظاہر ہوا۔ پھر خدا نے مجھے خبر دی کہ موسم بہار میں ایک اور غیر معمولی زلزلہ آئیگا اور ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء کے بعد آئیگا چنانچہ ۲۷۔ فروری ۱۹۰۶ء کا دن گذرنے کے بعد رات کو بوقت ڈیڑھ بجے وہ زلزلہ آیا جس سے بہت سے گھر مسمار ہوئے اور بہت سی جانیں ضائع ہوئیں۔ اور یہ پانچواں نشان تھا جو خدا نے میری تائید میں ظاہر کیا۔ پھر ایسا اتفاق ہو گیا کہ ایک شخص چراغدین نام جموں کا رہنے والا جو ابتدا میں میرا مرید تھا مرتد ہو گیا اور اس نے پیغمبری کا دعویٰ بھی کیا۔ تب مینے اسکی نسبت بددعا کی اور مجھے خدا تعالیٰ سے الہام ہوا کہ خدا اسے فنا کر دیگا اور اسکو غارت کریگا اور اسپر غضب نازل کریگا اور اشارہ کیا گیا کہ وہ طاعون سے مریگا۔ اسی لئے مَیں نے طاعون کے رسالہ میں ہی (جو طاعون کے بارے میں مینے لکھا تھا) جسکا نام دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء ہے یہ پیشگوئی درج کی چنانچہ وہ اپنی کتاب منارۃ المسیح کے ایک برس بعد

(جس میں مجھے اس نے دجال قرار دیا ہے) اس قہر میں گرفتار ہوا۔ کہ اول دو لڑکے اور ایک لڑکی اس کی طاعون میں مبتلا ہوئے۔ اور پھر ۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو خود طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہان سے گذر گیا۔ اور یہ چھٹا نشان تھا جو خدا نے میری تائید میں ظاہر کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور نشان ظہور میں آیا۔ کہ اس نے اپنی طرف سے صریح لفظوں میں مباہلہ کیا اور اپنا ذکر کرکے اور میرا نام لے کر خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ ہم دونوں میں سے جو مفتری اور حق کا دشمن ہے۔ خدا اسکو فنا کردے اور حق اور باطل میں فیصلہ کردے۔ اسکی اس دعا پر صرف دو تین روز ہی گذرے تھے۔ کہ وہ خدا کے مواخذہ کے نیچے آگیا۔ اور ایک دردناک عذاب کے ساتھ مرا۔ بھلا اس سے زیادہ دردناک کونسا حادثہ ہوگا؟ کہ پہلے اس نے اپنے عزیز اور نوجوان دو بیٹے اپنی آنکھ کے سامنے مرتے دیکھے اور اس پُر مصیبت حادثہ کو مشاہدہ کرلیا کہ دونوں نوجوان بیٹے اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگئے اور پھر بعد اس کے اسی طاعون سے بصد حسرت آپ موت کا پیالہ پیا اور ربانی حالت کا یہ نمونہ دکھایا کہ دونوں لڑکوں کے مرنے کے بعد اسکے کلمات یہ تھے کہ خدا بھی میرا دشمن ہوگیا۔ یہ ساتواں نشان تھا جو ظہور میں آیا۔ پھر بعد اس کے ایک اور نشان ظاہر ہوا کہ ایک شخص ڈوئی نام جو امریکہ کے صیہون نام ایک شہر میں رہتا تھا اور اس نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور الہام کا بھی مدعی تھا۔ میں نے اسکو مباہلہ کے لئے بلایا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا اور بہت تکبر دکھایا اور میں نے اسکی نسبت انگریزی رسالہ میں شائع کیا۔ کہ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ چنانچہ امریکہ کے اخباروں میں بھی یہ مضمون شائع ہوگیا۔ اب وہ کچھ عرصہ سے فالج کے مہلک مرض میں گرفتار ہوگیا اور ساری پیغمبری اسکی دریا برد ہوگئی اور چراغدین کی طرح اس نے بھی ثابت کردیا کہ جھوٹا پیغمبر کس طرح جلد پکڑا جاتا ہے۔ اور اب امریکہ سے خبر آئی ہے۔ کہ وہ قریب المرگ ہے*۔ یہ آٹھواں نشان ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے میری تائید میں ظاہر کیا۔ ایسا ہی خدا نے مجھے اپنی پاک وحی سے خبر دیکر فرمایا تھا "اے بسا خانۂ دشمن کہ تو ویراں کردی" جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ بہت سے دشمن مر جائیں گے اور انکا گھر ویران ہو جائیگا۔ چنانچہ مجھکو سیالکوٹ وغیرہ کتنے مقامات سے خط آئے ہیں۔ کہ اس سال میں کئی سخت طبع اور ناپاک دل دشمن جو سخت متعصب تھے مع عیال و اطفال اس جہان سے گذر گئے۔ جن کی تفصیل کسی مستقل رسالہ میں انشاء اللہ درج کیجائے گی۔ یہ نواں نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے اسی سال میں میری تائید میں ظاہر فرمایا۔ پھر میں نے اپنے متواتر اشتہارات میں باربار شائع کیا تھا۔ کہ دنیا میں سخت سخت زلزلے آئیں گے اور بعض ان میں سے قیامت کا نمونہ ہونگے اور بہت موت ہوگی۔ چنانچہ ایسے زلزلے فارموسا چین اور رسان فرانسسکو ملک امریکہ اور اٹلی میں آگئے اور وہ درحقیقت ایسے خوفناک ہیں کہ جو شخص پہلے میرے اشتہارات کو پڑھیگا اور پھر ان زلزلوں اور عام تباہی کا نظارہ اس کی نظر کے سامنے آجائے گا تو اسکو بہرحال اقرار کرنا پڑیگا کہ یہ وہی پیشگوئیاں ہیں جو پہلے میری طرف سے ہوچکی ہیں۔ یہ تین نشان ہیں۔ جنکے ملانے سے بارہ نشان ہوتے ہیں جو ان دنوں میں ظہور میں آئے اور پانچ اور زلزلوں کا وعدہ ہے۔ جن کی انتظار کرنی چاہیئے۔

بعض نادان کہتے ہیں کہ اگر یہ زلزلے امریکہ وغیرہ کے اس شخص یعنی اس عاجز کی تائید اور تصدیق کے لئے آئے ہیں۔ تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ان ملکوں کے لوگ تو اس کے نام سے بھی بے خبر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اول تو

* تازہ خبر ڈوئی کے متعلق یہ بھی آئی ہے کہ اس کی خیانت اور ناجائز تعلقات اسکے مریدوں پر ظاہر ہوگئے اور انہوں نے [illegible]

جھوٹ ہے کہ وہ لوگ میرے نام سے بیخبر ہیں۔ امریکہ کے مشہور اور نامی اخباروں میں کئی دفعہ میرا اور میرے دعویٰ کا ذکر آچکا ہے۔ بلکہ انہیں اخبار والوں نے لکھا تھا کہ پنجاب سے فلاں شخص ڈوئی کو جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔ مباہلہ کے لئے بلاتا ہے اور ڈوئی اس سے بھاگتا ہے۔ اس صورت میں وہ بے خبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ ماسوائے اس کے جبکہ تمام دنیا کے زلزلوں کی نسبت اُن زلازل سے پہلے جو اب ظہور میں آئے میری پیشگوئیاں شائع ہو چکی ہیں۔ اور قبل واقع ہونے ان پیشگوئیوں کے انگریزی میں وہ رسالے میری جماعت کے لوگوں کو جو انگریز ہیں اور امریکہ کے بعض حصوں میں رہتے ہیں پہنچ چکے ہیں۔ اور اُس ملک میں عام طور پر بھی وہ رسالے شائع ہو چکے ہیں۔ تو اس صورت میں امریکہ کے لوگ ان پیشگوئیوں سے بیخبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے ان ممالک میں محض قہری طور پر زلزلے آئے ہیں اور چونکہ ان زلازل کی نسبت پیشگوئیاں پہلے ہو چکی ہیں۔ اس لئے وہ لوگ اس نشان سے انکار نہیں کر سکتے۔ ہاں جو موتیں ان میں واقع ہوئی ہیں۔ وہ ان کے گناہوں اور فسق فجور کی وجہ سے ہیں اور یہ زلزلے میری طرف سے انکو رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ میں نے ہی قبل از وقت ان کو ان آفات کی خبر دی ہے۔ غرض ہلاک ہونیوالے اپنے سابق گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور جنہیں پیشگوئی کی خبر ملے گی۔ انکے لئے وہ نشان ہوا۔ اگر وہ اس نشان کو ٹال دیں گے۔ تو پھر کوئی اور عذاب آئیگا۔

اب جبکہ یہ دس نشان تازہ بتازہ ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہو چکے ہیں اور دشمنوں کو بہت کوفت اور ہم وغم پہنچا ہے تو مذکورہ بالا الہام میں خدا تعالیٰ پیشگوئی کے طور پر فرماتا ہے کہ ایک ناگوار امر ظاہر ہوگا جو کسی قدر دشمنوں کی خوشی کا باعث ہو جائیگا۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا امر ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ یہی ہماری عادت ہے کہ کبھی ہم دشمن دین کو بھی خوش کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ خادمان دین کو خوش کرتے ہیں۔ لیکن انجام پرہیزگاروں کے لئے ہوتا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ المشتھر۔ خاکسار میرزا غلام احمد مسیح موعودؑ - ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۶ء۔ روز یکشنبہ

عیسائیوں کی شرمناک حرکات

ایک عیسائی اخبار کی کوتہ اندیشی۔ تجلی عیسائیوں کا ایک رسالہ ہے جو لاہور سے نکلتا ہے اسے شروع سے ہی امامنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سخت عداوت اور بغض رہا ہے جسکی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آپ حضرت مسیحؑ کی موت کو ثابت کرتے ہیں۔ ابتدا میں جب رسالہ ترقی میں اس قسم کے مذہبی مضامین ہوتے تھے جن کے لئے اب تجلی مخصوص کیا گیا ہے اس وقت اس میں نہایت سفیہانہ الفاظ میں سلسلہ احمدیہ کے پیشوا کا ذکر ہوتا رہا۔ اور نہایت گندے اور حقارت آمیز الفاظ میں اس سلسلہ پر حملہ ہوتے رہے جب عیسائی صاحبان سیر ہو کر گالیاں نکال چکے اور اس سلسلہ نے اپنے امامؑ کی تعلیم کے مطابق صبر سے ان سب کو برداشت کیا تو اس کے بعد اس کے ایڈیٹر صاحب کو متانت کا خیال آیا اور ایک گذشتہ

اشاعت میں آپ نے یہ ظاہر کیا کہ آپ اس قسم کے مذہبی مناظرات سے اپنے رسالہ کو پاک رکھنا چاہتے ہیں مگر آپ کی تو یہ ایک شترانجوڑ کی توپ سے بڑھکر نکلی اور اگلے ہی نمبر میں آپ نے اپنے کالموں کو پھر اکبر مسیح کے سفیہانہ حملوں کے لئے کھولدیا۔ اس سے مجھے تعرض نہیں جو چاہیں وہ لکھیں لیکن تعجب یہ ہے کہ بھیڑیے کا کام کرنے کے لئے وہ بھیڑ کا لباس کیوں ضروری سمجھتے ہیں تجلی اپریل کے پرچے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دو جگہ پر ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ایڈیٹوریل نوٹوں میں جہاں اڈیٹر صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی تحریریں صلح اور اتفاق کی مانع ہیں۔ قلم ہاتھ میں لیکر جو جی میں آئے لکھدینا آسان ہے مگر خداوند عالم کے حضور جوابدہی مشکل۔ اگر آپکے پُر کدورت سینہ میں رائی کے دانہ کے برابر بھی سچائی کی محبت ہوتی تو پہلے آپ اپنے بزرگوں پر یہ اتہام لگاتے جنہوں نے دوسرے مذاہب کے مقدس رہبروں کا ذکر گندے سے گندے الفاظ میں کیا ہے۔ اور خصوصًا جو غصہ اور جوش و خروش مقدسوں اور راستبازوں کے سردار سید الرسل حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر نکالا ہے اور جس طرح پر کھلے الفاظ میں آپ کو نعوذ باللہ ڈاکو اور لٹیرا اور دجال کہا ہے اور ایسے ایسے نام رکھے ہیں جنکو ایک مسلمان نقل بھی نہیں کر سکتا۔ ان سب باتوں کا ذکر کرتے کیونکہ جو عناد اور بغض قوموں کے درمیان پیدا ہوا ہے وہ ان ناپاک تحریروں سے ہوا ہے جنکے بانی مبانی آپکے ہی بزرگ پادری صاحبان ہیں۔ جو اپنے دشمنوں سے محبت رکھنے اور اپنی ستانیوالوں کے لئے دعا مانگنے کی بجائے اپنے محسنوں سے دشمنی رکھتے اور اپنے لئے دعا مانگنے والوں کو ستاتے ہیں۔ کیا آپ لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ آپ اور آپکے ہم پیشہ جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں کے لوگوں کے ہی مقدس رہبروں کو گالیاں نکالکر انکی دل آزادی کرتے ہیں؟ کیا آپ کو خبر نہیں کہ ہندوستان میں تم نے کیسا زہریلا بیج بویا ہے اور کیا کیا فساد اور اشتعال پیدا کرنیوالی تحریریں شائع کی ہیں؟ ۔لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

جس بنا پر اخبار تجلی میں بغض اور عداوت پھیلانیکا اتہام حضرت مرزا صاحب پر لگایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص چراغدین کی طاعون سے ہلاکت پر آپنے یہ لکھا ہے کہ اس نے رسالت کا جھوٹا دعوٰی کیا اور اس لئے جو پیشگوئی اسکے لئے چار سال پہلے کی گئی تھی اسکے مطابق ہلاک ہوا۔ یہاں دیکھنے والی بات تو صرف اسقدر تھی کہ آیا یہ پیشگوئی واقعی ایک کتاب میں شائع ہو چکی تھی یا نہیں اور پھر اسی کے مطابق وہ شخص مارا گیا یا نہیں۔ لیکن پادری صاحبان کے سینے اس قدر پر از کینہ ہو رہے ہیں کہ ایک سچی اور صریح پیشگوئی کو تسلیم کرنیکی بجائے اصل بات کو ٹالکر ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے جسکو پیشگوئی سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ لوگوں کو فیصلہ تو یہ کرنا چاہیئے تھا کہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی یا نہیں اور کہ آیا آئندہ کا ایسا باریک علم کہ چار سال پیشتر ایک شخص کے انجام کی ایسی خبر دیجاوے اور پھر اسکو کتاب میں شائع کر دیا جاوے پیشگوئی کا منجانب اللہ ہونا ثابت کرتا ہے یا نہیں اگر پیشگوئی پوری ہو گئی ہے اور ایسی صفائی سے پوری ہوئی ہے کہ کھلے طور پر منجانب اللہ ثابت ہوتی ہے تو اسپر یہ اعتراض کرنا کہ اس سے خدا کی نسبت پست خیال پایا جاتا ہے اور دشمنی بڑھتی ہے۔ سراسر حماقت اور پرلے درجہ کی بیہودگی ہے۔ اور اگر پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو آپکا حق اسپر جرح کرنیکا ہے

مگر عیسائی صاحبان کا اس پہلو پر آنا جو فیصلہ کی راہ ہے اونٹ کے سوئی کے ناکے میں سے گذر جانے سے بھی مشکل ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس راہ میں ذلت اور ناکامی انکے پلّے پڑیگی۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ "ملک میں صلح کرانا ایک ناپاک کام سمجھا جاتا ہے" سو اول تو یسوع مسیح کے الفاظ کو مدنظر رکھکر یہ بات لکھتے تو خوب ہوتا بہر حال وہ لفظ میں آپکے لئے نقل کر دیتا ہوں یہ لفظ آپکے عقیدہ کے بموجب متی یوحنا کسی نے یسوع کے قصہ میں لکھے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ غلط ہوں مگر اس کا فیصلہ آپ ہی کرینگے "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرواتے آیا ہوں صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانیکو آیا ہوں" متی ۱۰۔۳۴ پس اگر پہلا مسیح صلح کے لئے نہیں آیا تھا تو دوسرے مسیح پر صلح نہ کروانے کا عیب کیوں لگاتے ہو۔ علاوہ ازیں اگر صلح سے آپ کا یہ منشا ہے کہ خواہ کوئی شخص دنیا میں کیسا ہی ناپاک اور گندے سے گندہ کام کرے اسکو برا نہ کہا جائے تو ایسی صلح عیسائیوں کو مبارک ہو۔ خدا کی طرف سے جو مامور آئیگا وہ تو پھاڑ پھاڑ کر فسق و فجور کو اور ہر ایک بدی کی راہ کو برا کہے گا۔ اب اگر چراغدین اپنے اس دعوے میں سچا تھا کہ وہ خدا کی طرف سے رسول ہو کر آیا تو کم از کم آپ لوگ تو اسکے پیرووں میں داخل ہو جاتے تاکہ ایک صادق کی معیت کا فخر آپ کو حاصل ہو جاتا اور اگر وہ جھوٹا تھا جیسا کہ پیشگوئی کے پورا ہونے نے بتا دیا تو اس کو اسکے بد انجام سے متنبہ کرنا کیونکر عیب کا کام ہو گیا اور پھر جب آخر اس نے افترا علی اللہ سے توبہ نہ کی اور مطابق پیشگوئی کے ہلاک ہوا تو یہ واقعہ جو صادق اور کاذب میں معیار ہو گیا[*] اور جس نے اس سلسلہ کی حقانیت کو اظہر من الشمس کر دیا گو شپرچشم اس نور کو نہ دیکھ سکیں تو اس پیشگوئی کے پورا ہونیکو دنیا پر ظاہر کرنا تاکہ دوسرے لوگ اس کے بد انجام سے عبرت پکڑیں کسطرح محل اعتراض بن گیا۔ افسوس ہے اس فہم پر کہ جو امر دنیا میں خدا کے جلال اور اس کے مامور کے صدق کو ظاہر کرنیوالا ہو اسی پر عیب لگایا جاوے۔ باقی رہی مسیح کی تعلیم کے ایسے فقرات کہ دشمنوں سے بھی محبت کرو اس سے بہتر نصائح مسیح موعود کی تعلیم میں موجود ہیں۔ مگر کیا حضرت مرزا صاحب نے اس سے کوئی عداوت کی؟ نہیں بلکہ خود اس نے نشانوں کا مشاہدہ کرکے اور مامور کو پہچانکر افترا کی راہ اختیار کی اور خدا سے دشمنی کی پس وہ خدا کے غضب میں پکڑا گیا اور جیسا کہ اس نے خود لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود کو برا کہنے والے طاعون سے ہلاک کئے جاوینگے وہ خود ہلاک کیا گیا کیونکہ اسپر حجت پوری ہو چکی تھی۔ اگر آپکے نزدیک خدا کے غضب کا بدکاروں پر نازل ہونا ماننا خدا کے متعلق پست اور وحشیانہ خیالات ہیں۔ تو پھر یسوع مسیح کے بھی ایسے ہی پست اور وحشیانہ خیالات ماننے پڑینگے نعوذ باللہ من ذٰلک۔ دیکھو خود مسیح نے طاعونوں اور زلزلوں اور مصائب اور ہلاکتوں کا دنیا میں آنا اپنے آنیکا نشان بتایا۔ مگر اے نور ایمان سے اندھو ایک چراغدین کی ہلاکت کے بالمقابل یہ کتنی بڑی ہلاکتیں ہیں۔ اور وہ واقع بھی ہو رہی ہیں۔ کیا سان فرانسسکو کے عیاش عیسائی شہر کو خدا نے تباہ کیا یا کسی اور نے؟ کیا یہ سنت اللہ ہے یا نہیں کہ بدکاروں پر اسکا غضب جب انکی بدکاری حد سے گذر جائے اسی طرح نہیں بھڑکا کرتا ہے؟ یہ تو آپ لوگوں کی ایمانداری ہے کہ ایک بات کو جب ہم پیش کریں تو اسے خدا کے

[*] کتاب دافع البلاء کا نام معیار اہل الاصطفاء بھی اپنی اندر ایک پیشگوئی رکھتا تھا جس کو چراغدین کی موت نے پورا کر دیا۔ منہ

متعلق پست خیالات قرار دیتے ہو۔ اور خود اس سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر باتیں مانتے ہو یہی آپ لوگوں کا طریق بحث ہے کہ ہر پہلو میں کجروی اختیار کرتے اور پھر اپنے آپ کو راستی کے حامی بتاتے ہو۔ اور یہ فقرہ کہ ہم لوگ "اپنے بھائی کی مصیبت پر بجائے افسوس کرنیکے خوش ہوتے ہیں" یہ محض افترا ہے۔ یہ واقعہ تو دنیا کے سامنے عبرت کے لئے پیش کیا جاتا ہے کہ تا لوگ سچے اور جھوٹے میں فرق کریں نہ کہ خوشی کے لئے۔ ہم تو افسوس کرتے ہیں آتھم کی موت پر۔ لیکھرام کی موت پر۔ چراغدین کی موت پر۔ مگر ان لوگوں نے راستی سے عداوت کی۔ اور ناراستی سے پیار کیا۔ اس لئے خدا کے غضب میں پکڑے گئے پس صرف عبرت کے لئے ہم انکے واقعات کو پیش کرتے ہیں۔

دوسری جگہ پر جہاں اس رسالہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کیا ہے۔ اس قدر دریدہ دہنی سے کام لیا ہے کہ خود ایڈیٹر رسالہ اس کی سختی کا اعتراف کرتا ہے۔ مگر وہ اسکو ترکی بہ ترکی جواب قرار دیکر اپنے رسالہ میں درج کرتا ہے۔ مگر کیا وہ دکھا سکتے ہیں کہ جن الفاظ میں مضمون کے لکھنے والے اکبر مسیح نے ایک عظیم الشان جماعت کے پیشوا کا ذکر کیا ہے انہیں الفاظ میں چشمہ مسیحی میں ینابیع الاسلام کے مصنف یا عیسائیوں کے پیشوا کا ذکر کیا گیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر معلوم ہوا کہ یہ عذر ترکی بہ ترکی جواب کا ایک مجذوم دل نے کوئی پرانا کینہ نکالنے کے لئے کیا ہے۔ افسوس ہے کہ چشمہ مسیحی کی ایک بھی بات کا جواب دینے کے بغیر بار بار اس شخص نے گندی گالیاں اپنے مضمون میں نکالی ہیں۔ ایڈیٹر کہتا ہے کہ "غالباً مرزا صاحب کے رسالہ کو پڑھکر انکے دل میں وہی روح کام کر گئی ہے" مگر اونکو غلطی لگی ہے۔ یہ تو کسی انجیل نویس کی یا خود مسیح کی روح ہی کام کر گئی ہے۔ کیونکہ انجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح بھی فقیہوں اور فریسیوں کو گدھے اور سانپوں کے بچے وغیرہ الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے۔ ہاں چیلا گرو سے ذرا آگے بڑھ گیا ہے۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعودؑ

۲۔ اپریل ۱۹۰۶ء الہام۔ ھوالذی ارسل رسوله بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کله۔ ان الله قد من علینا۔ "کل خواب میں مولوی عبدالکریم صاحب کو دیکھا۔ اور میں انہیں کہتا ہوں کہ دعا کرو کہ دشمنوں پر خدا مجھے غلبہ دے" "اور پھر آج دیکھا کہ وہ میرا نام لیکر کہتے ہیں کہ کیوں لوگ انکی مخالفت کرتے ہیں اور کیوں نہیں مانتے اور بڑی جوش اور غضب کر رہے ہیں" "اور چند روز ہوئے دیکھا تھا کہ ایک انگریز ہمارے گھر میں داخل ہوا ہے ساتھ محمود ہے گویا تلاشی لینا چاہتا ہے اور پاس ہی میر ناصر نواب صاحب کھڑے ہیں وہ اشارہ سے مجھے کہتے ہیں کہ یہ انگریز حاکم ہے تلاشی کی غرض سے آیا ہے میں دل میں کہتا ہوں کہ اسجگہ تلاشی کے لئے کونسی مشتبہ چیز ہے صرف ہماری تصانیف کے مسودات ہیں معلوم نہیں کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے مگر ناصر اور محمود کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اگر کوئی امر مکروہ بھی ہے تو انجام اچھا ہے ایسی خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں یہ ضرور نہیں کہ تلاشی سے مراد تلاشی ہی ہے بلکہ کوئی اور پوشیدہ جستجو اس سے مراد ہو سکتی ہے جسکا انجام ظاہری بریت اور صفائی ہو" واللہ اعلم بالصواب۔ "چند روز ہوئے

یہ الہام ہوا تھا انا نبشرك بغلام۔ نافلة لك ممکن ہے کہ اسکی یہ تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا ہو کیونکہ نافلہ پوتے کو بھی کہتے ہیں یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو۔" ۴-اپریل ۱۹۰۶ء- یاتیك الفرج -۸-اپریل ۱۹۰۶ء (۱) رب ارنی زلزلة الساعة (۲) یریکم الله زلزلة الساعة -۹-اپریل ۱۹۰۶ء رب ارنی زلزلة الساعة (۱) یریکم الله زلزلة الساعة (۳) اریك زلزلة الساعة (۴) یسئلونك احق هو- قل ای وربی انه لحق ولا یردّ عن قوم یعرضون (۵) نصرٌ من الله و فتحٌ مبین (۶) اراد الله ان یبعثك مقاماً محموداً- (۷) هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله- . . . . . . (۸) وقت صبح- الامراض تشاع والنفوس تضاع- ترجمہ (۸) امراض پھیلائی جائیں گی اور جانیں ضائع کیجائیں گی۔ فرمایا یہ الہام پہلے بھی ہو چکا ہے اب پھر ہوا ہے اور خوف ہے کہ اس سے کیا مطلب ہے، معلوم نہیں کہ قادیان کے متعلق ہے یا پنجاب کے متعلق ہے -۱۳-اپریل ۱۹۰۶ء تاالله لقد اثرك الله علینا وان کنا لخٰطئین- ۱۴-اپریل ۱۹۰۶ء- رؤیا- دیکھا کہ طاعون ترقی کر رہی ہے- الہام (۱) زلزلہ آیا زلزلہ آیا- رؤیا- دیکھا کہ زلزلہ آرہا ہے- الہام (۲) انا ارسلنا الیکم رسولاً شاهداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً- ۱۵-اپریل ۱۹۰۶ء- رؤیا- دیکھا کہ ایک بڑا سانپ ہے جس کی گردن مگھ (مرغابی) کی طرح بڑی ہے- وہ میرے پیچھے دوڑا- میں ایک اونچی جگہ دیوار پر چڑھ گیا اور اسکو مخاطب کر کے کہا- خدا قاتل تو باد- مرا از دستِ تو محفوظ دارد- اس کے بعد یہ نظارہ دیکھا کہ گویا میں اُس سانپ پر سوار ہوں اور اس سانپ کی گردن میرے ہاتھ میں ہے- اور وہ چاہتا ہے کہ اُلٹ کر مجھے کاٹے- تب میں نے زیادہ تر سر کے قریب سے اسکو پکڑا تا کہ وہ کاٹ نہ سکے- فقط- فرمایا- اس رؤیا میں کسی فتنہ کی خبر دیگئی ہے کوئی مخفی دشمن ہے، جو کسی رنگ میں نیش زنی کریگا- مگر نامراد رہیگا- ۱۶-اپریل ۱۹۰۶ء- الہام- انی حفیظك یعنی میں تیری نگہبانی کروں گا- ۱۷-اپریل ۱۹۰۶ء- حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو رؤیا میں دیکھا- کہ زندہ ہوگئے ہیں- فرمایا- اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے کوئی ایسا نشان دکھائے جس سے دین اسلام کی زندگی مخلوق پر ثابت ہو جائے- ۲۴-اپریل ۱۹۰۶ء- فرمایا آج رات بیماری کی حالت میں الہام ہوا تھا- اشفنی من لدنك وارحمنی- ترجمہ- مجھے اپنی طرف سے شفا بخش اور رحم کر- فرمایا- چند روز ہوئے کہ کشفی نظر میں ایک عورت مجھے دکھلائی گئی اور پھر الہام ہوا- ویلٌ لهذه الامراة وبعلها- ترجمہ- اس عورت کے لئے عذاب مقدر ہے اور اس کے خاوند کے لئے بھی- ۲۷-اپریل ۱۹۰۶ء- (۱) ربّ لا تضیّع عمری وعمرها واحفظنی من کل آفة ترسل الیّ ترجمہ- اے میرے رب میری اور اسکی عمر کو ضائع نہ کریو اور مجھے اُن تمام آفات سے محفوظ فرمائیو جو میری طرف بھیجی جاویں-(۲) انه نازل من السماء ما یغنیك- ترجمہ- تحقیق خدا آسمان سے وہ چیز اتارنیوالا ہے جو تجھے غنی کر دیگی (۳) اریك ما یرضیك- ترجمہ- تجھے وہ چیز دکھلاؤنگا جو تجھے خوش کر دیگی- (۴) عندی حسنة هی خیرٌ من جبل- ترجمہ میرے پاس بھلائی ہے جو پہاڑ سے بہتر ہے- (۵) الم تعلم ان الله علی کل شیءٍ قدیر- ترجمہ- کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (۶) آسمان سے دودھ اُترا ہے- محفوظ رکھو- ۲۸-اپریل ۱۹۰۶ء (۱) تیری خوش زندگی کا سامان ہو گیا ہے- (۲) الله خیرٌ من کل شیءٍ- ترجمہ- اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز سے بہتر ہے- ۲۹-اپریل ۱۹۰۶ء (۱) دشمن کا بھی ایک وار نکلا- (۲) وتلك الایام

نداولها بین الناس- ترجمہ- یہ دن (خوشی اور غم یا فتح اور شکست کے) ہم (نوبت بہ نوبت) لوگوں میں پھیرا کرتے ہیں-

مئی ۱۹۰۶ء کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں ۱۱

۴۔مئی ۱۹۰۶ء۔ انی مع الاکرام لولاک لما خلقت الافلاک۔ ترجمہ تحقیق میں بزرگوں کے ساتھ ہوں۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ ۵۔مئی ۱۹۰۶ء۔ رؤیا۔ ایک شخص نے ایک دوائی کولا ماٹن کی ایک بوتل دی جو سرخ رنگ کی دوائی ہے۔ اور بوتل بند کی ہوئی ہے۔ اور اس پر رسیاں لپیٹی ہوئی ہیں۔ ظاہر دیکھنے میں تو بوتل ہی نظر آتی ہے مگر جس شخص نے دی ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ کتاب دیتا ہوں۔ دیکھنے میں تو بوتل ہی نظر آتی تھی۔ لیکن کہنے میں وہ شخص اس کا نام کتاب رکھتا ہے۔ اس وقت میں کہتا ہوں کہ اسکا وقت آگیا ہے۔ اس کو نوکر رکھا جائے۔ اور میں نے اس کتاب پر دستخط کر دیئے ہیں۔ پھر الہام ہوا۔ یہ میری کتاب ہے۔ اسکو کوئی ہاتھ نہ لگاوے مگر وہی جو میرے خاص خدمتگار ہیں۔ پھر الہام ہوا۔ اللہ یعلینا ولا نعلی۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اونچا کریگا ہم نیچے نہیں کئے جاوینگے۔ فرمایا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ ہم دشمنوں پر غالب ہونگے۔ اور دشمن سے مغلوب نہ ہونگے۔ ۵۔مئی ۱۹۰۶ء الہام۔ پھر بہار آئی۔ تو آئے ثلج کے آنیکے دن ثلج کا لفظ عربی ہے۔ اس کے ایک تو یہ معنے ہیں کہ وہ برف جو آسمان سے پڑتی ہے۔ اور شدت سردی کا موجب ہو جاتی ہے اور بارش اس کے لوازم سے ہوتی ہے۔ اسکو عربی میں ثلج کہتے ہیں۔ ان معنوں کی بنا پر اس پیشگوئی کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ بہار کے دنوں میں آسمان سے ہمارے ملک میں خدا تعالیٰ غیر معمولی طور پر یہ آفتیں نازل کریگا۔ اور برف اور اس کے لوازم سے شدت سردی اور کثرت بارش ظہور میں آئے گی۔ اور دوسرے معنے اس کے عربی میں اطمینان قلب حاصل کرنا ہے۔ یعنی انسان کو کسی امر میں ایسے دلائل اور شواہد میسر آجاویں جن سے اسکا دل مطمئن ہو جائے اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں تقریر موجب ثلج قلب ہو گئی یعنی ایسے دلائل قاطعہ بیان کئے گئے کہ جن سے کلی اطمینان ہو گئی۔ اور یہ لفظ کبھی خوشی اور راحت پر بھی استعمال کیا جاتا ہے جو اطمینان قلب کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب انسان کا دل کسی امر میں پوری تسلی اور سکینت پالیتا ہے تو اسکے لوازم میں سے ہے کہ خوشی اور راحت ضرور ہوتی ہے۔ غرض یہ پیشگوئی ان پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اس پیشگوئی پر غور کرنے سے ذہن ضروری طور پر اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اسجگہ ثلج کے دوسرے معنے ہیں یعنی یہ کہ ہر ایک شبہ و شک کو دور کرنا اور پوری تسلی بخشنا۔ تو اسجگہ اس فقرہ سے یہ بھی مراد ہو گی کہ چونکہ گذشتہ دونوں زلزلوں کی نسبت کج طبع لوگوں نے شبہات بھی پیدا کئے تھے۔ اور ثلج قلب یعنی کلی اطمینان سے محروم رہ گئے تھے مگر بہار کے موسم میں ایک ایسا نشان ظاہر ہو گا جس سے ثلج قلب ہو جائیگی۔ اور گذشتہ شکوک و شبہات بکلی دور ہو جائیں گے اور حجت پوری ہو جائیگی۔ اس الہام پر زیادہ غور کرنے سے یہ بھی قریب قیاس معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے دنوں تک صرف ایک نشان نہیں بلکہ کئی نشان ظاہر ہو جائیں گے اور جب بہار کا موسم آئیگا تو اسقدر تواتر نشانوں کی وجہ سے دلوں پر اثر ہو گا کہ مخالفین کے مونہہ بند ہو جائیں گے اور حق کے طالبوں کے دل پوری تسلی پائیں گے اور یہ بیان اس بنا پر ہے کہ ثلج کے معنی تسلی پانا اور شکوک اور شبہات سے رہائی ہو جانا سمجھے جائیں لیکن اگر برف اور بارش کے معنے ہوئے تو خدا تعالیٰ کوئی اور سماوی آفت نازل کریگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ پھر ۶۔مئی ۱۹۰۶ء۔ روز یکشنبہ کو الہام ہوا۔ ولا تکلمنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون۔ وعدٌ علینا حق۔ یعنی ان لوگوں کے بارہ میں میرے ساتھ بات نہ کر۔ جو ظالم ہیں یعنی دنیا کو دین پر مقدم رکھتے ہیں اور دنیا کے ہموم و غموم میں لگ کر دین کے پہلو سے لاپرواہیں میں انکو ضرور غرق کرونگا اور ناکامی میں ڈالونگا۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے جو نہیں ٹلیگا۔ میرے خیال میں یہ الہام ہماری جماعت کے بعض افراد کی نسبت ہے جو دنیا کے ہموم و غموم میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور دین کی فکر اور غم سے لاپرواہیں۔ گویا خدا تعالیٰ مجھے ہدایت فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے دعا مت کر انکی شفاعت مت کر کیونکہ جیسا کہ انکا دین مر گیا۔ انکی دنیا بھی مریگی۔ ظاہر ہے دعا اور شفاعت دوستوں کے لئے ہوتی ہے نہ دشمنوں کے لئے۔ پس اسی قرینہ سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ الہام خاص دوستوں کے لئے ہے اور ایک بڑے عذاب سے انکو ڈرایا گیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ عذاب دوسروں کے لئے بھی ہو۔ مگر ایسے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ بظاہر اس جماعت میں داخل ہیں مگر انکی حالت دنیا پرستی کی ہمارے اصول کے مخالف ہے۔ ۷۔مئی ۱۹۰۶ء۔ الہام۔ کلیسیا کی طاقت کا نسخہ

تمام جماعت احمدیہ کے لئے اعلان

چونکہ ڈاکٹر عبدالحکیم اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے جو پہلے اس سلسلہ میں داخل تھا۔ نہ صرف یہ کام کیا کہ ہماری تعلیم سے اور ان باتوں سے جو خدا نے ہم پر ظاہر کیں۔ مونہہ پھیر لیا بلکہ اپنے خط میں وہ سختی اور گستاخی دکھلائی اور وہ گندے اور ناپاک الفاظ میری نسبت استعمال کئے کہ بجز ایک سخت دشمن اور سخت کینہ ور کے کسی کی زبان اور قلم سے نکل نہیں سکتے اور صرف اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ بے جا تہمتیں لگائیں اور اپنے صریح لفظوں میں مجھکو ایک حرام خور اور بندۂ نفس اور شکم پرور اور لوگوں کا مال فریب سے کھانیوالا اقرار دیا اور محض تکبر کی وجہ سے مجھے پیروں کے نیچے پامال کرنا چاہا۔ اور بہت سی ایسی گالیاں دیں۔ جو ایسے مخالف دیا کرتے ہیں جو پورے جوش عداوت سے ہرطرح سے دوسرے کی ذلت اور توہین چاہتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ پیشگوئیاں جنپر ناز کیا جاتا ہے کچھ چیز نہیں مجھکو ہزارہا ایسے الہام اور خوابیں آتی ہیں جو پوری ہو جاتی ہیں۔ غرض اس شخص نے محض توہین اور تحقیر اور دل آزاری کے ارادہ سے جو کچھ اپنے خط میں لکھا ہے اور جسطرح اپنی ناپاک بدگوئی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ ان تمام تہمتوں اور گالیوں اور عیب گیریوں کے لکھنے کیلئے اس اشتہار میں گنجائش نہیں۔ علاوہ اس کے میری تحقیر کی غرض سے جھوٹ بھی پیٹ بھر بولا ہے مگر مجھے ایسے مفتری اور بدگو لوگوں کی کچھ پرواہ نہیں کیونکہ اگر جیسا کہ مجھے اس نے دغا باز، حرام خور، مکار، فریبی اور جھوٹ بولنے والا اقرار دیا ہے۔ اور طریق اسلام اور دیانت اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر مجھے ثابت کرنا چاہا ہے اور میرے وجود کو محض فضول اور اسلام کیلئے مضر ٹھہرایا ہے بلکہ مجھے محض شکم پرور اور دشمن اسلام قرار دیا ہے اگر یہ باتیں سچ ہیں تو میں اس کیڑے سے بھی بدتر ہوں جو نجاست سے پیدا ہوتا اور نجاست میں ہی مرتا ہے۔ لیکن اگر یہ باتیں خلاف واقعہ ہیں۔ تو میں امید نہیں رکھتا کہ خدا ایسے شخص کو اس دنیا میں بغیر مواخذہ کے چھوڑیگا جو مرید ہو کر اور پھر مرتد ہو کر اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو ذلیل سے ذلیل زندگی بسر کرنیوالے جیسے چوہڑے اور چمار (جو شکم پرور کہلاتے ہیں اور مردار کھانے سے بھی عار نہیں رکھتے) انکی مانند مجھے بھی محض شکم پرست اور بندۂ نفس اور حرامخور قرار دیتا ہے۔ اب میں ان باتوں کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا اور خدا کی شہادت کا منتظر ہوں اور اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا ہوں اور اس اشارہ پر ختم کرتا ہوں کہ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالا تعلمون۔

اب چونکہ یہ شخص اس درجہ پر میرا دشمن معلوم ہوتا ہے جیسا کہ عمر بن ہشام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور جان کا دشمن تھا۔ اس لئے میں اپنی تمام جماعت کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس سے بکلی قطع تعلق کرلیں اس کے ساتھ ہرگز واسطہ نہ رکھیں ورنہ ایسا شخص ہرگز میری جماعت میں سے نہیں ہوگا

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ آمین ثم آمین۔

المشتہر

خاکسار میرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود از قادیان ضلع گورداسپور

باہتمام چودھری اللہداد صاحب مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے لئے چھاپا گیا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۶ء | نمبر ۶

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور - ۲۰ - جون سنہ ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ -

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۴ مئی ۱۹۰۶ء۔ ھل اتٰلک حدیث الزلزلۃ۔ اذا زلزلت الارض زلزالھا۔ واخرجت الارض اثقالھا۔ وقال الانسان مالھا۔ یومئذٍ تحدث اخبارھا بان ربک اوحٰی لھا۔ ترجمہ۔ کیا تجھے زلزلہ کی خبر پہنچی نہیں کہ کس طرح واقع ہوگا۔ زمین ایک سخت دھکا دی جائے گی اور زمین جو کچھ اس کے اندر ہے۔ باہر پھینک دے گی یعنی اکثر جگہ ایسا ہوگا۔ تب انسان کہے گا کہ آج زمین کو کیا ہوگیا۔ وہ مقررہ طریقوں سے باہر چلی گئی ہے۔ (یعنی انسانوں پر حیرت طاری ہوجائے گی کہ انکے علوم اور تجارب کی حد سے باہر ظہور میں آئیگا۔ اس دن زمین اپنا قصہ بیان کریگی کہ اس پر کیا آفت آئی۔ کیونکہ خدا اپنے رسول کو اس کے مافی الضمیر کا ترجمان بنائیگا اور اس رسول کو وحی کریگا کہ کس باعث سے یہ غیر معمولی آفت ظہور میں آئی۔ اور پھر خدا تعالیٰ مجھے فرماتا ہے کہ یہ سب نشان تیرے لئے زمین پر ظاہر کئے جائینگے تا زمین کے لوگ تجھے شناخت کرلیں۔ ۱۸ مئی ۱۹۰۶ء۔ (۱) رؤیا میں دیکھا کہ کوئی شخص طاعون کے متعلق کہتا ہے۔ ابتک پیچھا نہیں چھوڑتی۔ (۲) زندگی کے آثار۔ اس وحی الٰہی کے تھوڑی دیر بعد سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب کا مدراس سے تار آیا جس میں سیٹھ صاحب کی بیماری سے افاقہ کی خبر تھی۔ فرمایا۔ پہلے خدا کا تار پہنچا۔ اور پیچھے بندوں کا۔ اس الہامی خبر سے صرف یہ سمجھا گیا کہ جس مضمون کا تار روانہ کیا گیا تھا اس مضمون سے خدا نے اطلاع دیدی۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۶ء (۱) انی مع الافواج اٰتیک بغتۃ۔ ترجمہ۔ میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس اچانک آؤنگا۔ (۲) اریک زلزلۃ الساعۃ انی احافظ کل من فی الدار۔ ترجمہ۔ میں تجھے وہ زلزلہ دکھاؤں گا۔ جو قیامت کا نمونہ ہوگا۔ میں ان سب کی حفاظت کرونگا جو اس گھر میں رہتے ہیں۔ ۲۲ مئی ۱۹۰۶ء تردّ علیک انوار الشباب۔ سیاتی علیک زمن الشباب۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علٰی عبدنا فاتوا بشفاءٍ من مثلہ۔ رُدّ علیھا روحھا وریحانھا۔ یعنی تیری طرف نوجوانی کے یعنی قوتیں جوانی کی رد کی جائیں گی اور تیرے پر زمانہ جوانی کا آئیگا یعنی جوانی کی قوتیں دیجائیں گی تا خدمت دین میں حرج نہو۔ اور اگر تم اے لوگو! ہمارے اس نشان سے شک میں ہو تو اس کی نظیر پیش کرو۔ اور تیری بیوی کی طرف بھی صحت اور تازگی رد کی جائے گی۔ فقط۔ ان الہامات کا باعث یہ ہے کہ عرصہ تین چار ماہ سے میری طبیعت نہایت ضعیف ہوگئی ہے بجز دو وقت ظہر اور عصر کے نماز کے لئے بھی نہیں جا سکتا۔ اور اکثر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں اور اگر ایک سطر بھی کچھ لکھوں یا فکر کروں تو خطرناک دوران سر شروع ہوجاتا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے جسم بالکل بیکار ہو رہا ہے اور جسمانی قویٰ ایسے مضمحل ہوگئے ہیں۔ کہ خطرناک حالت ہے۔ گویا مسلوب القویٰ ہوں اور آخری وقت ہے۔ اور ایسا ہی میری بیوی ام المرضٰی ہے امراض رحم و جگر دامنگیر ہیں۔ پس مینے دعا کی تھی کہ خدا تعالیٰ وہ مجھے پہلی قوت جوانی کے عالم کی عطا کرے تا میں کچھ خدمت دین کر سکوں اور اپنی بیوی کی صحت کے لئے بھی دعا کی تھی۔ اُس دعا پر یہ الہام ہوئے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے۔ خدا تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عیسائی مذہب میں ریوائول یا نئی زندگی

آج کل عیسائیوں میں ریوائول یعنی ایک نئے نفخ روح کا بہت چرچا ہے۔ کسی عیسائی اخبار کو اٹھا کر دیکھو تو اس کے کالموں کے کالم مجالس ریوائول کے ذکر سے بھرے ہوئے پاؤگے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب سے پنتیکست کے دن حواریوں پر روح القدس کا نزول بڑی آندھی کی آواز کے ساتھ اور آگ کی زبانوں کے ذریعہ ہوا تھا اس وقت سے آج تک ایسا عظیم الشان نزول روح کا کسی زمانہ میں نہیں ہوا۔ ان مجالس میں جو ریوائول کی غرض سے منعقد کیجاتی ہیں بڑی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ لوگ کبھی روتے اور کبھی قہقہے لگا کر ہنستے ہیں اور اکٹھے بلند آوازوں سے گیت گاتے ہیں اور دردناک اضطراب سے دعائیں کرتے ہیں۔ بیخودی کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ کانپتے ہیں۔ ناچتے ہیں۔ چیختے ہیں چلاتے ہیں اور اور ایسی ہی دیوانگی کی حرکات کرتے ہیں جس کی وجہ نزول روح القدس بیان کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک تو یہ مسیحؑ کی آمد ثانی کی علامات ہیں گویا کلیسیا مسیح کی آؤبھگت کے لئے تیاری کر رہی ہے۔ اور بعض کے نزدیک مسیح کی آمد ثانی سے مراد یہی کلیسیا کی ریوائول یا تازہ زندگی ہے اور وہ وعدہ اسی طرح روح القدس کے نازل ہونے سے پورا ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس ریوائول کو عیسائی مذہب کی صداقت پر بڑی بھاری دلیل سمجھا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ ایک قوت قدسی عمل کر رہی ہے اور بہت سے گنہگار اپنے گناہوں کا اقرار کرکے معافی پاتے جاتے ہیں۔ ان دعاوی کی وجہ سے یہ ضروری معلوم ہوا کہ عیسائی مذہب میں اس نئی تحریک کے متعلق ناظرین کو کسیقدر تفصیلی علم دیا جاوے اور اس کی اصل حقیقت کو کھول کر بیان کیا جاوے۔

دو امور ہیں جن سے ریوائول کی اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ کس قسم کے لوگ ان مجالس میں عموماً شامل ہوتے ہیں اور دوسرا یہ کہ کونسی طرز اختیار کی گئی ہے۔ ان دونوں امور کے متعلق میں صرف عیسائیوں کی اپنی تحریروں سے جو ریوائول کی تعریفوں سے پر ہیں چند اقتباس پیش کرکے استدلال کروں گا۔ امر اوّل کے متعلق کہ کس قسم کے لوگ عموماً ان مجالس میں شامل ہوتے ہیں مفصلہ ذیل نوٹ جو اخبار کرسچین پیٹریٹ مدراس میں ایک

---

* ریوائول جس کے لفظی معنے تجدید یا از سرنو زندہ کرنیکے ہیں۔ عیسائیوں نے ایک خاص اصطلاح کے رنگ میں اس کا استعمال کیا ہے۔ منہ

مجلس ریوائول کے ذکر میں ہے کافی روشنی ڈالنے والا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ''روح سے بھری ہوئی لڑکیاں نہ اس غم کو ضبط کر سکتی ہیں جو گناہ کے لئے ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس خوشی کو ضبط کر سکتی ہیں جو نجات کے سبب سے ان کے دل محسوس کرتے ہیں وہ بلند آواز سے روتی ہیں پھر زور سے ہنستی ہیں۔ کبھی انپر لرزہ آجاتا ہے کبھی کانپنے لگ جاتی ہیں اور بعض خوشی کے ساتھ ناچتی ہیں'' اس کیفیت کو پڑھکر ہر ایک انسان کے دل میں جو غور اور فکر سے کام لے گا یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مسیحیت کے پُر جوش حامی اپنے اس نئے جوش میں ہسٹیریا اور مرگی کے ابتدائی معمولی عوارض کو روح القدس کے نزول سے تعبیر کر رہے ہیں۔ اسی قسم کی غلطی انجیل نویسوں نے حضرت مسیحؑ اور آپکے حواریوں کی طرف بھی منسوب کی ہے یعنی یہ کہ جس شخص کو صرع کا دورہ ہو اس کی نسبت انکا خیال تھا کہ بھوت اس میں داخل ہو گئے ہیں۔ جب ہم مجالس ریوائول کے حالات کو اور بھی غور سے پڑھتے ہیں تو یہ شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے کیونکہ جہاں کہیں ریوائول کی کامیابی ہوئی ہے وہ لڑکوں لڑکیوں اور عورتوں کے ان حرکات سے ہی ہوئی ہے چنانچہ چند حوالے جو مذکورہ بالا اخبار سے ہی لئے گئے ہیں اس کو تمام تر صفائی سے ثابت کرتے ہیں'' دیکھنے والوں کی یہ رائے تھی کہ بالخصوص مدرسہ کی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد پر واقعی روح القدس کا نزول ہوا تھا'' ''مدرسہ کا روزانہ کام جو جماعت میں کیا جاتا تھا اس کو چھوڑ دیا گیا اور ۷۵ لڑکیوں میں سے قریباً ہر ایک لڑکی نے جو بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی ہے نئے طور پر مذہب میں داخل ہونے کا اقرار کیا۔ امریکن میتھوڈسٹ انسٹیٹوشن میں بہت سے لڑکے عیسائی ہو چکے ہیں اور اب دوسروں کے لئے کام کر رہے ہیں'' ''بعض نئے گیت گائے گئے اور ان کا نام آسمانی گیت یا فرشتوں کا گیت رکھا گیا کیونکہ اول انکو بعض لڑکیوں نے گایا تھا جو بیخودی کی حالت میں تھیں'' ''وہ نوجوان لڑکی جس کو خدا نے ایسے حیرتناک طریق سے استعمال کیا ہے وہ بھی وہاں موجود تھی'' ''ہمارے بہت سے لڑکے جن پر ریوائول میں برکت نازل ہوئی تھی وہ اب تک قائم ہیں۔ بعض پہلی حالت کی طرف رجوع کر گئے ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ جسقدر وعظ یتیم لڑکے اب کرتے ہیں اس قدر پہلے انہوں نے کبھی نہیں کیا۔ یہ وعظ صرف ان لوگوں کو ہی نہیں کیا جاتا جو گروہ در گروہ بعض وقت ڈیڑھ ڈیڑھ سو کی تعداد تک قحط سے مجبور ہو کر مشنوں سے مدد مانگنے آتے ہیں۔ اور جن کو مشنوں کے یتیم لڑکے پُرجوش الفاظ میں خدا کی محبت کی کہانی سناتے ہیں'' ''میں یہ چند سطریں مکتی کے مقام سے لکھ رہی ہوں جہاں لڑکیوں اور عورتوں کو میں وعظ کر رہی ہوں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ لڑکیاں اور عورتیں ابھی حالت کفر سے عیسائی مذہب میں داخل ہوئی ہیں اور ان کی پہلی حالت اکثر صورتوں میں ایک نہایت ذلت کی حالت تھی'' ''ہم خدا کا شکر کر رہے ہیں کہ چینگلپٹ اور اس کے گرد و نواح میں ایک نئی روح کام کر رہی ہے خصوصاً بورڈنگ سکول کے لڑکوں اور لڑکیوں میں''

اب ان حوالجات سے معلوم ہوگا کہ روح القدس کی خاص نظر عنایت لڑکوں اور لڑکیوں پر ہی ہے اور جسقدر زور و شور سے روح القدس اپنا کام مدرسے کے نوجوان لڑکوں اور کمزور دل لڑکیوں میں کر رہی ہے اس کی نظیر عیسائیوں میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ تعجب ہے کہ عیسائی صاحبان لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے چلّانے پر یا انکے گناہوں کے اقرار کرنے پر اسقدر نازاں ہو رہے ہیں۔ حالانکہ نہ انکا رونا ہی قابل اعتبار ہے اور نہ ہنسنا ہی۔ چند لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے اور ہنسنے کو روح القدس کے نزول سے تعبیر کرنا عجیب احمقانہ خیال ہے۔ روح القدس ہوا بچوں کا کھیل ہوا۔ بہرحال ان حوالجات سے یہ ظاہر ہے کہ ریوائول کی مجالس میں وہی لوگ زیادہ اثر بیرونی تحریکات کا قبول کرتے ہیں جو دلوں کے کمزور ہیں اور جن کی دماغی حالت اس قابل نہیں کہ وہ کسی بیرونی تحریک کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ صورت نہ صرف ہندوستان میں ہی ہے بلکہ باہر بھی جہاں جہاں ریوائول کا تذکرہ پایا جاتا ہے وہاں صرف وہی لوگ ان مجالس میں زیادہ اثر قبول کرتے ہیں جن کے دل اور دماغ بچپن کی وجہ سے کمزور ہیں یا کسی عارضہ کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں چنانچہ ڈاکٹر ٹاری نے جو امریکہ کا مشہور ریوائول لیڈر ہے خود ایک وعظ کے اثنا میں فلاڈلفیا میں یہ بیان کیا۔ کہ دنیا میں سب سے زیادہ سخت لوگ ریوائول کا اثر قبول کرنیکے لئے وہ لوگ ہیں جو تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ شرابخور آدمی اور زناکار عورت آسانی سے اثر قبول کر لیتے ہیں مگر کالجوں کے گریجوایٹوں اور مذہبی طالب علموں پر اثر ڈالنا بہت مشکل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ شرابخوری اور زناکاری سے دل اور دماغ بالکل کمزور ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مجالس ریوائول کا اثر ان لوگوں پر آسانی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی بے اعتدالیوں سے خود اپنے دلوں اور دماغوں کو اسقدر کمزور بنا چکے ہیں کہ وہ ہر قسم کا اثر آسانی سے قبول کر سکتے ہیں۔ پس مجالس ریوائول میں جب کوئی آدمی رونے لگتا ہے تو ان کو بھی رونا آجاتا ہے کوئی ہنسنے لگتا ہے تو وہ بھی ہنس پڑتے ہیں۔ کوئی ناچنے لگتا ہے تو وہ بھی ناچنے لگ جاتے ہیں۔ مگر تعلیم یافتہ انسان جو ہر ایک امر کی حقیقت پر غور کرنے کے قابل ہوتے ہیں وہ کسی طرح ایسی بیہودہ حرکات سے اثر پذیر نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی ویلز میں محققین غور سے تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ زیادہ تعداد مجالس ریوائول میں ان لوگوں کی ہوتی ہے جو کمزور دل ہوتے ہیں یا وہ دھوکا باز لوگ بہت ہوتے ہیں جو ظاہر میں اپنے آپ کو نیک اور متقی دکھاتے ہیں اور انکے دلوں میں ریوائول کی ذرہ بھر بھی عظمت نہیں ہوتی۔ اور ان لوگوں کی تعداد جو واقعی ریوائول کی سچائی پر یقین رکھتے ہوں بہت ہی تھوڑی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک امر واقع ہے کہ مجالس ریوائول میں شریک ہونیوالوں میں نسبتاً زیادہ لوگ پاگل ہوتے ہیں جس سے اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے کہ دماغی حالتیں ان لوگوں کی عموماً اچھی نہیں ہوتیں۔

دوسرا امر غور طلب جس سے ریوائول کی حقیقت کا پتہ لگتا ہے۔ یہ ہے کہ مجالس ریوائول کس طرح پر ہوتی ہو

اور ان میں کیا کیا کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اس امر پر غور کرنے سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں جو اوپر بیان ہوا مجالس ریوائول میں جو جوش اور اضطراب پایا جاتا ہے وہ عموماً دیوانگی کی حالت تک پہنچا ہوا ہوتا ہے ایک شخص بڑے زور سے رونا شروع کرتا ہے دوسرے لوگ اس کے رونے سے اثر پذیر ہو کر اس کے ساتھ مل جاتے ہیں اور مجلس میں تعزیہ داری کی مجالس کی طرح گریہ و بکا کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ یکایک یہ حالت بدل جاتی ہے اور ایک شخص دیوانہ وار ہنسنا شروع کر دیتا ہے اور دوسرے لوگ بھی مل جاتے ہیں اور نجات کی وہمی خوشی میں ساری مجلس میں قہقہے لگنے شروع ہوتے ہیں۔ پھر ایک شخص یکایک کانپنے لگ جاتا ہے اور دوسرے یہ خیال کر کے کہ اس پر روح القدس نازل ہو گئی ہے اسکی نقل کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ وہ روح القدس کے نزول سے خالی نہ رہ جاویں۔ پھر نظارہ بدل جاتا ہے اور سب لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی دیوانہ وار ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب ناچکر تھک جاتے ہیں تو پھر گانا شروع کر دیتے ہیں یا دعا کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور جب یہ سب کچھ کر چکتے ہیں تو سب اسباب کو فرض کر کے کہ انکے گناہ یسوع مسیح لے گیا ہے اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ اخبار کرسچین پیٹریٹ کے مندرجہ ذیل ریمارکوں سے ان سب باتوں کی شہادت ملتی ہے۔

روح سے بھری ہوئی لڑکیاں نہ اپنے گناہوں کے لئے جو غم ہوتا ہے اسے اور نہ جو نجات کے لئے خوشی ہوتی ہے اسے ضبط میں رکھ سکتی ہیں وہ پہلے زور سے چلانا شروع کرتی ہیں پھر بلند آواز سے ہنسنے لگ جاتی ہیں کبھی کانپنے لگ جاتی ہیں۔ بعض خوشی سے ناچنا شروع کر دیتی ہیں اور قریباً سب کی سب بلند آوازوں سے اکٹھی ہو کر دعائیں مانگتی ہیں۔" میر انگ کے جلسہ ریوائول کے متعلق جسے سب سے بڑا جلسہ کہا جاتا ہے اور جہاں روح القدس کا نزول نہایت زبردست بیان کیا جاتا ہے یہ لکھا ہے کہ بہت آدمی حاضرین کے درمیان کھڑے ہو کر کئی کئی گھنٹوں تک ناچتے رہے۔ ایک دوسرے جلسے کے متعلق لکھا ہے کہ "دس دن کے کامل انتظار کے بعد روح گذشتہ منگل کو یقیناً نازل ہوئی۔ مجلس کی خصوصیت یہ تھی کہ خوشی اور مدح کے گیت گائے جاتے تھے۔ اور صرف یسوع کا ہی ذکر ہوتا تھا۔ جو لڑکے ہمیشہ سے چپ چاپ اور خاموش رہنے والے تھے۔ انہوں نے بھی گانا اور ناچنا شروع کر دیا اور بعض جنگ انکی یہی حالت رہی۔" آسام کے ریوائول کے متعلق پادری جونز لکھتا ہے "میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ایک نہایت ہی عجیب جلسہ ہے اور اس طرح کا دوسرا جلسہ ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہاں کوئی باقاعدہ عبادت نہ ہو گی یہ بالکل ناممکن ہے۔ لوگ سوائے اس کے کچھ نہیں کرتے کہ گاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور ناچتے چلے جاتے ہیں۔ بہت لوگ بالکل بیخودی کی حالت میں ہو جاتے ہیں اور کانپنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور انکی حالت ایسی ہوتی ہے کہ آدمی انکو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اس وقت لوگ ایک مذہبی جوش (دیوانگی) کی حالت میں ہیں اور کوئی آدمی انسے ایک لفظ بھی بول نہیں سکتا۔ ایک یا دو سفید پادریوں کی بھی یہی حالت ہو رہی ہے۔"

خاصیت کے جلسہ ریوائول کا ذکر پھر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "انکے گانے کو سنو یہ صرف دو یا تین فقروں کا ایک راگ ہے مگر قریباً ایک گھنٹہ میں ختم ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی سطر سیکڑوں دفعہ پڑھی جاتی ہے اور سب کے سب لوگ اس خوشی کے راگ میں از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔ ایک راگ نے جو ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے کہ "صرف یسوع ہی میری تمام حاجتوں کو پورا کر سکتا ہے" بعض لوگوں کو خوشی کے مارے دیوانہ بنا دیا۔ بہت سے عیسائی پہلے پہل انکے ناچنے کو دیکھ کر سخت حیران ہوتے ہیں بلکہ انکی ان حرکات کا نام ناچنا کہنے میں بھی تامل ہے۔ وہ اپنے جسموں اور ہاتھوں اور پیروں کو عجیب طرح سے اِدھر اُدھر ہلاتے ہیں۔ مگر انکی ان حرکات میں ایک چیز عجیب دلکش ہے۔ سیکڑوں لوگ بالکل بیخود ہو جاتے ہیں۔ اور انکو کانپتے اور ہلتے ہوئے دیکھنا ایک نہایت ہی دردناک نظارہ ہے مگر وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتے۔ اس کانپنے اور بیخودی کی کوئی وجہ مَیں نہیں بتا سکتا مگر میرا یقین ہے کہ روح اسقدر طاقت سے انپر نازل ہوتی ہے کہ انکے کمزور جسم اس کی برداشت نہیں کر سکتے"

ان واقعات کو پڑھکر کوئی شخص مجالس ریوائول میں شریک ہونیوالوں کی دیوانگی پر شبہ نہیں کر سکتا۔ مگر مجھے تو یہ بھی شبہ ہے کہ جو لوگ ان دیوانگی کی حرکات کو روح القدس کا نزول بتلاتے ہیں وہ خود بھی انہیں کے ساتھی ہیں۔ یہ پہلے دکھایا جا چکا ہے کہ وہی لوگ ان مجالس میں زیادہ اثر قبول کرتے ہیں جو دلوں کے کمزور ہیں یا جن کی دماغی حالتیں اچھی نہیں ہیں۔ پادری جونز صاحب کہتے ہیں کہ انکے کمزور جسم روح القدس کے طاقتور نزول کی برداشت نہیں کر سکتے مگر اصل بات یہ ہے کہ انکے کمزور دل اور دماغ ان تحریکات کی برداشت نہیں کر سکتے جو ایسے موقعوں پر ہوتی ہیں۔ اور بے بس ہو کر وہ ایسی حرکات دیوانگی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ روح القدس کوئی بچوں کا کھیل ہے جو اسے سوائے چند نادان لڑکوں اور لڑکیوں یا چند کمزور دل کے آدمیوں اور عورتوں کے پاس آنے کے اور کوئی شغل ہی نہیں۔ اور پھر اس نزول کا اظہار ان لغو حرکات یعنی رونا ہنسنا ناچنا کانپنا دیوانہ وار بکواس کرنا وغیرہ امور میں فرض کرنا اور بھی حماقت ہے۔ یہ دیوانگی کے نظارے صرف مجالس ریوائول سے ہی مخصوص نہیں بلکہ جہاں کہیں اس قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوگا وہاں ہی ایسے نظارے بھی ہونگے۔

ہاں یہ سوال بیشک پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریک ریوائول کی اس قدر دور دراز کے ملکوں میں ایک ہی وقت میں کیونکر پھیل گئی اسکی وجہ صرف نقل ہے۔ جسطرح ایک ہی مجلس میں ایک آدمی سے دوسروں کو یہ مرض لگ جاتی ہے اسی طرح ایک جگہ کی مجلس کا ذکر پڑھکر دوسرے مقاموں میں اسکی تحریک شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً جب ایک مجلس میں ایک آدمی کھڑا ہوتا ہے اور جن سیاہ کاریوں کا ارتکاب کیا ہوا ہوتا ہے انکا خیال دلپر غالب آکر اس کا دل اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔ تو دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پر روح القدس کا نزول ہو گیا ہے پس وہ روح القدس سے خالی رہنا نہیں چاہتے اور انکے کمزور دل بھی دوسرے

شخص کے رونے اور چلّانے سے موثر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اس کی وہ بھی اس کی نقل کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور یہ مرض سب میں پھیلنے لگ جاتی ہے۔ اس مجلس کی رپورٹ تمام عیسائی اخباروں میں شائع ہوتی ہے اور اس کے واقعات کو عجیب عجیب رنگ دیکر بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ روحانیت اس مذہب میں اسقدر مردہ ہو چکی ہے کہ اب ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہے والی مثال پر عمل کر کے ہر ایک بات سے عیسائی مذہب کی روحانیت نکالی جاتی ہے۔ پس جب اس مجلس کی کارروائی اخباروں میں شہرت پاتی ہے تو اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہ دلولہ اُٹھتا ہے کہ وہ بھی اس نیک نامی اور شہرت کو حاصل کریں نقل کرنیکی عادت تو انسانی فطرت میں ہے ہی۔ مگر اس سے بڑھکر نیک بنکر شہرت حاصل کرنیکی خواہش ہے۔ یہ دونوں باتیں ملکر اس امر کی محرک ہوتی ہیں کہ اس قسم کی مجالس جن کو روح القدس کے نزول کا فخر حاصل ہوا ہے دوسری جگہ بھی منعقد کی جاویں چنانچہ پہلے اس قسم کی تحریک کیجاتی ہے کہ فلاں جگہ ریوائول مجلس ہوئی اور اس طرح کی حرکات لوگوں نے کیں اور کہ یہ روح القدس کا نزول تھا پس جب سننے والوں کے دلوں میں اشتیاق پیدا ہوتا ہے تو ایسی طبیعتیں جو زیادہ اثر پذیر ہونیکے قابل ہوتی ہیں ریوائول مجلس کا نقشہ دوسری جگہ قائم کر دیتی ہیں۔ اور ایک متعدی مرض کی طرح ریوائول کی مرض شہر بہ شہر اور ملک بہ ملک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ جبتک عیسائی صاحبان ان ریوائول مجالس کی تعریف کر کے انکو آسمان پر چڑھاتے رہیں گے اور حرکات دیوانگی کو روح القدس کے نزول کا سبب بتاویں گے ضرور ہے کہ ہر جگہ لوگوں کے دلوں میں یہ خواہش روح القدس کیجائے نزول بننے کی ترقی کرتی جاوے۔ لیکن اگر پادری صاحبان آج تھوڑی سی اخلاقی جرأت کو کام میں لاکر یہ اعلان کر دیں کہ مجالس ریوائول محض لغو اور بیہودہ ہیں اور ان میں جو حرکات کی جاتی ہیں وہ حرکات دیوانگی سے بڑھکر کوئی وقعت نہیں رکھتیں تو بہت تھوڑے دنوں میں یہ خیالی نزول روح القدس کا بند ہو کر مرض ریوائول کی بیخکنی ہو جاوے گی۔ اور وہ کمزور دل لوگ جو اب چیخنے ناچنے اور کانپنے میں اپنا وقت ضایع کرتے ہیں کسی اور مفید کام میں لگ جاویں گے۔

یہ واقعات جنکا ذکر مینے اوپر کیا ہے۔ خود عیسائی اخباروں کے ریوائول نوٹس میں سے لئے گئے ہیں۔ چنانچہ اخبار کرسچین پیٹریٹ مدراس ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء کے پرچہ میں ریوائول لیڈروں کو ہدایات دیتا ہوا لکھتا ہے ”ریوائول کی خبریں ہندوستان کے اکثر عیسائی ہفتہ وار اخبارات میں ہوتی ہیں اور ریوائول کے خارجی نقشے نئے نئے رنگ دیکر کھینچے جاتے ہیں۔ پس عیسائی کارندوں کے سامنے یہ خطرہ ہے کہ ان خارجی علامات کو روح القدس کے نزول کی لازمی علامات سمجھکر وہ اپنے لوگوں کو مجبور کریں گے یا ان کو ترغیب دیں گے کہ وہ بھی وہی ظاہری حالات اختیار کریں۔ یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ لوگوں کو جب اطلاع ملتی ہے کہ دوسرے مقامات پر ریوائول کے

فلاں فلاں خارجی لوازمات ہیں۔ تو وہ بھی اپنے آپ کو انہیں باتوں کے اختیار کرنیکے لئے مجبور کرتے ہیں"۔ یہ بھی اس اخبار میں بیان کیا گیا ہے کہ اول اول ریوائول کسطرح ہوتا ہے اور اس کی تحریک کیا ہوتی ہے۔ اسٹریلیا کے ریوائول کا ذکر کرتے ہوئے ایک شخص اخبار مذکور کو لکھتا ہے۔ "اب تم یہ پوچھوگے کہ یہاں ریوائول کی ابتدا کسطرح ہوئی ہم نے مس ٹی کے بائبل کلاس ممبروں کو یہاں مدعو کیا۔ چاء کے بعد راگ گائے گئے اور دعائیں کی گئیں اور ویلز کے ریوائول پر لیکچر دیئے گئے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد انسانی کوششوں سے بالکل الگ جب ہم دعائیں کر رہے تھے روح القدس طاقت میں نازل ہوا۔ اور جب ہم نے سات آدمیوں یعنی دو مردوں اور پانچ لڑکیوں کو نجات کیلئے چلاتے ہوئے سنا تو سب لوگ حیران رہ گئے۔ مسیح انکے دلوں کے اندر داخل ہوگیا۔ اس وقت سے لے کر ہر ہفتہ میں انہیں امور کا اعادہ ہوتا ہے۔"

ریوائول کے لیڈر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو حرکات مجالس ریوائول میں ظاہر ہوتی ہیں وہ محض جسمانی نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ بعض لوگ گھنٹوں تک لرزہ کی اس حالت میں رہ کر جب ہوش میں آتے ہیں تو وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ یہ ہے پادریصاحبان کے پاس دلیل کہ واقعی جو حرکات ایسے موقع پر سرزد ہوتی ہیں وہ روح القدس کے نزول سے ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی صاحبان کو نہ یہ معلوم ہے کہ روحانی حالت کس حالت کا نام ہے اور نہ ہی ان کو روح القدس کے نزول کی کیفیت کا کچھ پتہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہی حرکات جو دوسرے بعض جاہل فرقوں کے اندر پائی جاتی ہیں انہی کی نقل ریوائول کی مجلسوں میں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً عیسائیوں کا ایک فرقہ "پنٹیکسٹ کے ناچنے والے" کہلاتے ہیں۔ انکے ایک جلسہ کا حال ایک ایسا شخص لکھتا ہے جس نے بچشم خود ان حالات کو دیکھا ہے۔ یہ حال اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں حال میں ہی شائع ہوا ہے۔ راقم مضمون لکھتا ہے۔ "عبادت بھجنوں کے گانے سے شروع ہوئی۔ عورتیں ایک عجیب لہجہ میں گاتی تھیں مگر جس شخص نے مکتی فوج کے کسی جلسہ کو دیکھا ہوگا اسے انکے گانے میں کوئی نئی بات معلوم نہ ہوتی تھی۔ پہلا عجیب امر یہ تھا کہ کمرے کے پچھلے حصہ سے ایک چیخ آئی۔ "آہ! میں بہشت میں ہوں" اور ایک بیمار کمزور لڑکی جس کو بعد میں میں نے دیکھا کہ اندھی بھی تھی۔ کرسیوں کے درمیان میں سے ہوتی ہوئی ایک ناشائستہ حرکت کے ساتھ سامنے آموجود ہوئی۔ بھجن گائے جاتے تھے اور ان میں کبھی کبھی کسی کی چیخ کی آواز آتی تھی۔ اتنے میں ایک لڑکی چلائی۔ "آہ میں بہت خوش ہوں" اور کھلی جگہ میں آگے پیچھے پھرنے لگی اور اپنے ہاتھوں کو راگ کے سُر کے مطابق پھیلاتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں کل کی کل عورتیں جو اگلی قطار میں تھیں ناچنے لگیں۔ جن میں سے ایک دو کسیقدر شرمیلا پن کے ساتھ ناچتی تھیں مگر سب کی سب پر ایک عجیب خوشی کی حالت طاری تھی۔ کبھی اوپر کو اچھلتی تھیں کبھی آگے بڑھتی تھیں کبھی پیچھے ہٹتی تھیں

اور کبھی چکر کھاتی تھیں۔"

اب اگر اس فرقہ کا نام ظاہر نہ کیا جائے تو ہر ایک شخص جس نے ریوائول کی مجالس کا کوئی ذکر پڑھا ہو گا اس ساری کیفیت کو کسی مجلس ریوائول کا ذکر ہی سمجھے گا۔ مگر کیا پادری صاحبان اس ناچنے اور گانے کو بھی روح القدس کی طرف ہی منسوب کریں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ ان لوگوں کو جاہل اور وحشی اور دیوانہ کا خطاب دیں گے۔ لیکن جب انہی باتوں کا اعادہ ریوائول کی مجالس میں ہوتا ہے تو ان کو روح القدس کے زبردست نزول کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے مجالس ریوائول میں لڑکے اور لڑکیاں خوشی کے نعرے بلند کرتے ہیں کہ ہم بچالئے گئے اور نجات پاگئے ایسا ہی یہاں ہوتا ہے۔ اسی طرح چیخیں ماری جاتی ہیں۔ وہی دیوانگی کی حرکات ہوتی ہیں وہی دیوانہ وار ناچنا اور اس کے ساتھ گانا اور دعا کرنا۔ عیسائیوں سے ہی یہ امر مخصوص نہیں بلکہ دیگر مذاہب کے جاہل فرقوں میں بھی ایسے ہی حالات مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ مثلاً نوشاہی فرقہ قادریہ کی ایک شاخ ہے۔ جو عموماً سال میں ایک دفعہ یا اس سے زیادہ اپنی مجالس قائم کرتے ہیں۔ ان مجلسوں میں قوال لوگ راگ گاتے ہیں۔ جن سے موثر ہو کر بہت لوگ بیخود ہو جاتے ہیں۔ پھر اس بیخودی کی حالت میں یکمرتبہ چیخ کر اسی قسم کی حرکات شروع کرتے ہیں جیسے مجالس ریوائول میں ہوتی ہیں۔ تب ان کو پکڑ کر پاؤں سے رسّا باندھکر کسی درخت پر سر نیچے کرکے لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور وہاں وہ دیر دیر تک خوب زور سے جھولتے رہتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد انکی بیخودی دور ہو جاتی ہے تو ان کو اتار لیا جاتا ہے۔ اور وہ ویسے کے ویسے ہی ہوتے ہیں۔ ایسا ہی اور کئی جاہل فرقوں کا حال ہے۔ اور ان میں بھی اس کے مشابہ حالات پائے جاتے ہیں۔ پس ان بیہودگیوں کو روح القدس کی طرف منسوب کرنے سے بڑھکر اور کیا بیہودگی ہو سکتی ہے۔ نہ ہی ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب کو ایک تازہ زندگی مل رہی ہے یا اس میں کوئی نئی روح پھونکی گئی ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جہالت کی نئی روح کا نفخ ہوتا جاتا ہے۔ بلکہ اگر ان مجالس میں کوئی بھی حرکت دیوانگی کی ظاہر نہ کیجاوے اور لوگ صرف گناہوں کا اقرار کریں اور دعائیں ہی مانگیں تو بھی یہ نہیں کہا جائیگا کہ یہ روح القدس کی تائید سے ہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ جیساکہ خود ایک عیسائی لکھتا ہے کہ "تم شور بھی ڈلوا سکتے ہو گناہوں کا اقرار بھی کروا سکتے ہو۔ اکٹھی دعائیں بھی کروا سکتے ہو۔ مگر ان باتوں سے تم تجدید دین نہیں کر سکتے۔"

جائے غور ہے کہ اگر یسوع مسیح محض ایک انسان ہی ہے اور اس سے بڑھکر کچھ نہیں۔ تو چند نادان لڑکوں اور بیوقوف لڑکیوں کے اس گیت کو ہزار بار دُہرانے سے کہ "یسوع ہی میری سب حاجتوں کو پورا کر سکتا ہے" ایک انسان کا خدا نہیں بن سکتا۔ وہ چند احمق جو پگٹ کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ وہ ایسے ہی کامل یقین سے پگٹ کو خدا سمجھ رہے ہیں جیسے وہ تیس۳۰ یا چالیس۴۰ کروڑ انسان جو یسوع کو خدا بنا رہے ہیں۔

وہ یکٹ کے جلال کے گیت ایسی ہی خوشی سے گاتے ہیں جیسے یسوع کے تبع یسوع کے جلال کے گیت گاتے ہیں۔ بلکہ وہ ان سے بھی بڑھکر خوش ہیں کیونکہ عیسائیوں کو تو اپنا فرضی خداوند نظر نہیں آتا مگر یکٹ کے مرید اپنے فرضی خدا کو اپنے سامنے موجود دیکھتے ہیں۔ پس اگر ہم مجالس ریوائول کی حرکات دیوانگی کو نظر انداز بھی کردیں۔ حالانکہ وہی حرکات ان کی عظمت کا اصل سرچشمہ ہیں۔ تو بھی محض حمد کے گیت گانے یا دردناک دعاؤں کے کرنے سے عیسائی مذہب کی تصدیق کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ انکی اصل وجہ تو ایک وہمی ڈر ہے اور ایک موہوم امید کہ یسوع ہماری ساری بدکاریوں کو اکٹھا کرکے لے گیا۔ رونے یا خوش ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ ان باتوں کی بنیاد بھی صحیح واقعات پر ہو جو رلانے یا ہنسانیوالی ہیں۔ ایک بت پرست جب بت کی پوجا کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اس کے سامنے جھکتا اور سجدہ کرتا ہے تو اس کا سوز وگداز عیسائیوں کے اس سوز وگداز سے کم نہیں ہوتا جس کا ظہور مجالس ریوائول میں ہوتا ہے۔ پس یہ سچ اور جھوٹ کے امتیازی نشان نہیں ہیں بلکہ ان ظاہری حالات میں سب لوگ قریباً قریباً مشابہ ہیں۔

عیسائی صاحبان روح القدس کو بچوں کا کھیل بنا رہے ہیں کہ چند جاہل اور دیوانہ لوگوں یا نادان لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے اور چلانے کو اس کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ کیونکہ محض ایک آدمی کے اقرار گناہ سے یا گذشتہ گناہوں کے لئے زار زار رونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ واقعی اس کے اندر ایک پاک تبدیلی بھی ہوگئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو تبدیلی روح القدس کے ذریعہ ظہور میں آتی ہے۔ وہ مستقل ہوتی ہے اور ایک فوری جوش کا نتیجہ نہیں ہوتی حالانکہ مجالس ریوائول کی کل کارروائی ایک فوری جوش کی وجہ سے ہوتی ہے۔ روح القدس کا نزول اسوقت ہوتا ہے جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مستحکم اور مضبوط تعلق کے لئے پوری مستعدی پائی جائے حالانکہ محض رونے سے خدا کے ساتھ کوئی ایسا پاک تعلق نہیں ہوجاتا بلکہ ایک جھوٹے معبود کی عبادت کرتا ہوا بھی انسان رو پڑتا ہے۔ اور بعض لوگ تو جھوٹے قصوں کو پڑھ کر رو پڑتے ہیں۔ قرآن کریم نے تضرع کو انسان کی روحانی ترقی کا پہلا مرتبہ قرار دیا ہے اور صرف رونے کو قابل اعتبار نہیں ٹھہرایا جبتک کہ روحانیت کے دوسرے مراتب بھی انسان طے نہ کرلے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ .... وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ ۔ ان آیات میں اول مرتبہ مومن کی روحانی ترقی کا خشوع قرار دیا ہے۔ جو اسے یاد الٰہی میں میسر آئے۔ اب ایک طرف تو خشوع پہلا مرتبہ ہونے کے سبب سے بطور ایک تخم کے ہے جس کے اندر وہ تمام نقش وغیرہ مخفی طور پر رکھے گئے ہیں جو کامل روحانیت کے حاصل ہونے کے بعد کھلے طور پر ظاہر ہوجاتے ہیں۔ مگر دوسری طرف یہ امر بھی ظاہر ہے کہ اگر اس پہلے مرتبہ سے انسان ترقی نہ کرے تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو ضائع ہوگیا۔ علاوہ ازیں یہ حالت

رونے اور خشوع کی جیسے پاک تعلق سے جو انسان کو خدا کے ساتھ حاصل ہو پیدا ہوسکتی ہے ویسے ہی اس ناپاک تعلق سے جو غیر اللہ کے ساتھ لوگ پیدا کرتے ہیں اس کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صورت اول میں یہ بیج نشوونما کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور پہلے مرتبہ کے بعد اگلے مراتب کے حصول کی استعداد رکھتا ہے مگر دوسری صورت میں یعنی جب یہ تعلق بوجہ غیر اللہ کے ساتھ ہونے کے ناپاکی کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہو نشوونما پانیکی استعداد اس کے اندر نہیں ہوتی اور وہ حالت صرف رونے تک ہی ختم ہوجاتی ہے جیسا کہ مجالس ریوا ئول کے حالات سے اس امر کا پتہ لگتا ہے۔ پس جس صورت میں سوز و گداز اور رقت اور رونا ایک بت پرست کو بت کی عبادت کرتے ہوئے اور ایک عیسائی کو یسوع کی عبادت کرتے ہوئے اور ایک مسلمان کو خدائے واحد کی سچی فرمانبرداری کرتے ہوئے میسر آسکتا ہے تو یہ درجہ امتیاز کلی کا درجہ نہ رہا بلکہ یہ ایک پہلا مرحلہ ہے جس کو طے کرنیکے بعد اگر انسان دوسرے مراتب بھی طے کرلے تو سمجھو کہ اس کا سوز و گداز اور رقت قلب وغیرہ حقیقت اور سچائی اور تعلق باللہ پر مبنی تھے۔ ورنہ یہ ایک معمولی اور فوری جوش کا نتیجہ تھا۔

دوسرا مرتبہ روحانی ترقی کا جو سچے سوز و گداز کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ ہے جس کو قرآن کریم نے والذین ھم عن اللغو معرضون سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ لوگ پھر لغو کاموں اور لغو حرکتوں اور لغو باتوں سے بچتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایک انسان ایک مجلس میں تو بلند آواز سے پکار پکار کر روتا ہو۔ اور پھر ساتھ ہی اس کے وہاں اٹھکر لغو کاموں اور لغو حرکات کا مرتکب ہو تو اس کا رونا دھونا محض لاحاصل اور لغو ہے۔ بلکہ معلوم ہوا کہ اسکا رونا ایک عارضی جوش کی وجہ سے تھا ورنہ اگر سچے دل سے انسان کا سوز و گداز پیدا ہو تو پھر ضروری ہے کہ وہ لغویت سے بچے اور جو کیفیت اس کے دل پر رقت اور سوز و گداز کی کسی وقت میں طاری ہوئی ہو اس کا اثر اس کے دل پر ہمیشہ رہے اور وہ اثر صرف اسی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انسان لغویت سے بچے۔ کیونکہ جس شخص کے دل سے لغویت کے خیالات دور نہیں ہوئے اس کا سوز و گداز کسی کام کا نہیں۔ پھر اس کے بعد تیسرا مرتبہ روحانی ترقی کا زکوٰۃ بیان کیا ہے جو تزکیہ نفس کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ بلکہ زکوٰۃ سے مراد ہی تزکیہ نفس ہے۔ دعا اور نماز میں سوز و گداز تزکیہ نفس کے حصول کے ہی ذرائع ہیں پس جو شخص اپنی نمازوں کے سوز و گداز کو تزکیہ نفس کا ذریعہ نہیں بناتا وہ اصل مقصد سے دور جارہا ہے۔ دوسری بات یہ ظاہر ہے کہ اگر انسان کا سوز و گداز واقعی ایک سچے تعلق کی بنا پر ہے یعنی تعلق باللہ کا نتیجہ ہے تو ضرور ہے کہ اس سے تزکیہ نفس میں ترقی کرے اور جہاں تزکیہ نفس میں ترقی نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ سوز و گداز بھی حقیقی نہیں۔ اس کے بعد چوتھا مرتبہ حفاظت فروج کا ہے یعنی ہر قسم کے شہوات سے بچنا کیونکہ بغیر اس کے تزکیہ نفس ممکن نہیں۔ پھر پانچواں مرتبہ امانت اور عہد کی رعایت کا ہے جس سے مراد نہ صرف ایسے عہد اور اقرار کی پابندی ہے جو انسانوں سے کیا جاوے بلکہ اس سے بھی بڑھکر ضروری

اس عہد کی پابندی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اس مرتبہ کا تعلق سوز و گداز سے یوں ہے کہ جب انسان نہایت عاجزی سے اپنی خطاؤں کا اقرار اپنے مولیٰ کے حضور کرتا ہے۔ تو اس اقرار کا اصل منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ آئندہ ایسے امور سے مجتنب رہیگا جو ناراضگی الٰہی کا موجب ہیں۔ کیونکہ اصل میں توبہ صرف گناہوں کے اقرار اور گناہوں کے لئے رونے کا نام نہیں۔ جیساکہ ریوائول کے حامی فرض کر رہے ہیں۔ بلکہ اصل توبہ یہ ہے کہ انسان آئندہ کے لئے ان گناہوں سے بچنے کا پختہ وعدہ کرے۔ پس جو شخص اس وعدہ پر قائم نہیں اسکا رونا دھونا بھی عبث اور ایک کھیل ہے۔ قابل تعریف کسی انسان میں یہ امر نہیں کہ وہ اپنے پچھلے گناہوں کو یاد کرکے کسقدر رویا اور کسقدر لوگ اس کے چیخنے چلانے سے متاثر ہوئے۔ بلکہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ کسقدر استقامت اس نے آئندہ گناہوں سے بچنے میں اور اس عہد کے پورا کرنے میں دکھائی جو توبہ کے وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ اب جب ہم مجالس ریوائول کا حال دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سارا زور رونے پر ہی ہے۔ اور اکثر لوگ جو ایک مجلس میں پھوٹ پھوٹ کر روتے اور سامعین کو متاثر کرتے ہیں وہ دوسری مجلس کے انعقاد کے وقت تک انہی بدکاریوں میں پھر گرفتار ہو چکے ہوتے ہیں جن سے توبہ کی تھی۔ یہ کہنا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نہایت ذلیل حالت سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ایک اچھی حالت پر قائم نہیں رہ سکتے خود اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انکا رونا دھونا روح القدس کے نزول کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ روح القدس کے نزول سے ثابت قدمی ملتی ہے اور جب تک دل میں گندگی خباثت باقی ہو وہ روح القدس کے قبول کرنیکی استعداد سے بھی خالی ہوتا ہے۔ ایسا ہی امانت سے مراد نہ صرف انسانی امانتیں ہیں بلکہ انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اس کے تمام قویٰ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں پس جو شخص انکی نگہداشت نہیں کرتا اور دقائق تقویٰ سے کام نہیں لیتا وہ محض اپنے رونے دھونے کی وجہ سے منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا اور روحانی کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد چھٹا مرتبہ روحانی ترقی کا آتا ہے جس کو قرآن شریف نے وَالَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس مرتبہ پر پہنچکر مومن کسی دوسرے کی تذکیر اور یاد دہانی کا محتاج نہیں رہتا بلکہ وہ خود اپنی نمازوں پر محافظ اور نگہبان ہوتا ہے۔ یعنی ایسا تعلق اسکو خدا تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی وقت یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتا بلکہ ہر دم اس کا یاد الٰہی میں گذرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ اور اتم ہے۔ نماز اور دعا میں جو سوز و گداز پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے مالک کے حضور میں پاتا ہے۔ اور اس دوری کی وجہ سے جو اس میں اور خدا تعالیٰ میں اسکی اپنی بدکاریوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے وہ روتا ہے اور اس کا رونا محض اسی مقصد کے پانیکے لئے ہوتا ہے کہ اس کا ہر لحظہ خداوندی حضوری میں گذرے اور اس کی جناب سے وہ کسی وقت بھی دور نہ کیا جاوے تا شیطان اسپر قابو نہ پا سکے پس جس شخص کو یہ مرتبہ محافظت علی الصلوٰۃ کا حاصل ہو گیا وہ اس اعلیٰ مقصد تک پہنچ گیا۔ یہی مرتبہ روح القدس کے

نزول کے وقت کو بتلاتا ہے۔ کیونکہ جب انسان کا ایسا مستحکم تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہو جاتا ہے تو پھر حق تعالےٰ ایک روح اس کے روحانی قالب میں داخل کرتا ہے جس کا تعلق اس روحانی قالب سے ویسا ہی ہوتا ہے جیسا حیوانی روح کا تعلق جسم انسان سے اور جیسے انسانی بناوٹ کی تکمیل جسم انسانی میں روح کے داخل ہونے سے ہوتی ہے انسان کی روحانی تکمیل اس روح القدس کے نزول سے ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ عیسائی صاحبان نے روح القدس اور اس کے نزول کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ فرض کر لیا کہ ناچنا گانا بجانا بیہودہ حرکات کرنا ہنسنا اور رونا یہ سب کچھ روح القدس کی وجہ سے ہی ہو رہا ہے۔

جس طرح روح القدس کی حقیقت کو پادری صاحبان نے نہیں سمجھا اسی طرح ریوالول یا تجدید دین کی حقیقت سے بھی وہ لوگ بالکل بے خبر ہیں۔ تجدید کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت قدیم سے اس کے متعلق کیا چلی آئی ہے[۲] کہ جب کبھی وہ زمین کو شرک اور فساد سے پُر دیکھتا ہے اور گناہوں کا سیلاب دنیا پر پھر جاتا ہے اور دنیا کی لوگ بکلی مردار دنیا پر گر جاتے ہیں اور بیباکی اور شوخی سے ارتکاب معاصی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ایک خاص بندے کو چن لیتا ہے اور اس کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک کر کے دنیا کی اصلاح کے لئے مامور فرماتا ہے اور اپنے کلام سے اس کو مشرف کرتا ہے اور اپنے چمکتے ہوئے نشان اس کو دیتا ہے تا وہ لوگوں کو راہ ہدایت پر لاوے۔ پس ایسا انسان خدائے تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشان لوگوں کو دکھاتا ہے اور اس طرح پر ان کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کی ہستی اور اس کے تصرف تام اور اس کے علم اور طاقت کے متعلق ایک زندہ یقین پیدا کرتا ہے جس کا نام ایمان ہے یہی وہ نعمت ہے جس کو پاکر انسان ہر ایک قسم کے معاصی سے بچ سکتا ہے اور یہی وہ دولت ہے جس کے کھوئے جانے سے انسان اللہ تعالیٰ سے الگ ہو کر شیطان کے تسلط میں آجاتا ہے۔ پس جب تک دلوں میں زندہ ایمان پیدا نہ ہو اس وقت تک ارتکاب معاصی سے نفرت اور بیزاری بھی پیدا نہیں ہوتی یہی تجدید دین و ایمان ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے ایمان دلوں سے سلب ہو چکا ... ہوتا ہے اور خواہ زبان پر خدا کا نام ہو بھی تو بھی دلوں میں نہ اسکی ہستی کا یقین تام ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی عظمت اور جلال کا نشان ہوتا ہے۔ جو شخص تاریخ انبیاءؑ پر نظر غائر ڈالیگا وہ دیکھ لیگا کہ ہمیشہ سے یونہی تجدید دین ہوتی چلی آئی ہے۔ اور یہ کام ہمیشہ سے انبیاءؑ کرتے چلے آئے ہیں۔ انسانوں کو حقیقی نیکی اور پاکیزگی کی راہوں پر چلانا یہ فخر اسی قوم کو حاصل رہا ہے۔ اس اخیر زمانہ کے لئے تجدید دین کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک عظیم الشان ضلالت کے وقت میں جو اخیر زمانہ میں ظہور میں آنیوالی ہے اپنے ایک نبی کو دنیا کی اصلاح کے لئے مامور کرے گا اور اسکا نام مسیح موعودؑ ہوگا۔ سو ایسا ہی ہوا کہ عین اسوقت میں جب سب قومیں چلا اٹھیں کہ موعود مصلح کے آنیکے سب نشان پورے ہو چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت مرزا غلام احمدؑ کو مامور فرمایا کہ وہ گم شدہ

[۲] انبیاء کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ تجدید اسی طرح سے ہوتی ہے اور یہی سنت خدا تعالیٰ کی قدیم سے چلی آئی ہے

ایمان کو خدائے تعالیٰ کے تازہ نشان مشاہدہ کرا کر دوبارہ دلوں میں قائم کرے یہ مصلح سنت الٰہی کے مطابق اس تجدید اور اصلاح کے کام میں مشغول ہے اور یہ اصلاح اور تجدید جو اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہی ہے، اسی طرح آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہی ہے جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے وقت میں ہوا کہ آہستہ آہستہ لوگوں پر انکا اثر پڑتا گیا۔ اگر پادری صاحبان کے نزدیک یہی ریوائول کی مجلسوں کا ناچنا اور گانا ہی تجدید اور اصلاح ہے۔ تو جس طرح سیکڑوں پیشگوئیاں آخری زمانہ میں ایک مرسل کے آنیکی ہیں وہ کوئی ایک ہی پیشگوئی اس قسم کی بھی نکالکر دکھادیں کہ ناچتے ہوئے آدمیوں۔ کانپتے ہوئے لڑکوں اور چیختی ہوئی لڑکیوں کے ذریعہ سے بھی کوئی تجدید اور اصلاح ظہور پذیر ہوگی۔ اگر ایک بھی اس قسم کا وعدہ انجیل یا توریت میں ہو تو پھر مجالس ریوائول کی حقیقت کو زیادہ غور سے دیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی لیکن جب صورت میں نہ کوئی اس قسم کی پیشگوئی ہے نہ کوئی وعدہ کتب مقدسہ میں ہے۔ نہ ہی سنت اللہ کے مطابق یہ امر ہے تو ان لغو حرکات کا نام تجدید اور اصلاح رکھنا پادری صاحبان کی پرلے درجہ کی حماقت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مختصر حالات

سلسلہ احمدیہ کے مختصر حالات اور عقائد گزشتہ پرچے میں شایع ہوئے ہیں۔ لیکن انکی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ ناظرین رسالہ کو اس سلسلہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود کے مختصر حالات سے بھی آگاہ کیا جاوے۔ اس ذکر میں حضرت موصوف کے عقائد کا ذکر نہیں آئے گا کیونکہ وہ ذکر سلسلہ احمدیہ کے حالات کے اثنا میں آچکا ہے۔ میں ان حالات کو حضرت اقدس ؑ کے اپنی قلم سے لکھے ہوئے ایک مضمون سے شروع کرتا ہوں جو آپنے اپنی سوانح کے متعلق ایک شخص کی درخواست پر لکھا تھا اور جو کتاب البریہ کے حاشیہ میں چھپا ہوا ہے۔ وہ مضمون یہ ہے۔

"میرے سوانح اس طرح پر ہیں کہ میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضٰے اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پردادا صاحب کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے*

* عرصہ ۱۷ یا ۱۸ برس کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادے فارسی الاصل ہیں۔ وہ تمام الہامات انہی دنوں میں براہین احمدیہ حصص میں درج کردیئے تھے جن میں سے میری نسبت

اور میرے بزرگوں کے پُرانے کاغذات سے جواب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور اُنکے ساتھ قریباً دوسو آدمی اُنکے توابع اور خدام اور اہل وعیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اُس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہو گئے جسکو انہوں نے آباد کر کے اسکا نام اسلام پور رکھا جو پیچھے سے اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ قاضی رہا اور پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔ اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ علاقہ جسکا طولانی حصہ قریباً ساٹھ کوس ہے اُن دنوں میں سب کا سب ماجھہ کہلاتا تھا۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھہ تھا کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اُس ملک میں بھی وہ معزز امرا اور خاندان والیان ملک میں سے تھے اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اُس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہ وقت کی طرف سے بہت دیہات بطور جاگیر انکو ملے۔ چنانچہ اس نواح میں ایک مستقل ریاست انکی ہو گئی۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پرداداصاحب میرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جنکے پاس اسوقت چوراسی گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے اُن کے قبضہ سے نکل گئے تاہم اُنکی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دیئے ہوئے تھے جو اب تک انکے پاس ہیں۔ غرض وہ اس

ایک یہ الہام ہے خُذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس۔ یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے لوکان الایمان معلقًا بالثریّا لنالہٗ رجل من فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جاکر اسکو لے لیتا اور پھر ایک تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے انّ الذین کفروا ردّ علیھم رجل من فارس شکر اللّٰہ سعیہٗ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے انکے مذاہب کو رد کر دیا۔ خدا اسکی کوشش کا شکر گذار ہے یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اولین فارسی تھے۔ والحق ما اظہرہ اللّٰہ۔ منہ

طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانچسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ انکے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے جن کے کافی وظیفے مقرر تھے اور انکے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا۔ اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تارک نماز ہو۔ یہاں تک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پانچ وقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔ اور گرد و نواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا مکّہ کہتے تھے۔ کیونکہ اس پُر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ مَیں نے خود اُس زمانہ سے قریب زمانہ پانیوالوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے کہ گویا وہ اُس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیان دین اور صلحاء اور علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے۔ اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ میرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں سے اور صاحب خوارق و کرامات تھے۔ جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلاء قادیان میں جمع ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات انکی ایسی مشہور ہیں جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی صفت میں نہایت مشہور تھے اور انکی مجلس میں بیٹھنے والے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ مَیں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا اور اُس نے میرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور انکے اس مختصر دربار کو نہایت متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پُر پایا تب وہ چشم پُر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو مَیں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بد وضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جاوے۔

اسجگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہو گا کہ میرے پردادا صاحب موصوف یعنی میرزا گل محمد نے

ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطبا نے اتفاق کرکے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا مگر جرأت نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں آخر بعض نے انہیں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بھی بہت سی دوائیں ہیں میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں اور میں خدا کی قضاء و قدر پر راضی ہوں آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدر تھی مگر یہ اُنکا طریق تقویٰ ہمیشہ کے لئے یادگار رہا کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ افسوس اُن بعض نوابوں اور امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام سے بکلّی لاپروا ہو کر اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھولکر ارتکاب معصیت کرتے ہیں اور شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کر کے اور عمر طبعی سے بھی محروم رہکر اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہو کر جلد تر مرجاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کے لئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے اُن کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید اُن کے گدّی نشین ہوئے۔ ٭ اُنکے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت سی تدبیریں کیں مگر جبکہ قضا و قدر انکے ارادہ کے موافق نہ تھی اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے یہانتک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک قادیان رہ گیا اور قادیان اسوقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا اور اس کے چار بُرج تھے اور بُرجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے اور چند توپیں تھیں اور فصیل

٭ ہمارا شجرہ نسب اس طرح پر ہے۔ میرا نام غلام احمد ابن مرزا غلام مرتضٰے صاحب ابن مرزا عطا محمد صاحب ابن مرزا گل محمد صاحب ابن مرزا فیض محمد صاحب ابن مرزا محمد قاسم صاحب ابن مرزا محمد اسلم صاحب ابن مرزا محمد دلاور صاحب ابن مرزا الہ دین صاحب ابن مرزا جعفر بیگ صاحب ابن مرزا محمد بیگ صاحب ابن مرزا عبد الباقی صاحب ابن مرزا محمد سلطان صاحب ابن مرزا ہادی بیگ صاحب مورث اعلیٰ۔ منہ

بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اس قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اس پر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا اول فریب کی راہ سے اجازت لیکر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کرلیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے اور انکے مال و متاع سب لوٹے گئے۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانچسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا اور آخر سکھوں نے کچھ سوچکر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دیگئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں ملے کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے اور لاہور سے لیکر پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملکداری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گذاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بجلدوئے خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج انکو ملی تھیں۔ چنانچہ سرلیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں انکا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہردلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات انکی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر کمشنر انکے مکان پر آکر انکی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے میں ضروری نہیں دیکھتا کہ اسکو بہت طول دوں۔ اب میرے ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے ✤

✤ نوٹ۔ میں توام پیدا ہوا تھا ایک لڑکی جو میرے ساتھ تھی وہ چند دنوں کے بعد فوت ہوگئی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس طرح پر خدا تعالیٰ نے انثیت کا مادہ مجھ سے بکلی الگ کر دیا۔ منہ

اور مَیں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس کا یا سترھویں برس میں تھا اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ ایکدفعہ ہندوستان کا پیادہ پا سیر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دنوں میں انکی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ مَینے انکے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا اور نہ اپنے دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملکداری سے کچھ حصہ پایا بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جنکے ہاتھ میں صرف نام کی شہزادگی بوجہ داؤد کی نسل سے ہونیکے تھی اور ملکداری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے ایسا ہی میرے لئے بھی بگفتن یہ بات حاصل ہے کہ ایسے رئیسوں اور ملکداروں کی اولاد میں سے ہوں شائد یہ اس لئے ہوا کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری ہو۔ اگرچہ مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیطرح یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرے لئے سر رکھنے کی جگہ نہیں مگر تاہم مَیں جانتا ہوں کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملکداری کی لپیٹی گئی اور وہ سلسلہ ہمارے وقت میں آکر بالکل ختم ہو گیا اور ایسا ہوا تا کہ خدا تعالیٰ نیا سلسلہ قائم کرے جیسا کہ براہین احمدیہ میں اُس سبحانہ کی طرف سے یہ الہام ہے سبحان اللہ تبارک و تعالیٰ زاد مجدک ینقطع آباءک و یبدء منک۔ یعنی خدا جو بہت برکتوں والا اور بلند اور پاک ہے اُس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا۔ اب سے تیرے آبا کا ذکر قطع کیا جائیگا اور خدا تجھ سے شروع کریگا۔ اور ایسا ہی اُسنے مجھے بشارت دی کہ مَیں تجھے برکت دونگا اور بہت برکت دونگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔

پھر مَیں پہلے سلسلہ کی طرف عود کرکے لکھتا ہوں کہ بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمدؐ تھا۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور مَینے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو اُن سے پڑھے۔ اور بعد اسکے جب مَیں سترہ ۱۷ یا اٹھارہ ۱۸ سال کا ہوا تو ایک اور مولویصاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ انکا نام گل علیشاہ تھا۔ انکو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھکر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولویصاحب سے مَینے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہانتک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں مَینے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اسقدر

توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے اور نیز اُن کا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر اُنکے غموم وہموم میں شریک ہو جاؤں آخر ایسا ہی ہوا میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضایع گیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ اُنکی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیاداروں کی طرح مجھے رو بخلق بنا دیں اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا میرے والد صاحب نے بار بار مجھکو کہا کہ اُنکی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیئے مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا اس لئے نہ جا سکا پس یہ امر بھی اُنکی ناراضگی کا موجب ہوا اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہردم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور اُنکے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا تھا اور وہ مجھے دلی یقین سے برّ بالوالدین جانتے تھے اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ ”میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے (یعنی دین کی طرف) صحیح اور سچ بات یہی ہے ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں“۔ ایسا ہی اُنکے زیر سایہ ہونیکے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے اُنکے حکم سے جو عین میری منشاء کے موافق تھا میں نے استعفا دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو پورے طور پر صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو اُن ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلا کے طور پر اُنکو پیش آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ اُنکے مونہہ دیکھکر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ اُنکی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں۔ اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری

اور ہمدردی مخلوق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ بلکہ بہتوں کو تکبر اور بدچلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رزیلہ میں شیطان کے بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ مَیں نے بسر کئے

ع من بہر جمعیتے نالاں شدم جفت خوشحالان و بدحالاں شدم ✦ ہر کسے از ظن خود شد یار من ✦ وز درون من نجست اسرار من

اور جب مَیں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور اُنہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا جسکا انجام آخر ناکامی تھی۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور انکا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے اُن حالات کو دیکھکر ایک پاک تبدیلی کرنیکا موقع حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اُس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔

اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسیوجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے کہ جسقدر مَینے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر مَیں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہوتا اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ع

عمر بگذشت و نماندست جز ایامے چند۔ بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند۔ اور مَینے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے۔ از در تو اے کس ہر بیکسے۔ نیست امیدم کہ روم ناامید۔ اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔ آب دیدۂ عشاق و خاکپائے کسے۔ مرادلے ست کہ در خوں تپد بجائے کسے

حضرت عزت جلشانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانیکی حسرت روز بروز آخری عمر میں اُنپر غلبہ کرتی گئی تھی بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے مَینے اپنی عمر ناحق ضایع کر دی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ مَینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے تو مَیں اُسوقت آپکی طرف پیشوائی کے لئے دوڑا جب قریب پہنچا تو مَینے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف

ایک روپیہ تھا اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر میں چشم پُر آب ہوگیا اور پھر آنکھ کھل گئی“ اور آپ ہی تعبیر فرمانے لگے کہ دنیاداری کے ساتھ خدا اور رسولؐ کی محبت ایک کھوٹے روپیہ کی طرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخر حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گذرا اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے جس کا ایک مصرع راقم کو بھول گیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ع ”جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے۔“ اور یہ غم اور درد اُنکا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی کہ جو اسجگہ کی جامع مسجد ہے اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو تا خدائے عزّوجل کا نام میرے کان میں پڑتا ہے کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہوگئی اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہوگئے اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے۔ اللھم ارحمہ وادخلہ الجنّۃ آمین۔ قریباً اسّی یا پچاسی برس کی عمر پائی۔

انکی یہ حسرت کی باتیں کہ میں نے کیوں دنیا کے لئے وقت عزیز کھویا اب تک میرے دل پر دردناک اثر ڈال رہی ہیں اور مَیں جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو دنیا کا طالب ہوگا آخر اس حسرت کو ساتھ لیجائیگا۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھے میری عمر قریباً چونتیس یا پینتیس برس کی ہوگی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا۔ مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب انکے انتقال کا وقت قریب ہے۔ مَیں اسوقت لاہور میں تھا جب مجھے یہ خواب آیا تھا تب مَیں جلدی سے قادیان میں پہنچا اور انکو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے کیونکہ مرض کی شدّت کم ہوگئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے دوسرے دن شدّت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز انکی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اسوقت تم ذرا آرام کرلو کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ مَیں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلا گیا اور ایک نوکر پَیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضاو قدر کا مبدء ہے اور قسم ہے اُس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پُرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضایع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اسکی وفات کو عزا پُرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی عزا پُرسی کیا معنے رکھتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ حضرت عزّت جلشانہٗ جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے

کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا ہنسنا بھی جو حدیثوں میں آیا ہے انہی معنوں کے لحاظ سے ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلشانہ کی طرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلا ہمیں پیش آئے گا تب اسیوقت یہ دوسرا الہام ہوا الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اُس خدائے عزوجل کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُس نے اپنے اس مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کرکے دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اس کے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں انکا شمار کرسکوں۔ اور میرے والد صاحب اُسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہوگئے یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت میں خیال نہیں کرسکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ میں نے اس الہام کو اُنہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اسکی انگشتری بنائی جو بڑی حفاظت سے ابتک رکھی ہوئی ہے غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف انکا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ میرا کونسا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے رک نہیں سکتی سو یہ اسی کی عنایات ہے۔ میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالےٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا جو انواع و اقسام کی بدعات میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ انکا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھکو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کرکے کہ کسیقدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے، اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجالاؤں سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت پر

حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دیدیتا اور اسطرح تمام دن روزہ میں گذارتا اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسیقدر کھانے کو کم کروں سو میں اس روز سے کھانیکو کم کرتا گیا یہانتک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانیکو کم کرتا گیا۔ یہانتک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک مَیں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیا اس امت میں گذر چکے ہیں اُنسے ملاقات ہوئی۔ ایکدفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع حسنین و علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستاں طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے انکو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھکر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی جیسا کہ انکو دیکھکر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ مَیں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ مَیں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے اور جب تک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا

کہ ایسا کرے اور نہ مَیں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ مَیں نے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں اور آخر یبوست دماغ سے وہ مجنون ہوگئے اور بقیہ عمر انکی دیوانہ پن میں گذری یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا ہوگئے۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں۔ پس ایسے اشخاص جنکے فطرتاً قویٰ ضعیف ہیں انکو کسی قسم کا جسمانی مجاہدہ موافق نہیں پڑ سکتا اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں۔ سو بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے اور دین العجائز اختیار رکھے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام ہو اور شریعت غرّا اسلام سے منافی نہ ہو تو اسکو بجالانا ضروری ہے لیکن آجکل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں انکا انجام اچھا نہیں ہوتا پس انسے پرہیز کرنا چاہیئے۔

یاد رہے کہ مَیں نے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر جسمانی سختی کشی کا حصہ آٹھ یا نو ماہ تک لیا اور بھوک اور پیاس کا مزہ چکھا اور پھر اس طریق کو علی الدوام بجالانا چھوڑ دیا اور کبھی کبھی اسکو اختیار بھی کیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا لیکن روحانی سختی کشی کا حصہ ہنوز باقی تھا۔ سو وہ حصہ ان دنوں میں مجھے اپنی قوم کے مولویوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور تکفیر اور توہین اور ایسا ہی دوسرے جہلا کی دشنام دہی اور دل آزاری سے مل گیا۔ اور جسقدر یہ حصہ بھی مجھے ملا میری رائے ہے کہ تیرہ سو برس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کم کسی کو ملا ہوگا۔ میرے لئے تکفیر کے فتوے طیار ہوکر مجھے تمام مشرکوں اور عیسائیوں اور دہریوں سے بدتر ٹھہرایا گیا اور قوم کے سفہا نے اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے مجھے وہ گالیاں دیں کہ ابتک مجھے کسی دوسرے کے سوانح میں انکی نظیر نہیں ملی۔ سو مَیں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ دونوں قسم کی سختی سے میرا امتحان کیا گیا۔

اور پھر جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تُو اس صدی کا مجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ الرحمٰن علّم القراٰن لتنذر قوماً ما انذر آباء ھم ولتستبین سبیل المجرمین۔ قل انّی امرت وانا اول المؤمنین۔ یعنی خدا نے تجھے قرآن سکھلایا اور اس کے صحیح معنے تیرے پر کھولدیئے یہ اس لئے ہوا کہ تا تُو ان لوگوں کو بد انجام سے ڈراوے کہ جو باعث پشت در پشت کی غفلت اور نہ متنبہ کئے جانیکے غلطیوں میں پڑ گئے اور تا اُن مجرموں کی راہ کھل جائے کہ جو ہدایت پہنچنے کے بعد بھی راہ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے انکو کہدے کہ مَیں مامور من اللہ اور اول المؤمنین ہوں۔ اور یہ الہام براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے جو اُنہی دنوں میں جسکو آج اٹھارہ سال کا عرصہ ہوا ہے مَیں نے تالیف کرکے شائع کی تھی۔ اس کتاب کے الہامات پر نظر غور ڈالنے سے ہر ایک کو معلوم ہوجائیگا کہ خدا نے کیوں اور کس غرض سے مجھے اس خدمت پر مامور کیا۔ اور کیا حالت موجودہ زمانہ کی اور صدی کا سر اس بات کو چاہتا تھا یا نہیں کہ کوئی شخص ایسے غربت اسلام کے زمانہ اور کثرت بدعات اور سخت

بارش بیرونی حملوں کے دنوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور تجدید دین کے لئے آوے۔

اور اس جگہ یہ بات بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ براہین احمدیہ کے زمانہ تک اس ملک کے اکثر علماء میرے دعویٰ مجدد ہونے کی تصدیق کرتے تھے اور کم سے کم یہ کہ نہایت حسن ظن سے میرے الہامات پر بڑے بڑے سخت متعصبوں کو بھی کوئی جرح نہ تھی۔ اور اکثر ان میں سے بڑی خوشی سے کہتے تھے کہ خدا نے اسلام کے لئے چودھویں صدی کو مبارک کیا کہ اپنی طرف سے ایک مجدد بھیجا اور بعض نے ان میں سے نہایت اخلاص سے براہین احمدیہ کا ریویو بھی لکھا اور اس میں اس قدر میری تعریف کی کہ جسقدر ایک انسان کسی کامل درجہ کے راستباز اور پاک باطن اور خدا رسیدہ اور ہمدرد اسلام کی تعریف کر سکتا ہے حالانکہ اُس مولوی صاحب کو یہ بھی معلوم تھا کہ براہین احمدیہ میں وہ الہام بھی ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسےٰ اور مسیح موعود رکھا ہے۔ غرض اس وقت تک کہ تصریح کے ساتھ میری طرف سے دعویٰ مسیح موعود ہونیکا نہیں ہوا تھا اور صرف مجدد چودھویں صدی ہونا عام لوگوں میں مشہور تھا کوئی بڑی مخالفت علماء کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ اکثر اُن میں مصدق اور مطیع رہے۔ مگر اس دعویٰ مسیحیت کیوقت میں عجیب طور کا شور علماء میں پھیلا۔ اور انہیں اکثر لوگوں نے انواع واقسام کی خیانت سے عوام کو دھوکا دیا اور بعض نے ان میں سے میری تکفیر کے بارہ میں استفتاء طیار کیا اور بڑی کوشش کر کے صدہا کم فہم اور موٹی عقل والے لوگوں کے اُسپر دستخط کرائے۔ مگر جیسا کہ پہلے آثار نبویہ میں لکھا تھا کہ اُس آنیوالے امام موعود کی تکفیر ہو گی اس پیشگوئی کو پورا کیا کیونکہ اُن پاک نوشتوں کا پورا ہونا ضروری تھا۔ اور تعجب کہ مسیح موعود ہونے کے دعوے میں کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی کہ جو براہین احمدیہ میں اس وقت سے اٹھارہ[۱۸] برس پہلے درج نہیں ہو چکی تھی۔ مگر پھر بھی نادان مولویوں نے اس دعوے پر بڑا شور برپا کیا۔ آخر انکی فتنہ انگیزیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ گھر گھر میں عداوت پڑ گئی مسلمانوں کا ایک گروہ میرے ساتھ ہو گیا اور ایک گروہ کج فہم مولویوں کے پیچھے لگا اور ایک گروہ ایسا رہا کہ نہ موافق اور نہ مخالف۔ اور اگرچہ ہمارا گروہ ابھی بکثرت دنیا میں نہیں پھیلا۔ لیکن پشاور سے لیکر بمبئی اور کلکتہ اور حیدر آباد دکن اور بعض دیار عرب تک ہمارے پیرو دنیا میں پھیل گئے۔ پہلے یہ گروہ پنجاب میں اُٹھا پھول گیا اور اب میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں ترقی کر رہا ہے۔ ہمارے گروہ میں عوام کم اور خواص زیادہ ہیں۔ اس گروہ میں بہت سے سرکار انگریزی کے ذی عزت عہدہ دار ہیں جو ڈپٹی کلکٹر اور اکسٹرا اسسٹنٹ اور تحصیلدار وغیرہ معزز عہدوں والے آدمی ہیں ایسا ہی پنجاب اور ہندوستان کے کئی رئیس اور جاگیردار اور اکثر تعلیم یافتہ ایف اے بی اے اور ایم اے اور بڑے بڑے تاجر اس جماعت میں داخل ہیں۔ غرض ایسے لوگ جو عقل اور علم اور عزت اور اقبال رکھتے تھے یا بڑے بڑے عہدوں پر سرکار انگریزی کی طرف سے مامور تھے یا رئیس اور جاگیردار اور تعلقدار اور انکی اولاد تھے اور یا ہندوستان کے قطبوں اور غوثوں کی نسل تھے جن کے بزرگوں کو لاکھوں انسان اعلیٰ درجہ کے ولی اور قطب سمجھتے تھے وہ لوگ اس جماعت میں داخل ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدرت نے

مولویوں کو اُن کے ارادوں سے نامراد رکھکر ہماری جماعت کو فوق العادت ترقی دی ہے اور دے رہا ہے۔ وہ لوگ جو حقیقت در پارسا طبع اور خدا ترس اور نوع انسان سے ہمدردی کرنیوالے اور دین کی ترقی کے لئے بدل و جان کوشش کرنیوالے اور خدا تعالیٰ کی عظمت کو دلمیں بٹھانیوالے اور عقلمند اور ذی فہم اور اولوالعزم اور خدا اور رسول سے سچی محبت رکھنے والے ہیں وہ اِس جماعت میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ خداوند کریم اسبات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اس جماعت کو بڑھاوے اور برکت دے اور زمین کے کناروں تک سعادتمند انسانوں کو کھینچکر اس میں داخل کرے۔"

یہانتک میں حضرت مرزا صاحب کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے واقعات کو نقل کیا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ آپنے لکھا ہے وہ متعلق بہ عقائد ہے لیکن چونکہ عقائد کے متعلق میں کل بحث گذشتہ رسالے میں سلسلہ احمدیہ کے حالات میں کر چکا ہوں اسلئے اب اس بحث کو چھوڑ کر میں کسیقدر حالات آپ کی اس زندگی کے بیان کرونگا جو دعوئے مسیحیت سے شروع ہوتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ سن ۱۸۹۱ء یعنی دعوئے مسیحیت کا سال حضرت مرزا صاحب کی زندگی کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے نہ صرف اس لحاظ سے کہ دعوئے مسیحیت سے قبل آپکی قبولیت بہت تھی اور اس دعوے کے بعد مخالفت حد سے زیادہ ترقی کر گئی۔ اور جس شخص کو پہلے ملہم من اللہ اور مجدد چودھویں صدی اور مثیل مسیحؑ اور عظیم الشان خادم اسلام اور اسلام کی برکات کا زندہ ثبوت تسلیم کیا گیا تھا اسی کو بعد میں مفتری اور ضال اور مضل اور دجال اور دین میں فساد ڈالنے والا اور مخرب دین اسلام قرار دیا گیا۔ بلکہ اس سال کیساتھ جو آپکی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے وہ ایک اور رنگ میں اپنے اندر یہ ثبوت رکھتی ہے کہ واقعی آپ منجانب اللہ اور مؤید و منصور من اللہ ہیں۔ اور یہ دو حصے بعینہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ان دو حصوں کے مشابہ واقع ہوئے ہیں جو ہجرت کے قبل اور ہجرت کے بعد کے زمانے ہیں۔ اس طرح پر کہ دعوئے مسیحیت سے قبل اللہ تعالیٰ کی کلام میں جو آپ پر نازل ہوا کئی وعدے پائے جاتے ہیں جنکا ایفاء ایک حیرت انگیز طریق میں دعوئے مسیحیت کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی زندگی میں عظیم الشان فتوحات کے وعدے دیئے گئے جنکا ایفاء آپ کی مدنی زندگی میں ہوا۔ یہ وعدے ایسی صراحت سے کتاب براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں جو ۱۸۸۲ء میں شائع ہو چکا تھا موجود ہیں کہ سخت سے سخت مخالف بھی انسے انکار نہیں کر سکتا۔ (دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۰) یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھٰی امر الزمان الینا۔ الیس ھٰذا بالحق۔ ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ الا ان نصر اللہ قریب۔ یاتیک من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق۔ ینصرک اللہ من عندہٖ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔ انک باعیننا یرفع اللہ ذکرک۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس اصحاب الصفۃ وما ادرٰک ما اصحاب الصفۃ تریٰ اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیک۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان وداعیا الی اللہ

وسراجاً منیراً ۔ ملوا ۔ ایسا ہی مخالفت کی خبریں اور مخالفین کی تدبیروں کی اطلاع اور فتح ونصرت کے عظیم الشان وعدے اور لوگوں کا جوق در جوق آنا اور ہر طرف سے نصرت کے سامان پیدا ہو جانا وغیرہ امور کے متعلق براہین احمدیہ حصہ چہارم میں کثرت سے پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اب یہ وعدے اسوقت دیئے گئے ہیں جب آپ بالکل گوشۂ تنہائی میں تھے۔ اور سوائے ان چند زمینداروں کے جن کو آپ سے واسطہ پڑتا تھا اور کوئی آپ کو جانتا بھی نہ تھا۔ کیونکہ اگرچہ یہ الہامات ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئے مگر اس میں شک نہیں کہ اس سے بہت پہلے زمانے کے ہیں چنانچہ ایک الہام ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا (جسکا تذکرہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۰ پر کیا ہے) یہ ہے "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" اب جائے غور ہے کہ ایک ایسے بعید زمانے کے وعدے جن کو آج گویا چالیس برس گذر چکے ہیں کس صفائی سے اسوقت پوری ہو رہے ہیں۔ دعویٰ مسیحیت سے پہلا زمانہ تو وعدوں ہی وعدوں کا تھا کہ اول تیری مخالفت ہوگی اور سخت مخالفت ہوگی اور لوگ تیرے نابود کرنے کی کوششیں کریں گے اور طرح طرح کی تدابیر تیرے ہلاک کرنیکے لئے سوچیں گے مگر خدا ان سب کو ناکام اور نامراد کریگا اور وہ کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔ پھر خدا اپنی نصرتیں تیرے شامل حال کریگا اور جوق در جوق لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ہر دور کی راہ سے تحائف اور مالی امداد تیرے پاس پہنچے گی اور خدائے تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں وحی کریگا کہ وہ تیری مدد کے لئے آویں۔ اور اس کثرت سے لوگ آئیں گے کہ قریب ہے کہ تو انکے ہجوم کے سبب سے تھک جاوے اور بعض دلوں پر تیری کشش ایسا کام کریگی کہ وہ گھر بار چھوڑ کر تیرے پاس آ رہیں گے۔ اور خدائے تعالیٰ کے نشانوں کو تازہ بتازہ پورے ہوتے دیکھکر انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ اور پھر اخیر یہ فرمایا یہ تمام وعدے ہیں انکو لکھ رکھو تا ان کے پورا ہونے کے وقت وہ لوگوں کی تازگی ایمان کا موجب ہوں اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کا یقین تمام دلوں میں پیدا کریں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر دعویٰ مسیحیت نہ ہوتا تو یہ وعدے بھی نرے وعدے ہی رہتے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور انسان کے علم سے بہت بڑھکر یہ بات ہے کیونکہ وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں کل تک زندہ رہونگا چہ جائیکہ تیس چالیس سال کی نہاں در نہاں خبریں پہلے سے بتا چھوڑے۔ ہاں خدا اس بات کو جانتا تھا اور اس نے سالہا سال پہلے ان باتوں کو اپنے برگزیدہ پر ظاہر کیا کہ ایسے ایسے واقعات تیری زندگی میں آنیوالے ہیں۔ اور یہ تمام وعدے دعویٰ مسیحیت کے بعد ہی پورے ہوئے اور دعویٰ مسیحیت ہی انکا پورا کرنیوالا ہوا۔ اس میں اُن لوگوں کو خصوصیت سے غور کرنا چاہیئے جو مانتے ہیں کہ دعویٰ مسیحیت سے پہلے واقعی آپ ملہم من اللہ اور مجدد تھے۔ کیونکہ اگر یہ وعدے انکے اپنے اقرار کے بموجب خدا کی طرف سے تھے تو اب وہ غور کریں کہ انکا ایفا تو دعویٰ مسیحیت کے ذریعہ سے ہوا پس یہ کسقدر ظلم ہے کہ وعدوں کو منجانب اللہ کہا جائے اور انکے ایفا کو جو اور بھی ازدیاد ایمان کا موجب ہونا چاہیئے تھا افترا کہا جائے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر وعدوں کے منجانب اللہ ہونے پر کسی کو شک بھی ہوتا تو انکے پورا ہونے سے وہ شک بھی رفع ہو جانا چاہیئے تھا

نہ یہ کہ وعدوں کو منجانب اللہ تسلیم کرکے انکے پورا ہونے پر اعتراض کیا جاوے۔ الغرض دعویٰ مسیحیت حضرت مرزا صاحب کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یعنی حصہ[1] قبل دعویٰ مسیحیت جو وعدوں کا زمانہ ہے اور حصہ[2] بعد دعویٰ مسیحیت جو ان وعدوں کے پورا ہونیکا زمانہ ہے۔ ایسے ہی دو حصے زندگی کے ہجرت کے اول اور بعد ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور تاریخی طور پر یہ دو ہی انسان ہیں جن کی زندگی کے ایک حصہ میں عظیم الشان وعدوں کا کیا جانا اور ان کا شائع ہونا ایسے وعدے جو انسانی فہم اور قیاس سے برتر اور غیب کی نہایت باریک خبروں پر مشتمل ہیں۔ اور زندگی کے دوسرے حصہ میں ان تمام وعدوں کا نہایت صفائی سے پورا ہونا ثابت شدہ امور ہیں اور اگرچہ دوسرے نبیوں کی زندگی میں بھی ضرور ایسا ہوا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنے انبیاء کے ساتھ یہ سنت معلوم ہوتی ہے مگر تاریخی ثبوت ان باتوں کا ہمارے پاس کوئی نہیں۔ اور یہ ثبوت ایسا یقینی اور قطعی ثبوت منجانب اللہ ہونیکا ہے کہ اس سے بڑھکر نہ کسی معجزہ کی شہادت ہو سکتی ہے اور نہ کسی دلیل کی۔ یہ ثبوت ہر قسم کے شک اور گمان سے خالی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کا بدیہی ثبوت ہے جس کی نظیر کسی جھوٹے اور مفتری کی زندگی میں قطعاً نہیں مل سکتی۔ کیونکہ وہ وقت جس میں ایسے وعدے کئے جاتے ہیں جیسا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مکی حصہ اور حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا وہ حصہ جو قبل از اشاعت براہین احمدیہ اور قبل از دعویٰ مسیحیت ہے۔ مامور پر ایک نہایت درجہ کی بیکسی اور غربت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور اس بیکسی کی حالت میں وہ وعدے کئے جاتے ہیں جو اپنے اندر عظیم الشان قدرت اور طاقت کا نشان رکھتے ہیں۔ پس وہ کسی انسانی علم یا اٹکل کے سرچشمہ سے نہیں نکل سکتے بلکہ اس قادر و علیم خدا کی طرف سے ہی ہو سکتے ہیں جس کی طاقت اور علم غیر محدود ہیں۔

دعویٰ کے ماقبل اور مابعد کی زندگی کے مقابلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جس سے دعوے کی اصلیت پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ہم یہ نظارہ دیکھتے ہیں کہ نبی کو اس کے دعوے کے وقت تک ایک بڑا راستباز اور برگزیدہ انسان عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں ہوتا کہ اسپر کچھ بھی عیب لگا سکے۔ لیکن دعوے کے بعد اسقدر الزام نبی پر لگائے جاتے ہیں کہ انکی کوئی حد نہیں رہتی۔ چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تاریخی زندگی ہے اس لئے مثال کے طور پر میں اسی کو پیش کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون (سورہ یونس رکوع ۲) گویا اس آیت شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخالفین کو علی الاعلان یہ فرماتے ہیں کہ اس دعویٰ نبوت سے پہلے بھی تو میں ایک عمر (چالیس[40] سال) تمہارے اندر گذار چکا ہوں اور تم میرے حالات سے بخوبی واقف ہو پس تم میرے اس حصہ زندگی پر اگر کوئی عیب لگا سکتے ہو تو لگاؤ اور اگر تم کوئی عیب نہیں لگا سکتے تو پھر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا۔ کہ تم اتنا نہیں سمجھتے کہ جس آدمی نے چالیس[40] سال کی عمر تک جو عین جوش جوانی کا وقت ہے ہر ایک قسم کی بری بات سے اجتناب کیا اور ہر ایک فسق و فجور ہر ایک کذب خیانت اور دغا کی راہ سے بچا رہا۔ کیا ایسا آدمی بڑھاپے کی عمر میں پہنچکر اس سب سے بدتر گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے کہ افترا علی اللہ کرکے کل کی کل مخلوق کو

دھوکہ میں ڈالے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک جو آپنے دعوئ نبوت کیا الامین کے نام سے عرب میں پکارے جاتے تھے اور کوئی شخص یہ گواہی نہیں دیتا تھا کہ آپنے اپنی ساری عمر میں ایک بھی جھوٹ بولا ہو۔ ایک عقلمند انسان کے لئے تو اسیقدر سمجھ لینا کافی ہے۔ کیونکہ جس شخص کا جوش اور جذبات جوانی کا وقت اسقدر نیکی اور راستبازی سے گذرتا ہے کہ قوم کے اندر اپنی صداقت اور راستبازی کی وجہ سے شہرت پا جاتا ہے۔ اس کے لئے کیونکر ممکن ہے کہ یکایک ہی ایک ایسی تبدیلی اسکے اندر پیدا ہو جائے جسکا محرک بھی کوئی نظر نہیں آتا کہ وہ تمام نقشہ بدل کر وہ افترا علی اللہ کی ذلیل ترین زندگی اختیار کرلے۔ پس جس طرح قرآن شریف نے کفار کو ملزم کیا اسی طرح آج وہ لوگ بھی ملزم ٹھہرتے ہیں جو جانتے ہیں اور اگر جانتے نہیں تو تحقیق کر سکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی قبل از دعوئ مسیحیت ایک بالکل بے لوث اور اعلیٰ درجہ کی راستبازی کی زندگی تھی۔ اور عجیب تر یہ کہ آپکے الہامات میں بعینہٖ وہی عبارت پائی جاتی ہے جو وحی قرآنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پائی جاتی ہے چنانچہ آپکے الہام کے یہ لفظ ہیں ولقد لبثت فیکم عمرا من قبلہٖ افلا تعقلون۔ اب کوئی شخص خدارا غور کرے کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی قبل از دعوئ مسیحیت بعینہٖ اسی قسم کی بے لوث زندگی ہے یا نہیں جیسے انبیاءؑ کی ہوتی ہے؟ بڑے سے بڑا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ آپنے طلب شہرت کی وجہ سے یہ دعویٰ کیا ہے۔ لیکن جب ہم آپکے بچپن کے حالات سے لیکر جوانی اور بڑھاپے کے حالات تک غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہمیشہ سے شہرت سے اور شہرت طلبی سے سخت نفرت اور بڑے درجہ کی بیزاری رہی ہے بلکہ آپ ابتدا سے ہی تنہائی پسند تھے اور ایک لحہ کے لئے بھی آپکے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ بڑے بننے کی کوشش کریں۔ بلکہ اگر آپ گوشۂ تنہائی سے نکلے تو وہ بھی اطاعت والدین کے لئے نہ اپنے نفس کی خواہش سے۔ اُس زمانے میں بھی جب کوئی شخص آپکے والد صاحب کے پاس آتا تو آپ کو ان مجالس میں شریک نہ پاتا۔ اور آپکے والد صاحب ایسے موقع پر استفسار کرنیوالوں کو یہی فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو مسجد کسی کونے میں تلاش کریں۔ ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپکی طبیعت ہی شہرت پسند نہیں بنائی گئی بلکہ آپ فطرتاً ہی تنہائی پسند ہیں۔ پس کیا فطرت بدل سکتی ہے۔ نہیں بلکہ اتنی لمبی تو عادت کا بدلنا بھی محال ہے۔ جو لوگ طالب شہرت ہوا کرتے ہیں انکے ابتدائی حالات سے ہی انکی اس طبیعت کا پتہ لگ جاتا ہے۔ ایسا ہی آپ کی اس ابتدائی زندگی کے سیکڑوں واقعات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جھوٹ سے ہمیشہ سے نفرت رہی ہے۔ اور باوجودیکہ آپ کو کثرت سے مقدمات کرنے پڑے مگر جھوٹ سے آپ اسقدر مجتنب تھے کہ آپکے مخالفین بھی اس بات کے قائل تھے۔ کئی دفعہ جب آپ کی جائداد یا آپ کی عزت اور نیکنامی بھی معرض خطر میں تھی تب بھی آپنے بلا تامل سچ کو ہی اختیار فرمایا۔ اور جھوٹ سے ایسی نفرت ظاہر کی جیسے کوئی سڑے ہوئے اور بدبودار مردار سے کرتا ہے۔

دعوئ مسیحیت کے ساتھ جیسا کہ حضرت میرزا صاحب نے خود لکھا آپ کی سخت مخالفت کا شور اٹھا اور اس مخالفت کی

آگ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور ایک فرقہ سے دوسرے فرقہ تک پھیل گئی یہانتک کہ کل اقوام آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئیں۔ یہ مخالفت صرف قلم اور کاغذ تک ہی محدود نہیں رہی۔ ہاں کاغذی مخالفت پہلا قدم تھا۔ اس کاغذی مخالفت میں جو فتوے مولوی صاحبان نے آپ پر لگائے وہ صرف کفر اور ارتداد کے ہی نہ تھے بلکہ صریح الفاظ میں فتوے دئیے گئے کہ آپکا مال چھین لینا۔ یا آپ کی عورتوں کی بے حرمتی کرنا یا آپ کو جان سے مار ڈالنا یہ سب کچھ جائز بلکہ عین ثواب اور نیکی کا کام ہے۔ اب اس مخالفت میں بھی کئی باتیں غور طلب ہیں۔ اول تو یہ کہ اسکی خبر براہین احمدیہ میں دس سال پہلے دیجا چکی تھی جیساکہ مندرجہ بالا الہامات سے معلوم ہوگا۔ دوسرا امر غور طلب یہ ہے کہ ایک بیکس اور غریب انسان کو اسقدر طاقت کہاں سے مل جاتی ہے کہ وہ کل دنیا کی مخالفت کی برداشت کرتا ہے اور کسی طرح اس سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے طاقتور بادشاہ جو زبردست افواج اپنے ساتھ رکھتے ہیں اپنی ہی رعایا کی تھوڑی تھوڑی مخالفتوں پر حیران ہوجاتے ہیں مگر مامور من اللہ باوجود اکیلا ہونے کے اور باوجود اس کے کہ کل دنیا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس کے نیست و نابود کرنے پر کمربستہ ہوتی ہے۔ ایک لحہ کے لیے بھی گھبراتا نہیں۔ ایک معمولی انسان محض اس مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوسکتا ہے۔ مگر مامور من اللہ اپنی ایک بات کو بھی نہیں چھوڑتا اور جو پیغام وہ پہلے دن دیتا ہے اس سے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ اور نہ ہی خود کبھی اس کے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ وہ اپنی باتوں کو چھوڑ دے اور مخالفین سے صلح کرلے۔ پس یہ خارق عادت طاقت جو اسے مخالفت کی برداشت کرنیکے لئے دیجاتی ہے خدا تعالے کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ تیسرا امر غور طلب یہ ہے کہ جس صورت میں دنیا کی کل طاقتیں ایک شخص کو نیست و نابود کرنیکے درپے ہوتی ہیں۔ تو یہ کیونکر ہوتا ہے کہ بالآخر وہی شخص غالب آجاتا ہے اور تمام کے تمام مخالفین ناکام اور نامراد ہوجاتے ہیں؟ وہ مخالفت کی آگ جس کے شعلے بدیدن آسمان تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی کی پھونک سے کیونکر بُجھ جاتی ہے؟ تمام انسانی تجربے اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ ایک اکیلے انسان کے خلاف کل کے کل منصوبے نکمے ہوجاویں اور زبردست سے زبردست طاقت اس کی عاجزی کے بالمقابل ہیچ ہوجائے یقیناً اگر انسانی طاقت سے بالاتر کوئی طاقت اسکی تائید میں نہ لگی ہو تو اس کا بچنا۔ اسکے خلاف منصوبوں اور مخالفتوں کا ناکام ہونا اور بالآخر اسکا ان تمام مخالفین پر غالب آجانا محال باتیں ہیں۔ فتدبروا

آپ کی سوانح کے حالات میں کسیقدر مختصر حال ان سفروں کا لکھنا بھی ضروری ہے جو آپ کو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے۔ یہ سنت اللہ بھی تمام انبیاء کے حالات میں نظر آتی ہے کہ انہیں کچھ نہ کچھ سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مصالح اور حکمتیں ہونگی مگر اتنا تو آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ سفروں کی وجہ سے ایک تو وہ مختلف لوگوں سے مل کر دنیا کی ردی حالت کو مشاہدہ کرلیتے ہیں اور اسطرح پر وہ جوش جو اللہ تعالیٰ نے انکو ہمدردی مخلوق کے لئے بخشا ہوتا ہے اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور لوگوں کی بیماریوں کے حالات سے انکو اطلاع ہوجاتی ہے۔ دوم سفر کی

صعوبتیں انکو ہر قسم کے مصائب اور شدائد کے اٹھانیکے قابل بنا دیتی ہیں۔ کیونکہ ایک مامور کی زندگی آرام اور راحت کی زندگی نہیں ہوتی بلکہ ہر طرف سے اسے مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور چونکہ سفر میں بھی انسان کو بڑی بڑے مصائب اٹھانے پڑتے ہیں۔ اس لئے یہ ایک سامان ابتدا سے ہی اسے مصائب کا عادی کرنے کا ہوتا ہے۔

زمانہ بعثت سے پہلے جو سفر آپ نے کئے انمیں سے ایک حصہ تو ان سفروں کا ہے جو آپ کو اپنے والد بزرگوار مرحوم کی اطاعت کے لئے اپنی جاگیر اور جائداد کے مقدمات کے لئے کرنے پڑے ان سفروں میں آپنے قادیان سے لیکر ڈلہوزی تک پاپیادہ سفر بھی کیا۔ اس زمانہ میں جو آج سے تیس ۳۵ پنتیس سال پہلے کا زمانہ ہے راستوں اور سڑکوں کا ایسا اہتمام نہ تھا اور نہ سفر کی سہولتیں پیدا ہوئی تھیں پھر پہاڑوں کا دشوار گذار راستہ اور پیادہ پا طے کرنا کسی معمولی ہمت و استقلال کا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کے لئے بڑا ہی جفاکش اور جواں ہمت مسافر چاہیئے۔ اور پھر یہ سفر بھی جبکہ تفریح کے خیال سے نہ بلکہ ایک مقررہ وقت پر ایک جگہ حاضر ہونا ہو۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنے سفر میں کسی غیر معمولی ہمت سے کام لینا پڑتا ہوگا۔ پھر پہاڑی قوموں کی سوشل لایف بہت کچھ قابل اعتراض ہے لیکن یہ خدا کا برگزیدہ جو کل دنیا کی ہدایت کے لئے تھوڑے ہی دنوں بعد مامور ہونیوالا تھا۔ باوجود اپنی وجاہت اور زمانہ شباب اور ہر قسم کی آزادی کے جذبات کے خطرناک اپیل کرنیوالے مقامات سے اسی طرح معصوم آیا جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے بارہا آپنے ان ایام کے عجائبات سناتے ہوئے فرمایا ہے کہ "جب کبھی ڈلہوزی مجھے جانیکا اتفاق ہوتا تو پہاڑوں کے سبزہ زار حصوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا اور عبادت میں ایک مزا آتا۔ میں دیکھتا تھا کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقع ملتا ہے"۔ ان جملوں کو جو آپکے کلام کا مفہوم ہیں سنکر آپ کی پاکیزہ فطرت کا قلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واقع ہونا یاد آجاتا ہے۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد جب آپنے تصنیف کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کو اکثر امرتسر میں براہین احمدیہ کے چھپوانیکے لئے جانا پڑتا تھا۔ ان مشکلات کے وقت اکثر مرتبہ آپکے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ قادیان میں ہی کوئی ایسا مطبع ہو جہاں آپ کی تصانیف چھپ سکیں۔ لیکن اسوقت اور زمانہ میں اس خواہش کا پورا ہونا قریباً محال معلوم ہوتا تھا مگر آخر وہ خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری کی بلکہ آپکی زندگی کا غور سے مطالعہ کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی خواہش نہیں جو آپنے کی اور اللہ تعالیٰ نے پوری نہ کی ہو۔ ان سفروں کا سلسلہ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک رہا۔ اور اس اثنا میں آپ اکثر شیخ غلام حسن رئیس کے مکان پر ٹھہرتے۔ پروف وغیرہ کی صحت سے جسقدر وقت بچتا آپ پادری عبداللہ آتھم سے مناظرہ کرتے۔ اسطرح پر آپ کا کل وقت اعلائے کلمہ اسلام میں صرف ہوتا۔ وہ لوگ جن سے آپ کو تعلق پڑتا وہ ابتک زندہ ہیں اور اس بات پر گواہ ہیں کہ آپکی زندگی کا یہ حصہ بالکل بے لوث گذرا۔ براہین احمدیہ کے چوتھے حصہ کے چھپ جانیکے بعد آپ کو ایک اور سفر درپیش آیا جو ہوشیارپور اور لدھانہ کا سفر ہے۔ اس سفر میں

ابتدائے مارچ ۱۸۸۶ء میں لالہ مرلیدھر آریہ سماجی کے ساتھ آپ کا ایک مباحثہ بمقام ہوشیار پور ہوا۔ جس میں اسلام پر اعتراض معجزہ شق القمر کے متعلق تھا اور آریہ سماج کا عقیدہ قدامت روح اور نجات کا عارضی ہونا زیر بحث تھا۔ اس مناظرہ کی کیفیت کتاب سرمہ چشم آریہ میں ملتی ہے۔ مباحثہ کے بعد ہی آپ نے بذریعہ ایک اشتہار کے آریہ سماج کو مباہلہ کے لئے بھی بلایا۔ اس سفر کے بعد آپ لدہانہ گئے اور اسی جگہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو آپ نے بیعت کا اعلان بھی کیا۔ دوسرے موقعہ پر جب آپ نے اعلان دعوئے مسیحیت کیا تو اس وقت بھی آپ لدہانہ میں تھے۔ اعلان دعوئے مسیحیت کے بعد اسی مقام لدہانہ پر آپ کی بحث مولوی محمد حسین بٹالوی سے ہوئی جسکی کیفیت الحق بحث لدہانہ میں درج ہے اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے جہاں کئی روز کی متواتر کوششوں کے باوجود مولوی صاحبان بحث کے رُخ پر نہ آئے۔ اور آخر مولوی محمد بشیر بھوپال سے مناظرہ کے لئے آئے۔ دہلی کے بعد آپ ابتدائے جنوری ۱۸۹۲ء میں لاہور تشریف لائے اور وہاں سے سیالکوٹ گئے۔ ان تمام سفروں کی غرض اپنے دعوے کو کھولکر بیان کرنا تھا۔

سفروں کے اس سلسلہ کے ختم ہونیکے بعد آپ واپس قادیان تشریف لائے جہاں سے مئی ۱۸۹۳ء میں آپ پھر عبد اللہ آتھم کے ساتھ مباحثہ کے لئے امرتسر تشریف لیگئے۔ جہاں پندرہ روز آپ کا قیام ہوا۔ اختتام مباحثہ پر عبد الحق غزنوی نے آپ سے مباہلہ کیا۔ اس کے بعد تیس ستمبر ۱۸۹۵ء کو آپ مع چند رفقائے کے ڈیرہ نانک تشریف لے گئے اس سفر کی غرض چولہ کی اصلیت کا معلوم کرنا تھا۔ اسی سفر کا نتیجہ کتاب ست بچن ہے جس نے سکھوں پر اتمام حجت کر دی ہے اور اصل باوا نانک صاحب مسلمان ہی تھے۔ چنانچہ انکے چولہ نے انکے مذہب کی اصلیت کو کھولکر بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ کے جسقدر سفر ہیں وہ عموماً سوائے ایک دو مستثنیات کے کسی نہ کسی مقدمہ کی وجہ سے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں آپ کو بٹالہ اور گورداسپور ڈاکٹر کلارک والے مقدمہ میں جوابدہی کے لئے جانا پڑا اسی سال کے اخیر میں ملتان ایک شہادت کے ادا کرنیکے لئے آپکو جانا پڑا جس کی اطلاع آپ کو بذریعہ رؤیا پہلے ہو چکی تھی اگلے سال ایک اور مقدمہ میں جوابدہی کے لئے آپ کو پٹھانکوٹ گورداسپور وغیرہ جانا پڑا۔ جنوری ۱۹۰۳ء میں بمقام جہلم دو مقدموں میں جو ازالہ حیثیت عرفی کے تھے جوابدہی کے لئے آپ کو جانا ضروری ہوا۔ اس سفر میں لوگوں کا اشتیاق اور آپکی قبولیت لوگوں کے دلوں میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۰۳ء کے اخیر حصہ میں اور ۱۹۰۴ء میں آپ کو اکثر مرتبہ ایک اور ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمہ میں جوابدہی کے لئے گورداسپور جانا پڑا۔ اور ۱۹۰۴ء میں تو قریباً پانچ ماہ تک گورداسپور ہی رہنا پڑا۔ اسی اثنا میں آپ لاہور بھی تشریف لے گئے جہاں ۳۔ ستمبر ۱۹۰۴ء کو ایک لیکچر آپکا ہوا جس میں دس ہزار سے زیادہ ہر مذہب و ملت کے لوگ جمع تھے۔ ان مقامات پر اور ایسا ہی اسی سال کے اخیر مقام سیالکوٹ پر بہت لوگوں نے بیعت کی اور جوق درجوق لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوئے۔ سیالکوٹ کے مقام پر ہی اثنائے لیکچر میں آپ نے کھولکر اس امر کو بھی

بیان کیا کہ جس اوتار کے آنیکا ہندوؤں کو انتظار ہے اس سے آپکی ہی مراد ہے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں آپ دہلی تشریف لے گئے۔ اور اگرچہ دہلی کی حالت پہلے کی نسبت بہت بدلی ہوئی تھی۔ مگر جیسا کہ الہام الٰہی میں آپکی روانگی سے پہلے ظاہر ہو چکا تھا دہلی کے دروازے بند پائے گئے۔ وہاں سے واپسی کے وقت آپنے ایک لیکچر بمقام لدھیانہ دیا۔ اور ایسا ہی امرتسر کے قیام میں ایک لیکچر اس جگہ بھی دینا چاہا۔ مگر جاہل لوگوں نے اسقدر شور مچایا کہ لیکچر بند کرنا پڑا اور ملّانوں کے اکسانے سے لیکچر ہال سے نکلتے وقت آپ پر پتھروں کی سخت بارش کی۔ گویا واقعۂ طائف کا نقشہ اس زمانہ میں دکھایا۔

آپ کی زندگی کا ایک اور پہلو بہت قابل غور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ باوجود خلوت پسندی کے آپکو پیروی مقدمات کیلئے عدالتوں میں جانا پڑا۔ ابتدائی زندگی میں تو یہ محض ایک فرض تھا جو اطاعت والدین کیلئے آپ بجالاتے رہے۔ مگر ان مقدمات میں آپ کبھی ان فرائض میں غافل نہیں ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے متعلق ہیں۔ عین کچہری میں آپ وقتِ نماز پر نماز میں اس طرح مشغول ہو جاتے۔ گویا کہ آپ کو اور کوئی کام ہی نہیں تھا اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اور اُدھر مقدمہ میں طلبی ہوئی مگر آپ اسی طرح اطمینان قلب سے نماز میں لگے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مقدمات میں آپکی راستبازی کا حال بھی لوگوں پر کھل گیا۔ عام طور پر مقدمات کے ساتھ جھوٹ بہت بڑھا ہوا ہے مگر آپکی نسبت اس سارے زمانہ میں جب آپ اپنے والد صاحب کی طرف سے پیروی مقدمات کرتے رہے کوئی شخص گواہی نہیں دے سکتا کہ آپنے کبھی ایک لفظ بھی جھوٹ بولا ہو۔ بلکہ اکثر اوقات محض اپنی راست بیانی کی وجہ سے مقدمات میں نقصان بھی اٹھایا یہانتک کہ مخالفوں تک اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ مرزا غلام احمد صاحب کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ آپکے زمانہ تصنیف براہین احمدیہ کا ایک واقعہ ہے جس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپنے کسی اخبار کے مضمون کے ساتھ ایک خط بھی اسی پیکٹ میں رکھدیا جو اس وقت کے قانون کے رو سے جرم تھا چونکہ اخبار والا آپ کا مخالف تھا اس نے اسکی اطلاع ڈاکخانہ میں کی اور آپ پر مقدمہ ہوا۔ بہت لوگوں نے آپکو اسوقت سمجھایا کہ اسوقت یہی مصلحت ہے کہ آپ انکار کردیں کہ مینے یہ خط اندر نہیں رکھا۔ اخبار والا مخالف ہے اس نے خود رکھدیا ہے مگر آپنے قطعاً انکار کیا۔ چنانچہ شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپور نے جو اس مقدمہ میں آپکے وکیل تھے۔ ۱۹۰۴ء میں حلفی شہادت دیتے وقت آپکی اس راستبازی کا اعتراف کیا۔✤ اُسی زمانہ کے مقدمات کے متعلق ایک اور واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مقدمات سے دراصل فطرتاً سخت نفرت تھی مگر صرف والدین کی اطاعت کیلئے آپنے یہ کام اختیار کیا ہوا تھا۔ اس نفرت کی ایک مثال موجود ہے۔ جسکا گواہ ایک معتبر شخص بھی ابتک زندہ ہے۔ لاہور میں آپ ایک مقدمہ کی پیروی کے واسطے گئے ہوئے تھے اور وہاں سید محمد علیشاہ صاحب رئیس قادیان کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے جو ان دنوں وہاں ملازم تھے۔ حسب معمول حضرت اقدسؑ چیف کورٹ میں جایا کرتے تھے لیکن ایک دن بڑے ہی خوش چیف کورٹ سے واپس آئے بہت ہی بشاش تھے۔ سید محمد علیشاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مینے پوچھا کہ آج آپ اتنے خوش کیوں ہیں کیا فیصلہ ہوا؟ تو جواب میں فرمایا کہ مقدمہ تو مینے ہار دیا ہے مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب آئندہ اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ شاہ صاحب موصوف کہتے ہیں کہ مجھے یہ سنکر افسوس ہوا۔ مگر حضرت اقدسؑ بہرحال بشاش اور خوش تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ مقدمہ کے ہارنے کا کیا غم ہے۔ اس واقعہ سے جہاں آپکی اس پاک فطرت کا پتہ لگتا ہے کہ مقدمات سے آپ کو نفرت تھی وہاں یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ رضا بالقضا آپ کی

✤ آپکی صداقت کا یہ اثر تھا کہ حاکم نے آپ کو بری کیا۔ منہ

طبیعت ہوچکی تھی۔ ایک دنیادار آخری عدالت سے مقدمہ ہارنے پر شاید خودکشی کرے لیکن یہ خدا کا برگزیدہ بندہ اس حالت میں بھی خدا کا شکر کرتا ہے۔

جیسا کہ زندگی کے ابتدائی حصہ میں آپ کو بعض مقدمات محض اپنے والد ماجد کی اطاعت کے لئے کرنے پڑے۔ ایسا ہی آخری حصہ زندگی میں یعنی دعویٰ مسیحیت کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اسی کی اطاعت کے لئے آپ کو بعض مقدمات کرنے پڑے۔ ان تمام مقدمات کی جو آخری حصہ زندگی میں آپکو پیش آئے۔ مدّت پہلے آپ کو الہام الٰہی سے خبر مل چکی تھی جو شائع بھی ہوچکا تھا کہ ینصرك اللہ فی مواطن۔ یعنی تجھ پر بہت سے مقدمات ہونگے مگر خدائے تعالیٰ ان سب میں تجھ کو نصرت دیکر غالب کریگا۔ پس مدّت پہلے آپ کو ان مقدمات کی اور ان میں غلبہ اور نصرت کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے یہ مقدمات اپنے اندر مقدمات کا رنگ نہیں رکھتے بلکہ نشانات کا رنگ رکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے ہر ایک مقدمہ کے متعلق الگ الگ بھی اللہ تعالیٰ قبل از وجود مقدمہ آپکو اسکی اطلاع دیتا رہا اور اس امر کی بھی کہ آپ بری کئے جائیں گے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جس سے ایک سمجھدار انسان یونہی نہیں گذر سکتا کہ ان تمام فوجداری مقدمات میں جو آپ پر وقتاً فوقتاً کئے گئے اور جن میں سے بعض نہایت ہی خطرناک تھے آپ بری کئے گئے۔ یہ انسانی طاقت میں نہیں۔ یعنی اول یہ کہ وہ خبر دے کہ مجھ پر مقدمات ہونگے اور ان سب میں میری نصرت کیجائے گی اور پھر یہ کہ مطابق اس وعدے کے اسپر مخالفین کی طرف سے مقدمہ پر مقدمہ کیا جاوے مگر خدا تعالیٰ مخالفین کی تمام کوششوں کو نامراد کر کے آپکو ان تمام مقدمات کے بدنتائج سے بچالے۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض مقدمات میں جو آپ پر کئے گئے۔ قوموں نے اتفاق کر کے ان مقدمات کے ذریعہ سے آپ کو نیست و نابود کرنا چاہا۔ ان مقدمات میں سب سے پہلا مقدمہ ۱۸۹۷ء میں ہوا اور جیسا کہ مجسٹریٹ کے فیصلہ نے آخر میں ثابت کر دیا یہ مقدمہ محض ایک جھوٹا مقدمہ تھا جو عداوت مذہبی کی وجہ سے پادری صاحبان نے آپ پر بنا کر کھڑا کر دیا۔ یہ مقدمہ سراسر ایک منصوبہ بازی کا نتیجہ تھا جو بعض مسیح کے لیلوں نے جو دشمنوں سے پیار کرنیکا وعظ کیا کرتے ہیں آپکے خلاف کیا۔ اور پادری ڈاکٹر کلارک کو اس میں مستغیث بنایا گیا۔ جن کو بروئے فیصلہ مجسٹریٹ انکے ماتحتوں اور دوسرے پادری صاحبان نے دھوکا دیکر اپنے ساتھ شامل کیا کیونکہ جب تک ایک بڑا آدمی دعویدار بنکر نہ کھڑا ہوتا۔ مقدمہ کی بناوٹ جلدی ظاہر ہوجاتی۔ ڈاکٹر کلارک نے بیان کیا کہ مرزا صاحب نے ایک شخص عبد الحمید کو میرے قتل کرنیکے لئے بھیجا ہے۔ اور بعض پادری صاحبان نے آکر جھوٹی شہادتیں دیں۔ آریہ سماج بھی اس موقع پر نہیں چوکا بلکہ مدّت کی مذہبی رنجش کے نکالنے کے لئے اس موقع کو غنیمت جانکر اپنا پریزیڈنٹ رام بھجدت اس مقدمہ میں مفت وکیل کر کے ڈاکٹر کلارک کی مدد کیلئے بھیجا۔ مسلمانوں میں تو پہلے ہی جوش پھیلا ہوا تھا اور ان جوش پھیلانیوالوں کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی بھی جبّہ پہنکر ادائے شہادت کے لئے آموجود ہوئے۔ اور جس طرح یہودیوں کے علما نے حضرت مسیحؑ کے خلاف شور مچایا تھا کہ یہ شخص باغی ہے۔ ایسا ہی بٹالوی صاحب نے بھی آکر شور مچایا کہ یہ شخص فتنہ انگیز ہے۔ اس مقدمہ کے دائر ہونیسے پہلے حضرت مرزا صاحب نے ایک رؤیا دیکھی تھی کہ بجلی ہمارے مکان پر گری ہے مگر اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا اور اس کے ساتھ ہی الہام ہوا۔ ما ھذا

الا تھدید الحکام۔ اور پھر بعد اس کے یہ بھی الہام ہوا تھا کہ ابراء۔ اور اور بھی کئی الہام ہوئے جو سب شایع کردیئے گئے۔ اب ایک طرف تو تین قوموں کا اتفاق ایک اکیلے آدمی کے خلاف اور منصوبہ ہر طرح سے مکمل ہو چکا شہادتیں ہو گئیں اور لاکھوں دشمن ہر آن اس انتظار میں تھے کہ اب مارے گئے۔ اور بچنے کی کوئی راہ نہیں۔ مگر دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے وعدے کہ مَیں ضرور تمکو بری کرونگا۔ اور مومنین کی قلیل جماعت کی آنکھیں ان وعدوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مجسٹریٹ پر اصلیت مقدمہ کو کھولدیا۔ اور اپنی نصرت اپنے بندے کے شامل حال فرماکر تمام مخالفوں کو ناکام اور نامراد کیا۔

اس کے بعد ایک اور فوجداری مقدمہ ۱۸۹۸ء میں آپ پر پولیس کی طرف سے کیا گیا اور اس مقدمہ کی بنا ایک پیشگوئی کو ٹھہرایا گیا جو مولوی محمد حسین بٹالوی کی نسبت آپنے شایع کی تھی۔ یہ ایک اشتہار تھا جو ۲۱۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو شایع ہوا جس میں حضرت مرزا صاحب کی طرف سے یہ اعلان تھا کہ جب مولوی محمد حسین بٹالوی اور اسکے رفقا کی بدزبانی حد سے گذر گئی تو آپنے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی۔ جسپر اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ تیرہ مہینے کے اندر محمد حسین بٹالوی اور اس کے رفقا کو سخت ذلت پہنچیگی جو مثل اس ذلت کے ہوگی جو یہ لوگ خدا کے برگزیدہ کو پہنچاتے رہے ہیں۔ مقدمہ بنانیکے لئے پولیس نے کہا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اپنی پیشگوئی کو پورا کرنیکے لئے مرزا صاحب نقض امن کریں اور ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر ۱۰۷ کے نیچے مقدمہ دائر کیا۔ جو پیشگوئی حضرت مرزا صاحب نے کی تھی اس کے متعلق تو یہ واقعات ظہور میں آئے کہ انہی دنوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے (جو عام مسلمانوں کے سامنے اپنا عقیدہ دربارہ آمد مہدی کے وہی ظاہر کرتے تھے جو اہلحدیث کا عقیدہ ہے یعنی یہ کہ وہ آکر جنگ کریگا اور تمام غیر مسلموں کو قتل کر ڈالیگا) انگریزی میں ایک چھوٹا سا رسالہ چھپوایا جس کی غرض صرف اسے گورنمنٹ میں بھیجنا تھا نہ عام طور پر اشاعت۔ جس میں یہ ظاہر کیا کہ خونی مہدی کے آنے کی احادیث کو اس نے وضعی اور مشکوک ثابت کیا ہے یہ رسالہ اتفاقاً حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ میں آگیا۔ چنانچہ آپنے محمد حسین بٹالوی کے اس عقیدے کو پیش کر کے علماء سے یہ استفتا کیا کہ جو شخص ایسا عقیدہ رکھے وہ انکے نزدیک کیسا ہے جسپر تمام علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ ایسا شخص دجّال اور ضال اور مضل اور کافر اور مرتد وغیرہ ہے۔ غرضکہ جو جو فتویٰ محمد حسین بٹالوی کے استفتاء پر علماء نے حضرت مرزا صاحب پر لگایا تھا وہی اب آپکے استفتا پر محمد حسین بٹالوی پر لگایا گیا۔ پس پیشگوئی تو اسطرح پوری ہوگئی یعنی جو ذلت محمد حسین بٹالوی نے آپکو پہنچائی تھی ایسی ہی ذلت خود محمد حسین بٹالوی پر اپنے دوستوں کے ہاتھوں سے پڑی۔ مگر مقدمہ کا فتنہ شروع ہو چکا تھا۔ اس مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے آپنے ایک کتاب بنام حقیقۃ المہدی لکھی جس میں یہ پیشگوئی شایع کی کہ آپ اس مقدمہ میں بری کئے جائینگے۔ یہ کتاب فیصلہ سے پہلے عام طور پر شائع ہوگئی تھی بلکہ عین کمرہ عدالت کے دروازہ کے سامنے عدالت میں حاضر ہونے سے پہلے بھی تقسیم کی گئی تھی اور اسی دن اس پیشگوئی کے مطابق آپ کو بری کیا گیا۔

۱۹۰۲ء کے اخیر میں دو مقدمے فوجداری ازالہ حیثیت عرفی کے ایک شخص مسمی کرمدین نے جہلم میں آپکے خلاف دائر کئے۔

٭ ترجمہ۔ یہ صرف حکام کی چشم نمائی ہے اور تم بری کئے جاؤ گے۔

اس سے قریباً ایک سال پہلے آپنے ایک رؤیا دیکھا تھا جو اخبار الحکم میں نومبر ۱۹۰۱ء میں شایع ہو چکا تھا کہ آپ کے خلاف وارنٹ جاری کئے گئے ہیں مگر آخرکار آپ بری کئے گئے ہیں چنانچہ اس رؤیا کا ظہور ان مقدمات کے ذریعہ ایک سال سے بھی زیادہ مدت کے بعد ہوا۔ اور آپکے خلاف وارنٹ آئے۔ عدالت میں پیشی کی تاریخ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء تھی۔ انہیں ایام میں آپ ایک کتاب مواہب الرحمٰن لکھ رہے تھے اس کے صفحہ ۱۲۹ پر صریح الفاظ میں آپنے پیشگوئی کی کہ ان مقدمات میں اللہ تعالیٰ آپ کو بری کریگا۔ یہ کتاب ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو شایع ہوئی اور جہلم میں احاطہ کچہری میں بھی مقدمہ کے پیش ہونے سے پہلے مفت تقسیم کی گئی۔ اور دو یا تین دن بعد مجسٹریٹ کے فیصلہ نے اس پیشگوئی کو پورا کیا۔

پھر اسی مستغیث نے کتاب مواہب الرحمٰن کے بعض الفاظ کی بنا پر جو اسی پیشگوئی میں درج تھے۔ ایک اور مقدمہ آپ پر دائر کیا۔ اس مقدمہ کے متعلق اوّل الہام آپکو یہ ہوا۔ یوم الاثنین و فتح الحنین یعنی اس مقدمہ کی فتح جنگ حنین کی فتح سے مشابہ ہوگی جس میں اوّل مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی مگر پھر وہ سنبھلے اور دشمن کو پامال کیا۔ پھر جب یہ مقدمہ منتقل ہوکر گورداسپور میں پیش ہوا تو اسی دن آپ کو یہ الہام ہوا ساکرمك بعد توهينك یعنی توہین کے بعد تیرا اکرام کرونگا۔ ان تمام الہامات سے یہ خبر ملتی تھی کہ اوّل اس مقدمہ میں ایک ابتلا پیش آئیگا یعنی اوّل عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہوگا مگر آخرکار آپ کی عزت ظاہر کی جائیگی اور آپ کو فتح دیجائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علاوہ اس مقدمہ کے آپکے ایک مرید کی طرف سے ایک مقدمہ مستغیث مذکور پر دائر تھا۔ ان دونوں مقدمات کے متعلق اخیری فیصلہ سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے آپنے یہ پیشگوئی شایع کی کہ ان میں جو مقدمہ آپکے خلاف ہے اس میں مستغیث ناکام رہیگا اور خود وہ کسی دوسرے مقدمہ میں آپکی زد میں آجائیگا۔ یعنی مجرم ثابت ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابتدائی عدالت نے ہر دو فریق کو مجرم قرار دیا مگر جو فیصلہ حضرت مرزا صاحب کے خلاف ہوا تھا اسے عدالت اپیل نے غلط قرار دیا اور یہانتک فیصلہ میں لکھا کہ جو الفاظ مستغیث کی نسبت لکھے گئے ہیں انسے بھی زیادہ سخت الفاظ اگر لکھے جاتے تو بالکل درست ہوتے۔ اور دوسرا فریق سزا یاب ہوا۔

یہ فوجداری مقدمات تھے جن میں آپ کو ملزم بنانیکی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ آپ کو الزام سے بری ٹھہرایا۔ اور پھر قبل از وقت مقدمات کے آغاز اور انجام کی اطلاع دیکر ان تمام مقدمات کو آپ کی صداقت پر عظیم الشان گواہ بنایا۔ اس کے علاوہ بعض دیوانی اور مالی مقدمات بھی ہوئے۔ اور صرف ایک دیوانی مقدمہ میں آپ کو بحیثیت مدعی دعوی کرنا پڑا ورنہ تمام مقدمات آپ کی ذات پر کئے گئے اور خدا نے ان سب حملوں کا دفعیہ کیا۔ یہ ایک دیوانی مقدمہ جس میں آپ بحیثیت مدعی عدالت میں گئے ایسا تھا جس میں آپ پر سخت ظلم کیا گیا تھا۔ یعنی یہ کہ آپکی مسجد اور گھر کی راہ کو ایک دیوار کھڑی کرکے مسدود کر دیا گیا۔ اور اس طرح آپ کو اور آپکے مہمانوں کو سخت تکلیف پہنچائی گئی۔ اس مقدمہ کا نتیجہ بھی آپکے حق میں ہوا۔ ایک دیوانی مقدمہ آپ پر بمقام گوڑگانوہ ہوا جس میں ایک مولوی نے ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ آپ پر کیا۔ اسکی بنا ایک اشتہار تھا۔ جس میں آپنے یہ لکھا تھا کہ اگر کوئی عیسائی یہ ثابت کردیوے کہ

یسوع کے نشانات آپ سے بڑھکر ہیں۔ تو آپ اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ عیسائی صاحبان کو تو کبھی جرأت نہ ہوئی مگر ایک مسلمان مولوی نے اس بنا پر ایک ہزار روپے کی نالش کی جو بوجہ عدم ثبوت خارج ہوئی۔ مالی مقدمہ آپ پر ایک ٹیکس کا مقدمہ تھا یعنی اس سلسلہ کی آمدنی پر ٹیکس لگا دیا گیا مگر عذرداری پر یہ حکم بھی منسوخ ہوا۔ غرضکہ ایک بھی ایسا مقدمہ نہیں خواہ فوجداری ہو یا دیوانی یا مالی جس میں مخالفین کو کچھ بھی کامیابی ہوئی ہو بلکہ بموجب وعدہ الٰہی کل مقدمات میں آج تک فتح آپکے ہاتھ میں رہی ہے۔ تدبر کرنیوالوں کے لئے یہ ایک عظیم الشان نشان ہے۔

آپکے مباحثات کے متعلق سلسلہ احمدیہ کے تذکرہ میں کافی ذکر آچکا ہے۔ اس جگہ یہ امر قابل تذکرہ ہے کہ آپ کو مذہبی مباحثات سے ابتدا سے ہی دلچسپی رہی ہے۔ ان مباحثات میں آپکی غرض نہ صرف مخالف مذاہب کے عقائد باطلہ کی تردید ہی رہی ہے بلکہ زیادہ زور اسلام کی خوبیوں پر دیا گیا ہے۔ بلکہ آپنے کئی دفعہ ایسی تجاویز بھی پیش کی ہیں کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اگر اس پہلو کو اختیار کریں تو مباحثات میں بجائے دوسروں کی عیب شماری کے اپنے مذہب کی ہی خوبیاں بیان کی جاویں مگر کسی قوم نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ بلکہ گورنمنٹ کو بھی میموریل بھیجا گیا تھا۔ اسپر بھی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن جس صورت میں دوسرے لوگ مذہب اسلام کے متعلق طرح طرح کی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ اور اسلام کو ناحق بدنام کرنا چاہتے ہیں تو ایک حامئی اسلام کو بھی یہ ضرورت آتی ہے کہ بالمقابل انکے اپنے مذاہب کے نقصوں اور غلطیوں کو کھولکر دکھاوے۔ مباحثات میں اسی اصلاح کی خاطر آپنے ایکدفعہ ایک مذہبی کانفرنس کی تجویز بھی کی تھی جس میں تمام مذاہب کے حامی اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں اور دوسروں پر حملہ نہ کریں۔ آپ کی اس تجویز کو اگرچہ اسوقت منظور نہیں کیا گیا۔ مگر آپکی یہ غرض اس تجویز کی اشاعت کے بعد جلد ہی اسطرح پوری ہوگئی کہ انہی اصول پر لاہور میں ایک بڑے مذہبی کانفرنس کا انعقاد قرار پایا یہ جلسہ دسمبر ۹۶؁ء میں ہوا۔ مختلف مذاہب کے پیرووں کے لئے پانچ سوال تجویز کئے گئے تھے کہ ہر ایک حامئی مذہب اپنے مذہب کے روسے ان اہم سوالات کا جواب دے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ انہی دنوں میں حضرت مرزا صاحب بیمار بھی ہوگئے اور اسی بیماری کی حالت میں آپنے ایک مضمون جس میں انہی پانچ سوالوں کے جواب تھے لکھا۔ اور ساتھ ہی آپ کو الہام الٰہی سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مضمون تمام مضمونوں پر غالب رہیگا۔ چنانچہ اسی کے مطابق آپنے قبل از انعقاد جلسہ اعلان بذریعہ اشتہار کر دیا جو بہت سے شہروں میں تقسیم بھی ہوگیا۔ پھر جب یہ مضمون جلسہ میں پڑھا گیا تو تمام لوگوں نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ یہ مضمون سب مضمونوں پر غالب رہا۔ اور دیسی اخبارات کے علاوہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے بھی اس کا اعتراف کیا۔

آپکے مباحثات معمولی رنگ کے نہیں بلکہ تمام مباحثات میں آپ اس بات پر زور دیتے ہیں۔ کہ تو تو میں میں سے تو کبھی یہ جھگڑے ختم نہیں ہوسکتے بس تمام اہل مذاہب کو چاہیئے۔ کہ اول وہ سچے مذہب کے لئے ایک امتیازی نشان قائم کریں اور وہ ایسا نشان ہو جس کا وجود باطل مذاہب میں نہ پایا جاتا ہو تاکہ کھلا کھلا امتیاز ہو جائے۔ اور پھر دیکھیں کہ وہ امتیازی نشان کس مذہب میں پایا جاتا ہے۔ غور کرو کہ تمام اہل مذاہب اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انہی کے مذہب پر چلنے سے انسان گناہ سے

نجات پا سکتا اور اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ اور انہی کا مذہب تمام نقصوں اور اعتراضوں سے خالی ہے۔ اور
انہی کا بانی مذہب بیگناہ اور معصوم ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مذہب ایسا نہیں جس پر اسکے مخالفین نے اعتراض نہ کئے ہوں
اور جس کے نقص شمار نہ کئے ہوں اور نہ ہی کوئی بانی مذہب ایسا ہے جو مخالفین کے اعتراضوں سے بچا ہو۔ اور جسے موافق و مخالف
نے بیگناہ تسلیم کر لیا ہو۔ نہ ہی کسی مذہب کا محض یہ دعویٰ کہ اسپر چلنے سے انسان گناہ سے نجات پا سکتا ہے یا اللہ تعالےٰ
سے تعلق پیدا کر سکتا ہے بلا شہادت کے کسی کام کا ہے۔ یہی شہادت ہے جس سے سچے اور جھوٹے میں مابہ الامتیاز ملتا ہے
وہ شہادت کیا ہے۔ وہ ہے آسمانی نشانوں کا ظاہر ہونا یعنی جو مذہب خارق عادت نشانات نہیں دکھا سکتا وہ اپنے اس دعوے
کی تائید میں کہ اسپر چلنے سے انسان گناہ سے نجات حاصل کرتا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ کوئی شہادت پیش نہیں
کر سکتا اور نرا دعویٰ قابل تسلیم نہیں نہ اس سے ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں جب
اس بات کو ہر ایک اہل مذہب نے تسلیم کیا ہے کہ ابتدا میں خوارق اور نشانات ہی وہ ذریعہ تھے جس سے کسی مذہب کو
اسکے وقت کے دوسرے موجودہ مذاہب پر فوقیت حاصل ہوئی۔ تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جو امتیازی نشان صداقت
مذہب کا ایک وقت میں تھا وہی امتیازی نشان ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور جب تک وہ نشان کسی مذہب میں پایا جاتا ہے
تب تک اس مذہب کو زندہ اور حق پر سمجھنا چاہیئے اور جب وہ نشان گم ہوگئی [illegible] ہب بھی اپنی اصلیت سے پھرا
ہوا یقین کیا جائیگا۔ پس اسی امتیازی نشان یعنی خوارق اور آسمانی نشانات کو حضرت مرزا صاحب بار بار پیش
کرتے ہیں کہ اس معیار کے رو سے مذاہب کے حق و باطل پر ہونیکا فیصلہ کرو۔ مگر یہ امتیازی نشان کہیں نہیں پایا
جاتا سوائے اسلام کے۔ اور اسلام بھی وہ جسے سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے۔

مباحثات کے علاوہ دوسرا طریق صداقت مذہب کے پرکھنے کا جسکا نشان خدا کی کتابیں دیتی ہیں مباہلہ ہے۔ اول
ہی اول حضرت مرزا صاحب نے آریہ سماج کو ۱۸۸۶ء کے مباحثہ کے بعد مباہلہ کے لئے بلایا تھا مگر کسی آریہ سماجی نے
اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔* ۱۸۹۳ء میں آتھم کے ساتھ مباحثہ کے بعد عبدالحق غزنوی نے آپکے بمقام امرتسر مباہلہ
کیا۔ مگر یہ مباہلہ صرف عبدالحق کی طرف سے تھا۔ اور اس کے بعد کے واقعات نے آپکی صداقت کو اور بھی روشن کر دیا۔ ایک
اور رنگ کا مباہلہ کئی آدمیوں نے کیا اور وہ سب مطابق اپنی اپنی دعاؤں کے ہلاک کئے گئے۔ ان میں مولوی غلام دستگیر
قصوری ہے جس نے یہ دعا کی کہ خدا ظالم کو ہلاک کرے سو اس کے بعد ایک ماہ کے اندر ہی خود ہلاک ہو گیا۔ ایسا ہی مولوی محمد اسمعیل
علیگڈھی اور بعض اشخاص ہیں۔ اور حال میں چراغدین ساکن جموں جو ایک نیم عیسائی تھا۔ اس نے بھی اسی قسم کا مباہلہ
کیا اور چند دنوں میں ہی خود طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ ڈاکٹر ڈوئی مدعی نبوت ساکن امریکہ کو بھی آپنے ایسے مباہلہ کیلئے
بلایا اور ساتھ ہی یہ لکھدیا کہ اگر وہ اس فیصلہ کی راہ پر آنے سے انکار کریگا تو بھی خدا اسکو بغیر سزا نہیں چھوڑیگا۔ اور
یہ مضمون امریکہ کے بہت سے اخباروں میں چھپ گیا۔ اور ایسا ہوا کہ ڈوئی نے مقابلہ پر آنے سے انکار کیا اور آخر جاری ہی

* لیکھرام نے اپنی کتاب تکذیب میں مباہلہ کیا اور ہلاک ہو کر حضرت مسیح موعودؑ اور اسلام کی صداقت پر چمکتی ہوئی گواہی دے گیا۔ منہ

سخت عذاب میں پکڑا گیا۔ یعنی فالج کی بیماری میں مبتلا ہوا اور اس کے مریدوں نے اسے سخت ذلیل کیا۔ یعنی اسکو تمام جائداد سے بیدخل کر دیا اور اسکے تمام دعووں کو خاک میں ملا دیا اور اسکو ماننے سے انکار کیا اور اسکی خیانتیں اور شراب خوری اور جوان عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات ثابت کئے اور اسبارے میں اور شہادتوں کے علاوہ اس کے اپنے خطوط شایع کئے۔ اور اب یہ شخص نہایت ذلت کیساتھ دل کی بیماری میں گرفتار اور خاتمہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی دعوت انبیاء علیہم السلام کی طرح دعوت عامہ ہے۔ اور انبیاء کے طریق پر ہی آپنے بعض بادشاہوں کو خاص طور پر بھی دعوت کی ہے۔ منجملہ انکے امیر عبدالرحمٰن خاں سابق والئے افغانستان ہے۔ اسکو بھی آپنے یہ دعوت کی کہ وہ آپکو قبول کرے۔ آپکے اس خط میں جو ۱۸۹۶ء یا ۱۳۱۳ھ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں لکھا گیا۔ ایک فقرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس گورنمنٹ کے سچے دل سے خیر خواہ ہیں۔ یہ خط کبھی چھپا نہیں اس لئے میں اس فقرہ کو اسجگہ نقل کرتا ہوں جس میں ایک اسلامی بادشاہ کو خط لکھتے ہوئے آپنے اس گورنمنٹ کی تعریف کی ہے اور اسکو خدا تعالیٰ کے انعامات میں سے سمجھا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے۔ "ومرا بحکومت وسلطنت ایں جہاں کارے نیست غریب آمدم وغریب روم و مامورم کہ بلطف و نرمی دلائل حقیت اسلام درین ایام پر آشوب پیش چشم مردم ہر دیار نہم ہمچنیں مرا بدولت وحکومت برطانیہ کہ زیر سایہ ایشاں بامن زندگی بسر کنم تعرضے نیست بلکہ خدارا شکر میکنم وسپاس نعمت او بجا می آرم کہ در عہد چنیں پُر امن حکومت مرا بر خدمت دین مامور کرد وچگونہ شکر ایں نعمت نگذارم کہ بدیں غربت وبیکسی وشور سفہائے قوم باطمینان کار خود تحت حکومت ودولت انگلشیہ میکنم وچناں آرام یافتم کہ اگر شکر ایں دولت نکنم شکر خدائے خود بجا نیاوردہ باشم۔ وایں امر را اگر پوشیدہ داریم ظالم باشیم کہ چنانکہ پادریان ملت نصاریٰ در اشاعت مذہب خود آزادی دارند ہمچنیں آزادی وعدم مزاحمت برائے اشاعت اسلام ما نیز حاصل داریم۔ بلکہ منافع ایں حریت وآزادی مارا بیشتر حاصل است ز انساں کہ ما اہل اسلام را فوائد این حریت میسر مے شوند دیگراں را ازاں نصیبے نیست چراکہ ایشاں بر باطل اند وما بر حق۔ واہل باطل از آزادی سودے نمے برارند۔ بلکہ ازیں آزادی پردہ شاں بیشتر از پیشتر مے درد"

یہی وجہ ہے کہ آپنے نہ صرف اردو کتابوں میں بلکہ فارسی اور عربی کی کتابوں میں بھی جو اسلامی ممالک میں بکثرت شایع ہوئی ہیں۔ اس گورنمنٹ کی تعریف کی ہے اور اسکے احسانات کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسرا پیغام دعوت جو بادشاہ کی طرف آپنے بھیجا وہ ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی طرف تھا جو اوّل ملکہ معظمہ کی جوبلی کے موقع پر ۱۸۹۷ء میں بذریعہ تحفہ قیصریہ پہنچایا گیا اور پھر تھوڑے دنوں بعد بذریعہ ستارہ قیصرہ جو انگریزی میں ترجمہ کر کے بھیجا گیا۔

آپ کی ان خدمات کا جو آپنے گورنمنٹ انگریزی کے لئے کی ہیں کسیقدر ذکر سلسلہ احمدیہ کے تذکرہ میں آچکا ہے اور کچھ یہاں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسی کتاب آپنے لکھی ہو جس میں اس گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری کے لئے

مسلمانوں کو ترغیب نہ دی ہو۔ ایسا ہی آپ کی مہدی کے متعلق تعلیم سے مسلمانوں کے عام خیالات پر جو ایک غیر مسلم گورنمنٹ کے متعلق ہونے چاہئیں نہایت نیک اثر پڑا ہے۔

باوجود اس کے کہ ملک حضرت مرزا صاحب کے متعلق وقتاً فوقتاً پہلو بدلتی رہی ہے۔ اگر آپکی تحریروں کو دیکھا جائے تو آج کی تحریروں اور آج سے تیس سال پہلے کی تحریروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا جن اصول کی تعلیم آپ اُسوقت دیتے تھے انہی اصول کی تعلیم آج دیتے ہیں۔ پُرانی سے پُرانی تحریریں یا خطوط جو آپکے ملتے ہیں ان میں وہی رنگ تحریر اور بحث کا پایا جاتا ہے جو آج کی تحریروں میں ہے۔ شروع سے آجتک اسلام کی بڑی فضیلت جو دیگر مذاہب پر اسے حاصل ہے آپ ہمیشہ یہی پیش کرتے رہے ہیں کہ اس مذہب میں مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ جاری ہے اور دوسرے کسی مذہب میں نہیں۔ یہ اسلام کی زندہ برکت ہمیشہ آپ اسلام کی صداقت اور زندگی کے ثبوت میں پیش کرتے رہے ہیں اور اسی پر زور دیتے رہے ہیں کیا آج اور کیا آج سے تیس سال پہلے جو کلام الٰہی آپ پر نازل ہوتا ہے اس کے متعلق بھی شروع سے آپ یہ یقین کامل رکھتے ہیں کہ وہ منجانب اللہ ہے۔ اور جہانتک ہم آپکی تحریروں کو پڑھتے ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کبھی یہ وسوسہ بھی آپکے دل میں آیا ہو کہ شاید یہ کلام منجانب اللہ نہ ہو۔ جو ایمان آپکو ۱۸۶۸ء میں الیس اللّٰہ بکاف عبدہ پر تھا وہی آج الہامات پر ہے۔ ایسا ہی دعا کے متعلق آپ کا ہمیشہ سے وہی یقین اور اعتقاد رہا ہے جو آج ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ آپ کی اور اپنے نیک بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور انکو قبل از وقت اس امر کی اطلاع دیتا ہے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل انبیاء پر فضیلت کے آپ شروع سے ہی قائل ہیں۔ اور آپنے شروع سے ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی انوار اور برکات نازل نہیں ہوتے جبتک کہ کوئی شخص سچے دل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر نہ چلے یہی وہ اصول ہے جو حضرت عیسیٰؑ یا کسی گذشتہ نبی کے دوبارہ دنیا میں آنیکا مانع ہے کیونکہ وہ نبوّت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حاصل کر چکے ہیں۔

قمری حساب کے رو سے آپکی عمر اسوقت قریباً ستر سال ہے۔ عرصہ ہوا آپکو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے مخاطب کرکے فرمایا کہ آپکی عمر اسّی سال یا اس کے قریب یا اس سے کچھ زیادہ ہوگی۔ یہ وعدہ بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں دیا ہے کہ آپ طبعی موت سے فوت ہونگے۔ اور جو لوگ منصوبے اور کوششیں آپکو قتل کرنیکے لئے کرینگے وہ سب ناکام رہینگے۔ ایسا ہی یہ الہامات بھی بہت مدت کے ہیں کہ آپ فوت نہیں ہونگے جبتک آپ اپنی اولاد کی اولاد کو نہ دیکھ لیں۔ سو یہ پیشگوئی بھی پوری ہو چکی۔ غرضکہ کوئی پہلو آپکی زندگی کا ایسا نہیں جو اپنے اندر ایک معجزانہ رنگ نہ رکھتا ہو۔ ابتدائے عمر سے دو بیماریاں بھی آپکے لاحق حال ہیں جو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مطابق ہیں کہ مسیح موعودؑ دو زرد رنگ چادروں میں اُتریگا جس کی مراد تعبیر رؤیا میں بیماری ہے۔

آپکی اپنے تقدس کی وجہ سے گھر کے اندر بھی وہی عزت ہے جو گھر کے باہر ہے۔ گھر کے اندر آپکے وقت کا بہت سا حصہ دعا میں گذرتا ہے اور اس غرض کے لئے آپنے ایک نہایت مختصر سا مکان بنایا ہوا ہے جو آپکا بیت الدعا ہے۔ جتنا کوئی شخص آپکے قریب رہتا ہے اسی قدر زیادہ آپکی دعا کی تاثیر پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ قریب رہنے والے دن رات اپنی آنکھوں سے آپکی قبولیت دعا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو شخص آپکے سامنے کوئی مصیبت وغیرہ بیان کرتا ہے تو

سادہ اگر کسی کا قصور دیکھ بھی لیں تو آپ اغماض فرماتے ہیں۔ بعض اوقات بھری مجلس میں بعض لوگوں نے آپکو بُرا بھلا کہا ہے۔ اسپر بھی آپ درہم برہم نہیں ہوئے بلکہ اپنے دوستوں کو یہی نصیحت ایسے موقع پر کرتے ہیں کہ وہ جواب نہ دیں۔ طیش اور غضب آپکو اسیوقت آتا ہے جب کوئی شخص

انکے بہتر معنے جانتا ہے۔ صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ صحت عطا فرمائیگا اور مجھے وہ قوتیں عطا فرمائے گا جن سے مَیں خدمت دین کرسکوں واللہ اعلم بالصّواب۔ اوراس میں یہ بھی خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ میری بیوی کو بھی صحت اور تندرستی عطا کریگا۔ ۲۵-مئی ۱۹۰۶ء۔ هل اتاك حديث الزّلزلة. بل ياتيهم بغتة۔ اگر چاہوں۔ تو اس دن خاتمہ۔ اس کے بعد ایک علیحدہ الہام ہوا۔ دو چار ماہ۔ ترجمہ مذکورہ بالا عربی الہام کا یہ ہے۔ کیا تجھے زلزلہ کی بات پہنچی ہے۔ بلکہ اُنکے پاس اچانک آئے گا۔ ۲۷-مئی ۱۹۰۶ء۔ (۱) اريحك ولا اجيحك واخرج منك قوماً۔ ترجمہ۔ مَیں تجھے راحت دونگا اور تجھے نہ مٹاؤنگا اور تجھ سے ایک بڑی قوم نکالوں گا۔ اس کے ساتھ ہی دل میں ایک تفہیم ہوئی جسکا یہ مطلب تھا۔ "جیسا کہ مَیں نے ابراھیم کو قوم بنایا" (۲) آفتوں اور مصیبتوں کے دن ہیں۔ ایک دوست کا ذکر تھا جسپر بہت سے دنیوی مشکلات گر رہے ہیں۔ فرمایا۔ یہ الہام اُسی کے متعلق معلوم ہوتا ہے ✚ خدائے عزّ وجل کی پاک وحی ایک نئے مخالف شدہ کے بارہ میں پڑھنے والے سمجھ لیں ——— ۳۰-مئی ۱۹۰۶ء (۱) خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ انپر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔ (۲) برہمن اوتار سے مقابلہ کرنا اچھا نہیں۔ (۳) ربّ فرّق بين صادقٍ وكاذبٍ۔ ترجمہ۔ اے میرے ربّ تو سچے اور جھوٹے میں فرق دکھلا دے۔ (۴) انت ترى كل مصلحٍ وصادقٍ۔ ترجمہ۔ تُو ہر ایک اصلاح کرنیوالے اور سچے کو دیکھتا ہے۔ ۳۱-مئی ۱۹۰۶ء کو فرمایا۔ چند روز ہوئے مَیں نے دیکھا تھا (رؤیا) "بہت سے زنبور ہیں اور مَیں انکو کپڑے میں پکڑ کر مار رہا ہوں"۔ ۴-جون ۱۹۰۶ء۔ رؤیا۔ "دیکھا کہ مَیں ایک جگہ ہوں اور وہاں ایک چادر ایک اونچی جگہ پر رکھی ہوئی ہے۔ اتنے میں ایک چڑا آیا اور اس چادر پر بیٹھ گیا تب مَیں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ جسطرح بنی اسرائیل کے واسطے آسمان سے پرند اُترتے تھے اسی طرح ہمارے واسطے ہے۔ ۵-جون ۱۹۰۶ء۔ (۱) ما ارسل نبيٌّ الا اخزى به الله قوما لا يؤمنون۔ ترجمہ۔ کوئی نبی نہیں بھیجا گیا مگر خدا نے اس کی وجہ سے ایک قوم کو رسوا کیا جو ایمان نہیں لاتے تھے۔ (۲) يلقى الروح علىٰ من يشاء من عباده۔ ترجمہ۔ خدا اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے نبوّت کی روح اس پر ڈالتا ہے۔ (۳) خدا کی فیلنگ اور خدا کی مُہر نے کتنا بڑا کام کیا۔ ۷-جون ۱۹۰۶ء۔ بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے دو نام ہوں گے۔ (۱) بشیر الدولہ۔ (۲) عالَم کباب۔ یہ دو نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوئے اور انکی تعبیر اور تفہیم یہ ہے۔ (۱) بشیر الدولہ سے یہ مراد ہے کہ وہ ہماری دولت اور اقبال کے لئے بشارت دینے والا ہوگا اس کے پیدا ہونیکے بعد زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی اور دوسری پیشگوئیاں ظہور میں آئیں گی اور گروہ کثیر ہماری طرف رجوع کریگا اور عظیم الشان فتح ظہور میں آئے گی۔ ✚ (۲) عالم کباب سے یہ مراد ہے کہ اس کے پیدا ہونیکے بعد چند ماہ تک یا

✚ نوٹ۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکے کے دو نام اور ہیں (۱) ایک شادی خاں کیونکہ وہ اس جماعت کیلئے شادی کا موجب ہوگا

جبتک کہ وہ اپنی بُرائی بھلائی شناخت کرے دنیا پر ایک سخت تباہی آئیگی گویا دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا اس وجہ سے اس لڑکے کا نام عالم کباب رکھا گیا غرض وہ لڑکا اس لحاظ سے کہ ہماری دولت اور اقبال کی ترقی کے لئے ایک نشان ہوگا۔ بشیر الدولہ کہلائیگا اور اس لحاظ سے کہ مخالفوں کے لئے قیامت کا نمونہ ہوگا عالم کباب کے نام سے موسوم ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا کے سرکش لوگوں کے لئے کچھ اور مہلت منظور ہے تب بالفعل میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں لڑکا نہیں بلکہ لڑکی پیدا ہوگی اور لڑکا بعد میں ہوگا مگر لڑکا ضرور ہوگا کیونکہ وہ خدا کا نشان ہے اور اگر دنیا پر جلد عذاب کا وقت آپہنچا ہے یعنی عذاب عظیم کا وقت۔ تب ابھی لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کا نام بشیر الدولہ اور شادی خاں اور کلمۃ اللہ خاں اور عالم کباب ہوگا اور وہ دنیا کے لئے نیکوں کے لئے اور نیز بدوں کے لئے خدا کا نشان ہوگا یہ اُسی قسم کا نشان ہے جیسا کہ یسعیاہ نبی نے خزقیاہ بادشاہ کے لئے فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عنقریب دو نشان ظاہر ہونگے پس اگر دو نشان ظاہر ہونیوالے جو عنقریب ہیں وہ اور ہیں تو اس صورت میں بھی اب کی دفعہ اُنکے گھر میں لڑکی پیدا ہوگی نہیں تو اب کی دفعہ ہی لڑکا پیدا ہوگا اور وہ خدا کا نشان ہوگا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا نشان ظاہر ہوگا اور وہ لڑکا نیکوں کے لئے اور اس سلسلہ کے لئے ایک سعد ستارہ کی طرح مگر بدوں کے لئے اسکے برخلاف ہوگا اسی تاریخ کے اور الہامات یہ ہیں (۱) ربّ ارنی انوارک الکلّیہ۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے اپنے تمام انوار دکھا (۲) انی انرتک واخترتک۔ ترجمہ۔ مَیں نے تجھے روشن کیا اور تجھے برگزیدہ کیا (۳) وانّہٗ نازلٌ من السماء ما یرضیک۔ ترجمہ۔ اور آسمان سے ایک ایسا امر اُترنیوالا ہے جو تجھے خوش کر دیگا (۴) دو نشان ظاہر ہونگے۔ (۵) اللہ تعالیٰ اسکو سلامت رکھنا نہیں چاہتا (کسی کی طرف اشارہ ہے) (۶) انا اخذناہ بعذاب الیم۔ ترجمہ۔ ہم دردناک عذاب کے ساتھ اسکو پکڑیں گے۔ (۷) خدا تمہیں سلامت رکھے۔ (۸) ینصرک رجالٌ نوحی الیھم من السماء۔ ترجمہ۔ وہ لوگ تیری مدد کرینگے جنکو ہم آسمان سے وحی کرینگے۔ (۹) یاتون من کل فجٍ عمیق۔ یاتیک من کل فجٍ عمیق۔ ترجمہ۔ ہر ایک دور کی راہ سے لوگ آئیں گے ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس تحائف لائیں گے۔ (۱۰) سلامٌ علیکم طبتم۔ ترجمہ۔ تم پر سلام تم پاک ہو۔ (۱۱) ولا تصعّر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ ترجمہ۔ اور جو لوگ تیری پاس آئیں گے تجھے چاہیئے کہ اُنسے بدخلقی نہ کرے اور انکی کثرت کو دیکھ کر تھک نہ جائے۔ ۱۱ جون ۱۹۰۶ء۔ (۱) رؤیا۔ دیکھا کہ پندرہ سولہ نوجوان عورتیں خوبصورت اور نہایت خوش لباس پہنے ہوئے میری سامنے آئی ہیں مَیں نے اس خیال سے کہ یہ جوان عورتیں ہیں مونہہ اُنسے پھیر لیا اور اُنسے پوچھا کہ تم کیسے آئی ہو انہوں نے کہا کہ ہم تو آپکے پاس ہی آئی ہیں پھر انہوں نے وہیں ہمارے دالان میں ڈیرے لگا دیئے۔ فرمایا۔ رؤیا میں عورت سے مراد اقبال اور فتحمندی اور تائید الٰہی ہوتی ہے اس رؤیا میں یہ بھی معلوم ہوا کہ انہیں عورتوں میں وہ بھی ایک عورت تھی جو پہلے کبھی آئی تھی۔ فرمایا اس میں اشارہ ایک پُرانے رؤیا کی طرف تھا جو حضرت والد صاحب کی وفات کے چند یوم بعد مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک پیڑھی پر بیٹھا ہوں تو ایک عورت نوجوان عمدہ لباس پہنے ہوئے تیس بتیس سال کی میرے سامنے آئی اور اس نے کہا کہ میرا ارادہ اب اس گھر سے چلے جانیکا تھا مگر تمہارے لئے رہ گئی ہوں (۲) ایک زلزلہ کا نظارہ دکھائی دیا اور ساتھ ہی اسکے الہام ہوا۔ لمن الملک الیوم۔ للہ الواحد القہار۔ ترجمہ۔ آج ملک کس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد قہار کا۔

باہتمام حکیم فضل الدین صاحب مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں منیجر میگزین کے لئے چھاپا گیا

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۶ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور - ۲۰ - جولائی سنہ ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عہ

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۴-جون ۱۹۰۶ء۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔
۱۶-جون ۱۹۰۶ء۔ زلزلہ آنیکو ہے۔ ۱۹-جون۔ موعود لڑکے کی نسبت جو میاں منظور محمد کے گھر پیدا ہوگا تین نام اور ظاہر کیے گئے۔ کَلِمَۃُ الْعَزِیْز۔ نَاصِرُ الدِّیْن۔ فَاتِحُ الدِّیْن۔ اسی کے متعلق الہام ہوا۔ ھٰذَا یَوْمٌ مُّبَارَکٌ۔
۵ جولائی ۱۹۰۶ء۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَۃً۔ رؤیا۔ مبارک احمد خسرہ کی شدت عوارض کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھا اور شدت خارش میں اپنے بدن کی بوٹیاں توڑتا تھا۔ اور نیند نہیں آتی تھی اور سخت اضطراب اور گھبراہٹ تھی۔ اسوقت میں نے اسکے لئے دعا کی۔ ابھی مَیں دعا میں مشغول ہی تھا کہ کشفی حالت مجھ پر طاری ہوگئی اور دیکھا کہ مبارک احمد کے بستر پر چھوٹے چوہوں کی شکل پر بہت سے جانور ہیں اور اسکو کاٹ رہے ہیں تب ایک شخص نے وہ سب جانور بستر پر سے اُٹھا کر ایک چادر میں باندھ دیے اور کہا کہ انکو پھینک دو۔ پھر کشفی حالت جاتی رہی اور مَیں نے دیکھا کہ لڑکا آرام میں آگیا اور تکلیف کا نام و نشان نہ رہا اور آرام سے سوگیا اور صحت یاب ہوگیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

ریویو

الذکر۔ یعنی اسمائے الٰہیہ اور نماز کا ترجمہ اور چند نصائح جو احادیث سے لیے گئے ہیں ان کو شیخ عبد الرحیم صاحب نے چند صفحوں میں لکھکر نہایت عمدہ اور موٹے کاغذ پر خوشخط چھپوایا ہے۔ یہ کتاب اسلامی مدرسوں میں داخل کرنیکے لائق ہے اور ویسے بھی ہر ایک مسلمان کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ پچاس صفحوں کی کتاب ہے اور قیمت صرف ۲ ہے۔ شیخ عبد الرحیم صاحب سے قادیان سے مل سکتی ہے۔

ستیارتھ پرکاش درپن۔ مصنفہ مولوی ابو رحمت حسن صاحب میرٹھ۔ ۷۰ صفحے قیمت ۲ر۔ میرٹھ النذیر پریس سے مل سکتی ہے۔

خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم۔ حکیم فضل دین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے تفسیر قرآن کریم کے حصوں کو الگ کرکے ایک مکمل کتاب کی صورت میں چھاپنا چاہا ہے ان ہر دو حصوں میں تفسیر سورۃ فاتحہ ہے جو براہین احمدیہ و کرامات الصادقین وغیرہ کتب سے لی گئی ہے۔ جہاں حضرت اقدس نے تفسیر عربی میں کی ہے اسکا ترجمہ اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ ۱۱۲ صفحے قیمت ۵ر۔ حکیم فضلدین صاحب سے قادیان سے مل سکتی ہے۔

ہندو محمدی اور مسیحی مذہب کا مقابلہ۔ ۴۴ صفحے کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو یونگ صاحب نے جو مشن کالج الہ آباد کے پرنسپل ہیں لکھا ہے اس میں اسلام کے متعلق چند بے سروپا باتیں اور عیسائی مذہب کے متعلق چند لغو باتیں پادری صاحب نے لکھی ہیں۔ خدا ان لوگوں کی آنکھیں کھولے کہ وہ صداقت اسلام کو دیکھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلامی قانون وراثت

بہت سے مسائل جن میں سے بعض پر گذشتہ پرچوں میں بھی بحث ہو چکی ہے۔ مثلاً پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ غلامی ممانعت سود۔ قانون وراثت۔ وغیرہ مذہب اسلام کے بنیادی مسائل میں داخل نہیں۔ اور نہ ہی ان صفحات میں ان مسائل پر اس غرض سے بحث کی گئی ہے کہ ان سے اسلام کے منجانب اللہ ہونے پر ویسی ہی قطعی شہادت پیدا ہوتی ہے جیسی کہ مسائل توحید و نبوت وغیرہ سے جو مذہب اسلام کے اصل شہتیر ہیں۔ بلکہ اس سلسلہ وار بحث کی جس کا آغاز جنوری ۱۹۰۵ء میں ہوا تھا ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ بعض مسلمان کہلانیوالے لوگوں نے اسلام کے ان مسائل کو قابل اعتراض اور مسلمانوں کی گری ہوئی حالت کی اصل وجہ بیان کیا۔ اور مسلمانوں کو یہ ترغیب دی کہ انکی بجائے وہ عیسائی قوموں کے اصول پر چلیں اور کہ مغربی قوموں کے نقش قدم پر چلنے سے ہی وہ پھر دنیا میں اپنی گم گشتہ قوت اور شوکت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ان باطل خیالات کی تردید ہی اس سلسلہ مضامین کا اصل مقصد تھا۔ کسی مذہب کے مخالفوں کا اس مذہب پر اعتراض کرنا تو کوئی نئی بات نہیں مگر اس زمانہ میں طرح طرح کے اثروں سے موثر ہو کر بہت سے مذاہب کے اندر بعض ایسی جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں جو زمانہ کی نئی ضروریات کے مطابق اس مذہب میں اصلاح کرنیکی دعویدار ہیں۔ اور سوائے اسلام کے دوسرے مذاہب میں ان اندرونی جماعتوں کا حملہ فروع پر نہیں بلکہ اصول مذہب پر ہے۔ مثلاً عیسائی مذہب کے تثلیث اور کفارہ اور الوہیت مسیح کے اصولی عقیدے زیر بحث لا کر تمام دانشمند عیسائی اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ یہ عقائد غلط ہیں۔ اور انہی خیالات کا اظہار انہوں نے بائبل کے انسائیکلوپیڈیا میں بھی کیا ہے جسکے لکھنے والے عیسائی پروفیسر اور پیشوایان عیسائی مذہب ہیں۔ یہی حالت بعض دیگر مذاہب مثلاً ہندو مذہب وغیرہ کی ہے مگر اسلام کو ہر جگہ بھی ایک امتیاز حاصل ہے۔ اور وہ یہ کہ اسکے اصول مثلاً توحید باری تعالیٰ اور نبوت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندرونی اعتراض نہیں ہیں بلکہ بعض فروعی مسائل پر جنکا ذکر میں نے اوپر بھی کیا ہے اس قسم کی بحث ہو رہی ہے کہ آیا یہ مسائل نئے زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہیں یا ان میں کوئی تغیر و تبدل ہونا چاہیئے۔ انہی لوگوں کے خیالات پر میں نے گذشتہ رسالوں میں بحث کی ہے اور انہی کے خیالات پر جو اسلامی قانون وراثت پر انہوں نے ظاہر کئے ہیں اسجگہ بھی میں بحث کرنی چاہتا ہوں مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ ان فروعی مسائل پر بحث کرنے میں بھی بہت سے امور صریح صریح ایسے پیدا ہوتے ہیں۔ جنسے یہ شہادت ملتی ہے کہ اسلام کا سرچشمہ انسانی علم اور طاقت سے برتر ہے۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کے لیے نہ صرف اعلیٰ درجہ کی اخلاقی اور مذہبی ہدایات ہی ہیں بلکہ اس کتاب پاک میں اللہ تعالیٰ نے تمدنی اور ملکی قوانین کے بھی ایسے اصول بیان فرما دیے ہیں جن پر چلنے سے مسلمان دین و دنیا کی فلاح حاصل کر سکتے ہیں بعض دوسرے مذاہب میں بھی اس قسم کے اصول دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر وہ اصول ایسے ناقابل عملدرآمد پائے گئے ہیں کہ ان مذاہب کے پیرووں کو انہیں چھوڑ کر خود اپنے لیے اصول تجویز کرنے پڑے ہیں۔ مگر اسلامی اصول کو یہ فخر حاصل ہے کہ اکثر اسلامی رواجوں اور قوانین کی بنیاد قرآن کریم کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ نے بھی طلاق کے متعلق ایک قانون انجیل میں دیا ہے جس کو عیسائی صاحبان باوجود خدا کا کلام کہنے کے اس کے ایک حرف پر بھی عمل نہیں کرتے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ "میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے۔" مگر آج کس قدر عیسائی گورنمنٹیں ہیں جنہوں نے اس قانون طلاق کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کونٹ ٹالسٹائی کے متعلق مندرجہ ذیل واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ کلیسیا کے عہدیدار بھی خود اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ یسوع مسیح کی تعلیم عمل کرنے کے لیے نہیں دی گئی تھی۔ "کونٹ ٹالسٹائی کہتا ہے کہ میں نے ایک دفعہ پہاڑی وعظ کو روسی کسانوں کے لیے چھپوایا۔ لیکن قبل اسکی اشاعت کے یہ ضروری تھا کہ وہ افسر مطابع کی اجازت حاصل کرے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ایک کاپی اس عہدیدار کو بھیجی گئی جب وہ کاپی واپس آئی تو اس میں سے یہ فقرہ کہ "کل کی فکر نہ کرو" کاٹا ہوا تھا۔ ٹالسٹائی نے اس عہدیدار سے جو پادری تھا اس کی وجہ پوچھی اور لکھا کہ یہ ہدایت تو خود یسوع مسیح کی دی ہوئی اور بائیبل کا ایک حصہ ہے اور ایسی ہی مقدس ہے جیسا کہ اس کا کوئی اور حصہ۔ پادری نے جواب دیا کہ بیشک جو تم کہتے ہو وہ سچ ہے مگر بیچارہ زمیندار بائبل کے اس حصہ تک کب پہنچ سکتا ہے بلکہ نوے فیصدی تو ایسے ہیں کہ کتاب پیدائش سے آگے بھی نہیں گذرتے۔ اب تم دیکھ سکتے ہو کہ اگر کسان واقعی اس ہدایت کو صحیح سمجھ لے تو روس کا تو دیوالہ نکل جائیگا۔ کسان بیچارے ایک دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے نہ وہ کچھ پس انداز کرینگے۔ ان سے خراج کا وصول کرنا ناممکن ہوگا۔ فوج بھوکی مر جائیگی۔ گورنمنٹ اپنے ملازموں کو تنخواہیں نہیں دے سکیگی۔ اور سخت ابتری کی حالت ملک میں پھیل جاوے گی۔ یقیناً میں اس فقرہ کو کاٹنے کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔" یہ تو ہے پادری صاحبان کی رائے انجیل کے احکام کے متعلق۔ مگر قرآن کریم کے احکام سب کے سب عمل کے لیے دیے گئے ہیں۔ اور اس کے ہر قسم کے قوانین خواہ وہ طلاق کے متعلق ہیں یا نکاح کے۔ خواہ وصیت کے متعلق ہو یا تقسیم ورثہ کے۔ ان پر مسلمان دنیا عمل کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور عموماً اہل اسلام کا ان پر اتفاق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کبھی کبھی ان قوانین کے خلاف بھی بعض اشخاص نے کوشش کی ہے مگر مسلمانوں میں ایسی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی آج تک کوئی زبردست فرقہ اسلام کے اندر ایسا قایم ہوا ہے جس نے اسلام کے مروجہ قوانین کو جنکی بنیاد قرآن شریف پر ہے مٹا کر انکی بجائے کوئی نئے قوانین قائم کر کے ان پر اسلامی دنیا کا عملدرآمد کرا دیا ہو۔ یہ امر مسلمانوں کو دنیا کی تمام قوموں سے ممتاز کرنیوالا ہے کہ ان میں نہ صرف اہم اور اصولی عقاید پر ہی بلکہ تمدن اور معاشرت کے قوانین پر بھی اسقدر اتفاق ہے

جس کی نظیر کسی دوسرے مذہب کے پیرووں میں نہیں ملتی۔

بعض لوگوں نے جہالت سے یہ کہا ہے کہ مذہب اسلام کوئی ترقی کرنیکے قابل نہیں جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ پرانے رواجوں اور قوانین کو چھوڑ کر نئے قوانین اختیار نہیں کرتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ اسلام کے مخالفین۔ خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی۔ اس کی خوبیوں کو بھی عیب بنا کر دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ تو اسلام کی عظیم الشان خوبیوں میں سے ایک بات تھی کہ تیرہ سو سال کے عرصہ کے اندر دور دراز ممالک میں جہاں کی آب و ہوا اور اطوار و اوضاع ایک دوسرے سے بالکل مخالف تھے کروڑہا انسان انہی اصول عقائد اور انہی قوانین پر قایم رہے اور ہیں جو ایک عرب کے رہنے والے اُمّی نے سکھائے تھے حالانکہ دوسرے کسی مذہب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ دوسرے مذاہب نے اگر کچھ قوانین بتائے بھی تو وہ ایسے تھے کہ ایک خاص قوم کی ایک وقت کے لیے ضرورت کو پورا کر نیوالے تھے اور اسی لیے ان قوانین میں جلدی ہی تبدیلی کی ضرورت پیش آئی مگر اسلام نے جو اصول اور قوانین مسلمانوں کو سکھائے وہ ہمیشہ کے لیے اور ہر ملک اور قوم کے لیے تھے۔ اور جہاں دوسرے مذاہب کے اصول اکثر حالتوں میں ناقابل عملدرآمد پائے گئے ہیں اسلام کے اصول کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ قابل عملدرآمد ہیں اور اسلامی دنیا کا ابتدائے زمانہ اسلام سے آجتک انپر عمل چلا آتا ہے۔ مثلاً عیسائیوں کا قانون طلاق ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے نہیں تھا اور اسی لئے عیسائیوں کو اس میں تبدیلی کر کے خود ایک قانون تجویز کرنا پڑا۔ اب یہ کسقدر حماقت ہے کہ اس مذہب کو جس کے قوانین اور اصول پر چند دن بھی چند قومیں اتفاق نہیں کر سکیں عالمگیر مذہب کہا جاوے۔ اور اس نقص کو چھپانے کے لیے پادری صاحبان نے یہ تجویز نکالی ہے کہ کہدیتے ہیں کہ عیسائی مذہب ترقی پذیر ہے۔ حالانکہ اگر سوچا جائے تو اس کلام کا مفہوم سوائے اسکے کچھ نہیں کہ یہ ایک ناقص مذہب ہے اور کامل نہیں۔ اور خود حضرت مسیحؑ نے بھی یہی فرمایا تھا۔ برخلاف اسکے اسلام کے اصول اور قوانین کو دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ صدہا سالوں سے ان میں کسی قسم کا تغیّر نہیں آیا کیونکہ وہ ایسی کامل صورت میں دیے گئے ہیں کہ ان میں تغیّر کی ضرورت ہی نہیں۔ نہ صرف مختلف ممالک کے رہنے والے مسلمان ہی ان قوانین اور اصول کو اپنے عملدرآمد میں لائے ہیں۔ بلکہ آخر عیسائی قوموں نے بھی انہی اصول اور قوانین کی طرف اپنا میلان دکھایا ہے۔ چنانچہ جو کچھ طلاق کے متعلق عیسائی قومیں اپنے قوانین میں اصلاح کر رہی ہیں یا تقسیم وراثت کے متعلق جو بہت سی عیسائی قوموں نے پہلو اختیار کیا ہے وہ عین اسلامی ہیں۔ ہاں تعدد ازواج کے خلاف عیسائی قوموں میں سخت تعصب پایا جاتا ہے۔ اور اس بارے میں وہ دلائل پر بھی غور نہیں کرتے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن میں ایک بات فرض کر کے اسپر ضد کر رہے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ کوئی شخص جب تک تعدد ازواج کا پابند نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو زوج واحد کے عام قاعدہ کے لیے بطور ایک استثناء کے ہے۔ اور تعدد ازواج کی ممانعت کا نتیجہ یورپ میں اس خطرناک بدکاری کا پھیلنا ہوا ہے جو انسانوں کو انسانیت کے درجہ سے نیچے گرا رہی ہے۔ یعنی زنا کا پیشہ۔ جب ایک شخص عیسائی بزرگوں کے اس غیظ و غضب کو دیکھتا ہے جو ایک شخص کی

دوسری بیوی کرنے پر وہ ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف انکو سوسائٹی کی اس حالت پر بالکل مطمئن پاتا ہے کہ لاکھوں کسبیاں اونکے درمیان موجود ہیں اور زنا اور اغوا کا بازار گرم ہے۔ تو تعجب ہی آتا ہے۔ حالانکہ ایک موٹی سمجھ کا انسان بھی یہ خیال کرسکتا ہے کہ اگر تعدد ازدواج کی ممانعت کو دور کر دیا جائے تو زنا کاری کی کثرت میں بہت کمی ہوسکتی ہے۔ مگر ان دانشمندوں کے نزدیک تعدد ازدواج نکاح اور مرد اور عورت کے تعلقات کے اعلیٰ ترین مفہوم کے منافی ہے خواہ واقعی اس کی کبھی ہی ضرورت ہو۔ مگر زنا اس اعلیٰ مفہوم کا منافی نہیں۔ پنجاب میں گذشتہ مردم شماری کے رو سے صرف ایک فیصدی آدمی اہل اسلام میں ایسا ہے جو دو بیویاں رکھتا ہو مگر اسکو نکاح کے مفہوم پر ایک خطرناک عیب سمجھا جاتا ہے۔ مگر لنڈن میں جہاں معمولی زنا کاری کے علاوہ صرف ایک لاکھ کسبیاں ہیں جو کم از کم دس لاکھ مردوں کے وحشیانہ جذبات کا شکار ہو رہی ہیں اور اسطرح پر قریباً پچیس فیصدی آدمی اس کھلی بدکاری کے مرتکب ہوتے ہیں جو سارے بن بیاہے نہیں ہوتے۔ ہاں لنڈن میں اس خطرناک سیاہ کاری کے باوجود نکاح کے اعلیٰ مفہوم کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اور تعلقات نکاح نہایت پاکیزہ سمجھے جاتے ہیں جسکا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہے کہ اگر سو آدمیوں میں سے ایک آدمی مجبوری کے لیے جو اکثر اولاد کی خواہش ہوتی ہے دوسری بیوی کو اپنے نکاح میں لائے تو یہ بہت بُرا ہے بہ نسبت اس کے کہ ہر تین یا چار آدمیوں میں سے ایک آدمی محض جذبات نفسانی کا مطیع ہوکر دوسری عورتوں سے زنا کاری کا ارتکاب کرے۔ خدائے تعالیٰ اس قوم کے اخلاقی فہم میں روشنی بخشے کہ ایک ذلیل ترین اور نہایت ہی گری ہوئی حالت کو تعدد ازدواج پر ترجیح دیجاتی ہے۔

جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں اسوقت مسلمانوں میں بھی وہ لوگ موجود ہیں جو بعض اسلامی قوانین اور رواجوں کو غیر معقول کہتے ہیں اور انکو ہدف اعتراضات بناتے ہیں اور انکو ان قوانین اور رواجوں سے بدلنا چاہتے ہیں جو مغربی اقوام میں پائے جاتے ہیں اور جن سے خود وہ اقوام نفرت کر رہی ہیں یا انکی غلطی کو محسوس کرنے لگی ہیں۔ اس مضمون میں میں اس قسم کے لوگوں کے ان اعتراضات پر بحث کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے اسلام کے قانون وراثت پر کیے ہیں۔ قانون وراثت اسلام کا کوئی بنیادی اصل نہیں۔ اور جو لوگ اس اصلاح کے مدعی ہو رہے ہیں خود انکی تعداد اسقدر کم ہے کہ وہ چنداں قابل التفات نہیں ہیں۔ مگر چونکہ مغربی تہذیب کے دلدادہ روز بروز ترقی کر رہے ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کو انکی غلطی پر آگاہ کیا جائے۔ مغربی تہذیب کے مداحوں نے جہاں اور بہت سے نئے نئے رواج اختیار کر رکھے ہیں یہ بھی اپنا رویہ بنا لیا ہے کہ اسلامی اصول کو ہی مسلمانوں کے موجودہ تنزل اور افلاس کی حالت کی اصل وجہ بیان کیا جائے۔ یہ لوگ جو مسلمانوں کے ہادی اور مصلح ہونیکے دعویدار ہیں اس بیماری کی تشخیص کرنے میں جو اس وقت اہل اسلام کو لگی ہوئی ہے اسقدر جلد بازی سے کام لیتے ہیں کہ وہ ایک لمحہ بھر یہ غور کرنیکے لیے بھی نہیں ٹھہرتے کہ آخر یہی اصول جنپر یہ عیب لگایا جاتا ہے کسی زمانہ میں مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کا حقیقی گر تھے۔ اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ایک وہ زمانہ تھا جب اسلامی تہذیب کی مشعل اپنے بلند مینار سے ساری دنیا کو روشن کر رہی تھی اور مسلمان سب دنیا کی قوموں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ مگر اسوقت

وہ انہی قوانین اور رواجوں کے پابند تھے۔ جنکو آج انکے زوال کا باعث بتایا جاتا ہے اب یہ تو ناممکن ہے۔ اور سمجھ نہیں آسکتا کہ جن اصول اور قوانین وضوابط پر چلکر ایک وقت ایک قوم قعر ذلت سے نکلکر اوج ترقی اور تہذیب پر پہونچی ہو۔ انہیں اصول کی کاربند ہونیکی وجہ سے دوسرے وقت وہی قوم اس ساری ترقی اور تہذیب اور عظمت اور شرافت کو کھوکر ذلت کے اتھاہ گڑھے میں گر جائے۔ پس اسکا باعث کوئی اور ہونا چاہیئے۔ دوسری طرف مغربی اقوام کے بہت سے وہ رواج جن کو آج ان کی ترقی کا باعث بتایا جاتا ہے۔ وہی ہیں جو ابتدائے زمانہ عیسویت سے چلے آتے ہیں۔ یا کم از کم ایسے ہیں جنپر عیسائی لوگ ڈیڑھ صدیاں بعد قائم ہوگئے تھے مگر انہی اصول پر چلکر مدت تک یورپ پر سخت جہالت کی تاریکی چھائی رہی اور پھر وہی روشنی کی شعاع تھی جو اسلام کے بلند منارہ سے آتی تھی۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ تو اسلام کے اصول اور قوانین میں کوئی ایسا ذاتی نقص ہے جس سے یہ نتیجہ صحیح طور پر نکالا جاسکتا ہو کہ ان اصول اور قوانین کے چھوڑنے پر ہی اسلام کی ترقی منحصر ہے اور نہ ہی عیسائی قوموں کے قوانین اور رواجوں میں واقعی کوئی ایسی خوبی ہے کہ ان پر چلکر مسلمان کسی ترقی کی امید کرسکیں۔ اور نہ ہی کوئی عقلمند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ پہلے زمانہ میں اسلام کے اصول اور قوانین اس کی ترقی کا باعث تھے مگر اب وہی اصول اور قوانین اس کے تنزل کا باعث ہو رہے ہیں۔ یا یہ کہ اگرچہ عیسائی قوموں کے رواج اور قوانین پہلے زمانہ میں انکے تنزل اور جہالت کا باعث تھے مگر اب وہی رواج اور قوانین انکی ترقی کا باعث ہوگئے ہیں۔ اور ان میں کوئی نئی طاقت پیدا ہوگئی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جس عروج پر مذہب اسلام نے اپنے پیروؤں کو پہنچایا۔ دوسرے کسی مذہب کو کبھی اس کامیابی کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دوسری قوموں نے ترقی نہیں کی بلکہ جو کچھ ترقی انہوں نے کی وہ ان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ تھا یا ہے مگر مسلمان محض اپنے مذہب کی وجہ سے دنیا کے رہبر اور ہادی بنے۔ بالفاظ دیگر مسلمانوں کی ترقی ان اصول پر عمل کرنیکی وجہ سے ہوئی جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے۔ مگر دوسری قوموں کی ترقی میں یہ صورت نظر نہیں آتی۔ یہ بات اسقدر صاف ہے کہ کسی شہادت کی ضرورت نہیں رکھتی۔ اسلام کی ترقی کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کے ساتھ ہی رکھی گئی۔ اور آپکے زمانہ سے پچیس سال کے اندر اندر مسلمان نہ صرف دنیا کی اول درجہ کی فاتح قوم ہی بن گئے بلکہ انہوں نے دنیا کے تاریک کونوں میں نور علم کو پھیلایا۔ وہ نیکی اور پرہیزگاری کے نمونے دنیا کے لئے بنے وہ صاحب علم وفضل وہنر تھے اور ہر رنگ میں جس سے انسان کو شرف انسانیت حاصل ہے وہ دنیا کی سب قوموں پر فوقیت لے گئے۔ اور دنیوی اور اخلاقی وجاہت انکے ہاتھ میں اسوقت تک رہی جبتک کہ وہ پوری طرح سے ان پاک اصول کے پابند رہے جو ان کے ہادی نے انکو سکھائے تھے۔ لیکن جب مرور زمانہ کے ساتھ وہ خود غافل اور سست ہوتے گئے۔ اور جب انہوں نے ان اصول کو چھوڑ دیا تو اس عزت نے بھی جو محض اسلام کی بدولت انکو نصیب ہوئی تھی انکا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ رنگ دوسرے مذاہب میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ مثلاً عیسائی مذہب کو ہی

دیکھ لو۔ اسکے پیروؤں نے تین سو سال تک کوئی نمایاں ترقی نہیں دکھائی۔ تین صدیوں کے گذرنیکے بعد دنیوی وجاہت عیسائیت کو حاصل ہونی شروع ہوئی۔ مگر باوجود اس کے کہ اسکے بعد ایک ہزار سال تک عیسائیت کا غلبہ یورپ میں رہا مگر جہالت کی تاریکی تمام برّاعظم پر چھائی ہوئی تھی اور کوئی خصوصیت ذکر کرنیکے ساتھ قابل ترقی اس قوم کی اس زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔ وہ سخت درجہ کی جہالت اور توہم پرستی میں ڈوبے رہے اور عیسائی مذہب کے اصول نے کوئی نئی روح ان میں پھونک کر نہ دکھائی۔ جیساکہ اسلام میں ہم ایک عظیم الشان نفخ روح دیکھتے ہیں کہ جیسا جیسا قومیں اسلام قبول کرتی گئیں وہ دوسری قوموں سے بیّن طور پر ممتاز ہوتی گئیں۔ عیسائی قوموں نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ بہت قریب کے زمانہ کی ہے۔ اور اسوقت سے شروع ہوتی ہے جب عیسائیت کا اثر لوگوں کے دلوں سے زائل ہونا شروع ہو گیا تھا پس جو کچھ مادّی ترقی عیسائی اقوام نے کی ہے وہ صرف انکے ہمہ تن مردار دنیا پر گر پڑنے اور آخرت سے بالکل غافل ہو جانیکی وجہ سے ہے۔ انہوں نے دولت کے دیوتا کی پرستش شروع کی اور دولت کو حاصل کیا۔ پس انکی ترقی اور مسلمانوں کی ترقی دو الگ الگ سٹرکوں پر چلنے سے ہوئی۔ اور اس امتیاز کو بھول جانیسے مدعیان اصلاح نے ٹھوکر کھائی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ دو طرح پر انسان ترقی کر سکتا ہے اور اس کے لیے دو الگ الگ راہیں ہیں۔ جیساکہ خود قرآن شریف میں بھی یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم يصلها مذموما مدحورا ٥ ومن اراد الاٰخرة وسعٰى لها سعيها وهو مؤمن فاولئك كان سعيهم مشكورا ٥ كلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظورا۔ (بنی اسرائیل۔ ۱۸۔ ۲۰)۔ جو شخص دنیا کا طالب ہو تو ہم جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اسی دنیا میں سردست اسکو دیدیتے ہیں مگر پھر آخر کار ہم نے اسکے لیے دوزخ ٹھہرا رکھا ہے جس میں وہ بُرے حال سے راندہ ہو کر داخل ہوگا۔ اور جو شخص طالب آخرت ہو اور آخرت کے لیے جیسی کوشش کرنی چاہیئے ویسی اس کے لیے کوشش بھی کرے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی محنت مقبول ہوگی۔ انکو اور انکو یعنی کیا دنیا کے طالبوں کو اور کیا آخرت کے طالبوں کو ہم تیرے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تیرے پروردگار کی بخشش عام ہے کسی پر بند نہیں۔ اس آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا فرق ہے جو مسلمانوں کی ابتدائی زمانہ کی تہذیب اور عیسائی اقوام کی اس زمانہ کی تہذیب میں پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے آخرت کے لیے سعی کی اور دین کو دنیا پر مقدم کیا۔ دنیا طلبی کی بجائے راستبازی کا راہ اختیار کیا اور خدا نے اپنے وعدہ کے مطابق اس دنیا میں بھی انکو عروج اور اقبال بخشا۔ اور ترقی کے اوج اور تہذیب کے بلند مینار پر پہنچایا۔ کیونکہ جو شخص خدا کی راہ میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا میں بھی اجر دیتا ہے۔ اور اپنی برکات نہ صرف آخرت میں بلکہ اس دنیا میں بھی اسپر نازل فرماتا ہے۔ برعکس اسکے عیسائیوں نے صرف دنیا طلبی پر زور دیا اور دنیا پر ہی اپنے قویٰ کو صرف کیا۔ اور اسی دنیا کے عیش اور عشرت کے سامانوں کی تلاش میں لگ گئے سو خدا نے صرف اسی دنیا کے

ان کو حصہ دیا اور وہ آخرت سے محروم رہ گئے۔ یہ بات کہ واقعی مغربی یعنی عیسائی اقوام کی تمام ہمت اس وقت بکلی ہی دنیا پر ہی صرف ہوتی ہے۔ محتاج ثبوت نہیں بلکہ جس شخص نے ان لوگوں کے حالات پر کچھ بھی نظر کی ہے۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے۔ عیسائی صاحبان خود اس کے اقراری ہیں چنانچہ اخبار ہاروسٹ فیلڈ کے ایک تازہ پرچے میں پادری مونا ہن نے ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ مغرب میں مذہب کی کیا حالت ہے۔ وہ لکھتا ہے "تقریباً بیس سال سے انگلستان کی مذہبی زندگی میں زوال کے خطرناک آثار پائے جاتے تھے۔ دنیا پرستی اور دنیا طلبی تمام خیالات پر غالب آئی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ آسایش کے سامانوں میں حیرت انگیز ترقی۔ یہانتک کہ غربا کے گھروں میں بھی آسایش کے لیے سامانوں کا مہیا ہونا۔ کھیل کود کے پیچھے دیوانوں کی طرح لگے رہنا۔ ہر وقت طلب عیش میں لگے رہنا۔ یہ تمام نشان تھے کہ انگریز حد سے بڑھکر دنیا پر گر گئے تھے۔ ان سب سے بڑھکر صاحب دولت بننے کی دیوانہ وار تڑپ ہے جس کی غرض صرف یہ ہے کہ زیادہ روپیہ حاصل کر کے عیش و عشرت کے سامان زیادہ مہیا کیے جاویں۔ اسپر تجارت کے مقابلہ اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں دوڑ دھوپ کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسطرح پر تمام واقعات کی رو مذہبی زندگی کی جڑ ملا کھاڑ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کے پاس پاکیزگی حاصل کرنیکے لیے کوئی وقت ہی نہیں تھا۔ اور نہ دعا کرنیکے لیے کوئی وقت تھا۔ خود کلیسیا کی زندگی شہادت دے رہی تھی کہ زمانہ کسقدر فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا ہے۔ آخرت کا خیال قطعاً دلوں سے اُٹھ گیا۔ کلیسیا میں دنیا داری حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی اور ابتک ہے۔ اور مذہب کو دنیا طلبی کے ساتھ خطرناک طور پر ملا دیا گیا ہے"

اس مضمون کا لکھنے والا خیال کرتا ہے کہ اب پانچ چھ سال سے انگلستان کی حالت بدل گئی ہے مگر یہ محض خوش اعتقادی ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ دنیا کی محبت کی آگ روز بروز تیز ہو رہی ہے اور کل قوائے انسانی اور ہمت کو صرف دنیا طلبی پر ہی صرف کیا جا رہا ہے۔ بلکہ جہاں مذہب کا ذکر بھی ہے وہ بھی صرف زبان سے ہے اور دل میں کچھ بھی نہیں حضرت مسیح کے پہاڑی وعظ کے بعض فقرات اسی بات کے مؤید ہیں جسکا ذکر ہمنے اوپر کیا اور انسے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی دنیا کی موجودہ مادی ترقی خالص دنیا طلبی کا نتیجہ ہے اور یہ عیسائی ہونیکی وجہ سے نہیں بلکہ دہریہ ہونیکی وجہ سے ہے۔ مثلاً حضرت مسیح فرماتے ہیں "مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور مورچہ خراب کرتے ہیں اور جہاں چور سیندھ دیتے اور چُراتے ہیں۔ بلکہ مال اپنے لیے آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑا نہ مورچہ خراب کرتے اور نہ وہاں چور سیندھ دیتے اور چُراتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی لگا رہیگا۔ .... کوئی آدمی دو خاوندوں کی خدمت نہیں کر سکتا اس لیے کہ یا ایک سے دشمنی رکھیگا اور دوسرے سے دوستی یا ایک کو مانیگا اور دوسرے کو ناچیز جانیگا۔ تم خدا اور دولت کے دیوتا دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے لیے فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پیئیں گے نہ اپنے بدن کے لیے کہ کیا پہنیں گے ..... پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جاتی ہے

یوں پہناتا ہے تو کیا تم کو اے کم اعتقادو زیادہ نہ پہنائیگا۔ اس لیے یہ کہکے فکر مت کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے یا کیا پہنیں گے۔ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو پر تم پہلے خدا کی بادشاہت اور اسکی راستبازی کو ڈھونڈو۔ اور یہ سب چیزیں بھی تمہیں ملیں گی۔"

اب کوئی پادریصاحب غور کرکے بتاویں کہ کیا مغربی یعنی عیسائی اقوام اس زمانہ میں خدا کی بادشاہت اور اسکی راستبازی کو ڈھونڈ رہی ہیں اور دنیا کی چیزیں انکو یونہی ملتی ہیں یا کہ وہ دنیا کی چیزوں کی طلب میں دیوانوں کی طرح لگی ہوئی ہیں اور خدا کی بادشاہت اور راستبازی کا خیال انکے پاس پھٹک بھی نہیں گیا۔ اور یوں حضرت مسیح کے زمانے کی غیر قوموں کا تتبع کر رہی ہیں۔ پس عیسائیوں کے لیے موجودہ مادّی ترقی باعث فخر نہیں اور نہ خوشی کرنے کی جگہ ہے بلکہ رونے کی جگہ ہے کہ وہ اس حقیقت سے دور جا پڑے ہیں کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد کیا ہے۔ جو کچھ وہ حاصل کر رہے ہیں وہ دولت کے دیوتا کی پرستش سے حاصل کر رہے ہیں اور اس لیے خدا کے ساتھ ان کی محبت نہیں رہ سکتی یہ تو ان قوموں کا حال تھا مگر اب اور بھی زیادہ افسوس ہے کہ بعض مسلمان بھی عیسائی لوگوں کے نقش قدم پر چلکر ہمہ تن دنیا میں ہی مصروف ہونا چاہتے ہیں۔ انکو یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح سے وہ مسلمانوں کو ترقی نہیں بلکہ تنزل کی راہ پر چلائیں گے مسلمانوں کے لیے ان کی ہمتوں کا مرجع یہ ذلیل مقصد کبھی نہیں ٹھہرایا گیا تھا کہ وہ مردار دنیا پر گر پڑیں بلکہ انکو یہی تعلیم دیگئی تھی کہ وہ راستبازی کو مقدم رکھیں۔ اور دنیا کی ضروری چیزیں خود انکے پاس آئیں گی۔ پس تقویٰ اور راستبازی ہی ان کا مقصد اعلیٰ تھا اور ہے۔ اور ان لوگوں کو جو بلا سوچے سمجھے اصلاح کے مدعی بن بیٹھے ہیں اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ مسلمانوں کا قدم ہمت محض دنیا طلبی نہ تھا اور نہ اب ہونا چاہیئے۔ ورنہ وہ بھی دوسری قوموں کی طرح محض ایک دنیا پرست اور آخرت سے بے بہرہ قوم ہو جائیگی۔ راستبازی اور تقوے کی راہوں سے ہی وہ پہلے بڑے بنے اور انہی راہوں پر چلکر وہ اپنی گم گشتہ بڑائی کو پھر پا سکتے ہیں۔ دوسری قوموں کی ترقی ان کے لیے نظیر نہیں کیونکہ جسطرح قرون اولے کے مسلمانوں نے معمولی دنیوی راہوں پر چلکر ترقی اور عزّت کو نہیں پایا بلکہ تقویٰ اور راستبازی ہی انکی تمام ترقیوں کا سرچشمہ تھا۔ ایسا ہی اب بھی انکی ترقی کے لیے یہی راہ ہے۔ اور دنیا پر گری ہوئی قوموں کے نقش قدم پر چلانے سے وہ کبھی اُٹھ نہیں سکتے۔ جیسا خدا نے خارق عادت طور پر پہلے انکو ترقی دی کیونکہ انہوں نے راستبازی سے پیار کیا اور دین کو دنیا پر مقدم کیا ایسا ہی وہ پاک ذات اب بھی کریگا۔ لیکن اسکے لیے ضروری ہے کہ وہ انہیں تقوے کی راہوں پر پھر قدم ماریں اور راستبازی سے پیار کریں اور آخرت کو دنیا پر مقدم کریں۔

اگر مسلمانوں کی اس حالت کو دیکھا جاوے جب انکے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی معمولی دنیوی رنگ کی ترقی نہ تھی۔ اگر مجموعی نظر سے دیکھا جاوے تو اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کے وقت مسلمانوں میں بیدینی اور لامذہبی کی کبھی وہ حالت نہیں ہوئی جو آجکل کی مہذب قوموں کی حالت ہے۔ بلکہ ایک عرصہ

دراز تک جیسے وہ اپنی دنیوی ترقی اور تہذیب کے لیے مشہور تھے ویسا ہی اپنی راستبازی اور نیکی کی وجہ سے بھی شہرت رکھتے تھے۔ بلکہ جب وہ راستبازی کے اعلیٰ مقام سے گرے تو اس وقت بھی انکی حالت ایسی ذلیل کبھی نہیں ہوئی جیسے کہ عیسائی اقوام کی ہو رہی ہے چنانچہ نہ ہی اپنی اعلیٰ درجہ کی ترقی کے وقت اور نہ ہی اس تنزل کی حالت میں عیسائی اقوام کی مخصوص بدیاں جو تمام بدکاریوں کی جڑھ اور تمام بداخلاقیوں کی ماں ہیں یعنی شرابخوری زناکاری اور قماربازی جو یورپ کے ماتھے پر سیاہ دھبے ہیں ان میں کبھی اس طرح پر نہیں پھیلیں۔ اسوقت جب وہ دنیوی ترقی کے معراج پر پہنچے ہوئے تھے اسوقت بھی انکی زندگیوں کے اندر مذہبی روح موجود تھی اور ہر طرح کی شان وشوکت اور آسایش کے سامانوں کے باوجود وہ پانچ وقت اپنے مولیٰ کے حضور جھکتے اور گڑگڑاتے تھے اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے تھے۔ غرضکہ جولا مذہبی اور بیدینی اس تہذیب کے زمانے میں یورپ اور امریکہ میں پھیلی ہوئی ہے وہ مسلمانوں کے اندر کبھی نہیں پھیلی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا مسلمان بھی نیکی اور پرہیزگاری کے بہت سے اعلیٰ اصول سے گرتے گئے۔ اور تعلیم اسلام کے اصل مغز کو بھول گئے اور اس کے ساتھ ہی انکے دنیوی اقبال میں بھی زوال شروع ہو گیا۔ مگر وہ گرے بھی تو ایسے نہیں گرے کہ پھر اٹھ نہ سکیں۔ جیسا کہ بہت سی دوسری اقوام کا انجام ہوا جن کی غرض صرف دنیا طلبی ہی تھی۔ اسلام کے لیے یہ خوشخبری موجود ہے کہ وہ ابھی پھر ایک دفعہ اُٹھے گا اور دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آئیگا اور یہ خوشخبری اُسی مخبر صادق نے دی ہے جس نے مسلمانوں کی اول حالت عروج اور اس کے بعد زوال کی اطلاع دی تھی جو پوری ہو چکی۔ پس یہ وقت اب پھر اسلام پر آنیوالا ہے کہ لیظہرہٗ علی الدین کلہ کا وعدہ پورا ہو۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ جس راہ پر چلکر مسلمان پہلے کامیاب ہوئے تھے اُسی راہ پر چلکر وہ پھر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یعنی تقوے طہارت اور راستبازی کے ذریعہ جس کے لیے یہ بشارت ہے کہ آخری زمانہ میں راستبازی اور ایمان مسیح موعود اور مہدی کے ذریعہ دنیا میں قایم ہونگے۔ سو وہ وقت آچکا ہے اور وہ مقدس امام ظاہر ہو چکا ہے جس نے دیکھنا ہو دیکھے۔

اصل کلام کی طرف رجوع کر کے مَیں پھر یہ کہتا ہوں کہ مسلمان اگر ترقی کے خواہاں ہیں تو اُسی راہ سے پھر اسے تلاش کریں جس راہ پر چلکر انکے بزرگوں کو پہلے ترقی ملی تھی۔ اور وہ مغربی اقوام کے خالص دنیوی طریقوں سے پرہیز کریں۔ کیونکہ انکی دنیا طلبی جو حد سے گذری ہوئی ہے مذہبی روح کے لیے سم قاتل ہے۔ قرآن کریم تو یہ تعلیم دیتا ہے مگر عیسائی صاحبان اگر حضرت مسیح کے اقوال پر ہی غور کریں تو انسے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ دنیا بیشک اسبات کو عجیب اور ناممکن سمجھتی ہے کہ راستبازی کے اختیار کرنیسے دنیوی برکات بھی انسان کو حاصل ہوتی ہیں مگر یہی تمام راستبازوں کا تجربہ ہے اور اسلام کی تاریخ اسپر کھلا کھلا گواہ ہے۔ خود مسیح نے بھی یہی تعلیم دی اگرچہ اس کے پیروؤں نے اسکی تعلیم کی پیروی نہیں کی۔ جو شخص کچھ بھی نظر غور سے قرآن شریف کو پڑھیگا وہ دیکھ لیگا کہ اسلام نے تزکیہ نفس اور راستبازی پر کسقدر زور

دیا ہے۔ نہ صرف مذہبی عبادات کے احکام میں ہی یہ بات پائی جاتی ہے بلکہ ہر ایک قسم کے قوانین خواہ وہ تمدن کے متعلق ہوں یا معاشرت کے یا ملکی قوانین ہوں یا سزاؤں کے متعلق ہوں یا کسی قسم کی نہی ہو۔ ہر جگہ راستبازی کو ایک سچے مسلمان کے لیے اصل ٹھہرایا ہے۔ اور ہر قسم کے احکام کے ساتھ ساتھ تقوے کے لیے اسقدر تاکید فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ہر حکم اور نہی کی بنیاد تقوے پر ہی رکھی گئی ہے۔ اس کی میں ایک موٹی مثال سورہ طلاق سے پیش کرتا ہوں جہاں طلاق کے دینے میں چند امور کا ملحوظ رکھنا بیان کیا گیا ہے مگر عجیب رنگ میں ایک ایک فقرہ کے ساتھ تقوے کی ہدایت اور تاکید کو دوہرایا گیا ہے۔ یٰایھا النبی اذا طلقتم النسآء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وتلک حدود اللہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ ذلکم یوعظ بہ من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا والیٔ یئسن من المحیض من نسآئکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر والیٔ لم یحضن واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا ذلک امر اللہ انزلہ الیکم ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیاتہ ویعظم لہ اجرا + ان آیات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے حکم کے ساتھ قرآن شریف نے تقوے کی شرط ضروری لگا دی ہے پس تمام کے تمام اسلامی قوانین اور سنن کی بنیاد تقوے پر ہے۔ اور بدون تقوی وہ قوانین اپنی اصل حالت پر نہیں رہ سکتے۔ صحابہؓ اور ابتدائی زمانہ کی مسلمانوں کی ترقی کا یہی راز تھا کہ انہوں نے اسلامی قوانین کی اصل حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور یہ جان لیا تھا کہ ان سب قوانین کی جان تقوی ہے۔ اور تقوے کے بغیر وہ ایسے ہیں جیسے جسم بلا روح۔ اس گر کو سمجھ لینے سے مسلمانوں کی کامیابی اور ترقی گذشتہ زمانہ میں اور مسلمانوں کا تنزل اس زمانے میں بخوبی سمجھ آسکتا ہے۔ اسکو دوسری قوموں پر قیاس مت کرو بلکہ اسلام کی اپنی تاریخ میں اسکے صحیح اسباب ملتے ہیں۔ جب تک مسلمان قرآن کریم کے احکام کی اصل حقیقت پر قایم رہے اور اس بنیاد کو جسپر یہ احکام مبنی تھے قایم رکھا اسوقت تک اقبال نے بھی انکا ساتھ نہیں چھوڑا۔ لیکن جب اصل بنیاد ان احکام کی جو تقوی تھی قایم نہ رہی تو وہ عمارت بھی قایم نہ رہی جو اس بنیاد پر کھڑی تھی اور مسلمانوں نے تنزل کے دنوں کو دیکھا جو شخص واقعی اس تلاش میں ہیں کہ وہ مسلمانوں کی دنیوی حالت تنزل کے اسباب کو

دریافت کریں انہیں ان امور پر خوب غور کرنا چاہیئے۔ اسلام کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عظیم الشان ترقیوں کا زمانہ اسلام کی پہلی تین صدیاں تھیں۔ اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ اسلام میں بڑی نیکی اور راستبازی کا زمانہ پہلی تین صدیاں ہی ہیں اور کہ اس کے بعد لوگ تقوے کی راہوں پر قایم نہ رہیں گے۔ پس جیسا اِدھر مسلمان فیج اعوج کے زمانہ میں (جو تین صدیوں کے بعد شروع ہوتا ہے) اصل راہ سے منحرف ہوتے گئے اُدھر انکے تنزل کا زمانہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ انکی ترقی اور تنزل کے زمانہ میں معمولی قوانین یکساں ہی ہیں اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے کوئی اور قوانین ہوں جن پر وہ عمل کرتے ہوں اور پھر ان قوانین کو بدل دینے سے تنزل کی حالت پیدا ہوئی ہو بلکہ اگر کوئی فرق آیا ہے تو وہ صرف تقوٰی اور پرہیزگاری کی راہوں کا گم ہوجانا ہے۔ تقوی ان احکام کی جان تھی سو جب جان جسم سے نکل گئی تو جسم بھی بیکار رہ گیا۔ یہی ایک وجہ ہے کہ جو قوانین ایک زمانہ میں مسلمانوں کی عظیم الشان ترقیوں اور کامیابیوں کا موجب تھے بعد میں ان سے یہ روح اور قوت جاتی رہی۔ پس اب اصلاح کی تجویز یہ نہیں کہ اس بیجان جسم کو بھی خاک میں ملا دیا جاوے بلکہ اصلاح صرف اسطرح ہو سکتی ہے کہ پھر ان تجاویز پر عمل کیا جاوے جن سے از سر نو اس مردہ جسم میں جان داخل ہوجاوے ہاں یہ انسانوں کی کوشش سے نہیں ہوسکتا اور نہ ہی پہلے انسانوں کی کوشش سے ایسا ہوا تھا۔ بلکہ جسطرح پہلے اس ایمان اور راستبازی کو جو کل احکام کی روح ہے پیدا کرنیوالا کلام الٰہی تھا اسی طرح اب بھی کلام الٰہی کے سرچشمہ سے ہی وہ تازگی اور روح پیدا ہوسکتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اول میں اسلامی قانون وراثت کو قرآن شریف سے پیش کرتا ہوں اور بعد میں اسکا مقابلہ دوسرے مروجہ قوانین وراثت سے کرکے یہ دکھاؤنگا کہ صحیح اور سچا قانون صرف وہی ہے جو تیرہ ۱۳ سو سال ہوئے اسلام نے پیش کیا تھا۔ اور دنیاداروں کے تجویز کیے ہوئے قوانین سراسر خلاف انصاف ہیں۔ اور اسی ضمن میں یہ بھی ذکر کیا جاویگا کہ نئے مدعیان اصلاح جو لامذہبی کو اسلام کی ترقی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کونسی اصلاحیں اسلامی قانون وراثت میں کرنی چاہتے ہیں اور انکی حقیقت کیا ہے۔ سب سے اول میں وہ آیت پیش کرتا ہوں جو قانون وراثت کے لئے بطور اصل کے ہے۔ یہ آیت سورہ نساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون ص وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیبًا مفروضًا۔ یعنی ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں مردوں کا حصہ ہے اور ایسا ہی ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ خواہ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اور یہ حصہ مقرر کردہ اور ٹھہرایا ہوا حصہ ہے۔ اس حصہ کا ذکر جسکا اشارہ یہاں پایا جاتا ہے اس سے اگلے رکوع میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن اسجگہ اللہ تعالیٰ صرف یہ فرماتا ہے کہ ترکے میں سے مردوں کو اور عورتوں کو کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملنا چاہیئے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اس سے ان تمام قوانین وراثت کی اصلاح کی گئی ہے جنہوں نے عورتوں کو ہمیشہ کے لئے محروم الارث قرار دے

رکھا تھا۔ خود عرب کی حالت تو یہ تھی کہ عورتوں کو بجائے ورثہ میں سے حصہ دینے کے خود ورثہ کا حصہ سمجھا جاتا تھا اور وہ وارثوں کا مال ہوتی تھیں جس سے وہ بدرسم بھی پیدا ہو گئی تھی جسے قرآن شریف نے حرّمت علیکم امّھاتکم کہکر حرام کیا۔ یعنی بیٹے باپ کی عورتوں کو بھی جائداد کا حصہ سمجھکر تصرف میں لاتے تھے۔ یہ تو عرب کی حالت تھی جو بسبب ایک وحشیانہ حالت میں ہونیکے کہا جاسکتا ہے کہ عورت کو ذلیل سمجھتے تھے مگر مہذب سے مہذب اقوام نے بھی ابھی تک اسقدر ترقی نہ کی تھی کہ وہ عورت کو حصول جائداد میں ہر طرح مرد کے مساوی حقوق دیں۔ اور نہ ہی اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ بات حاصل ہوئی تھی کہ وہ عورت کو ایسے حقوق دیں جیسا کہ آگے چلکر دکھایا جاویگا۔ ان مخالفین یا برائے نام موافقین اسلام کو جو اسلام پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس نے عورت کی قدر کو نہیں پہچانا اور اسے ذلیل حالت میں رکھا ہے اس موقع پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ عورت کو اس سے بڑھکر فائدہ کسی طرح سے نہ پہنچایا جاسکتا تھا۔ کہ اسے مرد کے ساتھ ترکہ میں وارث قرار دیا جاوے اور اسطرح پر حصول جائداد میں اسکو مرد کے سے حقوق دیئے جاویں۔ یہ دنیا کے موجودہ قوانین میں ایک عظیم الشان اصلاح تھی۔ جسکو ایک عرب کے اُمّی نے (فداہ امی و ابی) پہلے دنیا میں رائج کیا۔ سبحان اللہ کیسی قدسی اس وجود پاک کی تھی کہ ایک دم میں وہ کام کر دکھایا جو ہزاروں سالوں کی تدریجی مادی ترقی دنیا میں نہیں کر سکی۔ اس آیت سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وصیّت کا حکم جو اس سے بعد کی آیتوں میں ہے وہ ایک خاص حصہ جائداد کے لیے ہے کیونکہ اس آیت میں یہ ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ کچھ نہ کچھ حصہ جائداد کا ورثا کے لیے چھوڑا جائے اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ وصیّت نہ کی جاوے تاکہ ورثا بالکل محروم نہ ہو جاویں۔ اسکے بعد قرآن شریف میں ورثا کے حصص بیان کیے گئے ہیں۔ اسبارے میں ذیل کی آیات سورہ نساء کی ہیں جنکو میں بلا ترجمہ دیتا ہوں یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کنّ نسآء فوق اثنتین فلھنّ ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف ولابویہ لکلّ واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین اباؤکم وابناؤکم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا فریضۃ من اللّٰہ ان اللّٰہ کان علیما حکیما ۝ ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین وان کان رجل یورث کللۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر

من ذلك فهم شركاء في الثلث من بعد وصية يوصى بها او دين غير مضار وصية من الله والله عليم حليم تلك حدود الله ومن يطع الله ورسوله يدخله جنت تجري من تحتها الانهر خلدين فيها وذلك الفوز العظيم ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين ..... يستفتونك قل الله يفتيكم في الكللة ان امرؤا هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك وهو يرثها ان لم يكن لها ولد فان كانتا اثنتين فلهما الثلثن مما ترك وان كانوا اخوة رجالا ونساء فللذكر مثل حظ الانثيين يبين الله لكم ان تضلوا والله بكل شيء عليم۔

ان آیات سے بہت سے نئے امور پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً عورت کو نہ صرف ترکہ میں مرد کے ساتھ حقدار قرار دیا ہے بلکہ اسے وصیت کرنے اور قرضہ لینے کے بھی وہی حقوق دیے گئے ہیں جو مردوں کو دیے گئے ہیں اس طرح پر گویا کل حقوق حصول جائداد میں عورت کو مرد کے برابر رکھا ہے۔ اور کسی قسم کی روک اسپر نہیں ڈالی۔ نیز اس قانون وراثت کے رو سے جائداد منقولہ وغیر منقولہ میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ تیسرا صاحب جائداد کو وصیت کا حق دیا گیا ہے جسکی حد بندی پہلی آیت سے اور بعض حدیثوں سے ایک ثلث جائداد تک ہے جیساکہ اوپر ذکر ہوا۔ چوتھا ایک ہی درجہ کے قریبیوں میں ایسا نہیں کیا کہ بعض کو زیادہ حصہ دیدیا ہو اور بعض کو محروم کر دیا ہو۔ بلکہ برابر حقوق رکھے ہیں۔ لیکن جہاں مرد اور عورتیں ایک ہی درجہ کی قریبی ہوں وہاں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا رکھا ہے۔ سب قریبیوں کو حقوق دینے میں اسلام نے اس غرض کو مدنظر رکھا ہے کہ سب برابر فائدہ اٹھائیں اور ایسا نہ ہو کہ بعض لوگوں کے پاس روپیہ جمع ہوتا چلا جائے اور بعض بکلی محروم رہ جائیں اور انکی نوبت مفلسی تک پہونچے جیساکہ انگریزی قانون وراثت کے رو سے ہوتا ہے۔

یہ قانون آج سے تیرہ سو سال پہلے ایک ایسے ملک میں دیا گیا جہاں تہذیب کی روشنی نے اس سے پہلے کبھی طلوع نہ کیا تھا۔ عرب کی حالت جو زمانہ جاہلیت میں تھی اسپر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس گڑھے سے نکالکر اسلام نے عربوں کو کس بلندی پر پہنچایا اور خصوصاً عورت کی حالت میں کیسی حیرت انگیز اصلاح کر دکھائی۔ وہ اصلاح جو آجتک یورپ کے باوجود تہذیب کے بڑے دعوے کے نصیب نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن امور سے عورت ذات کی حالت میں ترقی ہو سکتی تھی انہیں امور کو اسلام نے لیا۔ اور عملی طور پر جو فائدہ عورت کو پہنچایا جاسکتا تھا وہ پہنچایا۔ بعض لوگ خواہ نخواہ بھی اسلام پر اعتراض کر دیتے ہیں جیساکہ مثلاً پردہ کا اعتراض۔ حالانکہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ پردہ کا حکم بھی اسلام نے عورت کی بلکہ سوسائٹی کی بہتری کے لیے ہی دیا ہے کیونکہ مردوں اور عورتوں کے کھلے میل جول سے

جو نقصان پیدا ہوتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ پس جہاں عورت کی بہتری کے لیے اور تجاویز جیسے مثلاً قانون وراثت وغیرہ اسلام نے پیش کیں وہاں پردہ بھی ایک تجویز اسی غرض کو حاصل کرنے کے لیے تھی۔

اسلامی قانون وراثت پران دنوں میں بڑی بحثیں ہوئی ہیں مگر تمام اعتراضات کا ماحصل صرف یہ ہے کہ اس طرح سے جائداد کے چھوٹے چھوٹے حصے ہو جاتے ہیں۔ اور اس لئے اسلامی ممالک میں بڑی بڑی جائدادوں والے امرا کی کوئی طاقتور جماعت قائم نہیں رہ سکتی۔ ایسی جماعت کی ضرورت یہ بتائی جاتی ہے کہ تا یہ لوگ بادشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ ہو کر بادشاہ کو مطلق العنانی اور ظلم سے روک سکیں۔ اور یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسلامی سلطنتوں کے زوال کا باعث یہی امر ہے کہ ان میں اس قسم کے امرا نہ تھے۔ یہ اعتراض کئی وجہ سے لغو ٹھہرتا ہے۔ اسلام اس امر کا مانع نہیں ہے کہ اس میں ایسے لوگ نہ ہوں جو عمائد سلطنت کے طور پر ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ اسلام کے نزدیک صرف روپیہ یا جاگیر کا ہونا کسی شخص کے مکرم اور معزز ہونیکی علامت نہیں۔ بلکہ قرآن شریف فرماتا ہے ان اکرمکم عند الله اتقکم یعنی بڑا آدمی خدا کے نزدیک وہی ہے جو بڑا متقی ہے۔ پس خالی امرا کی بجائے اسلام ایسے آدمیوں کو چاہتا ہے جو بڑے راستباز اور علم اور معرفت میں کامل ہوں۔ اب معترضین غور کریں کہ آیا اس قسم کے لوگ مفید ہو سکتے ہیں جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور جن کی عزت اور اکرام کے لیے وہ تاکید فرماتا ہے یا وہ لوگ جو روپیہ اور جاگیریں رکھتے ہوں خواہ علم سے بالکل بے بہرہ ہوں اور نہ خدا کا خوف رکھتے ہوں نہ مخلوق سے ہمدردی۔ محض روپیہ اور جاگیروں سے وہ سچی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی جو ایک راستباز اپنے دل میں مخلوق خدا کے لیے رکھتا ہے پس ایسے راستباز کا وجود رعایا اور بادشاہ دونوں کے لیے ایک بیش بہا گوہر ہے اور یہی لوگ ہیں جو وقت پر مخلوق کے کام آ سکتے ہیں۔ اور روپیہ اور جاگیروں والے لوگ اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ہی نفسانی اغراض میں مبتلا ہوتے ہیں اور مخلوق کی سچی ہمدردی انکے دل میں کوئی نہیں ہوتی وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جس سے انہیں اپنی جاگیر کے کھوئے جانیکا خطرہ ہو۔ مگر ایک راستباز آدمی کسی سے نہیں ڈر سکتا چنانچہ ان واقعات کی شہادت بھی تاریخ سے ملتی ہے۔ ایک طرف اسلام کے بادشاہوں کی تاریخ پر نظر ڈالو تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ علماء اور راستبازوں کی بہت قدر کرنیوالے تھے۔ اور انسے ڈرتے تھے۔ اور انسے مشورے لیتے تھے۔ ابتدائے زمانہ میں تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اسلامی بادشاہوں کے نزدیک اور نیز عام رعایا کے نزدیک ایسی عزت تھی کہ بڑے بڑے امرا کی کسی سلطنت کے ماتحت نہیں ہوئی۔ اور اس کے بعد بھی جو لوگ راستبازی اور تقویٰ اور علم کے لحاظ سے شہرت رکھتے تھے وہ بادشاہی درباروں میں بڑی عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور انکی رائے کا بادشاہ پر بہت اثر ہوتا تھا۔ بلکہ جسوقت تک یہ عزت علماء کو دیجاتی رہی اسوقت تک اسلامی سلطنت بھی اپنے عروج پر رہی مگر جب بجائے علم کے روپیہ معیار عزت و شرافت ہو گیا۔ تو پھر اسلامی سلطنتوں کو بھی زوال آنا شروع ہوا۔

برعکس اس کے ایک عیسائی ملک مثلاً انگلستان کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ تو اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کے نیچے بڑے بڑے جاگیردار ہوتے تھے جو امرا کہلاتے تھے اور ان امرا کے نیچے رعایا تھی۔ ان امرا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ کی مطلق العنانی پر بڑی روک تھے مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود غرض تھے جب انہیں بادشاہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں اپنا فائدہ نظر آتا تھا اور کافی طاقت مقابلہ کے لیے ان کے پاس موجود ہوتی تھی تو وہ رعایا کے ساتھ ملکر بادشاہ کے مقابلہ میں اُٹھ کھڑے ہوتے تھے مگر جب انکی غرض اسکے خلاف ہوتی تو وہ بادشاہ کے ظلم اور مطلق العنانی میں اس کے معاون ہوتے تھے۔ اور علاوہ ازیں جو ظلم کوئی بادشاہ اپنی رعایا پر کرسکتا تھا وہی ظلم یہ لوگ اپنی رعایا پر کرتے تھے۔ اور ملک میں بدانتظامی کی ایک بڑی بُری حالت تھی پس جو شخص آج یہ کہتا ہے کہ ہمیں وہ طریق اختیار کرنا چاہیئے جو وسطی زمانوں میں یورپ میں طرز حکومت کا تھا وہ بالکل جہالت کی بات کرتا ہے اور ایک ترقی کی حالت سے مسلمانوں کو تنزل کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

اب مَیں اسی اعتراض پر ایک دوسرے پہلو سے نظر کرتا ہوں۔ یہ اعتراض کہ جائداد ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہے صحیح نہیں کیونکہ تقسیم جائداد میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک چیز کے یا مکان یا زمین کے واقعی چھوٹے چھوٹے حصے ضروری طور پر کئے جاویں بلکہ اصل تقسیم بلحاظ قیمت کے ہوتی ہے۔ پس ایسا ہوسکتا ہے کہ مثلاً ایک شخص متوفی کے مکان لے لیوے ایک زمین اور ایک جائداد منقولہ یا کمی بیشی کو روپے کے ذریعہ پورا کر دیا جاوے۔ علاوہ ازیں جیسی جائدادیں ٹکڑے ٹکڑے ہوتی جاویں گی خود اسی قانون کے روسے وہ ساتھ ساتھ اکٹھی بھی ہوتی جاوینگی۔ کیوں کہ اگر ایک ہی وارث متوفی کی کل جائداد کا مالک نہیں ہوتا تو اسکی کمی اسطرح پوری ہوجاتی ہے کہ وہ بہت سے اشخاص کی جائداد کے تھوڑے تھوڑے حصوں کا وارث ہوجائیگا۔ ہاں یہ طریق بہ نسبت اس دوسرے طریق کے کہ ایک ہی وارث کو سب کچھ ملجائے زیادہ ماموں ہے اس لئے کہ اس کے روسے ہر شخص کچھ نہ کچھ فائدہ اُٹھاسکتا ہے مگر اُس دوسرے قانون کے روسے بعض بہت جائدادوں کے مالک ہوجائیں گے اور بعض بالکل خالی ہاتھ رہ جائینگے۔ علاوہ ازیں جو بڑی بڑی جاگیریں ریاستوں کے طور پر ہوں انکے لیے تقسیم کا وہ حکم نہیں ہے بلکہ ایسی جاگیریں اسی قانون کی پابند ہونگی جو قانون سلطنت اور حکومت پر حاوی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی شریعت کے روسے کل کی کل جائداد وقف بھی ہوسکتی ہے اور اسطرح پر ورثا کو کچھ حصہ آمدنی کا دیا جاکر جائداد ہمیشہ کے لیے اکٹھی رہیگی نہ تقسیم ہوگی اور نہ فروخت۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی اسی طرح پر اپنی جائداد کو وقف کر دیا تھا پس جس جگہ کوئی صاحب جائداد اس جائداد کے یکجا رکھنے میں کوئی خاص مصلحت دیکھتا ہے۔ وہ اس طریق سے اسکو یکجا رکھ سکتا ہے۔ ہاں اس بارہ میں اس ملک ہندوستان میں جس قانون کو اسلامی قانون سمجھا جاتا ہے وہ بیشک اصلاح طلب ہے نہ اصلی اور حقیقی اسلامی قانون۔

وہ قانون جس کے رو سے کل کی کل غیر منقولہ جائداد خصوصاً زمین کسی متوفی کی بجائے ورثا میں تقسیم ہونے کے بڑے بیٹے کو مل جاتی ہے۔ اسکا نقصان نہ صرف ملکی طور پر ہی ثابت ہوا ہے جیسا کہ انگلستان کی تاریخ شہادت دیتی ہے۔ بلکہ جہاں ملکی تعلقات خدمتگذاری کو الگ چھوڑ کر اس قانون کو دیوانی قانون بنالیا گیا ہے وہاں بھی اسکا نقصان ہی ثابت ہوا ہے۔ انگلستان اور سکاٹلینڈ ہی دو ایسے ممالک ہیں جہاں یہ قانون زمین کے متعلق ابتک رائج ہے کہ زمین ورثا میں تقسیم نہیں ہوتی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان ممالک کی زمین روز بروز تھوڑے ہاتھوں میں آتی جاتی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ بہت سے لوگ تھوڑی تھوڑی زمین رکھیں تھوڑے لوگ بہت زمین رکھنے والے ہوگئے ہیں جس کا اثر کاشتکاری پر بھی بُرا ہوا ہے۔ مثلاً یہ حساب کیا گیا ہے کہ ان ممالک کی کل زمین میں سے جو سات کروڑ ستر لاکھ ایکڑ ہے۔ نصف سے زیادہ یعنی چار کروڑ ایکڑ سے زیادہ صرف پچیس سو اشخاص کے ہاتھ میں ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ انگلستان کی آبادی کا ایک نہایت کثیر حصہ ایسا ہوگیا ہے جن کے پاس نہ اپنی زمین ہے اور نہ ہی اپنا مکان ہے۔ اور انپر یہ فقرہ خوب صادق آتا ہے کہ ابن آدم کے پاس سر رکھنے کے لیے بھی جگہ نہیں۔ اور دوسرا بدنتیجہ اسکا یہ ہوا ہے کہ کاشتکاری کی محنت دن بدن کم ہوتی جاتی ہے۔ اور گذشتہ نصف صدی میں کاشتکار مزدوروں کی تعداد نصف سے بھی کم رہ گئی ہے۔ یعنی انگلستان میں ۱۸۵۱ء میں بیس لاکھ کے قریب ایسے مزدوروں کی تعداد تھی مگر ۱۹۰۱ء میں نوّے ہزار سے بھی کم رہ گئی۔ یہ واقعات ایک انگریزی کتاب سے لیے گئے ہیں جس کا نام ہے "رچز اینڈ پاورٹی"۔ یعنی دولت اور مفلسی۔ ان واقعات کو بیان کرنیکے بعد اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے کہ "جب ہم اپنی قوم کی مجموعی محنت کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو سب سے پہلے اس امر کی طرف ہماری توجہ کھنچتی ہے کہ حصول معاش اور محنت کے متعلق اطمینان کی حالت نہیں ہے سب کے سب محنت پیشہ لوگ عموماً ایسے ہی ہیں جو صرف ہفتہ وار تنخواہیں پانیوالے ہیں۔ اور ہماری قلیل زراعت پیشہ آبادی میں مالکان زمین کی نسبت نہایت ہی کم ہے۔ اسکے ساتھ فرانس کا مقابلہ کرو جہاں قریباً نصف آبادی زمین کے ساتھ مالکانہ تعلق رکھنے والی ہے اور اسلیے انکو اپنی معاش کی نسبت اطمینان حاصل ہے۔ یہ زراعت پیشہ مالکان اراضی خواہ غریب ہوں مگر انکی نوبت افلاس سے اس درجہ تک ہرگز نہیں پہنچی کہ وہ ہر وقت فاقہ کے خطرے میں ہوں۔ اور کم از کم آزادی کی خوشی تو انہیں حاصل ہے"۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ فرانس میں اکثر لوگوں کا مالکان اراضی میں داخل ہونا خواہ وہ اراضی تھوڑی تھوڑی ہی ہو اسوجہ سے ہے کہ وہاں یہ نہایت ہی لغو قاعدہ جسکے رو سے کل کی کل جائداد از قسم اراضی بڑے لڑکے کے قبضہ میں آجاتی ہے مدت سے متروک ہوچکا ہے۔ اور اب وہاں ترکہ زمین کی تقسیم اصولاً اسلامی قانون وراثت سے ملتی جلتی ہے۔ اور یہی حال دیگر عیسائی ممالک کا ہے۔ کہ وہاں بھی اس قاعدہ کو ترک کر کے ایسا قانون

ورثہ جاری کیا گیا ہے جو اصولاً اسلامی قانون سے ملتا ہے۔

نہ صرف اکثر ممالک یورپ میں ہی یہ قاعدہ اکہ کل ورثہ بڑے لڑکے کو دیا جاوے متروک ہو چکا ہے بلکہ خود انگلستان میں جہاں اب تک یہ نامعقول رواج چلا جاتا ہے اب بہت سے لوگ اس کی موقوفی کے لیے زور دیتے ہیں۔ اور اصل میں تو جب سے یورپ وسطی زمانوں کی تاریکی سے نکلا ہے اسی وقت سے اس نے اس رواج کی لغویت۔ اور نامعقولیت کو خوب سمجھ لیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ یہ رواج کسی قوم نے سوچ سمجھ کر اختیار نہیں کیا بلکہ نہایت قدیم زمانہ کی بعض توہم پرستیوں کا یہ بقیہ ہے۔ اور عقل نہیں بلکہ جہالت کا ورثہ ہے جس کو ابتک بعض لوگ چھوڑ نہیں سکتے۔ اور زیادہ تر افسوس اُنپر ہے جن کو انکے دین نے ایک پاکیزہ اصل اس نامعقول رواج کی بجائے بتایا اور پھر وہ اسی جاہلیت کے زمانہ کی طرف عود کر کے اس وحشیانہ رواج کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں اس رواج کی اصلیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ "منو کے قوانین میں یہ ذکر ہے کہ سب سے بڑے بیٹے کی زندگی کی اصل غرض ہی یہی تھی کہ مذہبی رسوم کو ادا کرے اور اپنے مرے ہوئے بزرگوں کی روحوں کے لیے دعوتیں تیار کرے اس قانون کے مطابق دعا کے پڑھنے کا حق اسی کا ہے جو سب سے پہلے دنیا میں آتا ہے۔ اور ہر آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کو اپنے باپ کے برابر سمجھے۔ سب سے پہلا لڑکا دنیا میں لانیکے ذریعہ سے باپ اس حق کو ادا کرتا ہے جو اس کے بڑوں کی طرف سے اس کے ذمے ہے۔ اور اس لیے تقسیم سے پہلے بڑے بیٹے کو ہی کل ترکہ کا انتظام کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ اس عام رواج کی معلوم ہوتی ہے۔ کہ بڑا بیٹا ورثہ کے طور پر گھر کا سامان یا مکان وغیرہ لے لیوے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں میراث وہی شخص لیتا ہے جو مذہبی طور پر متوفی کے متعلق رسوم کو ادا کرے"۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلامی قانون وراثت ایسے معقول اور قرین انصاف اصل پر مبنی ہے کہ تمام مغربی عیسائی اقوام کو سوائے ایک آدھ کے اس اصل پر اپنے قانونوں کی بنا رکھنی پڑی ہے۔ اور ان لوگوں کے لیے جو مہذب مسلمان کہلاتے ہیں یہ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ وہ ان پاک اصول کو جن کی صداقت دنیا اپنے طرز عمل سے تسلیم کرتی چلی جاتی ہے چھوڑ کر یورپ کے وحشیانہ وسطی زمانوں کے اصول پر قوانین تجویز کرتے ہیں۔ اور اس فہم پر دعویٰ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے لیے ترقی اور اصلاح کی تجاویز کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ سلطنت کے قیام اور مضبوطی کے لیے ضروری ہے کہ غیر منقولہ جائداد بجائے تقسیم ہونے کے کل کی کل بڑے لڑکے کو دیجاوے سخت غلطی ہے۔ کیا اسلام نے کبھی اس رواج کو اختیار کیا؟ جو اس کی سلطنتیں صدہا سال تک ترقی کے اوج پر پہنچی رہیں اور کیا بلحاظ قوت سلطنت کے اور کیا بلحاظ علوم کی ترقی کے دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی تھیں۔ اور پھر اِن دنوں میں جن سلطنتوں نے اس نامعقول رواج کو چھوڑ دیا ہے کیا ان کی بنیادیں متزلزل ہو گئی ہیں یا وہ سلطنتیں زوال پذیر ہو گئی ہیں؟ یہ محض حماقت کا خیال ہے۔ اور سچ بات یہی ہے کہ یہ رواج جو عقل اور انصاف دونوں کے خلاف ہے وحشیانہ زمانہ کے خیالات کا

بقایا ہے اور علم اور روشنی کی ترقی کے ساتھ خود ہی اُکھڑ رہا ہے اور اُکھڑ جائیگا۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیں کہ اس زمانہ میں جب یہ رواج یورپ میں عام تھا اس وقت اس کے وجود سے گورنمنٹوں کے صحیح اصول کو کوئی مدد پہنچی اور اصول قوانین ریاست نے مضبوطی پکڑی تو کم از کم اِس وقت اس کی ایسی کوئی ضرورت نہیں اور جس مرحلہ پر یہ رواج کوئی فایدہ پہنچا سکتا تھا اب مغربی گورنمنٹیں بھی اس مرحلہ سے نکل چکی ہیں۔ اور اب بجائے ترقی میں ممد ہونے کے یہ رواج گورنمنٹ کے صحیح اصول کی ترقی میں روک ہو رہا ہے جیسا کہ انگلستان کے ہوس آف لارڈس کی کیفیت صاف بتا رہی ہے۔ باقی رہیں اسلامی سلطنتیں سو جن اصول پر اسلام کے مقدس بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سچی اسلامی گورنمنٹوں کی بنیاد رکھی تھی اور جو اصول ابتدائی چار خلافتوں میں مدّ نظر رکھے گئے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی یافتہ گورنمنٹ کے اصول ہیں۔ اور ان کو رائج کرنیکے لیے کسی ایسے رواج کی کوئی ضرورت نہیں ہے جہانتک بادشاہ کی مطلق العنانی پر روک کا سوال ہے میں دیکھتا ہوں کہ ان انگلستانی امرا سے جنپر ہمارے مہذب بھائی اسقدر فخر کرتے ہیں بدرجہا بہتر اسلامی علما تھے۔ جو بوجہ اپنی راستبازی اور تقوے اور علم اور لیاقت کے بادشاہ اور رعایا دونوں کے نزدیک معزز تھے اور جو بڑے بڑے طاقتور بادشاہوں کو بے دھڑک اور بلا خوف لومۃ لائم قیمتی مشورے دیتے تھے جن کی عزت بادشاہوں کے نزدیک ایسی تھی کہ وہ انکے مشوروں کو یونہی ردّ نہ کر سکتے تھے۔ اور جنپر عوام کو اسقدر اعتبار تھا کہ ہر موقع پر انکی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ نہایت ابتدائی زمانہ اسلام میں جب تک صحابہؓ میں سے بعض زندہ تھے یہ عزت ان کو حاصل تھی اور پھر اس قرن کے بعد دیگر معزز اور مقتدر علماء کو ہمیشہ شاہانِ وقت کے دربار میں ایسا رسوخ حاصل تھا کہ وہ اکثر اوقات بعض جابر بادشاہوں کو انکی ظالمانہ کارروائیوں سے روکنے کا ذریعہ ہوتے تھے۔ اس لیے اسلام کو ایسے امرا کی جو محض اپنی جائدادوں کی خاطر کوئی کارروائی کرنیوالے ہوں خواہ عوام کا اس میں فایدہ ہو یا نقصان کبھی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور سچ بات یہ ہے جس کو ہر ایک عقلمند تسلیم کرے گا کہ بادشاہ کو ضرورت ہے صاحبِ علم اور راستباز اور دانا مشورہ کاروں کی کیونکہ جیسا فایدہ ان کے وجود سے سلطنت اور رعایا کو پہنچ سکتا ہے اس کا عشر عشیر بھی امرا کے ذریعہ سے نہیں پہنچ سکتا۔

اخیر پر اسلامی قانون وراثت کا دوسرے قوانین وراثت سے مقابلہ کرنا خالی از فایدہ نہ ہوگا تاکہ اس سے اسلام کی عظمت کا پتہ لگے کہ دنیا میں کس وقت اور کس ملک میں پیدا ہو کر کیسی حیرت انگیز اصلاح اس مذہب نے کی۔ ایک پہلو اس مقابلہ کا عورتوں کے حقوق کے متعلق ہے۔ اسلامی قانون کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔ اب اگر عرب کی حالت کو دیکھیں جہاں اسلام پیدا ہوا اور جہاں اس کی ابتدائی ترقی ہوئی تو معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں اس ملک کی ایک نہایت ہی ذلیل حالت تھی۔ عورتوں کو ورثہ دینا تو ایک طرف رہا وہ عورتوں کو ترکہ میں شامل کرتے اور بیٹے اپنے باپوں کی بیویوں کو اپنے تصرف میں لاتے تھے۔ جس بدرسم کو دور کرنیکے لیے قرآن کریم کو یہ حکم دینا پڑا کہ تمھاری

مائیں تم پر حرام کی جاتی ہیں۔ یہ تو عرب کی حالت تھی۔ اور یہودیوں میں بھی اسی کے قریب قریب رسوم جاری تھیں۔ حضرت موسیٰ کی شریعت نے یہ اصلاح ان رسوم میں کی تھی کہ جہاں کسی کے ہاں کوئی لڑکا نہ ہو تو اس وقت لڑکی کو میراث کا حصہ ملتا تھا۔ مگر لڑکی پھر بھی لڑکوں کے ساتھ ورثہ کا حصہ نہ لے سکتی تھی۔ عیسائیوں کا اپنا قانون کوئی نہ تھا۔ ابتداء میں تو وہ شریعت موسوی پر عمل کرتے تھے۔ مگر عیسائی مذہب کے پھیل جانے پر ان لوگوں نے یہ طریق اختیار کر لیا تھا کہ جس ملک میں ہوں وہیں کی رسوم اختیار کر لیں۔ رومی اسوقت کی دنیا میں سب سے زیادہ مہذب کہلاتے تھے۔ اور اگرچہ ان کے قانون کے رو سے بعض حالتوں میں لڑکی ورثہ پا سکتی تھی مگر یہ قانون ایسا پیچدار تھا کہ عملی طور پر وہ کوئی حصہ نہ لے سکتی تھی۔ جو لڑکی باپ کی زندگی میں ہی بیاہی جاتی اسکا تو قطعاً میراث میں کوئی حق نہ تھا ہاں جو ابھی بیاہی نہ گئی ہو قانوناً اُسے حقدار سمجھا جاتا تھا بشرطیکہ باپ وصیت کے رو سے اسے محروم الارث نہ کر گیا ہو۔ مگر اس کے ساتھ بھی سخت قیود اور پابندیاں تھیں۔ کیونکہ لڑکی بغیر مرد رشتہ داروں کی رضامندی کے کوئی قیمتی حصہ جایداد کا الگ نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی اسے وصیت کرنے کا کوئی حق تھا۔ خواہ اس کے رشتہ دار مرد رضامند ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ تھی عورتوں کے حقوق کی حالت عرب اور عجم میں۔ جب اسلام نے قدم دنیا میں رکھا۔ تو یکم تبہ ہی تمام رکاوٹوں کو دور کر کے حقوق وراثت وصیت اور قرضہ لینے یا دینے کے معاملات میں غرض ہر طرح کے حقوق حصول جائداد میں مرد اور عورت کو ایک ہی سطح پر کر دیا۔ یہ عظیم الشان اصلاح خصوصاً جب کہ ان حالات کو مدنظر رکھا جائے جو اس سے پہلے دنیا میں تھے بجائے خود ایک قطعی شہادت اسلام کے منجانب اللہ ہونے پر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے فروعی مسائل بھی اپنے اندر ایک ایسی شہادت رکھتے ہیں جس سے ایک غور کرنیوالی طبیعت معاً اس نتیجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ اس کے قوانین ایک اُمّی عرب کے دماغ سے نہیں نکلے۔ علاوہ اس اصلاح کے جو قانون وراثت میں اسلام نے کی اور بھی بہت سے پہلو اس قانون کے ایسے ہیں جو اسلام کی فضیلت کو ثابت کر رہے ہیں۔ اسلام نے کسی ایسے شخص کو جو قدرتی طور پر وارث سمجھا جا سکتا تھا ورثہ سے محروم نہیں کیا۔ اور سب کو تھوڑا تھوڑا حصہ دیدیا اور پھر اس بات کو کہ کوئی شخص اس کو اپنی محنت سے ترقی دیکر بڑھا لے یا اپنی سستی سے گھٹا دے انسان کی اپنی کوشش پر چھوڑ دیا۔ مگر اس قسم کا ظلم روا نہیں رکھا کہ ایک وارث تو سب کچھ لے جائے اور دوسرے بالکل محروم کیے جاویں۔ عیسائی مذہب کا میلان ابتدا میں اس طرف تھا کہ تمام انسانوں میں مال و دولت برابر تقسیم ہو۔ مگر یہ عملی طور پر دنیا میں نہ کبھی ہوا نہ ہوگا اور نہ عیسائیت ہی اسکو کر سکی۔ پس اسلام نے ایک ایسا درمیانی راہ اختیار کیا جو قابل عمل بھی ہے اور جس پر عمل ہو رہا ہے اور ساتھ ہی اس سے دولت کی تقسیم ایسے طور پر ہوتی رہتی ہے کہ سب کو کچھ نہ کچھ حصہ ملتا جائے دوسرے قوانین کی رو سے جو اصولاً اسلامی قانون وراثت کے مخالف ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کل مال ایک ایسے شخص کو

ملجاتا ہے جو بالکل نالایق ہے اور لایق اور اہل لوگ خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ اسلام نے اس طریق کو پسند نہیں کیا بلکہ ہر ایک کو خواہ وہ محنتی ہو یا آرام طلب برابر حصہ دیکر اس کا بڑھانا یا ضایع کرنا اسکی اپنی کوشش یا سستی پر چھوڑ دیا ہے*۔ اور اسطرح پر یہ ترغیب دی ہے کہ لوگ محنت کریں اور سستی اور کاہلی سے بچیں۔ یہ بھی ایک خاص خوبی اسلامی قانون وراثت کی ہے۔ کہ وہ لوگوں کو محنتی بناتا ہے۔

* نابالغ اور مجنون و کم عقل لوگوں کے لئے علیحدہ قانون ہے کہ ان کا مال متولیوں کے ہاتھ میں رہے تا وقتیکہ وہ عاقل بالغ ہوں۔ اور بقدر ضرورت ان کو دیا جائے۔ منہ

آخرت کے متعلق دہریوں کے خیالات

۲۶۔ مئی ۱۹۰۶ء کے اخبار اگناسٹک جرنل میں آیندہ زندگی کے متعلق چند دہریوں کے خیالات شایع ہوئے ہیں جن سے مفصلہ ذیل اقتباس کیے جاتے ہیں۔ ایک دہریہ لکھتا ہے۔ کہ "زندگی مابعد الموت کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے اور اسکا مطلق ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ مگر چونکہ ہم توہم پرستی اور خوف کی زنجیروں سے آزاد ہوگئے ہیں اس لیے ہم ابدی دوزخ اور قادر مطلق شیطان کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے عقاید جہالت اور خوف کا نتیجہ ہیں۔ ہمارے نزدیک انسان کی زندگی محض اسی دنیا کی زندگی ہے۔ انسان کبھی یہ پیشگوئی کرنیکا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ آج شام کو موسم کیا ہوگا یا اسکے بعد جو رات آنیوالی ہے اسکی کیسی حالت ہوگی۔ نہ ہی قبل از وقت وہ ان حالتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ چھوٹی سی بات بھی کہ آیا رات کو چمکدار ستارے آسمان پر نکلینگے یا ابر محیط ہوگا اس کے علم سے باہر ہے" ایک اور دہریہ لکھتا ہے کہ "دہریت پسند ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ آیندہ زندگی ایک بالکل ناممکن امر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس آیندہ زندگی کیحالت کے واقعات کو معین کرنا چاہے کہ وہاں ہمارے نورانی اجسام ہوں گے اور ہم آسمانوں میں رہیں گے اور گیت گائیں گے۔ اور کھجور کی ٹہنیاں ہلائیں گے تو ہم فی الفور یہ جواب دیں گے کہ ان ادعاؤں کا ایک حصہ تو ایسا ہے جس کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں ہو سکتا اور ایک حصہ ایسا ہے جو ہمارے علم کے رو سے محال ہے۔ یہ محض توہم پرستی اور جہالت کا نتیجہ ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ پردہ جو زندوں اور مردوں کے درمیان ہے اٹھا دیا جاوے تو ہم ان روحوں کو دیکھ لیں گے جنکا کام میزوں کو اٹھانا اور لغو اور بیمعنی باتیں کرنا ہے**" ایمرسن کہتا ہے کہ اس سوال کی نسبت کہ کسقدر عرصہ ہم رہیں گے یہ سوال زیادہ ضروری ہے کہ ہم کس قابل ہیں۔ اور جو آیندہ ہمارا آدمی ہونا چاہتا ہے اسکو ابھی بڑا بننا چاہیے"

** یہ اشارہ یورپ کے ان سپرچولسٹوں کی طرف ہے جو روحوں کی طرف ایسے لغو کام منسوب کرتے ہیں۔ منہ

مَیں ان تین رائونکو جو آیندہ زندگی کے متعلق ہیں عام دہریہ خیالات کے نمونہ کے طور پر لیتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگناسٹک لوگ آیندہ زندگی کے امکان کا انکار نہیں کرتے بلکہ صرف اس کا ثبوت چاہتے ہیں۔ اور ثبوت بھی اس قسم کا ہو کہ آیندہ زمانہ میں جو بعض واقعات انسان کو اسی زندگی میں پیش آنیوالے ہیں اسکا علم انسان کو ہوسکے تاکہ یہ شہادت ہو اس امر کی کہ واقعی زندگی بعد الموت کے متعلق انسان کو کچھ علم ہوسکتا ہے کیونکہ اگر کوئی انسان اس زندگی کے متعلق آیندہ کی کچھ بھی خبر نہیں دے سکتا تو زندگی بعد الموت کے متعلق جو اسقدر دور کی خبر ہے وہ کیونکر کچھ کہہ سکتا ہے۔ ایسا ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم آیندہ زندگی کے متعلق کوئی تفصیل نہیں معلوم کرسکتے اور اسکو بھی وجہ انکار ٹھہرایا گیا ہے چوتھی یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ہمیں آیندہ زندگی کی نسبت اس زندگی کا زیادہ فکر کرنا چاہیئے۔ جو اصل میں صرف آیندہ زندگی کے انکار کا نتیجہ ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ انکار محض عیسائی مذہب کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ خود راقم مضمون مذکور لکھتا ہے کہ "اس سے زیادہ تعجب خیز بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک انسان کے لیے خودکشی سے یا دوسروں کے قتل کذریعہ ابدی زندگی کے دروازے کھولدیے جاتے ہیں"۔ مگر تاہم ان عقاید کے انکار کے ساتھ جو عیسائی مذہب نے سکھائے ہیں ان صداقتوں کا بھی انکار کردینا جو ایک دانا آدمی ان غلطیوں کے پیچھے صاف دیکھ سکتا ہے عقلمندی کا کام نہیں ہے کیونکہ اور شہادتوں کے علاوہ خود فطرت انسانی آیندہ زندگی پر اپنے اندر ایک شہادت رکھتی ہے۔ کیونکہ ایک جھوٹے عقیدہ کو نہ صرف عقل ہی دھکے دیتی ہے بلکہ فطرت انسانی بھی اسکو قبول نہیں کرسکتی۔ ممکن ہے کہ ایک مذہب کے پیرو ایک غلط عقیدہ پر ایک وقت تک قایم رہیں مگر ایسا عقیدہ دنیا میں عام طور پر مقبول نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ عقیدہ کہ ایک آدمی کے مصلوب ہونے سے کروڑوں انسان جو گناہوں میں سر تا پا غرق ہیں گناہ سے نجات پاکر ابدی زندگی میں داخل ہوگئے اور کروڑوں راستباز محض اسکی صلیب کا انکار کرنیکی وجہ سے جہنمی ہوگئے ایک ایسا لغو عقیدہ ہے کہ نہ صرف عقل انسانی ہی اسکو دھکے دیتی ہے بلکہ فطرت انسانی بھی اسکو برداشت نہیں کرسکتی۔ اور ایک ایسے لغو عقیدہ کا ثبوت طلب کرنیکی بھی ضرورت نہیں۔ لیکن فطرت انسانی مابعد الموت زندگی کا ایسے طور سے انکار نہیں کرتی اور اسکا انکار محض اسوجہ سے کیا جاتا ہے کہ اسکا ضروری ثبوت منکرین کو نہیں دیا گیا۔ ساتھ ہی جب ہم اس پہلو پر نظر ڈالتے ہیں کہ عام طور پر دنیا نے نہایت قدیم زمانے سے آجتک کیونکر مابعد الموت زندگی کی ضرورت کا احساس کرکے اسے تسلیم کیا ہے۔ تو یہ مضبوط شہادت جو فطرت انسانی دیتی ہے اس بات کے ثابت کرنیکے لیے کافی ہے کہ بیشک زندگی بعد الموت ایک امر واقع ہے۔ پس یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ دوسری شہادتوں کو چھوڑکر خود ایک ذریعہ شہادت کا ہی ایسا ہے جو اکثر مسائل مثلاً ہستی باریتعالیٰ ضرورت نبوت زندگی بعد الموت وغیرہ کو ثابت کرتا ہے۔

جن خیالات کا اظہار دہریہ لوگوں نے اوپر کیا ہے اور جس قسم کا وہ ثبوت طلب کرتے ہیں اس سے انکار کرنا گویا ایسا ثبوت دینے سے اپنی ناقابلیت ظاہر کرنا ہے۔ کیونکہ اگر واقعہ میں کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کو اس زندگی میں آیندہ کے

متعلق کسی قسم کی اطلاع نہ دیجاتی ہو تو پھر یہ امر سخت مشتبہ ہو جاتا ہے کہ زندگی بعد الموت کے متعلق جو ایک غیب در غیب اور نہایت ہی پوشیدہ امر ہے کوئی شخص خبر دے سکتا ہے۔ اور ایسی صورت میں زندگی بعد الموت کا دعویٰ نرا دعویٰ ہی دعویٰ رہ جاتا ہے جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ عیسائی صاحبان اسبات کا انکار تو نہیں کرسکتے پر وہ اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ اسطرح پر آیندہ کی خبریں صرف حضرت مسیحؑ اور انکے حواریوں کو دی جاتی تھیں اور اس کے بعد یہ دروازہ بند ہوگیا۔ اب ایک طرف تو معقولی رنگ میں یہ امر سخت قابل اعتراض ہے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم سُنّت ایک خاص زمانے میں آکر بند ہوگئی۔ اور دوسری طرف حضرت مسیحؑ اور حواریوں کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا کوئی بھی تاریخی ثبوت ہمارے ہاتھوں میں نہیں جس سے ایک بیہودہ عایت آدمی کو قائل کیا جاسکے۔ پس دراصل عیسائی صاحبان کے ہاتھ میں کچھ بھی ثبوت زندگی بعد الموت کا نہیں ہے۔ ہاں ایک مذہب اسلام ہے جس کے رو سے نہ معقولی رنگ کا اعتراض وارد ہوتا ہے اور نہ ہی تاریخی ثبوت پر کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلام میں نہ صرف اس زمانہ میں ہی ایسے افراد موجود ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنے نہاں در نہاں غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہے اور ایسے افراد کا وجود قریباً ہر زمانے میں ہی رہا ہے۔ بلکہ اسلام کی تاریخ کے ہر مرحلہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سینکڑوں برسوں کی پیشگوئیاں پوری ہو کر اسکی صداقت کو روشن کرتی رہی ہیں۔

غیب کے متعلق بحث میں دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں۔ اوّل یہ کہ غیب کی کسی خبر کا جان لینا معمولی طور پر انسان کی طاقت کے اندر نہیں ہے۔ چنانچہ انسان کی اس عاجزی کا اعتراف خود دہریہ لوگوں نے بھی کیا ہے اور اسطرح پر یہ بات مسلّم الثبوت ہوگئی۔ دوسرا امر یہ ہے کہ غیب کا ایسا علم اللہ تعالیٰ حجت کے طور پر بعض وقت اپنے خاص اور برگزیدہ بندوں کو جنکو وہ دنیا کی اصلاح کے لیے مامور فرماتا ہے دیدیتا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں پر اتمام حجت کرسکیں کہ جو باتیں وہ بعد الموت زندگی کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ وہ راست ہیں۔ اس دوسری بات کا ثبوت تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم بھی اسی امر کی شہادت دیتا ہے جیسا کہ سورۃ الجن میں فرماتا ہے۔ عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول۔ یعنی غیب کی نہاں در نہاں خبروں کو جاننے والی وہی ذات پاک ہے۔ جو اپنے غیب کا اظہار سوائے اپنے برگزیدہ رسولوں کے اور کسی پر نہیں کرتا۔ یہاں وہی دو باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ یعنی یہ کہ معمولی طور پر انسان سخت عاجز ہے کہ وہ غیب کی بات پر اطلاع پاسکے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اس لیے ایسی غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہے کہ تا ان باتوں کا پورا ہونا آخرت کے متعلق یقین تمام دلوں میں پیدا کرے۔ افسوس ہے کہ یہ موقع اسقدر گنجایش نہیں رکھتا کہ میں اسلام کی ان عظیم الشان پیشگوئیوں کا تذکرہ

کرسکوں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیب. زندگی کے ایک حصہ میں شایع کیں اور اسی زندگی کے دوسرے حصہ میں پوری ہوئیں یا ان پیشگوئیوں کو مفصل بیان کرسکوں جو آپ نے کیں اور جن کو پورا ہوتے آپ کے صحابہؓ نے آپ کے بعد دیکھا۔ یا ان پیشگوئیوں کو بیان کرسکوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیں اور پھر وہ حدیث کی کتابوں میں لکھی جاکر شایع ہوگئیں اور پھر ان کو پورا ہوتے ایک دنیا نے دیکھا۔ اور وہ ہر زمانہ میں پوری ہوتی رہیں۔ یہانتک کہ آج آپ سے تیرہ سو سال بعد نہایت صفائی سے پوری ہورہی ہیں اور اسلام کے پاک چہرہ کو روشن کرکے دکھلا رہی ہیں۔ نہ ہی اس جگہ یہ گنجایش ہے کہ میں ان عجیب درعجیب پیشگوئیوں کا ذکر کروں جو آپ کے ایک سچے متبع پر اس زمانہ میں ظاہر کی گئیں اور پوری ہوئیں اور انپر لاکھوں انسان گواہ ہوئے کیونکہ وہ پیشگوئیاں ساتھ کی ساتھ پوری ہونے سے کچھ عرصہ پہلے بذریعہ کتب و اخبارات شایع ہوتی رہیں۔ اور آخر نہایت صفائی سے پوری ہوئیں۔ ہاں اس قسم کی بعض پیشگوئیوں کا تذکرہ وقتاً فوقتاً اس رسالہ میں ہوتا رہا ہے اور جو صاحب چاہیں ان کو دیکھ سکتے ہیں۔

مگر ایک امر کو جو اسلام کی صداقت پر ایک نہایت ہی روشن دلیل ہے میں اس جگہ بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے فطرت انسانی کا کسقدر گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور کسطرح پر ایسے ایسے ثبوت اپنے دعووں کی تائید میں پیش کیے ہیں۔ جن کی ٹوہ میں انسانی فطرت لگی رہتی ہے۔ یہ قرآن کریم کی ایک ایسی خوبی ہے جس کی نظیر ہم دوسرے مذاہب میں کہیں نہیں پاتے۔ اور یہ منجملہ عظیم الشان خصوصیات اسلام کے ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ آخرت کے متعلق جو ثبوت قرآن شریف نے پیش کیا ہے۔ وہ بعینہٖ دہریوں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب انسان اس زندگی کے ادنیٰ سے واقع کی نسبت پیش از وقت خبر نہیں دے سکتا۔ تو وہ آیندہ زندگی کی دقیق در دقیق کیفیات کے متعلق کیونکر ہمیں کوئی علم دے سکتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب قرآن کریم نے یوں دیا ہے کہ وہ جہاں آخرت کے متعلق مومنین کو خوشحالی اور کافرین کو دکھ کی زندگی کی خبر دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس دنیا میں بھی مومنین کے لیے بعض وعدے اور کافروں کے لیے بعض وعید بیان فرماتا ہے۔ جس سے غرض اس پاک کتاب کی یہ ہے کہ تا اس زندگی کی خبروں کو پورا ہوتے دیکھکر آخرت کے متعلق یقین تام دلوں میں پیدا ہو یعنی مثلاً قرآن شریف یہ خبر دیتا ہے کہ مومنوں کے لیے آخرت میں ایک راحت کی زندگی ہوگی اور ان کو جنت میں جگہ دیجاویگی اور ساتھ اس کے بطور ثبوت یہ بیان فرماتا ہے کہ اس زندگی میں بھی وہ کامیاب اور خوشحال کیے جائینگے اور اس دنیا کی جنتوں پر قابض کیے جاویں گے۔ امر دوئم جو اس زندگی کے متعلق ہے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا اسی زندگی میں کھل سکتا ہے۔ اور کھل گیا۔ پس جب ان دو خبروں میں سے جو مومنوں کو انکی آیندہ زندگی کے متعلق دی گئی تھیں وہ خبر جو اس زندگی کے متعلق تھی نہایت صفائی سے پوری ہوگئی تو اس دوسری خبر کی نسبت بھی

کہ آخرت میں انکو کیا کیا مراتب ملیں گے کوئی شک باقی نہ رہا۔ اور اخروی زندگی کی خوشحالی کا قطعی ثبوت مل گیا ایسا ہی کافروں کیلیے قرآن کریم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ انکو آخرت میں جہنمی زندگی نصیب ہوگی۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی پیشگوئی کی کہ اِس زندگی میں بھی وہ مسلمانوں کے سامنے ذلیل اور ناکام کیے جائیں گے اور دکھوں کا مزہ چکھیں گے۔ پس اِس دنیا کے وعدے کو صریح طور پر پورا کر کے آخرت کے وعدے کی سچائی کو ثابت کر دیا۔ اصل میں یہی ایک سچا طریق ہے جس سے زندگی بعد الموت اور جنّت و دوزخ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور مسلمان جسقدر اس کتاب پر جو انکو دیگئی ہے فخر کریں تھوڑا ہے۔ کیونکہ انکے ہاتھ میں وہ زریں اصول دیے گئے ہیں جو ہر قسم کے اعتراضات سے خالی اور ہر قسم کے شبہات سے پاک ہیں۔

تیسری بات جو دہریوں کے اقوال مذکورہ بالا سے پیدا ہوتی ہے یہ اعتراض ہے کہ آیندہ زندگی کا تفصیلی علم نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے متعلق میں دو باتیں کہنی چاہتا ہوں۔ اوّل یہ کہ قرآن کریم نے جسقدر ضرورت ہے اُسقدر تفصیلات ہمیں خوب سمجھا دی ہیں۔ مثلاً ضرورت ہمیں یہ جاننے کی ہے کہ کس قسم کے اعمال پر کس قسم کی جزا و سزا آیندہ زندگی میں مترتب ہوگی سو اس کے متعلق قرآن کریم نے نہایت بسط اور وضاحت سے اپنے منشاء کو بیان فرما دیا ہے۔ کہ جزا و سزا انہیں اعمال کا ثمرہ ہوگی۔ اس سے زیادہ تفصیلات کے جاننے کی اس زندگی میں ہمیں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جہانتک اِس زندگی کا اُس زندگی سے تعلّق ہے وہ اور کسی قسم کی تفصیلات کا محتاج نہیں۔ ہمارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ اگر ہم ایسے عمل کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی نارضامندی کا موجب ہیں اور اس ذات پاک سے ہمارے تعلّق کو کم یا قطع کرنے والے ہیں۔ تو ان اعمال کے ثمرات بھی دردوں اور دکھوں کے رنگ میں ظاہر ہوں گے۔ ہمارے اعمال پر اگر کوئی اثر ہو سکتا ہے تو انہیں دو باتوں کے جان لینے سے ہو سکتا ہے۔ جو بطور اصول حیات بعد الموت کے ہیں۔ باقی رہیں زاید تفصیلات سو انکی ہمیں اس دنیا میں جاننے کی کوئی حاجت نہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ اُس زندگی کا رنگ اِس زندگی سے بالکل نرالا ہے یہانتک کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جنّت کی نعماء ایسی ہیں کہ اس دنیا کی نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی دل میں انکا خیال گذرا پس ایسی تفصیلات کو اسی دنیا میں حل کرنیکا خیال کرنا بے فایدہ ہے۔ انکی پوری پوری کیفیات سمجھنے کے لیے وہی عالم ہے جہاں وہ نعماء یا آلام محسوس اور مشہود ہوں گے۔ ہاں قرآن کریم نے ان تفصیلات کو بھی بیان ضرور فرمایا ہے اور یہ حقایق قرآن کریم کے جو آخرت کے متعلق ہیں اُسی عالم آخرت میں ہی کھلیں گے۔ اس امر کی شہادت ہمیں اس بات سے بھی ملتی ہے کہ جسقدر کوئی شخص روحانیت اور راستبازی میں ترقی کرتا ہے اور اس سفلی دنیا سے اپنے تعلّقات کو قطع کرتا ہے اسیقدر زیادہ معارف اور حقایق قرآن کریم کے اُسے سمجھائے جاتے ہیں جیساکہ خود قرآن شریف فرماتا ہے کہ لا یمسہ الا المطہرون یعنی

قرآن کریم کا سمجھنا صرف اعلیٰ دماغی قوٰے پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے معارف اور حقائق کے عجیب و غریب خزانے اس شخص پر کھولے جاتے ہیں جو تقویٰ اور راستبازی اختیار کرتا ہے اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نے ہر ایک گند سے پاک اور صاف کر دیا ہے۔ پس جس صورت میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی عالم میں روحانیت کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کے معارف عالم آخرت کے متعلق زیادہ کھولے جاتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس بہشتی زندگی میں جو مومنوں کو موت کے بعد دیجائے گی اُس کی کُل تفصیلات ان نعمائے کے متعلق سمجھ آجائیں گی۔ جس صورت میں ہم اسی دنیوی زندگی کو منتہائے ترقی انسانی نہیں سمجھتے اور کہتے تو یہ ہم کیونکر مان سکتے ہیں کہ یہ زندگی منتہائے علم انسانی ہوجائے۔ بلکہ ہمارے نزدیک جس طرح بہشتی زندگی تدریجی اور غیر متناہی ترقیات کی جگہ ہے اسی طرح اُس زندگی میں انسان علم کی غیر متناہی ترقی کے بھی مراتب حاصل کرتا جاویگا۔

امر چہارم کے متعلق کہ ہم کو اخروی زندگی کی نسبت اِس دنیا کی زندگی کی زیادہ پروا کرنی چاہیئے۔ مَیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اصل میں تو اس وقت عیسائی اقوام کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بکلی مردار دنیا پر گر پڑے ہیں۔ ہاں فرق صرف اسقدر ہے کہ ایک دہریہ جرأت سے اس بات کو کہدیتا ہے جو اس کا عقیدہ ہے اور عیسائی صاحبان بزدلی سے اصل بات کا اقرار نہیں کرتے اِس زندگی کو آخرت یا دنیا کو دین پر مقدم کرنیکی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس زندگی کی نعماء اور دنیوی فوائد تو مشہود اور محسوس ہیں مگر آخرت پر ایمان اسقدر کمزور ہے کہ اس کی کشش بمقابلہ دنیوی کشش کے کچھ بھی نہیں۔ پس یہ مرض اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ آخرت کے متعلق ایسا یقین تام پیدا نہ ہو جو دنیوی کشش پر غالب آجائے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے یا اخروی زندگی کا اِس دنیا کی زندگی کی نسبت زیادہ خیال رکھنے کا یہ منشا نہیں کہ لوگ راہبوں کی طرح دنیا کے کاروبار چھوڑ کر گوشہ گزین ہو جاویں۔ نہیں بلکہ اسلام تو یہ سکھاتا ہے کہ تم دنیا میں اپنے وجود کو مفید بناؤ۔ بلکہ اسلام کے نزدیک اِسی دنیا کی زندگی میں ہی انسان وہ ترقی حاصل کرتا ہے جو اس کی اخروی خوشحالی کا موجب ہے۔ پس انسان کو جو کچھ کرنا چاہیئے اسی دنیا کی زندگی میں ہی کرنا چاہیئے۔ دین یا آخرت کو مقدم کرنیکے معنے یہ ہیں کہ راستبازی اور تقوے کا خیال محض دنیوی آسائشوں کے حاصل کرنے پر مقدم کیا جاوے۔

الٰہی سلسلے اور ارتداد

جب کبھی اللہ تعالیٰ دنیا کی اصلاح کے لئے کسی نبی کو مامور فرما کر بھیجتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے مخلص مومنین کی

ایک جماعت کو اکٹھا کرتا ہے۔ تو ساتھ ہی بعض ایسے لوگ بھی خدائی جماعتوں میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے ایمان کچے اور دل کمزور ہوتے ہیں۔ پھر یا تو یہ لوگ مامور سے تعلق پیدا کر کے اپنے ایمان کو مضبوط کر لیتے ہیں اور یا اگر انہوں نے مامور سے سچا تعلق پیدا نہیں کیا تو اس شاخ کی مانند جو تنے کے ذریعہ جڑھ سے غذا حاصل نہیں کرتی آہستہ آہستہ خشک ہو کر کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اور ایک جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جو مونہہ سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر انکے دلوں میں نور ایمان نے جگہ پیدا نہیں کی ہوتی اور نہ وہ ان ہدایتوں پر چلتے ہیں جو مخلص مومنین کو خدا کی راہ میں ترقی کرنیکے لیے بتائی جاتی ہیں۔ گویا مخلص مومنین کے علاوہ ایک جماعت مرتدین کی اور ایک جماعت منافقین کی ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر ایک الٰہی سلسلے میں ان دو قسموں کے اشخاص بھی پائے جائیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور کیوں اللہ تعالیٰ نبی کے ساتھ صرف ایسے لوگوں کو شامل نہیں کرتا جو کبھی ڈگمگانے والے نہ ہوں یا کیوں نبی کی تعلیم ان تمام لوگوں پر جو ایک دفعہ اس کے پاس آجائیں اور اسکو مان بھی لیں ایسا اثر نہیں کرتی کہ حلاوت ایمانی سے ان کے دل بھر کر ان کو ایسے پختہ کر دے کہ کوئی ابتلا یا کوئی ایمانی کمزوری ان کو جنبش نہ دے سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ مامور کے زیر اثر آئیں انہیں سے اکثر ایک غیر معمولی ایمانی ترقی دکھاتے ہیں اور خدا کی راہ میں قربانی کے ایسے نمونے ان سے ظاہر ہوتے ہیں جو دوسروں سے ہرگز نہیں ہو سکتے مگر یہ سب لوگ اپنی اپنی فطری استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی بعض ایسے ہوتے ہیں جو بہت زیادہ ایمانی ترقیاں حاصل کرتے ہیں اور روحانیت کے اعلیٰ مراتب طے کرتے ہیں بعض ان سے کم علیٰ ہذا القیاس اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد یا منافق بنجاتے ہیں۔ اور اس میں ایک مصلحت الٰہی بھی معلوم ہوتی ہے کہ جیسا مامور من اللہ کے ہزارہا دشمن بیرونی طور پر ہوتے ہیں جو اس کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں ایسا ہی اللہ تعالیٰ یہ بھی چاہتا ہے کہ اندرونی طور پر بھی جو لوگ چاہیں اس سے کھلم کھلا یا چھپکر دشمنی کر لیں اور جتنی کوشش وہ اس کے نیست و نابود کرنیکے لیے کر سکتے ہیں کر لیں۔ تا آخر میں ان تمام بیرونی اور اندرونی دشمنوں کو ناکام اور نامراد کر کے اور مامور من اللہ کو ان سب پر غالب کر کے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ہاتھ مامور من اللہ کی تائید میں کام کرتا ہوا دکھائے۔ اس لیے ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وقت وہ لوگ جن کو ظاہر طور پر یعنی لوگوں کی نظروں میں مامور سے ایک گہرا تعلق ہوتا ہے وہ بھی مرتد ہو جاتے ہیں اور پھر دشمن خوشی کے مارے بغلیں بجاتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تباہ ہو جائیگا مگر اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کے باوجود مامور کو محفوظ رکھتا اور اس کے سلسلے کو ترقی دیتا ہے اور کوئی بات خواہ وہ ابتدا میں اس سلسلے کے لیے کیسی ہی خطرناک معلوم ہو۔ دراصل صرف اس سلسلے کے لیے کھاد کا کام دیتی ہے اور اس کی ترقی اور نشو و نما کا ذریعہ بنجاتی ہے۔

مذہبی تاریخ کے مطالعہ کرنیوالے پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بہت سے

لوگ بنی اسرائیل سے مرتد ہو گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی بہت سے مرید اُن کے مرتد ہو گئے یہانتک
کہ ایک ہی دن میں پانچسو کا مرتد ہو جانا بھی معلوم ہوتا ہے اور پھر اُنکا خاص الخاص مرید یہودا اسکریوطی جو آپ کا
خزانچی بھی تھا۔ مرتد ہو گیا اور ایسا سخت مرتد ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کو پولیس کے ہاتھ میں اس نے گرفتار کروا دیا۔ ایسا ہی
ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی کئی لوگ مرتد ہو گئے تھے جن میں سے ایک عبداللہ بن ابی سرح کاتب
الوحی تھا جس خبیث کے دل میں یہ وسوسہ شیطانی گذرا تھا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے پاس سے
وحی بنا کر لکھوا دیتے ہیں اور کہ یہ وحی کچھ بھی چیز نہیں۔ ایسا ہی ابن خطل۔ عبداللہ بن جحش وغیرہ دوسرے لوگ تھے اور
منافقین کی بھی ایک جماعت تھی مگر خدائے تعالیٰ نے ان سب مرتدین کا مونہہ کالا کیا۔ اور وہ کس مپرسی کی حالت
میں مرے۔ مسیلمہ کذاب بھی مرتد تھا چنانچہ پہلے اس کا اسلام لانا بھی ثابت ہے۔ اسی سُنّت الٰہی کے مطابق
سلسلہ احمدیہ میں بعض لوگ مرتد ہو گئے ہیں جس پر اس سلسلہ کے دشمنوں نے بڑی خوشیاں منائی ہیں کہ اب
یہ سلسلہ تباہ ہو جائیگا مگر سُنّت الٰہی سے ناواقف لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسے ارتداد سے ایک سچے سلسلہ کا کچھ نہیں
بگڑ سکتا۔ کیونکہ جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا انسان اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ منجملہ ان مرتدین کے ایک ڈاکٹر
عبدالحکیم ہے جس کا ارتداد ہنوز تازہ ہے۔ اس ارتداد پر بعض لوگوں نے تو یہانتک غلو کیا ہے کہ یہ اس سلسلہ کے
نعوذ باللہ باطل پر ہونیکا ثبوت ہے۔ اور اپنے اس باطل دعوے کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ہرقل کے
سامنے ابوسفیان نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں میں سے کوئی شخص مرتد نہیں ہوتا۔ افسوس
ہے کہ یہ لوگ تدبر سے کام نہیں لیتے۔ جو شخص قرآن شریف کو غور سے پڑھیگا وہ ایسی لغوبات مونہہ سے کبھی نہیں
نکال سکیگا خواہ اسے تاریخ سے واقفیت ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی بھی مرتد نہ ہوتا تو مرتدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن
شریف میں احکام کیوں بیان فرماتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو
کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ واولٰئک اصحٰب النار
ھم فیھا خالدون۔ (البقرۃ-۲۱۸) اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور کفر ہی کی حالت
میں مر جائیگا۔ تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت جائیگا۔ اور یہ لوگ دوزخی ہیں اور وہ
دوزخ میں رہ پڑیں گے۔ ایسا ہی دوسری جگہ فرماتا ہے من یرتد منکم عن دینہ۔ جس آیت کو میں
آگے چلکر بیان کرونگا۔ اس کے علاوہ کئی جگہ فرماتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو ایمان کے بعد پھر کافر ہو گئے۔
جیسا کہ ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا۔ بلکہ ایک جگہ دو دو دفعہ کے ارتداد کا
ذکر ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا
لم یکن اللّٰہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا (النساء-۱۳۷) یعنی جو لوگ ایمان لائے پھر کافر

ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے۔ اور پھر کفر میں بڑھتے گئے تو خدا نہ تو ان کی مغفرت ہی کریگا اور نہ انکو راہ راست ہی دکھائیگا۔ اب ان کھلی کھلی آیات کے ہوتے ہوئے ابوسفیان والی حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ کبھی کوئی شخص مرتد نہیں ہوا تھا سراسر غلط ہے۔ ہاں النادر کالمعدوم کی مثل کو مدنظر رکھکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شخص مرتد نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ قرآن شریف کی صریح آیات کی تکذیب کرنا مومن کا کام نہیں اور پھر ان آیات کی مویدہ احادیث بھی ہیں جن سے بعض لوگوں کا مرتد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ مثلاً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ میں صرف معدودے چند اشخاص کا ارتداد ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ارتداد کچھ بھی قابل توجہ نہیں۔ اور ایسا ہی سلسلہ احمدیہ میں دو تین لاکھ کی جماعت میں پندرہ بیس اشخاص کا ارتداد ہرگز قابل توجہ نہیں ہے۔ ہاں خود ڈاکٹر عبدالحکیم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سیکڑوں لوگ بیعت میں داخل ہو کر اور صحبت کے نتائج دیکھکر منحرف ہوتے رہے ہیں مثلاً منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ و منشی عبدالحق صاحب اکاؤنٹنٹ و حافظ محمد یوسف صاحب و صوفی عباس علی صاحب میاں فتح خاں محمد سعید خان وغیرہ" اب ڈاکٹر صاحب کو جسقدر اس سلسلہ سے واقفیت ہے وہ خود انکے اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ بیعت میں داخل ہو کر مرتد ہوئے حالانکہ ان میں سے اول الذکر تین شخصوں نے کبھی بھی بیعت نہیں کی۔ پس سیکڑوں کی کیفیت تو ان چھ ناموں سے ہی معلوم ہوگئی جن میں سے تین کبھی اس پاک سلسلہ میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ پس جن لوگوں نے اس سلسلہ میں داخل ہو کر اسی قدر واقفیت حاصل کی ہو اور صحبت کا یہ حال ہو کہ گذشتہ چھ سات سال میں صرف ایک دو دفعہ اپنے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں اور وہ بھی فیض صحبت سے متمتع ہونیکی غرض سے نہیں بلکہ فخریہ اپنی تفسیر کو سنانیکے لیے۔ انکے مرتد ہونے پر کیا افسوس ہو سکتا ہے۔

ہرقل والی حدیث پر بھی اگر غور کیا جاتا تو ہمارے علماء یہ ٹھوکر نہ کھاتے کہ ایک شخص کے ارتداد کو سلسلہ کے باطل ہونیکی دلیل بیان کرتے جس کو اگر دلیل مان لیا جائے تو نعوذ باللہ کُل انبیاء علیہم السلام کا بطلان لازم آتا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ قال فھل یرتد احد منھم سخطۃ لدینہ بعد ان یدخل فیہ قلت لا۔ یعنی ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں میں سے کوئی پورے طور پر دین میں داخل ہو کر پھر اس دین سے بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔ اب قابل غور امر یہ ہے کہ سوال صرف یہ نہیں کہ کوئی مرتد ہوتا ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب میں سے ہو کر ہرقل خوب جانتا تھا کہ ارتداد بھی ہر ایک الٰہی سلسلے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ باوجود اس علم کے جو اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے حاصل تھا اس بات کی وہ خبر نہ رکھتا ہو کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پیرووں میں سے بھی بہت لوگ مرتد ہوگئے تھے۔ پس ایسے علم کے ہوتے ہوئے ایسا سوال لغو تھا کہ وہ صرف یہ پوچھتا کہ کوئی شخص مرتد بھی ہوتا ہے کہ نہیں۔ اور حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اتنا سوال کیا بھی نہیں بلکہ اس کا سوال یہ تھا ھل یرتد احد منھم سخطۃ لدینہ

بعد ان یدخل فیہ۔ یعنی کوئی شخص کامل طور پر اس دین میں داخل ہو کر اس کے بعد پھر اس دین سے بیزار ہو کر مرتد ہوتا ہے یا نہیں جسکا جواب ابوسفیان نے دیا کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اب اس سوال میں دو باتیں غور طلب ہیں اوّل یہ کہ ایک شخص پورے طور پر دین اسلام میں داخل ہو چکا ہو۔ جس کے لیے الفاظ بعد ان یدخل فیہ آئے ہیں۔ اس کے معنے صرف داخل ہونے کے نہیں اور اگر ہمارے مولوی صاحبان نہ مانیں تو مَیں ہرقل کے الفاظ ہی جن میں اس نے ان الفاظ کی تشریح کی ہے پیش کروں گا۔ کیونکہ سوال و جواب کے بعد جب ہرقل نے استدلال شروع کیا تو اس سوال کے موقع پر پہنچکر وہ کہتا ہے۔ وسالتك ایرتد احد سخطۃ لدینہ بعد ان یدخل فیہ فذکرت ان لا وکذلك الایمان حین یخالط بشاشۃ القلوب۔ اب اسجگہ بعد ان یدخل فیہ کی ہرقل نے یہ تشریح کی ہے کہ کذلك الایمان حین یخالط بشاشۃ القلوب۔ یعنی ایمان جب بشاشت قلب کے ساتھ اختلاط پیدا کرلے یا بالفاظ دیگر انسان کو شرح صدر عطا ہو جائے۔ اور ایمان دل میں داخل ہو جائے تو پھر ارتداد نہیں ہوتا۔ اب خالی مان لینا تو ایسا بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا۔ قالت الاعراب اٰمنّا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم۔ یعنی عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کرلی ہے اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ پس ایمان جب تک دل میں داخل نہ ہو اور شرح صدر عطا نہ ہو وہ کسی کام کا نہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ ورسولہ۔ پس اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ کوئی شخص بھی مرتد نہیں ہوتا بلکہ ایسا شخص جس کے دل میں نور ایمان داخل ہو چکا ہے اور دل سے تمام تاریکیوں کو دور کر چکا ہے اور اسے نبی کے متعلق انشراح صدر عطا ہو چکا ہے۔ وہ مرتد نہیں ہوتا۔ اب اگر اس کسوٹی پر عبدالحکیم خاں کو پرکھا جائے تو وہ پورا نہیں اُتر سکتا۔ یہ کوئی بناوٹی بات نہیں ہے بلکہ جس دن لاہور میں اسکا لیکچر ہوا ہے جس میں اس نے سخت استہزاء اور بدزبانی سے اس سلسلہ کا ذکر کیا تو اس دن میرے ایک دوست نے جس نے یہ لیکچر خود اپنے کانوں سے سنا تھا یہ لفظ مجھکو لکھے کہ اس کا لیکچر سنکر مَیں اس نتیجہ پر پُہنچا ہوں کہ یہ شخص ایک لمحہ کے لیے بھی حضرت مسیح موعودؑ کا مرید نہیں ہوا۔ اور ایک شخص پر کیا منحصر ہے جو شخص اس کے اعتراضات کو پڑھیگا وہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ شخص فی الواقع کبھی مرید تھا اور سچے دل سے حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود اور مہدی مانتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اسکے دل کا گند بہت سالوں کے بعد نکلا ہے مگر بہت مدت تک پڑا رہنے نے اس کے دلکو اور بھی تاریک کر دیا ہے۔ مثلاً یہ اعتراض کرنا کہ براہین احمدیہ کا روپیہ کھا گئے اور وہ وعدہ پورا نہیں کیا اور وہ دوسرے امور پیش کرنا جس کا نام وہ بدعہدیاں رکھتا ہے ایسی باتیں نہیں ہیں کہ آج پیدا ہوئی ہوں اور یہ سبب نئی باتیں ہونے کے اس کے ایمان کو متزلزل کر دیا ہو بلکہ یہی اعتراض آج سے پندرہ سال پہلے لوگوں نے کئے۔ پس اگر اس کے نزدیک

یہ اعتراض صحیح ہیں اور ان سے حضرت مرزا صاحب کے دعوے کا بطلان ہوتا ہے تو ضرور ہے کہ یہی بات اس کے دل میں آج سے پندرہ سال پہلے ہو پس یہ چھپا ہوا گند جو مدت سے اس کے اندر سڑتا چلا آتا تھا نور ایمان کو دل میں داخل نہ ہونے دے سکتا تھا۔ اور ایسا ہی جس قدر اعتراض اس نے کئے ہیں وہ سب پُرانے اعتراض ہیں پس ایک ایسے شخص کا ارتداد بعد ان یدخل فیہ کے نیچے نہیں آتا اور اس لیے سُنت انبیاءؑ سے خارج نہیں بلکہ عین اسی سُنت کے مطابق ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اُس نے کتابوں میں تائید بھی کی ہے تو یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ آیا یہ اعتراض جو آج عبدالحکیم کرتا ہے پہلے بھی موجود تھے یا نہیں اور انہیں اعتراضوں پر وہ بارہا اس سلسلہ کی تحریروں میں یا اخبارات میں بحث پڑھ چکا ہے یا نہیں۔ پس اُس وقت اگر اس کا دل اطمینان پکڑ گیا تھا تو انہی وجوہ سے اب کیوں اطمینان نہیں پکڑتا۔ بالفاظ دیگر یہ مرض باوجود تائیدی مضامین لکھنے کے اس کے دل میں پہلے سے موجود تھا فزادھم اللہ مرضا۔ اور اس کی نظیر یں پہلے انبیاءؑ میں موجود ہیں۔ کیا یہودا اسکریوطی جو بارہ حواریوں میں شامل کر لیا گیا تھا اور جسے حضرت مسیحؑ کو اس قدر اعتبار تھا کہ وہ خزانچی بنا دیا گیا تھا مرتد نہیں ہوا۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ جب حواریوں میں شامل کیا گیا تو انکی طرح ارتداد سے پہلے وہ دوسرے لوگوں کو حضرت مسیحؑ پر ایمان لانے کے لیے وعظ بھی کیا کرتا تھا۔ ایسا ہی عبداللہ بن ابی سرح وحی کا کاتب ہونے کے باوجود مرتد ہوا۔ اور عبید اللہ بن جحش باوجودیکہ اس نے ہجرت بھی کی اور حبشہ میں چلا گیا تھا مرتد ہوا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰؑ کے وقت میں ایسے ایسے لوگ مرتد ہوئے مگر سچی بات یہی ہے کہ اُن لوگوں کے دلوں میں نور ایمان داخل ہی نہیں ہوا تھا۔

دوسری بات جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہرقل کا سوال یہ تھا کہ دین سے بیزاری کی وجہ سے کوئی شخص مرتد ہوا یعنی اس تعلیم سے بیزار ہو کر مرتد ہو جو مامور دیتا ہے۔ سو عبدالحکیم خاں کی حالت میں ایسا بھی نہیں ہوا۔ حضرت مرزا صاحب کی خاص تعلیم تو حیات مسیح کے شرک کو دور کرنا ہے اور دوسری خاص تعلیم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مکالمہ و مخاطبہ کا دروازہ کھلا ہے ان دونوں باتوں سے ڈاکٹر صاحب بیزار نہیں ہوئے اور نہ ہی یہ تعلیم انکی ٹھوکر کا باعث ہوئی ہے بلکہ ابتدائی خطوں میں تو وہ یہی کہتا تھا کہ جماعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ اور مکالمہ مخاطبہ کے دروازے کے کھلا ہونے کا تو یہاں تک قائل ہے کہ خود مدعی الہام بھی ہے۔ اس کے اعتراضات جو کچھ ہیں وہ تعلیم پر نہیں بلکہ حضرت مرزا صاحب کی ذات پر یا جماعت کے افراد پر ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ مرزا صاحب کو جھوٹا کہتا ہے اور اس لئے اس کا ارتداد سخطۃ لدینہ ہے تو یہ محض فضول ہے کیونکہ اگر ان الفاظ سے یہی مراد لی جائے تو پھر ارتداد ہی بے معنی ہوتا ہے۔ مرتد ہونے کے تو معنے ہی یہ ہیں کہ مدعی کو جھوٹا کہا جاوے اگر یہودا اسکریوطی مسیحؑ کو منجانب اللہ مانتا تو کیوں مرتد ہوتا اور تیس روپیوں کے بدلے پکڑواتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ایک آدمی ایک سچی بات کی حقیقت کو بخوبی سمجھ لیتا ہے تو وہ اس پر صدق دل سے قائم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ

اسے سچی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور جھوٹ کی حقیقت پر جب انسان اطلاع پاتا ہے۔ تو پھر وہ اس سے بیزار ہوجاتا ہے اور اس کو ترک کر دیتا ہے۔ پس ایک صادق کے ساتھ جسقدر گہرا تعلق انسان پیدا کرتا جائیگا اسیقدر اسکی محبت اور اخلاص بھی ترقی کرتے جاویں گے اور کاذب کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرکے اسکا کذب معلوم ہوجائیگا۔ پس دیکھنا چاہیئے کہ اکثر ان لوگوں کے جو ایک گہرا تعلق پیدا کرتے ہیں ایسے ہیں جو دن بدن ایمان اور اخلاص میں ترقی کرتے اور اپنے مالوں اور جانوں کو فدا کرتے ہیں۔ یا اس سے بیزار ہوکر اسکا ساتھ چھوڑتے ہیں۔ ایک عبدالحکیم خان کیا چیز ہے ہزاروں انسان جو حضرت مسیح موعودؑ کے فیض سے متمتع ہونیوالے ہیں اور جنہوں نے آپ سے گہرا تعلق پیدا کیا ہے وہ ایمان اور اخلاص میں ترقی کر رہے ہیں اور کوئی بات انکے ایمان کو ہلا نہیں سکتی۔ بلکہ اس جماعت کی ایمانی قوت ہی اسکی ٹھوکر کا باعث ہوئی ہے اور جسکو وہ غلو قرار دیتا ہے وہ اس جماعت کا سچا اخلاص اور جانفشانی ہے جو ماموریں کے ساتھ رہنے والوں میں لازمی طور پر پیدا ہوجاتی ہے اور اسی قسم کی جانفشانی اور اخلاص ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں دیکھا جاتا ہے۔ مگر چونکہ اس کے اپنے دل میں کمزوری تھی اور اخلاص اور محبت سے اسکا دل خالی تھا اس لیے اسکو سچا جوش اور اخلاص بھی اس جماعت کا بُرا معلوم ہوا۔ صد افسوس کہ وہ امر جو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا بیّن ثبوت تھا اسی پر اس شخص نے ٹھوکر کھائی۔

اگر یہ سوال کیا جاوے کہ جھوٹے اور سچے میں پھر کیا فرق ہے تو اسکا جواب نہایت صاف ہے۔ جھوٹا مدعیٔ نبوت یا تو پہلے ہی سرسبز نہیں ہوتا اور ناکام و نامراد مرجاتا ہے یا اگر ابتدا میں کچھ لوگ اس کے ساتھ شامل بھی ہوں تو وہ سلسلہ جلدی سی تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی نظیریں گذشتہ زمانے کو چھوڑ کر خود اس زمانے میں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً ایک طرف چراغ الدین ساکن جموں کی حالت پر غور کرو کہ اس نے سلسلہ احمدیہ سے مرتد ہوکر یہ دعویٰ کیا کہ میں صلح کا رسول ہوں اور اسلام اور عیسائیت میں صلح کرانیکے لیے بھیجا گیا ہوں مگر خدائے تعالیٰ نے اسے فی الفور ہی ہلاک کرکے اس کا نام و نشان مٹا دیا۔ دوسری طرف ڈوئی مدعیٔ نبوّت ملک امریکہ کا ہے۔ جس نے الیاس ہونیکا دعویٰ کیا ابتدا میں بہت سے لوگ اس کے ساتھ مل گئے جسطرح مسیلمہ کذّاب کے ساتھ مل گئے تھے مگر تھوڑے ہی سالوں میں اس کے کل افترا کی حقیقت طشت از بام ہوگئی۔ اور جگہ جگہ مریدین نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا اور اسے مفتری اور کاذب اور خائن ثابت کیا۔ اور اس شہر سے جو اس نے بڑی محنت سے بنایا تھا اسے نکال دیا۔ اور انجام کار وہ بہت ہی خائب و خاسر اور ناکام اور ذلیل ہوا۔ مگر سچے کو اللہ تعالیٰ کبھی ضایع نہیں کرتا اور ہر قسم کی ابتلاؤں کی آندھیوں کے درمیان وہ محفوظ رہتا ہے۔ اسکی جماعت میں سے بھی بعض بدنصیب مرتد بھی ہوجاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مرتد ہوکر اس سلسلہ کو نیست و نابود کر دینگے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے سے روک دیں گے اس کی ترقی بند ہوجائیگی اور جو لوگ داخل ہوچکے ہیں وہ بھی نکل جائیں گے۔ مگر وہ جلد خود ہی ... ناکامی کا مزہ چکھ کر اس دنیا سے حسرت لیے اٹھ جاتے ہیں۔ اور الٰہی سلسلہ اسیطرح

سرسبز رہتا بلکہ آگے سے بھی زیادہ ترقی کرتا ہے۔ اور فوج در فوج لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی نصرتیں اور تائیدیں اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔ اس قانون الٰہی کو قرآن شریف ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ یٰایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکٰفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم..... ومن یتول اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا فان حزب اللہ ھم الغٰلبون۔ (المائدہ ۵۴-۵۶) اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے (خدا کو اس کی ذرہ بھی پروا نہیں) تو جلد خدا (اس ایک کی بجائے) ایک ایسی قوم لا موجود کریگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسکو دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے ساتھ کڑے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا کچھ خوف نہیں رکھیں گے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہے دے اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے اور وہ سب کے حال سے واقف ہے..... اور جو اللہ اور اللہ کے رسول اور ایمان والوں کا دوست ہو کر رہیگا وہ جان لے کہ آخر کار اللہ کا گروہ ہی غالب ہوگا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مامورین کے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ نشان ہے کہ ایسا سلسلہ کسی کی کوششوں سے تباہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی آدمی مرتد بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی بجائے اور بہتیروں کو اس سلسلے میں داخل کرتا ہے جو صدق دل سے ماننے والے ہوں۔ اور کسی کی ملامت سے ڈر کر اس سلسلے کو نہ چھوڑیں وہ مومنین کے ساتھ نرم اور کافروں کے مقابل سخت ہوں گے۔ ان آیات سے مرتدین کے دلوں کی حالت کا بھی اندازہ لگتا ہے۔ گویا وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ کافروں کے مقابل سخت اور مومنین کے ساتھ نرم نہیں ہوتے اور ملامت کرنیوالوں کے ڈر سے بھی ڈر کر انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبد الحکیم کی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات مرتدین کے اس میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ اسکی بعض اپنی تحریروں اور اس کے دوستوں کی تحریروں سے ظاہر ہے۔ اس جماعت کے مومنین کے ساتھ تو اس نے سخت سلوک کیا اور ناحق ان کو برا بھلا کہا اور ان لوگوں کے ساتھ ملا جو سخت معاند تھے۔ پس یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ الٰہی سلسلے کا یہ بڑا بھاری نشان ہے کہ وہ ہر طرح کی مخالفتوں پر غالب آتا ہے۔ کوئی مخالف اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ جو کوئی اس سے بگڑتا ہے وہ خود نقصان اٹھاتا ہے۔ اب ڈاکٹر عبد الحکیم خاں نے بھی مخالفت پر پورا زور لگایا ہے مگر کیا اس کی مخالفت سے اس سلسلہ کا کچھ بگڑا؟ یا ترقی رک گئی؟ وہ سوچے کہ کسقدر مریدین مخلصین پر اس کی گندی اور سب و شتم سے بھری ہوئی تحریروں کا اثر ہوا اور اگر ابھی اسے کچھ امید باقی ہے تو چاہیئے کہ پورا زور لگالے اور تمام ولولے دل کے نکال لے پھر دیکھ لے گا کہ اس کی مخالفت نے اس سلسلے کو فائدہ دیا ہے یا نقصان۔ اگر وہ ذرا بھی تدبر سے کام لے تو اب بھی وہ دیکھ سکتا ہے کہ اسکی مخالفت اس الٰہی سلسلہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ خدا اسکو غالب کر رہا ہے

اور غالب کر کے دکھاوے گا اور ایسے مرتدین یا مخالفین کے تمام اعتراضوں کا جواب اسی سنّت کے مطابق دیگا جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس کی سنّت رہی ہے۔ یعنی آخر کار اس سلسلہ کو ہر طرح سے غالب کریگا اور مخالفین اور مرتدین اور منافقین کو ناکام اور نامراد کریگا۔

افسوس ان مخالفین پر ہے جنہوں نے اندھوں کی طرح بلا سوچے سمجھے ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کی تائید کی ہے حالانکہ جن اصول پر اسکا ارتداد مبنی ہے وہ ایسے ہیں کہ اسلام سے بھی وہ خارج ہے اور اگر انہیں اصول پر قائم رہا تو آج نہیں تو کل کھلم کھلا اسلام کی بھی مخالفت کرے گا۔ مجھے رنج پیدا ہوتا ہے جب مَیں دیکھتا ہوں کہ مسلمان کہلانے والے ایڈیٹران اخبار ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کے ان خیالات کو شایع کر رہے ہیں جن کی زد خالی حضرت مرزا صاحب پر نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ قرآن شریف پر۔ اسلام پر۔ بلکہ خدا کے کل نبیوں پر ہے یہ مَیں جانتا ہوں کہ یہ لوگ اس وجہ سے اسکے خیالات کو شایع نہیں کر رہے کہ انہیں انکے ساتھ اتفاق ہے بلکہ یہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بغض کی وجہ سے ہے۔ افسوس کہ ان لوگوں نے حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں اسلام کی عزّت کا بھی پاس نہ کیا۔ اور محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت کا پاس بھی نہ کیا۔ اور تمام مسلمان کہلانیوالے اخبارات میں سے صرف ایک شخص نے دبی زبان سے اقرار کیا کہ جس خیال پر عبد الحکیم خاں کا ارتداد مبنی ہے وہ خلاف مذہب جمہور اہل اسلام ہے۔ خلاف جمہور تو جو ہوا سو ہوا مگر یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت پر حملہ ہے کہ مسلمان ہو کر یہ لفظ مونہہ سے نکالے کہ آنحضرتؐ کی پیروی نجات کیلئے ضروری نہیں۔ کسقدر ظلم ہے کہ ایک شخص کھلم کھلا یہ لکھتا ہے کہ بغیر متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بغیر قرآن شریف پر عمل کرنے کے نجات ہے۔ اور اسوجہ پر وہ سلسلہ احمدیہ سے مرتد ہوتا ہے کہ اسے کسی امام یا مامور کی پیروی کی ضرورت نہیں اور اس کے خیالات کو بغیر تردید وہ اخبار شایع کر رہے ہیں جو مسلمانوں کے مذہب کے بڑے مؤید کہلاتے ہیں اور جن میں دن رات یہ شور مچایا جاتا ہے کہ جبتک ان اخبارات کو خریدا نہ جاوے گا تب تک مسلمان اسلام پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیا یہ طریق مسلمانوں کو اسلام سے متزلزل کریگا ہے یا اکھڑے ہوؤں کو قائم کریگا؟

مَیں اس بحث کو لمبا کرنا نہیں چاہتا۔ اور نہ ہی اس رسالہ میں زیادہ گنجایش ہے۔ ایک بات کی طرف مَیں ان اخبار نویسوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ عبد الحکیم خان نے چند ماہ ہوئے ہیں ایک ترجمہ انگریزی میں قرآن شریف کا شایع کیا جس میں اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کی صداقت کو قرآن شریف اور حدیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے۔ اور ان دلایل سے یہ قطعی نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعودؑ ہیں۔ لیکن مرتد ہوتے وقت ان دلایل میں سے ایک کو بھی نہیں توڑا۔ بلکہ چند اور باتیں پیش کی ہیں جو صرف مرزا صاحب کی ذات پر اعتراض ہیں۔ اور وہ باتیں آج وجود میں نہیں آئیں بلکہ اسوقت بھی موجود تھیں جب اس نے حضرت مرزا صاحب کا منجانب اللہ اور مسیح موعود ہو

ثابت کیا تھا۔ مثلاً براہین احمدیہ کے نہ چھپنے یا قیمتوں کے متعلق یا پریس کے چندے وغیرہ کے متعلق یہ کوئی تازہ امور پیدا نہیں ہوئے۔ ایسا ہی یہ اعتراض کہ مرزا صاحب کی صحبت میں اثر نہیں یا یہ کہ جب عبد الحکیم نے حضرت مرزا صاحب کو اپنی تفسیر سنائی تو آپ نے کوئی معارف اور حقایق بیان نہیں کیے اور نئے نکتے نہیں بتائے۔ اور سلیمان کے قصے پر روشنی نہیں ڈالی۔ یا یہ اعتراض کہ لنگرخانہ کے روپے کا باضابطہ حساب کتاب نہیں رکھا جاتا۔ یا یہ اعتراض کہ مرزا صاحب مکان بنواتے ہیں یا مفرحات اور مقویات کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ باتیں آج ڈاکٹر صاحب کے علم میں نہیں آئیں بلکہ جسوقت اس نے اردو تفسیر میں حضرت مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونا ثابت کیا تھا یا پھر جسوقت ابھی چند ہی ماہ ہوئے انگریزی ترجمہ میں ایسا ہی ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا اسوقت یہ سب باتیں موجود تھیں اور خود اس جیسے سیاہ دل مخالف پہلے بھی ان باتوں پر اعتراض کر چکے تھے۔ پھر اگر یہ تمام امور اسوقت منافی مسیحیت نہیں تھے تو اب کیونکر ہو گئے۔ آخر جس طرز استدلال سے اب وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے اسکو بھی تو دنیا کے سامنے کھولکر بیان کرنا چاہیئے۔ مرزا صاحب کے الہامات انت منی وانا منك اور یحمدك اللہ من عرشہ یہ بھی پرانے الہام ہیں۔ پس ان تمام باتوں سے جو نتیجہ آج نکلتا ہے وہی پانچ یا دس برس پہلے نکلتا تھا۔ اب ہماری مخالف اخبار نویسوں کو یہ سوچ لینا چاہیئے کہ اگر ایک شخص نے مرزا صاحب کے متعلق یہ رویہ اختیار کیا ہے تو کل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی رویہ وہ اختیار کر سکتا ہے۔ کیونکہ آخر آنحضرت پر بھی اعتراض کرنیوالے موجود ہیں۔ اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اسکے نزدیک نجات کے لئے ضروری ہے ہی نہیں۔ اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نماز بھی باقاعدہ ادا نہیں کرتے۔ پس ایسے شخص کو مرزا صاحب کی مخالفت کی وجہ سے بڑھا بڑھا کر پیش کرنا عقلمندی کا کام نہیں ؎ مراد ما نصیحت بود کردیم۔

جو اعتراض اس بدنصیب مرتد نے بار بار حضرت مرزا صاحب پر کیے ہیں وہ ایسے ہی اعتراض ہیں جو آجتک عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں۔ مگر اسکو یاد رکھنا چاہیئے کہ سنت اللہ انبیاءؑ کے متعلق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اعتراضوں کا جواب اپنے ایک ہی طاقتور ہاتھ سے دیا کرتا ہے۔ اور اپنی تائید اور نصرت اپنے مامور کے شامل حال کر کے تمام معترض مخالفوں کو نامراد کرتا ہے۔ مگر میں ڈاکٹر عبد الحکیم سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہ دلایل جو اس نے تائید مسیح موعودؑ میں دیے ہیں وہ اب بھی صحیح ہیں یا غلط ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر میں پوچھتا ہوں کہ یہ دلیل جو ڈاکٹر مذکور نے اپنے ترجمہ میں دی ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب ۲۷ سال سے اپنے الہامات کو شایع کر رہے ہیں اور انکا سلسلہ روز بروز ترقی کرتا چلا جاتا ہے حالانکہ مفتری کے متعلق اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسکو مخذول و مردود کرتا اور ہلاک کر دیتا ہے۔ اب جب ۲۷ کی بجائے ۲۸ سال اس دعوے پر گذر گئے تو اب یہ دلیل کیوں اسی مدعا کو ثابت نہیں کرتی۔ پھر یہ دلیل کہ قرآن شریف اور حدیث کی رو سے ماہ رمضان میں سورج اور چاند کا گرہن مقررہ تاریخوں پر مہدی کے ظہور کا نشان ہے۔ اب کیونکر اس پہلے مدعا کو ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ ایسا ہی وہ ان تمام

دلایل کو پڑھکر جو پہلے دیکھا ہے اب انکا باطل ہونا ثابت کریں تو ہم بھی مان لیں گے کہ واقعی جیسے وہ دعویٰ کرتا ہے اسکا مرزا صاحب کے سلسلہ سے مرتد ہونا نیک نیتی پر مبنی ہے ورنہ یہی کہنا پڑیگا کہ تفسیر اور ترجمہ کے بیچنے کے لئے یہ بھی ڈاکٹر صاحب نے ایک چال چلی ہے ایسا ہی جبتک وہ یہ ثابت نہ کرے کہ کیوں وہ اعتراضات جنکا اسے پہلے سے علم ہے آجتک اس مدعا کو ثابت نہ کرتے تھے جس کے ثبوت میں آج وہ انہیں پیش کرتا ہے تو لازماً ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ اسکی پہلی تحریریں بھی نفاق پر مبنی تھیں اور دل میں کچھ اور تھا اور لکھ کچھ اور رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ یقین کرنیکے وجوہات بھی ہونگی کہ یہی حالت اس کی ان تحریروں کی ہے جو وہ اسلام کی تائید میں لکھ رہا ہے۔ یعنی وہ بھی کسی ذاتی غرض پر مبنی ہیں۔

میں اسقدر لکھ چکا تھا کہ اخبار وطن ۵۔ جولائی ۱۹۰۶ء میں مینے بقیہ خط ڈاکٹر عبدالحکیم کا پڑھا۔ اسکو پڑھکر میں حیران ہوں کہ یہ شخص تو جوش مخالفت میں اندھا ہو ہی رہا تھا۔ اسکی خط و کتابت کو چھاپنے والے بھی اندھے ہو رہے ہیں۔ پھر وہی باتیں پیش کی ہیں جو اسنے پندرہ برس پہلے کی ہیں۔ مگر اس شخص کو ذرہ بھی شرم نہیں آتی کہ ابھی چار ماہ پیشتر تک تو وہ امام اور رسول اور مسیح لکھ رہا تھا۔ اب کس بیحیائی سے اسی پرانے علم کی بنیاد پر اسقدر گندی گالیاں لکھ رہا ہے۔ لوگونکو دھوکا دینے کیلیے بار بار لکھتا ہے کہ کیا نبی ایسے ہی بدعہد اور ستمگر ہوتے ہیں - اور یہ نہیں سوچتا کہ یہی باتیں انبیاء کے منکرین انکے متعلق کہتے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے جیسے مجذوم القلب پادریوں نے معاذاللہ نفس پرست شہوت پرست۔ زانی۔ لٹیرا ڈاکو نہیں کہا؟ اور پھر اقرار حلفی دیتا ہے کہ ان الزامات کو اگر دور کیا جائے تو وہ پانچسو روپیہ دیگا کیا تمہارے اقرارونکا اب بھی کوئی اعتبار باقی رہ گیا ہے؟ یا تمنے عیسائیونکو قائل کر دیا ہے کہ جو الزام وہ آنحضرتؐ پر لگاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں یا عیسائیوں نے یہودیوں کو قائل کر دیا ہے کہ جو الزام وہ حضرت عیسیٰؑ پر لگاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں؟ پھر لکھتا ہے کہ ۳۱۳ ناموں والی فہرست صحیح نہ تھی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر صحیح نہ تھی تو تم نے خود کیوں اسکو اپنی انگریزی ترجمۂ قرآن شریف میں بطور صداقت مسیح موعود لکھا؟ کیا تم ایمانداری سے کہہ سکتے ہو کہ پہلے علم کی نسبت آج تمکو کوئی زیادہ علم حاصل ہو گیا ہے جسکو تم یقینی طور پر صحیح کہہ سکتے ہو اگر نہیں تو ان سب باتوں کا جواب لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ مرزا صاحب تو گالیاں نکالتے ہیں کیا ہم انکی پیروی کرکے لوگوں کو گالیاں نکالیں۔ اگر یہ گالیاں ہیں تو پھر تم کل کو قرآن شریف کو بھی جواب دوگے۔ اور اس "فحش گوئی" کے باوجود تم آجتک کیوں مرید رہے۔ کیا تم نے آج ہی حضرت مرزا صاحب کی کتابونکو پڑھا ہے؟ ۔ کیا مرزا صاحب تمکو کہتے ہیں کہ تم لوگوں کو گالیاں نکالا کرو۔ اور اگر مرزا صاحب کی تحریروں کی ورق گردانی کرکے جہاں کوئی سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں انکو اکٹھے کرکے تم انکی تعلیم بناتے ہو تو قرآن شریف سے بھی ایسے سخت الفاظ اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ قردۃ۔ خنازیر۔ عبد الطاغوت۔ اخوان الشیاطین۔ انعام۔ حمار۔ علیہم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔ ضال۔ مغضوب۔ مہین۔ عتل۔ زنیم۔ مگر یاد رکھو کہ ان باتوں سے تم سلسلہ احمدیہ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے نہ ہی آجتک تمہارے جیسے معترضوں نے

جاپان میں اسلام

۳-جولائی ۱۹۰۶ء کے سول میں جولنڈن کے نامہ نگار کی چٹھی چھپی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کی رائے کا رجحان مذہب اسلام کو اختیار کرنیکا ہے۔ راقم خط لکھتا ہے "ایک جرمن کے اخبار میں یہ مضمون چھپا ہے کہ وہ مذہبی کانفرنس جو شاہ جاپان نے منعقد کی ہے اسلام کے جاپان کا شاہی مذہب بنایا جانیکی سفارش کریگی۔ انگریزی اخباروں میں اسکے متعلق ابھی کوئی رائے زنی نہیں ہوئی لیکن عام خیال اس ملک میں یہ ہے کہ خواہ کانفرنس کسی مذہب کے اختیار کرنیکی سفارش کرے بہرحال شاہ جاپان اور اسکے مشیروں کے ارادے پر اسوقت کوئی بحث کرنا قبل از وقت ہے جرمن اخبار محولہ بالا کا یہ بیان ہے کہ جاپانی حکومت اپنے دل میں یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ آنحضرتؐ کا مذہب قبول کرنیسے اسے ملکی فوائد بھی بہت سے پہنچیں گے۔ جاپان ایشیا میں ملکی طور پر جن آرزوؤں کے حاصل کرنیکا خیال رکھتا ہے انکو وہ اسلام کے ساتھ تعلق پیدا کرکے آسانی سے حاصل کرسکتا ہے اور جاپان کے مسلمان ہونے سے اسلام میں ایک نئی روح پیدا ہو جائیگی لیکن ان خیالات پر غالباً "زرد خطرہ" کا قابوس دباؤ ڈال رہا ہے۔ اور محض ملکی وجوہات سے جاپان کے مذہب اسلام اختیار کرنیکا جو وہ یقین ظاہر کرتا ہے وہ چنداں قابل اعتبار نہیں۔ جاپانی گورنمنٹ کے سامنے یہ سوال کہ کسی مذہب کو ملک کا شاہی مذہب بنا کر اختیار کیا جاوے مدت دراز سے ہے لیکن اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ اس کے متعلق گورنمنٹ اسقدر جلدی فیصلہ کرنیکو تیار ہے۔ ایک وقت میں یہ خیال تھا کہ جاپان مغربی طریق کی پیروی کو مغربی مذہب یعنی عیسویت اختیار کرکے کامل طور پر اپنے اندر لے لیگا۔ لیکن آج سے چند سال پہلے اگر اس کی کچھ امید بھی تھی تو جنگ روس و جاپان نے اس امید کو قطع کر دیا ہے اور بحیثیت ایک غیر عیسائی طاقت ہونیکے جو کارنامے جاپان نے میدان جنگ اور ملکی تدابیر میں دکھائے ہیں انکی وجہ سے یہ خیال کہ جاپان عیسائی مذہب کو اختیار کرے باقی نہیں رہا۔ عیسائی پادریوں کو اب نہ تو کوئی امید ہی باقی ہے اور نہ انکے دل میں یہ خواہش ہی رہ گئی ہے کہ جاپان عیسائیت کو شاہی مذہب بنالے (کیونکہ وہ اس سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں) تاہم انکو طبعاً سخت صدمہ پہنچیگا اگر جاپان کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی نسبت یہ بیان صحیح ثابت ہوا"

عیسائیوں کو صدمہ پہنچے یا کچھ ہو اسلام کے غالب ہونیکا وقت آگیا ہے اور نہ صرف جاپانی بلکہ خود یورپ اور امریکہ کے سمجھدار لوگ عنقریب دیکھ لیں گے۔ کہ صداقت سوائے اسلام کے کہیں نہیں۔ اور وہ دن آتا ہے جو یورپ اور امریکہ کے صلیب پرست شہروں میں اللہ اکبر کی آواز بلند ہو۔

فہرست خریدار دہندگان انگریزی بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

منشی میر اکبر صاحب مردان - ۱ - شیخ غلام احمد صاحب دھرمکوٹی بھوپال - ۱ - منشی صادق حسین صاحب مختار اٹاوہ - ۱ شیخ مظفر الدین صاحب کوہاٹ - ۱ - مرزا محمد احسن بیگ صاحب قادیان دارالامان - ۱ - مرزا خدا بخش صاحب - ۱ حافظ عبد العلی صاحب بی - اے - سرگودہا - ۱ - بابو محمد منظور الٰہی صاحب بٹھنڈہ - ۱ - میاں الٰہی بخش صاحب جمعدار کوٹ لکھلانا - ۱

فہرست خریدار دہندگان اردو بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

بابو محمد منظور الٰہی صاحب بٹھنڈہ - ۹ - منشی غلام نبی صاحب مدرس بہلوال - ۲ - شیخ محمد یوسف صاحب انبالہ ۲ - چودھری رستم علی صاحب شہر انبالہ - ۳ - منشی میر اکبر صاحب مردان - ۳ - منشی عطا محمد صاحب خانپور - ۲ - منشی عطا محمد صاحب تراب احمدی چودھر یوالہ - ۲ - مولوی ابو محمد عبد اللہ صاحب کھیوہ باجوہ - ۲ - بابو فیروز علی صاحب گوجرانوالہ - ۲ - ملک غلام احمد صاحب دوکاندار بندہ پور - ۲ - ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر - ۲ - میاں عبد الوہاب صاحب حسن پور - ۲ - ڈاکٹر نعمت خانصاحب پشاور - ۲ - مولوی غلام امام صاحب عزیز الواعظین منی پور - ۲ - منشی حبیب الرحمٰن صاحب رئیس حاجی پور - ۱ - منشی نبی بخش صاحب سررشتہ دار لاہور - ۱ - بابو عمر الدین صاحب شملہ - ۱ - بابو غلام دستگیر صاحب لاہور - ۱ - شیخ محمد رمضان و محمد سلطان از لودھران - ۱ میاں عبد اللہ صاحب تیماپور - ۱ - بابو غلام حسن صاحب ساکن نگلہ ہل - ۱ - شیخ مظفر الدین صاحب کوہاٹ - ۱ - مستری حسن دین صاحب راولپنڈی - ۱ - میاں عبد الرحیم صاحب کنسٹیبل فرخ آباد - ۱ - شادیخاں صاحب قادیان - ۱ - محمد سلطان صاحب پشاور - ۱ - شیخ علی بخش صاحب تندپور - ۱ - شیخ محمد امین صاحب لاہور - ۱ - مولوی عبد الحق صاحب سیدوالہ - ۱ - پیر سراج الحق صاحب سرسادہ - ۱ منشی حامد حسن خانصاحب میرٹھ - ۱ - منشی پیر محمد صاحب پارہ چنار - ۱ - منشی ہاشم علی صاحب سردولگڈھ - ۱ - منشی فتح محمد صاحب رام بن - ۱ - منشی علی احمد صاحب لکی - ۱ - چودھری شجاول خانصاحب جگراؤں - ۱ - محمد عبد اللہ صاحب بھینی - ۱ - منشی احمد علی صاحب کیمپ کہکہ - ۱

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء

جماعت سیالکوٹ معرفت ماسٹر غلام محمد صاحب - جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین صاحب قریشی - لعہ ۱۵ار۶ پائی ماہوار - میاں عطا محمد صاحب حکیم بیرسیاں ضلع جالندھر - صہ ۲۵ - جماعت لدھیانہ معرفت قاضی خواجہ علی صاحب - ۱۶ چودھری رستم علی صاحب انبالہ عہ شیخ محمد وزیر الدین خانصاحب گوجرخان - عہ شیخ نور احمد صاحب ایبٹ آباد للعہ ۱۲ - جماعت پٹیالہ معرفت حافظ نور محمد صاحب ۸ ۱۲ر میان عبد العزیز صاحب لاہور - لعہ - میاں احمد الدین صاحب کمپونڈر تربت حیدری - ۸ - مرزا سلطان احمد صاحب افسر مال میانوالی - ۸ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب پنڈی گھیپ - معہ - والدہ چودھری نواب خانصاحب سفید پوش سکنہ بہرام - سے - منشی عبد الوحید صاحب سنصرم چیار تھل - صمہ - شیخ اسد دین صاحب شملہ للعہ - مرزا عبد العزیز بیگ صاحب قصور للعہ - منشی دین محمد صاحب روپڑ للعہ - منشی محمد رمضان صاحب انبالہ للعہ - ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب ہانگ کانگ للعہ - سید احمد شاہ صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان للعہ - قاضی حسین بخش صاحب زیرہ للعہ - جماعت بن باجوہ معرفت مولوی محمد علی صاحب مدرس للعہ - چودھری جلال الدین صاحب بی - اے گوجرخان حسب تحریک منشی گلاب خاں صاحب راولپنڈی } للعہ

پیر خانصاحب معرفت بشیر الدین احمد صاحب حیدر آباد سندھ للعہ ر جماعت کھاریاں معرفت منشی ولیداد صاحب للعہ ر بابو محمد علی صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ چھاؤنی انبالہ ـ بابو غلام محی الدین صاحب میرٹھ ـ منشی عبد الحق صاحب پسروری معرفت خواجہ کمال الدین صاحب لاہور ـ میاں جلیل احمد خانصاحب ٹھاٹون ـ عا ر میاں احمد بخش صاحب کوٹ بختو ـ عا ر میاں اللہ دتا صاحب انبالہ ـ عا ر میاں حیدر حسن صاحب انبالہ ـ عا ر بابو عبد الرحمن صاحب انبالہ ـ عا ر منشی عبد الحی صاحب کوٹ رامچند ـ عا ر مولوی عبد القادر صاحب نوروالہ ـ عہ ر مولوی عمر الدین صاحب شملہ ـ عہ ر جماعت کریام معرفت چودھری غلام احمد صاحب ـ عہ ر مولوی محمد فضل الرحمن صاحب ہیلاں ضلع گجرات عہ ر میاں احمد کشمیری احمدی دھرم کوٹ رندھاوا ـ عہ ر شیخ عبد العزیز صاحب موضع بلاں والہ ڈاکخانہ ہیلاں ـ عہ ر بابو عبد الرحمن پروٹ فلا رینس ـ عہ ر میاں احمد علی صاحب بھاگلپور ـ عہ ر میاں مولا بخش صاحب ہیڈ کانسٹیبل عہ ر شیخ میراں صاحب انبالہ ـ ۹ ر جماعت انبالہ معرفت چودھری رستم علی صاحب ـ ۹ ر میاں عبد القادر صاحب بھاگلپور ـ ۸ ر سید اسد شاہ صاحب پنڈی گھیپ ـ ۸ ر جماعت قصور معرفت مرزا محمد افضل بیگ صاحب ـ ۸ ر میاں جھنڈے خانصاحب چاہ نہاری ۸ ر منشی عبد الغنی صاحب پٹیالہ ۴ ر

فہرست خریدار دہندگان انگریزی بابت ماہ مئی ۱۹۰۶ء

منشی عبد الماجد صاحب ـ ۱ ـ ماسٹر غلام حسین صاحب ڈیرہ غازیخاں ـ ۱ ـ منشی پیر محمد صاحب معلم مدرسہ پارہ چنار ـ ۱ چودھری رستم علی صاحب انبالہ ـ ۱ ـ ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر ـ ۱ ـ

فہرست خریدار دہندگان اردو بابت ماہ مئی ۱۹۰۶ء

مولوی عبد الرحمن صاحب موضع یاڑی پور ـ ۲ ـ چودھری رستم علی صاحب انبالہ ـ ۲ ـ قاضی محمد یوسف صاحب طالب علم پشاور ـ ۲ ـ مولوی محمد عبد اللہ صاحب کھیوہ باجوہ ـ ۲ ـ سردار محمد عجب خانصاحب تحصیلدار میرام شاہ ٹوچی ـ ۲ ـ قاضی برکات النبی صاحب سانبھر ـ ۱ ـ منشی مولا بخش صاحب لاہور ـ ۱ ـ مولوی محمد یحییٰ صاحب دیگراں ـ ۱ ـ مولوی یار محمد صاحب مدرس قادیان ـ ۱ ـ مولوی علم الدین صاحب لاہور ـ ۱ ـ منشی ہاشم علی صاحب سنزا الگڈھ ـ ۱ ـ مستری مولا بخش صاحب پل کنتھاں ـ ۱ ـ ابو الفتح محمد عبد القادر صاحب دلی چک ـ ۱ ـ بابو محمد منظور الٰہی صاحب بٹھنڈہ ـ ۱ ـ منشی محمد حسین صاحب لاہور ـ ۱ ـ ڈاکٹر رحمت خاں صاحب پشاور ـ ۱ ـ منشی نواب الدین صاحب پسرور ـ ۱ ـ میاں محبوب عالم صاحب لاہور ـ ۱ ـ حافظ غلام رسول صاحب سوداگر وزیرآباد ـ ۱ ـ مولا بخش صاحب احمدی ڈویژنل کورٹ امرتسر ـ ۱ ـ میاں عبد اللہ صاحب تیماپور ـ ۱ ـ منشی جمال الدین صاحب ملتان ـ ۱ ـ منشی غلام محی الدین صاحب جہلم ـ ۱

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ماہ مئی ۱۹۰۶ء

جماعت جموں معرفت خلیفہ نور الدین صاحب ـ میاں نذیر الدین صاحب بھاموں منشی غلام محمد صاحب خیر پور جماعت پسرور معرفت مولوی محمد علی شاہ صاحب پسرور میاں عبد الرحیم صاحب ملازم ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین صاحب قریشی منشی کرم الٰہی صاحب بٹھنڈہ بابو عبد الرحمن صاحب کلکتہ چودھری مولا بخش صاحب رئیس گورالی منشی محمد حسین صاحب کلکتہ سیٹھ موسیٰ صاحب منی پور چودھری رستم علی صاحب انبالہ جماعت قصور معرفت مرزا محمد افضل بیگ صاحب منشی غلام رسول صاحب گھارانہ ضلع فیروز پور منشی جلیل احمد صاحب ٹھاٹون جماعت سڑوعہ ضلع ہوشیارپور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب پنڈی گھیپ میاں کرم بخش صاحب خیاط جہلم میاں محمد ابراہیم صاحب کراچی منشی عبد المجید صاحب پوربسرائے قاضی غلام حسین صاحب حصار مرزا سلطان احمد صاحب حال رخصتی قادیان دار الامان مولوی محمد صدیق صاحب بھیرہ میاں سراج الدین صاحب

سید اسد اللہ شاہ صاحب پنڈی گھیپ ۸ ر

(باہتمام محمد علی مینجر میگزین مطبع میگزین قادیان میں طبع ہوا)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❖ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ اگست ۱۹۰۶ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۔ ۲۰ ۔ اگست ۱۹۰۶ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۰۔جولائی ۱۹۰۶ء۔فرمایا۔آج مجھے ایک الہام ہوا۔اُسکے پورے الفاظ یاد نہیں ہے اور جسقدر یاد رہا وہ یقینی ہے مگر معلوم نہیں کہ کس کے حق میں ہے لیکن خطرناک ہے۔اور وہ یہ ہے ایک دم میں دم رخصت ہوا۔یہ الہام ایک موزون عبارت میں ہے مگر ایک لفظ درمیان میں سے بھول گیا ہے۔یکم اگست ۱۹۰۶ء دیکھا کہ زلزلہ آیا ہے پھر الہام ہوا (۱) انی احافظ کل من فی الدار۔ترجمہ۔میں حفاظت کرنیوالا ہوں اُن سب کی جو اس گھر میں ہیں (۲) اردت ان استخلف فخلقت آدم۔ترجمہ۔مینے چاہا کہ خلیفہ بناؤں پس مینے آدم کو پیدا کیا۔۵۔اگست ۱۹۰۶ء۔دن کے وقت یکدفعہ نصف حصہ سفل بدن کا حرکت سے معطل ہو گیا اور ایک قدم اُٹھانا مشکل تھا اور سخت درد ہوتا تھا خیال گذرا کہ یہ فالج کی قسم نہ ہو۔تب دعا کی گئی تو الہام ہوا۔(۱) ان اللہ علیٰ کل شیٍٔ قدیر (۲) ان اللہ لا یخزی المؤمنین۔ترجمہ (۱) خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے (۲) خدا مومنوں کو رسوا نہیں کرتا۔اور ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ خارق عادت طور پر صحت کلی ہو گئی۔فالحمد للہ علیٰ ذالک۔۱۲۔اگست ۱۹۰۶ء اور اُس سے ماقبل دو چار روز کے الہامات یہ ہیں۔(۱) دیکھ میں آسمان سے تیرے لیے برساؤنگا اور زمین سے نکالوں گا پر وہ جو تیرے مخالف ہیں پکڑے جائیں گے (۲) صحن میں ندیاں چلیں گی اور سخت زلزلے آئیں گے۔(۳) ویل لکل ھمزۃ لمزۃ۔ترجمہ ہر ایک چغل خور عیب گیر پر سخت لعنت ہے۔(۴) ساکرمک اکراماً عجباً۔والقی بہ الرعب العظیم ترجمہ۔میں تجھے ایک عجیب طور پر عزت دونگا اور اُسکے ساتھ دنیا پر بڑا رُعب ڈالونگا۔(۵) یاتون من کل فج عمیق یاتیک من کل فج عمیق۔ترجمہ۔لوگ دور دراز سے تیرے پاس آئیں گے اور دور دور سے ہدیے آئیں گے۔

تعلیم الاسلام:۔اس ماہوار رسالہ کا پہلا نمبر ۳۱ جولائی گذشتہ کو شایع ہو گیا ہے۔جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے انشاء اللہ رسالہ کے ذریعہ نہ صرف حضرت مولوی نور الدین صاحب کے درس قرآن کے نوٹ ہی شائقین کو پہنچائے جائینگے بلکہ تھوڑی دیر میں یہ انشاء اللہ ایک مکمل تفسیر بنجائیگی۔درخواستیں بنام ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام نمونہ بھی انسے مل سکتا ہے مگر رسالہ بدون پیشگی وصول قیمت کسی صاحب کے نام کسی صورت میں جاری نہ ہو گا یا پہلا پرچہ بذریعہ وی پی طلب کریں۔

رسالہ ہذا کے وی پی خریداران کے نام جاری ہو رہے ہیں قبل از وقت بذریعہ کارڈ و ں کے یاد دہانی بھی کیجاتی ہے۔مگر پھر بھی بعض احباب وقت پر تصفیہ نہیں کرتے اور اطلاع نہیں دیتے بلکہ وی پی انکاری کر کے دفتر کو نقصان کا زیر بار کرتے ہیں۔ایسے صاحبوں کو جو بلا وجہ وی پی انکاری کریں وہ رسالہ پھر کسی صورت میں نہ دیا جائیگا۔خریداران مطلع رہیں مینیجر ریویو

Facsimile of the Prophet's letter
to the King of Egypt.

By permission of the Editor of the "Journal of the Moslem Institute."

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احادیث کی صداقت پر بے نظیر شہادت

اس مضمون میں احادیث سے میری مراد ایسی احادیث ہوں گی جن کو محدثین نے بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد موضوع اور غلط روایات سے الگ کیا ہے اور ان کے راویوں کے صدق اور عدل اور حفظ وغیرہ ضروری لوازمات کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے یا ان احادیث کی صداقت کسی اور طرح پر ظاہر ہو گئی ہے جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کرونگا۔ اور ضروری ہے کہ ایسی احادیث قرآن کریم کے کسی طرح مخالف نہ ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ میں نہ صرف بیرونی طور پر ہی احادیث پر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا ہے کہ وہ پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہیں جیسے مثلاً میور وغیرہ دوسرے عیسائی لوگوں نے یا اور مخالفین نے بلکہ اسلام کے اندر بھی بعض فرقے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو احادیث سے بالکل منکر ہیں۔ اس مضمون میں میں دو طرح کی شہادت احادیث کی صداقت پر ایسی پیش کرونگا جسکو سخت سے سخت معاند بھی رد نہیں کر سکتا اور جو بوجہ مضبوط تاریخی شہادت ہونے کے ایسی قطعی اور یقینی شہادت ہے جس کی نظیر ہمیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ اور یہ فخر اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس کی پاک کتاب قرآن کریم کے محفوظ ہونیکو تو میور جیسے دشمنوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مگر اس کی صحیح احادیث کا ذخیرہ بھی ایسا محفوظ ہے کہ عیسائیوں کی وہ کتابیں جن کو وہ الہامی کہتے ہیں تاریخی طور پر اپنی صداقت کا وہ ثبوت بلکہ اس ثبوت کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتیں جو احادیث میں پایا جاتا ہے۔ اسی ثبوت کے دو عجیب اور نئے پہلو میں پیش کرونگا جو اس سے پہلے پیش نہیں کیے گئے ہیں۔

ان میں سے پہلا ثبوت وہ ہے جو اس رسالہ کے ورق اول سے ملتا ہے جس پر ایک پرانے خط کا فوٹو چھپا ہوا ہے۔ یہ خط وہ ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مقوقس شاہ مصر کو لکھا تھا۔ اور ایسے ہی چند اور خطوط دوسرے بادشاہوں کو بھی لکھے گئے تھے۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ ہجری کے اخیر میں واپس آئے۔ تو اس وقت آپ نے بہت سے گرد و نواح کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے دعوتی خطوط لکھے اور یہ خطوط صحابہؓ لیکر ان بادشاہوں کے پاس گئے چنانچہ معتبر احادیث میں ان خطوط کا ذکر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض خطوط کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مُسلم میں اور دیگر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے۔ مقوقس شاہ مصر کو جو خط لکھا گیا تھا اس کا مفصل ذکر مواہب لدنیہ اور دیگر سیرت کی کتابوں میں موجود ہے بلکہ اصل عبارت بھی محفوظ ہے۔ مواہب لدنیہ میں مندرجہ ذیل ذکر اس خط کے بھیجنے کا اسی جگہ موجود ہے جہاں دوسرے بادشاہوں کو خط لکھے جانیکا ذکر ہے و کتب صلی اللہ علیہ وسلم الی المقوقس ملک مصر و الاسکندریۃ واسمہ جریج ابن مینا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبد اللہ و رسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔ و بعث بہ مع حاطب بن ابی بلتعۃ فتوجہ الیہ الی مصر بالاسکندریۃ .... فلما جیٔ بہ الیہ و وقف بین یدیہ و نظر فی الکتاب فضہ و قراہ و قال لحاطب ما کان لہٗ ان کان نبیا ان یدعو علی فیسلط علی فقال لہٗ حاطب و ما منع عیسیٰ ان یدعو علی من خالفہ ان یسلط علیہ فاستعاد منہ الکلام مرتین ثم سکت فقال لہٗ حاطب انہٗ قد کان قبلک رجل یزعم انہ الرب الاعلیٰ فاخذہ اللہ نکال الاٰخرۃ والاولیٰ فانتقم بہ ثم انتقم منہ فاعتبر بغیرک ولا یعتبر غیرک بک .... ولعمری ما بشارۃ موسیٰ بعیسیٰ الا کبشارۃ عیسیٰ بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم و ما دعاؤنا ایاک الی القراٰن الا کدعائک اھل التوریۃ الی الانجیل...... فقال المقوقس انی قد نظرت فی امر ھذا النبی فوجدتہ لا یامر بمزھود فیہ ولا ینھیٰ عن مرغوب فیہ ولم اجدہ بالساحر الضال ولا الکاھن الکاذب و وجدت معہ اٰلۃ النبوۃ..... واخذ کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعلہ فی حق من عاج و دفعہ لجاریۃ لہ۔ اسی روایت کو ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں بیان کیا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط بنام مقوقس لیکر اس کے پاس اسکندریہ میں پہنچا۔ اور نہ صرف خط ہی اسکو پہنچایا بلکہ تبلیغ بھی کی اور جب بادشاہ نے یہ اعتراض کیا کہ اگر آنحضرتؐ خدا کے نبی ہیں تو وہ کیوں

دعا کو کے مجھ پر مسلط نہیں ہو جاتے تو حاطب رضؓ نے ایسا معقول جواب دیا جس سے بادشاہ شرمندہ ہو گیا. یعنی یہ
اگر سنت اللہ انبیائؑ کے متعلق یہی ہوا کرتی ہے کہ وہ بجائے دین حق کی طرف دعوت کرنیکے مخالفین پر بد دعا کر کے
انکو مغلوب کر لیا کریں تو حضرت عیسیٰؑ نے کیوں ایسا نہ کیا۔ افسوس ہے کہ آجکل بھی لوگ بے سمجھی سے ایسے اعتراض
نبوت پر کرتے ہیں جو صاف بتاتے ہیں کہ یہ لوگ سنت اللہ سے ناواقف ہیں۔ خدا کی سنت اپنے انبیائؑ کے متعلق
ہمیشہ ایک ہی ہے اور اسی سنت کے مطابق نبی کی نبوت کو دیکھنا چاہیئے نہ اپنے تجویز کیے ہوئے اصول سے۔ یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کو مقوقس نے نہایت حفاظت سے ڈبیہ میں بند کیا اور ایک لونڈی کے سپرد کیا اور دوسری
روایت میں ہے کہ مُہر لگا کر اپنے خزانچی کے سپرد کیا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان تمام خطوط میں سے جو مختلف بادشاہوں کے نام لکھے گئے تھے مقوقس والے خط کا
خاص طور پر حفاظت سے رکھا جانا صحیح روایت سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ بعض دوسرے خطوط بھی محفوظ رکھے
گئے ہونگے مگر جس تصریح سے اس خط کے محفوظ رکھے جانیکا ذکر ہے دوسرے کسی خط کا جو بڑے بڑے بادشاہوں کے
نام لکھے گئے تھے ایسا ذکر نہیں ہے۔ دوسرے خطوط میں سے جو خط کسریٰ کے نام تھا وہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے قاصد کے روبرو ہی پھاڑ کر پھینک دیا تھا جس پر آنحضرتؐ نے بد دعا کی کہ مزق ملکہٗ یعنی اے خدا اسکو ملک کے
ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں اس کا یہی انجام ہوا۔ قیصر روم کے نام جو خط تھا۔ وہ دربار شاہی میں
بڑی عزت سے پڑھا گیا۔ اور پہلے قیصر نے اپنے تمام امراء اور کلیسیا کے بڑے بڑے عہدہ داروں کو بلا کر یہ سمجھایا بھی
کہ ہمیں اس نبی کا دین قبول کرنا چاہیئے کیونکہ اس نے جان لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں۔ مگر جب
انکی وحشت اور نفرت کو لا علاج دیکھا تو آخر بادشاہت کے لحاظ سے اُسے دبنا پڑا اور ان کی وحشت دور کرنیکو
یہ بہانہ کر دیا کہ مینے اس لیے اس بات کو پیش کیا تھا کہ تا دیکھوں کہ تمھاری ثابت قدمی اپنے دین پر کسقدر ہے۔
ایسا ہی شاہ حبش اور دوسرے بعض عرب کے گرد و نواح بادشاہوں کو خطوط لکھے گئے جن میں سے اکثر نے آنحضرتؐ
کے خطوط کی عزت کی۔ ان خطوط میں سے جو مقوقس کے نام کا خط ہے کچھ عرصہ ہوا مل گیا ہے۔ گویا اس کی خاص
حفاظت کی یہی حکمت تھی۔ غرضکہ یہ خط ۱۸۵۰ء میں مصر کی ایک خانقاہ میں جو عیسائیوں کی ہے۔ بعض
فرانسیسی سیاحوں کو ملگیا۔ اور اب اصل خط قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اور بڑے بڑے عیسائی محققین نے اسے
اصلی قرار دیا ہے۔ منجملہ ان کے ڈاکٹر بیجر ہے۔ اور خود اس کے اصلی ہونیکی یہ کچھ کم شہادت نہیں کہ وہ عیسائی خانقاہ
میں عیسائیوں کے ہی ہاتھ لگا۔ اب ہم اس اصلی خط کی عبارت کا اس عبارت سے مقابلہ کرتے ہیں جو احادیث
میں موجود ہے۔ تا یہ معلوم ہو کہ احادیث نے اصل واقعات اور اصل الفاظ کو کہانتک محفوظ رکھا ہے۔ اس غرض
کے لیے دو کالموں میں یہ دونوں عبارتیں درج کی جاتی ہیں تا ناظرین آسانی سے مقابلہ کر سکیں دائیں طرف کے

کالم میں اصل خط کی عبارت کی نقل ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر بیجر نے اسے پُرانی رسم الخط سے نئی رسم الخط میں دکھایا ہے اور بائیں کالم میں حدیث کے الفاظ ہیں جو مواہب لدنیہ کی روایت سے لیے گئے ہیں جس کا حوالہ اوپر بھی دیا گیا ہے

بسم الله الرحمٰن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله الى المقوقس عظيم القبط سلام على من اتبع الهدٰى اما بعد فانى ادعوك بداعية الاسلام اسلم تسلم يؤتك الله اجرك مرتين فان توليت فعليك اثم القبط يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله الى المقوقس عظيم القبط سلام على من اتبع الهدٰى اما بعد فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يؤتك الله اجرك مرتين فان توليت فعليك اثم القبط يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

نوٹ۔ معتبر احادیث میں اس نقش کی مُہر کے بنوائے جانے اور تمام خطوط پر جو بادشاہوں کو بھیجے گئے تھے لگائے جانے کی خبر صحیح موجود ہے۔

اب مذکورہ بالا عبارتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں مطلق کوئی فرق نہیں سوائے لفظ داعیہ اور دعایہ کے جن کا مفہوم واحد ہے۔ اور جہانتک اصل خط کو دیکھا جاتا ہے۔ داعیہ پڑھنے والے کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور خط میں اصل لفظ دعایۃ ہی معلوم ہوتا ہے بہرحال اگر اس فرق کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی یہ کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ درحقیقت روایت اور اصل خط میں ایک حیرت انگیز لفظی مطابقت پائی جاتی ہے اور راویوں نے یہانتک بھی تصرف نہیں کیا کہ اسی مفہوم کو دوسرے لفظوں میں ادا کر دیا ہو۔

اس خط کے دریافت ہونے سے کئی باتیں وضاحت سے ثابت ہوتی ہیں سب سے اول تو ان تمام احادیث کی صداقت پر مُہر لگ گئی جن میں بادشاہوں کے نام خطوط لکھے جانیکا ذکر ہے پھر یہ بھی یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جو تفصیلات ان احادیث میں آنحضرتؐ کے قاصدوں اور خطوں کے ساتھ سلوک کے متعلق درج ہیں۔ وہ بھی سب بالکل درست اور صحیح ہیں کیونکہ جب ایک خط کی تفصیلات منجملہ جن کے اسکا حفاظت سے

رکھے جانا بھی ہے اسقدر صفائی سے ثابت ہوگئیں تو دوسری تفصیلات پر بھی جن کو معتبر احادیث میں بیان کیا گیا ہے کوئی جرح نہیں ہوسکتی۔ مگر سب سے زیادہ حیرت انگیز امر خط کی عبارت کا حدیث کی عبارت سے ملنا ہے۔ ایسی مطابقت کہ ایک لفظ کا بھی فرق نہیں ہے۔ کیا یہ جائے تعجب نہیں کہ ایک خاصے لمبے خط کی عبارت کو نقل کرنے میں ایک لفظ کا بھی فرق نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی اصل الفاظ کے پہنچانے میں کس قدر محتاط تھے۔ پس جب انہوں نے ایک خط کے الفاظ کو ایسی محنت سے روایت اور نقل کیا تو ان الفاظ کے متعلق جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موتھہ سے نکلتے سنتے تھے کیوں اور بھی زیادہ محتاط نہ ہونگے۔ اسی کی تائید میں میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ حدیث صحیح میں ایک اور خط کی عبارت بھی محفوظ ہے۔ جو ہرقل کے نام لکھا گیا تھا۔ اور اس حدیث کو امام بخاری علیہ السلام نے بیان کیا ہے۔ چونکہ ہرقل ایک عیسائی بادشاہ تھا اور مقوقس بھی عیسائی بادشاہ تھا اس لیے دونوں کیطرف سوائے نام کے فرق کے ایک سے ہی خط لکھے گئے تھے قیاس بھی یہی چاہتا ہے اور ایک حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ کل عیسائی بادشاہوں کو جسقدر خط لکھے گئے تھے ان سب کی عبارت یکساں تھی۔ ہرقل والے خط کی عبارت کا ناقل ابوسفیان ہے جو اسوقت حالت کفر میں تھا اور ہرقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اس سے دریافت کیے تھے۔ اس حدیث میں ہرقل والے خط کی عبارت بالفاظ ذیل ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم الیریسیین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔ اب اس خط کی عبارت کا مقوقس والے اصلی خط کی عبارت کے ساتھ مقابلہ کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں پوری صحت کے ساتھ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ فرق صرف اسیقدر ہے جسقدر ضروری تھا یعنی بجائے الی المقوقس عظیم القبط کے یہاں الی ہرقل عظیم الروم ہے اور وہاں فان تولیت کے بعد ہے فعلیک اثم القبط یعنی اگر تو اس سے روگردانی کرے تو مصریوں کا گناہ بھی جو تیری رعایا ہیں اور تیری وجہ سے اس دین سے منحرف رہیں گے تیرے سر پر ہوگا اسجگہ ہے فعلیک اثم الیریسیین یعنی اریسیوں کا جو تیری رعایا ہیں دین اسلام میں نہ داخل ہونیکا گناہ بھی تیرے سر پر ہوگا۔ صرف یہی تبدیلی ہے جو ضروری تھا کہ ہوتی یا وہی لفظ داعیۃ اور دعایۃ کا فرق ہے۔

اب جائے غور ہے کہ کسقدر صحت کے ساتھ ان خطوط کو احادیث نے محفوظ رکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ اور راویان حدیث صرف اسیقدر احتیاط حدیثوں کے پہنچانے میں نہ کرتے تھے کہ مفہوم کو کسی طرح

ادا کر دیں بلکہ وہ بعینہٖ الفاظ کو یاد رکھنے اور انہیں کو آگے پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ نہ وہ کسی واقعہ یا کسی لفظ میں کمی بیشی کرنی جائز سمجھتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکے حافظہ کی قوت بھی نہایت زبردست تھی کیونکہ جب ہرقل کے سامنے آنحضرتؐ کا خط پڑھا گیا وہیں سے سنکر ابوسفیان نے اسکو نقل کیا۔ اور اب ہم اسکو لفظ بلفظ درست پاتے ہیں۔ ایک ہی دفعہ سنکر نہ ابوسفیان نے کسی لفظ کو فراموش کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی اور لفظ بڑھایا اور ایسا ہی جنھوں نے ابوسفیان سے سنا انہوں نے بھی اسی طرح محفوظ کا محفوظ دوسروں کو پہنچایا۔ پس مقوقس والے اصل خط کے مل جانیسے جس نے ہمیں یہ سارے مقابلے کرنیکا موقع دیا ہے۔ ہمکو یہ قطعی اور یقینی شہادت ہاتھ آگئی ہے کہ احادیث میں جو باتیں مذکور ہیں وہ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور تاریخی طور پر نہایت صحیح اور درست ہیں۔ گویا عربوں کی قوت حافظہ نے دنیا میں وہ کام کیا ہے جو تحریر بھی نہیں کرسکتی تھی کیونکہ حدیثوں کو تحریر میں لانے سے بہت سے نقص پیدا ہوتے جیسا کہ میں دوسرے موقع پر دکھاؤنگا۔

اس اصل خط میں جو دریافت ہوا ہے ایک بات اور نہایت ہی قابل توجہ ہے۔ خط کے اخیر پر ایک مُہر ہے جسپر نقش محمد رسول اللہ ہے۔ اب اس مُہر کی نسبت تمام معتبر احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے اور نہ صرف مُہر کے متعلق ہی نہیں بلکہ مُہر کے نقش اور اس کی دوسری تفصیلات کے متعلق بھی۔ مُہر کے متعلق متواتر روایات آئی ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث مختلف روایتوں سے بیان کی گئی ہے۔ پہلے باب دعاء النبی الی الاسلام میں ہے۔ عن قتادۃ قال سمعت انسا رضی اللہ عنہ یقول لما اراد النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان یکتب الی الروم قیل لہ انھم لا یقرؤن کتابا الا ان یکون مختوما فاتخذ خاتما من فضۃ فکانی انظر الی بیاضہ ونقش فیہ محمد رسول اللہ اور دوسری جگہ کتاب اللباس میں یہ حدیث ان الفاظ سے موجود ہے۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یکتب الی رھط او اناس من الاعاجم فقیل لہ انھم لا یقبلون کتابا الا علیہ خاتم فاتخذ النبی صلے اللہ علیہ وسلم خاتما من فضۃ نقشہ محمد رسول اللہ فکانی بو بیص او ببصیص الخاتم فی اصبع النبی صلے اللہ علیہ وسلم او فی کفہ اور اسی باب میں پھر حدیث خاتم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال اتخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ورق وکان فی یدہ ثم کان بعد فی ید ابی بکر ثم کان بعد فی ید عمر ثم کان بعد فی ید عثمٰن حتی وقع بعد فی بئر اریس نقشہ محمد رسول اللہ۔ اور پانچویں جگہ پھر یہ حدیث انس بن مالک کی روایت سے ان الفاظ میں موجود ہے۔ لما اراد النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان یکتب الی الروم قیل لہ انھم لن یقرؤا کتابا

اذا لم یکن مختوما فاتخذ خاتما من فضة و نقشه محمد رسول الله کانی انظر الی بیاضه فی یدہ۔ ایسا ہی دوسری کتب صحاح میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم کو یا عجم کے بادشاہوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا تو صحابہؓ نے آپکی خدمت میں عرض کیا کہ وہ لوگ خط کو نہیں پڑھتے سوائے اس کے کہ اسپر مرسل کی مُہر ہو۔ چنانچہ آپنے ایک مہر چاندی کی تیار کرائی جسپر محمد رسول اللہ نقش کرایا۔ اور اس سے خطوط پر مُہر لگائی پھر یہ مُہر آنحضرتؐ کی زندگی میں آپکے ہاتھ میں رہی اور آپکی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ ہیں۔ اور حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں اور حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں اور پھر خلیفہ ثالث سے یہ مُہر ایک کنوئیں میں گر پڑی جس کا نام اریس ہے۔ اور پھر نہیں ملی۔ غرضکہ متواتر روایات سے مہر کا اس موقع پر بنوایا جانا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی تواتر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔ اب مقوقس کے اصل خط کے دریافت ہونے نے ان تمام احادیث کی صداقت کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ کیونکہ اس سے ہمیں یہ پتہ لگتا ہے۔ کہ واقعی خطوط پر مُہر لگانیکے لیے ہی یہ مُہر تیار کیگئی تھی کیونکہ انہی خطوں میں سے جن کا ذکر حدیث میں ہے ایک خط پر یہ مُہر موجود ہے۔ اور اس کا نقش بھی وہی ہے جو احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

مگر احادیث سے اس سے زیادہ تفصیلات اس مُہر کے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہی یہ حدیث انس کی روایت سے موجود ہے۔ عن انس ان ابا بکر رضی الله عنه لما استخلف کتب له فکان نقش الخاتم ثلثة اسطر محمد سطر و رسول سطر و الله سطر۔ و زادنی احمد حدثنا الانصاری قال حدثنی ابی عن ثمامة عن انس قال کان خاتم النبی صلی الله علیه وسلم فی یدہ و فی ید ابی بکر بعدہ و فی ید عمر بعد ابی بکر فلما کان عثمٰن جلس علی بئر اریس قال فاخرج الخاتم فجعل یعبث به فسقط قال فاختلفنا ثلثة ایام مع عثمٰن ننزح البئر فلم نجدہ۔ یعنی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ یعنی انسؓ انکے احکام لکھا کرتے تھے۔ یعنی زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق اور مہر کا نقش تین سطروں میں تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سطر۔ رسول ایک سطر اور اللہ ایک سطر۔ اور اسی روایت پر احمد کی روایت میں اسقدر لفظ اور زیادہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر آپکے دست مبارک میں رہی پھر آپکے بعد حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں پھر انکے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں پھر ان کے بعد حضرت عثمان کے ہاتھ میں۔ پس جب ایک دن حضرت عثمان چاہ اریس پر بیٹھے تھے۔ تو آپنے انگوٹھی نکالی اور اسکو ہاتھ میں پھیرنے اور ادھر اُدھر کرنے لگے تو وہ گر گئی پھر تین دن تک ہم حضرت عثمانؓ کے ساتھ اس انگوٹھی کی تلاش میں لگے رہے لیکن انگوٹھی

نہ ملی۔ اب اس حدیث سے یہ ایک اور بات معلوم ہوئی کہ انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ ایک خاص طرز پر لکھا ہوا تھا اور تینوں لفظ الگ الگ سطروں میں تھے۔ اور یہ انگوٹھی جیسا متواتر روایات سے معلوم ہوتا ہے وہی تھی جو بادشاہوں کے نام خطوں پر مُہر لگانے کے لیے تیار کرائی گئی تھی۔ فتح الباری میں اس حدیث کے نیچے بعض شیوخ کے اس قول کو نقل کیا ہے۔ ان کتابتہ کانت من اسفل الی فوق یعنی ان الجلالۃ فی اعلی الاسطر الثلاثۃ ومحمد فی اسفلھا یعنی مہر کی کتابت کی جو تین سطریں بیان کی گئی ہیں انکی ترتیب نیچے سے اوپر کو تھی۔ یعنی اللہ کا نام سب سے اوپر کی سطر میں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے نیچے کی سطر میں۔ اس قول کی تضعیف کی گئی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول کسی حدیث پر مبنی تھا جو ملی نہیں۔ مگر اب اصل خط کے دریافت ہونے نے اس قول کی تصدیق کر کے اسی کو صحیح ثابت کر دیا۔ پس اب اگر ہم احادیث کی روایتوں کی بنا پر مُہر تجویز کرتے تو اس کا نقش بعینہٖ وہی تجویز کرتے جو اب دریافت ہوا ہے۔ یعنی

مسلمانوں کے لیے یہ کسقدر خوشی کا مقام ہے کہ انکی اگر کوئی پرانی تحریر بھی نکلی تو وہ بھی انکے لیے تائیدی شہادت ہی پیدا ہوئی حالانکہ عیسائیت کی پرانی تحریریں جسقدر نکلتی ہیں اسیقدر اس مذہب کی بنیادوں کو کمزور کرتی ہیں۔ حال میں ہی ایک انجیل کا ٹکڑا نکلا ہے جس کا کوئی نشان موجودہ اناجیل میں نہیں پایا جاتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں حضرت مسیحؑ کے متعلق ایسی ہیں جو اناجیل میں نہیں لکھی گئیں۔ ایسا ہی ایک اور تحریر تھوڑا عرصہ ہوا ملی تھی جس میں حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خدا کی جناب میں معافی مانگتے ہیں اور جس طرح بعض سچے واقعات حضرت مسیحؑ کی زندگی کے اناجیل میں نہیں پائے جاتے اور اب پرانی تحریروں میں نکل رہے ہیں اسی طرح بعض غلط واقعات کی آمیزش بھی ان اناجیل میں ہو گئی ہے۔ غرضکہ اس خط کا نکل آنا اسلام کے لیے ایک نہایت مبارک امر ہے۔

اب اس بے نظیر شہادت پر غور کرو جس سے احادیث اسلامی کی صداقت پہلے سے بھی بڑھ کر چمک اُٹھی ہے۔ ایک پرانی تحریر کے دستیاب ہونے سے اگر احادیث کا اس سے اختلاف ہوتا تو احادیث پر بڑا بھاری حملہ تھا۔ اور احادیث کی صداقت معرض خطر میں تھی۔ مگر یہی تحریر احادیث کی صداقت پر ایک عظیم الشان گواہ ہو گئی اور نہ صرف ان تمام احادیث کی صداقت ہی اس سے ثابت ہوئی جن میں بادشاہوں کے نام خطوط کا لکھا جانا اور مُہر کا بنوانا اور ان خطوط پر لگایا جانا مذکور ہے بلکہ اس واقعہ سے عام طور پر احادیث کی صداقت پر ایک مُہر لگ گئی کہ کس سچائی سے صحابہؓ نے واقعات کے بیان کرنے میں کام لیا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے

کہ ایک عیسائی دشمن اسلام نے انہی احادیث کو جن کی صداقت پر مقوقس کا خط ایک نیا گواہ بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ وضعی قرار دیا ہے۔ اور یہاں تک اس افترا میں غلو کیا ہے کہ کہتا ہے کہ حضرت کے متعلق صحابہؓ نے بغیر کسی غرض کے جھوٹی احادیث بنا کر مشہور کی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ یہ دشمن اسلام سر ولیم میور ہے جو اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیباچہ میں احادیث پر ایک لمبا چوڑا مضمون لکھ کر احادیث کی صحت اور وضعی ہونے پر فیصلہ کرنے کے لیے حکم بن بیٹھا ہے۔ حالانکہ اس شخص کو ان ابتدائی اصول سے بھی واقفیت نہیں جو احادیث کے پرکھنے میں کام آتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسے ناواقف مگر سخت معاند ناواقف کی کتاب کو تمام یورپ اور امریکہ میں بہت قابل اعتبار مانا جاتا ہے اور اس کے بیانات کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ پھر ایسے خیالات کے ہوتے ہوئے یہ لوگ اسلام کی صداقتوں سے کیونکر واقف ہو سکتے ہیں اور اسکے چمکدار چہرہ تک تعصب کے گرد و غبار کی گھٹاؤں کے ہوتے ہوئے انکی نظریں کیونکر پہنچ سکتی ہیں میور صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم یعنی انگوٹھی کی احادیث وضعی قرار دینے کے لیے مندرجہ ذیل وجوہات بیان کرتا ہے جو میں اسکے اپنے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ اردو ترجمہ اس کی تحریر کا یہ ہے۔

’’اب تک جسقدر واقعات کی خلاف بیانی کا ذکر کیا گیا ہے وہ خیالات کے کسی خاص رنگ میں رنگین ہونیکی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ جس کی حقیقت کو میں بیان کرنیکی کوشش کرتا رہا ہوں۔ مگر صحابہؓ کی شہادت جس صورت میں وہ ہم تک پہنچی ہے۔ ایسے ناقابل بیان طرز سے بناوٹی اور وہمی ہے کہ جہاں کوئی خاص غرض بھی معلوم نہیں ہوتی اور جہاں واقعات کو غور سے دیکھنے کا موقع انکو اچھی طرح سے حاصل تھا۔ وہاں بھی حدیثیں ایک دوسری کی کھلی کھلی تردید کرتی ہیں...... پھر انگوٹھی کے متعلق دیکھو یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں نہ کوئی فرقہ بندی کا خیال تھا نہ کسی خاندان کی رعایت یا کسی عقیدہ کا سوال تھا۔ مگر احادیث ایک دوسری سے سخت متعارض ہیں۔ ایک فریق تو یہ بیان کرتا ہے کہ خطوط پر مہر لگانیکی ضرورت کو محسوس کر کے آنحضرتؐ نے اس غرض کے لیے خالص چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی تھی۔ ایک دوسرا فریق بیان کرتا ہے کہ خالد ابن سعید نے ایک انگوٹھی لوہے کی جس پر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا اپنے لیے بنوائی تھی اور یہ انگوٹھی آنحضرتؐ کو پسند آگئی پس آپ نے اپنے استعمال کے لیے اسے لے لیا۔ ایک تیسری روایت کا یہ بیان ہے کہ ابن سعید ملک حبش سے یہ انگوٹھی لایا تھا۔ اور چوتھی روایت یہ ہے کہ یہی انگوٹھی معاذ نے اپنے لیے یمن میں کندہ کروائی تھی۔ پھر احادیث کا ایک مجموعہ یہ بیان کرتا ہے کہ آنحضرتؐ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے اور ایک بائیں ہاتھ میں بعض حدیثیں بیان کرتی ہیں کہ آپ مُہر کی جانب کو اندر کی طرف رکھتے تھے اور بعض یہ کہ آپ باہر کی طرف رکھتے تھے۔ ایک حدیث میں یہ لکھا ہے کہ اسپر نقش ’’خدا کی صداقت‘‘ تھا اور باقی سب حدیثوں میں لکھا ہے کہ نقش محمد رسول اللہ تھا۔ یہ تمام احادیث ایک ہی انگوٹھی کا تذکرہ بیان کرتی ہیں کیونکہ یہ بار بار بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کے

پاس رہی اور حضرت عثمان سے چاہ اریس میں گر پڑی۔ پھر ایک حدیث یہ بھی ہے کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ ہی آپ کے کسی جانشین نے کبھی کوئی انگوٹھی پہنی۔ اب یہ مختلف بیانات شک کے رنگ میں مذکور نہیں ہیں۔ نہ قیاسی طور پر بیان کیے گئے ہیں کہ ہم انکو صحیح یا غلط کہہ سکیں۔ بلکہ انکی سچائی کے پورے پورے یقین کے ساتھ انکا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ایسے تفصیلی واقعات انکے متعلق دیے گئے ہیں کہ ایک نئے تعصب پڑھنیوالے کے دل پر یہ اثر ان کا ہوتا ہے کہ انکے بیان کرنیوالوں کو ان واقعات سے پوری پوری آگاہی تھی۔ اب ان تمام خود ایجاد کردہ اور عمداً وضع کیے ہوئے بیانات کو ہم کس عادت یا میلان طبع کی طرف منسوب کر سکتے ہیں سوائے اسکے کہ یہ کہیں کہ محض قصوں کو بنا بنا کر بیان کرنیکی محبت ہی ان تمام بناوٹوں کی جڑھ ہے۔"

اب جو کچھ ہرزہ درائی میور صاحب نے اس تحریر میں کی ہے اس کی تردید کے لیے تو مقوقس والا اصلی خط ہی کافی ہے جس کے اخیر پر بعینہٖ وہی مُہر موجود ہے جس کا تذکرہ احادیث میں بھی ہے اور ایک اندھا بھی اس صداقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ میور نے اس تحریر میں کسقدر افترا پردازی سے کام لیا ہے اور کسقدر جہالت دکھائی ہے۔ اگر میور صاحب معتبر اور غیر معتبر احادیث میں فرق کو نہ بھول جاتا تو وہ کبھی اتنا بڑا جھوٹا الزام صحابہ رضی اللہ عنہم پر نہ لگاتا۔ لیکن اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یا عمداً اس تنقید کے دعویدار نے سب قسم کی حدیثوں کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ یہ نازک کام معتبر اور غیر معتبر حدیث میں امتیاز کرنیکا ایک بہت ہی مشکل کام ہے مگر اس محنت کو محدثین رضی اللہ عنہم نے اُٹھایا اور شاقہ تکالیف اُٹھا کر اس عظیم الشان کام کو پورا کیا۔ چونکہ انہوں نے یہ کام ایک ایسے زمانہ میں شروع کیا جو اسلام کا نہایت ابتدائی زمانہ تھا یعنی دوسری تیسری صدی ہجری بلکہ پہلی صدی کے اخیر پر ہی یہ کام شروع ہو گیا تھا اس لیے ان کے سامنے تحقیقات کے ایسے وسائل موجود تھے۔ جنسے وہ اپنے مقصد کو کامیابی سے حل کر سکتے تھے اور جو شخص اپنی محنت سے آج اس کام کو کرنا چاہتا ہے وہ انکی کامیابی کے لاکھویں حصہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا چہ جائیکہ ایک غیر مذہب کا آدمی جو تعصب سے پُر ہو اس مشکل کام کو اُٹھا سکے۔ حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ساری عمر ایک اسی کام میں صرف کی اور خدائے تعالیٰ نے انکو اس کام کے لیے خاص ہی قوی عطا فرمائے تھے جیسا میں انشاء اللہ دوسرے حصہ مضمون میں بیان کرونگا۔ اور پھر محنت شاقہ سے ساری عمر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے کراتے چھ لاکھ حدیث اکٹھی کی جن میں سے صرف سات ہزار کے قریب مختلف روایتوں کو اپنی کتاب صحیح میں لکھا۔ مگر ان لوگوں کی قابل قدر محنتوں کی کچھ پروا نہ کر کے ایک دشمن اسلام آج احادیث کے پرکھنے کے لیے یہ اصول بیان کرتا ہے کہ جس حدیث سے اسلام پر کوئی زد پڑتی ہو اسے صحیح حدیث مان لینا چاہیئے اور جس سے اسلام کی تائید ہوتی ہو اسے وضعی اور جھوٹی سمجھا جائے یہ احمقانہ اصول میور صاحب نے وضع کیا ہے اور غالباً اسی اصل کی بنا پر اپنی کتاب میں بہت ایسی احادیث تو بھر

دی ہیں جن کو محقق اہل اسلام رد کر چکے ہیں اور ان احادیث کو چھوڑ دیا ہے جو اعلیٰ درجہ کی معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور غالباً اسی وجہ سے خاتم کی حدیثوں کو بھی عجیب طرح سے گڈمڈ کیا ہے اور چند غیر معتبر احادیث کو پیش کر کے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کو بھی وضعی قرار دیا ہے۔

اب اول تو یہ امر غور طلب ہے کہ میور کے اعتراض کا کل زور صرف اس بنا پر ہے کہ ایک ہی انگوٹھی کل عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی یا کم از کم یہ کہ احادیث میں صرف ایک ہی انگوٹھی کا ذکر ہے۔ اسی بنا پر وہ تمام احادیث کو ایک دوسری کی متعارض ٹھہراتا ہے۔ اسکی اس غلط بیانی کی تردید تو احادیث کے پڑھنے سے ہی کافی طور سے ہو جاتی ہے کیونکہ احادیث میں ایک نہیں بلکہ کئی انگوٹھیوں کا ذکر صریح الفاظ میں ہے۔ مگر جو شہادت وہ صرف ایک ہی انگوٹھی کے ہونے پر پیش کرتا ہے اس میں بھی ایک گول مول بات کہکر اس نے اپنا مطلب سیدھا کرنا چاہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ”بار بار“ احادیث میں یہ لفظ بڑھائے گئے ہیں کہ وہی انگوٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں اور انکے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں اور انکے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رہی۔ مگر یہ بار بار کا لفظ گول مول ہے۔ اگر وہ یہ ثابت کر دیتا کہ ان تمام احادیث کے بعد جن کو وہ بطور متعارض احادیث کے پیش کرتا ہے۔ مثلاً جبش والی انگوٹھی کی حدیث یا ابن سعید والی انگوٹھی کی حدیث یا معاذ والی انگوٹھی کی حدیث۔ ان میں سے ہر ایک کے بعد یہ لفظ موجود ہیں کہ یہی وہ انگوٹھی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء کے پاس رہی۔ تو اس کا مدعا ثابت ہو جاتا۔ مگر ”بار بار“ کا لفظ استعمال کر کے اس نے اخفائے حق کیا ہے اور وہ یہ ہرگز نہیں دکھا سکتا کہ ان احادیث کے ساتھ جنکو وہ انس بن مالک کی حدیث کے خلاف پیش کرتا ہے اور جن سے یہ مطلب نکالنا چاہتا ہے کہ انگوٹھی خطوط پر مُہر لگانیکی ضرورت کو محسوس کر کے نہیں بنوائی گئی تھی۔ بلکہ یونہی کسی اور جگہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گئی تھی۔ یہ الفاظ بھی موجود ہوں کہ یہی انگوٹھی اخیر وقت تک آنحضرت کے پاس رہی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر عمر عثمان رضی اللہ عنہم کے پاس رہی۔ پس یہ الفاظ جو میور نے لکھے ہیں محض دھوکہ دینے کے لیے لکھے ہیں اور اصل بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں میور صاحب نے معتبر اور غیر معتبر احادیث کو یا صحیح اور ضعیف کو یا اصلی اور وضعی احادیث کو بلا امتیاز گڈمڈ کر دیا ہے۔ مثلاً وہ خود کہتا ہے کہ صرف ایک حدیث میں یہ ذکر ہے کہ مُہر کا نقش ”خدا کی صداقت“ تھا اور باقی کل کی کل احادیث میں نقش محمد رسول اللہ بیان کیا گیا ہے۔ اب ہر ایک شخص جو کچھ بھی غور اور فکر سے کام لے سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک حدیث جو باقی کل کی کل احادیث کے متفق بیان کے خلاف اور ان کی تردید کے لیے میور صاحب نے پیش کی ہے محض اس غرض سے پیش کی ہے کہ اس سے احادیث کی صداقت پر حملہ ہو کہ ان میں تعارض ہے حالانکہ اگر ایسی کوئی حدیث اسکو ملی بھی تھی تو اسے چاہیئے تھا کہ اسے سلسلہ رواۃ کے ساتھ بیان کرتا کہ فلاں فلاں راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے

جن کے صدق اور عدل اور حفظ پر محدثین نے گواہی دی ہے اور فلاں فلاں محدثین نے اس حدیث کو قابل وقعت سمجھا ہے تا کوئی مقابلہ بھی ہو سکتا کہ آیا وہ احادیث صحیح ہیں جن میں نقش محمد رسول اللہ بتایا گیا ہے اور جنکو ہر ایک محدث اور صاحب بصیرت نے معتبر اور سچی سمجھا ہے یا ان کل کی کل احادیث کے خلاف وہ اکیلی حدیث صحیح ہے جس میں ان سب کے بیان کی تردید کر کے ایک نیا نقش انگوٹھی کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ کیا تاریخی واقعات کی تحقیق کا یہی طریقہ ہے کہ ایک امر کے خلاف جسپر سیکڑوں گواہیاں ہوں اور جسے ایک قوم نے سخت محنت اور جانکاہی کے بعد صحیح تاریخی واقعہ تسلیم کر لیا ہو اور کل کے کل محققین کا اسکی صحت پر اتفاق ہو گیا ہو۔ ایسے امر کے خلاف اگر ایک جھوٹی موٹی روایت مل جائے۔ تو فی الفور یہ فتویٰ لگا دیا جائے کہ دونوں امور محض افترا ہیں۔ یہ ہے عیسائی صاحبان کی تنقید اور نقادی کی ایک مثال۔ کیا اس طرح سے کوئی تاریخی امر ثابت ہو سکتا ہے اور کیا تمام تاریخ پر خاک ڈالنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ہر ایک ثابت شدہ مسلم امر کے خلاف ایک بات بیان کر دیجاوے خواہ اسکی کوئی اصلیت ہو یا نہ ہو۔ اور پھر اگر اسی طرز تنقید کو مسیح اور حواریوں کی تاریخ پر برتا جاوے تو کیا خود مسیح کے وجود سے ہی انکار نہیں کرنا پڑیگا؟ پھر میور صاحب ایک حدیث بایں الفاظ بیان کرتے ہیں کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ آپکے کسی جانشین نے کبھی کوئی انگوٹھی پہنی۔ اب اگر میور صاحب کو اظہار صداقت مقصود ہوتا تو وہ اس کتاب کا حوالہ بھی دیتے جہاں سے یہ حدیث انکو ملی۔ کیونکہ مجھے ان الفاظ یا اس معنی کی کوئی حدیث نہیں ملی۔ اور جس صورت میں خاتم والی حدیث متواتر روایات سے ثابت ہے تو اگر کوئی ایسی حدیث ملے بھی تو اسے ہمیں رد کرنا پڑے گا اور ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایسی حدیث پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ باقی رہے ایسے تعارض کہ کوئی کہتا ہے آنحضرتؐ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے کوئی کہتا ہے بائیں ہاتھ میں کوئی کہتا ہے مُہر اندر کی طرف رکھتے تھے کوئی کہتا ہے باہر کی طرف ان میں تعارض کوئی نہیں جس طرح کسی نے دیکھا بیان کر دیا۔ ایک وقت آپنے ایک طرح پہنی دوسرے وقت دوسری طرح جس شخص نے جس طرح دیکھا اسی طرح بیان کر دیا۔ ہاں اگر ایک حدیث میں یہ ہوتا کہ آپ ہمیشہ اور ہر حالت میں اخیر زندگی تک دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور دوسری حدیث میں یہ ہوتا کہ آپنے کبھی اور کسی حالت میں اخیر زندگی تک کوئی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں نہیں پہنی تو یہ بیشک تعارض تھا جس کے رفع کرنیکے لیے ہمیں یہ دکھانیکی ضرورت ہوتی کہ ان میں سے کونسی حدیث سچی ہے اور کونسی جھوٹی۔ مگر ایسی دو حدیثیں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ آپ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے اور ایک کہتا ہے بائیں ہاتھ میں۔ باہمی کوئی تعارض نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت آپ دائیں ہاتھ میں پہنتے ہوں اور کسی وقت بائیں میں یا پہلے دائیں میں پہنتے ہوں اور بعد میں بائیں میں۔ ایسی کئی توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ بلکہ یہ احادیث انگوٹھی کی موجودگی کو یقینی طور پر ثابت کرتی ہیں کیونکہ مختلف دیکھنے والوں نے مختلف حالتوں میں پہنے ہوئے اسے دیکھا۔ پس جو اختلافات معمولی حالات زندگی سے پیدا ہوتے ہیں ان کو

الگ رکھکر یہ امر مشترک تمام کے درمیان پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنائی تھی اور آپ اُسی پہنا کرتے تھے۔

اب میور صاحب کے دوسرے تعارضات پیش کردہ کو ہم لیتے ہیں۔ اس امر کو کل محدثین نے اور اصحاب سیر نے تسلیم کیا ہے کہ بادشاہوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ کرتے وقت یہ امر آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا کہ بغیر مُہر کے یہ خطوط پڑھی نہیں جاویں گے جس پر آپ نے انگوٹھی بنوائی اور اس پر مُہر کا نقش محمد رسول اللہ کُھدوایا۔ ان میں سے پانچ مختلف روایتیں صحیح بخاری سے میں نے اوپر بھی پیش کی ہیں۔ اب میور صاحب کہتے ہیں کہ کئی دوسری احادیث میں اس امر کی تردید ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ یہ انگوٹھی ابن سعید حبش سے لایا تھا۔ مگر حبش سے جو انگوٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آئی تھی اسکے متعلق صحاح ستہ کی کتاب ابوداؤد میں مندرجہ ذیل حدیث صاف الفاظ میں موجود ہے جس سے میور صاحب کا بیان جھوٹ ثابت ہوتا ہے۔ عن عایشۃ قالت قدمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حلیۃ من عند النجاشی اھداھا لہ فیھا خاتم من ذھب فیہ فص حبشی قالت فاخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعود معرضا عنہ اوببعض اصابعہ ثم دعا امامۃ بنت ابی العاص ابنۃ ابنتہ زینب فقال تحلی بھذا یا بنیۃ۔ (کتاب الخاتم۔ باب ماجاء فی الذھب للنساء) یعنی حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ روایت کرتی ہیں کہ نجاشی شاہ حبش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ زیورات بھیجے تھے جن میں ایک انگوٹھی سونے کی تھی اور اسکا نگینہ حبشی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انگوٹھی سے اعراض کرتے ہوئے ایک لکڑی یا اپنی بعض انگلیوں سے اسے پکڑا.................. اور پھر اپنی بیٹی زینب کی لڑکی امامۃ کو جو ابوالعاص کی لڑکی تھی بلوایا اور اُسے کہا کہ اس انگوٹھی کو تو پہن لے"۔ یہ ہے صحیح واقعہ حبش سے آئی ہوئی انگوٹھی کا اور ظاہر ہے کہ اس انگوٹھی کو خطوط پر مُہر کرنیوالی انگوٹھی سے کوئی تعلق نہیں اور یہ محض حماقت ہے کہ یہ فرض کر لیا جاوے کہ ایک ہی انگوٹھی کل عرب میں اُس زمانہ میں تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میور صاحب نے محض تعارض دکھانیکی خاطر ان دونوں انگوٹھیوں کو عمداً ایک بنا کر دکھانیکی کوشش کی ہے یا دراصل اسکو دھوکہ لگا ہے کہ حبش سے آئی ہوئی انگوٹھی وہی تھی جس سے خطوط پر مُہر لگانیکا کام لیا گیا۔

ایک اور حدیث جو میور صاحب نے سب سے پہلی اور مسلّم حدیث کے متعارض سمجھکر پیش کی ہے یہ ہے کہ خالد ابن سعید نے اپنے لیے ایک انگوٹھی بنوائی تھی جو لوہے کی تھی اور جس پر چاندی کا ورق چڑھا ہوا تھا۔ اور کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انگوٹھی ایسی اچھی لگی کہ آپ اسے اپنے استعمال میں لائے"، جس سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ یہ استعمال خطوط پر مُہر لگانیکا تھا۔ اور اسطرح دونوں حدیثوں کو باہمی متعارض ٹھہراتا ہے۔ اصل حدیث

جسکو ابن سعد نے بیان کیا ہے یہ ہے۔ ان خالد بن سعید یعنی ابن العاص اتی وفی یدہ خاتم فقال له رسول الله صلے الله علیه وسلم ما هذا اطرحه فطرحه فاذا خاتم من حدید ملوی علیه فضة قال فما نقشه قال محمد رسول الله قال فاخذه فلبسه۔ یعنی خالد ابن سعید آئے اور انکے ہاتھ میں انگوٹھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے اسکو پھینک دو۔ انہوں نے انگوٹھی کو پھینک دیا وہ لوہے کی انگوٹھی تھی جس پر چاندی کا ورق چڑھا ہوا تھا۔ راوی نے پوچھا اسکا نقش کیا تھا۔ کہا محمد رسول اللہ۔ کہا پھر آپ نے وہ انگوٹھی اُٹھالی اور اُسے پہن لیا۔ اب اس حدیث میں نہ تو یہ لفظ ہیں کہ انگوٹھی آپ کو پسند آگئی اور نہ ہی یہ لفظ ہیں کہ اسی انگوٹھی سے آپ خطوں پر مُہر لگایا کرتے تھے۔ یہ دونوں باتیں میور صاحب کے دماغ کا اختراع ہیں جو محض اس نے حدیث کو بے اعتبار ثابت کرنیکے لیے خود ہی تراشی ہیں۔ اور یہ حدیث کسی طرح سے پہلی حدیث کے متعارض نہیں۔ اگر یہ سوال ہو کہ آپ نے انگوٹھی خالد کے ہاتھ سے کیوں اُتروادی۔ تو اسکا جواب صاف ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ آپ نے صحابہؓ کو ایسی انگوٹھیاں بنوانے یا پہننے سے منع کیا تھا جن پر محمد رسول اللہ کا نقش ہو۔ عن انس بن مالك رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اتخذ خاتما من فضة ونقش فیه محمد رسول الله وقال انی اتخذت خاتما من ورق ونقشت فیه محمد رسول الله فلا ینقشن احد علی نقشه۔ اور یہ بھی حدیث موجود ہے کہ ایسی انگوٹھیاں بعض صحابہؓ کو پہنتے ہوئے دیکھکر آپ نے اُتروا بھی دی تھیں۔ ایسا ہی ایک اور روایت میں جو صحیح بخاری میں ہے یہ لفظ موجود ہیں قال انا اتخذنا خاتما ونقشنا فیه نقشا فلا ینقش علیه احد۔ پس محمد رسول اللہ کے نقش کی انگوٹھیاں بنوانے اور پہننے کی صریح ممانعت ہو چکی تھی اور حکمت اس میں یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ آپ کی انگوٹھی شاہی پروانوں اور خطوط پر مُہریں لگانے کے کام آتی تھی پس اگر ہر شخص کے پاس ایسی انگوٹھی ہو۔ تو اس سے فتنہ پڑتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس ممانعت کی خبر خالد ابن سعید کو نہ پہنچی تھی یا یہ واقعہ عام ممانعت سے پہلے کا ہے۔ اور حدیث لانیوالے کا اس حدیث کے لانے سے مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ممانعت کو ظاہر کرے کیونکہ وہ راوی سے دریافت کرتا ہے کہ اُسکا نقش کیا تھا اور اُسکا جواب ملتا ہے محمد رسول الله جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انگوٹھی پھینکوانیکی اصل وجہ صرف یہی نقش تھی جس کی ممانعت آنحضرتؐ نے کردی تھی۔ اس حدیث سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ انگوٹھی وہ نہ تھی جو خطوط پر مُہر لگانیکے لیے بنوائی گئی تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگوٹھی اس سے پہلے موجود تھی جسکا نقش محمد رسول الله تھا۔ بلکہ اس انگوٹھی کی نقل ہی یہ انگوٹھی تھی اور یہی وجہ اس کے پھینکوانیکی ہوئی پس اس حدیث سے تعارض تو ایک طرف رہا اس پہلی حدیث کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ شاہی خطوط پر

مُہر کرنے کے لیے آپ نے ایک انگوٹھی بنوائی تھی جس کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔ یہ ہے ان لوگوں کی واقفیت اور علم اور یہ ہیں انکی چالبازیاں گویا جس طرح انکے نزدیک عیسائی مذہب کی تائید میں کوئی جھوٹ بول دینا جائز ہے اسی طرح کسی دوسرے مذہب پر عیب لگانے کے لیے بھی جھوٹ بولنا جائز سمجھا جاتا ہے ورنہ کوئی شخص بتائے کہ آیا یہ حدیثیں متعارض ہیں یا ایکدوسرے کی مصدق ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ پھینکو دینے کے بعد آنحضرتؐ نے خود اسے کیوں پہن لیا۔ تو اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ اسپر خدائے تعالیٰ کا پاک نام تھا اس لیئے آپ نے انگوٹھی کو اٹھا کر ہاتھ میں پہن لیا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھر اسے ہمیشہ پہنے رکھا ہو بلکہ بعد میں تڑوا دیا ہوگا کیونکہ آپکے پاس صرف ایک ہی انگوٹھی رہی جو چاندی کی تھی اور جسکو خاص غرض کے لیے تیار کیا گیا تھا وہی انگوٹھی حضرت ابوبکر عمر عثمانؓ تک پہنچی۔ نہ کوئی اور۔ اور ایک وجہ انگوٹھی کو اٹھا کر پہن لینے کی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ تا کوئی دوسرا شخص اٹھا کر اسے نہ پہن لے۔ جس سے وہ غرض مفقود ہو جاتی جس غرض کے لیے انگوٹھی اُتروائی گئی تھی

تیسری حدیث جو تعارض ثابت کرنیکے لیے میور صاحب پیش کرتا ہے یہ ہے کہ وہ انگوٹھی جس سے خطوط پر مُہر یں کیجاتی تھیں اصل میں معاذ نے اپنے لیے یمن میں کندہ کرائی تھی۔ یہ حدیث مجھے کہیں نہیں ملی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کسی حدیث میں اسی قسم کا تصرف کر کے جیسا کہ اول دو حدیثوں میں اس نے کیا ہے میور صاحب نے یہ حدیث بنالی ہے ہمیں کوئی وجہ اس امر کی معلوم نہیں ہوتی کہ یمن میں مُہر کو کندہ کروانیکی کونسی ضرورت پیش آئی تھی جبکہ مدینہ میں بہتیرے کندہ کرنیوالے موجود تھے۔ بلکہ صحیح بخاری اور دوسری صحاح ستہ کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی انگوٹھی کو دیکھ کر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی انگوٹھیاں اسی نقش کی بنوالی تھیں۔ اب اگر مدینہ میں نقش کندہ کرنیکی سہولت نہ ہوتی تو یمن میں ہر ایک کا جا کر کندہ کرانا مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث کہ بادشاہوں کے نام جو خطوط لکھے گئے تھے انپر مُہر لگوانیکی ضرورت کی وجہ سے انگوٹھی بنوائی گئی تھی نہ کسی اور غرض سے۔ اسقدر مختلف راویوں کے سلسلوں سے محدثین تک پہنچی ہے کہ اسکی صحت میں ہرگز کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی ایسی متفق علیہ حدیث کی تردید ایک ادھی ایسی حدیث سے ہو سکتی ہے جسکا پتہ لگانا بھی مشکل ہے۔ بہر حال میور صاحب کی تمام کارگذاری جسکے لیے اسے اسقدر غلط بیانیوں اور افتراؤں سے کام لینا پڑا ایک مقوقس والے خط کے دریافت ہو جانیسے خاک میں مل گئی ہے۔ اور اگر وہ خود زندہ ہوتا تو شاید شرمندہ ہو کر اس کو آئندہ ایڈیشنوں سے نکال دیتا۔ اگرچہ باوجود اس خط کے کتاب شایع ہونیسے پہلے معلوم ہو جانیکے بھی میور صاحب نے اُس بے نظیر ثبوت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جو اس خط پر مُہر کی موجودگی سے پیدا ہوتا ہے۔

غرضکہ مقوقس والا خط ایک بے نظیر شہادت احادیث کی صداقت پر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے مگر اس شہادت کے علاوہ مَیں احادیث کی صداقت پر ایک اور بے نظیر شہادت اس مضمون میں پیش کرنی چاہتا ہوں۔ یہ شہادت نصرف

احادیث کی صداقت پر ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا منجانب اللہ ہونا ثابت کرتی ہے۔ یہ ہے احادیث میں پیشگوئیوں کا موجود ہونا۔ اسلام کی تاریخ کو اگر ہم تین زمانوں پر تقسیم کریں یعنی ابتدائی زمانہ۔ درمیانی زمانہ اور آخری یا موجودہ زمانہ تو ان تینوں میں ہم ان پیشگوئیوں کا ظہور کھلا کھلا پاتے ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں اور جنسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر زمانہ میں اپنی چمک دکھاتی ہے۔ اور آپ کی برکات کا ہر زمانہ میں جاری رہنا ثابت ہوتا ہے۔ کفار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب آنیکی پیشگوئیاں کھلے کھلے الفاظ میں قرآن کریم کی مکی سورتوں میں موجود ہیں۔ مگر اسجگہ میرا منشا صرف ان پیشگوئیوں کے بیان کرنیکا ہے جو احادیث میں ہیں۔ ایسی پیشگوئیاں بکثرت ہیں مگر نمونہ کے طور پر صرف ایک ان میں سے میں پیش کرتا ہوں مثلاً حدیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ صحابہ رض شام اور ایران کو فتح کریں گے یہ پیشگوئی اسوقت کی ہے جب جنگ احزاب کے وقت خندق کھودی جارہی تھی۔ احمد نسائی بیہقی طبرانی نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اصل حدیث یہ ہے جسکا اول راوی براء بن عازب صحابی ہے۔ قال لما کان حین امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحفر الخندق عرضت لنا فی بعض الخندق صخرۃ لا تاخذ فیھا المعاول فاشتکینا ذلک الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء فاخذ المعول فقال بسم اللہ فضرب ضربۃ فکسر ثلثھا وقال اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الشام واللہ انی لابصر قصورھا الحمر الساعۃ ثم ضرب الثانیۃ فقطع الثلث الاٰخر فقال اللہ اکبر اعطیت مفاتیح فارس واللہ انی لابصر قصر المدائن ابیض ثم ضرب الثالثۃ وقال بسم اللہ فقطع بقیۃ الحجر فقال اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الیمن واللہ انی لابصر ابواب صنعاء من مکانی ھذا الساعۃ .... اور بعض روایتوں میں اخیر میں یہ الفاظ آئے ہیں ففرح المسلمون واستبشروا۔ یعنی خندق میں ایک پتھر کو توڑتے وقت آپنے یہ فرمایا کہ مجھے شام کی کنجیاں دیگئی ہیں اور میں اسکے سرخ محلوں کو اسوقت دیکھ رہا ہوں۔ اور پھر فرمایا کہ مجھے فارس کی کنجیاں دیگئی ہیں اور میں اسجگہ سے اسکے سفید محلوں کو دیکھ رہا ہوں اور ایسا ہی یمن کے متعلق فرمایا کہ اسکی کنجیاں مجھکو دیگئی ہیں۔ اور یہ اس حال میں فرمایا جب آپ ایک پتھر کو توڑ رہے تھے۔ آپنے اس پتھر کو تین ضربوں میں توڑا اور ہر ایک ضرب کے بعد ایک پیشگوئی کی گویا اس پتھر کا توڑنا بطور ایک فال کے تھا کہ سلطنتیں آپکے صحابہ رض کے آگے اسی طرح ٹوٹ جائیں گی۔ اور پیشگوئی میں یہ بھی آیا ہے کہ اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ واذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ۔ یعنی جب قیصر اور کسرےٰ ہلاک ہوجائیں گے اور انکی سلطنتیں مسلمانوں کے ہاتھ آجائینگی تو پھر اسکے بعد کوئی قیصر و کسریٰ پیدا نہ ہوگا یعنی ایسا شخص پیدا نہ ہوگا جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان ملکوں کو چھین لے۔ پس جیسا پہلی پیشگوئیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ان ممالک کو فتح کرلیں گے دوسری پیشگوئی

سے معلوم ہوتا ہے کہ قیصر و کسرے کا کوئی جانشین پھر ان ملک کو انکے ہاتھ سے نہ لے سکیگا اور چونکہ اس دوسرے امر کی صداقت پر تیرہ سو سال نے گواہی دیدی ہے اور آجتک بھی اس کی صداقت کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اس لیے اس سے پہلی پیشگوئی کے متعلق تائیدی شہادت پیدا ہوتی ہے۔

بخاری ابو داؤد وغیرہ معتبر کتب میں ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن میں ابتدائے زمانہ سے لیکر اخیر تک مسلمانوں کے متعلق تمام بڑے بڑے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عثمان کی خلافت میں فتنوں کا پیدا ہونا۔ اس کے بعد خانگی جنگوں کا مسلمانوں میں شروع ہو جانا اور فتنوں کا بکثرت پھیل جانا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح اور دوسرے بڑے بڑے واقعات جو اس ابتدائی زمانے میں پیش آئے سب پہلے سے بتائے گئے تھے اور عام طور پر صحابہؓ میں یہ پیشگوئیاں مشہور تھیں اور انکے پورا ہونیسے مسلمانوں کے ایمان بڑھتے اور تازہ ہوتے تھے۔ عیسائی منقد مثل سر ولیم میور کے اس قسم کی احادیث کو وضعی قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ جب کوئی فریق غالب ہوا تو اس نے اپنے حسب منشاء احادیث گھڑ لیں۔ مگر یہ محض قیاس ہے اور اسکی غرض کسی نہ کسی طرح پر اسلام پر حملہ کرنا ہے۔ اس دعوے کی کوئی دلیل انکے ہاتھ میں نہیں حالانکہ محدثین کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کسقدر جانکاہی اور محنت سے سچی اور جھوٹی احادیث کو الگ کیا۔ اور انکو کبھی اسبات کی پروا نہیں ہوئی کہ اس حدیث سے کوئی پیشگوئی یا معجزہ بنتا ہے۔ بلکہ کئی حدیثوں کو جن میں بعض معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا بعض خلفاء کی طرف منسوب کیے گئے ہیں انہوں نے وضعی قرار دیا۔ پس ایسے محققین کے متعلق ہم کبھی یہ گمان نہیں کر سکتے کہ محض پیشگوئیاں پوری کرنیکے لیے انہوں نے ایسی احادیث کو لیا۔ نہیں بلکہ انہوں نے صرف اسی اطمینان کے بعد ایسی حدیثوں کو قبول کیا کہ واقعی وہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں۔

لیکن علاوہ اسکے ایک اور ثبوت بھی یہ احادیث اپنی صداقت کا رکھتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایسی ہی پیشگوئیاں درمیانی زمانہ کے متعلق بھی پائی جاتی ہیں۔ اور وہ قطعی ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہونیکا اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اسطرح پر کہ حدیث کی اکثر کتابیں جن میں پیشگوئیاں درج ہیں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اکٹھی ہو کر دنیا میں شایع ہو چکی تھیں اور درسوں میں پڑھائی جاتی تھیں اور لاکھوں انسان انکا مطالعہ کرتے تھے۔ اب انہی کتابوں میں ہم وہ حدیثیں پاتے ہیں جن میں ایسی پیشگوئیاں مذکور ہیں۔ جو صدہا سال بعد پوری ہوئیں اور بسبب اسکے کہ یہ کثرت سے لوگوں کے درمیان شایع ہو چکی تھیں انکے پورا ہونے پر اہل علم نے ان واقعات کو لکھا اور خدا کا کلام پورا ہونے پر خوشی ظاہر کی اسطرح پر یہ احادیث نہ صرف اپنی صداقت کا ثبوت ہی اپنے اندر رکھتی ہیں بلکہ ان دوسری احادیث کی صداقت پر بھی شاہد ہیں جن میں وہ پیشگوئیاں موجود ہیں جو جمع احادیث سے پہلے زمانہ میں پوری ہو چکی تھیں۔

سنن ابی داؤد اور صحاح ستہ کی بعض دوسری کتابوں میں ایسی احادیث موجود ہیں جن میں کھلے کھلے لفظوں میں فتح قسطنطنیہ کی پیشگوئیاں موجود ہیں۔ بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک فتح قسطنطنیہ نہ ہولے تب تک دجال نہیں نکلیگا۔ اب جس وقت ان احادیث کو ان کتابوں میں لکھا گیا اسوقت قسطنطنیہ عیسائیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور مسلمانوں کی دو یا اڑھائی سو سال کی فتوحات کے باوجود قسطنطنیہ ان کے ہاتھ نہیں آیا تھا اور نہ کوئی قرائن ایسے موجود تھے کہ مسلمان اس شہر کو فتح کرینگے مگر محدثین کو کبھی ان باتوں کا خیال نہ تھا بلکہ وہ صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ حدیث کی صحت ثابت ہے یا نہیں۔ جن احادیث کی صحت انکے نزدیک پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی تھی وہ انہیں قبول کر لیتے تھے خواہ ان میں ایسی پیشگوئیاں ہوں جو پوری ہو چکی ہوں۔ اور خواہ ایسی ہوں جو ابھی آیندہ زمانہ کے متعلق ہوں۔ اب یہ پیشگوئیاں فتح قسطنطنیہ کے متعلق ابتدا سے مسلمانوں کے درمیان شہرت یافتہ تھیں اور پھر دوسری یا تیسری صدی ہجری میں کتابوں میں لکھی جاکر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئیں۔ چنانچہ ان کے لکھے جانیکے قریباً پانچسو سال بعد ۱۴۵۳ء عیسوی میں قسطنطنیہ فتح ہوا۔ ایسے زمانہ میں جب کہ پیشگوئی کے شایع ہونے پر آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ یہ کسقدر صریح ثبوت ہے نہ صرف اس امر کا کہ یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونہہ سے نکلی ہوئی ہیں بلکہ آنحضرتؐ کی صداقت پر بھی یہ پیشگوئیاں بیّن گواہ ہیں۔ ایسا ہی انہی کتب یعنی ابو داؤد وغیرہ میں ایسی احادیث موجود ہیں جن میں یہ پیشگوئیاں ہیں کہ مسلمان تُرکوں کے ہاتھ سے سخت ہزیمت اُٹھائیں گے اور قتل کیے جاویں گے۔ یہ پیشگوئی بھی صدہا سال بعد پوری ہوئی جب ترکوں نے بغداد کو تباہ کیا اور لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا۔ اور خلافت کا خاتمہ کیا۔ یہ واقعہ ساتویں صدی ہجری کا ہے جب ان پیشگوئیوں کو کتابوں میں لکھے ہوئے چار سو سال کے قریب گذر چکے تھے۔ چنانچہ جن لوگوں نے ان احادیث کی شرح لکھی ہے انہوں نے ان تمام واقعات کو جو ان پیشگوئیوں کو پورا کرنیوالے ہیں پوری بسط سے ان احادیث کے نیچے لکھا ہے اور ان پیشگوئیوں کے پورا ہونیکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ایسا ہی عیسائیوں کا تھوڑے عرصہ کے لیے مسلمانوں پر غالب آکر بیت المقدس پر قبضہ کر لینا اور مسلمانوں کا پھر دوبارہ اسے بیت المقدس لے لینا ان سب واقعات کے متعلق انہیں کتابوں میں پیشگوئیاں لکھی گئیں اور آخر مدت بعد پوری ہو کر لاکھوں انسانوں کے ازدیاد ایمان کا موجب ہوئیں اسی زمانہ کے متعلق ایک اور مثال میں بیان کرنی چاہتا ہوں۔ صحیح بخاری میں جو بہر حال امام بخاری علیہ الرحمۃ کی وفات سے جو ۲۵۶ ہجری میں واقع ہوئی ہے باب خروج النار کے نیچے یہ حدیث ابو ہریرہ کی روایت سے درج ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقوم الساعۃ حتّٰی تخرج نار من ارض الحجاز تضیٓ اعناق الابل ببصری۔ یعنی ضروری ہے کہ قبل از قیامت ارض حجاز سے ایک آگ نکلے جو بصرہ میں اعناق الابل یعنی ٹیلوں اور پہاڑیوں کو روشن کر دے۔ یہی حدیث صحیح مسلم میں بھی درج ہے اور اس میں یہ

کھلی کھلی پیشگوئی ہے کہ ارض حجاز سے کوئی عظیم الشان آگ نکلے گی جس کی روشنی بصرے کی پہاڑیوں تک پہنچے۔ یہ پیشگوئی تیسری جمادی الآخر ۶۵۴ھ ہجری کو پوری ہوئی۔ چنانچہ فتح الباری میں اس آگ کے نکلنے کا حسب ذیل ذکر لکھا ہے
قال القرطبی فی التذکرۃ قد خرجت نار بالحجاز بالمدینۃ۔ وکان بدؤھا زلزلۃ عظیمۃ فی لیلۃ الاربعاء بعد العتمۃ الثالث من جمادی الآخرۃ سنۃ اربع وخمسین وستمائۃ واستمرت الی ضحی النھار یوم الجمعۃ فسکنت وظھرت النار بقریظۃ بطرف الحرۃ ترٰی فی صورۃ البلد العظیم علیھا سور محیط علیہ شراریف وابراج وماذن وتری رجال یقودونھا لا تمر علی جبل الا دکتہ واذابتہ ویخرج من مجموع ذٰلک مثل النھر احمر وازرق لہ دوی کدوی الرعد یاخذ الصخور بین یدیہ وینتھی الی محط الرکب العراقی واجتمع من ذٰلک ردم صار کالجبل العظیم فانتھت النار الی قرب المدینۃ ومع ذٰلک فکان یاتی المدینۃ نسیم بارد وشوھد لھٰذہ النار غلیان کغلیان البحر وقال لی بعض اصحابنا رایتھا صاعدۃ فی الھواء من نحو خمسۃ ایام وسمعت انھا رئیت من مکۃ ومن جبال بصری۔ وقال النووی تواتر العلم بخروج ھٰذہ النار عند جمیع اھل الشام۔ گویا اس آگ کا نکلنا ایک ایسا مشہور واقعہ تھا کہ سب اہل علم نے اس پیشگوئی کے پورا ہونیکو محسوس کیا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پائی جاتی ہے۔ مطلب عربی عبارت مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ قرطبی نے تذکرہ میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ حجاز میں ایک آگ نکلی اور اس سے پہلے ایک بڑا بھاری زلزلہ آیا اور یہ واقعہ تیسری جمادی الثانی ۶۵۴ھ ہجری بعد عشاء کا ہے۔ اور یہ آگ برابر جلتی رہی یہانتک کہ جمعہ کے دن چاشت کے وقت آکر ٹھہری۔ اور دور سے یہ آگ ایک بڑے شہر کی طرح نظر آتی تھی جسکے گرد فصیلیں ہوں اور اسپر برج وغیرہ ہوں اور معلوم ہوتا تھا کہ آدمی اس آگ کو چلا رہے ہیں۔ جس پہاڑ پر یہ آگ گذرتی تھی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی اور پگھلا دیتی تھی۔ اور اس سے ایک نہر نکلتی تھی سرخ و نیلگوں رنگ کی آواز اسکی ایسی تھی جیسے بادل کے گرجنے کی آواز۔ اور پتھروں کو ساتھ بہائے لیے جاتی تھی۔ اور اس جگہ پر آکر ٹھہری جو قافلہ عراق کے اترنے کی جگہ ہے۔ اور اس سے ایک روک ایک بڑے پہاڑ کی مانند بن گئی۔ اور آگ مدینہ کے قریب و جوار تک پہنچ گئی مگر باوجود اسکے مدینہ میں ٹھنڈی ہوا آتی تھی۔ اور اس آگ میں ایک جوش اور طوفان نظر آتا تھا جیسا سمندر میں طوفان آتا ہے۔ اور دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ قریباً پانچ دن یہ آگ ہوا میں چڑھتی ہوئی دیکھی گئی۔ اور یہ بھی ہم نے سنا ہے کہ یہ آگ مکہ اور بصرے کے پہاڑوں سے نظر آتی تھی۔ اور نووی کہتا ہے کہ کل اہل شام کے نزدیک اس آگ کے علم کا تواتر پایا جاتا ہے۔

اب ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر غور کرو۔ ان واقعات کو ان پیشگوئیوں پر آج ہی نہیں لگایا جاتا بلکہ جس وقت

یہ واقعات ظاہر ہونے اسی وقت اہل علم نے ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر خوشی ظاہر کی کیونکہ یہ پیشگوئیاں کوئی پوشیدہ امر نہ تھیں بلکہ لاکھوں انسانوں میں مشہور اور سیکڑوں کتابوں میں لکھی جا چکی تھیں۔ اور اسی لیے نار حجاز کے نکلنے فتح قسطنطنیہ اور تباہی بغداد کو ان شارحین حدیث نے جنکے زمانے سے پہلے یہ واقعات ہو چکے تھے مفصل طور پر اپنی کتابوں میں بیان کیا اس سے بڑھکر صداقت احادیث کا اور کیا ثبوت طلب کیا جا سکتا ہے۔ اب ان پیشگوئیوں کی حقیقت پر غور کرو۔ ترکوں کے ہاتھ سے جو مسلمانوں پر تباہی آنیوالی تھی اس کی کیسی صریح الفاظ میں مخبر صادق علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ نہ صرف ترک کا نام لیکر ہی سمجھایا بلکہ یوں بھی بیان فرمایا۔ قال لا تقوم الساعة حتّٰی تقاتلوا قوماً نعالهم الشعر وحتّٰی تقاتلوا الترك صغار الاعین حمر الوجوه ذلف الانوف کان وجوههم المجان المطرقة صحابہؓ کے درمیان یہ پیشگوئی بہت شہرت پا چکی تھی کیونکہ انکو یہ خبر دیگئی تھی کہ اترکوا الترك ما ترکوکم۔ جب تک ترک تم کو کچھ نہ کہیں تم بھی انہیں مت چھیڑو۔ کیونکہ مسلمانوں پر ترکوں کے ہاتھ سے تباہی آنیوالی ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ کے متعلق یہ واقعہ لکھا ہے کہ معاویہ بن خدیج کہتا ہے کہ میں معاویہؓ کے پاس تھا تو اسکے پاس اسکے ایک عامل کا خط آیا کہ ترکوں سے اسکا مقابلہ ہوا اور اس نے ترکوں کو بھگا دیا۔ اسپر معاویہؓ بہت غضبناک ہوا اور اس عامل کو لکھا کہ جبتک میں تمکو نہ لکھوں انسے جنگ مت کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ترک عربوں کو نکال دیں گے یہانتک کہ انکو شیح (گھاس) کے اگنے کی جگہ تک پہنچا دیں گے یعنی شہروں سے نکالکر جنگلوں میں داخل کر دیں گے جس سے اشارہ عظیم الشان تباہی کی طرف ہے۔ اور معاویہؓ نے لکھا کہ اسی وجہ سے میں ترکوں کے ساتھ جنگ کرنیکو ناپسند کرتا ہوں اور آخر جب مسلمانوں نے مخبر صادقؐ کے حکم اترکوا الترك کی خلاف ورزی کی اور خوارزم شاہ نے چنگیز خاں کے ایلچیوں کو قتل کر ڈالا تو پھر وہ تباہی مسلمانوں پر آئی جسکے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ایسا ہی طبرانی نے یہ حدیث بیان کی ہے ان بنی قنطورا اول من سلب امتی ملکهم یعنی ترک ہی اول وہ لوگ ہوں گے جو میری امت سے ملک چھین لیں گے۔ غرضکہ صحابہؓ کے اندر یہ ایک نہایت ہی شہرت یافتہ امر تھا کہ ترکوں کے ہاتھ سے مسلمانوں پر خطرناک تباہی آئیگی۔ اور یہ پیشگوئیاں صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور انکے لکھے جانیکے صدہا سال بعد یہ پیشگوئیاں نہایت صفائی اور وضاحت سے پوری ہوئیں۔ ایسا ہی فتح قسطنطنیہ کے متعلق قسطنطنیہ کا نام لیکر پیشگوئی کی گئی ہے۔ آگ کے نکلنے کے متعلق بھی ارض حجاز کو مخصوص کیا گیا ہے اور کسقدر تحقیق سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کبھی قیامت قائم نہیں ہوگی جبتک ارض حجاز سے نار نہ نکلے اور وہ نار اتنی بڑی نہ ہو کہ اسکی روشنی بصرے کی پہاڑیوں تک پہنچے۔ کیا یہ باتیں انسانی علم کے اندر ہیں اور انسان ایسا دعویٰ کر سکتا ہے۔ جس قسم کی آگ کا حجاز میں نکلنا بیان کیا گیا ہے اسکی نظیر تو کل دنیا میں بھی مشکل ملتی ہے چہ جائیکہ ایک خاص قطعہ زمین کو

مخصوص کر دیا جائے۔ الغرض یہ پیشگوئیاں جو اسلام کے درمیانی زمانے میں پوری ہوئیں مدّتوں پہلے احادیث کی کتابوں میں لکھی جا چکی تھیں اور اس طرح پر یہ احادیث کی صداقت پر ایک عظیم الشان گواہ ہیں۔

مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں اسلام کے ابتدائی یا درمیانی زمانوں تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ اس آخری زمانے میں بھی وہ اسی صفائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونیکی شہادت ادا کر رہی ہیں۔ چنانچہ بطور مثال یہاں چند پیشگوئیاں درج کیجاتی ہیں جو اس زمانہ میں پوری ہوئیں۔ قبل انکے ذکر کرنیکے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایک وقت وہ تھا جب مسلمان اس بات سے خوش ہوا کرتے تھے کہ ان کو پتہ لگ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی پوری ہوئی اور جہانتک ممکن ہوتا تھا وہ واقعات پیش آمدہ کو پیشگوئیوں پر چسپاں کرنیکی کوشش کرتے تھے اور الفاظ کے وہ معنے اختیار کرتے تھے جن سے پیشگوئیوں کا پورا ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ثابت ہو۔ مگر اس زمانے میں حالت اُلٹی ہو رہی ہے اور حالانکہ دیکھتے ہیں کہ پیشگوئیاں صفائی سے پوری ہو رہی ہیں۔ مگر انکا انکار کرتے چلے جاتے ہیں اور سیدھے سادے الفاظ کے لیے نئے نئے معنے تراشتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کا ادب اس امر کا مقتضی تھا کہ اگر کسی معنے کے رو سے ایک پیشگوئی پوری ہو گئی ہے تو اس پر خوشی کیجاوے اور اسکو دیگر مذاہب کے سامنے بطور حجت قاطعہ صداقت اسلام کے پیش کیا جائے۔ ہم کب مان سکتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی عظمت کو چاہتے ہیں جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے متعلق انہوں نے یہ طریق اختیار کر رکھا ہے کہ مخالفوں کی طرح انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ اصل وجہ ان کے انکار کی یہ نہیں ہے کہ واقعی پیشگوئیاں انکی سمجھ میں نہیں آئیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ ایک مامور من اللہ کا انکار وہ کر چکے ہیں اور اس لیے اب کسی ایسی بات کا اقرار نہیں کرتے جس سے اس کے دعوے کی تائید ہوتی ہو اسلیے انہیں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی کھلی پیشگوئیوں کا بھی انکار کرنا پڑا۔ مثلاً امام محمد باقر سے دار قطنی میں یہ روایت ہے کہ مہدی کے لیے دو نشان ہیں۔ ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان و تنکسف الشمس فی النصف منہ۔ یعنی قمر کو اپنی گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات اور سورج کو اپنے گرہن کے دنوں میں سے درمیانے دن میں گرہن لگیگا۔ اور یہ واقعہ ماہ رمضان میں ہوگا۔ سو یہ پیشگوئی پوری ہو گئی اور جس طرح حدیث میں لکھا تھا ۱۸۹۴ء عیسوی یعنی ۱۳۱۱ ہجری میں رمضان کی ۱۳ تاریخ کو چاند کو اور ۲۸ کو سورج کو گرہن لگا۔ اس واقعہ پر بعض علماء تو ایسے تھے جنہوں نے دبی زبان سے اقرار کیا کہ بے شک نشان تو ظاہر ہو گیا مگر مہدی ظاہر نہیں ہوا۔ اور بعض نے اس واقعہ پر افسوس سے ہاتھ ملے کہ اب لوگ گمراہ ہونگے یعنی اس نشان کو دیکھکر مدعیٔ مسیحیت اور مہدویت کی طرف رجوع کرینگے جو انکے نزدیک گمراہی تھی مگر ان لوگوں سے یہ بھی نہ ہوا کہ کم از کم پیشگوئی کے پورا ہونیکو ہی دیگر مذاہب کے سامنے اسلام کی صداقت کے نشان کے طور پر بیان کرتے اور زور دیتے مگر یہ وہ کہاں کر سکتے تھے کیونکہ دلوں میں تو یہ ڈر تھا کہ اس سے مدعی مہدویت کے دعوے کو

تقویت پہنچتی ہے۔ اور ماکرنے اول ہی اس بات کو سوچکر پہلے سے ہی یہ اصرار کیا کہ اول لیلۃ سے مراد چاند کی پہلی رات ہے
یگرہن کی۔ حالانکہ یہ معنے ایسے بیہودہ ہیں کہ ایک غور سے کام لینے والا آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو نہیں مان سکتا
کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشاء چاند کی پہلی رات تھا جب اسے قمر کہہ بھی نہیں سکتے حالانکہ حدیث میں قمر کا
لفظ ہے۔ اور دوسری طرف اسے گرہن کیا لگے گا وہ تو پہلے ہی کسی کسی کو نظر آیا کرتا ہے اگر گرہن لگا تو کسی کو بھی نظر نہ آئیگا
اور یہ کہا جائیگا کہ چاند چڑھا ہی نہیں نہ یہ کہ اسے گرہن لگ گیا ہے۔ علاوہ ازیں دس پندرہ منٹ میں ہلال غروب
ہوجایا کرتا ہے وہ کونسا وقت ہوگا جب خلق خدا اسکے گرہن کو بھی دیکھ لے گی اور یہ نشان بھی بن جائیگا غرضکہ یہ
معنے نہایت ہی لغو ہیں پر میں کہتا ہوں کہ اگر دونوں معنے عبارت کے بھی ہوسکتے جو اس صورت میں نہیں ہوسکتے
تو بھی حق یہ تھا کہ جب ایک خاص معنے کے رو سے پیشگوئی پوری ہوتی تھی تو انہی معنوں کو صحیح تسلیم کیا جاتا اور
پیشگوئی کے پورا ہونے پر سجدات شکر بجالائے جاتے کہ یہ خصوصیت اسلام میں ہی ہے کہ اسکی پیشگوئیاں اس
زمانہ میں بھی اس صفائی سے پوری ہو رہی ہیں۔ افسوس کہ تعصب نے ان لوگوں کو نہ صرف امام وقت کے پہچاننے سے ہی روک رکھا
بلکہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئیوں کے انکار پر بھی مجبور کیا۔ یہ حالت مسلمانوں کی ہوگئی ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح سے اور پیشگوئیاں اس زمانہ میں پوری ہوئیں۔ مگر اسی طرح سے اور اسی وجہ سے انکا بھی انکار کیا گیا۔
مثلاً دیکھو کہ یہ پیشگوئی کس قدر صراحت سے پوری ہوئی تھی۔ لیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیہا۔
یعنی آخری زمانہ میں ایک وقت ایسا آئیگا کہ اونٹنیاں چھوڑ دیجاویں گی اور ان پر سواری نہیں کیجاوے گی۔
اب غور کرو کہ حجاز ریلوے جو تیار ہو رہی ہے اس سے کسقدر صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہوتی ہے مگر کیا یہ
لوگ انکار کریں گے؟ وہی خطرہ یہاں بھی انکو دامن گیر ہے جو کسوف خسوف والی پیشگوئی میں یعنی یہ کہ اس سے حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایسا ہی طاعون کا پھوٹ نکلنا۔ زلزلوں کا آنا۔ حج کا بند ہونا
نصاریٰ کا روئے زمین پر غلبہ ہوجانا۔ وغیرہ وغیرہ بہت سی ایسی پیشگوئیاں ہیں جو اس زمانہ میں پوری ہوکر روز روشن کیطرح
اسلام کی صداقت کو دکھا رہی ہیں مگر صرف اس تعصب کی وجہ سے جو امام وقت کے ساتھ لوگوں کو پیدا ہوگیا ہے
اور جو عین سنت اللہ کے مطابق ہے۔ یہ لوگ اسلام کی تمام عظمتوں اور اسکی صداقتوں اور اسکے نشانوں کا
انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ اے خدا تو انکو راہ راست پر لا۔ آمین۔

بالفعل میں اس مضمون کو اسجگہ ختم کرتا ہوں میری غرض ان تمام پیشگوئیوں کے اسجگہ پیش کرنے سے صرف یہ ہے
کہ احادیث میں عظیم الشان صداقتوں کا مجموعہ ہے ہاں صرف اسقدر ہم کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن شریف کے
خلاف ہو اسکو ہم قبول نہیں کرسکتے اس اصل کو مد نظر رکھکر یہ شہادت صداقت احادیث پر جو میں نے اس مضمون میں
پیش کی ہے ایسی شہادت ہے کہ دیگر تاریخی امور میں اسکا وجود نہیں پایا جاتا پس احادیث کی صداقت نہ صرف تاریخی رنگ

میں ہی ظاہر ہے بلکہ ان پیشگوئیوں نے جو احادیث میں پائی جاتی ہیں معمولی تاریخ سے بہت بڑھکر عزت اور شرف احادیث کو دیا ہے۔ خدا کا کس قدر احسان ہے کہ اس نے اسلام کے لیے وہ وہ فضیلتیں رکھی ہیں۔ جنکا نام و نشان بھی دوسرے مذاہب میں نہیں پایا جاتا۔ اگر خدا نے توفیق دی تو میرا ارادہ ہے کہ ایک مضمون جمع حدیث پر لکھوں۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ مضمون بھی نا مکمل ہے۔

زلزلے اور پیشگوئیاں

(مرقومہ مولوی شیر علی صاحب بی۔اے)

اکبر مسیح ان تمام چالوں میں خوب مشاق ہے جو عیسائی مباحثین چلا کرتے ہیں۔ یا تو اپنے بزرگوں کی طرح فریق ثانی کے دلایل کو محرف و مبدل کر کے پیش کرتا ہے یا انکو عمداً نظر انداز کر کے اپنے ناظرین کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایپی فینی مورخہ ۲۳۔ جون ۱۹۰۶ء میں اُس کی ایک چٹھی چھپی ہے جس میں وہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے متعلق جو کہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلے کی نسبت تھی نکتہ چینی کرتا ہے اور اپنی معمولی چال بازی سے کام لیتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس زلزلہ کے متعلق دو الہام شایع کیے تھے اول۔ "ایک زلزلہ کا دھکا" دوئم عفت الدیار محلھا و مقامھا۔ پہلا دسمبر ۱۹۰۳ء میں شایع ہوا اور دوسرا مئی ۱۹۰۴ء میں۔ ان الہاموں میں صرف ایک زلزلہ کے متعلق پیشگوئی نہ تھی بلکہ یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ وہ کیسا سخت ہوگا۔ کوئی عقلمند آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں الہام ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ میں پورے ہوئے۔ لیکن اکبر مسیح ایسی صریح پیشگوئی سے بھی انکار کرتا ہے۔ اس پیشگوئی پر بحث کرتا ہوا پہلی چال وہ یہ چلتا ہے کہ پیشگوئی کے ایک حصہ کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے وہ عمداً زلزلہ کے دھکے والے الہام کو نظر انداز کر کے اعتراض کرتا ہے کہ پیشگوئی میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مکانات زلزلہ کے سبب سے گریں گے۔ اگر یہ بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے دونوں الہاموں کا ایپی فینی مورخہ ۹۔ جون ۱۹۰۶ء میں ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا تھا لیکن اکبر مسیح ایک الہام کو لیتا ہے اور دوسرے کو بالکل چھوڑ دیتا ہے اگر دوسرے الہام یعنی زلزلہ کا دھکا میں کوئی نکتہ چینی کی گنجایش نہیں تھی تو اُس نے کیوں دیانتداری سے اقرار نہ کیا کہ یہ الہام بیشک پورا ہو گیا۔ مگر عفت الدیار محلھا و مقامھا والے الہام پر بحث کرتے ہوئے بھی وہ دیانتداری سے کام نہیں لیتا۔ اگر ہم دوسرے الہام کو نظر انداز بھی کر دیں اور اسی الہام عفت الدیار کو ہی لیں تو صرف یہی ایک دیانتدار آدمی کو یقین دلانے کے لیے کافی ہے۔ اس میں کم از کم اتنا تو بتلایا گیا تھا کہ مکانوں کا نام و نشان نہیں رہیگا گویا

نہ بتایا گیا ہو کہ کس وجہ سے یہ تباہی آئے گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ تباہی وقوع میں آئی یا نہیں۔ اگر وہ وقوع میں آئی تو ہمیں قرار کرنا چاہیئے کہ یہ الہام پورا ہوا۔ لیکن اکبر مسیح ایسا آدمی نہیں کہ حق کو قبول کرے وہ بڑی گستاخی سے حضرت مسیح موعودؑ کو سرقہ کا الزام لگاتا ہے اور لکھتا ہے کہ انہوں نے یہ فقرہ سبعہ معلقہ کے ایک قصیدہ سے چرایا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُسکی اس سے کیا مراد ہے کیا وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب ایک فصیح عربی فقرہ نہیں بنا سکتے تھے اور انہوں نے سبعہ معلقہ سے ایک مصرعہ چرایا اور یہ خیال کیا کہ کوئی شخص اس چوری کو معلوم نہیں کر سکے گا لیکن یہ خیال صریح باطل ہے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے قریباً بیس کتابیں فصیح عربی نظم اور نثر میں لکھی ہیں اور انکو اعجاز کے طور پر پیش کیا ہے کیا یہ خیال حماقت پر دلالت نہیں کرتا کہ ایسے شخص نے فقرہ عربی دوسری کتاب سے چرایا۔ نیز یہ خیال بھی بیہودہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے اور خیال کیا ہے کہ کوئی شخص نہیں معلوم کریگا کہ یہ سبعہ معلقہ کا فقرہ ہے۔ یہ ایک مشہور قصیدہ کا مشہور مصرعہ ہے اور یہ قصیدہ ہر ایک عربی خوان طالبعلم کے ہاتھ میں ہوتا ہے خود اُس احباب کے حلقہ میں جس میں کہ حضرت صاحب نے سب سے پہلے اپنا یہ الہام بیان کیا ایسے فاضل موجود تھے جنہوں نے سیکڑوں دفعہ اس قصیدہ کو پڑھا اور پڑھایا ہوگا۔ تو کیا اس صورت میں اس سے بڑھ کر کوئی لغو خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے سبعہ معلقہ کا ایک فقرہ چرا کر یہ خیال کیا کہ کوئی شخص اس چوری کو معلوم نہیں کر سکے گا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس مصرعہ کو اپنی فصاحت و بلاغت کے ثبوت میں پیش نہیں کیا بلکہ اسکے ذریعہ ایک آئندہ واقعہ کی خبر دی ہے۔ اُسکو اپنا کلام بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے وحی ہے اور نتیجہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ واقعی یہ خدا کا کلام تھا جس واقع کی اس مصرعہ میں خبر دیگئی تھی (یعنی مکانات کی عام تباہی) وہ وقوع میں آ گئی۔ اور اس نے اسبات کا صریح ثبوت دیا کہ واقعی یہ الفاظ خدا کی طرف سے تھے اور مسروقہ بالکل نہ تھے۔ کیا اکبر مسیح بتلا سکتا ہے کہ اگر یہ الفاظ مسروقہ ہیں تو کیوں وہ واقعہ جسکی کہ ان الفاظ میں خبر دیگئی وقوع میں آیا۔ یہ مصرعہ عرب کے شاعر کے مونہہ میں صرف ایک انسان کا کلام تھا۔ اور ایک گذشتہ واقعہ کا بیان تھا لیکن احمدؑ کی زبان پر وہی مصرعہ ایک معجزہ ہو گیا کیونکہ اُس میں ایک آئندہ واقعہ کی خبر دی گئی جو کہ حسب پیشگوئی وقوع میں آ گیا۔ اگر پیشگوئی پوری نہ ہوتی تو اکبر مسیح کا حق تھا کہ جو الزام چاہتا لگاتا لیکن جبکہ پیشگوئی پوری ہو گئی جس کا کہ ان الفاظ میں ذکر تھا تو ان الفاظ کو مسروقہ کہنا بیحیائی نہیں تو کیا ہے؟ کیا اکبر مسیح شیکسپیر کی تصنیف ہی سے ایک ایسا مصرعہ انتخاب کر سکتا ہے جسکو وہ پیشگوئی کے طور پر شایع کرے اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو کرے۔ اگر ایسی پیشگوئی پوری ہو گئی تو ہم خوشی سے اُسکو معجزہ ماننے کے لیے طیار ہیں۔ لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہیں تو اُسے اقرار کرنا چاہیئے کہ جو کچھ احمدؑ نے شایع کیا وہ خدا کی طرف سے تھا اور نتیجہ نے اُسکا خدا کا کلام ہونا ثابت کر دیا۔ کیا سرقہ کرنیوالا ثبوت کر سکتا ہے۔

یہ سچ بات ہے کہ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے اکثر الہامات نئے ہوتے ہیں مگر چند مواقع پر خدا نے ایسا پسند کیا ہے کہ انسانوں کے الفاظ یا قول کو بطور الہام نازل فرمائے جبکہ اُس نے دیکھا کہ وہ الفاظ اُن واقعات کو ٹھیک طور پر بیان کرتے ہیں جنکو وہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اس قسم کی ایک مثال تو یہی ہے عفت الدیار محلھا و مقامھا اور دوسری مثال حضرت اقدس کا ایک بعد کا الہام ہے اور وہ یہ ہے۔ تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد۔ لیکن یہ پیشگوئیاں اپنے مرتبہ میں دوسری پیشگوئیوں سے کم نہیں ہیں۔ کیا اکبر سیح بتا سکتا ہے کہ اگر خدا کے کلام کا انسان کے کسی قول سے تطابق ہوجاوے تو اس میں کیا حرج ہے۔ کیا خدا اپنے کلام میں وہی الفاظ استعمال نہیں کرتا جو ہم کرتے ہیں۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ یہ الفاظ اُس واقعہ آئندہ کی کیفیت کو کس خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ کیا حضرت مرزا صاحب کی طاقت میں تھا کہ کسی قدیمی شاعر کے کلام ہی سے ایک مصرعہ انتخاب کرتے جو کہ آنیوالی مصیبت کا ایسی خوبی سے نقشہ کھینچتا۔

دوسرا اعتراض جو اکبر سیح اس پیشگوئی پر کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے پہلے مرزا صاحب یہ سمجھا تھا کہ یہ طاعون کی تباہی کے متعلق ہے۔ یہ اعتراض نبیوں کی پیشگوئیوں کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اُنکی پیشگوئیاں نجومیوں یا ہیئت دانوں کی پیشگوئیوں کی طرح نہیں ہوتیں۔ نجومیوں کی پیشگوئیاں اُنکے اپنے علم پر مبنی ہوتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ اُنکے اپنے خیالات و علم کا اظہار ہوتی ہیں اس لیے اُنکی پیشگوئیوں کے الفاظ انہیں معنوں میں پورے ہونے چاہئیں جن معنوں میں انہوں نے بروقت اشاعت استعمال کیا تھا۔ لیکن خدا کے مامورین کی پیشگوئیاں اُن لوگوں کی پیشگوئیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ نبی اپنی پیشگوئیوں کے آپ بانی نہیں ہوتے بلکہ خدا اُن پیشگوئیوں کا ظاہر کرنیوالا ہوتا ہے۔ اس بارے میں نبیوں میں اور دوسرے لوگوں میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ اول انکے پاس وہ پیغام براہِ راست خدا کی طرف سے پہنچتا ہے حالانکہ دوسرے لوگوں کے پاس وہ پیغام نبیوں کے ذریعہ بالواسطہ پہنچتا ہے چونکہ نبی خود غیب دان نہیں ہوتے اس لیے وہ اس پیغام میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا نہیں سکتے وہ صرف ہو بہو اُسکو لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگر نبی کسی پیشگوئی کے پورا ہونیکے متعلق کوئی اجتہاد کرتا ہے تو اُسکا اجتہاد بشریت سے بھرا ہوا اجتہاد ہے۔ وہ عالم الغیب ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا۔ وہ الہام جس کو کہ وہ شایع کرتا ہے اُسکے کسی اپنے خیال کا اظہار نہیں ہے اگر پیشگوئی ایسی طرز پر پوری نہ ہو جیسا کہ اسکا اپنا خیال ہے تو یہ امر نفس پیشگوئی کی قدر و قیمت کو کم نہیں کرتا۔ ہمیں پیشگوئی کے اصل الفاظ کو مدنظر رکھنا چاہیئے یعنی انہی الفاظ کو جو خدا کے مونہہ سے نکلے ہیں اور نتیجہ کا انتظار کرنا چاہیئے اگر کوئی ایسا امر وقوع میں آوے جسپر کہ پیشگوئی کے الفاظ بالصراحت چسپاں ہوں تو ہمیں اقرار کرنا چاہیئے کہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا نتیجہ پیشگوئی کے اصل الفاظ کے مطابق ہے۔ اگر نتیجہ اصل الفاظ پیشگوئی کے مطابق ہو تو پیشگوئی کے سچے ہونیکا اقرار کرنا چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس طرح نبی کا خیال تھا کہ پیشگوئی

اس رنگ میں پوری ہوگی اُسی رنگ میں پوری ہو۔ بائبل اور اسلامی تاریخ سے کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جنمیں پیشگوئیاں ایسی طرز پر پوری ہوئیں جو طرز کہ امید کے برخلاف تھی۔ کیا حضرت مسیح کی آمد کا واقع امید کے برخلاف نہ تھا۔ اکبر مسیح لکھتا ہے کہ ایک مسلمان مصنف ہمیں یقین دلاتا ہے کہ عفت الدیار الخ کا الہام اس طرز میں پورا نہیں ہوا جس طرح مرزا صاحب کو اُمید تھی۔ اگر یہ مسلمان مصنف چراغدین جمونی نہیں ہے جو کہ اپنی رسالت کا کام شروع کرنے سے پہلے ہی طاعون سے ہلاک ہوا تو اکبر مسیح کو چاہیئے کہ اس سے سوال کرے کہ آیا آنحضرت صلعم کا رؤیا جو ہجرت کے متعلق تھا آپ کی امید کے مطابق پورا ہوا؟ کیا آپنے خیال نہیں کیا تھا کہ وہ کھجوروں والی زمین جس کی طرف آپکو ہجرت کرنی پڑیگی یمامہ یا ہجر ہے لیکن وہ مدینہ نکلا۔ کیا اکبر مسیح کے مسلمان دوست کی رائے میں ہجرت کے متعلق آنحضرت صلعم کا رؤیا سچا نہیں نکلا جو کہ آپ کی امید کے مطابق پورا نہ ہوا۔

شروع مئی ۱۹۰۴ء میں خدا کی وحی حضرت مسیح موعود پر نازل ہوئی کہ مکانات کیا مستقل رہایش کے اور کیا عارضی رہایش کے مٹا دیئے جاویں گے۔ چونکہ اُس وقت اس ملک میں طاعون پھیلی ہوئی تھی حضرت مرزا صاحب نے خیال کیا کہ یہ الہام ایسی عام تباہی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو طاعون کے ذریعہ ہوگی۔ لیکن نتیجہ نے ظاہر کردیا کہ یہ طاعون کی تباہی کے متعلق نہیں تھا بلکہ اسکا مطلب یہ تھا کہ واقعی مکانات کا نام و نشان مٹا دیا جائیگا طاعون تو صرف صاحب خانہ کو ہلاک کرتی ہے لیکن اس الہام سے یہ پایا جاتا ہے کہ نہ خانہ رہیگا اور نہ صاحب خانہ اور یہ الہام اپنے اصلی اور لفظی معنوں میں پورا ہوا۔

اکبر مسیح کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس پیشگوئی کا ظاہر کرنیوالا خدا تعالیٰ ہے نہ مرزا صاحب۔ اگر خدا تعالیٰ کا کلام صفائی کے ساتھ پورا ہوگیا تو ہمیں اُس کلام کو سچا ماننا چاہیئے۔ پیشگوئی خدا کی طرف سے تھی اور اس کے الفاظ کو سوچنا چاہیئے اگر پیشگوئی کے پورا ہونیسے پہلے حضرت مرزا صاحب نے یہ خیال کیا کہ طاعون کے متعلق ہے تو ہم انکو الزام نہیں لگا سکتے کیونکہ انہوں نے غیب دانی کا کبھی دعویٰ نہیں کیا اور نہ یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ پیشگوئی مَینے اپنے علم کی بنا پر کی ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی رائے اور پیشگوئی کے معنوں میں اختلاف اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پیشگوئی بناوٹی نہ تھی حضرت مرزا صاحب کا خیال کچھ اور تھا۔ خدا کا ارادہ کچھ اور۔

تیسرا اعتراض جو اکبر مسیح اس پیشگوئی کے متعلق کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں وقت اور مقام زلزلہ نہیں بتایا گیا۔ اگر اکبر مسیح کو عربی سے کچھ مس ہوتا تو وہ کبھی زلزلہ کے مقام کے متعلق اعتراض نہ کرتا۔ الدیار کا الف لام بتلاتا تھا کہ یہ واقعہ اسی ملک میں ہوگا جس میں کہ حضرت مسیح موعودؑ رہتے ہیں یعنی پنجاب۔ اور الہام کی اشاعت کے وقت یہ ظاہر بھی کردیا گیا تھا کہ یہ پنجاب کے متعلق ہے اور قریب زمانہ کے متعلق ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے زلزلہ لوگوں کی سزا کے لیے بھیجا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُسکا ٹھیک وقت ظاہر

نہ کیا گیا۔ اور یہی سبب ہے کہ اس آنیوالے زلزلہ عظیمہ کی گھڑی بھی معین نہیں کی گئی۔ وہ بھی دنیا کو ناگہانی طور پر آپکڑیگا اس پیشگوئی کی صداقت سے اس لیے انکار کرنا کہ ٹھیک وقت نہیں بتلایا گیا بیوقوفی ہے۔ خدا کی وحی بتلاتی تھی کہ قریب زمانے میں اس ملک میں ایسا زلزلہ آئیگا جو مکانات کو زمین کے ساتھ ملا دیگا۔ اس ملک میں صدہا سال سے کوئی ایسا زلزلہ نہیں آیا تھا اور اس لیے یہ پیشگوئی کسی قیاس پر مبنی نہیں ہوسکتی تھی۔ دوسرے الہام کے شایع ہوتے ایک سال کے اندر اسی ملک میں ایک ایسا سخت زلزلہ آیا جس نے طرفۃ العین میں کانگڑہ کی خوبصورت وادی کو کھنڈرات کا ایک ویرانہ بنا دیا۔ لیکن اکبر مسیح ایسی صریح پیشگوئی سے بھی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پیشگوئی بھی نہیں کہی جاسکتی کیونکہ ٹھیک وقت نہیں بتلایا گیا۔ اگر کوئی شخص یہ پیشگوئی کرے کہ زید کو ایک دیوانہ کتا کاٹے گا اور وہ اس سے مرجائیگا اور ایسا ہی وقوع میں آوے تو کیا ہمیں اس پیشگوئی کا صرف اسی وجہ سے انکار کرنا چاہیئے کہ اسکی موت کا کوئی مقررہ وقت نہیں بتایا گیا۔ اگر اکبر مسیح اسی قاعدہ پر چلے تو اسکو بائبل کی اکثر پیشگوئیوں سے انکار کرنا پڑے گا۔ دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ آیا جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے اُسکا ظاہر کرنا پیشگوئی کرنے والے کے اختیار میں تھا اور آیا وہ پورا ہوا یا نہیں۔ اگر یہ دونوں شرطیں پوری ہو جاویں تو پیشگوئی کی تصدیق کرنی چاہیئے۔

عیسائی مباحثین حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے یسوع کو بھول جاتے ہیں اکبر مسیح زڈکیل یہودی نجومی کا مسیح موعودؑ سے مقابلہ کرتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ ایسا کرنے سے وہ اپنے خداوند کی تذلیل کرتا ہے۔ اگر وہ زڈکیل یہودی کا یسوع سے مقابلہ کرتا تو وہ معلوم کرتا کہ یسوع زڈکیل یہودی سے بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ یسوع نے بھی پیشگوئی کی تھی کہ زلزلے آئیں گے اور وہ اُن کی آمد ثانی کا نشان ہوں گے اور یہ کہ اُسوقت کی موجودہ نسل اسکی آمد ثانی کو دیکھے گی۔ معترض خوب جانتا ہے کہ نہ صرف وہ نسل گذر گئی بلکہ سیکڑوں اور نسلیں بھی گذر گئیں مگر یسوع کی بات پوری نہ ہوئی۔ اب زڈکیل یہودی نے بھی اس زمانے میں ایک زلزلے کی پیشگوئی کی اور اکبر مسیح کہتا ہے کہ وہ پوری ہوگئی۔ تو کیا اب یہ یہودی یسوع پر فوقیت رکھنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا؟ اگر اکبر مسیح زڈکیل کی ان پیشگوئیوں کا حوالہ دے جو پوری نہیں ہوئیں تو یہ یہودی بھی یسوع کی بہت سی پیشگوئیوں کا حوالہ دے سکتا ہے جو پوری نہیں ہوئیں۔

زڈکیل کی پیشگوئی کا مسیح موعودؑ کی پیشگوئی سے مقابلہ کرتے وقت مفصلہ ذیل امور کا خیال کرنا چاہیئے۔

(۱) حضرت مسیح موعودؑ نے زڈکیل سے دس ماہ پیشتر اپنی پیشگوئی کو شایع کیا۔ (۲) زڈکیل نے اس زلزلہ کی شدت کی کوئی تعیین نہیں کی۔ اُس نے صرف یہ بیان کیا کہ ایک تیز زلزلہ ہوگا۔ مگر ممکن تھا کہ زلزلہ تیز بھی ہوتا اور مکانات کا کوئی بڑا نقصان نہ ہوتا۔ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے بعد بھی بہت سے زلزلے آئے جنکو تیز بیان کیا گیا ہے مگر اُن سے مکانات کا کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا۔ حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی میں زلزلہ کی شدت کی

ایسی تعیین کی گئی ہے کہ اُس سے بڑھکر تعیین کرنا ممکن نہیں۔ آپ کی پیشگوئی میں یہ تھا کہ زلزلہ ایسا شدید ہوگا کہ وہ مکانات کو زمین کے ساتھ ملادیگا۔ اب ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی زڈکیل یہودی کی پیشگوئی سے بدرجہا زیادہ صاف اور واضح تر ہے۔ (۳) حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کی بنا علم ہیئت یا علم زلازل پر نہیں تھی اگر زڈکیل کی پیشگوئی سے سیاروں اور زلازل میں کوئی تعلق ثابت ہوتا ہے تو مسیح موعودؑ کی پیشگوئی سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عالم الغیب خدا کی طرف سے یہ امر آپ پر ظاہر کیا گیا۔ اور یہ کہ وہ سچے نبی ہیں۔ مگر افسوس کہ عیسائیوں کی آنکھیں تعصب سے بند ہیں اسلئے ایسی واضح اور صاف پیشگوئیاں اونکی نظر میں ناپسند ہیں اور ساتھ اسکے اس نابینائی پر ناز کرتے ہیں۔

ایک صادق کی شہادت

احمق لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ محض استہزا سے ایک سچے سلسلہ کو نیست و نابود کردیں گے مگر نہیں دیکھتے کہ جس طریق پر وہ ایک مامور من اللہ سے استہزا کر رہے ہیں۔ اسی طرح پہلوں نے بھی اپنے وقت کے نبیوں سے استہزا کیا تھا یٰحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون۔ پر انکے استہزا نے انہیں کونسا فائدہ دیا۔ فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہ یستھزءون۔ استہزا کرنیوالوں کا ذکر مَیں آگے چلکر کرونگا۔ اسجگہ مَیں ایک مرد صادق کی شہادت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پیش کرتا ہوں۔ یعنی حضرت خواجہ غلام فرید مرحوم چاچڑانی کی جو اپنے زہد اور تقوےٰ کی وجہ سے سجادہ نشینوں میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے۔ خواجہ صاحب مرحوم کے ملفوظات ان کے ایک با اخلاص مرید نے جمع کرکے ایک کتاب اشارات فریدی میں جسکی تین جلدیں چھپ چکی ہیں شایع کیے ہیں۔ اس کتاب کی تیسری جلد میرے مخدوم و مکرم مولوی عزیز بخش صاحب بی اے محافظ دفتر ڈیرہ غازیخاں نے جو میرے حقیقی بھائی ہیں میرے پاس بھیجی ہے اور مَیں نے اس کو متفرق مقامات سے پڑھا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی جو خط و کتابت خواجہ صاحب مرحوم کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہوئی ہے جو سراج منیر کے اخیر میں چھپی ہوئی ہے۔ اس میں بھی آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی تصدیق کی ہے۔ مگر آپکے ان ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صدق دل سے حضرت مسیح موعودؑ کو منجانب اللہ مانتے تھے۔ اور آپ کی خط و کتابت شایع ہوجانے پر مخالف مولویوں نے جو کوششیں آپ کو بدظن کرنیکے لیے کی تھیں وہ سب رائگان گئیں بلکہ حضرت مسیح موعودؑ سے آپکے حُسن ظن اور اخلاص کی ترقی کا موجب ہوئیں چنانچہ ذیل میں مَیں کتاب اشارات فریدی کے چند ایسے مقامات پیش کرتا ہوں۔ مندرجہ ذیل عبارت کتاب مذکور کے صفحہ ۱۰۹ سے

سے لے کر ۲۷ تک ہے۔

"سخن در ذکر مرزا غلام احمد قادیانی و در بیان رد و قدح و ذم منکرین افتادہ بود۔ دانشمندے حاضر بود وے صفت و ثنا ء مرزا صاحب کرد۔ حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ بقائہ بدرجہ غایت خوش و مسرور شدند۔ بعد ازاں فرمودند کہ ہمہ اوقات مرزا صاحب بعبادت خدائے عزوجل میگذارند یا نماز میخواندند یا تلاوت قرآن شریف میکنند یا دیگر شغل اشغال مینماید۔ و برحمایت اسلام و دیں چناں کمر ہمت بستہ کہ ملکۂ زمان لنڈن را نیز دعوت دین محمدی کردہ است و بادشاہ روس و فرانس وغیر ہا ہمہ را دعوت اسلام نمودہ است و ہمہ سعی و کوشش او درانیست کہ عقیدۂ تثلیث و صلیب را کہ سراسر کفر است بگذارند و بتوحید خداوند تعالیٰ بگروند و علمائے وقت را بہ بینید کہ دیگر گروہ مذاہب باطلہ را گذاشتہ صرف درپئے ایں چنیں نیک مرد کہ از اہل سنت و جماعت است و برصراط مستقیم است و راہ ہدایت مے نماید افتادہ اند و بروے حکم تکفیرے سازند کلام عربی او را بہ بینید کہ از طاقت بشریہ خارج است و تمام کلام او مملو از معارف و حقائق و ہدایت است۔ و از عقائد اہل سنت و جماعت و ضروریات دین ہرگز منکر نیست۔

بعد ازاں فرمودند کہ مرزا صاحب بر مہدویت خود بسیار علامات بیان کردہ مگر از انمیاں دو علامات کہ در کتاب خود درج ساختہ بیان نمودہ است) برتر و بدرجۂ غایت بر دعوائے مہدویت او گواہ اند یکے اینکہ او گفتہ کہ در حدیث شریف آمدہ است کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج المھدی من قریۃ یقال لھا کدعۃ ویصدقہ اللہ تعالیٰ ویجمع اصحابہ من اقصی البلاد علیٰ عدۃ اھل بدر بثلاث مائۃ وثلاثۃ عشر رجلا ومعہ صحیفۃ مختومۃ (ای مطبوعۃ) فیھا عدد اصحابہ باسمائھم وبلادھم وخلالھم یعنی فرمودند نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیروں آید مہدی از دہے کہ گفتہ شد او را کدعہ کہ کدعہ در اصل معرب کادیان است۔ دوم این است کہ او میگوید کہ در دارقطنی ایں حدیث از امام محمد باقر رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ ان لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق اللہ السمٰوات والارض ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منہ۔ ہرگاہ خسوف قمر و کسوف شمس بتاریخ ششم از ماہ اپریل ۱۸۹۴ء ہزدہ صد و نود و چہار واقع شد پس مرزا صاحب برائے اتمام حجت خود در اطراف و اکناف عالم اشتہار ایں معنی ارسال کرد کہ ایں پیشین گوئی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برائے ظہور مہدی موعود فرمودہ بودند اکنوں تمام شدہ است بر ہمہ واجب کہ بمہدویت من اعتراف کنید و اقرار نمائید پس مولویان وقت طفلانہ سوال کردند کہ از حدیث شریف ایں معنی برمے آید کہ از اول شب رمضان خسوف قمر شود و در نیم رمضان کسوف شمس گردد و ایں خسوف بتاریخ سیزدہم رمضان واقع گشتہ و کسوف بتاریخ بست و ہشتم رمضان بوقوع آمدہ ایں خلاف منطوق حدیث است آں خسوف و کسوف دیگر خواہد بود کہ در زمان مہدی برحق وقوع یابد۔

بعد ازاں حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہٖ فرمودند سبحان اللہ بشنوید آنچہ مرزا صاحب معنی حدیث شریف مذکور بیان نمودہ و مولویان منکران را جواب دادہ است مرزا صاحب گفتہ کہ معنی حدیث شریف این است کہ برائے تائید و تصدیق مہدی ما دو نشان مقرر اند ازاں مدت کہ آسمانہا و زمینہا پیدا شدہ اند آں دو نشان در وقت کسی مدعی بظہور نیامدہ و آں دو نشان این است کہ در وقت ادعائے مہدیٔ موعود خسوف قمر در آن اول شب خواہد بود کہ آں شب از سہ شب خسوف اول است۔ یعنی شب سیزدہم از رمضان۔ و کسوف شمس دراں روز خواہد بود کہ از ایام کسوف درمیانہ روز است یعنی بیست و ہشتم از رمضان۔ بعد ازاں حضور فرمودند کہ بیشک معنی حدیث شریف این چنین است کہ مرزا صاحب بیان کردہ چہ خسوف قمر ہمیشہ بتاریخ سیزدہم یا چہاردہم یا پانزدہم واقع میشود و کسوف شمس ہمیشہ در تاریخ بیست و ہفتم یا بیست و ہشتم یا بیست و نہم ماہ بوقوع مے آید پس خسوف قمر کہ بتاریخ ششم از ماہ اپریل ۱۸۹۴ء ہژدہ صد و نود و چہارم عیسوی واقع شدہ است و آن بتاریخ سیزدہم رمضان کہ اول شب از شبہائے خسوف است بوقوع آمدہ و کسوف درمیانہ روز از روزہائے کسوف شمس واقع گشتہ است‘‘ اور صفحہ ۱۲۳ پر لکھا ہے۔ ’’اندرین اثناء حافظ گمون سکنہ حدود گھڑی اختیار خاں بہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سقط و ناسزا گفتن آغاز کرد ہمینکہ چہرہ انور حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہٖ متغیر گردید و بر آں حافظ بانگ زدند و زجر نمودند وے عرض کرد قبلہ چوں حالات و صفات حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام و اوصاف مہدی موعود در مرزا صاحب یافتہ نمے شوند۔ چگونہ اعتبار کنیم کہ اوست عیسیٰ و مہدی حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ فرمودند کہ اوصاف مہدی پوشیدہ و پنہاں ہستند آنچناں نیستند کہ در دلہائے مردم نشستہ است چہ عجب کہ ہمیں مرزا غلام احمدؐ قادیانی مہدی باشد چہ در حدیث شریف آمدہ کہ دوازدہ دجال اند پس چنداں مہدی اند۔ و در حدیثے وارد شدہ است کہ عیسیٰ و مہدی یکے است بعد ازاں فرمودند کہ شرط نیست کہ ہمہ علامات مہدی موافق خیال و فہم مردم کہ در دلہائے خود پنداشتہ اند ظاہر شوند بلکہ حافظا امر دیگر گون است اگر چنیں بودے کہ مردم خیال میکنند پس اورا ہمہ خلق مہدی برحق دانستہ باو ایمان آوردے چنانچہ پیغمبران کہ امت ہر نبی چند گروہ شدے بر بعضے کساں کہ حال آں پیغمبر مکشوف شدے پس آنہا ایمان مے آوردند۔ و بر بعضے کساں حال آں پیغمبر مشتبہ مے شد۔ و بر بعضے کساں ہرگز حال آں پیغمبر مکشوف نمے گشت ازیں سبب ہمیں گروہ انکار آوردہ و کافر شد۔ اگر بر تمام امت ہر پیغمبر حال آں پیغمبر مکشوف شدے ہمہ مسلمانان بودندے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ اوصاف و علامات آنحضرت صلعم در کتب سماویہ مکتوب و مرقوم بودند و چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظاہر شدند و مبعوث گردیدند بعض علامات را مطابق پندار و فہم و وہم خود ہا نیافتند پس بر آن کسان کہ امر آنحضرت مکشوف شد او نشان ایمان آوردند و بر آں گروہ کہ مکشوف نہ شد انکار کردند ہم چنین است حال

مھدی پس اگر مرزا صاحب مھدی باشد کدام امر مانع است ۔

یہ مینے صرف دو جگہ سے ذکر کیا ہے ۔ ایسا ہی اس کتاب کے اور بہت سے موقعوں پر حضرت مسیح موعودؑ کی کھلے کھلے لفظوں میں تصدیق کی گئی ہے چنانچہ صفحہ ۵۷ پر یہ ذکر ہے کہ مرزا صاحب کا ذکر مجلس میں ہو رہا تھا ایک شخص نے کہا کہ مرزا صاحب عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کے توڑنیکے درپے ہیں اور اس زمانہ کے علماء انکے مخالف ہو گئے ہیں اور انپر کفر کا فتویٰ دیا ہے اور انسے جنگ کر رہے ہیں ۔ تو خواجہ صاحب مرحوم نے فرمایا کہ "حق غالب است طرفِ حق غالب است" یعنی علماء جتنا چاہیں جنگ کر لیں حق ہی غالب ہوگا کیونکہ حق کا پہلو ہمیشہ غالب رہتا ہے ۔ ایسا ہی جہاں خواجہ صاحب کے پہلے خط کا جو عربی میں آپنے لکھا تھا ذکر ہے اسکے بعد یہ لکھا ہے کہ آپنے فرمایا کہ "مرزا صاحب مردے نیک و صالح است و نزد من کتابے از ملہمات خود فرستادہ است کمال او ازاں کتاب ظاہر است" یعنی مرزا صاحب نیک اور صالح انسان ہیں ۔ اور انہوں نے اپنے الہامات کی ایک کتاب میرے پاس بھیجی ہے جس سے انکی فضیلت اور بزرگی ظاہر ہوتی ہے ۔ اس فقرہ میں خواجہ صاحب نے الہامات حضرت مسیح موعود کا منجانب اللہ ہونا صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے ۔ اور پھر لکھا ہے کہ جب آپکی اس تصدیق پر بعض علمائے ظاہری نے مرزا صاحب کو برا کہنا شروع کیا اور آپکے حق پر ہونیکا انکار کیا تو آپ نے فرمایا "نے نے وے مرد صادق است مفتری و کاذب نیست" یعنی نہیں نہیں وہ یعنی مرزا صاحب صادق ہیں مفتری اور کاذب نہیں ۔ ایسا ہی کئی جگہ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر آیا ہے اور خواجہ صاحب مرحوم نے ہمیشہ آپکے منجانب اللہ اور صادق ہونیکی گواہی دی ۔ شاید بعض ناظرین فارسی عبارت مذکورہ بالا کو نہ سمجھ سکیں ۔ اس لیے ذیل میں ان عبارتوں کا ترجمہ دیا جاتا ہے ۔

" مجلس میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اور اس بات کا ذکر شروع ہوا کہ منکرین کیا کیا رد و قدح کرتے ہیں اور کسطرح برا کہتے ہیں ۔ ایک دانشمند حاضر تھا اس نے مرزا صاحب کی صفت اور ثنا شروع کی حضور خواجہ صاحب نہایت خوش اور مسرور ہوئے ۔ بعد اس کے آپنے فرمایا کہ مرزا صاحب کا سارا وقت خدائے عزّ وجلّ کی عبادت میں گذرتا ہے یا نماز پڑھتے ہیں یا تلاوت قرآن شریف کرتے ہیں یا دوسرے ایسے ہی شغل رکھتے ہیں ۔ اور اسلام اور دین کی حمایت پر ایسی کمر ہمت باندھی ہے کہ دین محمدی کی دعوت ملکہ لنڈن کو بھی کی ہے اور بادشاہان روس و فرانس وغیرہ کو بھی دعوت اسلام کی ہے ۔ اور تمام سعی اور کوشش انکی اسی میں ہے کہ یہ لوگ یعنی عیسائی عقیدۂ تثلیث اور صلیب کو جو سراسر کفر ہے چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو قبول کریں ۔ اور علمائے وقت کو دیکھو کہ جھوٹے مذہبوں والوں کو چھوڑ کر صرف ایک اسی نیک مرد کے درپے ہو گئے ہیں جو اہل سنت وجماعت سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے اور لوگوں کو ہدایت کا راہ دکھاتا ہے ۔ اور ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں ۔ انکے عربی کلام کو دیکھو

جو انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ اور انکی ہر ایک کلام معارف اور حقائق اور ہدایت سے پُر ہے۔ اور وہ عقائد اہل سنت وجماعت اور دین کے ضروری امور سے ہرگز منکر نہیں ہے۔ بعد اسکے فرمایا کہ مرزا صاحب نے اپنے مہدی ہونیکی تائید میں بہت سی علامتیں بیان کی ہیں لیکن ان سب میں سے دو علامتیں جو انہوں نے اپنی کتاب میں لکھی اور بیان کی ہیں انکے مہدی ہونیکے دعوے پر اعلیٰ درجہ کے گواہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی ایک گاؤں سے ظاہر ہوگا جسکا نام کدعہ ہوگا۔ اور کدعہ دراصل کادیان کا معرب ہے۔ یعنی اسی کی عربی صورت ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ دارقطنی میں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں جو جب سے اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیے ہیں کسی مدعی کیلیے ظاہر نہیں ہوئیں یعنی قمر کو ماہ رمضان میں (گرہن کی) پہلی رات کو گرہن لگیگا اور سورج کو (گرہن کے دنوں میں سے) درمیان کے دن گرہن لگے گا۔ چنانچہ جب ۶۔ اپریل ۱۸۹۴ء کو خسوف قمر اور کسوف شمس واقع ہوا تو مرزا صاحب نے اتمام حجت کے لیے چاروں طرف دنیا میں یہ اشتہار شایع کیا کہ یہ پیشین گوئی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہدی موعودؑ کے ظاہر ہونے کے لیے۔ بیان فرمائی تھی۔ اب پوری ہوگئی ہے اور سب پر واجب ہے کہ میرے مہدی ہونیکا اقرار کریں۔ اسپر اس زمانہ کے مولویوں نے بچوں کی طرح یہ سوال کیا۔ کہ حدیث شریف کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات کو چاند کو گرہن لگیگا۔ اور رمضان کے نصف میں سورج کو گرہن لگے گا اور یہ چاند گرہن ۱۳ ماہ رمضان کو اور سورج گرہن ۲۸ رمضان کو واقع ہوا ہے اور یہ خلاف منشائے حدیث ہے۔ وہ خسوف کسوف اور ہوگا جو سچے مہدی کے وقت میں ظاہر ہوگا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا سبحان اللہ مرزا صاحب حدیث شریف مذکور کے کیا عمدہ معنی بیان فرمائے ہیں اور منکر مولویوں کو کیسا اچھا جواب دیا ہے۔ سنو! مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حدیث شریف کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے مہدی کی تائید اور تصدیق کے لیے دو نشان مقرر ہیں اور جب سے زمین اور آسمان پیدا ہوئے ہیں وہ دو نشان کسی مدعی کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے۔ اور وہ دو نشان یہ ہیں کہ مہدی موعودؑ کے دعوے کے وقت میں گرہن اس پہلی رات میں ہوگا جو گرہن کی تین راتوں میں سے پہلی رات ہے یعنی تیرھویں رات رمضان کی۔ اور سورج گرہن اس دن واقع ہوگا جو سورج گرہن کے دنوں میں سے درمیان کا دن ہے۔ یعنی رمضان کا اٹھائیسواں دن۔ بعد اسکے حضور نے فرمایا کہ بیشک حدیث شریف کے یہی معنی ہیں جو مرزا صاحب نے بیان کیے ہیں کیونکہ چاند گرہن ہمیشہ تیرھویں یا چودھویں یا پندرھویں کو واقع ہوتا ہے۔ اور سورج گرہن ہمیشہ ستائیسویں یا اٹھائیسویں یا انتیسویں تاریخ کو ہوتا ہے پس جو چاند گرہن ۶۔ اپریل ۱۸۹۴ء کو واقع ہوا ہے وہ رمضان کی تیرھویں رات کو چاند گرہن کی پہلی رات کیہی واقع ہوا ہے اور ایسا ہی سورج گرہن درمیان کے دن میں واقع ہوا ہے۔

دوسری جگہ جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ یوں ہے۔

اسی اثناء میں حافظ گمون نے جو حدود گڑھی اختیار خاں کا رہنے والا ہے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نسبت گندے اور بُرے الفاظ میں ذکر شروع کیا۔ جس سے حضور خواجہ صاحب کا روشن چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور اس حافظ پر آپنے آواز بلند کی اور اُسے جھڑکا۔ اس نے عرض کیا کہ قبلہ جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی صفتیں اور حالات اور مہدی موعود کے وصف مرزا صاحب میں نہ پائے جائیں تو ہم کیونکر مان لیں کہ وہ عیسیٰ اور مہدی ہے۔ حضور خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مہدی کے وصف پوشیدہ اور پنہاں ہیں۔ اور وہ ایسے نہیں جو لوگوں نے اپنے دلوں میں سمجھ رکھے ہیں۔ اس میں کونسی تعجب کی بات ہے کہ یہی مرزا غلام احمد قادیانی مہدی ہوں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بارہ دجال ہیں پس اسیقدر مہدی بھی ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ عیسیٰ اور مہدی ایک ہی ہیں۔ بعد اس کے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مہدی کی ساری نشانیاں اسی کے مطابق ظاہر ہوں جو لوگوں نے اپنے خیال اور سمجھ کے مطابق اپنے دلوں میں قائم کر رکھی ہیں۔ حافظا بات تو اسکے خلاف ہے اگر وہی بات ہوتی جو لوگ خیال کرتے ہیں۔ تو ساری خلقت اس کو مہدی جان کر اسپر ایمان لے آتی۔ حالانکہ پیغمبروں کو دیکھتے ہیں کہ ہر نبی کی قوم کے چند گروہ ہوتے تھے۔ بعض لوگوں پر اس پیغمبر کا حال ظاہر ہو جاتا پس وہ ایمان لے آتے۔ اور بعض لوگوں پر اس پیغمبر کا حال مشتبہ رہتا۔ اور بعض پر بالکل اسکا حال ظاہر ہی نہ ہوتا پس اس گروہ نے انکار کیا اور کافر کہلائے۔ اگر ہر پیغمبر کی کل کی کل قوم پر اُس پیغمبر کا حال کُھل جاتا تو وہ سارے مسلمان ہی ہو جاتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہی دیکھو کہ آپکے اوصاف اور علامتیں کتب سماوی میں لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ظاہر اور مبعوث ہوئے۔ تو لوگوں نے بعض نشانیوں کو اپنے خیال کی سمجھ اور فہم کے مطابق نہ پایا۔ پس وہ لوگ جنپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کُھل گیا۔ وہ ایمان لے آئے اور جنپر حال نہ کھلا انہوں نے انکار کیا۔ یہی حال مہدی کا ہے پس اگر مرزا صاحب مہدی ہوں تو کونسا امر مانع ہے۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب مرحوم نہ صرف حُسن ظن کے طور پر ہی حضرت مسیح موعود کو صادق کہتے تھے بلکہ انکو آپکے ظاہری اور باطنی حالات سے ہر طرح کی آگاہی تھی اور آپکے دعوے اور اس کے دلائل اور مخالفین کے انکار کی وجوہ پر بھی آپ پوری اطلاع رکھتے تھے۔ اور نہ صرف آپکے قلب کی پاکیزگی نے ہی آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کے تسلیم کرنیکے لئے ہدایت کی تھی بلکہ آپکے دعوے اور دلائل پر بھی آپنے پورا پورا غور کیا ہوا تھا اور اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ مخالفین کے اعتراضات طفلانہ اعتراض ہیں۔ یہ صرف ایک مرد صادق کی شہادت ہے۔ لیکن اگر اس قسم کی شہادتوں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ بہت سے اولیاء اللہ اور بزرگوں نے یہ تصدیق کی ہے کہ رؤیا میں انپر حضرت مسیح موعودؑ کا منجانب اللہ ہونا ظاہر کیا گیا۔ اور بہتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں یہ بتایا کہ واقعی مرزا غلام احمد صاحب ہی مسیح موعود ہیں۔ جیسا کہ پیر صاحب العلم جو بلاد سندھ کے مشہور

مشائخ میں سے تھے۔ اور لاکھ سے زیادہ مرید انکے تھے۔ انہوں نے رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مسیح موعودؑ کی نسبت دریافت فرمایا۔ اور یہ شہادت دی۔ "انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستفسرته فی امرك وقلت بيّن لی یا رسول اللہ اھو کاذب مفتری او صادق۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه صادق ومن عند اللہ۔ فعرفت انك علی حق مبین وبعد ذلك لانشك فی امرك ولا نرتاب فی شانك ونعمل لما تأمر۔ فان امرتنا ان اذھبوا الی بلاد امریکه فانا نذھب الیھا وما تکون لنا خیرة فی امرنا وستجدنا انشاء اللہ من المطاوعین۔ یعنی مینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف میں دیکھا۔ پس مینے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کرتا ہے کیا یہ جھوٹا ہے اور مفتری ہے یا صادق ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس مینے سمجھ لیا کہ آپ حق پر ہیں۔ اب بعد اس کے ہم آپکے امور میں شک نہیں کرینگے۔ اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ آپ فرمائینگے ہم وہی کرینگے پس اگر آپ یہ کہو کہ ہم امریکہ میں چلے جاویں تو ہم وہیں جائیں گے۔ اور ہم نے اپنے تئیں آپکے حوالہ کر دیا ہے۔ اور آپ انشاء اللہ ہمیں سچے فرمانبردار پائیں گے۔ اس شہادت کو پیر صاحب موصوف نے اپنے مریدوں کے سامنے بھی باواز بلند بیان کیا اور کہا کہ مَیں انکو انکے دعوے میں حق پر جانتا ہوں۔ اب ایک طرف تو ان اولیاء اللہ کی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انپر حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت ظاہر کی ہے اور دوسری طرف مستہزئین کا استہزا اسی طرح پر ہے جیسا پہلے نبیوں کے وقت میں تھا۔ جس شہادت پر کوئی شخص چاہے عمل کرے۔ اب مَیں مستہزئین کی بھی ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ انکا حملہ صرف مرزا صاحب پر ہے یا کل سلسلہ انبیاء پر۔

ایک مکذّب کا استہزا

کل اناء یترشح بما فیه۔ گذشتہ تحریک نے جو وطن کے ذریعہ ریویو آف ریلیجنز کے متعلق ہوتی رہی۔ مولوی انشاء اللہ خاں کے اندرون کو باہر نکالدیا اور آخر انکی مدت کی مہر خاموشی ٹوٹکر اور صلح اور اتحاد کی فرضی پالسی کی رو دور ہوکر انہوں نے مستہزئین میں اول نمبر حاصل کرلیا ہے۔ کچھ مدت تو عبد الحکیم کی گالیوں کو چھاپ کر دل ٹھنڈا کیا لیکن چونکہ مدت کا روزہ رکھا ہوا تھا اس لیے اسقدر سے آپکو سیری نہ ہوئی اور اب اخبار وطن کے ایڈیٹوریل کالموں میں جعفر زٹلی کی تحریروں کا نقشہ ظاہر ہونے لگا ہے۔ چنانچہ اسی رنگ کا ایک مضمون وطن مورخہ ۳۔ اگست ۱۹۰۶ء میں نکلا ہے۔ لکھنے والا اپنا نام نقاش ظاہر کرتا ہے گو اس تمسخر اور استہزا کے لحاظ سے جو اس تحریر میں پایا جاتا ہے۔ نقال کا لفظ زیادہ

موزون ہوتا مگر دراصل یہ تحریر اگر مولوی انشاء اللہ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہ بھی ہو تو بھی انہوں نے اسے ایڈیٹوریل کالم میں جگہ دیکر اپنی ہی ظاہر کیا ہے۔ اور صفحہ ۵ کے نوٹ کے "بقول بدر مورخہ ۲۴ جولائی...... بدر کی تحریر آگے درج ہے" نقاش اور انشاء اللہ خاں میں رہا سہا فرق بھی دور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میرے مخاطب اس تحریر میں نقاش صاحب نہیں ہونگے بلکہ انشاء اللہ خانصاحب ہونگے۔ کیونکہ نقاشوں کی گالیوں اور استہزا کو ہم جعفر زٹلی سے بڑھکر نہیں سمجھتے لیکن مولوی انشاء اللہ خانصاحب چونکہ اپنے آپکو بڑا بھاری مسلمان سمجھتے ہیں بلکہ مصلح اور ریفارمر اور گریٹ مین۔ اس لیے مجھے یہ دکھانا مقصود ہوگا کہ ان مدعیان اصلاح کی جو اپنے اخباروں کو اسوقت مسلمانوں کی ڈوبتی ناؤ کو بچانیوالے بیان کرتے ہیں۔ اعتقادی حالت کیسی ہے اور آیا انکا حملہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہے یا کل سلسلہ نبوّت پر۔

مضمون کا ابتدا اس طرح سے ہے "ہمیں خوبیٔ قسمت سے جناب مرزا غلام احمدؐ صاحب کے صحف آسمانی یعنی ریویو آف ریلیجنز اور الحکم اور البدر کے بالالتزام و بالاستیعاب دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ان صحیفوں میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ حصہ ہے جسکا عنوان مرؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہوتا ہے" اب مَیں مولوی انشاء اللہ صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ طریق متانت ہے؟ کیا حضرت مرزا صاحب نے خود یا انکے مریدنے کبھی کہا کہ ریویو آف ریلیجنز اور الحکم اور البدر مرزا صاحب پر اُترے ہوئے آسمانی صحیفے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا یہ محض افترا اور کذب نہیں؟ ایک شخص جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بالالتزام اور بالاستیعاب ان رسالوں اور اخباروں کو پڑھنے والا ہے وہ اس بات سے بیخبر نہیں ہوسکتا کہ ان رسالوں اور اخباروں کے ایڈیٹر الگ الگ ہیں اور وہی ان میں مضامین لکھتے ہیں پس جس شخص کی تحریر کی پہلی سطر ہی افترا اور جھوٹ سے بھری ہوئی ہے اسکی تحریر کا اعتبار کیا ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ محض استہزا کے طور پر کہا گیا ہے اس سے افترا کا الزام دور نہیں ہو جاتا ہاں یہ سوال ہوگا کہ استہزا کرنا کن لوگوں کا کام ہے۔

مسلمانوں کے سامنے دونوں قسم کی مثالیں موجود ہیں سچے نبی سے اس کے مکذبین نے کیا سلوک کیا اور جھوٹے نبی سے صادقوں اور راستبازوں نے کیسا سلوک کیا۔ پہلی مثال کے لیے دور جانیکی ضرورت نہیں خاتم الانبیاء افضل الرسل حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر ہی غور کرلو۔ انسے کفار نے کیا سلوک کیا۔ کیسا کیسا استہزا آپ سے کیا کرتے تھے۔ جس کیلیے بار بار قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیگئی کہ یہ سنت اللہ ہے کہ ہر صادق رسول سے استہزا ہوتا چلا آیا ہے۔ مایأتیہم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن اور یہ استہزا کرنیوالے وہی لوگ تھے جو قوم میں بڑے معزز اور قوم کے سردار کہلاتے تھے۔ اور اپنے آپ کو مصلح اور آنحضرت کو مفسد قرار دیتے تھے جیسے آج یہ مکذبین مستہزئین اپنے آپ کو مصلح جانتے ہیں۔ قالوا انما نحن مصلحون۔ ابوجہل۔ ابولہب وغیرہ اپنی قوم کے معزز ارکان تھے۔ مگر وحی الٰہی پر ہنسی کرتے تھے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح آج حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات پر ہنسی کیجاتی ہے وہ آیات قرآنی پر ٹھٹھے کیا کرتے تھے اور مجلسوں میں وحی الٰہی کا مشغلہ بنایا کرتے تھے جیسا کہ قرآن شریف انکا ذکر ان الفاظ میں

کرتا ہے واذا رایت الذین یخوضون فی اٰیاتنا۔ آج مسیح موعودؑ کی وحی کو "خندہ آور ہزیانات اور ہفوات" کہنے والے غور کریں کہ یہی کچھ مکذبین نبی کریم آپ کی وحی کے متعلق کہا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو عقلمند اور مومنوں کو بیوقوف کہتے تھے کیونکہ انکے نزدیک آنحضرتؐ کا دعویٰ مضحکہ انگیز دعویٰ تھا جسکو سوائے احمقوں اور بیوقوفوں کے کوئی مان نہ سکتا تھا اسی لیے وہ کہتے تھے انؤمن کما اٰمن السفہاء۔ پھر اگر آج ہمیں عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کسی نے کہکر اپنا دل خوش کر لیا تو کوئی نئی بات نہیں کیونکہ جسطرح انبیاءؑ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح دوسری طرف مکذبین مستہزئین کا ورثہ لینے والے موجود ہوتے ہیں اب دوسری طرف مسیلمہ کذاب کو دیکھو۔ حالانکہ جو باتیں وہ بنا بنا کر پیش کیا کرتا تھا وہ نہایت گندی ہوتی تھیں مگر کیا صحابہؓ نے کبھی باوجود ان گندی باتوں کے بھی اس سے استہزا کیا۔ کیا جسطرح تم لوگ آپس ملکر حضرت مسیح موعودؑ پر ہنسی اڑاتے ہو اور تالیاں بجاتے ہو جسکی تھوڑی سی جھلک تمہاری تحریروں میں بھی نظر آتی ہے اسی طرح صحابہؓ مسیلمہ کذاب کے متعلق کیا کرتے تھے غور کر کے دیکھ لو اور خود ہی فیصلہ کر دو کہ تمہارا طریق وہ ہے جو اصحاب صحابہؓ کا ایک جھوٹے نبی کے متعلق تھا یا وہ جو مجرم اور تکذیب کرنیوالے قریش کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ پھر تمہیں خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ آیا حضرت مرزا صاحب اپنے دعوے میں صادق ہیں یا کاذب۔

افسوس اس بات پر ہے کہ باوجود ناواقفیت کے یہ لوگ تحریروں میں اسقدر شوخی اور جرأت سے کام لیتے ہیں حضرت مرزا صاحب کے الہامات کی تقسیم میں لکھا ہے۔ کہ "ایک حصہ میں ارحم الراحمین و احسن الخالقین اپنے بندوں کو زلزلہ طاعون ہیضہ، چیچک اور طرح طرح کی آفات ارضی و سماوی کے انعامات بھیجنے کی بشارت دیتا ہے"۔ اب اس بالفاظ خود "کم علم اور جاہل تنشگک" سے کوئی پوچھے کہ اگر آفات ارضی و سماوی کی خبر دینے سے کسی نبی کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر کونسا نبی سچا رہیگا؟ افسوس ہے کہ تفسیریں لکھنے تو بیٹھ جاتے ہیں۔ مگر قرآن شریف سے اتنی بھی واقفیت نہیں کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو آفات ارضی و سماوی کی خبر دی۔ کسی نے طوفان کی کسی نے آندھی کی کسی نے زلزلہ کی۔ لیکن اب اگر مرزا صاحب ایسی وحی بیان کریں تو اسپر ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ گویا ارحم الراحمین اور احسن الخالقین خدا نے نہ کبھی ایسا کیا اور نہ کریگا گویا کہ یہ امور اسکی ان صفات کے منافی ہیں اور اگر وہ ایسی خبر دیدے تو نہ ارحم الراحمین ہی رہا اور نہ احسن الخالقین ہی رہا۔ حیف ہے اس علم پر اور پھر یہ شوخی۔ بہرحال تم دیکھتے ہو کہ طاعون اور زلزلے اور وبائیں تمہیں ہلاک کر رہی ہیں پھر انکا بھیجنے والا وہی ارحم الراحمین اور احسن الخالقین ہے یا کوئی اور ہے مگر جب خدا کے مرسل نے خدا سے خبر پا کر تمہیں پہلے سے ان آفتوں اور بلاؤں کی اطلاع دی تو اسپر تم نے ہنسی کی اور ٹھٹھا کیا کہ یہ کیا وحی اور کیا الہام ہے کہ خدا بلائیں بھیجے گا اور باوجود اسکے کہ وہ بلائیں تم پر وارد ہو گئیں پھر بھی تم نے ٹھٹھے کو نہ چھوڑا پس تباہی تو تم اپنے مونہہ سے مانگ رہے ہو ہاں جسوقت اپنے آپ کو ارحم الراحمین کا رحم جذب کرنیکے قابل بناؤ گے تو وہی صفات اسکی تم پر جلوہ گر ہو جائیں گی۔ قرآن شریف کو درست کرو۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ

یغیروا ما بانفسھم۔ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو اور استہزا کے طریق کو چھوڑ و تا ارحم الراحمین بھی تم پر رحم کرے۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم مرزا صاحب سے ہنسی نہیں کرتے بلکہ خدا سے ہنسی کرتے ہو جس وقت یہ کہتے ہو کہ ارحم الراحمین اور احسن الخالقین خدا کا یہ کام نہیں کہ وہ کبھی اپنے بندوں پر عذاب بھی بھیجے۔ افسوس ہے کہ تم لوگ قرآن شریف کو جھٹلا کر خوش ہو رہے ہو کہ ہم نے مرزا صاحب کو جھٹلایا ہے۔

مکذّب کا بڑا اعتراض جسکو طرح طرح کے تمسخر آمیز پیرایوں میں ادا کیا ہے یہ ہے کہ گویا مرزا صاحب کے الہام گول مول ہوتے ہیں اور کسی واقعہ کو اپنے مفید مطلب پا کر جس الہام کو چاہا اسپر چسپاں کر لیا۔ اگر اسی اعتراض کو سیدھے سادے الفاظ میں بیان کر دیا ہوتا۔ تو معترض بغیر دلوں کو دُکھانیکے اپنا مطلب حاصل کر سکتا تھا۔ اس اعتراض کو تقویت دینے کے لیے چند الہامات کو لے کر چند فرضی واقعات پر معترض نے لگانا چاہا ہے جسکی غرض خالی ان الہامات سے ہنسی کرنا ہے۔ مگر اسکو چاہیئے تھا کہ جن پیشگوئیوں کے پورا ہونیکا حضرت مسیح موعودؑ نے دعویٰ کیا ہے انکو لیکر دکھاتا کہ دراصل آپ ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں کہ چند گول مول الہام شایع کر چھوڑتے ہیں پھر اتفاقاً کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو اسپر انکو چسپان کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ وہ ہرگز نہیں دکھا سکتا۔ کاش ان لوگوں کے دلوں میں کچھ حق کا پاس ہوتا۔ تو پیشگوئیوں اور معجزات کے بارے میں جو سنت اللہ ہے اس کے رو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کو دیکھتے تو انپر کوئی امر مشتبہ نہ رہتا۔ مگر یہ تو اسوقت ہو سکتا ہے کہ لکھنے والے کی غرض احقاق حق ہو نہ یہ کہ تمسخر کر کے چند جہلا کو خوش کیا جاوے۔ سارے پورانے نشانوں کو چھوڑ کر جن میں وہ نشان بھی ہیں جن کے متعلق براہین احمدیہ میں نہایت صاف الفاظ میں پیشگوئیاں ہیں اور وہ آج صفائی سے پوری ہو رہی ہیں صرف انہیں تازہ دس نشانوں کو لے لو جو ضرور ”ریویو آف ریلیجنز اور الحکم اور البدر کو بالالتزام بالاستیعاب“ پڑھنے والے کے مطالعہ میں آئے ہونگے اور حلف اُٹھا کر اسبات کی شہادت دو کہ آیا یہ پیشگوئیاں ویسی ہی ہیں جیسے تمسخر سے وطن میں بعض الہامات کو فرضی واقعات پر لگایا گیا ہے۔ ایک کرم دین کے مقدمہ کی پیشگوئیوں کو ہی لے لو۔ اول دو سخت مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی کے حضرت مرزا صاحب پر ہوتے ہیں پہلی تاریخ پیشی کی ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء مقرر ہوتی ہے۔ ادھر ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان سے روانگی کے وقت ایک کتاب مواہب الرحمن نام جسکا اخیری حصہ اُسی ماہ جنوری ۱۹۰۳ء میں ہی لکھا گیا ہے اور جو عین روانگی کے دن ہی مکمل ہو کر شایع ہوئی ہے ساتھ لی جاتی ہے اور اس کتاب کو ہر سٹیشن پر موافقوں اور مخالفوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے اور پھر پیشی کے دن عین احاطہ کچہری میں بمقام جہلم یہی کتاب تقسیم کیجاتی ہے۔ یہانتک کہ ایک مخالف مولوی اسے دہیں پڑھکر ہزارہا لوگوں میں سناتا ہے اور سناتا بھی وہ حصہ ہے جس میں اسی مقدمہ کے متعلق پیشگوئی ہے (یہ سب کچھ اسی مستغیث کرم دین کا حلفی بیان دوسرے مقدمہ میں ہے) اب اس پیشگوئی کے الفاظ کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں آیا ان میں تعیین مقدمہ۔ اور تعیین بریت کے یا نہیں۔ (ابیت

کانی احضرت محاکمة کالماخوذین۔ یہ عبارت صاف طور پر بتاتی ہے کہ ایک مقدمہ ہی جس میں آپ بطور ملزم حاضر ہو گئے (یہ رؤیا اصل میں اس سے ایک سال سے زیادہ پہلے کا ہے جو الحکم میں نومبر ۱۹۰۱ء میں شایع شدہ ہے) اور انجام کی نسبت ایسے ہی صاف الفاظ میں یہ خبر موجود ہے و رایت ان اخر امری نجات بفضل رب العلمین۔ اور میں نے دیکھا کہ اس مقدمہ میں میرا آخر امر خدا کے فضل سے بریت ہے۔ کیا یہ ایمانداری ہے کہ اس قدر صریح اور صاف شہادت کے ہوتے ہوئے اور طرح کی تعیین کے باوجود پبلک کو یہ دھوکہ دیا جاوے کہ مرزا صاحب گول مول الفاظ کو بعد میں پیش آمدہ واقعات چسپاں کر کے انکو پیشگوئیاں بنا کر مشتہر کر دیتے ہیں۔ ایک شخص ایک نہیں بلکہ دو مقدموں میں ملزم ہو کر جاتا ہے اور دنیا اسکی مخالفت پر تلی ہوئی ہے۔ اور مذہبی تعصب اس کے خلاف جوش میں ہے۔ ایسا شخص اپنی طرف سے یہ دعویٰ کر سکتا ہے (اور وہ بھی اس سے پہلے کہ مقدمہ کی کوئی پیشی ہوئی ہو) کہ میں یقیناً یقیناً اس مقدمہ میں بری ہونگا اور پھر یہ یقین اس کے دل میں اسقدر بھرا ہوا ہے کہ مخالفوں اور موافقوں میں کتاب کو اسی یقین کی وجہ سے شایع کر رہا ہے۔ کیا یہ گول مول پیشگوئی ہے؟ خدا کا خوف دل میں لیکر غور کرو اور جھوٹی اکڑبازیوں اور شیخیوں کو چھوڑو۔ کیونکہ صداقت ہمیشہ انکساری کی راہ سے ملتی ہے۔ پھر اپنی بریت کی خبر کے علاوہ ساتھ ہی اسی جگہ اسی کتاب میں یہ خبر بھی دیگئی ہے ان البلاء یرد علی عدو الکذاب المہین۔ یعنی وہ بلا جو مجھ پر کرم دین بھیجنی چاہتا ہے۔ وہ اسی میرے دشمن پر جو کذاب اور اہانت کنندہ ہے لوٹائی جائیگی۔ یعنی بجائے مجھے ملزم ثابت کرنیکے وہ خود ملزم بنیگا اور وہ مجھکو جھوٹا ثابت کرنا چاہتا ہے لیکن خود جھوٹا ثابت ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسکے متعلق اور زیادہ صراحت سے پیشگوئیاں بھی موجود ہیں چنانچہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کی پیشگوئی جو اسی سال کے جولائی کے پرچے میں شایع ہوئی ہے اسوقت کی ہے جب ادھر کرم دین ایک اور مقدمہ حضرت مسیح موعودؑ پر دائر کرچکا تھا جو فوجداری مقدمہ تھا اور بعض مریدین مرزا صاحب کی طرف سے کرم دین پر مقدمہ دائر ہو چکا تھا۔ ان مقدموں کے "انجام کے متعلق" یہ پیشگوئی حضرت اقدس نے شایع فرمائی اور فیصلہ سے سوا سال پہلے بلکہ آخری فیصلہ عدالت اپیل سے ڈیڑھ سال سے بھی زیادہ پہلے شایع فرمائی کہ ان مقدمات میں جو فریق حق پر ہے یعنی مرزا صاحب بری ہوجاویگے اور جو فریق جھوٹ بول رہا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے یعنی آپ کا فریق مخالف وہ ملزم ہوگا۔ اسکے علاوہ ایک اور الہام جو مقدمہ کے انجام کے متعلق اخبارات یعنی الحکم اور بدر میں شایع ہوچکا تھا یہ تھا کہ ساکرم اث بعد توہینک یعنی اول توہین ہوگی پھر خدائے تعالیٰ بریت دیکر اعزاز اور اکرام فرمائیگا۔ یہ پیشگوئیاں اور الہامات اثنائے مقدمہ میں شایع ہوئے ایسے وقت میں جبکہ مقدمہ ایک آریہ سماجی مجسٹریٹ کے سامنے پیش تھا کیا ایک ملزم اسقدر دعوے سے یہ کہہ سکتا ہے کہ نہ صرف وہ خود مقدمہ میں بری ہوگا بلکہ اسکا فریق مخالف دوسرے مقدمہ میں مجرم قرار دیا جاویگا اور ملزم بھی ایسا جو جانتا ہے کہ ساری دنیا میری مخالفت پر تلی ہوئی ہے۔ پھر جب مدت بعد پہلے مجسٹریٹ نے دونوں مقدموں میں ملزموں کے خلاف فیصلہ کیا اور دونوں کو مجرم قرار دیا۔ تو اسوقت ساری اخباروں میں یہ شور مچا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی نکلی اگر کوئی پیشگوئی ہی نہ تھی تو مخالفین نے یہ شور کیوں مچایا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ صراحت سے پیشگوئی بریت کی کیگئی تھی۔ اسجگہ یہ بات بھی

دیکھنے کے قابل ہے کہ اسوقت حضرت مرزا صاحب یا انکے فریق نے کیا جوابدیا۔ اگر انکو یہ یقین کامل نہ ہوتا کہ مرزا صاحب بری کئے جاوینگے تو اسوقت میں وہ یہی جواب دیتے کہ بریت کی کوئی پیشگوئی نہیں ہے۔ مگر اُسوقت مخالفین کو یہی جوابدیا گیا کہ ابھی آخری فیصلہ کی انتظار کرو اور آخری فیصلہ ضرور ہمارے حق میں ہوگا اور یقیناً مرزا صاحب بری کئے جاوینگے۔ اور آخر عدالت اپیل نے حضرت مرزا صاحب کو نہایت عزت سے بری کیا یہ خدا کا فعل تھا۔ کیونکہ اگر مجسٹریٹ ہندو تھا تو سشن جج ایک پادری کا بیٹا تھا۔ کیا کوئی حق پسند آدمی ہے جو ان واقعات پر غور کرکے وطن کے جھوٹ کو ظاہر کرے جو کہتا ہے کہ گول مول الہامات کو توڑ مروڑ کر یونہی پیش آمدہ واقعات پر لگا لیا جاتا ہے۔ اور عجیب تر یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں نہ صرف اپنی بریت کی خبر تھی بلکہ فریق مخالف کے مجرم قرار دیا جانیکی بھی خبر تھی اور وہ فیصلہ ہمیشہ کے لیے قائم رہ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر گواہ ہوگیا۔

ایسی مثالیں بہت سی ہیں۔ لیکن غور کرنیوالے کیلیے ایک دو بھی کافی ہیں۔ ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ چراغدین ساکن جموں نے رسالت کا دعویٰ کیا۔ اور حضرت مرزا صاحب نے اپنے رسالہ دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء میں چراغدین کا نام لیکر اور اس کے دعوے کا ذکر کرکے یہ خدا کی وحی شایع کی۔ کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو خدا اُسے فنا کردیگا اور اسکو غارت کریگا اور اپنا غضب نازل کریگا۔ یہ لفظ بعینہٖ پیشگوئی میں موجود ہیں۔ اور یہ پیشگوئی ۱۹۰۲ء میں شایع ہوئی۔ سو اول اس نے توبہ کی مگر بعد میں پھر مخالف ہوگیا اور کتاب منارۃ المسیح میں مرزا صاحب کو سب و شتم کیا اور آپ دعویٰ رسول ہونیکا کیا۔ اس کتاب کے شایع ہونے سے ایک سال کے عرصہ میں اول اسکے دونوں بیٹے اسکی آنکھوں کے سامنے طاعون سے ہلاک ہوئے اور پھر خود نہایت یاس اور حسرت سے اور ناکام اور نامراد رہ کر ہلاک ہوا۔ کیا اس سے بھی بڑھکر بیّن ثبوت اس وحی کے منجانب اللہ ہونیکا ہو سکتا ہے۔ مگر یاد رکھو جیسا تم اب اس پیشگوئی پر ہنسی کر رہے ہو کہ ایک ایسا سخت عذاب دنیا پر آنیوالا ہے جسکی نظیر ان پہلے عذابوں میں نہیں جو سخت ہلاکت والا اور سخت تباہی ڈالنے والا ہو جسکی طرف اللہ تعالیٰ کے الفاظ **عالم کباب** اشارہ کرتے ہیں۔ ایسا ہی ان پہلی پیشگوئیوں پر بھی انکو بعید از قیاس سمجھکر ہنسی کیگئی تھی مگر کسی کی ہنسی اور استہزا خدا کی باتوں کو پورا ہونے سے روک نہیں سکتی۔ ہاں استہزا **مستہزئین** پر ہی اُلٹ پڑتا ہے جس طرح اخبار وطن میں اس نام **عالم کباب** پر ہنسی کی گئی ہے اور نہایت درجہ کے استہزا کے ساتھ کبھی شامی کباب کبھی کباب اور چٹنی کبھی بریانی بورانی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ایسا ہی استہزا ابو جہل اور کفار مکہ نے لفظ **ذقوم** سے اُسوقت کیا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی ان شجرت الزقوم **طعام الاثیم**۔ تو ابو جہل اور کفار مکہ نے استہزا کے طور پر زبد اور تمر یعنی کھجور مکھن کو ملا کر کثرت سے کھانا شروع کیا اور کہا کہ کیا اس سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے۔ اور بعضوں نے ہنسی کی کہ دوزخ کی آگ میں درخت کیونکر ہو سکتے ہیں مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ ایسے استہزاؤں کو آریوں یا بعض بدزبان پادریوں کے لیے رہنے دیتے۔ مگر افسوس ہے کہ اخبار وطن میں بھی آریہ مسافر میگزین کو ہی نقل کیا گیا ہے۔

پھر اس الہام الٰہی پر ہنسی کی گئی ہے "تنزلزل در ایوان کسرٰی فتاد" کہ یہ الہام ہم ایک دفعہ پہلے بھی جب ہماری عمر کوئی آٹھ نو سال کی ہوگی سعدی شیرازی کی زبان سے سُن چکے ہیں..... معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہماری مکاتب میں

بوستان مروج ہے۔ اسی طرح عالم بالا کے مدارس کے نصاب میں بھی یہ بہترین تصنیف داخل ہے اور ممکن ہے کہ خدا نے الہام کے روز روح الامین کو اسی مصرعہ کا قاصد بنا کر دارالامان میں بھیجا ہو" ایسے بیباک کو جو مرزا صاحب پر ہنسی کرنیکے لیے قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے سے بھی نہیں ٹلتا میرا جواب کیا فائدہ دے سکتا ہے لیکن اگر یہ پرچہ وطن کے ناظرین میں سے کسی ایسے کے ہاتھ آئے جسکو طلب حق ہو تو وہ اس سے ضرور فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ قرآن شریف میں بہت سے قصے ایسے موجود ہیں جو پہلی کتابوں میں بھی ہیں بلکہ کفار قریش نے تو یہ مشغلہ اختیار کیا ہوا تھا کہ چلو ایسے قصے ہم بھی بنا سکتے ہیں اور وہ اپنی مجلسوں میں قرآن شریف کے ان قصص پر استہزا کے لیے طرح طرح کے قصے بیان کیا کرتے تھے۔ اور جس طرح آج ایک مسلمان بلکہ مصلح کہلانیوالا یہ کہتا ہے کہ جبرائیل کو ایسا کلام لانیکی ضرورت نہیں ہے جو کسی انسان کے کلام میں پہلے سے موجود ہے۔ اسی طرح کفار کہتے تھے بلکہ آج تک ان کے وارث عیسائی صاحبان یہی کہتے ہیں۔ کہ جب یہ قصے پہلے موجود تھے تو جبرائیل کی انکو وحی الٰہی کے طور پر لانیکی کیا ضرورت تھی۔ مگر افسوس ان مسلمانوں پر جو حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں اندھے ہو کر انہی اعتراضوں کو دوہرا رہے ہیں جو عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں بعینہٖ اسی طرح جس طرح عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اندھے ہو کر ان اعتراضوں کو مضبوط کر رہے ہیں اور دوہرا رہے ہیں جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کرتے تھے۔ سچے نبی کا یہی ایک بڑا بھاری امتیازی نشان ہے کہ جو اعتراض اسپر کیا جائیگا وہ ساری نبیوں پر پڑیگا جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ایسے مامور من اللہ کو رد کرتا ہے وہ گویا کل سلسلۂ نبوت کو رد کرتا ہے۔ اگر یہ لوگ کچھ سوچ سمجھکر اعتراض کریں تو نہ آپ ٹھوکر کھائیں نہ دوسروں کو گمراہ کرنیوالے ٹھہریں۔ اصل حکمت اس میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جب کسی انسان کے کلام کو لیتا ہے تو وہ اسکو ایک معجزہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے حالانکہ انسانی کلام محض ایک گذشتہ واقعہ کا بیان ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے جسقدر قصص گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے اور انکے مخالفین کے بیان کیے ہیں وہ بطور پیشگوئی کے ہیں کہ جس طرح وہ نبی کامیاب ہوئے حالانکہ اُنکی کامیابی کا کوئی ظاہر سامان نظر نہ آتا تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ بھی کامیاب ہونگے اور جس طرح اُنکے مخالف مغلوب اور ہلاک ہوئے اسی طرح آپکے مخالف بھی مغلوب اور ہلاک ہونگے۔ اسی طرح سعدی کا ایک مصرعہ سعدی کے منہ میں ایک گذشتہ واقعہ کا بیان تھا لیکن جب خدائے تعالیٰ نے اسی کلام الٰہی کے طور پر اپنے ایک مامور پر اُتارا تو اب یہ اپنے اندر ایک پیشگوئی رکھتا ہے جس طرح عفت الدیار محلھا ومقامھا بھی ایک انسان کا مصرعہ تھا مگر جب خدا نے اسی بطور کلام الٰہی نازل کرکے اسکی صداقت ظاہر کی تو تم بھی ۱۴- اپریل ۱۹۰۵ء کی صبح کو چلا اُٹھے تھے۔ اب اسکو بھی اپنے وقت پر پورا ہوتا دیکھ لوگے قبل از وقت باتیں بنانیسے کوئی فائدہ نہیں۔ اور کچھ نہیں کر سکتے تو اپنی زبان کو بند کرکے انتظار ہی کرو۔ ایسا ہی اخبار وطن کے یہ فقرات کہ "ممکن ہے کہ آگے چلکر مسیح موعودؑ کو اپنی کسی اہلیہ کے چال چلن کی نسبت شبہ ہو...... اور خدا انکی گریہ زاری پر رحم کھا کر کسی آیت تطہیر کے نزول سے اہلیہ مذکور کی برأت کا اعلان کردے" اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ جو کچھ مکذب نے لکھا ہے۔ وہ حضرت عائشہ پر افک اور صدیقہ کی بریت کا نقشہ ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور جسکی حدیث صحیح سے بھی خبر ملتی ہے۔ (باقی آئندہ)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

خدا سچّے کا حامی ہو

آمین

اس امر سے اکثر لوگ واقف ہونگے کہ ڈاکٹر عبد الحکیم خانصاحب جو تخمیناً بیس برس تک میرے مریدوں میں داخل رہے چند دنوں سے مجھ سے برگشتہ ہوکر سخت مخالف ہوگئے ہیں اور اپنے رسالہ المسیح الدجال میں میرا نام کذّاب مکّار شیطان دجّال شریر حرامخور رکھا ہے اور مجھے خائن اور شکم پرست اور نفس پرست اور مفسد اور مفتری اور خدا پر افترا کرنیوالا قرار دیا ہے اور کوئی ایسا عیب نہیں ہے جو میرے ذمہ نہیں لگایا۔ گویا جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ان تمام بدیوں کا مجموعہ میرے سوا کوئی نہیں گذرا اور پھر اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کا دَورہ کرکے میری عیب شماری کے بارہ میں لیکچر دیے اور لاہور اور امرتسر اور پٹیالہ اور دوسرے مقامات میں انواع و اقسام کی بدیاں عام جلسوں میں میرے ذمہ لگائیں اور میرے وجود کو دنیا کے لیے ایک خطرناک اور شیطان سے بدتر ظاہر کرکے ہر ایک لیکچر میں مجھ پر ہنسی اور ٹھٹھا اڑایا۔ غرض ہم نے اُس کے ہاتھ سے وہ دُکھ اُٹھایا جسکے بیان کی حاجت نہیں اور پھر میاں عبد الحکیم صاحب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہر ایک لیکچر کے ساتھ یہ پیشگوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ مجھے خدا نے الہام کیا ہے کہ "یہ شخص تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائیگا اور اسکی زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ کیونکہ کذّاب اور مفتری ہے۔" مینے اسکی ان پیشگوئیوں پر صبر کیا مگر آج جو ۱۶- اگست سنہ ۱۹۰۶ء ہے پھر اسکا ایک خط ہمارے دوست فاضل جلیل مولوی **نور الدین** صاحب کے نام آیا اس میں بھی میری نسبت کئی قسم کی عیب شماری اور گالیوں کے بعد لکھا ہے کہ ۱۲- جولائی سنہ ۱۹۰۶ء کو خدا تعالیٰ نے اس شخص کے ہلاک ہونیکی خبر مجھے دی ہے کہ اس تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائیگا جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی **تو اب میں بھی** اس بات میں کچھ مضایقہ نہیں دیکھتا کہ جو کچھ خدا نے اسکی نسبت میرے پر ظاہر فرمایا ہے میں بھی شایع کروں اور درحقیقت اس میں قوم کی بھلائی ہے کیونکہ اگر درحقیقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک کذّاب ہوں اور پچیس برس سے دن رات خدا پر افترا کر رہا ہوں اور اُسکی عظمت اور جلال سے بے خوف ہوکر اُسپر جھوٹ باندھتا ہوں اور اسکی مخلوق کے ساتھ بھی میرا یہ معاملہ ہے کہ میں لوگوں کا مال بددیانتی اور حرامخوری کے طریق سے کھاتا ہوں اور خدا کی مخلوق کو اپنی بدکرداری اور نفس پرستی کے جوش سے دُکھ دیتا ہوں تو اس صورت میں تمام بدکرداروں سے بڑھکر سزا کے لایق ہوں تا لوگ میرے فتنہ سے نجات پاویں اور اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ میاں عبد الحکیم خان نے سمجھا ہے تو میں امید رکھتا ہوں کہ خدا مجھکو ایسی ذلّت کی موت نہیں دیگا کہ میرے آگے بھی

لعنت ہو اور میرے پیچھے بھی۔ مَیں خدا کی آنکھ سے مخفی نہیں مجھے کون جانتا ہے مگر وہی۔ اس لیے مَیں اس وقت دونوں پیشگوئیاں یعنی عبد الحکیم خاں کی میری نسبت پیشگوئی اور اُس کے مقابل پر جو خدا نے میرے پر ظاہر کیا ذیل میں لکھتا ہوں اور اس کا انصاف خدائے قادر پر چھوڑتا ہوں۔ اور وہ یہ ہیں:-

میاں عبد الحکیم خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی میری نسبت پیشگوئی

جو اخویم مولوی نور الدین صاحب کی طرف اپنے خط میں لکھتے ہیں اُن کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

"مرزا کے خلاف ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۶ء کو یہ الہامات ہوئے ہیں۔ مرزا مُسرف کذّاب اور عیّار ہے صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے"۔ ✤

اس کے مقابل پر وہ پیشگوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میاں عبد الحکیم خانصاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ کی نسبت مجھے معلوم ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں † اُن پر کوئی غالب نہیں آسکتا فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے ‡ پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا ☩

رب فرّق بین صادق و کاذب۔ انت تریٰ کل مصلح و صادق ‡

✤ اس میں میاں عبد الحکیم خاں نے خدا کے اصل لفظ بیان نہیں کیے بلکہ یہ کہا کہ تین سال میعاد بتائی گئی۔ منہ

† خدا تعالیٰ کا یہ فقرہ کہ وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عبد الحکیم خاں کے اس فقرہ کا رد ہے کہ جو مجھے کاذب اور شریر قرار دیکر کہتا ہے کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائیگا گویا مَیں کاذب ہوں اور وہ صادق۔ اور وہ مرد صالح ہے اور مَیں شریر اور خدا تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ جو خدا کے خاص لوگ ہیں وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں ذلّت کی موت اور ذلّت کا عذاب اُنکو نصیب نہیں ہوگا اگر ایسا ہو تو دنیا تباہ ہو جائے اور صادق اور کاذب میں کوئی امر فارق نہ رہے۔ منہ

‡ اس فقرہ میں عبد الحکیم خاں مخاطب ہے اور فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار سے آسمانی عذاب مراد ہے کہ جو بغیر ذریعہ انسانی ہاتھوں کے ظاہر ہوگا۔ منہ

☩ یعنی تو نے یہ غور نہ کی کہ کیا اس زمانہ میں اور اس نازک وقت میں اُمّت محمدیہ کیلئے کسی دجال کی ضرورت ہے یا کسی مصلح اور مجدد کی۔ منہ

‡ یعنی اے میرے خدا صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا تو جانتا ہے کہ صادق اور مصلح کون ہے۔ اس فقرہ الہامیہ میں عبد الحکیم خاں کے اس قول کا رد ہے جو وہ کہتا ہے کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائیگا۔ پس چونکہ وہ اپنے تئیں صادق ٹھہراتا ہے خدا فرماتا ہے کہ تُو صادق نہیں ہے مَیں صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلاؤں گا۔ منہ

المشتہر۔ میرزا غلام احمد مسیح موعود قادیانی ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء مطابق ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۶ء | نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ ستمبر ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۱- اگست ۱۹۰۶ء - ۱- شب گذشتہ کو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ اس قدر زنبور ہیں (جن سے مراد کمینہ دشمن ہیں) کہ تمام سطح زمین اُن سے پُر ہے اور ٹڈی دل سے زیادہ انکی کثرت ہے۔ اسقدر ہیں کہ زمین کو قریباً ڈھانک دیا ہے اور تھوڑے اُنہیں سے پرواز بھی کر رہے ہیں جو نیش زنی کا ارادہ رکھتے ہیں مگر نامراد ہے اور مَیں اپنے لڑکوں شریف اور بشیر کو کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھو اور بدن پر پھونک لو کچھ نقصان نہیں کریں گے اور وہ آیت یہ ہے وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ - پھر بعد اس کے آنکھ کھل گئی - ۲- الہام ہوا نصرت بالرعب و قالوا لات حین مناص ترجمہ - رُعب کے ساتھ تیری نصرت کی گئی اور مخالفوں نے کہا اب کوئی جائے پناہ نہیں - ۳- قریباً نصف رات کے بعد الہام ہوا - صبر کر خدا تیرے دشمن کو ہلاک کریگا - ۲۳- اگست ۱۹۰۶ء - الہام - آج کل کوئی نشان ظاہر ہوگا - یعنی عنقریب کوئی نشان ظاہر ہونے والا ہے - ۲۵- اگست ۱۹۰۶ء - الہام شفیع اللّٰہ - فرمایا - اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے یہ میرا نام رکھا ہے اور اس کے معنے ہیں - اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا شفیع - ۴- ستمبر ۱۹۰۶ء الہام - انّی مع الروح آتیك بغتةً - ترجمہ - مَیں روح کے ساتھ اچانک تیرے پاس آؤنگا - رؤیا - فرمایا آج ہی ایک خواب میں دیکھا کہ "ایک چوغہ زریں جس پر بہت سنہری کام کیا ہوا ہے مجھے غیب سے دیا گیا ہے - ایک چور اُس چوغہ کو لیکر بھاگا - اُس چور کے پیچھے کوئی آدمی بھاگا جس نے چور کو پکڑ لیا اور چوغہ واپس لے لیا بعد اس کے وہ چوغہ ایک کتاب کی شکل میں ہو گیا جسکو تفسیر کبیر کہتے ہیں - اور معلوم ہوا کہ چور اسکو اس غرض سے لے کر بھاگا تھا کہ اس تفسیر کو لیکر نابود کر دے" فرمایا اس کشف کی تعبیر یہ ہے کہ چور سے مراد شیطان ہے - شیطان چاہتا ہے کہ ہماری ملفوظات لوگوں کی نظر سے غائب کر دی مگر ایسا نہیں ہوگا - اور تفسیر کبیر جو چوغہ کے رنگ میں دکھائی گئی اسکی یہ تعبیر ہے کہ وہ ہمارے لیے موجبِ عزت اور زینت ہوگی - واللہ اعلم ۵- ستمبر ۱۹۰۶ء - رؤیا میں دیکھا کہ ڈاکٹر عبد الحکیم (جو اب مرتد ہو گیا ہے اور سخت معاند سلسلہ ہے) ہمارے مکان کے پاس کھڑا ہے اور والدہ میر محمد اسحاق (زوجہ میر ناصر نواب صاحب) اسکو اپنے گھر میں بلاتی ہیں - مگر مَیں نے اسے اندر آنے نہیں دیا - اور مَیں نے کہا کہ مَیں نہیں آنے دینا اس میں ہماری بے عزتی ہے (دشمن کے گھر میں داخل ہونے سے مراد کوئی مصیبت یا موت ہوتی ہے اور وہ اندر نہیں آسکا یعنی خدا نے اس بلا کو ٹال دیا) پھر الہام ہوا - انّی احافظ کل من فی الدار (مَیں ان سب کی حفاظت کرونگا جو اس گھر میں ہیں) یہ الہام حضرت اقدسؑ کو پہلے بھی طاعون کے متعلق ہو چکا ہے - علاوہ اس کے ایک گوشت کا ٹکڑا خواب میں دکھایا گیا - جو کسی غم کی طرف دلالت کرتا تھا - اور یہ بھی دیکھا کہ ایک انڈا میرے ہاتھ میں ہے جو کہ ٹوٹ گیا ہے - ان سب خوابوں پر ایک دن گذرنے پایا تھا کہ محمد اسحاق میر ناصر نواب صاحب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

احادیث کی صداقت پر تاریخی شہادت

احادیث کی صداقت پر ایک شہادت میں نے گذشتہ رسالے میں پیش کی ہے۔ اس مضمون میں میں صرف ایسی شہادت پیش کرونگا جو اپنے اندر تاریخی ثبوت رکھتی ہے۔ نہ صرف شریعت اسلامی کی بنیاد ہی قرآن شریف کے بعد حدیث نبوی پر رکھی گئی ہے۔ بلکہ اسلام کی ابتدائی تاریخ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی سوانح اور آپ کی پیشگوئیوں کا بڑا بھاری ذخیرہ قرآن کریم کے بعد حدیث میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور اس لیے ضروری ہے کہ اس امر میں کہ حدیث کہاں تک قابل اعتبار ہے نظر غائر کیجاوے اس قسم کی تحقیق و تدقیق کی ضرورت اور بھی زیادہ ثابت ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عیسائی صاحبان نے اس بارہ میں سخت ٹھوکر کھائی ہے اور اس وجہ سے کہ انکے دلوں میں اسلام کے خلاف ایک سخت تعصب جما ہوا ہے انہوں نے احادیث کے قابل اعتبار ہونے پر سخت حملے کیے ہیں اور زیادہ تر عجیب بات یہ ہے کہ جب خود احادیث سے واقعات کو اخذ کیا ہے تو کمزور سے کمزور بلکہ غلط اور موضوع احادیث کو صحیح احادیث پر ترجیح دی ہے صرف اس لیے کہ تا اسلام یا بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کرنے کیلیے کوئی موقع ہاتھ آجائے۔ عیسائی صاحبان کی تعصب کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ان کی تحریروں میں عجیب رنگ کا تضاد پایا جاتا ہے۔ جب یہ لوگ احادیث کے اعتبار اور صداقت کے متعلق اصول تجویز کرتے ہیں تو اس وقت اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثوں کو بھی پایۂ اعتبار سے ساقط دکھانا چاہتے ہیں اور جب کوئی اپنے مطلب کی حدیث ہاتھ آجائے جس سے ان کے زعم میں اسلام یا بانی اسلام صلی اللہ علیہ سلم پر کوئی حملہ ہو سکے تو اُن احادیث کو بھی اپنی کتابوں میں خوشی سے درج کر دیتے ہیں جن کی نسبت محدثین نے بالاتفاق شک ظاہر کیا ہوتا ہے بلکہ جنکو انہوں نے غلط اور موضوع قرار دیا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں سر ولیم میور کی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں۔ میور کی لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ سلم) انگریزی زبان میں اعلیٰ درجہ کی مستند اور معتبر کتاب تسلیم کیجاتی ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں احادیث کو بالکل پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ثابت کرنا چاہا ہے۔ حتیٰ کہ بخاری جیسی کتاب۔ جو اہل اسلام میں حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب تسلیم کیگئی ہے

اس کے متعلق میور صاحب لکھتے ہیں کہ اگرچہ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیث میں سے صرف چار ہزار کی صحت پر پورا اعتبار کرکے انکو اپنی کتاب میں لکھا ہے لیکن اس منتخب تعداد میں سے بھی یورپین منتقد بلا تامل آدھی حدیثوں کو رد کردیگا۔" یورپین منتقد بلا تامل ایسا کرے یا بغیر سوچنے کے اور پرکھنے کے اس سے مجھے اسوقت بحث نہیں ہے مگر حیرت اس بات پر آتی ہے کہ یہی یورپین منتقد جو اپنے آپ کو اس موقع پر ایسا عظیم الشان محقق ظاہر کرتا ہے کہ بخاری جیسی صحیح کتاب میں سے جو تمام مسلمان منتقدوں کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ آدھی حدیثوں کو بلا تامل رد کرتا ہے۔ تھوڑی ہی دور آگے چلکر واقدی جیسی کتاب کی حدیثوں کو اپنے اعتراضوں کی تائید میں پیش کرتا ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک روایت کے رو سے بالکل اعتبار سے گرا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ ایک ایسے شخص کی نسبت جسکی تحقیق سب کے نزدیک مسلم ہے یہ رائے ظاہر کیجاتی ہے کہ اس کی آدھی حدیثیں بلا تحقیق رد کردینی چاہییں اور پھر اس کے مقابل پر اعتبار اس شخص کی حدیثوں پر کیا جس کی روایت اہل اسلام کے علما اور محققین کے نزدیک پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے۔ میور صاحب کے اس اصل کا مقتضی جو اس نے دیباچہ میں بیان کیا ہے یہ تھا کہ وہ بخاری کی حدیثونکو بھی بہت چھان بین کے بعد قبول کرتا مگر برعکس اس کے اس نے نہایت ضعیف حدیثوں سے اپنی کتاب میں کام لیا ہے حالانکہ بخاری میں ان احادیث کی تردید بھی موجود ہے۔ یہی حالت ان تمام مصنفین کی ہے جنہوں نے اسلام پر کتابیں لکھی ہیں۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث کو یہ لوگ رد کرتے ہیں۔ اور انکے خلاف ضعیف اور موضوع احادیث کے قصص کو قابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ اور پھر تعجب یہ ہے کہ اس ترجیح کی وجہ کوئی بیان نہیں کرتے۔ پس ایسے شخصوں کی تحریروں کی مسلمان محققین کے نزدیک کیا وقعت ہو سکتی ہے ہاں عیسائی دنیا کو خوش کرنے کا کام یہ کتابیں ضرور دیتی ہیں۔

اس سوال کو صحیح طور پر حل کرنے میں کہ احادیث نبوی کہانتک قابل اعتبار ہیں۔ اہم بحث ہماری راہ میں یہ ہے کہ آیا اسلام کے نہایت ابتدائی زمانہ میں احادیث کی حفاظت اور ٹھیک ٹھیک دوسروں تک پہنچانے کا کوئی سامان تھا؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے سامان موجود تھے۔ یا خود آنحضرتؐ نے ہی ایسی ہدایات بیان فرمائی تھیں جنسے احادیث کی حفاظت اور صحیح طور پر دوسروں تک پہنچانیکا ثبوت ملتا ہے تو پھر ایسے لغو اعتراضات جنکی بنا تاریخ پر نہیں بلکہ توہم پر ہے کہ یوں ہو گیا ہوگا اور وں ہو گیا ہوگا جیسا کہ میور صاحب لکھتا ہے ایسے اعتراضات کی لغویت خود ہی ایک ثابت شدہ امر ہوگی اور انپر مزید بحث کرنیکی ضرورت نہ رہیگی۔ یہ سوال جو اسجگہ مینے اٹھایا ہے اور جو درحقیقت ساری بحث کی جان ہے یہ سوال معترضین نے کبھی اٹھایا ہے اور نہ اسے حل کرنیکی کوشش کی ہے اور میرا یقین ہے کہ اگر وہ سیدھی راہ کو اختیار کرتے تو اسقدر غلطیوں میں کبھی مبتلا نہ ہوتے۔ البتہ میور نے اصول صحت حدیث بیان کرتے وقت ایک رنگ میں ان باتوں کا

انکار کیا ہے کہ آنحضرت کے وقت میں یا آپ کی ہدایت سے حدیث کی حفاظت یا صحت روایت کا کوئی سامان موجود تھا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ حدیث پر عمل کی ضرورت اُسوقت پڑی جب بعد کے زمانے میں فتوحات اسلامی کا میدان وسیع ہو جانے سے قرآن شریف اتنی بڑی سوسائٹی کے لیے جو ہر طرف ملکوں میں پھیل گئی تھی کافی نہ پایا گیا۔ گویا وہ اسبات سے انکار کرتا ہے کہ زمانہ نبوی میں بھی صحابہؓ حدیث پر عمل کرتے یا حدیث پر عمل کو نیکی ضرورت سمجھتے تھے پس جب حدیث کی کوئی وقعت اس زمانے میں نہ تھی تو اس کی حفاظت یا صحیح طور پر ایک سے دوسرے کو پہنچانیکی ضرورت بھی نہ تھی اور جب ضرورت نہ تھی تو سامان بھی حفاظت کا کوئی نہ ہوگا۔ یہ مَیں میور صاحب کے کلام سے استدلال کرتا ہوں ورنہ خود اس سوال کو کہ آیا حدیث کی حفاظت کا کوئی سامان زمانہ نبوی میں تھا یا نہیں میور زیر بحث نہیں لایا۔ مگر چونکہ اس سوال کو کہ حدیث کی کوئی وقعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی یا نہیں؟ اس سوال سے بڑا گہرا تعلق ہے کہ حدیث کی حفاظت کا کوئی سامان بھی اس زمانہ میں تھا یا نہیں؟ اس لیے مَیں پہلے سوال پر بھی غور کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ صحابہؓ کے نزدیک حدیث کی قدر و منزلت وہی تھی جو بعد میں محدثین کے نزدیک تھی تو ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ کیوں انہوں نے حدیث کے یاد رکھنے اور اس کو صحیح طور پر پہنچانیکی کوشش نہ کی ہوگی۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حدیث پر عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک حدیث کی قدر و منزلت کوئی نہیں تھی بلکہ جیسا کہ میور کہتا ہے حدیث کی ضرورت اسوقت پیش آئی اور اسکی قدر و منزلت اسوقت بڑھی جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو کر بہت سی نئی ضرورتیں پیش آئیں جنکے لیے قرآن کریم سے کوئی راہ نہ ملتی تھی تو ایسی صورت میں حدیث کی حفاظت کے سامان بھی اُس زمانہ یعنی زمانہ نبوی میں کوئی نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ جس چیز کی کوئی ضرورت نہ تھی اسکو کیوں یاد رکھا جاتا یا ٹھیک طور پر دوسروں تک پہنچایا جاتا۔ میور صاحب کا یہ دعویٰ کہ حدیث کو جزو شریعت بنانیکی ضرورت بعد میں پیش آئی اور کہ زمانہ نبوی میں اسپر عمل کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود وحی یعنی قرآن کریم کے پابند تھے۔ ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت ابتدا سے ہی اولاً قرآن کریم پر اور پھر سنت* یعنی افعال نبی اور حدیث یعنی اقوال پیمبر پر جو ہر دو کلام الٰہی کے لیے بطور مفسر کے تھے مبنی تھی۔ مثلاً قرآن کریم مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم نماز پڑھو۔ لیکن نماز کے متعلق کل کے کل احکام اور اسکے پڑھنے کا طریق یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنکا پاکیزہ قلب مورد وحی الٰہی ہونیکی وجہ سے کلام الٰہی کے اصل منشاء کو سمجھتا تھا بیان فرمائے اور یہی آپ کا بیان فرمانا یعنی اپنے عمل سے بتانا کہ نماز یوں پڑھنی چاہیئے یا قول سے تشریح کرنا کہ نماز کے متعلق یہ یہ احکام ہیں حدیث ہے جس کے بغیر اصل شریعت اسلامی مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایسا ہی دوسرے احکام قرآنی کے متعلق سمجھ لینا چاہیئے۔ پس حدیث کی ضرورت وسعت سلطنت اسلامی کے ساتھ بعد میں نہیں پڑی بلکہ اسکی ضرورت بھی قرآن کریم

*سنت سے مراد آنحضرتؐ کا طریق عمل ہے کہ ہر فعل کو آپنے پہلے خود کر کے دکھایا اور یہ بھی حدیث میں شامل ہے۔ منہ

کی ضرورت کے ساتھ ہی دست بدست چلتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک اخلاقی واعظ ہی نہ تھے بلکہ آپ شارع بھی تھے اور آپ کی رسالت کے ساتھ ہی نئی شریعت کی بنیاد بھی رکھی گئی پس آپ کے اقوال و افعال کی پیروی ابتدا سے ہی ہدایت کی راہوں پر چلنے کے لیے ضروری تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس ضرورت کو سب سے بڑھکر محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ہر وقت آپ کے نقش قدم پر چلنے کے محتاج تھے۔

قرآن کریم خود اس امر پر شاہد ہے اور کھلے لفظوں میں اس نے یہ تاکید فرمائی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریں آپ کے احکام کو اسی طرح مانیں جس طرح احکام آلہی کو مانتے تھے۔ کیونکہ فرماتا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ یعنی اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اگر اللہ کی فرمانبرداری سے مراد احکام آلہی کی فرمانبرداری ہے جو بذریعہ قرآن کریم دیے گئے ہیں تو مقام غور ہے کہ رسول کی فرمانبرداری سے کیا مراد ہوئی۔ لازماً رسول کی فرمانبرداری سے ان احکام کی فرمانبرداری لینی پڑے گی جو رسول نے دیے ہیں اور جو قرآن کریم سے الگ ہیں کیونکہ قرآن کریم کے کل احکام کی فرمانبرداری اطیعوا اللہ میں داخل ہے پس یہ آیت قرآن کریم کی صریح گواہ ہے اس بات پر کہ قرآن کریم خود یہ ہدایت فرماتا ہے کہ رسول کے احکام کی یعنی حدیث کی پیروی کیجاوے۔ اور اسکو قرآن کریم کی پیروی کی طرح لازمی قرار دیا گیا ہے۔ پس جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے اسکے لیے حدیث نبوی کی پیروی ضروری اور لازمی امر ہے۔ ایسا ہی دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ یایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر۔ (نساء۔ ۵۹) اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ایسا ہی انکا جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں پھر اگر کسی امر میں تمہارا تنازع ہو جائے تو اس امر میں اللہ کے حکم اور رسول کے حکم کیطرف رجوع کرو۔ یہی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانیکی شرط ہے۔ اس آیت میں بھی نہ صرف رسول کے حکم کی پیروی کو ایسا ہی ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ کے حکم کی پیروی کو۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانیکی شرط یہی ہے کہ ہر متنازعہ امر کا فیصلہ اللہ کے حکم کے رو سے اور رسول کے حکم کے رو سے کیا جاوے یعنی قرآن اور حدیث کی رو سے۔ گویا ان دونو پر ایمان لاکر تنازعات کو انپر عرض کرنیکے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ اب اسجگہ بھی غور کرلو کہ اللہ کی طرف کسی امر کو رد کرنیکے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتے کہ خدا کے کلام یعنی قرآن کریم کے رو سے اسکا فیصلہ کیا جاوے تو لازماً رسول کی طرف رجوع کرنیکے معنے یہی ہوں گے کہ رسول کے حکم یعنی حدیث کے رو سے اسکا فیصلہ کیا جاوے۔ پھر اس سے بھی کھلے کھلے الفاظ میں رسول کے حکم کی پیروی کو ضروری بتایا اور کھول کر فرمایا کہ کوئی شخص مومن ہو سکتا ہی نہیں جبتک کہ رسول کے حکم کو سر تسلیم خم

کرکے نہ مانے فلا و ربک لا یؤمنون حتّٰی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہوسکتے اور ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جبتک کہ اپنے تمام متنازعہ امور میں رسول کو ہی حکم قرار نہ دیں اور پھر جب رسول کوئی فیصلہ کرے تو اس کے قبول کرنے میں کسی طرح کی اپنے دلوں میں روک نہ پاویں بلکہ دل وجان اور پورے انشراح صدر سے ان احکام کو قبول کریں۔ پس اول تو مَیں نے دکھایا ہے کہ ضرورت ہی ایسی واقعہ ہوئی تھی کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کے بغیر اُس دین پر ہرگز قائم نہ ہوسکتے تھے جس کی طرف آپ اُنہیں بلاتے تھے پھر مزید براں یہ کہ قرآن کریم نے کھلے کھلے لفظوں میں اور بار بار تاکید سے یہ فرمایا کہ رسول کے احکام کی پیروی بھی ضروری ہے جیسے خدا کے احکام کی پیروی ضروری ہے یعنی قرآن اور حدیث دونوں کی پیروی کے بغیر انسان سچا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ تو ان واقعات کے ہوتے ہوئے اور ان احکام کی موجودگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح آپ کے اقوال وافعال سے غافل رہ سکتے تھے یا انکو بے توجہی کی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ یہ کبھی ممکن نہ تھا بلکہ انکے لیے تو آپ کا ہر قول اور فعل اپنے اندر ایک الٰہی رنگ رکھتا تھا اور علاوہ پیروی حکم کی ضرورت کے انکی محبتوں کا یہ تقاضا تھا کہ آپکے ہر قول اور فعل کو محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بلکہ معمولی سے معمولی باتوں میں آپکی پیروی کرتے تھے۔ مثلاً دیکھو حالانکہ انگوٹھی پہننا کوئی دینی امر نہ تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہنی تو اسی نقش کی انگوٹھیاں صحابہؓ نے بھی بنوائیں اور پہنیں۔ غرضکہ وہ ہر وقت اور ہر آن اسبات کے خواہاں تھے۔ کہ آپکے احکام اور اقوال کی تعمیل کریں اور آپکے افعال کی پیروی کریں۔ مسجد میں خطبہ پڑھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ بیٹھ جاؤ اسکی سب نے تعمیل کی یہانتک کہ ایک صحابی جو اسوقت مسجد کے ساتھ گلی میں سے گذر رہے تھے انکے کان میں بھی یہ آواز پڑی اور وہ وہیں بیٹھ گئے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ مسجد میں پہنچنے سے پہلے مَیں مرجاؤں اور آپکے ایک حکم کی تعمیل سے قاصر رہوں۔ کیا ایسے مخلص معتقدین کے دل میں کبھی یہ خیال گذر سکتا تھا کہ آپکے احکام کی فرمانبرداری کی ضرورت نہیں؟ اور خود قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسوہ حسنہ قرار دیکر صحابہؓ کو آپ کی ہر طرح سے پیروی کرنیکی تاکید فرمائی ہے۔ غرضکہ قرآن کریم سے یہی ثابت ہوتا ہے اور کلام الٰہی اس بات پر زور دیتا ہے کہ آپکے احکام یعنی حدیث کی پیروی ہر طرح سے کیجاوے اور صحابہؓ نے پیروی کی۔ اور حدیث اور سُنت کو اپنے دین کا جزو اور اپنی ہدایت کی راہ سمجھا۔

اس مختصر بحث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ آپکے اقوال وافعال کو بے توجہی کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا یعنی آنحضرت صلی اللہ وسلم کے اقوال وافعال کی صحابہؓ کی نگاہ میں نعوذ باللہ کوئی وقعت نہ ہوتی۔ تو پھر اس قسم کے شکوک اور شبہات کہ حدیث محفوظ نہیں رہی اور ایک راوی سے دوسرے

راوی کے کانوں تک پہنچنے میں کچھ کی کچھ بن گئی قابل توجہ ہوتے۔ کیونکہ اس میں کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ جن الفاظ کی طرف انکے بولے جانیکے وقت انکے سننے والوں کو کوئی توجہ نہ ہو اور جن واقعات پر انکے واقع ہونیکے زمانہ میں کسی نے غور نہیں کیا انکا کئی سال بعد اپنی اصلی صورت میں بیان کرنا ایک ایسا امر ہے جس کا آسانی سے یقین نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن حدیث کے متعلق ایک لمحہ کے لیے بھی صحابہؓ کو ایسی بے توجہی نہیں ہوئی آنحضرتؐ کے اقوال اور افعال وہ قواعد تھے جنپر چلنا وہ ہدایت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ انکے بدلے انہوں نے اپنی جائدادیں اپنے گھر اپنے عزیز دوست اور اقربا اور اپنے وطن چھوڑے اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر بلکہ قربان کر کے اور طرح طرح کی تکالیف اُٹھا کر انکو قبول کیا۔ پھر کیا انہی کے متعلق وہ بے توجہ ہوسکتے تھے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپکے احکام تو انکے لیے زمین پر سب سے زیادہ قیمتی خزانے تھے۔ اور آپکے ہر ایک قول اور فعل کو وہ پوری توجہ سے سنتے اور دیکھتے تھے۔

اب ہم حدیث پر غور کرتے ہیں کہ آیا حدیث میں اندرونی شہادت اس امر کی موجود ہے یا نہیں کہ اسکی حفاظت کے سامان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے احکام کے متعلق کیا تعلیم دی ہے۔ کتاب العلم میں امام بخاری نے یہ حدیث بیان کی ہے جو ابن عباس کی روایت سے ہے کہ جب قوم عبدالقیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے اور آپکے درمیان کفار ہیں یعنی ہمارا راہ انکے درمیان میں سے ہے پس ہم آپ کی خدمت میں سوائے مقدس مہینوں کے حاضر نہیں ہوسکتے۔ آپنے نماز روزے زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بیان فرمانیکے بعد انکو فرمایا۔ احفظوہ و اخبروہ من وراءکم۔ یعنی خود ان باتوں کو خوب محفوظ رکھو یعنی اچھی طرح سے یاد کر لو اور جو لوگ تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں انکو یہ باتیں صحیح صحیح پہنچا دو۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود حفاظت حدیث کا اور اسکو صحیح صحیح دوسروں تک پہنچانیکا حکم دیتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اور کیا واضح ثبوت ہوسکتا ہے؟ ایسا ہی مالک بن حویرث روایت کرتے ہیں۔ قال لنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارجعوا الیٰ اھلیکم فعلموھم۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ حکم دیا کہ اپنے گھروں میں واپس چلے جاؤ اور اپنے لوگوں کو یہ باتیں جو میں نے تمہیں سکھائی ہیں سکھاؤ۔ یہ بھی پہلی حدیث کی موید ہے۔ یہ بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا قبیلہ یا قوم ایمان لاتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے ایک شخص کو انکی طرف بھیجدیا کرتے تھے تا وہ انہیں انکے درمیان رہ کر احکام دین سکھاوے اور پوری طرح سے دین اسلام اور اسکی شریعت سے آگاہ کرے۔ ایسے لوگ ان نومسلموں کو نہ صرف قرآن کریم ہی سکھانے کے لیے بھیجے جاتے تھے بلکہ اس غرض سے کہ انکو سکھاویں کہ کس طرح احکام دین کی پیروی کرنی چاہیئے۔ ایسے لوگ لازماً خود ایسے ہوتے تھے جو قرآن کریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے بھی اچھی طرح واقف ہوں تا ان لوگوں کو جنکی طرف وہ بھیجے جاتے تھے احکام دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل سکھاویں

ہو یا صحابہؓ نے کوئی بات سنی یا نہیں۔ سوال یہ دیکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ تاکیدی حکم تھا کہ آپ کے اقوال کو یاد رکھا جائے اور دوسروں کو صحیح صحیح پہنچایا جائے بلکہ مختلف اقوام میں جو وقتاً فوقتاً اسلام میں داخل ہوتی تھیں آپ کا واعظین کو بھیجنا (تاکہ وہ ان کو احکام دین سکھا دیں) یہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ہی اس پر عمل بھی کروایا۔ اور چونکہ واعظین جو ان نئی اسلام میں داخل ہوئی ہوئی قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے جو کچھ ان لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کے متعلق بتاتے تھے انکو خود بھی یہ موقعہ تھا کہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی تصدیق کریں۔ اس لیے ایسی احادیث ہر قسم کی غلطی اور آمیزش سے خالی تھیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں جب چھوٹے چھوٹے معاملات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں وہ لوگ عرض کیا کرتے تھے یہانتک کہ آپ نے ایک امام مقرر کیا تو اس کے متعلق یہ شکایت آپ کے سامنے آئی کہ یہ قرأت لمبی پڑھتا ہے ایسی صورت میں یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ ان احادیث میں جو اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی دوسروں تک پہنچنی شروع ہو گئی تھیں کسی قسم کا تصرف ہوا ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود واعظین کو مختلف اقوام کے اندر بھیجنا تاکہ وہ انکو دین حق سے اور آپ کے حالات سے آگاہ کریں یہ حدیث کی حفاظت کے سامانوں میں سے پہلا سامان تھا۔

اوپر میں یہ بھی دکھا چکا ہوں کہ جب ایک قوم آپ کے سامنے آتی تو آپ انکو چند احکام دین سکھانے کے بعد یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انکو یاد رکھو اور اپنے لوگوں کو انسے آگاہ کرو۔ اور کئی احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیث کو صحت کے ساتھ دوسروں تک پہنچانے کے لیے ہمیشہ بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نضّر اللہ امرأ سمع منا شیئاً فبلّغہ کما سمعہ فرب مبلّغ اوعی لہ من سامع۔ یعنی ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سرسبز کرے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر جس طرح اس کو سنا تھا بعینہ اسی طرح اسکو دوسروں کو پہنچایا کیونکہ بعض وہ لوگ جنکو باتیں پہنچائی جاتی ہیں اصل سننے والوں سے اس بات کو زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی امام بخاری بھی اسی مضمون کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ عن ابیہ ذکر النبی صلے اللہ علیہ وسلم قعد علی بعیرہ وامسک انسان بخطامہ او بزمامہ قال ای یوم ھٰذا فسکتنا حتیٰ ظننا انہ سیسمیہ سوی اسمہ قال الیس یوم النحر قلنا بلیٰ قال فای شہر ھٰذا فسکتنا حتیٰ ظننا انہ سیسمیہ بغیر اسمہ فقال الیس بذی الحجۃ قلنا بلیٰ قال فان دماءکم واموالکم واعراضکم بینکم حرام کحرمۃ یومکم ھٰذا فی شہرکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھو اوعیٰ لہ

منه - یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے اور ایک آدمی نے مہار پکڑی ہوئی تھی۔ آپ نے سوال کیا یہ کونسا دن ہے ہم خاموش رہے یہانتک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اسکا کوئی اور نام بتائیں گے آپ نے فرمایا کیا یہ یوم النحر نہیں یعنی ذوالحج کی دسویں تاریخ ہم نے عرض کیا ہاں۔ پھر آپ نے سوال کیا یہ کونسا مہینہ ہے۔ ہم خاموش رہے یہانتک کہ ہم نے گمان کیا۔ کہ آپ اسکا کوئی اور نام بتائیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ ذوالحج کا مہینہ نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمھارے خون اور تمھارے مال اور تمھاری عزت تمھاری درمیان ان سب کو وہی حرمت حاصل ہے جو تمھارے اس شہر میں اس مہینے کے اندر اس دن کو حاصل ہے چاہئیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو میری بات پہنچا دے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو خبر پہنچا دے جو شاہد کی نسبت بات کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہے۔ آخری حصہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ تاکید پائی جاتی ہے کہ آپ کی باتیں دوسروں کو پہنچائی جاویں اور اسبات کا ذکر کہ شائد وہ لوگ سننے والوں کی نسبت بات کو زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں اس لیے کیا گیا ہے کہ ان غائبین کا جو صحابہؓ سے آنحضرتؐ کی باتیں سنیں پھر یہ فرض ہے کہ وہ انکو یاد رکھکر دوسروں کو وہی باتیں پہنچا دیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا ماحصل یہ ہے کہ آپ کی باتیں یعنی حدیث نبوی ضایع نہ ہو بلکہ ایک دوسرے کو مسلمان اسے پہنچاتے رہیں۔ یہ دوسری شہادت اس امر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے اور صحابہؓ کو بار بار آپ نے یہ تاکید فرمائی کہ آپ کی حدیث بلا تغیر تبدل دوسرے لوگوں تک پہنچائی جاوے۔

بہت سی حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض ضروری باتوں کو تین تین دفعہ دوہرایا کرتے تھے تاکہ سننے والے اچھی طرح آپ کی بات کو سمجھ جائیں۔ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان اذا تکلم بکلمة اعادها ثلثا حتّٰی تفهم عنه واذا اتی علٰی قوم فسلم علیهم سلم علیهم ثلثا۔ یعنی تین دفعہ بیان کرنے سے غرض آپ کی یہ ہوتی تھی کہ سننے والا آپ کی بات کو سمجھ جائے۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کو جب ایک بات سمجھ میں نہ آئے تو خود دوبارہ سہ بارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ ابن ابی ملیکه کی روایت بخاری میں ہے ان عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لا تسمع شیئًا لا تعرفه الا راجعت فیه حتّٰی تعرفه۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات بیان فرماتے اور وہ انکی سمجھ میں نہ آتی تو آپ بار بار پوچھتیں یہاں تک کہ اچھی طرح سے سمجھ لیں۔ اب ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ایک بات کو بار بار بیان کرنا تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں اور دوسری طرف خود صحابہؓ کا ایک بات کو آپ سے دریافت کرنا جب پہلی دفعہ بیان کرنے سے

سمجھ میں نہ آئے یہ دونوں امور اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ حدیث کی صحت اور سمجھانے میں اور صحابہؓ اس کے محفوظ رکھنے اور سمجھنے میں پوری کوشش کرتے تھے۔ یہ تیسرا سامان حفاظت حدیث کا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں ہی پایا جاتا ہے۔

چوتھا سامان حفاظت حدیث کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ وعید تھے جو آپ نے حدیث میں جھوٹ بولنے والے کے لیے بیان فرمائے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار (رواہ الترمذی) ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا مجھ سے صرف وہی حدیث بیان کرو جسکو تم جانتے ہو کہ میری حدیث ہے جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بنائیگا وہ اپنی جگہ آگ میں دیکھے عن سمرۃ بن جندب والمغیرۃ بن شعبۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین (رواہ مسلم) یعنی سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہی وہ کاذب ہے۔ بخاری میں بھی اسی مضمون کی روایتیں بکثرت پائی جاتی ہیں حضرت علیؓ کی روایت ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تکذبوا علی فانہ من کذب علی فلیلج النار۔ اور سلمہؓ کی روایت ہے۔ قال سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم یقول من یقل علی ما لم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ اسی مضمون کی روایتیں حضرت انس۔ ابوہریرہ اور زبیر سے مروی ہیں۔ ان تمام روایتوں سے جو آٹھ دس صحابہؓ سے مختلف واسطوں سے ہم تک پہنچی ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ نے بہت مرتبہ صحابہؓ کو اس بات سے ڈرایا تھا کہ آپ کی طرف منسوب کر کے کسی غلط حدیث کو شایع کرنا کیسا خطرناک گناہ ہے۔

اگر اسی قسم کی احادیث کے مضمون کو اور بھی غور کی نظر سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہر وقت اس بات سے ترساں رہتے تھے کہ کوئی غلط لفظ انکے مونہہ سے نہ نکل جاوے اور اس لیے جبتک کسی حدیث کے متعلق انہیں یقین کامل نہ ہوتا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے تو وہ اسے بیان کرنیکی جرأت نکرتے تھے۔ بخاری میں یہ حدیث حضرت انس سے مروی ہے قال انس انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثا کثیرا ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من تعمد علی کذبا فلیتبوأ مقعدہ من النار یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ بہت سی حدیثیں بیان کرنے سے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جو شخص جان بوجھکر مجھ پر جھوٹ بولیگا وہ آگ میں جائیگا۔ ایسا ہی عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے قال قلت للزبیر انی لا اسمعک تحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کما یحدث فلان و فلان قال اما انی لم افارقه ولکن سمعته یقول من کذب علیّ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ یعنی عبد اللہ بن زبیر نے اپنے والد زبیر سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسطرح حدیثیں بیان کرتا ہوا نہیں سنتا جسطرح فلاں اور فلاں آدمی بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی یہ وجہ نہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جُدا رہتا تھا لیکن میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولیگا وہ آگ میں داخل ہوگا۔ حضرت زبیر کا اس سے مطلب یہ نہیں تھا کہ دوسرے لوگ جو حدیثیں بیان کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ چونکہ جھوٹ کے متعلق سخت ممانعت اور وعید عذاب ہے اس لیے میں زیادہ حدیثیں بیان نہیں کرسکتا۔ کیونکہ انکے متعلق مجھے یقین کامل نہیں کہ آنحضرتؐ نے کیا فرمایا تھا۔ کذب کے معنوں میں صرف یہی داخل نہیں کہ کوئی شخص ایک خبر یا واقعہ کو غلط جانکر بیان کرے بلکہ کذب بمعنی خطا بھی آتا ہے۔ اور محاورہ عرب میں کذب کا استعمال ان معنوں میں بہت ہے احادیث میں بھی اس کا استعمال پایا جاتا ہے۔ یعنی جہاں کسی شخص نے غلط واقعہ بیان کیا حالانکہ وہ خود اسے غلط نہیں سمجھتا تھا تو اس کے متعلق لفظ کذب آیا ہے جسکی تشریح بالاتفاق اخطأ کی گئی ہے پس جن صحابہؓ کے متعلق یہ ذکر ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ڈرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب نہ بولیں انکا یہ منشاء ہرگز نہ ہوسکتا تھا کہ ہم ڈرتے ہیں کہ جس کلام کو ہم نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا اسکو عمداً آنحضرتؐ کی طرف منسوب نہ کردیں بلکہ ڈر اسی بات کا ہوسکتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی غلط لفظ یا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوجاوے پس صحابہؓ آنحضرتؐ کی حدیث کی روایت کرنے میں بیحد درجہ کے محتاط تھے اور اس وعید کے سبب سے کہ جو کذب علی النبی کے متعلق وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن چکے تھے۔ وہ ایسی حدیثوں کے بیان کرنیکی بھی جرأت نہ کرتے تھے جس کے متعلق انہیں یہ اندیشہ ہو کہ غلط بیانی ہوجاویگی۔ اس وعید میں اور صحابہؓ کے اسکو روایات بیان کرنے وقت اسطرح مدنظر رکھنے میں ایک اور قطعی شہادت ملتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا پورا اہتمام اسبات کا کیا کہ آپ کی احادیث کے پہنچانے میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہو۔ اور صحابہؓ نے آپ کی ان ہدایات پر پوری طرح عمل کرکے دکھایا۔

مذکورہ بالا احادیث کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لیے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حدیث کے سننے۔ اسکے سمجھنے اور اسکو محفوظ رکھنے میں سب صحابہؓ یکساں نہ تھے بعض کو زیادہ وقت آنحضرتؐ کی صحبت میں رہنا میسر آتا تھا بعض کو بہت کم۔ بعض فہم و فراست سے دوسروں کی نسبت زیادہ حصہ رکھتے تھے اور سب کی قوت حافظہ بھی برابر نہ تھی اسی فرق کی وجہ سے روایت حدیث میں بعض کا مرتبہ بعض سے زیادہ ہے۔ مثلاً بہت سے صحابی ایسے تھے کہ اپنے کام بھی کرتے تھے اور فرصت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ بعض نے باریاں مقرر

کی ہوئی تھیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک انصاری کے ساتھ جو آپ کا ہمسایہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنیکے لیے باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ایک دن وہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس دن کی خبریں اور وحی حضرت عمرؓ کو پہنچاتے اور دوسرے دن حضرت عمرؓ ایسا کرتے۔ پھر بعض صحابہؓ ان سے بھی بڑھکر مشتاق اس بات کے تھے کہ سارا وقت ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے رہیں۔ انہیں میں ابوہریرہ بھی تھے جنکی حدیثیں دوسرے صحابیوں سے بہت زیادہ پائی جاتی ہیں ابوہریرہ کا اشتیاق حفاظت حدیث کا اسقدر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے خوب آگاہ تھے چنانچہ ایک موقعہ پر جب ابوہریرہ نے آنحضرتؐ سے یہ سوال کیا یا رسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة۔ تو آپ نے قبل اس کا جواب دینے کے فرمایا لقد ظننت يا ابا هريرة ان لا يسألني عن هذا الحديث احد اول منك لما رأيت من حرصك على الحديث۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ میں اسوجہ سے کہ تمہارا اشتیاق حدیث کے لیے خوب جانتا ہوں اس بات کو جانتا تھا کہ تم ہی پہلے مجھ سے یہ سوال پوچھوگے۔ (صحیح بخاری کتاب العلم) ایسا ہی صحیح بخاری میں دوسری جگہ یہ روایت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ قال ان الناس يقولون اكثر ابو هريرة ولولا ايتان في كتاب الله ما حدثت حديثا ثم يتلو ان الذين يكتمون ما انزلنا من البينات الى قوله الرحيم ان اخواننا من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالاسواق وان اخواننا من الانصار كان يشغلهم العمل في اموالهم وان ابا هريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنه ويحضر ما لا يحضرون ويحفظ ما لا يحفظون۔ یعنی ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں ابوہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اور اگر قرآن کریم میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ اور پھر آپ یہ آیتیں پڑھتے ان الذين يكتمون ما انزلنا من البينات والهدى جن میں ہدایت اور بینات کے چھپانے پر سخت وعید آیا ہے۔ پھر فرمایا کہ بات یہ ہے کہ ہمارے بھائی جو مہاجرین تھے انکو تو بازار میں خرید و فروخت روکے رکھتی تھی اور ہمارے بھائی جو انصار میں سے تھے انکو اپنے کاروبار روکے رکھتے تھے اور ابوہریرہ کا یہ حال تھا کہ کھانا کھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا رہا۔ اور اس لیے وہ ایسے ایسے واقعات کو مشاہدہ کرتا تھا جنکو دوسرے صحابی نہیں کرتے تھے اور ایسی ایسی باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر یاد رکھتا تھا جنکو دوسرے یاد نہیں رکھتے تھے۔ پس بڑی بھاری وجہ کہ بعض صحابہؓ کی احادیث کم پائی جاتی ہیں اور بعض کی زیادہ یہی ہے کہ بعض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا زیادہ اتفاق ہوتا تھا اور بعض کو کم۔

اسی کی تائید میں بخاری نے تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں بروایت طلحہ بن عبید اللہ سے بیان کی ہے لا اشک انہ سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالا نسمع وذلک انہ کان مسکینا لا شئ لہ ضیفا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایسا ہی ابن عمر کا یہ قول احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے جو ابو ہریرہ کے متعلق ہے۔ کنت الزمنا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واعرفنا بحدیثہ۔ اور بخاری نے تاریخ میں اور بیہقی نے بروایت محمد بن عمارہ بن حزم سے کی ہے۔ انہ قعد فی مجلس فیہ مشیخۃ من الصحابۃ بضعۃ عشر رجلا فجعل ابو ھریرۃ یحدثھم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالحدیث فلا یعرفہ بعضھم فیراجعون فیہ حتی یعرفوہ ثم یحدثھم بالحدیث کذلک حتی فعل مرارا فعرفت یومئذ ان ابا ھریرۃ احفظ الناس۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی لوگ کہا کرتے تھے کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے چنانچہ ایک دن ابو ہریرہ نے ایک ایسا کہنے والے سے پوچھا کہ کل عشاء کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کون کونسی سورتیں پڑھی تھیں تو وہ نہ بتا سکا۔ اور پھر آپ نے اسکو بتا دیا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کو ابتدا سے ہی یہ شوق تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معمولی سے معمولی باتوں کو توجہ سے دیکھتے اور یاد رکھتے تھے۔

ان تمام واقعات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے علم کی اشاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی شروع ہو گئی تھی۔ اور آپ کے سامنے ہی حدیثیں پھیلنی شروع ہو گئی تھیں اور آپ نے ہی سخت وعید ان لوگوں کے لیے بیان فرمائے تھے جو آپ کی حدیث میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کریں۔ انہی تمام احتیاطوں کی وجہ سے صحابہؓ حدیث کے بیان کرنے میں پرلے درجہ کے محتاط تھے اور اس ڈر سے کہ شائد کوئی غلطی نہ ہو جائے وہ بغیر یقین کامل کے کسی حدیث کو بیان نہ کرتے تھے۔ جو لوگ صحیح احادیث کے بیان کرنے میں اس درجہ کے محتاط تھے انکی نسبت یہ وہم کرنا کہ انہوں نے وضعی حدیثیں بنا بنا کر پھیلائیں پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ میور صاحب کا خیال ہے اور یہ خیال محض ایک بے بنیاد دعویٰ ہے کہ کثرت سے حدیثیں جنگوں میں وضع کی گئیں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک لڑائی سے دوسری لڑائی تک جو وقفہ ہوتا تھا اس وقفہ میں صحابہؓ کا یہی کام ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے آپ کی تعریف میں جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر نا واقف لوگوں کو جو آنحضرتؐ کے بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے خوش کیا کرتے تھے۔ یہ خیال جو ایک متعصب دل نے محض اپنے آپ کو اور اپنے اندھے ہمخیالوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے دل سے ہی بنا لیا ہے اسیوقت قبول کیا جا سکتا ہے جب تمام تاریخی واقعات پر خاک ڈالی جاوے اور محض خیالات کی پیروی کیجائے اور اگر ایسے ایسے بیہودہ خیالات کے تراش لینے سے تاریخ بن سکتی ہے تو پھر تمام صحیح اور سچی تاریخی

واقعات کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ اپنے ہی دماغ کے ایجاد کردہ خیالات سے تاریخی واقعات کو تاریکی میں ڈالنا چاہتے ہیں مگر وہ اگر چند دنوں کے لیے اپنے ہمخیالوں کو دھوکہ دے بھی لیں تو ہمیشہ کے لیے اپنے ناپاک مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ افسوس ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے وقت کہ وہ لڑائیوں میں حدیثیں بنا بنا کر لوگوں کو خوش کیا کرتے تھے نہ ہی میور نے کوئی دلیل اس دعوے کی پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی نظیر دی ہے اگر اس قسم کا بے دلیل دعویٰ کوئی شخص مسیح کے حواریوں کے متعلق کرے تو معلوم نہیں پادری صاحبان اسکو کسقدر کوسیں مگر اسلام پر کسی ناجائز حملہ کا کرنا وہ کچھ بھی عیب نہیں سمجھتے۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی حدیثیں وضع کرنیکی ضرورت صحابہؓ کو کوئی نہ تھی۔ ایسی باتوں کو وضع کرنیکی ضرورت تب پیش آتی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ناکامی اور نامرادی کی حالت میں ذلیل اور خوار رہ کر دنیا سے اُٹھ جاتے مگر آپ کو وہ کامیابی اور عزت اور عظمت اپنی زندگی میں نصیب ہوئی جس کی نظیر ہمیں دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ زیادہ وضاحت کے لیے میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ عیسائی صاحبان کے اعتقاد کے بموجب حضرت مسیح ناکامی کی حالت میں اس دنیا سے اُٹھ گئے اور ان لوگوں کے دلوں پر جنکو وہ ساری عمر وعظ کرتے رہے انکی کوئی عظمت نہ بیٹھی*۔ اس لیے اگر ان کے پیرو صرف وہی واقعات آپ کے متعلق پیش کرتے جنسے وہ ایک کمزور اور فانی انسان ثابت ہوتے تو انکو مسیحی دین کے پھیلنے کی کوئی امید نہ ہوتی کیونکہ جب وہ خود اپنی زندگی ناکامی کی حالت میں گذار کر ناکامی کی حالت میں ہی اُٹھ گئے اور انکی عظمت کسی پر ثابت نہ ہوئی اور نہ معدودے چند اشخاص کے سوائے کسی نے انکی صداقت کو تسلیم کیا تو بعد میں وہی باتیں پیش کر کے جو انکی اپنی زندگی میں کچھ اثر پیدا نہ کر سکیں انکے پیرو خود ان سے بڑھکر کسی کامیابی کی امید نہ رکھ سکتے تھے۔ اور نہ انہی باتوں سے کوئی نیا اثر پیدا کر سکتے تھے جو خود مسیح کی اپنی زندگی میں پیدا نہ ہوا۔ پس اگر وہ مسیح کی عظمت کے لیے نئی نئی باتیں تراش کر لوگوں کو نہ سناتے تو انکا مذہب بھی نہ پھیل سکتا تھا۔ اس لیے مسیح کے پیرووں کو تو یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ ایک کمزور اور عاجز انسان کو خدا بنا کر پیش کریں اور انکے متعلق وہ باتیں لوگوں کو انکی عظمت کی سنا دیں جنکی اصلیت کچھ نہ تھی لیکن کوئی پادری صاحب ہمیں یہ بتا دیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کونسی ایسی ضرورت پیش آئی تھی۔ انکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ شخص تھا جس نے اپنی زندگی میں وہ کامیابی اور عظمت حاصل کی جسکی نظیر نہیں۔ جسکی صداقت کو اسکی سخت سے سخت مخالفوں نے آخر کار تسلیم کیا۔ جسکے سامنے بڑے بڑے سرکشوں نے آخر اپنی گردنیں جھکا دیں۔ پس اس کی عظمت تو ثابت شدہ تھی اسکو ثابت کرنیکے لیے حدیثیں بنانیکی ضرورت کیا تھی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل تو اس یقین سے بھرے ہوئے تھے کہ جسطرح کل جزیرہ نمائے عرب نے آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو تسلیم کر لیا کیونکہ انکے سامنے وہ بینات اور کھلے دلائل اور بڑے بڑے نشان ظاہر ہوئے جن سے وہ انکار نہ کر سکتے تھے اسی طرح

* یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بلکہ اناجیل یہی کہتی ہیں۔ منہ

باقی دنیا بھی آپ کی صداقت تسلیم کرلیگی۔ اور جطرح آنحضرتؐ اپنی زندگی میں کامیاب ہوئے تھے انہی واقعات کو آپ کی موت کے بعد پیش کرنے سے صحابہؓ کو کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔ لہذا صحابہؓ کو کوئی ضرورت قطعاً اس بات کی نہ تھی کہ وہ آپ کی عظمت ثابت کرنیکے لیے حدیثیں بناتے۔ اور اپنے آپ کو اس وعید اور اس سزا کا مستوجب ٹھہراتے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ڈرایا تھا۔ بڑا بنانیکی کوشش تو اس کے لیے کی جانی چاہیے جو اپنی زندگی میں بڑا آدمی نہ بنا ہو جیسا کہ یسوع مسیح کی حالت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اناجیل کے بیان کے مطابق ایک ضعیف اور عاجز انسان ناکامی اور نامرادی کی حالت میں مجرموں کی طرح سزا پاکر گذر گیا اور اس لیے اس کے پیرووں کو اسکو خدا بنانا پڑا۔ مگر جسکی عظمت اور بڑائی کو اس کے سخت سے سخت مخالفوں تک نے اسکی زندگی میں تسلیم کرلیا اور جس کے آگے سب سرکشوں کی گردنیں جھک گئیں اسکو بڑا بنانے کی ضرورت کیا تھی۔ اور اس سے زیادہ بڑائی اسکی کیا ہو سکتی تھی جو آپنے خود اپنی زندگی میں حاصل کرلی۔ غرضکہ جس پہلو سے میور کے دعوے کو دیکھو وہ ایک بالکل بے سر و پا اور لغو اور بے اصل دعویٰ ثابت ہوتا ہے جسکی تائید سوائے میور کے اپنے خیال کے اور کسی بات سے نہیں ہوتی۔ اور یہ اس شخص کا قابل شرم جھوٹ اور افترا ہے۔

اب اس افترا پر ایک اور پہلو سے ہم نظر کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ لوگ تھے جنہوں نے محض حق کی خاطر اور حق کو قبول کرنیکی خاطر اپنے مال اپنی جائدادیں اپنے دوست اور آخر کار اپنے گھر بھی چھوڑ دیے اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی جانیں بھی راستی اور صداقت کی خاطر ہی قربان کیں اور کسی بات کی پروا نہ کی مگر راستی کو کسی حال میں نہ چھوڑا۔ کیا ان لوگوں کے متعلق ہم یہ خیال کرسکتے ہیں کہ وہ یکدفعہ راستبازی کے اس اعلیٰ مقام سے گرکر ایسے ذلت کے گڑھے میں گر گئے تھے کہ انکی غذا ایسی ہوگئی تھی کہ شب و روز جھوٹی باتیں بنا بناکر پیش کرتے تھے؟ میور صاحب کو ایسی بات پیش کرتے وقت کچھ تو شرم آنی چاہیے تھی کہ وہ لوگ جنہوں نے حق اور صداقت کی خاطر ایسی تکالیف برداشت کیں کیا وہ کبھی ایسی سیاہ کاریوں کے مرتکب ہو سکتے تھے کہ جھوٹی باتیں بنا بناکر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کریں اور اسطرح دن رات جھوٹ بولنا اپنا پیشہ بنالیں؟ ہاں جو نقشہ انجیلیں حواریوں کا ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں اگر وہی نقشہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا قرآن کریم یا صحیح احادیث ہمارے سامنے پیش کرتیں کہ وہ ذرا سی تکلیف بھی حق کی راہ میں نہ اٹھا سکتے تھے تو بھی خیال گذر سکتا تھا کہ ممکن ہے کہ جو لوگ راستی سے اس سے بڑھکر پیار نہیں کرتے جتنا وہ اپنے مالوں اور جانوں سے پیار کرتے ہیں وہ کبھی جھوٹ کو ہی اختیار کرلیں مگر ایسا ہرگز نہیں بلکہ میور نے خود تسلیم کیا ہے کہ جس چیز کو صحابہؓ نے صداقت اور راستی سمجھا تھا۔ اس سے انہیں کوئی چیز نہ پھیر سکی حتیٰ کہ دوستوں کو چھوڑا مالوں کو چھوڑا۔ قریبیوں کو چھوڑا۔ بیٹوں نے والدین کو والدین نے بیٹوں کو چھوڑا۔ گھروں اور جائدادوں کو چھوڑا اور بالآخر اپنی زندگیاں بھی دیں

مگر حق سے نہ پھرے اور راستی سے مونہہ نہ موڑا۔ وہ لوگ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان۔ وہ لوگ جو ہر قسم کے جھوٹ اور ناراستی اور فسق سے بیزار ہو چکے تھے وہ یہ گندہ طریق کبھی اختیار کر سکتے تھے کہ دن رات جھوٹی حدیثیں بنا کر لوگوں میں مشہور کریں؟ کیا تاریخ سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ راستی کے کسقدر فدائی تھے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کے سچے عاشق تھے؟ پھر اپنے معشوق اور محبوب کو چھوڑ کر وہ جھوٹ کی نجاست پر کیونکر گر سکتے تھے؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی بات بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ سے پوچھکر کیا کرتے تھے۔ کوئی باہم تنازعہ ہو جاتے تو اسکا فیصلہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کراتے تھے؟ انکے دین اور دنیا کا کوئی معاملہ نہ تھا جس میں وہ آنحضرتؐ کا فیصلہ طلب نہ کریں۔ جس خدائے قادر نے پہلے یہ فرمایا تھا فلا و ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما اسی خدائے علیم نے انکے سینوں کو نور ایمان سے معمور دیکھکر پھر فرمایا حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم اور رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع الی اللہ کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ انکا طریق زندگی نہیں بدلا۔ بلکہ پہلے اگر انکو یہ موقع تھا کہ ہر بات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ پوچھ لیتے تھے تو اب بھی وہ ہر معاملہ میں اسی تلاش میں لگے رہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ انہیں مل جائے اور اگر بعینہ انکے مطابق حال فیصلہ نہ ملے تو کوئی اس کے قریب قریب ہی معاملہ ہو جو انکے معاملہ سے مشابہ ہو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا ہو تاکہ وہ اس راہ کو ہی اختیار کریں۔ یہ روح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر قول اور فعل میں کی جائے نہ صرف صحابہؓ میں ہی پائی جاتی ہے بلکہ وہ ورثہ ہے جو سب کے مسلمانوں کو بھی انہی پاک لوگوں سے پہونچا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش ہی تھی جو علم حدیث کے رواج اور جمع حدیث کا باعث ہوئی پس یہ بات ایک عقلمند انسان کے وہم میں بھی نہیں گذر سکتی کہ صحابہؓ نے بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی حدیثوں کو شایع کریں اور انپر چلیں جھوٹی حدیثیں بنانی شروع کر دی تھیں۔ غرضکہ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے کوئی شخص بھی وضع حدیث کا مرتکب نہیں ہوا۔

اب اگر فرض محال کے طور پر ایک لمحہ کے لیے اس بات کو تسلیم کر لیں کہ کسی صحابی نے کوئی وضعی حدیث بنائی ہو تو ایسی حدیث کبھی مروج نہ ہو سکتی تھی جبتک کہ اس کے اس افترا میں باقی صحابہؓ بھی شامل نہ ہوتے۔ کیونکہ وہ زمانہ جسکی طرف میور احادیث کی وضع کا الزام منسوب کرتا ہے ابتدائی جنگوں کا زمانہ ہے جو حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے عہد سلطنت اور حضرت عثمان کے ابتدائی ایام میں ہوئیں۔ رضی اللہ عنھم اجمعین۔ اور یہی بات صاف طور پر

اس کی تحریر میں پائی جاتی ہے۔ پس میور کی دلیل کے مطابق (اگر ایسی بے سروپا باتوں اور لغو خیالات کو دلیل کا نام دے سکتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دس پندرہ سال کے اندر اندر ہی اکثر وضعی حدیثیں مشہور ہو چکی تھیں اور یہ وہ وقت تھا جب ابھی ہزارہا صحابہؓ زندہ تھے اور وہ انکے وضعی ہونے سے بیخبر نہ ہو سکتے تھے۔ اس صورت میں گویا کل کے کل صحابہؓ وضعی حدیثوں کی شہرت دینے میں شامل تھے۔ اس سے بڑھکر افترا اور کیا ہو سکتا ہے؟

اب ہم میور کے دعوے کی اصلیت کو دیکھتے ہیں تو اس سے اسکا باطل ہونا اور بھی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے۔ دعویٰ یہ ہی کہ کثرت سے حدیثیں صحابہؓ نے جنگوں کے درمیان بنا بنا کر مشہور کیں۔ اس دعوے کی صداقت یا بطلان اسطرح پر بھی ظاہر ہو سکتا ہی کہ ہم ایک معتبر حدیث کی کتاب کو لیکر یہ دیکھیں کہ اس میں ایسی حدیثیں کسقدر ہیں جنکی روایت ان صحابہؓ تک پہنچتی ہو جو جنگوں میں بہت حصہ لینے والے تھے اور ایسی احادیث کسقدر ہیں جو ان صحابہؓ تک پہنچتی ہوں جو خود جنگوں میں شریک نہیں ہوتے تھے دونوں قسموں میں سے ہم پانچ چھ بڑے بڑے صحابہؓ کو لے لیتے ہیں اب ایک طرف تو خالد بن ولید۔ ابو عبیدہ۔ ابو سفیان۔ یزید بن ابو سفیان۔ عکرمہ۔ ضرار ابن الازور ہیں۔ اور انکے مقابل دوسری طرف ابو ہریرہ۔ انس بن مالک۔ عبد اللہ بن عباس۔ خلفائے اربعہ۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ ہیں۔ اب ہم حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اول الذکر صحابہؓ کی احادیث اس میں کسقدر ہیں اور موخر الذکر کی کسقدر۔ صحیح بخاری میں کل احادیث (متون موصولہ) دو ہزار چھ سو اور دو ہیں۔ اور مرفوع ایک سو اُنسٹھ۔ اسطرح پر کل احادیث کا مجموعہ صرف دو ہزار سات سو اکسٹھ ہوا۔ اس مجموعہ میں وہ حدیثیں نہیں گنی گئیں جو مکرر مختلف راویوں سے آئی ہیں۔ اب ان کل احادیث میں خالد بن ولید کی روایت سے کوئی حدیث نہیں۔ ایسا ہی ابو عبیدہ۔ یزید بن ابو سفیان۔ عکرمہ۔ ضرار کی روایت سے بھی کوئی حدیث نہیں اور صرف ابو سفیان کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے۔ انکے بالمقابل جو نام بیان کیے گئے ہیں۔ انکی حدیثوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔ ابو ہریرہ ۴۴۶۔ انس بن مالک ۲۶۸ عبد اللہ بن عمر ۲۷۰۔ عبد اللہ بن عباس ۲۱۷۔ عائشہ صدیقہ ۲۴۲۔ دوسری عورتیں ۷۳۔ حضرت عمر ۶۰۔ حضرت علی ۲۹۔ حضرت ابو بکر ۲۲۔ حضرت عثمان ۹۔ گویا مشہور جنگ میں شامل ہونیوالے صحابہؓ کی ایک حدیث کے بالمقابل دوسرے انہی چند صحابہؓ کی احادیث کی تعداد ۱۶۴۶ ہے جو بخاری کی کل احادیث کی قریباً دو تہائی ہے۔ اب غور کرو کہ میور کا دعویٰ کسقدر افترا اور جھوٹ سے پُر ہے کیونکہ اگر اکثر حدیثیں جنگوں میں شریک ہونیوالے صحابہؓ بناتے تو چاہیے تھا کہ زیادہ تعداد انہی کی احادیث کی کتب میں پائی جاتی مگر یہاں حالت برعکس ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہی کہ جنگوں میں شریک ہونیوالے صحابہؓ کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد دوسرے صحابہؓ کی بالمقابل کچھ بھی نہیں۔ اب ان واقعات کے ہوتے ہوئے مسلمان اگر یہ نہ کہیں کہ عیسائی مصنفین کے حملے محض عناد کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اسلام پر سراسر افترا ہوتے ہیں تو اور

کیا کہیں۔ اور باوجود ان صریح جھوٹے اور مفتریانہ دعووں کے یہ لوگ مغرب میں اسلامی علوم کے بڑے محقق سمجھے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر افترا کا الزام ایک شرمناک افترا ہے۔ اور اسکی کوئی شہادت اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبتک صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ رہے اسوقت تک کوئی وضعی حدیث اسلام میں نہیں آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ احادیث کا وضع ہونا صحابہؓ بلکہ تابعین کے زمانہ کے بھی بعد شروع ہوا اور مسلمان محققین نے اس خطرہ کو محسوس کر کے جلدی اسکا تدارک شروع کر دیا۔ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک کوئی اس قسم کی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ وضع احادیث اسوقت شروع ہو چکا تھا۔ بلکہ اس امر کی تاریخی شہادتیں ملتی ہیں کہ اسوقت تک اسلامی دنیا میں وضعی احادیث کا نام و نشان نہ پایا جاتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے متعلق جو پہلی صدی ہجری کے اخیر میں خلیفہ ہوئے یہ روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلك حتی یکون سرا۔ یعنی خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے ابی بکر بن حزم کو لکھا (ابو بکر بن حزم آپ کے ماتحت حاکم مدینہ تھے اور خود تابعی تھے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں ملیں اسے نگاہ رکھو اور اسے لکھ لو۔ مَیں ڈرتا ہوں کہ علم (یعنی علم حدیث) گم نہ ہو جائے اور علماء سب اُٹھ نہ جاویں اور سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اور کچھ قبول نہ کرو۔ اور چاہیئے کہ علم کو پھیلایا جاوے اور علمی مجالس ہوا کریں تاکہ جو لوگ (حدیث سے) ناواقف ہیں اُکر تعلیم دیجاوے کیونکہ علم نابود نہیں ہوتا جبتک کہ وہ مخفی نہ ہو جاوے۔ ابو نعیم نے اپنی تاریخ اصبہان میں لکھا ہے کہ یہ حکم صرف حاکم مدینہ کے نام ہی نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ تمام صوبوں کے حاکموں کے نام یہی حکم خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے بھیجا تھا۔ خواہ یہ حکم ایک حاکم کے نام بھیجا گیا ہو یا سب کے۔ مَیں جو استدلال اس سے کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسوقت تک جب خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے یہ حکم لکھا جو تاریخی طور پر ثابت ہے مسلمانوں کے درمیان وضعی احادیث پیدا نہ ہوئی تھیں اور یہ بات اس حکم کے الفاظ پر غور کرنے سے ثابت ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین نے جس بات کا اندیشہ ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء مرتے جاتے ہیں ایسا نہ ہو کہ علم حدیث گم ہو جائے اس لیے تم تمام حدیثوں کو جو تمہیں ملیں لکھ لو۔ اور وضعی احادیث کا نام تک بھی نہیں لیا۔ اگر وضعی احادیث اسوقت پیدا ہو گئی ہوتیں تو بڑا خطرہ یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ علماء مر جائیں گے تو علم حدیث گم ہو جائیگا بلکہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وضعی احادیث بکثرت مروج ہو گئی ہیں اور صحیح احادیث کو ان سے الگ کرنا ضروری ہے۔ مگر اس حکم میں وضعی احادیث کا نام تک بھی نہیں پایا جاتا جس سے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت وضعی احادیث کا وجود بھی نہ تھا جس بات کا خطرہ بار بار ظاہر کیا ہے وہ یہی ہے کہ علم مخفی ہو کر نابود نہ ہو جائے اور اسی غرض کے لیے نہ صرف یہ حکم دیا کہ حدیث لکھ لی جائے بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ علمی تذکرے بڑھائے جاویں اور علمی مجالس منعقد کیجاویں تا ناواقف لوگ بھی احادیث سے واقف ہو جاویں۔ اور یہ جو کہا کہ آنحضرت کی حدیث کے سوائے اور کچھ قبول نہ کیا جاوے اس کا مطلب صرف اسیقدر ہے کہ اور مثلاً کسی صحابی کا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی غلط نہ کر دیا جاوے۔ بہر حال وضعی احادیث کا اس تحریر میں ذکر تک بھی نہیں چہ جائیکہ انکی کثرت یا انکے مروج ہونیکا ذکر ہو۔ بہت سے اور واقعات تاریخ میں پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کسی حدیث کے قبول کرنے یا اسکو آگے بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ بلکہ ایک ایک حدیث کے متعلق صحیح علم حاصل کرنیکی خاطر سیکڑوں میلوں کے سفر اختیار کرتے اور ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کرتے تھے۔ جابر بن عبداللہ کا تذکرہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ ایک حدیث کی خاطر انہوں نے مدینہ سے شام کا سفر کیا۔ دیکھو باب الخروج فی طلب العلم۔ جہاں لکھا ہے۔ رحل جابر بن عبد اللہ مسیرۃ شھر الی عبد اللہ بن انیس فی حدیث واحد۔ یعنی جابر بن عبداللہ نے ایک مہینہ کا سفر عبداللہ بن انیس کی طرف صرف ایک حدیث کی خاطر کیا۔ جسکا تذکرہ جابر کے اپنے الفاظ میں یوں موجود ہے۔ بلغنی عن رجل حدیث سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشتریت بعیرا ثم شددت رحلی فسرت الیہ شھرا حتّٰی قدمت الشام فاذا عبد اللہ بن انیس۔ فقلت للبواب قل لہ جابر علی الباب فقال ابن عبد اللہ قلت نعم فخرج واعتنقنی فقلت حدیث بلغنی عنک انک سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخشیت ان اموت قبل ان اسمعہ۔ ایسا ہی ابو ایوب انصاری کے متعلق یہ روایت ہے کہ اس نے عقبہ بن عامر کی طرف ایک حدیث کے سننے کے لیے لمبا سفر کیا۔ ایسا ہی ایک اور صحابی کا ذکر ہے کہ اس نے فضالہ بن عبید کو ملنے کے لیے مصر کا سفر کیا کیونکہ وہ ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کرتے تھے یہ تھا صحابہؓ کا جوش اور عشق آنحضرتؐ کی حدیث کی تلاش میں کہ آج سے تیرہ سو برس پہلے جو کچھ سفر کی صعوبتیں تھیں وہ انکی نظر میں ایک حدیث کے سننے کے بالمقابل ہیچ تھیں۔ اگر وضعی احادیث کا اُس زمانہ میں کوئی ذخیرہ تھا جسے صحابہؓ نے قبول کر لیا تھا تو ایک ایک حدیث کی خاطر ایسے لمبے سفر اختیار کرنیکے کیا معنے تھے۔ یہی حال تابعین کا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابوالعالیہ کی روایت سے خطیب نے بیان کیا ہے کہ کنا نسمع عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا نرضی حتّٰی خرجنا الیھم فسمعنا منھم یعنی ہم آنحضرتؐ کے صحابیوں کی روایت سے ایک حدیث کو سنتے تھے مگر ہم صبر نہ کرتے تھے جبتک سفر کر کے خود ان

صحابیوں کے مونہہ سے اس حدیث کو سن لیں۔ اس قسم کے کئی واقعات تاریخ میں موجود ہیں جن سب کا بیان کرنا موجب طوالت ہوگا۔

احادیث کے قابل اعتبار ہونے پر بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ ابتدا میں تحریر میں نہیں لائی گئیں بلکہ زبانی سلسلہ روایت سے ہی محدثین تک پہنچی ہیں۔ میور کہتا ہے کہ کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ عرب اپنے حافظہ پر ایسا ہی بھروسہ کر سکتے تھے جیسا تحریر پر۔ اور پھر لکھتا ہے کہ نہ صرف حافظہ پورے طور پر حدیث کو محفوظ ہی نہیں رکھ سکتا تھا بلکہ زبانی روایت کے سلسلہ میں غلطیوں اور مبالغہ کی آمیزش بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اب اول تو یہ کہنا کسی صورت میں صحیح نہیں ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک حدیث کا کوئی حصہ بھی لکھا نہیں گیا۔ ایسی روایات بکثرت موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی بعض لوگ حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمرو حدیث لکھا کرتے تھے۔ حضرت علی کے پاس بھی لکھی ہوئی حدیث کا موجود ہونا ثابت ہے۔ فتح مکہ والے سال میں خزاعہ نے بنی لیث کا ایک آدمی بطور کسی گذشتہ خون کے قصاص کے مار ڈالا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ پڑھا۔ اور جب آپ تمام کر چکے تو اہل یمن میں سے ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے یہ خطبہ لکھوا دیجئے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے لکھ دیا جاوے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت نے خطبہ پڑھا تو لوگوں نے اسے اپنے حافظوں میں محفوظ کر لیا تھا۔ ورنہ بعد میں لکھا کیونکر جاتا۔ یہ تمام روایتیں صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ اور ان سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی بعض صحابہ حدیثوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ اور ایسا ہی یہ بھی شہادت ملتی ہے کہ لکھنے کا رواج آپ کے بعد اور بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ یہ بات میور کو بھی تسلیم کرنی پڑی ہے کیونکہ ایک موقع پر وہ لکھتا ہے کہ اگر ان باتوں کو جو پیش کی جاتی ہیں تسلیم بھی کر لیا جاوے تو ان سے اس سے بڑھکر اور کوئی بات ثابت نہیں ہوتی کہ بعض صحابہؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تحریری یادداشتیں تھیں۔ مگر وہ لکھتا ہے کہ جو کتب احادیث اس وقت موجود ہیں ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کونسی احادیث کسی محدث نے تحریری یادداشت سے لی تھیں اور کونسی صرف زبانی روایت کے سلسلہ سے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی طریق درست ہے۔ کیونکہ اگر کسی حدیث کے متعلق سلسلہ روایت کو چھوڑ کر صرف اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا کہ یہ حدیث کسی پرانی یادداشت سے لی گئی ہے تو اول تو تحقیق کا دروازہ بند ہو جاتا کیونکہ سلسلۂ رواۃ کے معلوم ہونے پر تو حدیث پر جرح بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن صرف ایک پرانی یادداشت کا حوالہ دینے سے آئندہ نسلوں کو یہ کیونکر معلوم ہو سکتا کہ وہ یادداشت کیسی تھی اور کس شخص کی لکھی ہوئی تھی۔ پس ایسی حدیثیں بالکل پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتیں۔ اور یہ بات صاف ہے کہ ایسی یادداشتوں کا اول تو محفوظ رکھنا آسان امر نہ تھا اور پھر بڑی مشکل یہ پڑتی کہ یہ کیونکر معلوم ہوتا کہ فلاں یادداشت واقعی فلاں

صحابی کی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے یا بعد میں کسی نے جعل بنالیا ہے۔ کیونکہ زبانی سلسلہ میں تو ہر ایک راوی کا نام ظاہر کرنا پڑتا ہے اور ایک ایک لفظ تنقید کے نیچے آسکتا ہے مگر تحریری یادداشتوں میں ایک ایسے زمانہ میں جب چھاپہ خانہ کا رواج نہیں تھا اور اس لیے عام طور پر کوئی تحریر مشتہر نہ ہوسکتی تھی کہ سب لوگ یقین کرلیں کہ فلاں بات کے لکھنے والا واقعی فلاں شخص ہے۔ ایسے زمانہ اور ان حالات میں اگر تحریری یادداشتوں سے حدیثیں جمع کی جاتیں تو وہ ایسی مشتبہ ہوجاتیں کہ بالکل قابل اعتبار نہ رہتیں۔ علاوہ ازیں محدثین خود کب اس بات پر مطمئن ہوسکتے تھے کہ ایک یادداشت انکے ہاتھ لگ گئی ہے کیونکہ اس میں وہ خود اپنی تنقید سے کام نہ لے سکتے تھے۔ بلکہ لازماً سلسلہ رواۃ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ جبتک راویوں کے ذریعہ سے کوئی حدیث کسی صحابی تک نہ پہنچ جائے اسوقت تک وہ قطعاً اس کے متعلق مطمئن نہ ہوسکتے تھے تحریری یادداشتیں اصل میں ابتدا میں بھی حافظہ کو تازہ کرنیکے لیے تھیں اور محدثین نے بھی انسے یہی کام لیا یعنی انکو بطور تائیدی شہادت قبول کیا اور اس لیے ان کے ذکر کرنیکی بھی ضرورت نہ سمجھی۔

مگر معترض کہتا ہے کہ اگر تحریری یادداشتیں رکھی بھی گئیں تو صرف چند حدیثوں کی رکھی گئیں اور عام طور پر حدیث لکھنے کا رواج ابتدائی زمانہ میں نہیں ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی احادیث کے لکھنے سے روکا۔ اور آپ کا اس ممانعت سے یہی مطلب تھا کہ عام طور پر حدیث کو نہ لکھا جاوے جسکی وجہ یہ تھی کہ چونکہ قرآن کریم جیسے جیسے نازل ہوتا تھا لکھا جاتا تھا۔ اور اسکا لکھنا ضروری تھا اس لیے اس اندیشہ سے کہ مبادا حدیث کو عام طور پر لکھا جانیسے قرآن شریف اور حدیث خلط ملط نہ ہوجائیں آپنے حدیث کے لکھنے کی ممانعت کی اور جہاں ایسا اندیشہ نہیں تھا وہاں لکھنے کی اجازت بھی دی کیونکہ آپ کی اجازت سے حدیثوں کا لکھا جانا بھی ثابت ہے۔ عام طور پر حدیث کے لکھے جانے میں ایک اور خطرہ بھی تھا اور وہ یہ کہ اگر حدیث کے لکھنے کا رواج ہوجاتا تو حدیث کو زبانی یاد رکھنے کی ضرورت بالکل مفقود ہوجاتی۔ اور اسطرح پر زبانی روایت کا سلسلہ قطعاً موقوف ہوکر صرف یادداشتوں پر حدیث کی بنا رہ جاتی جس میں جعل کی گنجایش بہت زیادہ ہوتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کے لکھنے میں یہ دقت کیوں پیش نہ آئی تو اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث کا مقابلہ اس پہلو پر نہیں ہوسکتا۔ قرآن شریف کی ہر ایک آیت سیکڑوں آدمی اسکے نازل ہوتے ہی حفظ کرلیتے تھے اور اسکا تحریر میں لانا حفاظت کیلیے ایک زاید سامان تھا۔ علاوہ ازیں قرآن شریف عام طور پر نمازوں میں پڑھا جاتا تھا اور اسکی کوئی آیت چھپی نہ رہ سکتی تھی۔ اسکے لیے ابتدا سے ہی یہ سامان تھا کہ الگ الگ سورتیں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت کے نازل ہوتے ہی فرمادیا کرتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر رکھی جاوے۔ لیکن حدیث کو یہ باتیں حاصل نہ تھیں۔ بعض احادیث (اس میں شک نہیں) ایسی تھیں کہ تمام مسلمانوں کیلیے انکا جاننا ضروری تھا مثلاً احکام نماز۔ زکوٰۃ وغیرہ۔ مگر بہت سی

حدیثیں ایسی تھیں کہ وہ کل صحابہؓ کے علم میں نہ آسکتی تھیں۔ ایک شخص ایک وقت آیا اور اس نے کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی۔ وہ بات اپنے وقت پر ہوگئی اور کسی صحابی نے جو اسوقت موجود تھا اس کو یاد رکھ لیا۔ مگر قرآن کریم کی آیات کی طرح احادیث کا عام طور پر اعلان نہ ہوتا تھا۔ یعنی آیت جب نازل ہوتی تو اسکو لکھ بھی لیا جاتا اور عام طور پر اسکا اعلان بھی ہو جاتا۔ حافظ لوگ اسکو مطابق ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی جگہ پر رکھکر یاد بھی کر لیتے اور عام طور پر مسلمانوں میں اسکا چرچا ہو جاتا۔ خالی لکھنا کافی نہ تھا اور نہ ہی خالی لکھ لینا حدیث کے لیے کافی ہوتا بلکہ مشکلات اور بھی بڑھ جاتے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم کے جمع کرنیکی وجہ یہ تھی کہ حافظہ پر اعتبار نہ تھا یہ بالکل غلط ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب جمع کے لیے اولاً حضرت ابوبکرؓ کو تحریک کی تو وجہ یہ بیان کی کہ بہت سے حافظان قرآن یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوگئے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم کے لکھے ہوئے اجزا کو ایک جگہ جمع کیا جاوے تا ایسا نہ ہو کہ تمام حافظوں کی موت سے قرآن کریم کا کوئی حصہ مشتبہ ہو جاوے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حافظہ پر اعتبار تو تھا مگر ڈر یہ تھا کہ جن لوگوں نے کل قرآن کریم کو حفظ کیا ہوا ہے وہ جنگوں میں شہید ہو کر سب کے سب دنیا سے اُٹھ نہ جاویں۔ غرضکہ قرآن کریم کی حفاظت کے لیے علاوہ تحریر کے اور بہت سے سامان موجود تھے جو حدیث کو میسر نہ آسکتے تھے اس لیے اسکی حفاظت کا طریق صرف حافظہ کو ہی قرار دیا گیا جبتک کہ وہ وقت نہ آگیا کہ حدیث کا علم کافی طور پر پھیل کر اس قابل ہو گیا کہ اسے کتابوں میں جمع کر دیا جاوے۔ اسقدر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث کی ایسی حفاظت نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی جیسی قرآن کریم کی ہوئی مگر تاہم تاریخی شہادت حدیث کی حفاظت کی بھی کافی موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حافظہ پر اسقدر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا جسقدر تحریر پر۔ یہ قول اس زمانہ کے لیے تو بیشک درست ہے لیکن ابتدائی زمانہ میں بالخصوص عرب میں حافظہ نے جو حیرت انگیز کارروائیاں دکھائی ہیں وہ آج کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ اگر عرب میں حافظہ ایسا ہی ناقابل اعتبار ہوتا جیسا کہ میور کہتا ہے تو آج نہ عرب کی جاہلیت اور ابتدائی اسلامی زمانہ کے اشعار ہی ہم تک پہنچتے اور نہ ہی لغت اور نحو کے علوم کی ان باریک باتوں تک ہم پہنچ سکتے جنسے آج ہم فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ عربی اشعار بعینہٖ اسی طرح کے سلسلہ رواۃ سے ہم تک پہنچے ہیں جسطرح احادیث۔ اور اصل بات یہ ہے کہ یہی ایک طریق اس زمانہ میں کسی علم کی حفاظت کا تھا۔ اشعار کے راوی نہ صرف کثرت سے شعر ہی زبانی سلسلہ روایت سے بیان کر سکتے تھے بلکہ وہ شاعروں کے نام اور انکے حالات سے بھی واقف ہوتے تھے۔ اور انکے شعروں میں جو حوالے ہوتے تھے انسے بھی خوب آگاہ تھے شعروں کے مشہور راویوں میں سے ایک اصمعی ہیں جنہوں نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ قبل بلوغت کو پہنچنے کے میں نے بارہ ہزار شعر حفظ کر لیے تھے (عقد الفرید) کیا ان لوگوں کے لیے جن میں ایسے حافظے والے لوگ موجود تھے

چند ہزار حدیث کا یاد رکھ لینا کوئی مشکل امر تھا؟ ابو ضمضم کے متعلق اصمعی نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک موقعہ پر چند نوجوان بعد عشاء کے اس کے پاس پہنچے اور بیان کیا کہ ہم تم سے کچھ باتیں سننا چاہتے ہیں۔ اس نے انکو ایک سو شاعروں کے شعر سنائے جن سب کا نام عمر تھا۔ شعبی کہتا ہے کہ مینے شعر سے کمتر روایت کسی علم میں نہیں کی اور شعر میں میری روایت اسقدر ہے کہ اگر میں چاہوں تو برابر ایک مہینہ تک شعر پڑھتا چلا جاؤں اور کوئی شعر دوبارہ نہ آئیگا۔ پس اگر اسقدر اشعار جنکی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے محض زبانی سلسلہ رواۃ سے اسلام سے بھی پہلے زمانے سے ہم تک پہونچ گئے تو میں نہیں سمجھتا کہ حدیث کے اس سلسلہ سے پہنچنے میں مخالفین کو کونسی دقتیں نظر آتی ہیں۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ شعر کا سلسلہ روایت یونہی کوئی لغو کام تھا بلکہ لغت اور نحو کی بنا انہی اشعار پر ہے جو زبانی روایتوں سے پہنچے ہیں۔ ہر زمانہ میں جب کبھی کسی لفظ کے معنوں یا کسی نحو کے قاعدہ میں تنازع پیدا ہوا ہے تو شعر کی سند سے اسکا آخری فیصلہ ہوتا رہا ہے اور کسی نے آج تک یہ اعتراض نہیں کیا کہ یہ شعر تو زبانی روایت سے مدت تک چلا آیا تھا اور بہت دیر بعد تحریر میں آیا اسکا اعتبار کچھ نہیں۔ پس تعجب ہے کہ جس صورت میں نازک ترین مسائل لغت یا نحو صرف زبانی یادداشتوں کی بنا پر حل کیے جا سکتے ہیں تو حدیث کے لیے اتنا شور کیوں مچایا جاتا ہے کہ زبانی روایتوں کے ہونیکی وجہ سے اسپر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہؓ میں کثرت سے ایسے لوگ تھے جن کو پرانے شعر یاد تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کو بھی کئی ہزار شعر جاہلیت کے یاد تھے تو کیا تین سو حدیث وہ یاد نہ رکھ سکتی تھیں۔ ابن عباس کے متعلق یہ واقعہ دیوان عمر ابن ابی ربیعہ کے شروع میں لکھا ہے کہ جب عمر چند شعر بنا کر انکے پاس مشورہ کے لیے لایا کہ آیا یہ شایع کرنیکے قابل ہیں یا نہیں تو آپنے صرف ایک ہی دفعہ اس سے سنکر دوبارہ سب کے سب خود سنا دیئے یہ قریباً ستر شعر تھے اسپر بعض حاضرین نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ شعر آپکو پہلے معلوم تھے تو آپنے انکے تعجب پر تعجب کر کے جواب دیا۔ **اویسمع احد شیئاً ولا یحفظہ**۔ یعنی کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی ایک بات کو سنے اور پھر اسے یاد نہ رکھے۔ کیا ایسے انسان کے لیے اڑھائی سو حدیث کا یاد رکھنا کوئی مشکل امر تھا؟ غرضکہ یہ کہنا کہ حدیث اس لیے قابل اعتبار نہیں کہ ایک سو سال تک صرف حافظہ پر ہی اسکا انحصار رہا یا تو اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے اور یا پرلے درجہ کی حماقت۔

یہ امر کہ جس چیز کا انحصار حافظہ پر ہو اس میں غلطی اور مبالغہ کا اندیشہ ہے حدیث کو پایۂ اعتبار سے گرا نہیں سکتا کیونکہ اگر حافظہ کا یہ حال ہے تو تحریر کہاں اس سے خالی ہے۔ اس زمانے میں بھی جبکہ ادنیٰ تکلیف سے صحیح واقعات معلوم ہو سکتے ہیں ہزارہا ایسی غلط باتیں شایع ہوتی رہتی ہیں جن کو سنکر ہنسی آتی ہے مثلاً ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے متعلق جس سے دھرم سالہ اور کانگڑہ تباہ ہوئے بعض انگریزی اخباروں نے

یہ لکھا کہ کانگڑہ جو بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے زلزلہ سے تباہ ہوگیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اخباروں کو صحت اور غلطی کی چنداں پروا نہیں ہوتی تو ایسی ہی غلطیاں ہم دوسری تحریروں سے نکال کر دکھا دیں گے۔ ہیزل کا اینوئل جو ایک مشہور اور مستند کتاب ہر قسم کے حوالجات کے لیے سمجھی جاتی ہے اس میں اسی زلزلہ کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک سخت زلزلہ نے ایک وسیع ضلع میں جو آگرہ اور شملہ کے درمیان واقع ہے عام تباہی اور سخت نقصان کیا۔ اور پھر لکھا ہے کہ خاص دھرم سالہ میں پانچسو آدمی مرے۔ پھر ایک شخص نے بڑے بڑے زلزلوں کا حال ایک جگہ لکھتے ہوئے اسی زلزلے کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے کئی سو آدمی ہلاک ہوئے۔ حالانکہ گورنمنٹ کی رپورٹ کے مطابق بیس ہزار سے کم آدمی ہلاک نہیں ہوئے۔ یہ مَیں نے صرف ایک واقعہ کے متعلق چند غلطیوں کا ذکر کیا ہے تا معلوم ہو کہ تحریر اور پھر اس زمانہ کی تحریر کہاں تک غلطیوں کی آمیزش سے پاک ہے۔ باقی رہیں پرانی لکھی ہوئی یادداشتیں جو اتفاقاً ہاتھ لگ جائیں ان پر ایسا اعتبار کر لینا کہ گویا ان کا لفظ لفظ صداقت سے بھرا ہوا ہے یہ بھی ایک سخت غلطی ہے۔ بلکہ جہاں زبانی سلسلہ رواۃ میں ہر طرح سے جرح اور تنقید ہو سکتی ہے ایسی تحریریں بالکل کسی تنقید کے ماتحت نہیں آسکتیں اور اس لیے پایۂ اعتبار سے گری ہوئی سمجھنی چاہئیں۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ احادیث کا زبانی یاد رکھنا کوئی ایسا کام نہ تھا جس کے وہ لوگ عادی نہ ہوں بلکہ ان کے لیے یہ ایک معمولی سی بات تھی۔ اسی لیے تحریری یادداشتیں اگر موجود بھی تھیں تو محدثین نے معتبر روایت کو ہی مانا ہے اور تحریر کی تائید بھی جب تک روایت سے نہ ہو یا کم از کم تحریر کے متعلق روایت نہ ہو اسے کوئی وقعت نہیں دی۔ امام بخاری کو چھ لاکھ حدیث یاد تھی اور انہوں نے ایک کو بھی لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ کئی لوگ اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کا آپ کے حافظہ سے مقابلہ کر کے اپنی تحریری یادداشتوں کو درست کیا کرتے تھے۔

ان تمام باتوں سے جو اوپر بیان کی گئیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث میں جھوٹ کی ملاوٹ صحابہؓ کے وقت تک یعنی پہلی صدی ہجری کے اختتام تک ہرگز نہیں ہوئی۔ بلکہ جب صحابہؓ کل اس دنیا سے گذر گئے اور اکثر تابعین بھی انتقال کر چکے تو اس وقت جھوٹی حدیثوں کا بننا شروع ہوا۔ مگر اس خطرہ کو فی الفور علماء نے محسوس کر کے جمع حدیث کا کام شروع کر دیا جس پر میں انشاء اللہ الگ ایک مضمون لکھوں گا کیونکہ یہ مضمون کسیقدر تفصیلی بحث چاہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی حل کرنے کے قابل ہے کہ حدیث کی کتابوں کی اسقدر کثرت کے ساتھ اور مختلف فرقوں میں احادیث کے اسقدر اختلافات کے ساتھ کونسی وہ احادیث ہیں جن پر ہم اعتبار کر سکتے ہیں۔

بقیہ اعتراضات وطن

(سلسلہ کے لیے دیکھو نمبر ۸ جلد ۵ صفحہ ۳۱۸)

اور الہام الٰہی اے ورڈ اینڈ ٹو گرلس پر یہ اعتراض کہ "یہ کیسے معلوم ہوا کہ مقرر پُرزور اور پُرجوش الفاظ میں تقریر کر رہا ہے؟ الفاظ کیسے ذہن میں محفوظ ہے۔ گورے انگریز اہل زبان اور کالے ہندوستانی محمدؐ علی کی تقریر ایک جیسی کیسے ہوسکتی ہے" پرلے درجہ کے لغو اعتراض ہیں۔ کیا اس امر کو کہ کوئی شخص پُرجوش الفاظ میں تقریر کر رہا ہے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا خواہ وہ زبان سننے والا سمجھتا ہو یا نہ۔ اور پھر چند الفاظ کے محفوظ رہنے پر تعجب ظاہر کرنا بھی محض حماقت ہے۔ باقی رہا تقریر کا ایک جیسے ہونا سو یہ تو خواب کا معاملہ ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ وطن کو یہ اعتراض قرآن کریم پر کیوں پیدا نہ ہوا کہ سورج اور چاند اور ستاروں نے سجدہ کیونکر کیا تھا۔ یا یہ کہ سات سوکھی دُبلی گائیاں سات فربہ گائیوں کو کیونکر کھائے جا رہی تھیں۔ کیا یہ اعتراض ایک ہی قسم کے ہیں یا نہیں؟ میں اس مضمون کو کسیقدر بسط کے ساتھ لکھنا چاہتا تھا مگر چونکہ گنجایش باقی نہیں رہی اس لیے ایک دو باتیں اختصار کے ساتھ بیان کر کے اس کو ختم کرتا ہوں۔ مضمون زیر بحث میں دو اعتراض ایسے کیے گئے ہیں جنپر معترض کو بہت فخر ہے کہ یہ ٹوٹ نہیں سکتے۔ اور انکو بار بار دوہرا کر اعتراض کیے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت مرزا صاحب کے الہام اے ورڈ اینڈ ٹو گرلس میں الہامی ترجمہ یہ ہے ایک کلام اور دو لڑکیاں۔ حالانکہ ورڈ کا ترجمہ کلام نہیں بلکہ کلمہ ہے اور کلمہ لفظ مفرد کو کہتے ہیں۔ اور پھر اس غلطی کی اصلاح انسانی ہاتھوں سے یوں کی گئی کہ دوسرے موقع پر ترجمہ کرتے وقت ورڈ کا ترجمہ کلمہ لکھا۔ یہ خلاصہ ہے اعتراض کا۔ یہ اعتراض سرتاپا لغو ہے۔ اول یہ کہ جس جگہ ورڈ کا ترجمہ کلام کیا گیا ہے وہ تو لکھنے والے نے ترجمہ کر دیا ہے نہ حضرت مسیح موعودؑ نے خود وہ ترجمہ کیا ہے اور نہ ہی الہاماً وہ ترجمہ انکو معلوم ہوا۔ بلکہ وہاں تو لکھنے والے نے الہام الٰہی اور ترجمہ کے درمیان لفظ ترجمہ بڑھا کر صاف ظاہر کر دیا ہے کہ یہ ترجمہ خود اس نے کیا ہے۔ باقی رہا یہ کہ ورڈ کا ترجمہ کلام درست نہیں۔ معلوم نہیں اسقدر انگریزی دانی کا دعویٰ لکھنے والے نے کس بنا پر کیا ہے۔ اور پھر اس دعویٰ میں اسقدر غلو کیا ہے کہ ترجمہ کنندہ کی اس خیالی غلطی پر بار بار استہزا کیا ہے۔ اگر معترض نے بائبل ہی پڑھ لی ہوتی تو ایسی حماقت کا ارتکاب وہ نہ کرتا۔ یوحنا کی کتاب شروع اس سے ہوتی ہے۔ "ابتدا میں کلام تھا" اور "کلام" ترجمہ ہے ورڈ کا۔ پھر کوئی ڈکشنری ہی دیکھ لی ہوتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ ورڈ لفظ مفرد کو ہی نہیں کہتے بلکہ ورڈ کے معنے کلام الٰہی کے بھی ہیں۔ کیا انگریزی ڈکشنریوں میں اور کیا انگریزی اردو ڈکشنریوں میں۔ پھر کلمہ کا انحصار لفظ مفرد پر کرنا یہ بھی ناواقفیت ہے۔ یا معترض نے بغیر تحقیق کے ایک سنی سنائی بات لکھدی ہے

افسوس کہ یہ لوگ قرآن کریم پر بھی غور نہیں کرتے۔ سورہ مومنون کا آخری رکوع دیکھو۔ رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت اس کل عبارت کو فرمایا انہا کلمۃ ھو قائلھا ط ایسا ہی کبرت کلمۃ تخرج من افواھم اور پھر کلمات ربی سے مراد کیا خدا کے بولے ہوئے مفرد الفاظ ہیں۔ شاید معترض کو اتنا پتہ بھی نہیں کہ مسلمان کلمہ طیبہ کسے کہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہام ورڈیا میں کلمہ سے مراد یہی ہے کہ اس لڑکے کے متعلق پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے کی ہے انہی معنوں کے لحاظ سے وہ ورڈ اور کلمہ اور کلام کہلایا۔

دوسرا اعتراض جس پر بہت زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ جب دو لڑکیاں پہلے موجود ہیں تو اب لڑکی ہونے سے الہام الٰہی ٹوگرلس والا غلط ہو گیا اس کے متعلق خود مولوی انشاء اللہ صاحب نے بھی اپنے نامہ نگار نقاش کی تائید کی ہے۔ سو یاد رہے کہ یہ ایک پیشگوئی ہے جیسا لڑکا آئندہ پیدا ہونیوالا تھا ویسا ہی الہام میں جن دو لڑکیوں کا ذکر ہے وہ بھی آئندہ پیدا ہونیوالی ہیں اور یہ کل پیشگوئی آئندہ کے متعلق ہے اگر پہلے ٹوگرلس سے دو موجود لڑکیاں سمجھ لی گئیں تو یہ ایک اجتہادی غلطی ہے۔ اور یہ الہام سارا آئندہ کے متعلق ہے

ان تمام باتوں پر غور کر کے ایک طالب حق اس نتیجہ تک پہنچیگا کہ جیسا ایک مرد صادق کی شہادت سے حضرت مسیح موعودؑ کے منجانب اللہ ہونے پر گواہی ملتی ہے ایسا ہی ایک مکذب کے استہزا سے بھی یہ شہادت ملتی ہے کہ یہ شخص مامور من اللہ ہے۔ کیونکہ جو اعتراض پہلوں پر کیے گئے وہی اس پر کیے جاتے ہیں۔ اور کوئی اعتراض ایسا نہیں جس کی زد دیگر انبیاء علیہم السلام پر نہ پڑتی ہو۔

مذہب کے اہم اصول

ولایت کے ایک سالہ ہبرٹ جرنل میں* سر آلور لاج نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں یہ تجویز کی گئی ہے کہ پرانے عیسائی عقائد نامہ کی بجائے ایک نیا عقائد نامہ تیار کیا جائے جس میں موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق عقائد درج کیے جاویں۔ راقم مضمون کہتا ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ جب ہمارے دوسرے حالات مرور زمانہ سے بدلتے رہتے ہیں تو عقائد کو کیوں نہ بدلا جاوے۔ اس نئے عقائد نامہ کے عقائد میں خدا کی ہستی کا اقرار سب سے پہلا اصل مذہب ہے۔ راقم مضمون لکھتا ہے کہ "انسان سے برتر ہستیوں (جس سے مراد اسکی ملائکہ وغیرہ معلوم ہوتی ہے) اور ایک سب سے

---

* سر آلور لاج ولایت کے ایک مشہور سائنس دان ہیں۔ اور علم کیمیا کے بڑے ماہر ہیں۔ منہ

برتر ہستی کا وجود ہر ایک مذہب کا اہم اور ابتدائی اصل ہے اور یہ خیال کرنا کہ انسان کا ہی سب سے برتر ہستی ہونا ممکن ہے میرے نزدیک علوم حقہ کا انکار ہے،، اس بناء پر پہلا نیا عقیدہ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ "میں ایک غیر محدود اور ابدی ہستی پر ایمان لاتا ہوں جو ہمارا ہدایت کرنیوالا اور محبت کرنیوالا باپ ہے اور جس سے تمام چیزیں ہیں،، ایسا ہی اس نئے عقیدہ میں اصول دعا کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

اس مضمون کو پڑھکر مذہب اسلام کی صداقت اور عظمت کا ایک نیا اثر دل پر ہوتا ہے کہ اس پاک مذہب نے وہ اصول قائم کیے ہیں جنکو بدلنے کی کسی زمانہ میں بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی اور تاریخ انسانی کا پتہ چلتا ہے وہ اصول انسان کی فطرت میں مرکوز پائے جاتے ہیں اور آجتک کسی مذہب نے انکا انکار نہیں کیا میرے نزدیک مذہب کے اہم اصول صرف دو ہیں یعنی ایک ہستی باری تعالیٰ اور دوسرے بعثت انبیاء یعنی خدائے واحد کا اپنے خاص بندوں کے ذریعے دنیا پر اپنی مرضی ظاہر کرنا۔ یہ دو اصول ایسے ہیں کہ انسے کسی مذہب نے انکار نہیں کیا اور یہ اسلام کی صداقت پر ایک عظیم الشان شہادت ہے۔ اول ہستی باری تعالیٰ کو لو۔ اور جہانتک تاریخ انسانی کا پتہ ملتا ہے تلاش کرو یہی معلوم ہوگا کہ تمام قوموں نے ہر زمانہ میں ایک اعلیٰ اور برتر ہستی کا اقرار کیا ہے خواہ کتنی ہی غلطیوں کی آمیزش اس اقرار کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ بلکہ جن لوگوں نے بتوں یا عناصر یا دیگر اشیاء میں خدائی قوتوں کا ہونا مانا ہے انکی بھی فطرت دراصل ایک اعلیٰ ہستی کی تلاش میں لگی ہوئی ہے گو بہ سبب کسی قسم کی تاریکیوں میں مبتلا ہونیکے وہ اصل حقیقت کو نہیں پہنچ سکے مگر پھر بھی انکی طبیعت اس بات پر کبھی قانع نہیں ہوئی کہ انسان سے برتر کوئی ہستی نہیں بلکہ وہ اس برتر ہستی کی تلاش میں ہی ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔ بہر حال جہانتک تاریخ پتہ دیتی ہے تمام مذاہب کو دیکھو ان میں ہستی باری تعالیٰ کا اقرار ضرور پایا جائیگا۔ عیسائی یسوع کو خدا مانکر۔ ہندو کرشن یا رامچندر کو خدا مانکر۔ ایک بت پرست بت کو خدا مانکر۔ آتش پرست آتش کو خدا مانکر پھر بھی اس بات پر قانع نہیں ہوئے کہ یہی خدا ہیں بلکہ باوجود ان غلطیوں کے سچے خدا کی ہستی کا اقرار کیا اور ان خداؤں سے برتر ایک خدا کو مانا۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک خدا کی ہستی کا اقرار فطرت انسانی میں مرکوز ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان تمام مذاہب میں جو مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں پیدا ہوئے یا مروج رہے باوجود سب قسم کے اختلافوں کے اس ایک بات پر ہمیشہ سے اتفاق رہنا۔ یہ کوئی بناوٹی بات نہیں ہو سکتی بلکہ جس صانع نے فطرت انسانی کو بنایا ہے اسی نے اس فطرت میں اپنے ہاتھ سے یہ نقش بھی کر دیا ہے کہ وہ اس صانع کا اقرار کرے یہانتک کہ دہریہ بھی ایک سبب اول کو مانتا ہے۔

اب یہ سوال ہوگا کہ اگر ہستی باری تعالیٰ کا اقرار کم و بیش کل مذاہب میں پایا جاتا ہے تو اسلام کو کیا خصوصیت ہوئی؟ اسلام کو بیشک ایک خصوصیت حاصل ہے اور یہ خصوصیت ہی اس بات پر شاہد ہے کہ مذہب اسلام

ہی وہ مذہب ہے جو فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ ہستی باری تعالیٰ کا اقرار سوائے اسلام
کے ہر ایک مذہب میں کسی نہ کسی قسم کی غلطیوں سے ملا ہوا ہے۔ غلطیاں میں انہیں اس لیے کہتا ہوں کہ وہ خود
خصوصیات قومی ہیں اور فطرت انسانی کے مطابق نہیں ہیں۔ مثلاً ایک شخص ہستی باری تعالیٰ کا اقرار کرتے ہوئے
یہ تجویز کرتا ہے کہ ایک خدا کا بیٹا بھی ہے جو اصل میں خدا ہی ہے۔ اور یہ خدا یسوع مسیح ہے۔ اب اگر خدا تعالیٰ
کی خدائی کے علاوہ یسوع کی خدائی کا اقرار بھی ایک امر حق ہوتا جسکی ضرورت ہر ایک انسان کے لیے تھی تو چاہیئے تھا کہ
جس طرح خدا کی ہستی کا اقرار تمام دلوں میں منقش ہے اور فطرت انسانی نے ابتدائے تاریخ انسان سے اسپر گواہی دی ہے
اسی طرح یسوع کی خدائی کا اقرار بھی فطرت انسانی میں پایا جاتا مگر برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ محض ایک
خصوصیت قومی ہے جو صرف اُنیس ۱۹ سو برس سے پیدا ہوئی۔ نہ اسکا نشان اسوقت سے پہلے دنیا میں تھا نہ اسکے بعد
کسی مذہب میں سوائے اسی ایک خاص قوم کے پایا جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کرشن کو خدا کہتا ہے وہ بھی ایک خصوصیت
قومی اور ملکی ہے یا جو شخص بتوں میں خدائی صفات کا ہونا مانتا ہے وہ بھی ایک خصوصیت قومی ہے اسطرح پر
سوائے اسلام کے تمام مذاہب نے علاوہ اُس پاک اور برتر ہستی کے جسکا نقش فطرت انسانی میں ہے ایک ایک
قومی خدا قرار دے لیا ہے اور صرف اسلام نے ہی اُس خدا کو دنیا میں پیش کیا ہے جس پر فطرت انسانی شاہد ہے۔
اور اسی لیے اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں مانا جا سکتا ہے اور قومی خدا یا قومی دیوتے مثل یسوع
مسیح کے ایک وقت کے لیے ایک خاص قوم کے درمیان مانے گئے ہیں جنکو عام فطرت انسانی نے قبول نہیں کیا۔
اور اسلام کا عقیدہ ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق وہ عقیدہ ہے جسکو مرور زمانہ کے ساتھ بدلنے کی ضرورت نہیں
بلکہ جب سے دنیا ہوئی اور جب تک رہیگی اور جب تک فطرت انسانی نہیں بدلتی یہ عقیدہ بھی نہیں بدل سکتا۔ اس سے
بڑھکر اور کونسی بات اسلام کی صداقت پر شاہد ہو سکتی ہے۔

دوسرا بنیادی مسئلہ مذہب کا بعثت انبیاء ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی دنیا پر اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ ظاہر
کرتا ہے۔ اس مسئلہ کو بھی تمام دنیا کے مذاہب نے مانا ہوا ہے مگر جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہستی کے مسئلہ میں صداقت کے ساتھ
بہت سی غلطیاں ملا دی ہیں اسی طرح اس مسئلہ میں بھی سوائے اسلام کے غلطیوں کی آمیزش کر دی گئی ہے۔ مثلاً ہندو
مذہب بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ خدا اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہتا ہے کہ خدا کا کلام صرف ایک ہی
دفعہ ہندوستان کے چار رشیوں پر نازل ہوا تھا اس کے بعد کلام الٰہی کسی شخص پر نازل نہیں ہو سکتا۔ یہودی بھی
کلام الٰہی کے خدا کے برگزیدہ بندوں پر نازل ہونیکو مانتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ صرف بنی اسرائیل پر ہی کلام الٰہی نازل ہوا
اور اس قوم کے سوائے دوسری سب قومیں اس سے محروم ہیں۔ عیسائیوں کا اعتقاد بھی یہودیوں کی طرح ہی ہے
مگر ان کے نزدیک مسیح کے حواریوں کے ساتھ کلام الٰہی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ ایسا ہی دوسرے مذاہب میں کلام الٰہی کے نازل

ہونیکو تسلیم کیا گیا ہے مگر یہ عقیدہ ہر جگہ کسی نہ کسی غلطی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اب اگر ان تمام مذاہب میں سے قدر مشترک لیا جاوے تو صحیح عقیدہ جو مشترک طور پر تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے یہ ثابت ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت قدیمہ ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ سو یہی صحیح عقیدہ مذہب اسلام نے لیا ہے اور تمام غلطیوں کو اس سے دور کرکے اصل عقیدہ کو قائم رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنا کلام نازل فرماتا رہا ہے اور ہمیشہ تک وہ اپنی اس سُنّت کو جاری رکھے گا۔

پس یہ دو عقیدے جو ہر ایک مذہب کے اہم اصول ہیں جن پر مذہب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ صرف اسلام میں ہی ایسی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ کہ ہر ایک قسم کی غلطی کی آمیزش سے پاک ہیں۔ اور جو کچھ تمام مذاہب دنیا میں قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے وہی اسلام نے صحیح رکھا ہے اور تمام قومی خصوصیات اور قومی دیوتاؤں کو دور کرکے وہ عقائد پیش کیے ہیں جنکو کسی زمانہ یا کسی ملک میں بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

بنگالیوں کی دلجوئی ۱۲

اس رسالہ کے ماہ فروری ۱۹۰۶ء کے نمبر میں یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بنگالہ کی نسبت شایع کی گئی ہے۔ جو بعینہ ان الفاظ میں ہے ’’پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب انکی دلجوئی ہوگی،، ان لوگوں کے لیے جو حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں پر محض عناد کی وجہ سے یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ آپ کی پیشگوئیوں میں کسی امر کی تعیین نہیں ہوتی بلکہ مبہم اور گول مول ہوتی ہیں غور کا مقام ہے کہ انہی ایّام میں اللہ تعالیٰ نے ایسے کھلے کھلے نشان ظاہر کردیے ہیں کہ مخالفین کا مونہہ بند ہوگیا ہے چراغدین کی موت کا الہام کیسی صفائی سے پورا ہوا۔ ڈوئی کی تباہی کا الہام جسکی پیشگوئی امریکہ اور انگلستان میں مشتہر ہو چکی تھی اور وہاں اخباروں میں درج ہو چکی تھی کسقدر واضح طور سے پورا ہوا۔ اور ایسا ہی اور بہت سے نشانات ظاہر ہوئے ہیں لیکن اگر مخالفین کی تحریروں کو دیکھو تو وہی ایک آتھم والی پیشگوئی کو بار بار پیش کرتے ہیں اور ان پیشگوئیوں کے متعلق جو نہایت صفائی سے پوری ہو رہی ہیں کبھی کچھ نہیں لکھتے اگر آتھم کی پیشگوئی پر کوئی اعتراض واقعی انکے دلوں میں نیک نیتی سے ایسا پیدا ہوا ہے جسکو وہ منہاج نبوت کی رُو سے واقعی اعتراض سمجھتے ہیں تو ایمانداری کا کم از کم یہ تو تقاضا ہونا چاہیئے کہ آتھم کی پیشگوئی پر اعتراض کرتے وقت یہ بھی لکھدیا کریں کہ فلاں فلاں پیشگوئی صفائی سے پوری ہوئی اور یا کم از کم یہ کہ انپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ مگر بات یہ ہے کہ آتھم کی پیشگوئی پر اعتراض محض شرارت کی وجہ سے ہے اور یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ یہ قدیم سے سُنّت الٰہیہ ہے کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل بھی جایا کرتی ہیں پس

جس صورت میں پیشگوئی میں صاف شرط موجود ہے اور آتھم کا شرط سے فائدہ اُٹھانا ایک ثابت شدہ امر ہے اور پھر وہ مطابق پیشگوئی کے ہلاک بھی ہو گیا تو اس پیشگوئی پر بار بار اعتراض کرنا جحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلماً وعلواً والا معاملہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اب بنگالہ کی نسبت جو پیشگوئی آج سے چھ سات ماہ پہلے شایع کی گئی تھی اسپر غور کرو۔ کہ کس صفائی سے پوری ہوئی۔ پیشگوئی کے شایع ہونیکے وقت بنگالیوں کی شورش اور فساد حد درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور اُدھر سر فلر کی گورنمنٹ اس بات پر تلی ہوئی تھی کہ اس تمام فساد کو زور سے دبایا جاوے۔ ایسے وقت میں دو قسم کی امیدیں تو لوگوں کے دلوں میں ضرور تھیں یعنی بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ شاید گورنمنٹ بنگالیوں کی شورش وغیرہ سے دب کر تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیگی۔ چنانچہ بعض نجومیوں نے ایسی پیشگوئیاں اپنی جنتریوں میں شایع بھی کر دی تھیں۔ دوسری طرف جو لوگ اس امر سے واقف تھے کہ سر فلر کیسا مستعد اور کسی سے نہ دبنے والا حاکم ہے۔ انکا یہ خیال تھا کہ گورنمنٹ اس تمام شورش کی کوئی پروا نہیں کریگی اور قانون کے منشاء کے مطابق اس شورش کو (مناسب ذرائع عمل میں لاکر) فرو کریگی۔ لیکن ان دو خیالوں کے سوا اور کوئی خیال اُسوقت کسی نے ظاہر نہیں کیا۔ انہیں حالات کے نیچے ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پاکر حضرت مسیح موعودؑ نے اس امر کا اعلان کیا کہ اس حکم کے متعلق جو ہو چکا ہے اب گورنمنٹ صرف ایسا طریق اختیار کریگی جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہو۔ جسکا یہ صاف صاف مفہوم ہے کہ جو خیال لوگوں کے دلوں میں ہیں وہ دونوں پورے نہیں ہونگے بلکہ ایک ایسا طریق اختیار کیا جاوے گا جس سے تقسیم بھی منسوخ نہ ہو اور اہل بنگال کی دلجوئی بھی ہو جائے۔ اب جسوقت تک نئے صوبہ کی حکومت سر فلر کے ہاتھ میں تھی اسوقت تک کسی بات سے بنگالیوں کی دلجوئی کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو سر فلر بھی ایک زبردست حاکم تھا اور دوسری طرف بنگالیوں کو اس سے اسکی بعض کارروائیوں کے سبب سے خاص عناد تھا۔ اور بظاہر پانچ سال تک جبتک سر فلر کا زمانہ حکومت خود بخود ختم ہو جاتا گورنمنٹ کی پالسی بنگالیونکی نسبت بدل نہیں سکتی تھی۔ مگر وہ علیم خدا جس نے اپنے بندہ پر پیش از وقت یہ ظاہر کیا تھا کہ اب بنگالیوں کی دلجوئی ہو گی وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر واقعات پیدا ہونیوالے ہیں جنسے دلجوئی کی جاوے گی۔ چنانچہ یک بیک جب کسی کو خیال بھی نہ تھا سر فلر نے استعفا پیش کیا اور گورنمنٹ نے اسے منظور کیا۔ یہ بات کہ اس استعفا سے بنگالیوں کی دلجوئی ہوئی ایسی صاف ہے کہ ایک سخت سے سخت دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا جو خوشیاں بنگالہ میں سر فلر کے استعفا پر ہوئی ہیں اور جس طرح پر بنگالی اخباروں نے خوشی کے نعرے بلند کیے ہیں اور کالموں کے کالم اسی خوشی میں سیاہ کیے ہیں اس سے بہت کم لوگ ناواقف ہونگے۔ اور یہ سب باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ بنگالیوں نے گورنمنٹ کی اس دلجوئی کو خوب محسوس کیا ہے۔ خود سر فلر کے استعفا کی منظوری اس دلجوئی پر ایک اور

بڑی شہادت ہے. وہ واقعات جن کے سبب سے سابق لفٹننٹ گورنر کو استعفا دینا پڑا یہ ہیں کہ بنگالیوں کی گذشتہ شورش میں دو مدرسوں کے طالب علموں نے مدرسین کے اکسانے سے ایسے فعل کیے جن سے پبلک کے امن میں خلل ڈالا گیا. منتظمین مدرسہ کو جب طالب علموں کی ان شرارتوں کی طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے انہیں سزا دینے سے انکار کیا اس پر لفٹننٹ گورنر نے یونیورسٹی کو یہ لکھا کہ ان دونوں مدرسوں کا تعلق یونیورسٹی سے قطع کر دیا جاوے ابھی اس تحریر پر سینیٹ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ گورنمنٹ ہند نے سر فلر کو لکھا کہ وہ اپنی تحریر کو واپس لیں۔ سر فلر نے انکار کیا اور استعفا پیش کیا جسکو گورنمنٹ ہند نے منظور کیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس استعفا کے منظور کرنے میں گورنمنٹ ہند نے بنگالیوں کی حد درجہ کی دلجوئی کی ہے اور دو مدرسوں کی خاطر ایک لفٹننٹ گورنر کا استعفا منظور کیا۔ پس سر بی فلر کا بنگال سے چلے جانا بنگالیوں کی دلجوئی والی پیشگوئی کو صاف طور پر پورا کرتا ہے۔

اس سے بھی بڑھکر۔ ایک اور امر اس دلجوئی پر شاہد ہے اور وہ ہے نئے لفٹننٹ گورنر مسٹر ہیر کا تقرر۔ اگر فلر صاحب کی بجائے کوئی ایسا لفٹننٹ گورنر مقرر کیا جاتا جس کے ساتھ بنگالیوں کو ایسی ہی پرخاش ہوتی جیسی فلر سے تھی تو اس تغیر سے دلجوئی کا مقصد پورے طور پر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ مگر چونکہ گورنمنٹ ہند کا اصل مقصد بنگالیوں کی دلجوئی کرنیکا تھا اور نہ سر فلر سے گورنمنٹ کو کوئی ناراضگی نہ تھی اسلیے اسکا جانشین انتخاب کرنے میں گورنمنٹ نے نہایت دانائی سے کام لیا ہے اور ایک ایسے آدمی کو منتخب کیا ہے جس پر بنگالیوں اور گورنمنٹ دونوں کو اعتبار ہے کہ وہ دلجوئی کی پالیسی اختیار کریگا۔ بلکہ ایک انگریزی افسر سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۴۔ اگست سنہ۱۹۰۶ء میں یہ خط لکھتا ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ سر بی فلر کے جانشین کو یہ حکم ملا ہے اور اس نے اس حکم کو قبول کیا ہے کہ وہ مفسدہ پرداز بابوؤں کی دلجوئی کرے" غرض خواہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی ایسا حکم ملا ہو یا نہ اس میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ یہ سارا تغیر محض بنگالیوں کی دلجوئی کے لیے ہے اور خود بنگالی اخبارات بھی اس بات پر مطمئن ہیں چنانچہ اخبار امرتا بازار پتر کا جو بنگالیوں کا سب سے مشہور اخبار ہے اور جو گورنمنٹ کی کسی بات پر مطمئن نہیں ہوتا اس بات کو تسلیم کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ "یہ اغلب ہے کہ فلر کا جانشین ایک بالکل دلجوئی کی پالیسی اختیار کریگا"

اب ان تمام واقعات پر غور کرو کہ کیا خدائے علیم کے سوائے کوئی اور ان باتوں کو قبل از وقت بتا سکتا تھا؟ اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ گورنمنٹ رعایا پر اور رعایا گورنمنٹ پر صد درجہ کی بدظن ہو رہی تھی۔ اور دلجوئی کا نام و نشان نہ تھا نہ ہی کسی دانشمند نے جو ملکی امور سے واقف ہو اس وقت یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اب گورنمنٹ بنگالیوں کی دلجوئی کریگی میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اُس وقت کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا۔ اور یہ امور سب بعد میں ہی وقوع میں آئے ہیں ہاں خدائے علیم ان باتوں کو جانتا تھا اور اُس نے بطور نشان ان باتوں کو اپنے بندے پر ظاہر کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کبھی ان ملکی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی اور نہ ہی انکو ان باتوں کا پتہ ہوتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ بلکہ

جس دن یہ الہام الٰہی ہوا تو نہایت حیرت سے فرماتے تھے کہ مجھے تو کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس طرف توجہ نہیں ہوئی خدا نے خود ہی اس امر کو ظاہر فرمایا ہے۔ کہاں ہیں وہ دانا دل! جو دنیا کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے نتیجہ نکالتے ہیں ان باتوں پر وہ کیوں غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا اور اپنے علم و قدرت کا کھلا کھلا ثبوت ان نشانات کے ذریعہ دے رہا ہے مگر افسوس ان لوگوں پر اور اس زمانہ پر کہ وہ مطلق اس طرف توجہ نہیں کرتے پر ایسا ہی ہونا تھا پہلے نبیوں کی سُنّت پوری ہو جیسا انکے وقت میں باوجود کھلے کھلے نشانوں کے دنیا کے لوگوں نے قبول حق سے انکار کیا۔ اسی طرح اب بھی کر رہے ہیں ورنہ یہ کوئی معمولی نشان نہیں جو دکھائے جا رہے ہیں بلکہ ایک ایک نشان اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کھلا کھلا گواہ ہے جس پر کسی قسم کی جرح نہیں ہو سکتی۔ قوم کی اصلاح کا دعویٰ کرنیوالے تو بہت ہیں مگر قوم کو ان باتوں کی طرف توجہ کرنے سے روکا جاتا ہے جو انکے اللہ تعالیٰ پر ازدیاد ایمان کا موجب ہیں۔ افسوس!۔

آریہ سماج کی موت

سچے اور جھوٹے مذہب میں اللہ تعالیٰ نے ایک کھلا کھلا امتیاز رکھا ہے۔ سچے مذہب سے مراد میری وہ مذہب یا سلسلہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مامور کو بھیجکر دنیا میں قائم کرتا ہے اور جھوٹے مذہب سے مراد ایسا سلسلہ ہے جو زمینی لوگ اپنی کوششوں سے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے قائم کرتا ہے وہ قوانین قدرت کے مطابق ابتدا میں ایک بیج کی طرح ہوتا ہے اور بتدریج ترقی کرتا اور نشو و نما پاتا ہے۔ اور ابتدا میں دنیا کے لوگ اس نازک پودہ کو دیکھکر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جلد نیست و نابود ہو جائیگا مگر چونکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید اسکے ساتھ ہوتی ہے وہ کسی کی کوششوں سے نابود نہیں ہو سکتا بلکہ دن بدن ترقی کرتا اور آخرکار ایک نہایت مفید طول اور قد آور درخت بنجاتا ہے جسکا سایہ مشرق و مغرب میں پھیل جاتا ہے۔ جھوٹے مذہب کا شور ابتدا میں زیادہ ہوتا ہے مگر چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں۔ اس لیے روز بروز تنزل کی حالت کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں دو کھلی کھلی نظیریں اس کی ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ یعنی ایک طرف سلسلہ احمدیہ اور دوسری طرف آریہ سماج۔ سلسلہ احمدیہ کے بانی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے اور خدا اسکا ناصر ہے اور اسے غالب کریگا۔ چنانچہ آج سے پچیس سال پہلے کی اسکی پیشگوئیاں کتاب براہین احمدیہ میں موجود ہیں جو ایسے وقت میں شایع کی گئیں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ایک بھی آدمی نہ تھا اور نہ اس سلسلہ کا کوئی نام و نشان ہی تھا۔ ان پیشگوئیوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدے فرمائے ہیں کہ وہ اس سلسلہ کو دنیا کے کل مذاہب پر غالب کریگا اور اسکے بانی کی زندگی میں

دور دور سے لوگ اس کے پاس آئیں گے اور بڑی بڑی جماعتیں اس سلسلہ میں داخل ہوتی چلی جاویں گی۔ ان پیشگوئیوں کو ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ اور کوئی شخص نہیں جو اس بات کا کچھ بھی جواب دے سکے۔ کہ اگر یہ سلسلہ منجانب اللہ نہیں تو یہ غیب کی باتیں اور یہ اقتداری پیشگوئیاں جو انسان کے حیطۂ علم اور قدرت میں ہرگز نہیں کیوں سچی ثابت ہو رہی ہیں۔ مگر اس جگہ ان پیشگوئیوں کا ذکر کرنا میرا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ایک اور پیشگوئی کی طرف مَیں ناظرین کو توجہ دلانی چاہتا ہوں جس کے پورا ہونے کے آثار ابھی سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کوئی تین سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ تذکرۃ الشہادتین میں اپنی جماعت کو چند نصیحتیں کرتے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ لکھا تھا۔

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اسکی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دیگا اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر انکو غلبہ بخشیگا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا۔ جو عزت کیساتھ یاد کیا جائیگا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا۔ اور ہر ایک کو جو اسکے معدوم کرنیکا فکر رکھتا ہے نامراد رکھیگا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا یہانتک کہ قیامت آجائیگی ...... اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کے انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہوکر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑینگے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولیگا اور کوئی نہیں جو اسکو روک سکے۔"

اس پیشگوئی کے بالمقابل دوسری طرف ایک پیشگوئی آپ کی آریہ سماج کے متعلق ہے۔ جو ان الفاظ میں اسی جگہ دی گئی ہے۔

"اور یہ خیال مت کرو! کہ آریہ یعنی ہندو دیانندی مذہب والے کچھ چیز ہیں وہ صرف اس زنبور کی طرح ہیں جس میں بجز نیش زنی کے اور کچھ نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ توحید کیا چیز ہے اور روحانیت سے سراسر بے نصیب ہیں۔ عیب چینی کرنا اور خدا کے پاک رسولوں کو گالیاں دینا انکا کام ہے اور بڑا کمال انکا یہی ہے کہ شیطانی وساوس سے اعتراضات کے ذخیرے جمع کر رہے ہیں۔ اور تقویٰ اور طہارت کی روح ان میں نہیں یاد رکھو! کہ بغیر روحانیت کے کوئی مذہب چل نہیں سکتا اور مذہب بغیر روحانیت کے کچھ بھی چیز نہیں۔ جس مذہب میں روحانیت نہیں اور جس مذہب میں خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہیں اور صدق و صفا کی روح نہیں اور آسمانی کشش اسکے ساتھ نہیں۔ اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اسکے پاس نہیں۔ وہ مذہب مردہ ہے اس سے مت ڈرو۔ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان زندہ ہوں گے۔ کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لوگے۔ کیونکہ یہ مذہب آریہ کا زمین سے ہے نہ آسمان سے۔ اور زمین کی باتیں پیش کرتا ہے نہ آسمان کی۔"

پس جیسا ایک طرف سلسلہ احمدیہ کی ترقی اور غلبہ کی پیشگوئی ہے دوسری طرف آریہ سماج کی موت کی پیشگوئی

ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ اگرچہ اس موت کے آثار کھلے کھلے نظر آرہے ہیں مگر آریہ سماجی انکو اس رنگ میں پیش کرنے سے قبول نہ کرتے لیکن اب انکے اپنے ایک وکیل نے آریہ سماج کی حالت تنزل اور مردگی کو قبول کر لیا ہے۔ یعنی تو آریہ دھرم پال نے اپنے رسالہ اندر میں ایک مبسوط مضمون آریہ سماج کی زندگی یا موت پر لکھکر آریہ سماج کی موت کو تسلیم کیا ہے۔ اور آریہ اخباروں نے بھی اس مضمون کی تائید کی ہے۔ اصل بات جو اس مضمون کی محرک ہوئی وہ صرف اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ دھرم پال صاحب کو آریہ سماجی اپنے گھروں میں داخل نہیں ہونے دیتے اور دھرم پال صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ انہیں وہی حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو جنم کے ہندوؤں کو حاصل ہیں اور مردوں کے علاوہ انکا عورتوں سے بھی میل جول ہو۔ خیر یہ تو انکا باہمی جھگڑا ہے جسطرح چاہیں اسے نبٹیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا آریہ سماجیوں کے چند مرتدین کو اپنے گھروں میں داخل کر لینے سے آریہ سماج کی موت کیحالت زندگی سے بدل سکتی ہے؟ اس مضمون میں مذہب کی طاقت کے دو پہلو بیان کیے گئے ہیں ایک ڈسٹرکشن یا گرانا دوسرا کنسٹرکشن یا بنانا۔ بہت زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ ڈسٹرکشن میں آریہ سماج نے بڑی طاقت دکھائی ہے۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرنے میں آریہ سماج بہت کامیاب ہوا ہے۔ لیکن اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو دہریے آریہ سماج سے بھی زیادہ کامیاب ہوئے ہیں۔ اور دھرم پال صاحب کا یہ دعویٰ کہ ”آریہ سماج نے اس ملٹری یا کھنڈن کے پہلو میں اسقدر ترقی کی ہے کہ اسکا ثانی مذہبی دنیا کی تواریخ میں آجتک کوئی ہوا ہے شاید آئندہ بھی کوئی نہ ہو“ پرلے درجہ کی حماقت کا دعویٰ ہے۔ آریہ سماج نے کیا کیا ہے اسلام پر اعتراض کیے ہیں تو صرف پادریوں کا پس خوردہ کھایا ہے۔ عیسائیت پر اعتراض کیے ہیں تو دہریوں کی نقل کی ہے۔ بلکہ دہریوں نے جو اعتراض کیے ہیں آریہ سماج انکے برابر کبھی نہیں پہنچ سکتا ہاں چونکہ آریہ اور دہریہ کو آپس میں یہ مناسبت ہے کہ دہریہ تو سرے سے خدا کا منکر ہے اور آریہ خدا کی خالقیت کا منکر ہے اور یہ کہتا ہے کہ جوڑنے جاڑنے کے لیے خدا درکار ہے جو دراصل خدا کا انکار ہی ہے اس لیے دہریوں کی طرح اس مذہب نے بھی اپنا کام صرف یہی رکھا ہوا ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرے پاک اور مقدس لوگوں کو گالیاں نکالے اور اپنے گھر سے اگر کچھ بات پیش کی ہے تو وہ صرف نیوگ کا گند ہے چنانچہ دھرم پال صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آریہ سماج دوسرے مذاہب پر حملے کرنے میں بہت ہشیار مگر کنسٹرکشن یعنی خود اصلاح کا کوئی پہلو پیش کرنے میں بالکل نامراد رہا ہے۔ پس جب آریہ سماج خود کوئی اصلاح پیش نہیں کر سکتا تو اس کے دوسرے مذاہب پر حملے بھی محض ایک گندے جوش کا نتیجہ ہیں نہ پاکیزگی کی محبت کا نتیجہ۔ اگر آریہ صاحبان کے دلوں میں کوئی روحانیت کوئی پاکیزگی کی محبت یا کوئی ذرہ بھی خدا کی راہ میں انکساری ہوتی تو بجائے پاک لوگوں کو گالیاں دینے کے کچھ اپنی خوبیاں پیش کرتے مگر اس خانہ میں یعنی آریہ سماج کی اصلاح کے خانہ میں دھرم پال صاحب خود اقراری ہیں کہ ایک ”بڑا بھاری گول صفر لگ رہا ہے جو زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں آریہ سماج کی موت کا پیغام لیکر آیا ہوں“ پھر لکھا ہے کہ ”جب ہم آریہ سماج میں اس سول ڈیپارٹمنٹ یا کنسٹرکشن

یا اندرونی زندگی کی طرف نگاہ مارتے ہیں تو ہمیں اسقدر سخت مایوسی ہوتی ہے کہ جسکا بیان ہم لفظوں میں نہیں کر سکتے۔ اور بعض لوگوں کا یہ خیال کہ آریہ سماج مر گیا ہے یا جلدی ہی مر جائیگا ہمیں سخت کشمکش و پیچ میں ڈال دیتا ہے!! پس اصل کام مذہب کا جو اصلاح کا کام ہے اگر وہی کسی مذہب نے کر کے نہیں دکھایا تو محض اعتراض گن کر کامیابی کی امید رکھنا عبث ہے۔ ایک جاہل سے جاہل آدمی عمدہ سے عمدہ کام پر اعتراض کر کے خوش ہو سکتا ہے خواہ اسکے اعتراض محض اسکی اپنی جہالت کی وجہ سے ہی ہوں۔ یہی حال آریہ سماج کا ہے کہ وہ اس بات پر نازاں ہے کہ اسنے مقدسوں کو خوب سیر ہو کر گالیاں دے لی ہیں۔ مگر ایسے اعتراضات تو افسوس اور رونیکا مقام ہے نہ خوشی اور فخر کا۔ ایسا ہی ایک بیباک اور منہ پھٹ آدمی ایک بھلے مانس کی پگڑی اتار سکتا ہے مگر کیا اس سے یہ ثابت ہو گا کہ اسنے ایک بڑا کام کر دکھایا؟ بلکہ یہی کہا جائیگا کہ اسنے ایک شرارت کا کام کیا ہے۔ جہاں تک میں نے آریہ سماج کے حملوں کو جو وہ دوسرے مذاہب پر کرتے ہیں دیکھا ہے اس جاہل کے اعتراضات یا اس بیباک کی گستاخی اور شرارت سے بڑھکر انکی کوئی وقعت نہیں۔ بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک آریہ سماج کی یہی حالت ہے۔ لیکھرام کی تحریریں دیکھو خود دھرم پال صاحب کی تحریریں دیکھو انکی مثال وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کی۔ مثلاً یہ کہنا کہ مسلمانوں کا خدا بھنگڑ ہے۔ اور طرح طرح سے استہزا کرنا ایک مذہبی مباحثہ کرنیوالے کے موزون حال باتیں نہیں بلکہ ایک نقال یا مسخرے کو موزون ہیں۔ یا ایک بیباک اور گستاخ انسان کو جسے نہ خدا سے تعلق ہے نہ مذہب سے۔ بلکہ صرف بھلے مانسوں کی عزت اتارنے کا وتیرہ اسنے اختیار کیا ہوا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آخر جو مذہب سچا ہے اسے بھی تو دوسروں پر اعتراض کرنے ہی پڑیں گے کیونکہ اصلاح کا کام سوائے اسکے ہو ہی نہیں سکتا کہ دوسرے مذاہب کی غلطیاں دکھائی جاویں تو میں کہتا ہوں کہ اس سے مجھے بھی انکار نہیں۔ مگر جو مذہب دوسروں کی غلطیاں دکھاتا ہے اسے کوئی اپنی خوبی بھی تو دکھانی چاہیئے۔ جس صورت میں آریہ سماج اسکے وکیلوں کے اپنے اقرار کے مطابق اندرونی خوبی کوئی نہیں رکھتا اور اصلاح یا کنسٹرکشن کا کام اسنے خود کوئی کر کے نہیں دکھایا تو پاک لوگوں پر حملے کرنا وہی بیباکانہ اور گستاخانہ شیوہ ہے جسکی مثال اوپر دی گئی۔ جو شخص نیک نیتی سے حملہ کرتا ہے اسے پہلے یہ تو دکھانا چاہیئے کہ میرے اندر یہ خوبی یا یہ قوت ہے۔ لیکن ایک مذہب کے اندر کوئی اندرونی خوبی نہیں تو پھر دوسروں پر حملے کرنے صرف ایک اوباشانہ طریق ہے۔ جتنے اللہ تعالیٰ کے برگزیدے گذرے ہیں انہوں نے کبھی یہ طریق اختیار نہیں کیا کہ آپ کوئی کمال حاصل کرنیکے بغیر دوسروں کی نکتہ چینی شروع کر دیں۔ اسی لیے خدا کا پاک کلام مسلمانوں کو یہی تعلیم دیتا ہے کہ علیکم انفسکم یعنی مقدم یہ بات ہے کہ تم اپنے نفسوں کو پاک کرو اور جب تم خود پاکیزگی حاصل کرلو تو پھر دوسروں کی طرف توجہ کرو خدا کے کل مقدس نبیوں نے اور کل راستبازوں نے جہاں کہیں وہ پیدا ہوئے یہی طریق اختیار کیا مگر یہ طریق جو آریہ سماج نے اختیار کیا ہے کسی ملک کے کسی نیک آدمی نے اختیار نہیں کیا۔ یہ لوگ اپنے نفسوں کی اصلاح کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے بلکہ پاکوں اور نیکوں کو گالیاں نکالنے میں ہی اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی آریہ سماج کی طاقت کی نشانی نہیں بلکہ اسکے اندر ایک اور گند کے ہونیکی نشانی ہے۔

اس مضمون کے چند اور مقامات سے اقتباس خالی از فائدہ نہ ہونگے۔ ایک جگہ راقم مضمون یہ سوال پوچھتا ہے کہ ”آریہ سماج کیوں ترقی نہیں کرتا یا کیوں دن بدن نیچے کو جا رہا ہے“۔ اس تنزل کے طرح طرح کے اسباب پیش کیے گئے ہیں مگر اصل وجہ اسکی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسکے شامل حال نہیں اور نہ ہی اس مذہب میں روحانیت کا نام و نشان ہے۔ ظاہر طور پر جو کامیابی آریہ سماج کی معلوم ہوتی ہے اسکا نقشہ راقم مضمون نے ان الفاظ میں کھینچا ہے ”ممکن ہے ہمارے اس آرٹیکل کو پڑھکر بعض اصحاب یہ کہیں کہ تم نے آریہ سماج کی کمزوریوں کا ذکر کرتے وقت آریہ سماج کے عملی کاموں کو نظرانداز کر دیا ہے۔ دیکھو کتنے سکول اور کالج اور گوروکل چلے رہے ہیں ودھواؤں کی شادیاں ہو رہی ہیں۔ یہ کیسے سرسبز منظر ہیں۔ بے شک یہ سرسبز منظر ہیں مگر آتش فشاں کی چوٹی یا اسکی ترائی کے منظروں کو دیکھکر کیا وہ شخص کبھی خوش ہو سکتا ہے جو یہ جانتا ہو کہ پہاڑ کے اندر آگ سلگ رہی ہے جب ہی خروج ہوگا یا ہوتا ہے یہ تمام منظر ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں“۔ سماج کی خانہ جنگی کے متعلق بھی چند ریمارک نقل کرنے کے قابل ہیں۔ ”آریہ سماج کی تباہی کے دیگر اسباب میں سے ایک اسکی خانہ جنگی بھی ہے۔ آریہ سماج کی خانہ جنگی کو دیکھکر بعض لوگ سخت حیران ہو رہے ہیں۔ کہ اس کے بیڑے کا کیا حشر ہوگا بعض لوگ اسکو زندگی کے آثار کہکر تسلی پا لیتے ہیں بے شک یہ زندگی کے آثار ہیں مگر کیسی زندگی؟ وہ جو دم واپسین ہو۔ بھیڑیے کے مونہہ میں پھنسا ہوا انسان بھی اپنی چیخ چلاہٹ اور ہاتھ پاؤں مارنے سے اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ میں ابھی زندہ ہوں مگر اسکی زندگی کے دم گنے جا چکے ہیں۔ مست ہاتھی کے پاؤں تلے آیا ہوا انسان بھی زندگی کی علامات کا ثبوت دے سکتا ہے۔ مگر اسکی زندگی کی گھڑیاں گنی جا چکی ہیں موت کے مونہہ میں پھنسا ہوا انسان نزاع کی حالت میں بڑبڑاتا ہوا اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ اس میں زندگی ہے مگر وہ زندگی چراغ سحری سے بڑھکر وقعت نہیں رکھتی زندگی کی ان علامات نے آریہ سماج کو تحت الثریٰ میں پہنچا دیا ہے اس زندگی سے موت اچھی ہے۔ لوگ آریہ سماج سے بیزار ہو رہے ہیں ان کا بیزار ہونا بالکل بجا ہے“

یہ تو حال ہے پنڈت دیانند صاحب کے جانشینوں کا۔ اب سوال یہ ہے کہ خود بانی سماج نے کیا کامیابی حاصل کی اور جو مذہب بنانیکی تجویز کی تھی اس میں انکو کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے متعلق دھرم پال صاحب لکھتے ہیں کہ ”اُن کے دماغ میں ایک ایسی مکمل سوسائٹی بنانیکا ڈھانچہ موجود تھا جو آفات زمانہ سے بری رہ سکے۔ اور سچے معنوں میں ویدک دھرم کا مظہر سمجھی جا سکے“۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس ”غضب کے دماغ“ نے جس سوسائٹی کا نقشہ تراشا تھا وہ سوسائٹی بنا کر بھی دکھائی؟ اسکا جواب دھرم پال صاحب نفی میں دے چکے ہیں۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ پنڈت دیانند صاحب ناکام مرے اور جس کام کو انہوں نے کرنا چاہا تھا وہ نہ صرف خود ہی اسکو پورا کرنے سے پہلے ایک ناکامی کی حالت میں دنیا سے اُٹھ گئے بلکہ انکے جانشینوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کام کے پورا کرنیکے لیے توفیق نہیں دی۔ پس جو مشن آریہ سماج لیکر دنیا میں نکلا تھا اس میں صریح نامرادی کا ٹیکا اسکے ماتھے پر لگ چکا ہے اور اب وہ

دھونے سے دھل نہیں سکتا۔ یہ فرق ہوتا ہے خدا کے فرستادوں میں اور ان لوگوں میں جو اپنے دماغ سے تجویزیں ایجاد کر کے مذہب بنانا چاہتے ہیں۔ کوئی انسان اپنی کوششوں سے پاکیزگی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ خدا کا فضل ہی اس مرتبہ پر اسے پہنچا سکتا ہے۔ پس جن لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ خدا کچھ چیز نہیں۔ اور مادہ اور روحوں کو جوڑنے کے سوائے اس کا کچھ کام نہیں۔ اور جن میں سے ایک ایک آدمی فرعون بے سامان ہو رہا ہے۔ انکی اندرونی زندگیاں کیونکر پاکیزہ ہو سکتی ہیں وہ ہم پالن صاحب نے تو بہت کوشش سے یہ ثابت کیا ہے کہ آریہ سماج کی اندرونی زندگی نہایت ناپاک ہے اگر وہ ہم سے پوچھتے تو ہم انکو پہلے ہی بتا دیتے کہ جس مذہب میں نیوگ جیسے گندے مسئلے پر عمل ہوتا ہے اس میں پاکیزگی اور طہارت کہاں آ سکتی ہے۔

اسلامی بنک کی تجویز۔

اسلام کے پاک اصول اور احکام کو طرح طرح سے نیست و نابود کرنیکی کوششیں کی جارہی ہیں۔ کہیں برائے نام مسلمان نماز روزوں کے درپے ہیں کہیں حج زکوٰۃ اور قربانیوں کو موقوف کرنا چاہتے ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا ایک مسلمان اخبار میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ پانچ نمازوں کی بجائے دو نمازیں کردی جائیں تو بڑی آسانی ہو جائیگی اور بہت سے لوگ جو پانچ نمازیں پڑھنے سے گھبرا کر بالکل نماز کو خیرباد کہہ بیٹھے ہیں دو ہی نمازیں پڑھ لیا کریں گے۔ قاری سرفراز حسین صاحب نے یہ تجویز کی تھی کہ پتلون کوٹ نکٹائی پہنے پہنے کرسیوں پر بیٹھکر نماز ہو جایا کرے اور روزوں میں کچھ ریفرشمنٹ ہو جایا کرے تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ جنٹلمین بھی شریک ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی تجویز بعینہ انہی دلایل کو استعمال کر کے مولوی انشاء اللہ صاحب ایڈیٹر وطن نے ڈپٹی سردار احمد صاحب نے پیش کی ہے۔ یہ تجویز ایک اسلامی سودی بنک کے قائم کرنیکے متعلق ہے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۰۶ء کے وطن میں ذیل کا لیڈر نکلا ہے۔ جسے میں پورا نیچے نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین خود بھی مولوی انشاء اللہ صاحب کی منطق کو دیکھ لیں۔

"ڈپٹی سردار احمد صاحب نے بنک کے قیام کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے ضمناً سلطانی بنکوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس پر ایک مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت سلطان بیشک ہمارے سر تاج ہیں۔ لیکن انکی سلطنت میں اور کونسا شرعی قانون نافذ ہے کہ انکا ہر فعل ہمارے لیے سند ہو سکے سلطان پر کیا موقوف ہے اسوقت کسی اور اسلامی ملک میں بھی شرعی حدود جاری نہیں تو کیا اس سے یہ لازم آئیگا کہ مسلمان شرع کو چھوڑ دیں"؟ وطن اس موقع پر فاضل معترض سے کوئی لمبی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ الزاماً یہ لکھتا ہے کہ جب دیگر شرعی حدود کو نظر انداز کر دینے کے باوصف محکوم و آزاد ممالک کے مسلمان برابر مسلمان رہ سکتے ہیں تو بنکوں سے متعلق نئے اجتہاد پر عمل پیرا ہونے سے بھی انکی مسلمانی میں فرق نہیں پڑنا چاہیئے اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم میں غور و تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے اور صرف چند الفاظ کو مدنظر رکھکر کلام اللہ کے باقی حصہ اور

تعلیم اسلام کی اصل روح کو بھلا دیا ہے۔ سود کے مسئلہ کو لو۔ اوّل تو ربا کے معنی میں ہی اختلاف ہے۔ ایک فریق اسکے معنے یوژری ظالمانہ بیاج کے کرتا ہے۔ اور تجارتی شرح کے سود کو اُس سے خارج سمجھتا ہے۔ اور مخالف اسکے اس استدلال کا کوئی شافی جواب نہیں دے سکے۔ دوم وہ یہ نہیں سوچتے کہ کئی علمائے سلف و حال خود ربا کا بھی چند صورتوں میں غیر ممنوع ہو جانا تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر اس کے معنی خواہ کچھ ہوں اسکی ممانعت کی اصل وجہ ہمدردی پر مبنی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کو روپیہ کی ضرورت ہے اور اُسے بازار سے کسی طرح ایک روپیہ سیکڑہ سے کم سود پر قرض نہیں مل سکتا۔ اور ادھر کوئی مسلمان بطور قرض حسنہ روپیہ دینے پر تیار نہیں۔ تو اگر کوئی مسلمان اوسے محض بخیال ہمدردی و تعلق اسلامی ۱۰ ار سیکڑہ سود پر روپیہ دیدے۔ تو کیا اوس نے منشاء الٰہی کے خلاف کیا؟ یا ۱۴ ر سیکڑہ کم لینے سے منشاء الٰہی کو قدرے پورا کیا؟ حالات زمانہ اور نکبت قومی کے اثر سے جس سے اس وقت شاید ہی کوئی بشر بچا رہا ہو۔ اگر وہ اسقدر ہمدردی نہیں کر سکا کہ بالکل بلا منافع دے۔ تو کیا اوس کے اسقدر احسان کرنیکا یہ صلہ ملنا چاہیئے۔ کہ اوسے اُلٹا مطعون کیا جائے۔ جسکا بدیہی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ آئندہ وہ کسی کو قرض نہ دے گا۔ اور مسلمان ضرورت مند کو پوری شرح پر غیر اقوام سے قرض لینا پڑیگا۔ اسلام تو یہ کہے کہ لاضرر و لاضرار فی الاسلام اور ہمارے مولوی ذو مسلمانوں کے صریح نقصان کو عین مقتضائے اسلام قرار دیں؟ ربا بیشک حرام مطلق ہے۔ لیکن مسلمانوں کے لیے۔ پہلے مسلمان تو بنو۔ جب مسلمانوں میں پھر نور ایمان ایسا مضبوط ہو گیا کہ وہ اپنی ضرورت پر اپنے ہمسایہ اور بھائی کی آسایش کو مقدم رکھنے لگیں۔ تو ربا خود بخود حرام ہو جائیگا۔ مگر اس زمانہ میں جبکہ اپنی آسایش کو کوئی بھی مسلمان اپنے بھائی کی اشد ضرورت کے لیے چھوڑنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ ربا (سنگین سود در سود) نہیں۔ معمولی تجارتی شرح سود کے جواز عدم جواز پر مُصر رہنا دماغی جمود۔ قومی نکبت و ذلت فضول پرخاش جوئی اور موشگافی کی عادت بد کی اونہی بیشمار نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جو ہم مسلمانوں کی بات بات میں چند صدیوں سے ہویدا ہو رہی ہیں۔ بہر حال یہ ایک اجتہادی امر ہے۔ جو اسمیں قباحت نہ دیکھیں شامل ہوں۔ اور جنکو کوئی شرعی یا عقلی حجت و عذر ہو۔ وہ الگ رہیں۔ سردار صاحب کی رائے ذاتی نہیں۔ کئی جلیل القدر علماء بھی یہی خیال و رائے رکھتے ہیں؛

یہ مضمون کسقدر بے سروپا ہے ایک ہی دفعہ پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اول تو لکھا ہے کہ شرعی حدود کو نظر انداز کر دینے کے باوصف مسلمان برابر مسلمان رہ سکتے ہیں۔ اسوقت شائد مولوی انشاء اللہ صاحب کا عمل اس شعر پر ہے۔

ع زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں ٭ کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا۔ سچ ہے مسلمانی ایسی کچی چیز تو نہیں کہ قرآن شریف پر عمل کرنا چھوڑ دینے سے اس میں کوئی فرق آجاوے۔ پھر لکھا ہے کہ اصل میں قرآن کریم پر غور و تدبر سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں شرعی حدود پر عمل کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہی پھر ربٰو کے معنے سود در سود کیے ہیں اور تجارتی شرح سود کو اس سے خارج کیا ہے پھر حرمت ربٰو کی علت ہمدردی بتا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ جتنا کم سود

کوئی لیگا اسیقدر زیادہ اس کی ہمدردی اپنے بھائیوں سے پائی جائیگی پس یہ اختیاری امر ہو گیا یعنی ایک روپیہ سود لینے
والے کی ہمدردی سی چودہ آنے والے کی ہمدردی زیادہ ہوئی اور ۸ آنہ والے سے ۲ آنہ والے کی جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ پوری ہمدردی بغیر
سود چھوڑنیکے نہیں ہوسکتی۔ اور حرمت ربو سے مطلق سود کی حرمت لازم آئی پھر لکھا ہے کہ ربا بیشک حرام مطلق ہے لیکن مسلمانوں کے
لیے پہلے مسلمان بنو جس سے معلوم ہوا کہ ربا کے جائز ٹھہرانے والے مسلمان نہیں ہیں اور سب سے آخر لکھا ہے کہ معمولی تجارتی شرح سود کے
جواز عدم جواز پر مُصر رہنا دماغی جمود قومی نکبت و ذلت وغیرہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ معلوم نہیں جس صورت میں
آپ خود جواز پر مُصر ہیں اس کے کیا معنے ہوے + اب ذرا اور غور کی نظر سے ان بیانات کو دیکھنا چاہیئے۔ کیا یہ سچ ہے کہ
سلطان روم کا کوئی فعل ہمارے لیے قابل عمل ہے؟ یا جو شخص مسلمانوں میں سے بادشاہ ہوجائے اس کے افعال قابل پیروی ہوجاتے
ہیں؟ جو شخص قرآن شریف کے کسی حکم کو توڑتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ ویسا ہی قابل مواخذہ ہے خواہ بادشاہ ہو یا
فقیر۔ ہاں بادشاہ فقیر سے زیادہ قابل مواخذہ ہے کیونکہ وہ اپنے ساتھ اور بہتوں کو ہلاکت کے گڑھے میں گراتا ہے مسلمان رہنے
یا نہ رہنے کو آپ سمجھیں مگر ہم تو یہ صاف صاف دیکھ رہے ہیں کہ جب سے اسلامی بادشاہوں نے قرآن شریف کے احکام پر چلنا چھوڑ
دیا ہے اُسیوقت سے ادبار اور نحوست انکے سر پر آئی ہیں۔ اگر وہ اسلام کے احکام پر چلنے والے ہوتے تو ادبار کا منہ کیوں دیکھتے۔
سلطان نے اگر بنک جاری کیے ہیں تو محض عیسائیوں کی پیروی کر کے ممکن ہے کہ انہوں نے کسی مجبوری کی وجہ سے کیے ہوں
بہرحال انکا فعل ہمارے لیے پیروی کے قابل نہیں۔ ہاں اگر مولوی انشاء اللہ صاحب یا ڈپٹی سر نذیر احمد صاحب یہ
دکھاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کم از کم حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ نے کوئی سودی
بنک جاری کیے ہوئے تھے تو یہ مسلمانوں کے لیے ایک دلیل بھی تھی۔ افسوس ہے کہ قرآن شریف کے صریح احکام کے خلاف سلطان
روم کا عمل پیش کیا جاتا ہے سلطان پرستوں کے لیے اگر یہ کوئی دلیل ہو تو ہو مگر خدا پرست مسلمانوں کے لیے یہ جواز سود کی
کوئی دلیل نہیں + اب ہم وطن کی "اصل بات" کو دیکھتے ہیں جس میں یہ الزام دیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے احکام قرآنی کی ظاہری
الفاظ کو مدنظر رکھکر تعلیم اسلام کی اصل روح کو بھلا دیا ہے۔ اور اسکی مثال مسئلہ سود سے دی ہے۔ افسوس ہے کہ تیرہ سو سال تک
اصل روح مسلمانوں کو معلوم نہ ہوئی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی (نقل کفر کفر نباشد) اس اصل
روح سے بے خبر رہے۔ کیونکہ وہ بھی قرآن کریم کے ظاہری الفاظ کو دیکھکر ہر قسم کے سود کو حرام سمجھتے رہے ورنہ یہ نئے ایماندار کسی
حدیث سے ثابت کر کے دکھاویں کہ وہ تجارتی سود لے لیا کرتے تھے۔ اور صرف سود در سود کو حرام سمجھتے تھے۔ وطن کا یہ لکھنا
کہ ربا کے معنے ظالمانہ بیاج ہیں یعنی دو روپے سیکڑہ یا اس سے زیادہ۔ اور تجارتی شرح سود اس سے خارج ہے اور کہ جو لوگ
یہ معنے ثابت کرتے ہیں فریق مخالف انکا شافی جواب نہیں دے سکتا ایک سیاہ جھوٹ ہے۔ اور اگر وطن میں اپنی بات کا
ذرہ بھی پاس ہے اور محض نیک نیتی سے وہ اسلام کے فائدہ کے لیے یہ کام کر رہا ہے تو وہ دکھا دے کہ وہ کونسے دلایل ہیں
جنکی بنا پر یہ معنے کیے جاتے ہیں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے اس لفظ کے یہ معنے ثابت ہیں

یا کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی کے قول سے یا چاروں اماموں میں سے کسی امام کے اجتہاد سے یا کسی محدث کی رائے سے یا کسی لغت کی کتاب سے اگر ان میں سے کوئی ایک گواہ بھی مولوی انشاء اللہ صاحب پیش کر دیں تو پھر فریق مخالف تشفی بخش جواب بھی پاویں لیکن جب تک ایسی معنے کرنیکے لیے سوائے مسٹر سید احمد خاں کی غلط رائے کے اور کوئی دلیل نہیں جس کی غلطی کو ہمیں سود کے مضمون میں بڑے بسط سے ظاہر کر چکا ہوں تو یہ کہنا کہ ربا کے معنوں میں تجارتی شرح سود داخل نہیں پبلک کو دھوکہ دینا ہے۔ ہاں اور یہ معنے ثابت کرتے وقت یہ بھی دکھاویں کہ لغت عرب میں تجارتی شرح سود کے لیے اور کونسا لفظ ہے۔ اور قرآن کریم اور حدیث میں اس ناپاک تجارتی شرح کے لیے کہاں کہاں جواز کا حکم آیا ہے۔ اور یہ بھی ثابت کریں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین میں سے کون کون سے جلیل القدر انسان تجارتی شرح سود لیا کرتے تھے۔ اور اگر وہ ان باتوں میں سے کوئی بھی ثابت نہ کر سکیں تو ایک حق پسند آدمی کو یہ کہنا پڑیگا کہ وہ مسلمانوں کو بے ایمان بنانیکی کوشش کر رہے ہیں اور یہ کوشش انکی اس سے بھی ثابت ہے کہ ہمارے رسالہ کو جو اسلام پیش کرتا ہے غیر مسلموں میں پھیلانا گناہ سمجھتے ہیں اور اسکے خلاف آرٹیکل لکھتے ہیں۔ لیکن خود ولیم میور کی کتابوں کو جن میں اسلام کو ایک جھوٹا مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ایک مفتری اور قرآن شریف کو انسان کا کلام بتایا گیا ہے مسلمانوں میں پھیلانیکی کوشش کر رہے ہیں بلکہ انسے بھی بڑھکر ینابیع الاسلام جیسی گندی کتاب کے اشتہار دیکر پھیلا رہے ہیں اور اپنی ایجنسی میں ان کتابوں کو فروخت کرتے اور دن رات انکے اشتہار شایع کرتے ہیں اور اسطرح پر دجال کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ اور ان ذرایع سے وہ صرف مسلمانوں کو بے ایمان بنانیکی کوشش ہی نہیں کرتے بلکہ انسے ان کتابوں کی دوگنی تگنی قیمتیں بھی وصول کر رہے ہیں یعنی ینابیع الاسلام انگریزی جو ہر ایک عیسائی کتب خانہ سے عہ کو ملتی ہے آپ چار روپے کو بیچتے ہیں اور اسکی اصلی قیمت چھ روپے بتاتے ہیں اور میور کی خلافت جو چھ روپے کو ملتی ہے۔ دس روپے کو بیچتے اور اسکی اصل قیمت اس سے بھی زیادہ بتاتے ہیں۔ ایسا ہی دوسری کتابوں کا بھی حال ہے۔ شاید یہ وہ اس لیے کرتے ہیں کہ جسطرح سود کے ناجائز طریق سے مال حرام کھانا انہوں نے جائز کر دیا ہے اسی طرح دوسرے ناجائز طریقوں کو جنسے مال حاصل کر سکیں وہ جائز سمجھتے ہیں اور غالباً چند دنوں میں قمار بازی کے جواز پر اور حصول مال کے دوسرے ناجائز طریقوں کے جواز پر بھی فتوی دینگے۔ یا شاید زیادہ قیمت اس لیے وصول کرتے ہیں کہ مسلمان سود کے ذریعہ روپیہ کمائیں اور یہ مال کہ مال حرام بود بجائے حرام رفت کا مصداق ہو اور یا ممکن ہے کہ اسکی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے چونکہ سود کے ذریعہ روپیہ کمانیکی ایک مفید تجویز مسلمانوں کو بتائی ہے اس لیے اسکا صلہ اس رنگ میں چاہتے ہیں۔ بہر حال کچھ ہی ہو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو غرق کرنیکی کوشش میں لگے ہوئے ہیں خدا انکو انکے اس ارادے میں ناکام رکھے۔

ایک اور معقول وجہ جو جواز سود کی مولوی انشاء اللہ صاحب نے پیش کی ہے وہ بھی سن لیجئے۔ کہتے ہیں کہ ممانعت ربا کی علت تو ہمدردی ہے۔ پس اگر کوئی پوری ہمدردی نہیں کر سکتا تو تھوڑی ہی کر لے۔ بہت خوب وہ تو جسنے کیا وہ آپ بھگتے گا

مگر کیا اس سے جواز سود کے لیے فتویٰ دینے کی دلیل پیدا ہوتی ہے۔ مولوی صاحب اور ڈپٹی صاحب ذرا غور فرمائیں۔ ایک شخص پانچ نمازیں نہیں پڑھ سکتا ایک یا دو ہی پڑھ لیتا ہے وہ تارک نماز سے اچھا ہی یا ویسا ہی اس سے تو ہمیں بحث نہیں مگر کیا اس بنا پر یہ فتویٰ درست ہوگا کہ مسلمان دو ہی نمازیں پڑھ لیا کریں پانچ کی ضرورت نہیں۔ ایک شخص رمضان میں دو تین روزے رکھتا ہے اس نے اچھا برا جو کچھ کیا اپنے نفس کے لیے کیا مگر کیا یہ فتویٰ درست ہوگا کہ سارے رمضان کے روزوں کی ضرورت نہیں تین چار بھی کافی ہیں اور انسے مسلمانی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اور لیجیے حرمت خمر کی دلیل دی ہے انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ فھل انتم منتھون۔ پس آپ کی دلیل کی رو سے جو شخص تھوڑی شراب پیکر زیادہ عداوت اور بغض سے رکا ہے اور ذکر اللہ سے بھی تھوڑا ہی ہٹا ہے تو وہ زیادہ شراب پینے والے سے اچھا ہوا اور اس لیے اب یہ فتویٰ دیدو کہ تھوڑی شراب پی لینے میں یا تھوڑا جوا کھیلنے میں کوئی ہرج نہیں۔ بلکہ آپ نے اسلامی سودی بنک کی تجویز تو کی ہے ساتھ ایک اسلامی شراب خانہ اور اسلامی قمار خانہ کا اشتہار بھی دیجئے اور اپنے بنک کی طرح جس میں ۱۰ رسیکڑہ سود لیا جاویگا ان ہر دو کے متعلق یہ اشتہار دیدیں کہ اس شرابخانہ میں کسی مسلمان کو ایک پاؤ بھر شراب سے (یا آدھ پاؤ سے جیسا مزاج میں آئے کریں یا وطن کے ناظرین سے مشورہ کرلیں) زیادہ شراب نہیں دیجاویگی اس طرح پر جو مسلمان ہندوؤں کے شرابخانوں میں جاکر بدمست ہو کر شراب پی لیتے ہیں اور بہت روپیہ ضایع کرتے ہیں انکا فائدہ ہو جائیگا۔ اور اسلامی قمار خانہ کے متعلق یہ قاعدہ مقرر کردیں کہ اس میں کسی شخص کو اپنی آمدنی کے دسویں حصہ سے زیادہ جوا کھیلنے کی اجازت نہ ہوگی اس طرح آپ ان مسلمانوں کو بچا لیں گے جو ساری جائداد ہی قمار بازی میں کھو بیٹھتے ہیں۔ میرے نزدیک تو اسلامی سودی بنک کے ساتھ اسلامی شرابخانہ اور اسلامی قمار خانہ کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ آپ وطن میں اشتہار دیں تو بہت سے حصہ دار بھی پیدا ہو جائیں گے۔ کم از کم وہ روپیہ جو آپکی پہلی تجویز کے مطابق اشاعت اسلام میں صرف ہونا تھا وہ بھی اسلامی امداد میں صرف کر دیں۔ حج بھی ہو گیا اور بیوپار بھی۔ اور مزید براں مرزا صاحب کی مخالفت بھی اس طرح ہو جائیگی۔ اور ان باتوں میں کوئی شخص آپ کو مطعون کرنیکا حق بھی نہیں رکھتا کیونکہ اگر آپ کسی کو شرابخوری اور قمار بازی سے بالکل نہیں بچا سکتے تو آپ کا اس طرح پر تھوڑا بچا لینا ہی قوم پر بڑا بھارا احسان ہے۔ اس طرح پر آپ اسلام میں ایک یگانہ مصلح ہو جائیں گے۔

ایک اور دلیل جواز سود کی مولوی انشاء اللہ صاحب نے یہ دی ہے کہ ربا تو حرام مطلق ہے مگر ابھی مسلمان مسلمان ہی نہیں۔ اسلیے ابھی اسکے جواز میں کیا حرج ہے جب پورے مسلمان بنجائیں گے تو ربا بھی حرام ہو جائیگا۔ یہ بات البتہ معقول معلوم ہوتی ہے مگر اس میں کچھ نقص ہیں انکو بھی رفع کر دیجئے۔ مثلاً چونکہ مسلمان مسلمان تو ہیں نہیں اسلیے انہیں ابھی نمازوں سے بھی معاف رکھا جائے اور رمضان کے روزے بھی ابھی ابھی انپر ایک بوجھ ہے جب مسلمان بنجائیں گے تو خود ان احکام کی بھی پابندی کرنے لگ جائیں گے۔ ایسا ہی اوامر و نواہی جسقدر ہیں ابھی انپر عمل کرنیکی مسلمانوں کو ضرورت نہیں

کیوں کہ وہ مسلمان ہی نہیں جب مسلمان بنیں گے تو خود قرآن شریف کے احکام کو مان لیں گے۔ پس سب مسلمان اخبار نویسوں کا جنکو آپکے نزدیک غیر مسلمان مسلمان کہنا چاہیئے یہ فرض ہے کہ وہ عام طور پر اخباروں میں اعلان کریں کہ اسلام کے کسی حکم کا ماننا ضروری نہیں کیونکہ ابھی مسلمان مسلمان ہی نہیں ہیں جب مسلمان ہو جائیں گے تو خود احکام قرآنی کی بھی پیروی کرنے لگیں گے۔ یہ مسلمان بنانیکی نہایت عمدہ تجویز ہے اور شاید اسی لیے آپ پیو کی کتابوں کی عنقا اقتدا کرتے ہیں کہ ابھی مسلمانوں کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ قرآن شریف کو خدا کا کلام مانیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان رکھیں۔ بیشک یہ اسلامی سودی بنک کا دوسرا جزو لازم ہے اور یہ نتیجہ ہے آپکے قرآن کریم پر غور و تدبّر کا۔ خیر بہر حال آپ مسلمانوں کے ہمدرد ضرور ہیں مگر ہماری یہ دعا ہے کہ خدا آپ جیسا کوئی اور ہمدرد پیدا نہ کرے۔ آمین

ڈپٹی سردار احمد صاحب نے جو جواب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو لکھا ہے اسکی بہت سی باتوں کا جواب تو اس میں آگیا۔ ہاں ڈپٹی صاحب کا ایک سوال ہے جسے وہ لاجواب سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ اسوقت مسلمان تاجروں میں کثرت سود خواروں کی ہے۔ پس بہتر ہے کہ جواز سود کا فتویٰ دیا جاوے ورنہ رہی سہی تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہیگی۔ اسی طرح سے ایک نئی روشنی کا دلدادہ کہہ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں جنٹلمینوں میں کثرت بے نمازوں کی ہے۔ پس بہتر ہے کہ یہ فتویٰ دیدیا جاوے جیسا کہ اکثر مغربی تہذیب کے شیدائی دے رہے ہیں کہ نماز ایک پرانے زمانہ کی جہالت کی رسم ہے اور نئی روشنی کے ساتھ نماز نہیں رہ سکتی اور دلیل اسکی یہی کہ اکثر جنٹلمین تارک صوم و صلوٰۃ ہیں۔ اور جس طرح سود کے مجوزیہ دلیل دیتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس میں نفع ہے اسی طرح ترک صلوٰۃ کے مجوز یہ کہتے ہیں کہ نمازوں میں وقت یونہی ضایع ہوتا ہے اور یہی وقت کسی مفید دنیاوی کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ انکے نزدیک پانچ نمازوں پر مُصر رہنا ایسی ہی دماغی جمود قومی نکبت وغیرہ کی نشانی ہے جیسے مجوزین سود کے نزدیک عدم جواز سود پر مُصر رہنا۔ پس ڈپٹی صاحب ایک ہی اصلاح کے کیوں درپے ہیں انہی دلایل کو استعمال کر کے وہ ایک سرے سے ہی مذہب اسلام پر ہاتھ کیوں نہیں پھیرتے۔ تا ہر روز انکو لکھنے اور فریق مخالف کو جواب دینے کی ضرورت نہ رہے۔ ڈپٹی صاحب کا یہ دعویٰ کہ تجارت بلا سود ہو ہی نہیں سکتی بالکل غلط ہی آخر صحابہؓ بھی حرمت سود کے حکم کے بعد تجارت کرتے رہے مگر کیا ثابت ہے کہ کبھی کسی نے سود لیا؟ وہ تو سود کو سؤر کے برابر سمجھتے تھے کیونکہ سود دینے والوں کے لیے یہ حکم تھا کہ فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بہت سے مسلمان کسی حکم قرآنی کی خلاف ورزی کریں تو کیا اس سے وہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے؟ یا اسکے خلاف کوئی دلیل قائم ہو جاتی ہے؟ اگر یہی صورت ہے تو بتائیں کہ کتنے فیصدی نماز پڑھتے ہیں کیا پھر یہ کہنا چاہیئے کہ مسلمان نماز نہ پڑھا کریں؟۔

بڑا زور مجوزان سود کا اس بات پر ہے کہ مسلمان سود دیتے ہیں تو لیں کیوں نہ؟ کیا ایک گناہ سود دینے کا کافی نہیں؟ جو ایک دوسرے کی ضرورت بھی انکے لیے سمجھی جاتی ہے اور پھر جس صورت میں بنک تجویز کیا جاتا ہے وہ علی الاعلان قرآن کریم کے ایک حکم کے خلاف ورزی ہے حالانکہ جو شخص سود دیتا ہے وہ غالباً کسی مجبوری کی حالت

میں ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جسے وہ چھپاتا ہے فرق دونوں صورتوں میں ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص نماز نہ پڑھے اور دوسرا علی الاعلان یہ اشتہار دے کہ مسلمانوں کو نماز نہیں پڑھنی چاہیئے ایک شخص شراب پیئے اور چھپائے اور دوسرا یہ اعلان کرے کہ مسلمانوں کے لیے شراب کا پینا جائز ہے اور ایک دوکان کھول کر لوگوں کو شراب پینے کے لیے بلا دے۔ عموماً سود دینے والے ایک اضطرار کی حالت میں سود دیتے ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے اگر چاہے تو انکو معاف کر دے۔ مگر کھلم کھلا قرآن کریم کے احکام کی خلاف ورزی کرنیوالا کبیرہ گناہ کا مجرم ہے۔ ہم اسے ایک اجتہاد سمجھنے کے لیے تیار ہیں۔ مگر آپ پہلے یہ دکھائیں کہ کونسی لغت میں یا حدیث میں ربا کے معنے سود در سود لکھے ہیں اور تجارتی شرح سود کو اس سے خارج سمجھا ہے اور اگر یہ نہیں دکھا سکتے تو قرآن کریم نے حرام ربا مطلق کیا ہے اور کوئی تخصیص حکم قرآنی میں نہیں پائی جاتی اور احادیث میں بھی ربا مطلق کو حرام کیا ہے اور صحابہؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ انہوں نے نہ تجارتی شرح پر سود لیا نہ سود در سود۔ آخر اجتہاد کے لیے کوئی دلائل بھی تو چاہئیں اور وہ باتیں جنکو ڈپٹی صاحب نے فخر کرکے مولوی محمد حسین کے جواب میں لکھا ہے وہ دلائل نہیں بلکہ ایسی بودی باتیں ہیں جو دلائل کے نہ ہونے پر گواہی دیتی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جن علماء نے ربا کے غیر ممنوع ہونیکا فتویٰ دیا ہے وہ صرف ایسے ممالک کے متعلق ہے جو دار الحرب کہلا سکیں اور وہاں بھی صرف کافروں سے لینا جائز ہوگا۔ اور دار الحرب صرف وہ ملک ہو سکتا ہے جہاں مسلمان امن میں نہ ہوں اور کفار کے ساتھ جنگ ہو۔ میں اس رائے کی غلطی کو بھی اپنے سود کے مضمون میں ظاہر کر چکا ہوں بہرحال اس اجتہاد سے وہ لوگ کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے جو سود کو عام طور پر جائز ٹھہراتے ہیں اور صرف یہ شرط رکھتے ہیں کہ شرح سود ظالمانہ نہ ہو جسکی کوئی حد بھی معین نہیں کرتے۔

ریویو

آریہ سماج کی دینی کتب میں جہاد کی تعلیم ـ مصنفہ دیو رتن۔ مطبوعہ جیون پریس دیو آشرم لاہور چھوٹی تقطیع ۸۶ صفحہ قیمت ۱؎

قرآن کریم کی دعائیں ـ جنہیں قاضی محمد ظہور الدین اکمل متوطن گولیکی نے اردو میں نظم کیا۔ ۵۶ صفحے قیمت ۲؎ یہ کتاب عبد الحی صاحب عرب قادیان سے ملتی ہے۔

کوکبہ ملوکی وملوکی ـ یعنی ہندوستان کے فرمانروایان مملوک و خلجی کی تاریخی کارنامے مؤلفہ مولوی سید ضمیر الدین احمد صاحب۔ ۱۶۸ صفحے۔ مجلد قیمت عہ۔ مطبوعہ مطبع احسن المطابع پٹنہ۔

تعلیم الاسلام ـ اس رسالہ کے دو نمبر نکل چکے ہیں جن میں نہایت لطیف تفسیر سورہ فاتحہ کی ختم ہو چکی ہے اور اب سورہ بقرہ کی تفسیر شروع ہوگی۔ اس کے علاوہ مدرسہ کے تازہ ترین حالات سے یہ رسالہ احباب کو آگاہ رکھیگا۔ قیمت صرف عہ رکھی گئی ہے یعنی ۲؎ فی رسالہ۔ مگر بغیر پیشگی وصولی قیمت جاری نہ ہوگا۔

کے چھوٹے صاحبزادے کو یکایک سخت بخار ہوگیا اور ہر دو بن ران میں دو گلٹیاں بھی نکل آئیں جو صریح طاعون کی صورت
تھی جس پر سب کو بڑا تردد ہوا۔ حضرت اقدس نے اسیوقت فرمایا کہ یہی تعبیر اس خواب کی ہے جو کل میں نے دیکھا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ
کے مطابق شفا دیگا۔ کیونکہ ایک تو رؤیا میں یہ دیکھا کہ دشمن اندر نہیں آسکا اور دوسرے اس رؤیا کے ساتھ ہی وہ الہام بھی
تھا جو پہلے طاعون کے متعلق ہو چکا ہے۔ یعنی اس گھر کے اندر جتنے رہنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو ایسی موت سے محفوظ
رکھے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جلدی ہی صحت کی صورت پیدا کر دی۔ اخیری رؤیا میں انڈے کے ٹوٹنے سے موت کی طرف
اشارہ تھا۔ مگر چونکہ تقدیر معلق تھی اللہ تعالیٰ نے دعا کی برکت سے اسے ٹال دیا۔ ۲۳۔ اگست ۱۹۰۶ء کے الہام میں اللہ تعالیٰ نے
وعدہ فرمایا تھا کہ آجکل کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ سو وہ وعدہ بھی پورا ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ ۸۔ ستمبر ۱۹۰۶ء۔ وحی الٰہی بوقت
فجر (۱) لوگ آئے اور دعویٰ کر بیٹھے شیر خدا نے انکو پکڑا اور شیر خدا نے فتح پائی۔ (۲) امین الملک جے سنگھ بہادر۔
(۳) رب لا تبق لی من المخزیات ذکرا۔ ترجمہ۔ اے میرے رب رسوا کرنیوالی چیزوں میں سے کوئی باقی نہ رکھ۔
(۴) دن کے وقت کا الہام۔ پیٹ پھٹ گیا۔ (معلوم نہیں کہ یہ کس کے متعلق الہام ہے) (۵) رؤیا دیکھی کہ حضرت
مولوی نورالدین صاحب نے ایک کاغذ بھیجا ہے جو پروف کی طرح ہے جو لڑکا لیکر آیا ہے وہ کہتا ہے کہ اس کے حاشیہ پر
سطر ہے ذرہ پڑھ لینا اُس کاغذ کے دائیں طرف کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ دشمن نہایت اضطراب میں ہے۔"

زکوٰۃ

یہ اطلاع ایک اشد ضرورت کے موقع پر دیجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ کچھ مدت سے الگ جمع کیا جاتا ہے جس میں
سے اس سلسلہ کے بعض غریب طلباء کی جو کالجوں میں اور اس سکول میں تعلیم پاتے ہیں امداد کیجاتی ہے اور جس میں سے
بعض ابن السبیل کی راہ کا خرچ اور غرباء بیکس کا کفن دفن کیا جاتا ہے۔ یہ تمام اخراجات اس فنڈ سے کیے جاتے
تھے لیکن فنڈ میں اس وقت روپیہ ختم ہوگیا ہے جس سے ان غریب طلباء اور متذکرہ بالا ضروری اخراجات کے لیے سخت
مشکل پڑ گئی ہے جو صرف اسی طرح دور ہو سکتی ہے کہ ہر ایک صاحب ذی ثروت اس کام کو اہم سمجھ کر اسکی طرف خاص
توجہ کرے اور جو زکوٰۃ اس کے ذمہ ہے وہ امین زکوٰۃ فنڈ کے نام جلد ارسال کر دے۔ کیونکہ دیر سے بہت اخراجات
بند پڑے ہیں ان کا تدارک کیا جاوے ہم امید کرتے ہیں کہ اگر ہر ایک صاحب ذی ثروت نے کچھ بھی توجہ اس طرف کی تو
ان اخراجات کے لیے اتنا کافی سٹاک جمع ہو جائیگا جو کئی مہینوں تک کافی ہوگا۔ نورالدین امین زکوٰۃ۔

رسالہ کے متعلق ضروری اطلاع

(۱) آجکل وصولی چندہ کے لیے وی پی کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے بذریعہ رسالہ اور الگ اشتہار کے بھی

یہ اطلاع دی گئی تھی کہ ۳۱ - مارچ تک جن خریداران کا چندہ وصول نہ ہوگا انسے بذریعہ وی پی وصول کرنیکا اختیار ہر وقت دفتر ہذا کو ہوگا مگر اس اطلاع اور اشتہار کے علاوہ ہر مہینے کے شروع میں ان تمام خریداران کی خدمتمیں کارڈ بھی روانہ کیے جاتے ہیں جنکے نام اس مہینے میں وی پی کیسے جاتے ہیں۔ مگر نہایت تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ بہتسے خریداران کارڈوں کو فضول سمجھکر انکے جواب میں خاموشی اختیار کرتے ہیں اور پھر وی پی انکاری کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر حساب میں کوئی غلط فہمی ہو یا کوئی اور دقت ہو تو فی الفور اسکا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ میرے ایک وی پی کے انکاری میں کیا حرج ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ ایک ایک وی پی کے انکاری ہونے سے اسقدر مجموعہ ہو جاتا ہے کہ بار بار یہ خیال آتا ہے کہ بغیر پیشگی چندہ لینے کے آئندہ کسی صاحب کے نام رسالہ جاری نہ کیا جاوے۔ اور غالباً اگلے سال اسی تجویز پر عملدرآمد کرنا پڑیگا اس سال یہ بہتر سمجھا گیا ہے کہ جو احباب بلاوجہ وی پی انکاری کریں انکو اُس ماہ کا رسالہ دوبارہ نہیں بھیجا جاویگا۔ نیز یہ بھی التماس ہے کہ جو صاحب یاد دہانی کے کارڈ پر منی آرڈر کرنا چاہیں انہیں چاہیئے کہ ایسے وقت منی آرڈر کریں جو دفتر میں اس مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے پہنچ جائے اور ایسا ہی خط و کتابت بھی ایسے وقت میں ہونی چاہیئے بعض احباب کے منی آرڈر ۲۰ تاریخ سے بھی پیچھے پہنچتے ہیں جب دفتر سے وی پی روانہ ہو چکے ہوتے ہیں اور پھر انہیں وی پی انکاری کرنا پڑتا ہے۔

(۲) اسی نقصان کے خیال سے جو بار بار کے تقاضوں اور وی پی کے انکار سے اٹھانا پڑتا ہے منتظمان رسالہ کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ آئندہ کسی خریدار کے نام بدون پیشگی وصولی قیمت بذریعہ منی آرڈر یا وی پی رسالہ جاری نہ کیا جاوے اس لیے جو صاحب خریداروں کے نام بھیجتے ہیں انکی خدمتمیں مودبانہ التماس ہے کہ جہاں وہ اسقدر ہمدردی سے خریدار پیدا کرتے ہیں یہ بھی کوشش کریں کہ وہ خریدار ایسے ہوں جو قیمت بذریعہ منی آرڈر پہلے بھیجدیں یا پہلا پرچہ انکے نام وی پی ہو۔ (۳) رسالہ باقاعدہ ۲۰ تاریخ کو ہر خریدار کے نام بھیجا جاتا ہے مگر ڈاکخانہ میں اسقدر بد انتظامی پھیلی ہوئی ہے کہ ہر مہینے بہت سی شکایات رسالہ نہ پہنچنے کی آتی ہیں۔ ایسے احباب جنکو وقت پر رسالہ نہ پہنچے فی الفور اطلاع دیا کریں۔ جو صاحب اگلے مہینے کی ۲۰ تاریخ سے پہلے اطلاع نہ دینگے۔ انکو شاید پھر مایوس ہونا پڑے۔ اس لیے اس کی طرف ضرور توجہ رکھیں۔

سلسلہ اعانت دو ماہ سے فہرست اعانت دھندگان و خریدار دہندگان نہیں دیجا سکی جسکی وجہ عدم گنجایش ہے انشاء اللہ اگلے مہینہ سے ان فہرستوں کو باقاعدہ شایع کیا جاویگا۔ فہرست خریدار دہندگان ان مہینوں کی نہایت مختصر ہے جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ احباب کی وہ توجہ خریدار پیدا کرنیکی طرف نہیں رہی جو ابتدائے سال میں تھی۔ امید ہے کہ جن احباب کو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ کسی طرح سے خدمت سلسلہ کی کریں وہ اس طرف بھی خاص توجہ رکھینگے۔

عکس مکتوب آنحضرتؐ چند کاپیاں عکس مبارک کی رسالہ سے بڑھی ہوئی دفتر میں موجود ہیں جنکے دوسری طرف موجودہ رسم الخط میں مکتوب کی عبارت سطر بسطر چھاپ دیگئی ہے تاکہ ناظرین کو پڑھنے میں آسانی ہو۔ جو احباب لینا چاہتے ہوں وہ جلدی درخواست کریں قیمت ۸/ رکھی گئی ہے۔

مینجر

اعلان :- ہر ایک سامان کرکٹ ٹینس فٹ بال جمنیسٹک وغیرہ مستری نظام الدین احمدی شہر سیالکوٹ سے مل سکتا ہے۔ مکمل فہرست مفت۔

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں مینجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء | نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ عہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۵ ستمبر ۱۹۰۶ء فرمایا۔ گھر میں ایک چوکھٹ کے اندر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر لکھا ہے ربّ کل شیءٍ خادمك۔ ہم نے آج کشفی نگاہ میں دیکھا کہ وہ الفاظ مٹے ہوئے ہیں۔ مگر اس پر لکھا ہے تپیر۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۶ء (روز دوشنبہ)

(۱) قال ربّك انه نازلٌ من السماء ما یرضیك۔ وما نتنزّل الا بامر ربك۔ ترجمہ۔ تیرے ربّ نے فرمایا ہے۔ کہ آسمان سے ایک ایسا امر اترنے والا ہے جو تجھے خوش کر دیگا۔ اور ہم تیرے ربّ کے حکم کے سوائے کبھی نازل نہیں ہوتے۔ (۲) قد سمع اللّٰہ۔ اجیبت دعوتك۔ ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے تیری دعا سن لی۔ تیری دعا قبول کی گئی۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے۔ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ جو نیکی کرتے ہیں۔ (۳) بارك اللّٰہ فی الہامك ووحیك ورؤیاك۔ ترجمہ برکت دی اللہ تعالیٰ نے تیرے الہام میں اور تیری وحی میں اور تیری خوابوں میں۔ (۴) کتب اللّٰہ للذین آمنوا رحمۃ وکتبت لك رحمۃ فی الدنیا والآخرۃ ترجمہ۔ تجھ پر ایمان لانیوالوں کے لیے بھی رحمت لکھدی ہے۔ اور تیرے لیے دنیا اور آخرت میں بھی رحمت لکھدی ہے۔ (۵) نزید فی رحمتك وصدقك ووفاءك (ای نزید برکات) (یہ خدا کی طرف سے نہیں صرف تفہیم ہے میرے لفظوں میں) ترجمہ۔ تیری رحمت اور صدق اور وفا میں ہم زیادتی کریں گے یعنی تجھ پر برکات میں زیادتی کیجائے گی۔ (۶) کل مکتب پر جاؤ۔ یا ایہا العزیز مسّنا واہلنا الضرّ وجئنا ببضاعۃ مزجاۃ فاوف لنا الکیل وتصدّق علینا۔ ان اللّٰہ یجزی المتصدّقین۔ ترجمہ۔ سب مکتب آئے اور کہنے لگے۔ اے عزیز ہم اور ہمارے اہل و عیال تکلیف میں ہیں۔ اور ہم تھوڑی سی پونجی لائے ہیں۔ ہمیں پیمانہ پورا تول دے۔ اور ہم پر صدقہ کر۔ تحقیق اللہ تعالیٰ صدقہ کرنیوالوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔ (۷) انا انا کالقرآن وسیظہر علی یدیّ ما ظہر من الفرقان۔ ترجمہ۔ میں تو بس قرآن ہی کی طرح ہوں اور قریب ہے کہ میرے ہاتھ پر ظاہر ہوگا جو کچھ کہ فرقان سے ظاہر ہوا۔ (۸) رؤیا دیکھا۔ کہ میں ایک فراخ اور خوبصورت اور چمکدار چوغہ پہنے ہوئے چند آدمیوں کے ساتھ ایک طرف جا رہا ہوں۔ اور وہ چوغہ میرے پاؤں تک لٹکتا ہے اور چمک کی شعاعیں اُس میں سے نکل رہی ہیں (۹) خدا اُسکو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا۔ نہ معلوم کس کے حق میں یہ الہام ہے۔ (۱۰) رؤیا۔ دیکھا۔ کہ ایک بھونچال آیا۔ کچھ دہشتناک معلوم ہوا۔ اور ہم چھپڑ کے نیچے سے باہر آ گئے۔ مبارک میرے ساتھ تھا۔ اور خفیف خفیف بارش کے قطرے خوشنما برس رہے تھے۔ (۲۴) ستمبر ۱۹۰۶ء۔ مطابق پنجم شعبان ۱۳۲۴ھ بروز پیر۔ موت۔ تیرہ ماہ حال کو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جمع حدیث

گذشتہ رسالے میں جو حدیث پر مضمون لکھا گیا تھا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو سال بعد تک حدیث کی تاریخ مختصر طور پر لکھی گئی تھی اور یہ دکھایا گیا تھا کہ اس زمانہ میں حفاظت حدیث کیا کیا سامان ہوئے پس ایک صفحہ میں جمع حدیث کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی صحابہؓ اسوقت اس کام میں نہایت سرگرمی سے مصروف تھے آپ کی احادیث کو یاد کر لیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جمع حدیث کا کام اور بھی زیادہ شوق اور دلچسپی سے کیا جانے لگا۔ جیسا کہ گذشتہ مضمون میں چند مثالیں بیان کر کے دکھایا ہے کہ کسطرح ایک ایک حدیث کی خاطر بعض صحابہؓ نے بڑی بڑی مشقتیں اُٹھا کر لمبے لمبے سفر کیے اور شام اور مصر تک پہنچے۔ اصل میں یہ سب کوششیں حدیث کے جمع کرنے کیلئے ہی تھیں۔ یہ بھی پچھلے مضمون میں دکھایا جا چکا ہے کہ بعض صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تحریری یادداشتیں حدیثوں کی لکھ لیا کرتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد احادیث کا تحریر میں لانا اور بھی زیادہ ہو گیا تھا حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام لکھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث سے پایا جاتا ہے کہ آپ انہی احکام کی نقل کر کے عاملوں کو بھیجا کرتے تھے۔ پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جمع حدیث کا کام ایک سو سال بعد شروع ہوا تو اسوقت نہ تو ہمارا یہ منشاء ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حدیث کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا اور نہ ہی یہ منشاء ہوتا ہے کہ اس سے پہلے محدثین موجود نہ تھے جو حدیثوں کو جگہ جگہ سے تلاش کر کے جمع کرتے اور پھر یہ مجموعہ دوسروں کو سکھاتے تھے اور نہ ہی یہ منشاء ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حدیث کا لکھا جانا ثابت نہیں بلکہ اُسوقت جمع حدیث سے ہمارا منشاء تدوین حدیث ہوتا ہے یعنی احادیث کا کتابوں میں ابواب کی تقسیم اور ترتیب کے ساتھ لکھے جانا سو انہی آخری معنوں میں جمع حدیث کا کام پہلی صدی ہجری کے اخیر یا اس کے بعد شروع ہوا۔ اور اسکی تکمیل حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمۃ نے کی جمع حدیث کے ان دو مفہوموں کو عمداً یا غلطی سے گڈ مڈ کر دینے سے حدیث کی صداقت پر بہت سے اعتراض پیدا ہوئے ہیں کیونکہ ایک طرف تو کہدیا جاتا ہے کہ

جمع حدیث کا کام پہلی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا اور پھر مراد اس سے یہ لیجاتی ہے کہ گویا اس سے پہلے حدیث کو نہ لوگ اکٹھا کیا کرتے تھے نہ اسکی تعلیم دیجاتی تھی اور نہ ہی اسکی حفاظت کا کوئی سامان تھا۔ پس سب سے اول یہ ضروری ہے کہ جمع حدیث کے ان دو مفہوموں کو اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے۔ اور انکو الگ الگ رکھا جائے۔ اور اس بات کو دل میں بٹھا لیا جائے کہ امام مالک کی مؤطا اور امام بخاری کی صحیح سے پہلے بھی حدیث کو جمع کیا جاتا تھا اور اسکی حفاظت کے سامان موجود تھے اور اس کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔

غور سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جمع حدیث کا کام پانچ مرحلوں میں سے ہو کر گذرا ہے۔ سب سے اول مرحلہ اسکا زمانہ نبوی ہے۔ اس بات کو میں پچھلے مضمون میں ثابت کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت سے صحابی خاص توجہ اور شوق سے آپ کے اقوال کو جمع کرتے اور آپکے ہر ایک فعل کو نظر غور سے دیکھکر یاد رکھتے تھے یہی سب سے پہلے محدثین تھے جنکا شوق جمع حدیث کا اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ آپ حتی الوسع ہر وقت آنحضرت کے ساتھ لگے رہتے اور جمع حدیث کے سوائے آپ کا کوئی شغل نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکے لیے دعا بھی کی تھی جس کے بعد حدیث کو یاد رکھنے میں خدائے تعالیٰ نے آپ کو خاص قوت بخشی تھی۔ آپکے علاوہ بعض اور صحابی ایسے تھے جنکو آپ کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے جمع حدیث کا خاص موقعہ حاصل تھا۔ جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس بن مالک جو کئی سال تک آپکے خادم رہے۔ اگرچہ صدیقہ کے سوائے اور ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تھیں مگر جو قابلیت اللہ تعالیٰ نے صدیقہ کو جمع اور حفاظت حدیث کے لیے دی تھی وہ اوروں میں نہیں پائی جاتی تھی۔ آپ کو ہزارہا شعر ایام جاہلیت کے شعراء کے یاد تھے اور آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ اور علم سے خاص دلچسپی اور محبت تھی۔ ایسا ہی بعض اور صحابی تھے جنکو خداداد قابلیت کے علاوہ موقع بھی ایسا ملا تھا کہ وہ جمع اور حفاظت حدیث کا کام کرتے تھے جیسے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ۔ یہ دونوں نوجوان علم دین میں خاص دلچسپی رکھتے تھے اور بہت سی احادیث انہوں نے جمع کیں اور لوگوں تک پہنچائیں۔ عبداللہ بن عمرو بھی جمع حدیث کا کام کیا کرتے تھے اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ وہ حدیثوں کو لکھ بھی لیا کرتے تھے ایسا ہی کئی اور صحابی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حدیثوں کے یاد رکھنے میں بہت شوق ظاہر کرتے تھے۔ اور یہ کام جو وہ کر رہے تھے دراصل جمع حدیث کا بنیادی پتھر تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع حدیث نبوی کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ علاوہ ان چند صحابہ کے جو آپکی زندگی میں ہی جمع حدیث کا کام کرتے تھے ہزارہا اور صحابہؓ تھے اور ان میں بہت سے ایسے تھے جو کوئی نہ کوئی ایسی حدیث یاد رکھتے تھے جو عام طور پر شہرت یافتہ نہیں تھی پس اس مرحلہ پر جمع حدیث کے لیے یہ ضروری تھا کہ ان تمام سرچشموں سے حدیث کو اکٹھا کیا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بڑا مشکل کام تھا مگر ضروریات زمانہ نے

اسکو کئی طرح سے آسان کر دیا تھا۔ سب سے اول جیسا کہ ہم پہلے بھی دکھا چکے ہیں ہر ایک صحابی جو کسی حدیث کو یاد رکھتا تھا وہ اسے اپنا مقدم فرض سمجھتا تھا کہ اسے دوسروں تک پہنچاوے۔ کیونکہ انکے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم انہیں دی تھی کہ لیبلغ الشاھد الغائب آنحضرت کی وفات کے تھوڑے دن پیچھے مخبر صادق کی پیشگوئی کے مطابق صحابہؓ دور دراز ملکوں میں پھیل گئے تھے۔ اور ہر جگہ انہوں نے حدیث کا چرچا پھیلا دیا تھا اور جو جو احادیث انکو معلوم تھیں وہ دوسروں تک پہنچا دی تھیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں احادیث کی تدریس کا سلسلہ شام مصر وغیرہ ممالک میں پھیل گیا تھا۔ جہاں یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل اسوقت تک جاری رہا جب تدوین حدیث کا وہ زمانہ پہنچا کہ محدثین نے جا بجا پھر کر کل احادیث کو کتابوں میں اکٹھا کر دیا۔ دوئم آنحضرتؐ کے بعد خلفا کے زمانے میں کئی صحابی ایسے تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے کسی قول کی بنا پر بعض حقوق طلب کیے۔ اور ان حقوق کے دیا جانے یا انکے انکار کے وقت آپ کی بہت سی احادیث کی تصریح ہوگئی اور وہ عام طور پر شہرت پا گئیں۔ مثلاً مغیرہؓ نے ایک حدیث کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ سے بعض حقوق طلب کیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گواہ طلب کیا اور جب آپکا اطمینان ہوگیا کہ واقعی یہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی حدیث ہے تو آپ نے وہ حقوق اسے عطا فرما دیئے۔ پس اس طرح پر یہ حدیث عام شہرت پا گئی۔ اسی طرح بہت سی حدیثیں جنکا علم پہلے چند اشخاص تک محدود تھا عام طور پر شائع ہوتی اور پھیلتی رہیں اور علم حدیث کے مجموعہ میں شامل ہوتی گئیں۔ سوئم۔ نئی نئی ضرورتیں جو مسلمانوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد میں پیش آتی تھیں بہت سی حدیثوں کی اشاعت کا موجب ہوگئیں کیونکہ جب کبھی کوئی مقدمہ یا تنازعہ یا کوئی امر فیصلہ طلب پیش ہوتا تو قرآن کریم کے بعد سب سے پہلے حدیث کی طرف ہی صحابہؓ رجوع کرتے تھے۔ اور جہاں امر پیش آمدہ پر کوئی حدیث پوری پوری منطبق نہ ہوتی تو اس کے قریب قریب کوئی حدیث تلاش کیجاتی اور اسی پر قیاس کر کے امر پیش آمدہ کا فیصلہ کیا جاتا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس صورت میں احادیث کی اچھی طرح پڑتال کی جاتی ہوگی تاکہ عین مطابق واقعہ کوئی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملجائے اور آپکے فیصلہ کے مطابق فیصلہ ہو جائے۔ جو صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمع حدیث میں شہرت رکھتے تھے اول انسے مشورہ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی باوجود نوجوان ہونیکے محض انکے علم قرآن اور حدیث کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت عزت کیا کرتے تھے اور ایسے معاملات انسے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ چہارم۔ ضروریات اور نئے پیش آمدہ امور کو الگ چھوڑ کر صحابہؓ تلاش حدیث میں سرگرم رہتے تھے کیونکہ وہ اسبات کو پسند نہ کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی الفاظ آئندہ نسلوں کو پہنچنے سے رہ جائیں۔ چنانچہ جہاں کہیں کسی حدیث کی روایت کا ذکر سنتے تھے فوراً اس جگہ پہنچکر بعد تحقیق اس حدیث کو اپنے علمی ذخیرہ میں شامل کر کے دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ دراصل صحابہؓ کے زمانہ میں جمع حدیث کے لیے اول ان حدیثوں کی اشاعت ضروری تھی

تا کہ عام طور پر معلوم ہو کر وہ حدیثیں محدثین کے ذخیرہ علم میں داخل ہو سکیں۔ پنجم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور ان میں سے بہت سے اس بات کی تلاش میں لگے رہتے تھے کہ انہیں اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات معلوم ہو جائیں جس کے زمانہ کو پا کر وہ اسلام اور آپ کی صحبت سے محروم رہے ایسا ہی دین اسلام کے متعلق بھی وہ پوری واقفیت حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہی حال اس نئی اسلامی نسل کا تھا جسکا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اسقدر ملا ہوا تھا مگر اس مبارک زمانہ کو انہوں نے نہ پایا تھا۔ یہ تمام لوگ اس تلاش میں رہتے تھے کہ کسی صحابی سے مل کر اس سے حالات سنیں۔ اس ذریعہ سے حدیث کا علم اور بھی اشاعت پاتا رہا۔ پھر جوں جوں صحابہؓ دنیا سے گذرتے گئے ان لوگوں کا اشتیاق احادیث کا علم حاصل کرنے انکو محفوظ رکھنے اور پھیلانیکا اور بھی بڑھتا گیا۔ ان تمام باتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اکثر وہ احادیث جو صحابہؓ کے علم میں تھیں تابعین کو پہنچ گئیں۔ ششم۔ وہ صحابی جن کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ تھا جیسے ابو ہریرہؓ انس بن مالکؓ ابن عباسؓ وغیرہ وہ تدریس کے طور پر مشتاق طالبوں کو حدیثیں سنایا کرتے تھے۔ اور صحابہؓ کے زمانہ میں ہی ایسے مقامات پر حدیث کی بڑی بڑی درسگاہیں بن گئی تھیں جہاں باقاعدہ حدیث کی اشاعت ہوتی تھی اور دور دور سے سننے والے جمع ہوتے تھے چنانچہ آٹھ سو آدمی حضرت ابو ہریرہؓ کے حدیث میں شاگرد تھے۔

ان درسگاہوں کا قایم ہونا جمع حدیث کے دوسرے مرحلہ کا اختتام اور تیسرے مرحلہ کا ابتدا تھا۔

تیسرا مرحلہ جمع حدیث میں اسوقت شروع ہوتا ہے جب صحابہؓ کا زمانہ گذر کر کل احادیث کا بار تابعین کے ہاتھ میں آچکی تھیں۔ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے کل صحابہؓ اس دنیا سے گذر چکے تھے۔ حدیث کی درسگاہیں صحابہؓ کے زمانہ میں ہی قایم ہو چکی تھیں۔ اور اب اس تیسرے مرحلہ پر جمع حدیث کے لیے اسطرح پر تلاش کی ضرورت نہ رہ گئی تھی جیسے صحابہؓ کے وقت میں تھی۔ کیونکہ صحابہؓ کے زمانہ تک نئی نئی احادیث اشاعت پاتی رہتی تھیں۔ مگر اب صرف وہی احادیث آگے پہنچائی جاتی تھیں جو صحابہؓ کے ذریعہ تابعین کو پہنچ چکی تھیں۔ پس عموماً حدیث کی تلاش ان درسگاہوں تک ہی محدود ہو گئی تھی جہاں علم حدیث کا چرچا ہوتا تھا۔ اور بہت کم ایسی حدیثیں تھیں جو ان درسگاہوں میں نہ آگئی ہوں۔ اسطرح پر جہاں تک نے بانی سلسلہ روایت کی تکمیل ہو سکتی تھی ان درسگاہوں کے قایم ہونے اور ان میں علم حدیث کے پڑھایا جانے سے جمع حدیث کی ایک گونہ تکمیل ہو چکی تھی۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ کسی ایک درسگاہ میں کل کی کل حدیثیں مل سکتی تھیں بلکہ جو احادیث کسی محدث تابعی نے صحابہؓ سے سنکر حفظ کر لی تھیں انہی احادیث کی اشاعت اس درسگاہ میں ہوتی تھی اور پھر سفر کے ذریعہ محدثین کے علم کی وسعت ہوتی رہتی۔ علاوہ ازیں اسی زمانہ میں حدیث کا لکھنا پہلے کی نسبت بہت زیادہ مروج ہو گیا تھا۔ اور جہاں محدثین درسگاہوں میں حدیثیں سنایا کرتے تھے بہت لوگ انکو لکھ لیا کرتے تھے اور جو حافظہ پر پورا

بھروسہ کر سکتے تھے وہ انکو وہیں یاد کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی پہلی صدی ھجری کے اختتام کے قریب یہ احکام نافذ کیے تھے کہ احادیث لکھ لی جایا کریں اور علمائے حدیث حدیثوں کی تدریس کے سلسلہ کو وسیع کریں تاکہ جو لوگ علم حدیث سے واقف نہیں وہ بھی واقف ہو جاویں۔ تا اسطرح پر سلسلہ روایت حدیث اور جمع حدیث میں کوئی خلل نہ آئے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس زمانہ میں حدیثیں صرف متفرق طور سے لکھ لی جایا کرتی تھیں وہ کتابوں کی صورت میں نہ تھیں نہ تحریر کے ذریعہ انکی اشاعت ہی ہوتی تھی۔ بہرحال حدیث کا لکھنا عام طور پر مروج ہو گیا تھا اور یہ تیسرے مرحلہ کا اختتام اور چوتھے مرحلہ کا ابتدا تھا۔

دوسری صدی ہجری کے نصف کے قریب حدیث کے لکھا جانے نے ایک اور رنگ پکڑ لیا اور بجائے متفرق مسودات کے جنکی اشاعت بحیثیت ایک کتاب ہونیکے نہ ہو سکتی تھی مستقل کتابیں حدیث پر لکھی جانی شروع ہوگئیں۔ اس زمانہ تک محض تحریری مسودہ اس بات کو ثابت کرنیکے لیے کافی نہ تھا کہ واقعی ایک حدیث صحیح اور قابل اعتبار ہے بلکہ یہ ضروری تھا کہ معتبر سلسلہ رواۃ سے حدیث کو کسی مشہور صحابی تک پہنچایا جائے۔ اور ان تمام راویوں کے نام درجہ بدرجہ ظاہر کیے جاویں جنکے ذریعہ حدیث اس بیان کرنیوالے تک پہنچی تھی۔ اسلیے ان کتابوں میں بھی پورا سلسلہ راویوں کا دیا جاتا تھا مگر کتاب اشاعت کے بعد یہ وقعت رکھتی تھی کہ اسکی احادیث کا حوالہ دیا جاتا ہے کیونکہ اس زمانے میں تحریر کا رواج عام ہو کر کتابوں کے نسخے کثرت سے شایع ہو سکتے تھے۔ سب سے پہلے جس شخص نے حدیث کی کتاب لکھی وہ امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج تھے جو ابن جریج کے نام سے مشہور ہیں اور بعض کے نزدیک سب سے پہلے حدیث کی کتاب ربیع بن صبیح نے لکھی اور تیسری روایت ہے کہ سب سے اول سعید ابن ابی عروبہ تھے۔ یہ تمام محدثین دوسری ہجری کے نصف کے قریب فوت ہوئے جس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حدیث کا کتابوں میں لکھے جانا دوسری صدی ہجری کے نصف سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ انکے بعد حدیث کے بڑے معتبر امام حضرت امام مالک بن انس تھے جنکی کتاب مؤطا آج تک حدیث میں سند مانی گئی ہے۔ یہ کتاب اہل حجاز کی احادیث پر مبنی تھی اور علاوہ احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میں صحابہؓ اور تابعین کے اقوال اور فتاوی بھی درج ہیں۔ مختلف مقامات میں مختلف ائمہ حدیث نے اس زمانہ میں کتابیں لکھیں۔ چنانچہ ابن جریج نے مکہ میں۔ امام مالک نے مدینہ میں۔ سفیان بن عیینہ نے بھی مدینہ میں۔ عبداللہ بن وہب نے مصر میں۔ معمر اور عبدالرزاق نے یمن میں سفیان الثوری اور محمد بن فضیل نے کوفہ میں۔ حماد بن سلمہ اور روح بن عبادہ نے بصرہ میں ھشیم نے واسط میں۔ اور عبداللہ بن مبارک نے خراسان میں حدیث پر کتابیں تصنیف کیں۔ ان بڑے بڑے مصنفین کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسوقت تصنیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ جیساکہ امام مالک کے متعلق اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے پاس شکایت کی گئی کہ آپ مؤطا کی تصنیف کیلیے اسقدر محنت کیوں اٹھا رہے ہیں جبکہ دوسرے لوگوں نے بھی اسی نام کی کتابیں لکھنی شروع کر دی ہیں

آپ نے فرمایا کہ دنیا عنقریب دیکھ لیگی کہ کس شخص نے محض للہ کام اختیار کیا ہے۔ اب ان تمام مؤطاؤں کا دنیا میں کوئی نشان باقی نہیں سوائے اسکے کہ ابن ابی ذئب کی مؤطا کا ذکر باقی رہ گیا ہے۔ مگر امام مالک کی مؤطا نے دنیا میں وہ عزت اور شہرت حاصل کی ہے کہ آجتک حدیث کی اول درجہ کی مستند کتابوں میں سمجھی گئی ہے۔

یہ تصنیفات جن کا ذکر اوپر ہوا جمع حدیث کا چوتھا مرحلہ ہیں جب اصل میں تدوین حدیث کا کام شروع ہو گیا تھا لیکن ابھی تک یہ کام تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچا تھا۔ چوتھے مرحلہ پر جسقدر تصانیف لکھی گئیں ایک تو انکی اغراض محدود تھے یعنی ان میں ہر قسم کی احادیث نہ پائی جاتی تھیں۔ صرف خاص مقاصد کو مدنظر رکھکر یہ تالیفیں کیگئی تھیں اور دوسرا ان میں وہی احادیث ان مضامین کے متعلق جمع کی گئی تھیں جو اس خاص حصہ ملک میں رائج تھیں۔ مثلاً مؤطا کو ہی لو اس میں صرف اہل حجاز کی احادیث تھیں اور ان میں سے بھی صرف وہ احادیث جو عمل کے متعلق تھیں مثلاً نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ کے احکام کے متعلق۔ اور اس قسم کی احادیث جیسے آنحضرت کی سیرت کے متعلق یا مغازی کے متعلق یا تفسیر قرآن کریم کے متعلق وہ اس میں جمع نہیں کی گئیں۔ پس باوجود تدوین کے شروع ہوجانیکے جمع حدیث کا کام ابھی کمال کو نہ پہنچا تھا۔ بلکہ یہ کمال اسے پانچویں مرحلہ پر حاصل ہوا جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع حدیث کا کام شروع کیا۔ اور اسکو ہر پہلو سے مکمل کر کے دکھایا۔ امام محمد بن اسمٰعیل جو بخاری کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ بخارا انکا اصلی موطن تھا۔ اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوئے جو امام مالک کی وفات کا وقت تھا اور جمع حدیث کا شوق آپ کو چھوٹی عمر میں پیدا ہو گیا۔ اور تیسری صدی ہجری کے ابتدا میں یہ کام انہوں نے شروع کر دیا۔ اور کتاب صحیح بخاری تالیف کی۔ آپ کی وفات ۲۵۶ ہجری میں ہوئی یعنی تیسری صدی کے نصف کے قریب۔ ایسا ہی اسی زمانہ کے قریب آپکے شاگرد مسلم نے جمع حدیث کا کام شروع کیا۔ اور صحیح مسلم کو تالیف کیا جس کا مرتبہ صرف صحیح بخاری سے دوسرے درجہ پر ہے۔ پھر ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی اپنی مسندیں تالیف کیں۔ یہ تینوں کتابیں اگرچہ موطا۔ صحیح بخاری اور مسلم کے مرتبہ کو نہیں پہنچتیں مگر ان سے دوسرے درجہ پر معتبر کتابیں سمجھی گئی ہیں انکے مصنفوں نے ہر ایک جگہ خود سفر کر کے کل احادیث معتبرہ کو جمع کیا۔ اور اپنی ساری ساری زندگیاں اسی کام کے لیے وقف کر دیں۔ یہ پانچواں مرحلہ جمع حدیث کا تھا جب یہ کام تکمیل کو پہنچ گیا۔ اور معتبر احادیث کا ذخیرہ کتابوں کی صورت میں جمع ہو گیا۔

اس تمام بحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ جمع حدیث کی بنیاد تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی رکھی گئی تھی مگر اس عمارت کی تکمیل امام بخاریؒ کے ہاتھ سے ہوئی۔ اور اگر حدیث کی اصلیت پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ بغیر ان پانچ مرحلوں سے گذرنیکے یہ کام تکمیل پذیر نہ ہو سکتا تھا یہ پانچ مرحلے دراصل پانچ سیڑھیوں کی طرح تھے اور ہر ایک مرحلہ گویا دوسرے مرحلہ کے لیے تیاری کا سامان مہیا کرتا تھا۔ سب سے اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ اس زمانے

میں اگرچہ بعض صحابہؓ نے خصوصیت سے حفظ حدیث کا کام شروع کردیا تھا مگر بہت سی احادیث ایسی تھیں جن کا علم خاص خاص صحابہؓ کو تھا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ موقعہ پیش آیا کہ ایسی تمام احادیث عام اشاعت پاگئیں اور خاص خاص لوگوں نے انہیں محفوظ کرلیا۔ دوسری طرف جن صحابہؓ کو زیادہ حدیثیں یاد تھیں انہوں نے اسی زمانہ میں بذریعہ تدریس یہ احادیث آئندہ نسل کو پہنچانی شروع کیں۔ اور جہاں جہاں صحابہؓ پھیل گئے تھے اسی جگہ تدریس حدیث کے مرکز قائم ہوگئے۔ اسکے بعد تیسرا زمانہ تابعین کا آیا جب حدیث کے علم کا بذریعہ تدریس عام رواج ہوگیا۔ اور مزید براں علاوہ حفظ حدیث کے اسکی یادداشتیں لکھی جانی شروع ہوگئیں۔ اور یادداشتوں کی صورت میں نہ کتابوں کی صورت میں حدیث کی تحریر کا رواج عام ہوگیا۔ اور جو لوگ جمع حدیث کے مشتاق تھے وہ ان درسگاہوں میں حاضر ہوکر جب حدیثوں کو سنتے تو ان میں سے اکثر انکو ضبط تحریر میں لے آتے۔ اس تحریر کے رواج سے جمع حدیث کا چوتھا مرحلہ آپہنچا جب بجائے الگ الگ یادداشتوں کے کتاب کی صورت میں ترتیب پاکر حدیثوں کا لکھا جانا شروع ہوگیا۔ پھر اسکے بعد پانچواں مرحلہ آپہنچا جب بجائے ایک خاص مقام سے حدیثیں جمع کرنیکے یا بجائے ایک خاص مضمون پر حدیثیں جمع کرنیکے جامع کتابیں حدیث پر لکھی جانی شروع ہوئیں اس طرح دوسو سال کے عرصہ میں اس عمارت کی تکمیل ہوئی اور جمع حدیث کا کام ختم ہوا۔ لیکن صرف اسوجہ سے کہ اس کام کی تکمیل فی الفور نہیں ہوئی اور ایک دراز عرصہ اس میں خرچ ہوا۔ حدیثوں کی بے اعتباری نہیں کی جاسکتی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ تک ایک قدرتی ترقی تھی جسکے سوائے یہ کام احسن طور پر سرانجام نہ پاسکتا تھا۔ اور یہ پانچوں مرحلے ایکدوسرے سے ایسے وابستہ ہیں جیسے زنجیر کی کڑیاں۔

چونکہ جمع حدیث کی تکمیل پانچویں مرحلہ پر ہوئی جب جامع کتابیں حدیث پر لکھی گئیں اس لیئے جمع حدیث کا نام خصوصیت سے اس مرحلہ پر بولا جاتا ہے۔ اور دراصل یہ مرحلہ جمع حدیث کا ایسا ہے جس پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے کیونکہ بعد کے زمانہ میں علم حدیث کی بنا عموماً انہی کتابوں پر رہی ہے جو اس زمانہ میں تالیف ہوئیں اور اس لیئے بھی کہ جامع کتابیں صرف یہی ہیں۔ میور سپرنگر۔ اور اور معترضین نے ان کتابوں میں معتبر احادیث کے ہونے سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان محدثین نے حدیث کے جمع کرنے میں تنقید کا طریق اختیار نہیں کیا۔ میور سپرنگر کی رائے کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے اور خود اسی رائے کا مؤید ہے۔ بخاری کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "جن اصول اور قواعد کی پیروی اس نے (یعنی امام بخاری علیہ الرحمۃ نے) کی انپر تنقید کا نام چسپاں نہیں ہوسکتا۔ وہ صرف یہ دیکھتا تھا کہ راویوں کا سلسلہ پورا ہے یعنی منقطع نہیں ہوجاتا۔ اور ان راویوں کے چال چلن کو دیکھ لیتا تھا۔ اور چونکہ ایک قاعدہ اسنے یہ بھی مقرر کیا ہوا تھا کہ جو حدیث اس کے اپنے متعصبانہ خیالات کے مطابق نہ ہو اسے رد کردیتا تھا۔ اس لیئے اسکے کسی حدیث کو رد کردینے سے یہ نتیجہ کسی صورت میں نہیں نکل سکتا

کہ وہ حدیث واقعی ناقابل اعتبار ہے۔ مگر اسکی جامع دوسری مسندوں سے یہ امتیاز ضرور رکھتی ہے کہ وہ کسی خاص مذہب کا پیرو نہ تھا بلکہ صرف حدیثوں کی فرضی صحت اور راویوں کی راستبازی وغیرہ پر ہی سارا دارومدار رکھا کرتا تھا۔" ایسا ہی میور اپنے دیباچہ لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتا ہے "یہ تو ظاہر ہے کہ محدثین کسی قسم کی تنقید کو کام میں لاتے تھے اور وہ بھی ایسی سختی سے کہ بحساب اوسط ہر سو حدیث میں سے انہوں نے قریباً ننانوے کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا۔ لیکن یورپین ناظرین سخت دھوکہ کھائیں گے اگر وہ یہ سمجھ لیں کہ یہ تنقید باوجود اسقدر سختی کے صحیح معنوں میں ایسی کامل اور صحیح تحقیقات احادیث کی صحت کے متعلق تھی۔ محدثین کے نزدیک کسی حدیث کے قابل اعتبار ہونیکے لیے اس حدیث کے نفس مضمون کو نہ دیکھا جاتا تھا بلکہ صرف ان ناموں کو دیکھا جاتا تھا جو اس حدیث کے بیان کرنیوالے ہوتے تھے۔ انکے نزدیک صحیح حدیث کی سند پہلے کسی صحابی پر چلنی چاہیئے اور پھر راویوں کے ایک لمبے سلسلے میں ہر ایک راوی کی صداقت پر اس کی بنا ہوتی تھی۔ اگر ان راویوں کی صداقت پر کوئی الزام عائد نہ ہوسکے تو حدیث قبول کرنی چاہیئے۔ نفس مضمون میں کوئی بات خواہ کیسی ہی بعید از قیاس کیوں نہ پائی جاتی ہو۔ وہ ایسی حدیث کے اعتبار کو نہیں گنوا سکتی۔ محدثین بجز تنقید میں کھلی کھلی شتنا وری کرتے تھے۔ بلکہ اس ایک ہی قاعدہ کے غلام ہوگئے تھے۔ اندرونی شہادت پر جرح کرنیکی انکو قطعاً جرأت نہ تھی۔"

یہ دو ایسے شخصوں کی رائے ہے جن کی رائے کو اسلام کے متعلق نہایت محققانہ اور بے لوث مانا گیا ہے۔ مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ ان خیالات کے ظاہر کرنے میں ان دونوں صاحبوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ انکو یہ بھی معلوم نہیں کہ جن احادیث کو محدثین نے وضعی قرار دیا ہے انکو کس بنا پر وضعی قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محدثین نے راویوں کے متعلق پوری پوری تحقیقات کرنے میں بہت ہی کوشش کی ہے اور میں یہ ثابت کرونگا کہ احادیث کی صحت کو پرکھنے کے لیے اسکی ضرورت تھی مگر یہ بالکل جھوٹ ہے کہ انہوں نے اندرونی شہادت پر مطلق توجہ نہیں کی۔ بلکہ احادیث موضوعہ کے جانچنے کیلیے جو اصول انہوں نے مقرر کیے ہیں وہ قریباً سب کے سب اندرونی شہادت سے ہی متعلق ہیں چنانچہ شاہ عبد العزیز دہلوی نے عجالہ نافعہ میں وضعی احادیث کی مفصلہ ذیل علامات بیان کی ہیں۔ جنہیں نواب صدیق حسن خاں نے بھی اپنی کتاب الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ میں ذکر کیا ہے۔ وہ علامات حسب ذیل ہیں۔ اول یہ کہ روایت تاریخ کے خلاف ہو جیسا کہ کہا جائے کہ عبد اللہ بن مسعود نے جنگ صفین میں یوں فرمایا حالانکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت عثمانؓ کی خلافت میں وفات پاچکے تھے۔ دوئم یہ کہ راوی رافضی ہو اور جو حدیث وہ بیان کرے وہ صحابہؓ کے مطاعن میں ہو۔ یا راوی ناصبی ہو اور اہل بیت کے مطاعن میں حدیث بیان کرے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پھر اگر راوی اس حدیث کو بیان کرنے میں اکیلا ہو اور اور کوئی راوی اس حدیث کا نہ ہو تو ایسی حدیث منکر ہے اور اگر اور لوگ بھی اس

حدیث کو بیان کرنیوالے ہوں تو حدیث قبول کیجاوے اور اس کی مناسب توجیہ کیجاوے۔ سوئم۔ ایسی حدیث بیان کرے جس کا جاننا اور اسپر عمل کرنا سب مکلفوں پر واجب ہو اور راوی اس حدیث کے بیان کرنے میں اکیلا ہو تو یہ ضبط قرینہ حدیث کے جھوٹا اور موضوع ہونے پر ہے۔ چہارم یہ کہ راوی کا حال اور وہ وقت جب حدیث کو بیان کیا ہے اس کے کذب پر قرینہ ہوں۔ جیساکہ خلیفہ عباسی مہدی کی مجلس میں غیاث بن میمون کے بیٹے واقع ہوا کہ جب وہ بادشاہ کے پاس حاضر ہوا تو بادشاہ اسوقت کبوتروں کے اڑانے میں مشغول تھا جسپر غیاث نے بادشاہ کو خوش کرنیکے لیے یہ حدیث سنائی کہ لا سبق الا فی خف او نصل او جناح یعنی کوئی شرط نہیں بدنی چاہیئے مگر اونٹوں (یا گھوڑوں) کی دوڑ میں اور تیر اندازی میں اور جانوروں کے اڑانے میں۔ مگر یہ لفظ جناح (پرندوں کا اڑانا) اصل حدیث میں موجود نہ تھا بلکہ غیاث نے صرف خلیفہ کو خوش کرنیکے لیے اسے بڑھا دیا تھا کیونکہ خلیفہ کو کبوتر اڑانے کا شوق تھا۔ اس قصہ کی تفصیل حیوٰۃ الحیوان الکبری میں اسطرح پر دی ہے کہ ہارون الرشید کو کبوتروں سے محبت تھی اور انکے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا۔ ایک کبوتر اس کے پاس بطور تحفہ آیا اور اسوقت بادشاہ کے پاس قاضی ابو البختری بیٹھا تھا۔ اور اس نے سند کے ساتھ ایک حدیث ابو ہریرہ سے بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا سبق الا فی خف او حافر او جناح اور یہ لفظ او جناح کا اپنے پاس سے بڑھا دیا۔ خلیفہ نے اسے کچھ دیکر رخصت کیا اور جب وہ چلا گیا تو کہا کہ خدا کی قسم ہے مینے خوب سمجھ لیا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کیا ہے۔ پھر حکم دیا کہ کبوتر کو ذبح کر دیا جائے لوگوں نے پوچھا کہ کبوتر کا کیا گناہ ہے کہا اسی کی خاطر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھا۔ پس اسیوجہ سے اور اس کی اور موضوعات کی وجہ سے محدثین اور علماء نے ابو البختری کی حدیث کو چھوڑ دیا اور کوئی حدیث اس سے نہیں لکھی۔ پنجم یہ کہ حدیث عقل اور شرع کے مقتضی کے مخالف ہو۔ اور قواعد شرعیہ اسکو جھوٹا ٹھہراتے ہوں جیساکہ قضائے عمری۔ اور حدیث مثل اسکے کہ لا تاکلوا البطیخ حتی تذبحوہ۔ یعنی خربوزہ کو نہ کھاؤ جبتک اسے ذبح نہ کرلو۔ ششم یہ کہ حدیث میں کوئی قصہ کسی ایسے امر محسوس سے متعلق ہو کہ اگر درحقیقت وہ واقع ہوا ہوتا تو لاکھوں انسان اسکو نقل کرتے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں خطیب کو جمعہ کے دن ممبر پر قتل کر دیا گیا اور اس کی کھال اتاری گئی اور سوائے اس واقعہ کو سوائے اس راوی کے اور کوئی بیان کرنیوالا نہ ہو۔ ہفتم یہ کہ حدیث میں لفظاً و معنے رکیک ہوں مثلاً الفاظ ایسے ہوں جو قواعد عربیہ کے مطابق نہیں یا معنے ایسے ہوں جو شان نبوۃ اور وقار رسالت کے شایان نہیں۔ ہشتم یہ کہ چھوٹے سے گناہ پر سخت وعید میں یا تھوڑے عمل پر بڑے ثواب کے وعدوں میں افراط کا پہلو اختیار کیا گیا ہو۔ جیسے۔ من صلی رکعتین فلہ سبعون الف دار فی کل دار سبعون الف بیت فی کل بیت سبعون الف سریر علی کل سریر سبعون الف جاریۃ یعنی جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اسکے لیے بہشت میں

ستر ہزار مکانات ہونگے ہر مکان میں ستر ہزار کوٹھے ہوں گے ہر کوٹھے میں ستر ہزار تخت ہونگے ہر تخت پر ستر ہزار لونڈیاں ہونگی۔ بلکہ اس قسم کی کل حدیثیں خواہ وہ ثواب کے بارے میں ہوں اور خواہ عذاب کے موضوع سمجھی گئی ہیں۔ نہم یہ کہ چھوٹے سے عمل پر عمر سے اور حج کا ثواب بتایا گیا ہو۔ دہم یہ کہ نیکی کرنیوالے کے لیے کئی انبیاء اور رسولوں کے ثواب کا وعدہ ہو۔ یازدہم یہ کہ خود وضع کرنیوالا اقرار کرے۔ جیسا کہ نوح بن عصمہ کے بیہ اتفاق ہوا کہ اس نے قرآن شریف کی ایک ایک سورۃ کی فضیلت میں جھوٹی حدیثیں بنائیں اور انکو رواج دیا اور شہرت دی جیسا کہ بیضاوی میں ہر ایک سورۃ کے آخر میں انکا ذکر ہے۔ اور جب محدثین نے ان حدیثوں کے متعلق تحقیق شروع کی اور اسے کہا کہ انکی سند کو صحت کو پہنچاؤ اور یہ بتاؤ کہ اس نے یہ حدیثیں کہاں سے لیں تو اس نے اقرار کیا کہ یہ خود ہی یہ جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں۔

اب معترضین اس مقام پر غور کریں کہ ان گیارہ علامتوں میں سے جو وضعی احادیث کے لیے قرار دیگئی ہیں دس علامتیں اندرونی شہادت اور قرائن سے متعلق ہیں۔ حالانکہ میور اور سپرنگر صاحبان جنکو بڑے محقق ہونیکا دعویٰ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ محدثین کو یہ جرأت ہی نہ تھی کہ وہ قرائن کی شہادت پر یا اندرونی شہادت پر تنقید کریں۔ اس سے بڑھکر ان لوگوں کی جہالت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے جس آزادی کے ساتھ محدثین نے احادیث پر تنقید کی ہے اسکی نظیر ہمیں دوسری جگہ نہیں ملتی۔ انکے نزدیک دنیوی وجاہت کوئی قابل توجہ چیز نہ تھی بلکہ بڑے سے بڑے آدمی کے چال چلن پر وہ اسی طرح تنقید کرتے جیسے معمولی آدمی پر اور جب انکو ثابت ہو جاتا کہ ایک شخص نے عمداً ایک لفظ بھی جھوٹا حدیث میں ڈالدیا ہے تو خواہ وہ کتنا بڑا آدمی ہوتا مگر اسکی روایت کو وہ ہرگز نہ لیتے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرائن کی شہادت اور اندرونی شہادت پر محدثین نے اسی طرح سے تنقید کی جیسے راویوں کے حالات وغیرہ کے متعلق۔ مگر پادری صاحبان کے دل میں اور کانٹا کھٹکتا ہے۔ اب میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ کیوں محدثین نے راویوں کی جرح اور تعدیل میں اسقدر کوشش کی ہے اور اس سے حدیث کی صحت کے متعلق کیا کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ محض اندرونی شہادت یا قرائن کی شہادت پر کوئی جرح وارد نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حدیث واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کیونکہ ہزارہا احادیث ایسی وضع ہو سکتی تھیں اور ہوئیں جن کا مفہوم مخالف عقل نہ تھا۔ مگر محض اس وجہ سے کہ ایک بات مخالف عقل نہیں یہ سند نہیں ملتی کہ وہ بات واقعی صحیح بھی ہے اور اسکے راوی نے سچ بیان کیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک جھوٹی بات مخالف عقل نہیں ہوتی بلکہ جن لوگوں کو آجکل عدالتوں میں شہادتوں کے سننے کا اتفاق ہوا ہوگا وہ جانتے ہیں کہ جھوٹی شہادتیں اسقدر احتیاط سے دیجاتی ہیں کہ قرائن اور اندرونی شہادت کی رو سے وہ سچی شہادتوں سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اور ہزارہا مقدمونکا لائق جج انہی شہادتوں کو

فیصلہ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے محدثینؒ نے وہی طریق اختیار کیا جو ہر ایک محقق منقد کو اختیار کرنا چاہیئے یعنی جب انہوں نے دیکھا کہ ایک حدیث قرائن اور اندرونی شہادت سے وضعی ثابت نہیں ہوتی تو انہوں نے اتنی بات پر اکتفا کر کے اسے صحیح نہیں سمجھ لیا اور اپنی کتاب میں درج نہیں کیا بلکہ پھر پورا زور اس امر کی تحقیق پر لگایا کہ وہ لوگ جنکی روایت سے وہ حدیث ان تک پہنچی ہے کس قسم کے لوگ ہیں آیا وہ ایسے لوگ ہیں جنکی سچائی اور راستبازی اور انکے حافظہ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے یا انکا جھوٹ بولنا یا اکثر غلطی کرنا وغیرہ امور ثابت ہیں جن سے انکی باتیں بھی قابل اعتبار نہیں رہ جاتیں۔ جن مراحل کو طے کر کے حدیث صحابہؓ سے اس زمانہ کے محدثین تک پہنچی تھی جب کتابیں لکھی جانی شروع ہوئیں۔ انپر نظر کر کے ضروری تھا کہ جامعین حدیث راویوں کے معتبر یا غیر معتبر یا معروف یا مجہول الحال ہونے پر پوری بحث کرتے اور بغیر اس بحث کے وہ کبھی صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ میں اس سے پہلے مضمون میں ثابت کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے زمانہ میں وضع حدیث کا کوئی نشان ہمیں نہیں ملتا۔ مگر یہ راوی ہیں جنکی نکتہ چینی پر آپ اس لیے ناراض ہیں اور بخاری اور مسلم جیسے محققین کو اس لیے ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں کہ انہوں نے صحابہؓ کو جھوٹی احادیث بنانے سے بری کیوں سمجھا ہے۔ اور اصل میں یہی غبار انکے دل میں چبھتا ہے جسکی وجہ سے وہ بار بار اندرونی شہادت اور قرائن کی شہادت کو پیش کرتے ہیں۔ مگر محدثین کیونکر تاریخ کے خلاف ایک امر کو صحیح سمجھ سکتے تھے کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ تابعین سے لیکر جسقدر نسلیں ان محدثین کے زمانہ تک گذریں ان میں سے ہر ایک نے پورے یقین سے اس بات کو سمجھا ہوا تھا کہ کسی صحابی نے کوئی حدیث وضع نہیں کی۔ اور حدیث کے پہنچانے میں صحابہؓ کی صداقت پر کبھی کسی قسم کا الزام عائد نہیں ہوسکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سخت وعید کا کہ جو شخص جھوٹی حدیث بیان کریگا وہ دوزخی ہوگا اسقدر اثر صحابہؓ کے دلوں پر تھا کہ انکو جب تک کسی حدیث کے متعلق یقین کامل نہ ہوتا اسے بیان نہ کرتے تھے۔ جمع حدیث کا کام ایک بہت ابتدائی زمانہ میں شروع ہوگیا تھا اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی شخص نے حدیث وضع کی ہوتی تو کوئی تذکرہ اسکا نہ پایا جاتا۔ اور ضرور تھا کہ بعض صحابی ہی اسکا ذکر کرتے کہ فلاں حدیث فلاں صحابی نے وضع کی ہے اس لیے اس سے حدیث نہیں لینی چاہیئے۔ صحابہؓ کے درمیان جرائم کا کبھی اخفا نہیں ہوتا تھا۔ اور اگر کوئی صحابی کسی بڑے گناہ کا مرتکب ہوا چھوٹے کا اسپر حد تاہم لگائی جاتی تھی۔ اور کبھی کسی شخص کو جرم کی معافی اسوجہ پر نہیں دیگئی کہ وہ صحابی ہے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ وضع حدیث کا جرم جس کے مجرم کو کذاب اور جہنمی کہا گیا ہے اور جو سب جرموں سے بڑا جرم ہے کیونکہ اس سے دین میں فتنہ پڑتا ہے ایسے جرم کا اخفا کیا جاتا اور اس کے خطرے سے مسلمانوں کو آگاہ نہ کیا جاتا۔ کیا صحابہؓ اس خطرے سے آگاہ نہ تھے کہ دین اسلام وضعی احادیث کے مروج ہو جانے سے تباہ ہو جائیگا۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ حدیثیں انکے سامنے وضع کیجاتی اور وہ نہ صرف ایسے مجرموں کو بے سزا چھوڑتے اور انکے جرم کا اخفا کرتے بلکہ انکے

اس جھوٹ کو اور بھی پھیلاتے پس یہ کسی صورت میں قرین قیاس نہیں کہ اگر وضع حدیث صحابہؓ کے زمانہ میں شروع ہو گیا ہوتا تو کوئی صحابی اسباب کا ذکر نہ کرتا۔ نہ ہی وہ سازش کر کے ایسا کام کر سکتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی صحابہؓ دور دور پھیل گئے تھے اور پھر آپ کی وفات کے بعد فتوحات کا سلسلہ اسقدر وسیع ہو گیا کہ دور دور ملکوں میں اسلامی جھنڈا گاڑا گیا۔ ان سب کا اس امر پر سازش کر لینا کہ وضعی حدیثیں بنائی جا کر مشتہر کی جاویں اور کوئی شخص بھی نام نہ لے اور آئندہ نسل کو آگاہ نہ کرے کہ یہ حدیثیں وضعی ہیں محال امر ہے۔ ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت مسیح کی طرح ایک یا دو درجن پیرو پیچھے رہ جاتے اور وہ سب ایک ہی جگہ جمع ہوتے تو ایسی سازش کا کر لینا بھی ممکن تھا کہ فلاں فلاں سچے واقعات کا اخفا کر دیا جاوے اور جھوٹے واقعات انکی بجائے مشتہر کیے جاویں مگر آنحضرتؐ کے صحابہؓ تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے اور آپکی زندگی میں ہی تمام عرب میں پھیل چکے تھے پس یہ بالکل محال ہے کہ وہ سازش کر کے وضعی احادیث اور جھوٹے قصوں کا اخفا کرتے۔ انکے درمیان بعض فروعی مسائل میں اختلاف بھی تھا۔ مگر کبھی کسی صحابی نے دوسرے صحابی پر وضع کا الزام نہیں لگایا۔ بلکہ ۳۵ہجری میں ہی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف پچیس سال بعد ملکی تنازعے بھی پیدا ہو گئے تھے مگر ان تنازعوں میں بھی کبھی کسی فریق نے مخالف فریق پر وضع حدیث کا الزام نہیں دیا۔ علاوہ ازیں علم جرح (گواہ کو بے اعتبار ثابت کرنا) اور تعدیل (اسکو صادق اور قابل اعتبار ثابت کرنا) جو علم حدیث کی ایک نہایت ضروری فرع ہے اسکی بنیاد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پڑ چکی تھی اور خود آنحضرتؐ نے یہ اجازت دی تھی کہ شہادت کے پرکھنے کے لیے گواہ کے چال چلن کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے اور قرآن کریم بھی فرماتا ہے کہ ان جآءکم فاسق بنبا فتبینوا۔ یہ تو صحابہؓ کے زمانہ کا حال تھا اور جب تابعین کے زمانہ کو دیکھتے ہیں تو اس زمانہ میں ہر راوی کے متعلق جرح اور تعدیل کرنیکا رواج عام ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانہ میں مشہور محدث اور امام حدیث یحییٰ بن سعید بن قطان اور شیبہ بن حجاج نے اس علم کے متعلق تحقیقات کر کے واقعات کو جمع کیا۔ ان تحقیقات میں جو رجال حدیث کے متعلق کی جاتی تھی کسی شخص کو باہر نہ چھوڑا جاتا تھا۔ بلکہ ہر ایک کی صداقت اور اس کے چال چلن اور اسکی قوت ضبط وغیرہ کو زیر بحث لایا جاتا تھا۔ اور یہ کسی صورت میں ممکن نہیں کہ اگر تابعین کو یا انکے بعد آنیوالی نسلوں کو ایک صحابی کے متعلق بھی کسی حدیث کا وضع کرنا ثابت ہو جاتا تو وہ صحابہؓ پر وہی جرح نہ کرتے جو دوسروں پر انہوں نے کی۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ خود صحابہؓ کو اور پھر انکے بعد ہر ایک نسل کو یہ یقین کامل تھا کہ کسی صحابی نے عمداً کوئی جھوٹی حدیث بنا کر مشہور نہیں کی اور اسی لیے تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ صحابی پر جرح کی ضرورت نہیں بلکہ جب ایک حدیث ایک مشہور صحابی تک راویوں کے معتبر سلسلہ سے پہنچ جاوے تو پھر اسے صحیح اور قابل اعتبار مان لیا جاوے۔ اگر یہ خصوصیت صحابیوں کو نہ ہوتی کہ ان میں کسی نے کوئی حدیث جھوٹی نہیں بنائی تو محدثین انکو

بھی علم الجرح والتعدیل کے نیچے اسی طرح لاتے جس طرح وہ تمام دوسرے راویان حدیث کو لائے۔

اس تمام بحث سے یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے کبھی کوئی حدیث وضع نہیں کی۔ پس محدثین صرف انہی حدیثوں کو لیتے تھے جنکی روایت معتبر راویوں کے ذریعہ کسی مشہور صحابی تک پہنچے اور انکا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ دیکھیں کہ آیا جن لوگوں نے اس حدیث کو بیان کیا ہے وہ اعتبار کے قابل گواہ ہیں یا نہیں۔ جن مراحل کو طے کر کے علم حدیث دوسری صدی ہجری کے آخر پہنچ گیا تھا انسے یہ تحقیقات آسان ہوگئی تھی کیونکہ ہر ایک مرحلہ پر جو ائمہ حدیث۔ حدیث کو لینے اور پھر اسے آگے پہنچاتے تھے وہ پچھلے راویوں کو جرح تعدیل کے ماتحت لانیکے بعد اور اس بات کو سمجھ کر کہ واقعی یہ حدیث قابل اعتبار ہے اسے قبول کرتے اور آگے پہنچاتے تھے۔

علاوہ ازیں ابتدائی زمانہ تابعین میں ائمہ حدیث جو حدیث کے محافظ اور سکھلانیوالے تھے تھوڑے اور مشہور آدمی تھے اور انکے حالات صدق اور حفظ وغیرہ کے متعلق بھی مشہور تھے کیونکہ وہ پہلے زیر تنقید آچکے تھے۔ اس لیے محدثین نے جب دوسری صدی ہجری کے اخیر پر حدیث کو کتابوں میں لکھنا شروع کیا تو انہوں نے سب سے پہلی یہ احتیاط کی کہ جس راوی کے حالات معلوم نہیں اس کی حدیث کو قبول نہ کیا جاوے کیونکہ اسکے صدق پر یا حافظہ پر کوئی جرح نہ ہو سکتی تھی۔ ایسے ہی اور بھی کئی ایک قواعد اس علم کے انہوں نے مقرر کیے۔ جن سے راوی کے اعتبار کا اندازہ کیا جاتا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کوئی حدیث عمداً وضع کی ہے تو ایسے شخص کی روایت کو بالکل ناقابل اعتبار مانا جاتا۔ ایسا ہی اگر کسی راوی کے متعلق معلوم ہو کہ وہ حدیث کی روایت میں اکثر غلطی کرتا ہے تو اسکا ضبط اور حافظہ ناقابل اعتبار مانے جاتے۔ راوی کی صداقت اور اسکی راستبازی کو خصوصاً بہت باریک نظر سے تحقیق کیا جاتا۔ ایسا ہی یہ بھی دیکھا جاتا کہ آیا ایک شخص جو روایت کرتا ہے اسکا اس شخص سے جس سے وہ روایت کرتا ہے ملنا بھی ممکن تھا یا نہیں۔ بلکہ جن محدثین نے اس سے بھی زیادہ احتیاط کی ہے۔ انہوں نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ واقعی ایک کے دوسرے سے ملنے کا ثبوت ہونا چاہیئے اور بغیر اسکے حدیث قبول نہ کی جاوے گی۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی تحقیقات میں اس بات کو ضروری سمجھا ہے۔ ایسا ہی راوی کے حافظہ وغیرہ کے متعلق شہادت لی جاتی۔ ان اصول اور قواعد کے رو سے راوی اور اسکی روایت کو معتبر یا غیر معتبر قرار دیا جاتا تھا۔ اور ہر ایک شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ تحقیق اور تنقید کا پہلو جو محدثین نے اختیار کیا کسقدر مشکل ہے مگر سچ یہی ہے کہ خواہ میور صاحب یا کسی اور پادری صاحب کو اسکی سمجھ آئے یا نہ آئے اس کے بغیر کبھی کسی حدیث کو معتبر یا غیر معتبر قرار نہ دیا جا سکتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ وہ سارے سامان جن کے ذریعے یہ عظیم الشان تحقیق اور تنقید کا کام تکمیل کو پہنچ سکتا تھا پہلے سے موجود تھے کیونکہ جمع حدیث کے ہر مرحلہ پر انہیں تمام اصول اور قواعد سے کام لیا گیا تھا۔ اور جس طرح علم حدیث ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم تنقیدی بھی پہنچتے رہے۔ صحابہ اور تابعین کے

زمانہ میں ائمہ حدیث کی تعداد ایسی زیادہ نہ تھی اور انکے حالات بھی مشہور و معروف تھے۔ البتہ بعد کے زمانے میں حدیث کے راویوں اور حدیث کے علم کو پھیلانیوالوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ پس جس قدر ان سب لوگوں کے حالات کا معلوم کرنا مشکل تھا اسیقدر قرب زمانہ کے سبب سے اس میں آسانی بھی ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں ہر زمانہ کے محدثین نے بجائے خود احادیث کو پوری تنقید اور تحقیق کے بعد قبول کیا۔ اور پھر اپنے شاگردوں کو حدیث سکھانے کے علاوہ یہ تنقیدی علوم بھی سکھائے پس حدیث کے ساتھ ساتھ ہی ہر مرحلہ پر تنقیدی علوم متعلقہ حدیث بھی جمع ہوتے چلے گئے اور میں یہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ تابعین کے زمانہ میں بھی علم جرح و تعدیل کے امام پائے جاتے تھے جنہوں نے اس علم کے متعلق واقعات کو تحقیق اور جمع کیا پس اگرچہ ان محدثین کی راہ میں جنہوں نے تیسری صدی ہجری کے شروع میں حدیث کو کتابوں میں لکھنا شروع کیا۔ بہت سی مشکلات تھیں مگر یہ مشکلات ایسی نہ تھیں جنکا حل کرنا محالات سے ہوتا بلکہ انکے حل کرنیکے سامان بھی ساتھ ہی موجود تھے۔

ایک اور اعتراض جو امام بخاری اور دیگر جامعین حدیث پر عیسائی صاحبان نے کیا ہے یہ ہے کہ جو کتابیں انہوں نے لکھی ہیں ان میں پہلی کتابوں یا اپنے زمانہ سے تحریری مسودوں کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور اس طرح پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کونسی احادیث وہ ہیں جو پرانے مسودہ پر مبنی تھیں اور نہ یہ پتہ لگتا ہے کہ آیا ان کتابوں میں ان پرانے مسودات کی صحت سے کوئی فائدہ بھی اٹھایا گیا ہے یا نہیں۔ اعتراض کے حصہ اول کا جواب تو گذشتہ مضمون میں دیا جا چکا ہے۔ اعتراض کے حصہ دوم کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جمع حدیث کا ہر مرحلہ اس سے پہلے مرحلہ پر مبنی ہے۔ اور یہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ تیسری صدی ہجری کے محدثین نے اپنی تحقیق سے کوئی اور حدیثیں صحیح ثابت کی تھیں بلکہ ان محدثین کی غرض تو صرف یہی تھی کہ ان احادیث کو الگ کر کے دکھا دیں جو ابتدا سے نسلاً بعد نسل چلی آئی ہیں اور ان احادیث کو الگ کر دیں جو پیچھے لوگوں نے مختلف اغراض سے وضع کر لی تھیں۔ اسلیے انہوں نے پہلے لوگوں کی محنت کو صحیح طور پر سمجھانے اور ان کے اظہار کرنے میں انہوں نے کمی نا قابل التفات نہیں سمجھا بلکہ انہی کی محنت سے فائدہ اٹھایا تحریری شہادت کو انہوں نے معتبر زبانی سلسلہ روایت کے لیے مددگار تسلیم کیا لیکن صرف مسودات کو جب تک انکے ساتھ زبانی شہادت نہ ہو نہ ان محدثین نے اور نہ ان سے پہلوں نے کبھی قطعی ثبوت صحت حدیث کا تسلیم نہیں کیا۔ اور یہ بات ایسی ہے جسکا اقرار خود میور اور سپرنگر نے بھی کیا ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں "کہ حدیث کے ہر مرحلہ پر بغیر زبانی شہادت کے مطلق کوئی روک جعلسازی اور احادیث میں نئی باتیں داخل کرنیکے خلاف نہ ہوتی"۔ (دیکھو سپرنگر کا مضمون جسکا خلاصہ میور نے اپنی کتاب اسلامی مناظرہ میں دیا ہے اور خود اسکی تائید کی ہے)۔ پس جب یہ صورت تھی تو پھر یہ مطالبہ کرنا کہ محدثین نے کیوں مسودات کے حوالے نہیں دیے محض حماقت ہے۔ کیونکہ کسی مرحلہ پر زبانی شہادت کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا اور صاحب تصنیف محدثین کا کام یہ تھا کہ وہ احادیث کو ایک ایک مرحلہ طے کرا کر انکو صحابہ رضی تک پہنچائیں خواہ وہ اپنا اطمینان مسودوں سے کریں یا کسی اور طرح مگر اسطرح جمع کی ہوئی احادیث کو اس قابل بنانے کے لیے کہ وہ پھر بھی

تنقید کے نیچے آسکیں محدثین کا یہ فرض تھا کہ وہ سلسلہ رواۃ کا پورا ذکر کرتے کیونکہ مدار صحت آخر راویوں کے سلسلے پر تھا نہ مسودوں پر جو ہزارہا جعلی بن سکتے تھے۔ پس ان حالات کے ماتحت محدثین نے حدیث پر کتابیں تصنیف کرتے وقت جو راستہ اختیار کیا وہ ایسا راستہ تھا جو بڑے سے بڑا محقق اختیار کر سکتا تھا۔ بکھرے ہوئے مسودات کی تحریری شہادت پر نہ تو پورا اعتبار ہی ہو سکتا تھا اور نہ ہی یہ سلسلہ بغیر ٹوٹنے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ تک پہنچایا جا سکتا تھا۔

ایک اور اعتراض جو میور نے کیا ہے یہ ہے کہ محدثین کو ایک دوسرے کی تحقیق پر کوئی اعتبار نہ تھا کیونکہ ہر ایک محدث نے اپنے اپنے طریق سے تخریج احادیث کی ہے گویا اپنے سے پہلے محدث کی تحقیق کو اس نے درست نہیں سمجھا۔ عیب نمائد ہنرش در نظر والا معاملہ ہے۔ ان لوگوں نے اسلام پر اعتراض کرنیکا ٹھیکہ لیا ہوا ہے اور نہیں سوچتے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جہاں تک ہم دیکھتے ہیں ہر محدث کی آزادانہ تحقیقات صحت احادیث پر ایک کھلا کھلا گواہ ہے۔ مگر پادری صاحبان کے نزدیک یہی اعتراض ہے۔ اگر محدثین آزادانہ تحقیقات الگ نہ کرتے تو پھر یہی لوگ کہتے کہ ایک شخص نے جو حدیثیں جمع کر دیں سب نے اسی کا تتبع کیا اسلیے یہ احادیث قابل اعتبار ہی نہیں کیونکہ صرف ایک شخص کی رائے کی پیروی سب نے کی ہے۔ اور اس سے پادری صاحبان کو یہ کہنے کا موقع بھی ملتا کہ اسلام میں آزادانہ تحقیقات کی روح ہی نہیں ہے۔ لیکن جب ایسی تحقیق کیگئی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ الگ الگ راہوں پر چلکر کل محدثین ایک ہی نتیجہ پر پہنچے تو اب پادری صاحبان کہتے ہیں کہ محدثین کو ایک دوسرے کی صداقت کا اعتبار نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ محدثین کے اس طریق سے ہمیں صحت حدیث پر بڑی بھاری دلیل ملتی ہے کیونکہ جو کچھ اختلافات باہمی اعلیٰ طبقہ کے محدثین میں ہیں وہ بمقابلہ متفقہ احادیث کے کچھ بھی نہیں۔ پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعی یہ احادیث سب کے سب قابل اعتبار ہیں۔ اور کم از کم یہ کہ جن احادیث پر دو دو تین تین چار چار محدثین کا اتفاق ہو گیا ہے انکی صحت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں مختلف آدمیوں کا اپنے اپنے طور پر تحقیقات کر کے سب کا ایک ہی بات پر متفق ہو جانا اس بات کی صحت پر ایک بڑی بھاری شہادت ہے۔ مثلاً جو کتابیں دوسری صدی ہجری کے نصف میں لکھی گئیں اور جو تیسری صدی ہجری میں لکھی گئیں وہ بھی ایک دوسرے کی تائید ہی کرتی ہیں۔ اور سوائے اس کے کہ پچھلی کتابیں جامع ہیں اور کوئی اختلاف ایسا نظر نہیں آتا جس سے احادیث کے قابل اعتبار ہونے پر کوئی شبہ پڑ سکے۔ بلکہ تمام بڑی بڑی باتوں اور اہم امور میں ان سب کا اتفاق ہے۔

اب جب ہم اختلافات پر غور کرتے ہیں تو ان میں کوئی ایسی بات نہیں پاتے جس سے حدیث کی صحت پر شبہ وارد ہو سکے بلکہ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اختلاف ہوتے اور ان اختلافوں کا ہونا در اصل احادیث کی صحت پر بھی شہادت ہے۔ مثلاً اول تو فروع میں مذہب اسلام نے ایسی سختی نہیں کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان میں بھی اختلافات فروع میں پائے جاتے ہیں جسکی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض فعلوں کو

کبھی تصریح کر کے دکھایا یا بعض امور میں خود ہی رخصت دی اسکی شہادت کثرت سے احادیث سے ملتی ہے بلکہ جب امام مالکؒ موطا لکھ چکے تو خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے یہ مشورہ کیا کہ موطا کو کعبہ میں لٹکا دیا جاوے اور لوگوں کو یہ حکم دیا جاوے کہ وہ سب اسی پر عمل کریں جو موطا میں لکھا گیا ہے تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ فروع میں تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی اختلاف تھا اور وہ دور دور ملکوں میں پھیل چکے تھے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اختلاف جائز ہیں اور ان اختلافوں کے ہونے سے کسی حدیث کی صحت پر شک نہیں پڑ سکتا۔ ایسا ہی جب خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے کہا کہ موطا کے نسخے سب شہروں میں بھیجدیئے جاویں اور کل لوگوں کو تاکید کیجاوے کہ وہ اسپر عمل کریں تو یہی جواب اُسوقت بھی آپنے دیا۔ دوسری قسم کے فرق وہ ہیں جو اسوجہ سے اختلاف معلوم ہوتے ہیں کہ یا تو مثلاً دو تصنیفوں کا دائرہ ایک سا ہی وسیع نہیں مثال کے طور پر موطا اور صحیح بخاری کو لو صحت کے لحاظ سے یہ دونوں سب سے اعلیٰ طبقہ حدیث کی کتابیں ہیں مگر موطا میں صرف تین سو کے قریب حدیثیں ہیں اور صحیح بخاری میں اڑھائی ہزار سے کچھ اوپر ہیں۔ اب اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ امام مالکؒ نے صرف اہل حجاز کی حدیثیں لیں لیکن امام بخاریؒ نے بلاد و امصار میں پھر کر ہر جگہ سے حدیثیں جمع کیں۔ اور ایسا ہی امام مالکؒ نے ہر قسم کی حدیثیں جمع نہیں کیں اور امام بخاریؒ نے ہر قسم کی حدیثیں جمع کیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد کی حدیثوں میں بھی ایک قسم کا فرق پایا جاتا ہے۔ جسکی وجہ وہ قوانین تنقید ہیں جو ہر ایک نے الگ الگ اختیار کیے مثلاً مسلم کے نزدیک یہ کافی ہے کہ جو راوی حدیث بیان کرتا ہے اس کے متعلق یہ ثابت ہو کہ جس سے وہ حدیث بیان کرتا ہے یعنی اسکا شیخ وہ اسکا ہمعصر ہے۔ مگر بخاری کے نزدیک اسقدر پر اکتفا کرنا ٹھیک نہ تھا بلکہ انہوں نے جس قانون تنقید کے رو سے حدیثوں کو قبول کیا ہے وہ یہ ہے کہ راوی کا اپنے شیخ سے ملاقات کرنا ثابت ہو۔ اسطرح پر بخاری کے قوانین تنقید دوسرے تمام محدثین کی نسبت سخت تر تھے اور انکی پابندی سے حدیث کو جمع کرنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ مگر چونکہ جس طریق پر امام بخاریؒ حدیثوں کو پرکھتے تھے وہ بہت محتاط طریق تھا اس لیے بخاری کی حدیثیں بھی صحت کی رو سے افضل ہیں اگرچہ تعداد میں کم ہیں۔ مثلاً وہ حدیث جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش تین سطروں میں تھا۔ محمدؐ ایک سطر میں۔ رسول ایک سطر میں اور اللہ ایک سطر میں یہ حدیث صرف بخاری میں پائی جاتی ہے اور دوسرے کبار محدثین نے اسے نہیں لیا۔ مگر اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کے دریافت ہونیسے اس حدیث کی صحت ثابت ہو گئی۔ اسی طرح پر بخاری کی احادیث کی صحت دوسری تمام کتابوں سے بڑھی ہوئی ہے اور جو عام اعتقاد امت محمدیہ کا اس کتاب کے متعلق ہے کہ یہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے وہ بالکل درست ہے۔ ایسا ہی صحیح مسلم۔ ابوداؤد اور ترمذی نسائی وغیرہ سے فضیلت رکھتی ہے کیونکہ جہاں بخاری اور مسلم صرف ان احادیث کی تخریج کرتے ہیں جنکے راویوں کے قابل اعتبار ہونے پر پہلے محدثین کا

اتفاق رہا ہو۔ نسائی نے ان حدیثوں کو بھی لے لیا ہے جنکے راویوں کے قابل اعتبار ہونے پر اگرچہ اتفاق نہیں مگر انکے ناقابل اعتبار ہونے پر بھی اتفاق نہیں یعنی کسی نے ان راویوں کو ثقہ مانا ہے اور کسی نے غیر ثقہ۔ ایسا ہی ابوداؤد نے ان ابواب میں لے لیا ہے۔ پس ان مختلف قواعد تنقید کی پیروی سے یہ ضروری تھا کہ بعض حدیثیں جو ایک محدث نے قبول کرلی ہیں دوسرا انہیں قبول نہ کرتا۔ اب ان اختلافات کو چھوڑ کر جنکا ذکر اوپر ہوا۔ یعنی وہ اختلافات جو فروعی مسائل میں پائے جاتے ہیں اور جن کا ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ثابت ہے اور وہ فرق جو بہ سبب تنگی یا وسعت دائرہ تحقیق کے پیدا ہوئے۔ اور وہ فرق جو بہ سبب قواعد تنقید میں سختی یا نرمی کے پیدا ہوئے۔ ان اختلافات کو جو دراصل حدیث کی صحت پر انسے کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا الگ چھوڑ کر باقی جو اختلاف رہ جاتے ہیں وہ برائے نام اختلاف ہیں اور اسطرح پر مختلف محدثین کی اپنی اپنی آزادانہ تحقیقات کا نتیجہ حدیث کا ایک عظیم الشان مجموعہ ہے جس کی صحت میں ایک محقق کو کسی قسم کا شک نہیں ہوسکتا۔

ایک اور اعتراض جو جمع حدیث کے متعلق پادری صاحبان کرتے ہیں یہ ہے کہ محدثین نے طرح طرح کے اثروں سے مؤثر ہو کر احادیث کو جمع کیا ہے اور اس لیے انکی احادیث چنداں قابل اعتبار نہیں۔ یہ اثر دو قسم کے بتائے جاتے ہیں ایک ان بادشاہوں کا اثر جن کی حکومت میں جمع حدیث کا کام ہوا۔ اور دوسرا محدثین کے اپنے عقائد اور دل میں جمے ہوئے خیالات کا اثر۔ یہ دونوں اعتراض بھی ایسے ہی لغو ہیں جیسے کہ وہ اعتراض جن کا بیان اوپر ہوچکا ہے۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ کسی خوشامدی نے کسی بادشاہ کے خوش کرنیکے لیے حدیثیں وضع کی ہوں مگر یہ کہنا کہ بخاری اور مسلم جیسے محدثین نے احادیث کو جمع کرتے وقت بادشاہ وقت کا لحاظ کیا اور مضبوط اور صحیح احادیث کو جو بادشاہ کے فوائد کے منافی تھیں رد کردیا کمزور احادیث کو جنسے اس کے فوائد کی تائید ہوتی تھی قبول کرلیا۔ ان راستباز محققین پر سراسر افترا ہے۔ جن محققین نے احادیث کو جمع کیا انکو قطعاً حکومت کی کوئی پرواہ تھی اور نہ حکومت کے اثر سے ایسے مؤثر تھے کہ ایسا بے ایمانی کا کام کرتے۔ نہ وہ بادشاہوں کے درباروں میں جانیوالے تھے اور نہ ان کو یہ خیال تھا کہ ہمارے کسی منصب یا عزت میں فرق آجائیگا۔ وہ صرف اسی عزت کے خواہاں تھے جو خدا کے ہاں سے سچے متقی کو ملتی ہے۔ جب بخارا کے حاکم نے امام بخاری علیہ الرحمتہ سے یہ خواست کی کہ آپ اس کے لڑکوں کو شاہی محل میں آکر پڑھایا کریں تو آپنے جواب دیا کہ میں علم فروشی نہیں کرتا پھر جب اس نے کہا کہ آپ اپنے مکان پر ہی پڑھائیں لیکن دوسرے لوگوں سے الگ کرکے پڑھائیں تو آپنے یہ بھی نامنظور کیا اور فرمایا کہ اگر آپ انکو پڑھانا چاہتے ہیں تو جہاں عام لوگ بیٹھتے ہیں وہیں یہ بھی آجایا کریں۔ چنانچہ آپنے جلاوطنی قبول کی مگر اس بات کو قبول نہ کیا کہ علم کو شاہی اثر کے نیچے آنے دیں یا بادشاہی کو علم کے مقابلہ پر کوئی عزت دیں۔ ایسی ہی اور بھی مثالیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین کو بادشاہوں کی ہرگز پرواہ نہ تھی اور حدیث کے جمع کرنے میں وہ صرف انہی قواعد تنقید کے پابند تھے جنکو انہوں نے ضروری سمجھا بلکہ ایک مشہور شاہی قاضی کے متعلق جب انہیں معلوم ہوا کہ اس نے بادشاہ کے خوش کرنیکے لیے ایک حدیث میں ایک لفظ بڑھا دیا تو

اس کی حدیث کو انہوں نے مطلقاً چھوڑ دیا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ محدثین نے خاص خاص خیالات کے اثر کے نیچے حدیث کو جمع کیا جیسا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھا ہے کہ جب کسی حدیث کو وہ اپنے متعصبانہ خیالات کے خلاف پاتے تھے تو اسے فوراً رد کر دیتے تھے اور یہ وجہ دی ہے کہ ان کی کتاب قابل اعتبار نہیں۔ یہ بھی جھوٹ ہے۔ جہانتک ہم دیکھتے ہیں محدثین صرف اپنے قواعد تنقید کے پابند تھے اور جب انکو ان قواعد کے رو سے ایک حدیث صحیح ملجاتی، تو وہ اسکو کسی صورت میں نہیں چھوڑتے تھے۔ اگر وہ اس طرح سے خیالات سے متاثر ہونیوالے ہوتے تو جس طرح آزادانہ تحقیقاتیں انہوں نے کی ہیں ہرگز نہ کر سکتے اعتراض کر دینا تو چنداں مشکل نہیں مگر اس کے ثبوت کے لیے ضرورت ہے کہ پادریصاحبان یہ دکھاویں کہ فلاں فلاں حدیثیں جو فلاں محدث کو اپنے اصول تنقید کی رو سے صحیح ثابت ہوئی تھیں اس نے ایسے ایسے خیالات سے متاثر ہو کر چھوڑ دیں اور انکو اپنی کتاب میں درج نہ کیا۔ جو خیالات صحابہؓ کی عزت کے انکے دلوں میں متمکن تھے انسے بڑھکر اور کوئی خیالات انکو متاثر کرنیوالے نہ ہوسکتے تھے مگر منجملہ ان قواعد تنقید کے جنپر وہ چلتے تھے انہوں نے یہ قاعدہ رکھا ہوا تھا کہ اگر ایک رافضی بھی مطاعن صحابہؓ میں حدیث بیان کرے اور اُس حدیث کی تائید اور طرح سے بھی ہوتی ہو تو اسے قبول کر لینا چاہیئے اور اسکی توجیہ کرنی چاہیئے ایسا ہی ناصبی کی حدیث انہیں شرائط پر مطاعن اہل بیت میں قبول کر لی جاتی تھی۔ اور جو احادیث بخاری یا مسلم یا دیگر اکابر محدثین نے جمع کی ہیں ان میں سے سیکڑوں نظیریں ایسی پیش کی جاسکتی ہیں کہ محدثین صرف اپنے اصول تنقید کے پابند تھے۔

باوجودیکہ میور محدثین کے اصول تنقید کو بالکل بے حقیقت ظاہر کرتا ہے مگر ساتھ ہی وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اسقدر سخت تھے کہ ایک سو میں سے ننانوے حدیثوں کو انہی قواعد کے رو سے وہ قبول نہیں کر سکے۔ اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر ان اصول کے رو سے جنپر پادریصاحبان کے نزدیک اصول تنقید کا نام چسپاں نہیں ہوسکتا صرف سو میں سے ایک حدیث قبول کی گئی تو پھر انکے فرضی اصول تنقید کے رو سے تو لاکھ میں سے ایک حدیث بھی قابل اعتبار نہیں ہونی چاہیئے۔ دوسری طرف یہ تعجب آتا ہے کہ انکے یہ خیالی قواعد تنقید جنکے بغیر یورپین دل اور دماغ خوش نہیں ہوسکتا اُسوقت کہاں رکھے رہ جاتے ہیں جب اناجیل کے بے سر و پا قصوں کو وہ صحیح تاریخ سے بھی بڑھکر کچھ رتبہ دیتے ہیں حالانکہ ایشیائی قواعد تنقید سے پرکھا جانے پر بھی وہ اس طرح پاش پاش ہو جاتے ہیں جس طرح نور کے سامنے ظلمت۔ مگر احادیث کے متعلق میور خود اقراری ہے کہ "دوسری صدی ہجری میں حدیث میں اکثر حصہ صداقت کا پایا جاتا ہے" تو پھر اگر وہ اکثر حصہ صداقت کا محدثین کی جمع کردہ احادیث میں نہیں تو کیا ان احادیث میں ہے جن کو محدثین نے ناقابل اعتبار سمجھکر رد کر دیا ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مخالف خواہ کیسا ہی مخالفت پر تُلا ہوا ہو اسقدر حماقت کا دعویٰ کریگا۔ محدثین نے تاریخی طور پر احادیث کی صداقت کو ثابت کیا ہے۔ انسے غلطی کا ہو جانا بھی ممکن ہے مگر اتنی بات سے وہ تاریخ کی

حیثیت سے گر نہیں سکتیں کیونکہ کسی تاریخ کے متعلق خواہ وہ ان واقعات کے زمانے میں ہی لکھی گئی ہو جب انکا ظہور ہو مگر تاہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غلطی کی آمیزش سے بالکل پاک ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک حدیث جسے کئی محدثین نے ناقابل اعتبار سمجھکر رد کر دیا ہو دراصل صحیح ہو مگر اس کی صحت کا ثبوت اور طرح سے ملنا چاہیئے ایسے امکانوں کی بنا پر کوئی سمجھدار آدمی یہ طریق اختیار نہیں کیا کرتا کہ ہر ایک معتبر اور مستند واقعہ کو فرضی سمجھ لے اور جھوٹے مضمون کو صحیح سمجھ لے بلکہ جہاں اس قدر تحقیق سے ایک کام کیا گیا ہے اس میں اگر کوئی غلطی ہے تو اس کے لیے دلایل پیش کرنے چاہئیں۔ اور اگر کوئی صحیح امر اس سے باہر چھوڑ دیا گیا ہے تو اس کی صحت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ محدثین نے ہر طرح سے اور پوری پوری نیک نیتی سے اپنی تحقیقات کی ہے اور جن نتائج پر وہ پہنچے ہیں انکو آج ہم تبات کہکر رد نہیں کر سکتے کہ ممکن ہے انہوں نے کوئی غلطی کی ہو۔

تمام حدیث کے مجموعوں میں امام بخاری علیہ الرحمۃ کی کتاب فوقیت رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ کل امت محمدیہ کا اس بات پر اتفاق ہو گیا ہے کہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ زمانے کے لحاظ سے بھی یہ کتاب جمع حدیث کے تکمیل کو پہنچانے میں سب پر مقدم ہے۔ اور اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بھی سب پر فضیلت رکھتی ہے۔ اس کو یہ عزت اور شہرت بعد کے زمانے میں ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ امام بخاریؒ کے تمام ہمعصر امام بخاریؒ اور آپ کی اس تصنیف کی فضیلت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ نے احادیث کے لینے میں بہت ہی احتیاط کی تھی۔ مثلاً صحت حدیث کے لیے عام شرط تو صرف اسی قدر تھی کہ راوی مسلم ہو صادق ہو مدلس (یعنی ایک روایت کو دھوکہ دیکر دوسرے کی بیان کرنیوالا) نہ ہو۔ مختلط نہ ہو۔ صفات عدالت سے متصف ہو ضابط اور متحفظ ہو۔ سلیم الذہن ہو قلیل الوہم ہو سلیم الاعتقاد ہو۔ لیکن ان سب احتیاطوں کے علاوہ امام بخاریؒ اور بھی کئی طرح کی احتیاطوں سے کام لیتے تھے اگر ایک محدث مثلاً زہری کے شاگردوں کو پانچ طبقوں پر تقسیم کیا جائے تو وہ عموماً صرف سب سے اعلیٰ طبقہ کی روایت کو لیتے یعنی وہ طبقہ شاگردوں کا جس کے متعلق یہ ثابت ہو کہ زہری کی صحبت میں وہ اکثر رہے ہیں اور سفر و حضر میں انہوں نے انکا ساتھ نہیں چھوڑا جیسے یونس بن یزید۔ عقیل بن خالد۔ مالک بن انس۔ سفیان بن عیینہ۔ شعیب بن ابی حمزہ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایسے راویوں میں غلطی کا احتمال بہت ہی کم رہ جاتا تھا کیونکہ اکثر ساتھ رہنے سے بار بار احادیث کو وہ سنتے تھے اب اگرچہ زہری کے راویوں کا دوسرا طبقہ بھی بلحاظ حفظ و اتقان وغیرہ کے قابل اعتماد ہے لیکن جو خصوصیت جو طبقہ اول کو حاصل تھی دوسرے طبقہ کو حاصل نہ تھی۔ اس لیے امام بخاریؒ نے طبقہ اول کی ہی روایت لی ہے جو سب سے معتبر طبقہ تھا۔ ایسا ہی امام بخاریؒ نے دوسرے محدثین کی طرح صرف اسقدر ثبوت پر اکتفا نہیں کیا کہ راوی اپنے شیخ کا ہمعصر ہو بلکہ جب تک راوی کا اپنے شیخ سے ملاقات کا ثبوت نہ ملے اسوقت تک وہ اسکی حدیث کو قبول کرتے تھے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ کی عمر صرف دس سال کی تھی جب آپ نے حدیث کو حفظ کرنا شروع کیا۔ اور ایک ہی سال میں اسقدر وسیع علم آپ کا ہو گیا تھا کہ ایک بڑے محدث کی غلطی کی اصلاح آپنے مجلس میں کی۔ سولہ سال کی عمر میں ابن المبارک

اور وکیع کی کتابیں آپ کو حفظ تھیں۔ اسی سال آپ حج کو گئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں کتاب قضایا الصحابۃ والتابعین
لکھی اس کے بعد مدینہ میں آپ نے تاریخ لکھی۔ جو چاندنی راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے پاس لکھی
گئی۔ آپ شام اور مصر اور جزیرہ میں دو دفعہ گئے اور بصرہ میں چار مرتبہ۔ حجاز میں آپ چھ سال رہے اور کوفہ اور بغداد
میں محدثین کے ساتھ بہت دفعہ ملتے رہے۔ رحاشد کہتے ہیں کہ بخاری ہمارے ساتھ مشایخ بصرہ کی مجلس میں جایا کرتے
تھے اور وہ ابھی لڑکے تھے لیکن وہ لکھتے کچھ نہ تھے یہانتک کہ کئی دن اسی طرح گذر گئے تب سولہ دن کے بعد ہم نے
انکو ملامت کی تب انہوں نے کہا کہ تم مجھ پر بہت اعتراض کرتے ہو تم اپنی اپنی تحریریں لاکر بتاؤ کہ تم نے کیا کیا لکھا ہے
ہم نے اپنے اپنے مسودے سنائے جس پر بخاری نے پندرہ ہزار سے زیادہ حدیث صرف زبانی یادداشت سے سنائی۔
یہاں تک کہ ہم اپنے مسودے انکے حافظہ سے مقابلہ کرکے درست کیا کرتے تھے۔ ابوبکر بن ابی عیاش الاعین کہتے
ہیں کہ ہم محمد بن یوسف فریابی کے دروازے پر محمد ابن اسمٰعیل سے حدیث لکھا کرتے تھے اور ابھی وہ امرد یعنی
بے ریش نوجوان تھے۔ آپ علم حدیث کے تمام فروع کے ماہر تھے۔ ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ علم علل و اسانید میں
محمد بن اسمٰعیل بخاری سے زیادہ ماہر میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ امام مسلم نے آپ کو کہا کہ آپ کی مانند دنیا میں کوئی شخص
نہیں۔ سلیم بن مجاہد کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن اسمٰعیل نے کہا کہ میں نے صحابہؓ اور تابعین سے جسقدر حدیثیں روایت
کی ہیں ان میں سے اکثر کے مولد اور وفات اور جائے سکون کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب امام بخاریؒ بغداد میں
تشریف لائے۔ اور اصحاب حدیث نے انکی آمد کا چرچا سنا تو سب جمع ہوئے اور انکے حافظہ کا امتحان لینے کا ارادہ
کیا پس انہوں نے ایک سو حدیث چُنی اور انکے متنوں اور سندوں کو ملا جلا دیا یعنی ایک حدیث کی متن کو
دوسری کی سند کے ساتھ اور ایک کی سند کو دوسری کے متن کے ساتھ۔ پھر ان حدیثوں کو دس آدمیوں میں
برابر تقسیم کر دیا۔ اور انکو کہا کہ جب بخاری کے پاس جائیں تو یہ حدیثیں اس کے سامنے پیش کریں پھر انہوں نے بخاری
سے ایک عام مجلس کرنیکا وعدہ لیا اور بہت سے لوگ انکے علاوہ خراسانی اور بغدادی اس مجلس میں حاضر ہوئے
جب مجلس قایم ہو گئی تو ان دس آدمیوں میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے ان حدیثوں میں سے ایک
حدیث پڑھی۔ بخاری نے کہا میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔ پھر اس نے دوسری حدیث پڑھی اور بخاریؒ نے
وہی لفظ پھر کہے جو پہلے کہے تھے۔ اسی طرح پر اس کی دس حدیثیں ختم ہو گئیں تو دوسرے شخص نے اپنی دس حدیثوں کو
ایک ایک کرکے سنایا اور امام بخاریؒ نے وہی جواب دیا۔ اسی طرح پر جب کل سو حدیث ختم ہو گئی تو پھر امام بخاریؒ
سب سے پہلے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ جو حدیث تو نے سب سے پہلے بیان کی تھی وہ اس طرح پر ہے اور متن اور
سند کو درست کرکے بیان کیا۔ پھر دوسری حدیث کو اسی طرح درست کرکے بیان کیا اور جب پہلے آدمی کی ساری
حدیثیں ختم ہو گئیں تو دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر اس کی حدیثوں ایک ایک کرکے درست کیں اور اسی طرح

دس کے دس آدمیوں کو انکی احادیث صحیح کر کے سنادیں اس پر سب نے آپکے حافظہ کی عجیب قوت کا اقرار کیا اور آپ کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ ایسا ہی بیان کیا جاتا ہے کہ سمرقند میں چار سو محدث تھے انہوں نے بھی امتحاناً بخاریؒ کو مغالطہ دینا چاہا اور اسناد شام کو اسناد عراق میں داخل کر دیا اور اسناد عراق کو اسناد شام میں اور اسناد حرم کو اسناد یمن میں داخل کر دیا مگر امام بخاریؒ اس امتحان میں بھی پورے کامیاب نکلے اور کسی قسم کی غلطی آپسے سرزد نہ ہوئی۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نہ صرف علم و فضیلت کے لحاظ سے ہی ایک عظیم الشان انسان تھے بلکہ ان کے قواعد تنقید بھی بہت سخت تھے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ مینے ایک شخص کی دس ہزار حدیثوں کو چھوڑ دیا کیونکہ مجھے اسکی صداقت پر شبہ ہوگیا تھا۔ اگرچہ پادری صاحبان مسلمان محدثین کے اصول تنقید پر اپنا اطمینان ظاہر نہیں کرتے مگر یہ یقینی امر ہے کہ اگر کبھی بخاری جیسا ایک انسان عیسائی مذہب میں پیدا ہوتا تو پولوس جیسے آدمی کی شہادت کو وہ ہرگز قبول نہ کرتا کیونکہ پولوس وہ شخص ہے جس نے صریح طور پر عیسائی مذہب کے پھیلانیکے لیے جھوٹ کا بولنا جائز رکھا۔ جیسا کہ وہ رومیون ۳ باب ۷ آیت میں لکھتا ہے "پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اس کے جلال کے لیے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گنہگار کی طرح حکم ہوتا ہے۔" میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر عیسائیوں کے درمیان ایک انسان بھی ایسا منقد اور محتاط نہیں تو ایسا دیانتدار ہی ہوتا جیسا اسلام کے یہ عظیم الشان محدثین تھے تو حضرت مسیح کا مذہب کچھ نہ کچھ ضرور اپنی اصلیت پر رہ جاتا مگر افسوس کہ ان لوگوں نے مسیح کو خدا بنانیکے لیے طرح طرح کے جھوٹ سے کام لیا اور انکی بڑے بڑے اسقف یہ اصل اپنے مدنظر رکھتے تھے جسکو یوسیبئس ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ "مینے وہ تمام باتیں بیان کی دی ہیں جن سے ہمارے مذہب کا جلال ظاہر ہوا اور ان تمام باتوں کو دبا یا ہے جنسے ہمارے مذہب پر کسی طرح سے زد پڑتی تھی"۔ پس ایسے ایسے حامیان دین کے ہوتے ہوئے جو کھلے طور پر اپنے اصول کو ان الفاظ میں بیان کرتے تھے ہم یقین کر سکتے ہیں کہ عیسائی مذہب کی جو کچھ تحریریں ہمارے ہاتھ میں ہیں ان میں بہ نسبت راستی کے جھوٹ زیادہ ہے۔ مسلمانوں میں بھی ایسے آدمی ہوئے جنہوں نے جھوٹی احادیث بناکر مشہور کیں مگر مسلمان علماء اور محدثین نے انکی جھوٹ کو دین میں ملنے نہیں دیا اور ان جھوٹوں سے جنکے بنانیوالے اکثر یا تو خود غرض فرقے تھے یا زندیق لوگ جو مذہب اسلام کو ان جھوٹوں سے نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اہل اسلام نے اسوقت سے لیکر آجتک ہمیشہ بیزاری ظاہر کی ہے۔ اور انکی ناپاک جھوٹوں سے لوگوں کو بچانیکے لیے فی الفور کتابیں تصنیف کیں۔ مگر مذہب کی ترقی کی خاطر جھوٹ بولنا جسکا پولوس اور اسکی بڑے بڑے جانشین اسقف فخریہ اقرار کرتے ہیں اسلام اس ناپاکی سے ہمیشہ پاک رہا ہے کیونکہ اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ و السلام نے پہلے سے ہی اپنی امت کو متنبہ کر دیا تھا کہ جو شخص میرے نام سے جھوٹ بنائیگا اسکا ٹھکانا جہنم ہے۔ پس اسلام میں مذہب کی خاطر جھوٹ بنانا ایک سخت ناپاک جرم تھا مگر عیسائیت نے اسپر فخر کیا ہے۔ پھر جن لوگوں کے گھر میں یہ حالت ہو انکو اسلام سے

اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ

اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے مقابلہ سے عیسائی صاحبان کو رنج پہنچیگا مگر ہمیں خود اس مقابلہ کی ضرورت نہ تھی اگر عیسائی صاحبان اپنی کتب مقدسہ کو مطالعہ کر کے کم از کم ان اعتراضات کے کرنے سے رُکے رہتے جو انکی اپنی کتابوں پر اور اپنے بزرگوں پر وارد ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات پادری صاحبان کی عادت میں داخل ہو گئی ہے کہ وہ خواہ نخواہ اسلام پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ اور خصوصاً اسلامی جنگوں پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اپنی ذاتی خوبیوں کے سبب سے نہیں پھیلا بلکہ بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اس اعتراض میں کچھ مدد ان دشمنان دین کو وہ لوگ دیتے ہیں جو ایک غازی مہدی کے آنیکا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ وہ گویا اس بات کے خود معترف ہو جاتے ہیں کہ اسلام میں تلوار کے ذریعہ مذہب کا پھیلانا جائز ہے اور کہ اسلام کی ترقی تلوار پر ہی منحصر ہے۔ یہ وقت تھا کہ مسلمان سچی قرآنی تعلیم پر غور کر کے ان غلط عقاید کے مٹانیکی کوشش کرتے تا اسلام کے منور چہرہ سے اعتراضوں کے سیاہ داغ دور ہو کر یہ اپنی روشنی دنیا میں پھیلا سکے مگر ہمارے مسلمان بھائی بے سمجھی سے یا ہٹ دھرمی سے اس غلطی پر اڑے ہوئے ہیں جو فیج اعوج کے زمانہ میں اسلام میں داخل ہو گئی۔ اسوقت میری غرض صرف پادری صاحبان کو یہ دکھانا ہے کہ جو اعتراض وہ اسلام پر کرتے ہیں وہ اسلام پر نہیں بلکہ خود انکے اپنے مذہب پر عائد ہوتا ہے۔ یہ لوگ بار بار اپنی تحریروں میں اسلام کو تلوار کا مذہب اور عیسائیت کو صلح کا مذہب کہتے ہیں اور اگرچہ بارہا انکی ان باتوں کا جواب دیا گیا ہے مگر وہ پھر وہی اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں حال میں یہی مضمون اخبار اپی فینی میں جو پادریوں کا انگریزی کا دو ورقہ پرچہ ہے چھیڑا گیا۔ جسکا جواب ایک مسلمان نے اخبار مذکور کو لکھا مگر ایڈیٹر اخبار نے بجائے اس غلطی کو تسلیم کرنیکے پھر وہی اعتراضات اپنی اخبار میں دوہرا دیئے ہیں۔ اخبار مذکور اخیر میں اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ عیسائیوں نے بھی بعض اوقات عیسائی مذہب کے پھیلانیکے لیے تلوار کو ہاتھ میں پکڑا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ ایسا کرنے میں انہوں نے مسیح کی تعلیم کو چھوڑ دیا اس جواب سے پادری صاحبان آسانی سے اپنا چھٹکارا چاہتے ہیں مگر انکا چھٹکارا ایسا آسان نہیں جیسا انہوں نے خیال کیا ہے۔

اس مضمون کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دیکھا جاوے کہ حضرت مسیح کی آمد کس طرح ہوئی۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح کا آنا یہودیوں کے انتظار کے مطابق تھا اور ان لوگوں کو ابتدا سے یہ امید دلائی گئی تھی کہ جب مسیح دنیا میں ظاہر ہوگا اُسوقت یہودی قوم دنیا کی تمام قوموں پر غالب آجائیگی۔ اور مسیح انکی سلطنت کو دوبارہ قایم کریگا اور دوسری قوموں کی حکومت کے جوئے سے انکو چھڑائیگا چنانچہ جب حضرت عیسیٰ نے پہلے دعویٰ مسیحیت کیا تو غالباً انہی پیشگوئیوں کی بنا پر انکا بھی یہ خیال تھا کہ وہ یہودیوں کے بادشاہ ہونگے چنانچہ داؤد کے تخت کو قائم کرنیکا خیال

ایک مدت تک آپکے دل میں رہا۔ مگر عیسائی مذہب کو بانی مذہب کی زندگی میں اسقدر طاقت حاصل نہ ہوئی تھی کہ وہ تلوار سے کام لے سکے اور جب کچھ عرصہ کے گذر نیکے بعد ظاہری طاقت اس مذہب کو حاصل ہوئی تو پھر اس نے نہایت بے رحمی کے ساتھ تلوار سے کام لیا اور تلوار کے ذریعے بہت سی ترقی حاصل کی۔ حضرت عیسیٰ کے پاس اگر اسقدر طاقت ہوتی کہ اس کے زور پر وہ رومی سلطنت کو فتح کرنیکی امید کر سکتے یا کم از کم کوئی بڑی تعداد جان نثار مریدوں کی ہی ان کے ساتھ ہوتی اور پھر وہ تلوار نہ اٹھاتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ جن عیسائیوں نے بعد کے زمانہ میں تلوار اٹھاکر بہت سی مخلوق خدا کو تہ تیغ کیا۔ انہوں نے حضرت مسیح کی تعلیم کی خلاف ورزی کی۔ مگر جس صورت میں حضرت مسیحؑ کو کبھی یہ طاقت حاصل ہی نہیں ہوئی کہ وہ تلوار اٹھا سکیں اور نہ ہی انکے حواریوں میں اسقدر جرأت تھی کہ وہ ایسا کام کر سکتے تو پھر یہ کہنا کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا کہ عیسائی مذہب کی بعد کی خونریزی حضرت مسیح کی تعلیم کے خلاف تھی۔ بلکہ باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے اور بے یار و مددگار ہونیکے بھی حضرت مسیحؑ نے تلوار کو اپنے دین کے لیے نہایت ضروری سمجھا یہانتک کہ اپنے حواریوں کو صاف الفاظ میں یہ حکم دیا کہ جس کے پاس تلوار نہیں وہ کپڑے بیچکر بھی تلوار خرید لے۔ اور اگرچہ بیچارے حواری اس تعلیم پر عمل نہ کر سکے مگر عیسائیوں کی بعد میں آنے والی نسلوں نے تو اسی ایک حکم کو عیسائی مذہب کی تعلیم کا لب لباب سمجھا اور اسی پر عمل کرکے تلوار سے خوب کام لیا۔ اور حکموں میں خواہ بعد کے عیسائی لوگ اصل عیسوی تعلیم سے کتنے ہی دور جا پڑے مگر اس تلوار خریدنے کے حکم کی انہوں نے خوب تعمیل کر کے دکھائی۔ ہاں حضرت مسیح کو خود اپنی زندگی میں یہ موقع پیش نہ آیا کہ وہ اس خواہش کو کہ کپڑے بیچکر تلواریں خریدی جاویں پورا ہوتے دیکھتے اور اس لیے یہ بھی نہ ہوا کہ حضرت مسیح انکو یہ ہدایت دیتے کہ تلوار کو کس کس موقع پر استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن جسقدر واقعات انکے متعلق انجیلوں سے ملتے ہیں انکو بغور پڑھ کر ہم اس امر کے متعلق ایک صحیح اور یقینی قطعی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح کو خود یہ موقع پیش آتا کہ وہ تلوار کو استعمال کریں تو وہ کیا کرتے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ عیسائی صاحبان کبھی اس بات پر خوش نہیں ہو سکتے کہ حضرت عیسیٰ کو صلح کے شہزادہ کے سوائے کسی دوسرے نام سے پکارا جاوے اگرچہ خود حضرت مسیح بجائے صلح کا شہزادہ کہلانے کے تلوار چلانیوالے کا نام پسند کرتے تھے جیسا کہ متی باب ۱۰ آیت ۳۴ میں لکھا ہے کہ "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانیکو آیا ہوں" مگر عیسائی صاحبان کی ناراضگی کی وجہ سے ہم واقعات کا اخفا نہیں کر سکتے اور اظہار حق کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس صورت میں ہمارے معترض اسلام پر طرح طرح کے جھوٹے عیب لگاتے ہیں تو ہم کم از کم واقعات حقہ کا ہی اظہار کریں۔ حضرت مسیح نے یہودی شریعت کے مطابق تعلیم پائی اور اسی شریعت پر انکا پختہ اعتقاد تھا اور وہ سچے دل سے یہودی مذہب اور اسرائیلی شریعت کے پیرو تھے۔ بلکہ یہودی شریعت کے شریعت حقہ ہونے پر اسقدر انکا اعتقاد تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ "زمین اور آسمان

ٹلجائیں مگر توریت کا ایک لفظ یا ایک شعشہ ہرگز نہیں ٹلیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کہ عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا" متی باب ۵ آیت ۱۸ و ۱۹۔
پس ہم قطعی طور سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح کو تلوار چلانیکا موقع ملتا تو وہ اسی طرح پر چلاتے جیسے شریعت موسوی میں احکام پائے جاتے ہیں۔ جو شخص ان احکام سے واقف نہیں اسے چاہیئے کہ کتاب استثنا دیکھے جہاں لکھا ہے کہ جب تو اپنے دشمنوں پر قابو پاوے "اور جبکہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور حرم کیجیو نہ تو ان سے کوئی عہد کریو اور نہ انپر رحم کریو" استثنا باب ۷ آیت ۱ و ۲۔ اور پھر چند باب آگے چلکر لکھا ہے کہ "تو اس شہر (یعنی بت پرستوں کے شہر) کے باشندوں کو تلوار کی دھار سے ضرور قتل کریگا اور سب کچھ جو اس شہر میں ہے اور وہاں کے مواشی کو تلوار کی دھار ہی سے نیست و نابود کریگا اور اسکی ساری لوٹ کو وہاں کے کوچے کے بیچوں بیچ اکٹھا کریگا اور اس شہر کو اور وہیں کی لوٹ کو خداوند اپنے خدا کے لیے آگ سے جلا دیگا۔ اور وہ ہمیشہ کو ایک ٹیلہ ہوگا اور پھر بنایا نہ جائیگا" باب ۱۳ آیت ۱۵۔ اور ایسا ہی استثنا باب ۲۰ آیت ۱۶ و ۱۷ میں لکھا ہے "لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتی نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو"
اب اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ جو شخص یہ تعلیم دیتا ہے کہ توریت کے حکموں کا ایک لفظ یا شعشہ بھی منسوخ نہیں ہو سکتا اور جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلاویگا وہ خود ضرور ان احکام پر عمل کرتا اور جنگوں کے متعلق جو احکام تھے ان میں یسوع مسیح نے کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ انکے پورا کرنیکی بھی ایسی ہی ضرورت سمجھی ہے جیسی دوسرے کسی حکم کی۔ پس اگر عیسائی مذہب کو حضرت مسیح کی زندگی میں اسقدر اقتدار حاصل ہوتا کہ وہ تلوار پکڑ کر دنیا میں نکل سکتا تو جو کارروائیاں بعد میں ہوئیں وہ سب یسوع مسیح کی زندگی میں ہی ہوتیں کیونکہ ضرور تھا کہ اسوقت حضرت مسیح توریت کے حکم کے مطابق عمل کرتے۔ میں نہیں سمجھتا کہ باوجود ان سب واقعات کے یہ کسطرح کہا جا سکتا ہے کہ بانی عیسائیت پیچھے آنیوالے عیسائیوں کی خونریزیوں کا ذمہ دار نہیں۔ کیونکہ خود اس مذہب کے بانی نے ہی تلواریں خریدنیکا حکم دیا اور یہانتک ضرورت بتائی کہ کپڑے بیچکر بھی تلواریں خریدلو اور دوسری طرف اگرچہ خود تلوار کے استعمال کے متعلق کوئی فعل کرکے نہیں دکھایا مگر اپنی تعلیم کی رو سے یہ ضروری ٹھہرایا کہ تلوار کے ساتھ عام تباہی پھیلائی جائے جیسے بنی اسرائیل پھیلاتے تھے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جب کہ حضرت مسیح نے خود ہی فرمایا کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ عیسائیوں کی خونریزیوں کا الزام حضرت

مسیح پر نہ پڑے بلکہ انکی زندگی کے اور واقعات جو اناجیل میں مندرج ہیں یہی بتلاتے ہیں کہ انکے دل میں کم از کم ایک مدت تک ضرور یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ زور سے بھی کچھ کام لینا چاہیئے جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ انکو ابتدا میں یہ اجتہادی غلطی لگی تھی کہ وہ داؤد کے تخت کو قایم کریں گے اور سلطنت کریں گے۔ انکی زندگی میں ایک موقعہ خصوصیت سے ایسا پیش آیا جب انکی یہ امیدیں معمول سے کچھ زیادہ سرسبز ہو گئی تھیں۔ اور اسی موقع پر آپنے نرمی کے طریق کو چھوڑ کر سختی کا طریق اختیار کیا اور وعظ کی بجائے زور سے اور ڈنڈوں سے کام لیا۔ یہ موقع وہ تھا جب آپ یروشلم میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ ایک گدھے پر سوار تھے اور اسکی غرض جیسا کہ متی بیان کرتا ہے یہ تھی کہ آپ اس پیشگوئی کو پورا کریں جس میں مسیح کو یہودیوں کا بادشاہ کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال آپکے دل میں اسوقت غالب تھا متی کے الفاظ یہ ہیں " یہ سب کچھ ہوا تاکہ جو نبی نے کہا تھا پورا ہو کہ صیحون کی بیٹی سے کہو دیکھ تیرا بادشاہ فروتنی سے گدھی پر اور گدھی کے بچہ پر سوار ہو کر تجھ پاس آتا ہے " متی باب ۲۱ آیت ۴ و ۵۔ اس تمام واقعہ کو پڑھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کو اسوقت یہ انتظار تھا کہ اب وہ دم کے دم میں بادشاہ بنایا جاویگا۔ اور عوام الناس اسی خیال سے اس کے ساتھ ہو لیے اور بازاروں میں درختوں کی ٹہنیاں اور کپڑے بچھا دیئے اور ابن داؤد کو ہوشعنا کے نعرے بلند کیے۔ اس موقع پر یہ سمجھ کر کہ اب عوام الناس آپکے ساتھ ہیں حضرت مسیح ہیکل میں گئے جہاں چند ہی منٹوں میں ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھا گیا۔ یعنی اُن سب کو جو ہیکل میں خرید و فروخت کرتے تھے نکال دیا اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں اُلٹ دیں " متی باب ۲۱ آیت ۱۲۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کو یہ جوش اسوجہ سے آیا کہ خبیث طبع لوگوں نے خدا کی عبادت کے گھر کو بالفاظ انکے " چوروں کا کھوہ " بنا دیا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اگر یہ سختی محض ایک بُرے کام کے دور کرنیکے لیے روا رکھی گئی اُسوقت اگر آپکے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو اس سے کیا کیا سختی نہ کرتے۔ ہم کبھی یہ مان نہیں سکتے کہ ان انبیائے بنی اسرائیل نے جنہوں نے تلوار سے بت پرستوں کو نیست و نابود کیا کسی سلطنت کے لالچ پر یا جوش نفس سے ایسا کیا تھا نہیں بلکہ انکو خدا کی عزت کے لیے سچا جوش تھا۔ انہوں نے اس لیے ایسی سختی برتی کہ بت پرستی جیسی ناپاک رسم کا اور کسی طرح سے مٹانا مشکل تھا۔ غرضکہ انہوں نے بھی جوش حق سے تلوار اٹھائی اور حضرت مسیح نے بھی جوش حق سے چند تاجروں کو مار کر ہیکل سے باہر نکالدیا اور انکے تختے اور چوکیاں تہ و بالا کر دیں۔ اور اگر انکے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور انکے پاس کافی جمعیت ہوتی تو وہ ضرور اپنے بزرگوں یعنی پہلے انبیائے بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلتے بہر حال اس میں کچھ شک نہیں کہ اس موقع پر حضرت مسیح نے جبر کا استعمال کیا اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر وہ کر سکتے تو تلوار کو اسی غرض کے لیے استعمال نہ کرتے۔ پس اس سے صاف شہادت ملتی ہے کہ پچھلے عیسائیوں میں جنہوں نے جنگ کیئے مسیح کی روح ہی کام کر رہی تھی۔

اخبار اپی فینی میں کپڑے بیچکر تلواریں خریدنے والے حکم کی ایک تشریح کی گئی ہے جسکی رکاکت یہ سفارش کرتی

ہے کہ میں اپنے ناظرین کو اس سے محروم نہ رکھوں۔ ایڈیٹر صاحب مذکور نہایت متانت سے لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے اس فقرہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ انکی مراد تلواروں سے جسمانی تلواریں نہ تھیں بلکہ روحانی تلواریں مراد تھیں۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں "وہ جہاں مسیح تلوار کا ذکر کرتا ہے اسکی مراد اس سے حقیقی تلوار نہیں بلکہ روح کی تلوار مراد ہے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ صداقت اور راستبازی کی خاطر عیسائیوں کو ہمیشہ اور ہر جگہ بطور حملہ اور بطور مدافعت جنگ کرنی پڑیگی"۔ میں اس تفسیر پر زیادہ بحث نہیں کرنی چاہتا مگر فاضل مفسر سے صرف اس قدر دریافت کرتا ہوں کہ اس فقرہ میں تلوار کے علاوہ جن چیزوں کا ذکر ہے وہ بھی روحانی ہی ہیں یا جسمانی ہیں مثلاً ہدایت تو یہ ہے کہ کپڑے بیچکر تلواریں خریدیں۔ اب یہ تعلق جو اس فقرہ میں تلواروں اور کپڑوں کے درمیان ہے وہ ایسا ہے کہ اگر ایک کو جسمانی مانیں تو دوسرے کو بھی جسمانی ماننا پڑے گا اور ایک کو روحانی مانیں تو دوسرے کو بھی روحانی تسلیم کرنا پڑے گا۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا جس صورت میں بموجب تشریح پادری صاحب کے اس جگہ تلواروں سے مراد روحانی تلواریں ہیں تو کپڑوں سے مراد روحانی لباس ہوا - اور روحانی لباس تقوے کو کہتے ہیں تو پس اس ہدایت کے یہ معنے ہوئے کہ تم اپنا روحانی لباس یعنی تقوی بیچکر مدافعت اور حملے کے لیے روحانی تلواریں خریدلو۔ یا بالفاظ دیگر تقوے کی راہوں کو چھوڑ کر جس طرح چاہو اپنے مذہب کے اصول کو بیان کرو اور جس طرح چاہو دوسرے مذاہب پر حملہ کرو۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہی معنے اس تلواروں والے حکم کے ہیں اس پر عیسائی صاحبان نے عمل تو ضرور کیا ہے یعنی تقوے کی راہوں کو چھوڑ کر یہ جھوٹ بنایا کہ عیسی المسیح خدا تھا اور تقوے کی راہوں کو چھوڑ کر اسلام جیسے مقدس مذہب پر نہایت ناپاک حملے کیے۔ شاید انجیل کی اسی ہدایت کی رو سے عیسائی مذہب یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ سوائے اسکے اور کوئی معنے اس فقرے کے نہیں بن سکتے۔ پس عیسائی صاحبان خود فیصلہ کرلیں کہ آیا انکو جسمانی تلوار والے معنے پسند ہیں یا روحانی تلوار والے۔

ایک اور سوال بھی ان معنوں کے رو سے پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت میں حواریوں نے دو تلواریں حضرت مسیح کو دکھائیں کہ یہ موجود ہیں جس پر حضرت مسیح نے فرمایا کہ یہ کافی ہیں۔ دیکھو لوقا باب ۲۲ آیت ۳۸ "انہوں نے کہا دیکھ اے خداوند یہاں دو تلواریں ہیں اس نے انسے کہا بہت ہے"۔ اب سوال یہ ہے کہ مسیح کا یہ حکم پانے پر کہ تلواریں خریدو جو دو تلواریں حواریوں نے آپ کو دکھائیں اور جنکو دیکھکر حضرت مسیح کو بھی ایک گونہ اطمینان ہو گیا وہ روحانی تلواریں تھیں یا جسمانی۔ امید ہے پادری صاحبان ان دو تین سوالوں کا جواب دیکر ممنون کریں گے۔

مگر ہم مسلمان حضرت مسیح کو اس بات کے لیے کہ انہوں نے تلواریں خریدنے کا حکم کیوں دیا ملزم نہیں ٹھہراتے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام یہودی شریعت کے پیرو تھے۔ وہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک تھے اور اس لیے شریعت

اسرائیلی کی پیروی کرنیکی وجہ سے انپر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ یہ کہا جائیگا کہ انکے اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی تعلیم میں یہ فرق ہے کہ حضرت مسیح دشمنوں سے پیار کرنیکی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اسرائیلی نبی بدلہ لینے پر زور دیتے تھے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یسوع کی یہ تعلیم کہ تم اپنے دشمنوں سے محبت کرو یہ بھی اصل میں آپ کی باقی تعلیم کی طرح پہلے انبیاء سے ہی لی گئی ہے۔ مثلاً امثال میں حضرت سلیمانؑ کا یہ قول لکھا ہے کہ "اگر تیرا دشمن بھوکا ہو اسے روٹی کھانیکو دے اور اگر وہ پیاسا ہو اسے پانی پینے کو دے" امثال باب ۲۵ آیت ۲۱۔ اور حضرت داؤدؑ زبور میں یوں دعا کرتے ہیں "اے میرے خدا اگر میںنے اس سے جو مجھ سے میل رکھتا تھا بدی کی ہو (نہیں بلکہ میںنے اس کو بھی جو بلا وجہ میرا دشمن تھا نجات دی ہے)" زبور باب ۷ آیت ۴۔ اسی طرح پہلے نبیوں کی تعلیم جا بجا عفو اور درگذر اور محبت اور صلح جوئی کی تاکید سے بھری ہوئی ہے۔ اور حضرت مسیح نے صرف اسی پرانی تعلیم کو ایک نئے قالب میں پیش کیا ہے۔ پس یہ بڑی غلطی ہے جو یہ سمجھا جائے کہ وہ نبی جنہوں نے بت پرستوں کے ساتھ جنگ کرکے انکو تہ تیغ کیا وہ اخلاقی تعلیم اور محبت اور حلم اور بردباری کی تعلیم نہ دیتے تھے۔ اور حضرت مسیح چونکہ انہی بزرگ لوگوں کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اس لیے انہوں نے نہ صرف انکی اخلاقی تعلیم کو ہی اپنے الفاظ میں پیش کیا بلکہ جو تعلیم انکی تلوار کے متعلق تھی اسکو بھی انہوں نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اور اگر موقع ہوتا تو شاید آپ خود بھی اسپر عمل کرکے دکھاتے۔ اور اس کمی کو اسطرح پورا کیا کہ اپنے آخری وقت میں اپنے شاگردوں کو تلواریں خریدنے کا حکم دیا۔ آخری وقت میںنے اس لیے کہا کہ انجیل کی رو سے اس کے جلدی بعد وہ پکڑے گئے کیونکہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایت صادر کرنیکے بعد آپ تھوڑی دیر دعا میں مشغول ہوئے اور اس کے بعد جلدی پکڑے گئے پس یہ آپ کی وصیت تھی جسے وہ اپنے پیرووں کے پورا کرنیکے لیے چھوڑ گئے۔ اور انہوں نے بھی دل کھولکر اس وصیت کو پورا کیا۔

اس واقعہ کے متعلق ایک اور عجیب بات ہے جس کا میں اسجگہ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جب حضرت مسیح نے شاگردوں کو حکم دیا کہ اپنے کپڑے بیچکر تلواریں خریدیں تو انہوں نے دو تلواریں جو انکے پاس موجود تھیں پیش کیں۔ اور حضرت مسیح نے ان دو تلواروں کو کافی سمجھا۔ مگر یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ کس غرض کے لیے ان دو تلواروں کو آپنے کافی قرار دیا۔ انہیں میں سے ایک تلوار کے ساتھ پطرس نے تھوڑی دیر بعد ان آدمیوں میں سے ایک کا کان اڑا دیا جو حضرت مسیح کو گرفتار کرنے آئے تھے۔ پس یہی ایک موقع تھا جب ان دو تلواروں میں سے ایک کام میں لائی گئی۔ یہ اغلب ہے کہ کچھ اور خونریزی بھی اس موقع پر ہوتی اگر حضرت مسیح اپنے حواریوں کی بزدلی اور مخالفین کی کثرت کو جو تلواروں سے مسلح تھے دیکھکر اپنے ساتھیوں کو روک نہ دیتے اور اسطرح پر مجمع کے جوش کو کم نہ کر دیتے۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ حضرت مسیح کو پہلے یہ خیال ہو کہ آپ کو ایک معمولی واعظ سمجھ کر دو ایک آدمی گرفتاری کے لیے آجاویں گے اور اسی لیے انہوں نے دو تلواروں پر اطمینان ظاہر کیا تھا۔ کیونکہ انکا خیال ہوگا کہ دو ایک آدمیوں کے مقابلہ کے لیے دو تلواریں

کافی ہیں۔ مگر جب انہوں نے ایک بڑا مجمع دیکھا اور سب آدمیوں کو مسلح پایا تو وہ بہت حیران ہوئے اور کہا کہ تم تو اس طرح تلواریں اور لاٹھیاں لیکر آئے ہو جیسے چور پکڑنے کو لوقا باب ۲۲ آیت ۵۲۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ حضرت مسیح نے اسوقت عین مصلحت کے مطابق کام کیا۔ مگر مشکل یہ پیش آتی ہے کہ آپ خدا کے نبی تھے اور آپ کا دو تلواروں کو کافی قرار دینا ایک بے معنی اور لغو امر نہیں ہو سکتا۔ آخر اس بات کا مطلب کیا تھا کہ دو تلواریں کافی ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ عیسائی صاحبان ضرور اس کا جواب دیں گے۔ ساتھ ہی میں ایک اور واقعہ بھی انکے غور کے لیے پیش کرتا ہوں۔ یہ بھی دو تلواروں کا واقعہ ہے مگر ان دو تلواروں کے ذریعے ایک عظیم الشان فتح ہوئی جو انسانی وہم و گمان سے بڑھکر تھی۔ یہ بدر کی فتح تھی۔ جہاں مسلمان نہ صرف تعداد کے لحاظ سے ہی بہت تھوڑے تھے بلکہ ان تھوڑوں میں بھی اکثر ایسے تھے جو پہلی دفعہ میدان جنگ میں آئے تھے۔ اور ہتھیار بھی کچھ نہیں تھے گھوڑا صرف ایک تھا اور مقابل پر دشمن ایک ہزار مسلح جوان جو جنگ آزمودہ تھے۔ اور اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ اسلام کا نام صفحۂ دنیا سے مٹا دیں۔ اور مسلمانوں کو اگر اپنے دین اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا خیال نہ ہوتا تو کبھی وہ ایسا مقابلہ نہ کرتے۔ غرضکہ یہ وہ موقع تھا جہاں دو تلواروں نے وہ کام کر دکھایا جس کا خیال غالباً حضرت مسیح کو بھی تھا۔ یعنی دشمنان دین کو نیست و نابود کیا اور چھوٹی سی اسلامی جمعیت کو مظفر و منصور کیا۔ اس سوال کا کہ حضرت مسیح کو یہی دو تلواریں کام کرتی ہوئی کشفی رنگ میں نظر آگئی تھیں میں ابھی کچھ جواب نہیں دیتا اور پادری صاحبان سے دو تلواروں کے کافی ہونیکی توجیہ سننے کا منتظر ہوں۔

یہ تو عیسائی مذہب کا تلوار سے تعلق تھا۔ اب دوسرا پہلو جو صاف کرنیکے قابل ہے وہ اسلامی جنگوں کا پہلو ہے۔ اسکے متعلق میں مفصل کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اس مضمون پر بارہا بحث کی جا چکی ہے اور قرآن کریم نہایت مختصر الفاظ میں مندرجہ ذیل دو مقامات میں صاف طور پر اسکو بیان فرماتا ہے کہ کن حالات کے ماتحت اسلام کو تلوار اُٹھانی پڑی اور اس کی غرض اس میں کیا تھی۔ اول سورہ حج کی مفصلہ ذیل آیات ہیں۔

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر ۝ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ط ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوٰت و مسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا ط یعنی مسلمانوں کو جنکے ساتھ جنگ کیا جاتا ہے اب اجازت دیجاتی ہے کہ وہ بھی کافروں سے لڑیں اسواسطے کہ ان پر بڑے بڑے ظلم کیے گئے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ انکی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں صرف اس لیے کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا۔ تو صومعے اور گرجے اور عبادتخانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے

جا چکے ہوتے۔ دوسرا موقع سورہ بقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین ...... فان قٰتلوکم فاقتلوھم کذٰلک جزاء الکافرین ۰ فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم ۰ وقٰتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظٰلمین ۰ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اس حد سے آگے نہ بڑھو کیونکہ اللہ اپنی مقرر کی ہوئی حدود سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا...... پس اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی انکو قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہانتک انسے لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے (یعنی جو تکالیف اسلام کی وجہ سے پہنچائی جاتی ہیں اور لوگوں کو اسلام سے پھیرا جاتا ہے یہ فتنہ باقی نہ رہے) اور دین محض اللہ کے لیے ہو جائے (یعنی جو شخص دین کو اختیار کرنا چاہے اسکی راہ میں کوئی روک نہ ہو)۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو انکو چھوڑ دیا جاوے کیونکہ سزا صرف ظالموں کے لیے ہے"۔ یہ دونوں مقامات اسبات کو ثابت کرنیکے لیے کافی ہیں کہ کن حالات کے ماتحت اور کن اغراض کے لیے مسلمانوں کو جنگ کرنیکی مجبوری پیش آئی۔ کافروں نے انکو مکہ میں طرح طرح کے دکھ دیئے اور ایذائیں پہنچائیں اور آخر انکو انکے گھروں سے نکالدیا اور جب انہوں نے مدینہ میں جا پناہ لی تو وہاں بھی انکا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور تلوار سے انکو نیست و نابود کرنا چاہا۔ اس نازک وقت میں جب اسلام ہر طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا تھا مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دیگئی۔

آیات مذکورہ بالا سے یہ کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں نے تلوار اس لیے نہیں اُٹھائی کہ کافروں کو دین اسلام قبول کرنیکے لیے مجبور کریں بلکہ اس لیے کہ اسلام کو نیست و نابود کیا جانیسے بچائیں اور اس کے دشمنوں کے خطرناک حملوں کو روکیں۔ اسلام کے جنگ دین کی اشاعت کے لیے نہ تھے بلکہ دین کی حفاظت کے لیے تھے۔ اور وہ کافروں کو مجبور کیونکر کرسکتے تھے کیونکہ بلحاظ تعداد وہ عرب میں ایسے تھے جیسے سمندر میں ایک قطرہ۔ علاوہ اس کے قرآن کریم سے صاف صاف ثبوت اس بات کا اور بھی ملتا ہے کہ اسلام نے مذہب میں جبر کرنیکو منع کیا ہے۔ یہ ممانعت ایک ایسی سورۃ میں وارد ہوئی ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جہاں مسلمانوں کی لڑائیاں شروع ہوچکی تھیں اور اسلام کو قوت اور غلبہ ایک حد تک حاصل ہوچکا تھا۔ اور یہ وہی سورۃ ہے جس میں جنگ کی اجازت بھی مسلمانوں کو دیگئی ہے اور جس میں حکم ہے کہ اُسوقت تک جنگ کرو جبتک دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ یہ ممانعت ان الفاظ میں ہے کہ لا اکراہ فی الدین یعنی دین میں اکراہ یعنی جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ پس جس کتاب نے یہ اصل سکھایا ہو اسکے خلاف یہ کہنا کہ اس میں بجبر مسلمان کرنیکی ترغیب ہے محض حماقت ہے۔ ایسا ہی سورہ ممتحنہ میں دو آیتیں ایسی ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ سورۃ قریب اخیر زمانہ کی نازل شدہ

ہے۔ وہ آیات یہ ہیں۔ لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۰ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاؤلٰئک ھم الظٰلمون ۰۔ اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنیسے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ انہوں نے تمکو تمھارے گھروں سے نکالا کیونکہ اللہ منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تم کو ان لوگوں سے دوستی کرنیسے منع کرتا ہے جو تم سے تمھارے دین کے بارے میں لڑے اور تمکو تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں مددگار ہوئے جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھیگا وہی ظالم ہیں۔ ان آیات سے نہ صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان غیر مسلموں سے احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنیکا حکم دیتا ہے جنھوں نے خود مسلمانوں سے انکے دین کی وجہ سے جنگ نہیں کیے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی کفار کی طرف سے تھی اور انکی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کو انکے دین سے پھیریں کیونکہ دین کی وجہ سے لڑنا اللہ تعالیٰ کفار کی طرف منسوب کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کے یہ چند مقامات میرے مدعا کو ثابت کرنیکے لیے کافی ہیں۔

جسقدر ثبوت اوپر دیا گیا ہے اس سے ایک طالب حق مطمئن ہوجاتا ہے کہ اسلامی جنگ دین کے پھیلانے یا بجبر دین اسلام قبول کروانیکے لیے ہرگز نہ تھے۔ مگر پادری صاحبان باوجود ایسے کھلے کھلے ثبوت کے انکار پر اصرار کرتے چلے جاتے ہیں چنانچہ اخبار اپی فینی کا ایڈیٹر اس تمام شہادت کو یہ کہکر رد کرتا ہے کہ یہ تمام احکام جو ان آیات میں مذکور ہوئے ہیں سورہ توبہ سے منسوخ ہوچکے ہیں اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ "خواہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوسرے موقعوں پر کچھ ہی تعلیم کیوں نہ دی ہو یہ آخری سورۃ انکے خیالات کی آخری حالت کو بیان کرتی ہے"۔ اس کا جواب دینے سے پہلے میں پادری صاحبان سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ اسی منطق کو وہ انجیل پر نہیں لگاتے مثلاً یہ ایک موٹی بات ہے کہ حضرت مسیح کی ابتدائی تعلیم میں عفو اور درگذر اور دشمنوں سے محبت کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے جیسا کہ پہاڑی وعظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گال پر طمانچہ لگے تو دوسری بھی پھیر دو۔ اور کوئی کوٹ مانگے تو چغہ بھی اتار دو اور ایک میل ساتھ لیجانیکے لیے مجبور کرے تو دو میل چلے جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ مگر جوں جوں کچھ مدد کے اکٹھے ہوتے جاتے ہیں حضرت مسیح کی طرز کلام بھی بدلتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ جب آپ گرفتار ہونے کو تھے تو اسوقت سب شاگردوں کو یہ حکم دیا کہ کپڑے بیچکر تلواریں خریدلو۔ یہ آپ کا آخری حکم تھا اور اس منطق کو استعمال کرکے جسکو پادری صاحب نے استعمال کیا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس آخری حکم سے پہلے تمام حکم درگذر اور عفو اور طمانچہ کھانیکے منسوخ ہوگئے بلکہ عیسائی مذہب کی بعد کی تاریخ سے تو اسکا ثبوت بھی ملتا ہے۔ کیونکہ طمانچہ کھانیوالی اور چغہ دینے والی اور دو میل جانیوالی تعلیم پر تو کسی

عیسائی نے عمل کر کے نہ دکھایا البتہ تلواریں خریدنے والے حکم کی خوب تعمیل کر کے دکھائی امید ہے پادری صاحبان کو ان معنوں پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کیونکہ عیسائی مذہب کی تاریخ سے انہی معنوں کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

اسلام کے خلاف جو اعتراض کیا گیا ہے کہ سورہ توبہ سے پہلے حکم منسوخ ہو گئے بالکل خلاف واقعہ ہے میں اسجگہ ناسخ و منسوخ کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن شریف میں اسکی کوئی نظیر پیش نہیں کیجا سکتی کہ کلام الٰہی نے پہلے ایک اصل کو قایم کیا ہو اور اسپر زور دیا ہو کہ ایسا کرنا چاہیئے اور پھر اسے منسوخ کر کے اس کے متضاد کوئی اور اصل بیان کیا ہو۔ پس جب قرآن شریف نہایت پُر زور الفاظ میں اور بار بار دوہرا کر کئی سورتوں میں اس اصل کو بیان کر چکا تھا کہ مذہب کے بارے میں جبر و اکراہ کو ہرگز کسی قسم کا دخل نہیں ہونا چاہیئے اور مذہبی آزادی کے اصل کو قایم کر چکا تھا تو اس حکم کے خلاف پھر اور کوئی حکم اس میں نہیں ہو سکتا۔ یہ دعویٰ میں نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایسا اختلاف اسمیں نہیں پایا جاتا جیسا کہ فرماتا ہے۔ افلا یتدبرون القراٰن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا۔ یہ لوگ کیوں قرآن کریم پر تدبر نہیں کرتے کیونکہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔ پس جب بدلایل یہ ثابت ہو چکا کہ قرآن شریف نے جبر و اکراہ سے کھلے لفظوں میں روکا تو اب اس کے خلاف کوئی امر قرآن شریف میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیا سورہ توبہ میں واقعی کوئی ایسا حکم جنگ کے متعلق ہے جس سے پہلے تمام احکام متعلقہ جنگ کی تنسیخ ہوتی ہے۔ اس بحث سے پہلے چند الفاظ کے معنوں کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ ان میں سے اول تو جہد کے مشتقات ہیں جیسے جہاد وغیرہ۔ سو خواہ کوئی سی عربی لغت دیکھی جاوے یہ معلوم ہوگا کہ جہد کے معنے سخت کوشش کرنیکے ہیں۔ اور ایسا ہی جہاد جسکے متعلق اسقدر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اسکے معنے بھی کسی امر کے خلاف کوشش کرنیکے ہیں، اور وہ کوشش زبان سے ہاتھ سے تحریر سے مال سے اور کئی طرح ہو سکتی ہے یہ تو لغوی معنے ہوئے اب جب قرآن کریم کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں بھی یہ لفظ ہر جگہ جنگ کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا مثلاً سورہ عنکبوت میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی یہ لفظ چار جگہ مستعمل ہوا ہے جن میں سے ایک جگہ بھی جنگ کے معنے نہیں۔ ایسا ہی سورہ لقمٰن میں بھی یہ لفظ اسی طرح پر استعمال ہوا ہے بلکہ سورہ فرقان میں جو وہ بھی ایک مکی سورۃ ہے جہاد کبیر کا لفظ استعمال کیا ہے اور وہاں بھی معنے صرف کوشش کرنیکے ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ فلا تطع الکفرین وجاھدھم بہٖ جھادا کبیرا۔ یعنی کافروں کا کہا نہ مانو بلکہ قرآن کے ذریعہ سے انکے ساتھ جہاد کبیر کرو۔ اسجگہ قرآنی دلایل سے کفار کا مقابلہ کرنیکا نام جہاد کبیر رکھا۔ ایسا ہی الفاظ فی سبیل اللہ کے معنوں میں عیسائی صاحبان نے ٹھوکر کھائی ہے یا عمداً دھوکہ دیتے ہیں اس فقرہ کے معنے یہ لوگ دین کی ترقی یعنی پھیلانے کے لیے کرتے ہیں اور ان غلط معنوں کی بنا پر یہ حملہ کرتے ہیں کہ جب قرآن شریف مومنوں کو یہ کہتا ہے کہ تم کفار کے ساتھ فی سبیل اللہ جنگ کرو

تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم اپنے دین کے پھیلانیکے لیے انکے ساتھ لڑائیاں کرو اور اس سے بجبر مسلمان کرنیکا نتیجہ نکالتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ معنے صحیح نہیں ہیں۔ الفاظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنے ایسے صاف ہیں کہ ایک بچہ بھی انکے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے۔ یعنی اللہ کی راہ میں یا محض خدا کے لیے نہ اپنے کسی ذاتی فایدہ یا غرض کے لیے یا اپنی نفسانی خواہش سے یا ریا سے۔ اور پھر سورہ توبہ سے ان الفاظ کو مخصوص کرنا اور بھی حماقت ہے۔ ابتدائی احکام جنگ میں بھی یہی ارشاد الٰہی ہوا ہے کہ تم فی سبیل اللہ کافروں کے ساتھ جنگ کرو پس اگر وہاں بجبر مسلمان کرنیکے معنے نہیں تو سورہ توبہ میں کیونکر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔ یعنی جنگ کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تمہارے ساتھ جنگ کریں اور اس حد سے آگے نہ بڑھو۔ اب یہ جنگ جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے صرف بطور مدافعت یا حفاظت اسلام کے لیے ہیں کیونکہ ان میں پیشدستی کرنیسے صاف طور پر منع کیا گیا ہے بلکہ یہی فرمایا ہے کہ جو تم سے جنگ کرتے ہیں انکے ساتھ تم بھی جنگ کرو اور اس حدبندی سے آگے مت نکلو۔ پس اگر یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے یہ معنے نہیں کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کرنیکے لیے جنگ کرو تو سورہ توبہ میں یہ معنے کیونکر ہو گئے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ بات ہے کہ فی سبیل اللہ کا استعمال جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں غریبوں کو صدقات دینے کا حکم ہے وہاں بھی فی سبیل اللہ کا لفظ ہی فرمایا ہے۔ مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل ... الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم۔ یعنی جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں انکی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں ..... جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کیے پیچھے احسان نہیں جتاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں انکے لیے انکے رب کے نزدیک بڑا اجر ہے۔ اب اس میں تو کسی پادری صاحب کو بھی شک نہ ہوگا کہ غریب کو مال دینے کا مطلب بجبر اسلام پھیلانا نہیں۔ پس فی سبیل اللہ کے سیدھے معنے اللہ کی راہ میں یا اللہ کے لیے ہیں نہ دین اسلام کا پھیلانا۔ یہاں فی سبیل اللہ کے بعد صاف طور پر فرمایا کہ پیچھے کسی قسم کا احسان نہ رکھو کیونکہ جو کام محض اللہ کے لیے اور اسی کی رضاجوئی کی خاطر کیا گیا ہے اس میں کسی پر احسان رکھنا گویا یہ ظاہر کرنا ہے کہ اللہ کے لیے وہ کام نہ کیا گیا تھا۔ اور جہاں فی سبیل اللہ جنگ کرنیکو کہا وہاں یہ منشاء ہے کہ مسلمانوں کا جنگ کرنا کچھ اپنے لیے تو ہی نہیں بلکہ چونکہ کفار دین الٰہی اور خدا کے مرسل کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں اور مسلمان محض اسی کی حفاظت کے لیے جنگ کرتے ہیں اسلیے انکے جنگ محض اللہ کے لیے اور اسی کی راہ میں ہیں۔ پس اس تمام بحث سے یہ ثابت ہے کہ محض لفظ جہاد سے یا جہاد فی سبیل اللہ سے بزور شمشیر دین اسلام پھیلانیکا نتیجہ نکالنا محض پادری صاحبان کے عناد اور تعصب کا نتیجہ ہے ورنہ الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔

اب سورہ توبہ کی ان آیتوں کو لیتے ہیں جن کو اخبار اپی فینی میں اس دعوے کی تائید میں پیش کیا گیا ہے کہ اس سورۃ میں بزور شمشیر دوسرے لوگوں کو مسلمان کرنیکا اصل قائم کیا گیا ہے۔ پہلی آیت سورہ توبہ کی اکتالیسویں آیت ہے انفروا خفافا و ثقالا و جاهدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ نکلو ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اگر تم کو سمجھ ہے تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یہ آیت جنگ تبوک کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اور ایک ایسا مسلم امر ہے کہ ہیوری نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ اسلیے اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ جنگ تبوک کس قسم کا جنگ تھا آیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم کو مسلمان کرنیکے لیے یہ چڑھائی کی تھی۔ یا کسی کے حملہ کے دفعیہ کے لیے۔ سو یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جنگ تبوک کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اہل روم نے جو نصاریٰ تھے اور جن کی سرحد کے قریب بعض عیسائی قومیں مسلمان ہوگئی تھیں یہ ارادہ کیا تھا کہ ایک بڑی بھاری فوج کے ساتھ مسلمانوں پر چڑھائی کریں۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے بھی تیاری کر دی اور سب مسلمانوں کو تیار ہونیکے لیے حکم دیا۔ اور تیس ہزار کا لشکر لے کر آپ مقام تبوک پر پہنچے۔ مگر نصاریٰ یہ خبر سنکر پہلے ہی اپنا عزم فسخ کر چکے تھے اور کوئی فوج انکی حملہ آور نہ ہوئی یہ دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر لڑائی کرنے کے وہاں سے واپس آئے۔ یہ آیتیں مع اس سے ماقبل کی چند آیتوں اور بعد کی آیات تبوک کے لیے تیاری کے واسطے نازل ہوئی تھیں۔ پس اگر مہم تبوک کا مقصد کسی قوم کو بجبر مسلمان کرنا ہوتا تو بیشک اس آیت سے بھی یہ استدلال ہو سکتا تھا کہ قرآن کریم میں بجبر مسلمان کرنیکی ترغیب ہی نہیں بلکہ حکم ہے۔ لیکن اگر یہ مہم محض دفاعی اور کسی خطرہ کو دور کرنے کی غرض سے تھی تو اس سے بجبر مسلمان کرنیکا نتیجہ نکالنا حماقت ہے۔ اب پادری صاحبان خود ہی نتیجہ نکال لیں کہ انپر کونسی بات صادق آتی ہے تیس ہزار سپاہ کے ساتھ ہوتے ہوئے بغیر جنگ کرنیکے واپس آنا کس امر کی شہادت دیتا ہے۔ کیا اسقدر جرار فوج کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی چھوٹی موٹی قوم کو بھی مسلمان نہ کر سکتے تھے حالانکہ آپکے پاس پاس نہ صرف عیسائی بلکہ بت پرست قومیں بھی موجود تھیں۔ مجھے پادری صاحبان کی اس حماقت پر بہت افسوس آتا ہے کہ بلا سوچے سمجھے اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں۔ گویا انکے نزدیک اسلام پر اعتراض کرنا ہی سب سے بڑھکر ثواب کا کام ہے۔

دوسری آیت جو اسی دعوی کی تائید میں پیش کی گئی ہے۔ سورہ توبہ کی یہ آیت ہے۔ یا ایها النبی جاهد الکفار والمنفقین واغلظ علیهم ومأوٰهم جهنم وبئس المصیر۔ اے پیغمبر جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور انپر سختی کر انکا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ یہاں جہاد کو تلوار کا جہاد نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ وہی جہاد ہے جسکا حکم سورۃ الفرقان میں بھی ہے وجاهدهم به جهادا کبیرا۔ کیونکہ اسجگہ جہاد کا حکم کفار اور منافقین دونوں کے لیے دیا گیا ہے۔ مگر منافقوں کے ساتھ تلوار کا جہاد کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا حالانکہ

اس آیت میں بالخصوص نبی ہی مخاطب ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ آپ کا منافقوں کے ساتھ جہاد نہ کرنا اسوجہ سے تھا کہ آپکو منافقوں کا علم نہ تھا تو یہ بات غلط ہے کیونکہ اسی سورۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ منافقوں کو خوب جانتے تھے یہ وہ لوگ تھے جو جنگ کے وقت آپکے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔ اور خدائے تعالیٰ کا یہ حکم دینا کہ انکا جنازہ نہ پڑھا جائے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو منافقوں کا علم تھا کیونکہ اگر علم نہ ہوتا تو اس حکم کی تعمیل نہ ہوسکتی تھی کہ انکا جنازہ نہ پڑھا جائے پس جس صورت میں کافر اور منافق دونوں اسجگہ جہاد میں شامل ہیں اور منافقوں کے خلاف کبھی تلوار نہیں اُٹھائی گئی تو اس آیت سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ کافروں سے ہر حال میں اور ہمیشہ جنگ کیے جاویں بلکہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسا مخالفت کریں اسی قسم کا جہاد بھی انسے ہونا چاہیئے۔ حکم تو صرف جہاد کا تھا مگر کافروں نے خود تلوار اُٹھائی اور اس لیے مسلمانوں کو بھی دین اسلام کی حفاظت کے لیے انکے مقابل پر تلوار اُٹھانی پڑی مگر منافقوں نے تلوار نہ اُٹھائی اسلیے باوجود انکو منافق جاننے کے مسلمانوں نے بھی کبھی انکے خلاف تلوار نہ اُٹھائی۔ یہ ہے حقیقت جہاد کی جس پر پادری صاحبان دن رات شور مچا رہے ہیں۔ اصل جہاد میں تلوار شامل نہیں پر جیسا خود مسیح نے بھی کہا تھا جو تلوار کھینچتے ہیں وہ تلوار سے ہی مارے جاتے ہیں تلوار کا جہاد اسی کے مطابق ہوا۔

تیسری آیت سورہ توبہ کی ایک سو گیارھویں آیت ہے۔ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویُقتلون۔ مَیں نہیں جانتا اس آیت سے کس طرح بجبر مسلمان کرنیکا استدلال کیا گیا ہے۔ یہ تو ذکر ہے کہ مومن لوگ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں پس وہ دشمنوں کو مارتے بھی ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ تم ہمیشہ کافروں سے لڑتے رہو بلکہ ایک امر واقعہ کا بیان ہے کہ مسلمان لڑ رہے ہیں یہ لڑائیاں وہی تھیں جن کے متعلق مَیں دکھا چکا ہوں کہ بجبر مسلمان کرنیکے لیے ہرگز نہ تھیں بلکہ دین اسلام کی حفاظت کے لیے تھیں۔ جیساکہ مفصل ذکر ہوچکا۔ چوتھی آیت یہ ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ۔ اس میں صحابہؓ کو یہ حکم ہے کہ ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں۔ اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ دیئے تھے۔ اور اب بھی مسلمان انکے فتنہ سے امن میں نہ تھے بلکہ یہ لوگ عہد کرتے اور پھر عہد شکنی کرتے تھے جیساکہ ایکدفعہ ستر قاری ایک قوم کے ہمراہ بھیجے گئے جنہوں نے یہ ظاہر کیا تھا۔ کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں اور پھر جب وہ انکی بستی میں پہنچ گئے تو سب کو قتل کر دیا گیا۔ اسی قسم کی قومیں تھیں جن سے لڑنے کا حکم تھا۔ یہ آیت تو بجائے جنگ کے حکم کو عام کرنے کے اسے خاص کرتی ہے اور اسکو استدلال میں پیش کرنا محض پادری صاحبان کی بے سمجھی ہے۔ معترض نے دعویٰ تو یہ کیا ہے کہ مَیں نے سورہ توبہ کو بغور پڑھ لیا ہے لیکن اگر وہ غور سے پڑھ لیتا تو ایسے اعتراض کرنے سے اسے ضرور شرم آتی۔ ایک ہی آیت اس بات کے ثبوت کے لیے کافی تھی جو اسی سورۃ کے شروع میں ہے۔ الا تقاتلون

قوماً نکثوا ایمانہم وھموا باخراج الرسول وھم بدءُوکم اول مرۃ ۔ تم ان لوگوں سے کیوں جنگ نہ کرو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا۔ اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا اور تلوار اٹھانے میں بھی پہل انہوں نے ہی کی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ ان لوگوں سے جنگ نہ کرو جنہوں نے عہد نہیں توڑا۔ الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاھروا علیکم احداً فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ۔

میں نے صرف اپنی فیضی کے اعتراضوں کا جواب دیا ہے لیکن چونکہ زیادہ لکھنے کی اس رسالہ میں گنجایش نہیں اسلیے مقابلہ کے زیادہ دلچسپ حصہ کو دوسرے رسالہ پر ملتوی کرتا ہوں۔

میری اپیل

یہ اپیل میں تمام احمدی انجمنوں اور تمام احمدی احباب کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ان تمام احباب کی خدمت میں جن کے ہاتھ میں یہ رسالہ آئے یہ میری التجا ہے کہ وہ ان لوگوں تک جن کے پاس رسالہ نہیں جاتا اس اپیل کو طرح طرح سے پہنچا دیں اور تمام احمدی انجمنیں اپنے خاص جلسے کر کے اور تمام احمدی احباب کو بلا کر یہ اپیل انکے سامنے پیش کریں۔

میری اس اپیل کی بنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پر ہے جس کو شایع ہوئے پورے تین سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس لیے سب سے اول میں اس مبارک ارشاد کو پیش کرتا ہوں جو حسب ذیل ہے۔

"چونکہ ہماری تمام جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں ان کو دور کر کے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے اس لیے اور انہیں اغراض کے پورا کرنے کے لیے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا ہے جس کا مجموعہ یعنی شایع ہونا امریکہ اور یورپ کے اکثر حصوں میں بخوبی ثابت ہو چکا ہے اور بہت سے دلوں پر اثر ہونا شروع ہو گیا ہے بلکہ امید سے زیادہ اس رسالہ کی شہرت ہو چکی ہے اور لوگ نہایت سرگرم شوق سے اس رسالہ کے منتظر پائے جاتے ہیں لیکن اب تک اس رسالہ کے شایع کرنے کے لیے مستقل سرمایہ کا انتظام کافی نہیں۔ اگر خدا نخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت

بند ہو گیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لیے ایک ماتم ہوگا۔ اس لیے میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلصوں کو جو امیر دو لکھ اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد میں جہانتک انسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلا دیں دنیا جائے گذشتنی و گذاشتنی ہے اور جب انسان ایک ضروری وقت میں ایک نیک کام کے بجالانے میں پوری کوشش نہیں کرتا تو پھر وہ گیا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ اور خود میں دیکھتا ہوں کہ بہت سا حصہ عمر کا گذار چکا ہوں اور الہام الٰہی اور قیاس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ باقی ماندہ تھوڑا حصہ ہے پس جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی میں میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دیگا میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔ اور جو شخص ایسی ضروری مہمات میں مال خرچ کریگا میں امید نہیں رکھتا کہ اس مال کے خرچ سے اسکے مال میں کچھ کمی آجائے گی۔ بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی۔ پس چاہیئے کہ خدا تعالیٰ پر توکل کر کے پورے اخلاص اور جوش اور ہمت سے کام لیں کہ یہی وقت خدمت گذاری کا ہے پھر بعد اس کے وہ وقت آتا ہے کہ ایک سونے کا پہاڑ بھی اس راہ میں خرچ کریں تو اس وقت کے پیسہ کے برابر نہیں ہوگا یہ ایک ایسا مبارک وقت ہے کہ تم میں وہ خدا کا فرستادہ موجود ہے جسکا صدہا سال سے امتیں انتظار کر رہی تھیں۔ اور ہر روز خدا تعالیٰ کی تازہ وحی تازہ بشارتوں سے بھری ہوئی نازل ہو رہی ہے اور خدا تعالیٰ نے متواتر ظاہر کر دیا ہے کہ واقعی اور قطعی طور پر وہی شخص اس جماعت میں داخل سمجھا جائیگا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ میں خرچ کریگا۔ یہ ظاہر ہے کہ تم دو چیزوں سے محبت نہیں کر سکتے اور تمہارے لیے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا سے بھی۔ صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے اور اگر کوئی تم میں سے خدا سے محبت کر کے اسکی راہ میں مال خرچ کریگا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دیجائیگی کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے پس جو شخص خدا کے لیے بعض حصہ مال کا چھوڑتا ہے وہ ضرور اسے پائیگا لیکن جو شخص مال سے محبت کر کے خدا کی راہ میں وہ خدمت بجا نہیں لاتا جو بجالانی چاہیئے تو وہ ضرور اس مال کو کھوئے گا۔ یہ مت خیال کرو کہ مال تمہاری کوشش سے آتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ تم کوئی حصہ مال کا دیکر یا کسی اور رنگ سے کوئی خدمت بجالا کر خدا تعالیٰ اور اسکے فرستادہ پر کچھ احسان کرتے ہو بلکہ یہ اسکا احسان ہے کہ تمہیں اس خدمت کے لیے بلاتا ہے۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تم سب کے سب مجھے چھوڑ دو اور خدمت اور امداد سے پہلو تہی کرو تو وہ ایک قوم پیدا کر دیگا کہ اسکی خدمت بجالائیگی تم یقیناً سمجھو کہ یہ کام آسمان سے ہے اور تمہاری خدمت صرف تمہاری بھلائی کے لیے ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم دل میں تکبر کرو اور یا یہ خیال کرو کہ ہم خدمت مالی یا کسی قسم کی خدمت کرتے ہیں۔ میں بار بار تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تمہاری خدمتوں کا ذرا محتاج نہیں ہاں تم پر یہ اسکا فضل ہے کہ تم کو خدمت کا موقع دیتا ہے تم ضرور بدن ہو گے بمقام گوردا سپور مجھ کو

الہام ہوا تھا کہ لا الٰہ الّا انا فاتخذنی وکیلا۔ یعنی میں ہی ہوں کہ ہر ایک کام میں کارساز ہوں پس
تو مجھ کو ہی وکیل یعنی کارساز سمجھ لے اور دوسروں کا اپنے کاموں میں کچھ بھی دخل مت سمجھ۔ جب یہ الہام مجھ کو ہوا تو
میرے دل پر ایک لرزہ پڑا اور مجھے خیال آیا کہ میری جماعت ابھی اس لایق نہیں کہ خداتعالیٰ انکا نام بھی لے اور مجھے
اس سے زیادہ کوئی حسرت نہیں کہ میں فوت ہو جاؤں اور جماعت کو ایسی ناتمام اور خام حالت میں چھوڑ جاؤں
میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ بخل اور ایمان ایک ہی دل میں جمع نہیں ہو سکتے جو شخص سچے دل سے خداتعالیٰ پر
ایمان لاتا ہے وہ اپنا مال صرف اس مال کو نہیں سمجھتا کہ اسکے صندوق میں بند ہے بلکہ وہ خداتعالیٰ کے تمام خزائن کو
اپنے خزائن سمجھتا ہے اور امساک اس سے اسطرح دور ہو جاتا ہے جیسا کہ روشنی سے تاریکی دور ہو جاتی ہے اور یقیناً سمجھو
صرف یہی گناہ نہیں کہ میں ایک کام کے لیے کہوں اور کوئی شخص میری جماعت میں سے اسکی طرف کچھ التفات نہ کرے
بلکہ خداتعالیٰ کے نزدیک یہ بھی گناہ ہے کہ کوئی کسی قسم کی خدمت کر کے یہ خیال کرے کہ میں نے کچھ کیا ہے۔ اگر تم کوئی نیکی کا
کام بجالاؤ گے۔ اور اسوقت کوئی خدمت کرو گے تو اپنی ایمانداری پر مُہر لگا دو گے۔ اور تمہاری عمریں زیادہ ہونگی اور
تمہارے مالوں میں برکت دیجائیگی۔ مجھے اس بات کی تصریح کی ضرورت نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا خدمت بجالاتے تھے۔ اب تم سوچکر دیکھو کہ یہ خدمات ان خدمات کے مقابل پر
کیا چیز ہیں۔ میں تم میں بہت دیر تک نہیں رہونگا۔ اور وہ وقت چلا آتا ہے کہ تم پھر مجھے نہیں دیکھو گے اور بہتوں کو
حسرت ہوگی کہ کاش ہم نے نظر کے سامنے کوئی قابل قدر کام کیا ہوتا سو اسوقت ان حسرات کا جلد تدارک کرو جسطرح
پہلے نبی رسول اپنی امت میں نہیں رہے میں بھی نہیں رہونگا۔ سو اسوقت کا قدر کرو اور اگر تم اسقدر خدمت بجالاؤ
کہ اپنی غیر منقولہ جائدادوں کو اس راہ میں بیچ دو پھر بھی ادب سے دور ہوگا کہ تم خیال کرو کہ ہم نے کوئی خدمت کی ہے
تمہیں معلوم نہیں کہ اسوقت رحمت الٰہی اس دین کی تائید میں جوش میں ہے اور اس کے فرشتے دلوں پر نازل ہو رہے
ہیں۔ ہر ایک عقل اور فہم کی بات جو تمہارے دل میں ہے وہ تمہاری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے آسمان سے
عجیب سلسلہ انوار جاری اور نازل ہو رہا ہے پس میں بار بار کہتا ہوں کہ خدمت میں جان توڑ کر کوشش کرو مگر دل میں
مت لاؤ کہ ہم نے کچھ کیا ہے اگر تم ایسا کرو گے ہلاک ہو جاؤ گے یہ تمام خیالات ادب سے دور ہیں اور جسقدر بے ادب جلد تر
ہلاک ہو جاتا ہے ایسا جلد کوئی ہلاک نہیں ہوتا اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس خدمت کے ساتھ دوسری خدمات میں بھی
سُست مت ہو بہت نادان وہ شخص ہے کہ وہ اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو اسطرح پر کہ ایک نیکی میں فتور ڈال کر دوسری
نیکی بجالاتا ہے وہ خدا کے نزدیک کچھ چیز نہیں بلکہ تم ان نیکیوں اور خدمتوں کو بھی اپنے دستور کے مطابق
بجالاؤ اور یہ نئی خدمت جو بتائی جاتی ہے اسمیں بھی پوری کوشش کا نمونہ دکھاؤ۔ اگر اس رسالہ کی اعانت کے لیے اس
جماعت میں دس ہزار خریدار اُردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلے گا اور میری دانست میں

اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو اسقدر تعداد کچھ بہت نہیں۔ بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے سوائے جماعت کے سچے مخلصو! خدا تمہارے ساتھ ہو۔ تم اس کام کے لیے ہمت کرو۔ خدا تعالیٰ آپ تمہارے دلوں میں القا کرے کہ یہی وقت ہمت کا ہے۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دیوے۔ آمین ثم آمین۔ الراقم خاکسار میرزا غلام احمد۔"

میرے دوستو! اس ارشاد واجب التعمیل کو نقل کرنیکے بعد مجھے اپنی اپیل کے لیے کسی دلیل کے پیش کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تین سال ہوئے آپ لوگوں کو یہ کہا گیا تھا کہ آپ ہمت کر کے دس ہزار خریدار اس رسالہ کا پیدا کر دیں اور یاد رکھو کہ یہ دس ہزار خریدار باہر کے لوگوں سے نہیں بلکہ حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اس جماعت میں سے ہونا چاہیئے۔ میں ارشاد کے آخری الفاظ کو اس غرض کیلئے پھر دہراتا ہوں "اگر اس رسالہ کی اعانت کے لیے اس جماعت میں دس ہزار خریدار اردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے۔ تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلیگا اور میری دانست میں اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو اسقدر تعداد کچھ بہت نہیں بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے سوائے جماعت کے سچے مخلصو خدا تمہارے ساتھ ہو۔ تم اس کام کے لیے ہمت کرو"۔ اب آپ لوگ خود ہی غور کر لیں کہ کیا آپ نے ایسی ہمت کی جو دس ہزار خریدار ایک نہیں تین سال کے عرصہ میں پیدا کر دیا؟

جن دنوں میں یہ ارشاد شایع ہوا تھا ان دنوں میں چار سو سے سولہ سو تک اردو رسالہ کے خریداروں کی تعداد ضرور بڑھ گئی تھی مگر اس کے بعد قریباً تین سال کے اندر وہ تعداد وہیں کی وہیں رہی یا بمشکل اگر ترقی ہوئی تو ڈیڑھ یا دو سو خریدار کی۔ اس میں بھی شک نہیں کہ بہت سے مخلص احباب ایسے ہیں جنہوں نے اعانت رسالہ میں بڑی بڑی رقمیں دیں اور بہت سے مخلصوں نے دو دو چار چار دس دس بیس بیس خریدار رسالہ کے پیدا کیے۔ مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ ابھی تعداد مطلوبہ کے چوتھے حصہ تک ہم پہنچے ہیں۔ غیر احمدی لوگوں کو خریداری کی ترغیب دینا یہ ایک بالکل الگ امر ہے پہلے احمدی جماعت میں جسقدر خریدار ہو سکتے ہیں انکو تو خریدار بنایا جائے۔ ایک ایک شہر جس میں جماعت کے خواندہ اشخاص کی تعداد دو دو تین تین سو تک پہنچی ہوئی ہے وہاں اگر رسالہ دیکھا جائے تو پندرہ بیس سے زیادہ نہیں جاتے۔ اس سستی کی وجہ میں سوائے اس کے کچھ نہیں دیکھتا کہ اس ارشاد کو جماعت کے بہت لوگوں نے مد نظر نہیں رکھا۔ یا بوجہ زیادہ عرصہ گذر جانیکے فراموش کر دیا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر تمام احمدی انجمنیں متفق ہو کر یہ کوشش کریں کہ انکا کوئی ممبر سوائے ایسی صورتوں کے جہاں انجمن اسے معذور تصور کرے خریداری رسالہ سے باہر نہ رہے اور جو لوگ انگریزی بھی سمجھ سکتے ہیں وہ انگریزی اور اردو دونوں رسالوں کو خریدیں تو چند ہی ماہ میں دس ہزار کی تعداد پوری ہو سکتی ہے۔

جماعت میں سیکڑوں نہیں ہزاروں خواندہ آدمی ایسے موجود ہیں جو رسالہ کو نہیں خریدتے۔ مگر خواندہ ہی پر ہی حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل واجب نہیں بلکہ یہ خریداری بطور اعانت بھی اور ناخواندہ لوگوں کو بھی یہ رسالہ خریدنا چاہیے تھا

میں اس بات کے تسلیم کرنے میں بھی حرج نہیں سمجھتا کہ بلحاظ مضامین آپ کی نظروں میں اس رسالہ کی چنداں وقعت نہ ہو مگر میں اس بنا پر یہ تحریک بھی نہیں کرتا کہ اس رسالہ کے مضامین عمدہ ہیں اس لیے اسے خریدنا چاہیئے۔ میری تحریک کی بنا حضرت اقدس کا ارشاد ہے۔ پس رسالہ خواہ اچھا ہو یا برا اسکا خریدنا امام کی اطاعت کیلیے ہے۔ میں صرف آپ لوگوں کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس ارشاد کو ایک مرتبہ دو مرتبہ دس مرتبہ پڑھیں اور غور کریں کہ آپ کا امام جسکے ہاتھ پر آپنے دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا اقرار کیا ہے آپ لوگوں سے کیا چاہتا ہے۔ یہ رسالہ کسی شخص کے ذاتی فایدہ کے لیے نہیں بلکہ یہ سلسلہ احمدیہ کی ایک شاخ ہے اور جہانتک میں سمجھتا ہوں نہایت ضروری شاخ ہے۔ غیر ممالک میں اشاعت اسلام کا کام اس رسالہ کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ وہاں اس رسالہ نے کیا اثر پیدا کیا ہے؟ میںنے کئی بار ان صفحات میں ذکر اسکا بھی کیا ہے اور عنقریب ایک مختصر رسالہ میں بھی کسی قدر تفصیل کے ساتھ یہ ذکر کیا جائیگا۔ لیکن ضرورت ہے اسبات کی کہ مفت اشاعت اسکی زیادہ ہو اور اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ اردو اور انگریزی کے خریدار پیدا کر کے اسکی بنا کو مستحکم کیا جائے۔ پس میں مکرر تمام احباب کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ جہاں کہیں باقاعدہ انجمنیں بنی ہوئی ہیں وہ اپنا اجلاس کر کے اور جہاں انجمنیں نہیں وہاں سب احمدی احباب ملکر اس امر کا فیصلہ کریں کہ آیا موجودہ صورت میں حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل انکی انجمن کے تمام ممبر کر چکے ہیں؟ اور آیا رسالہ کی موجودہ اشاعت جو انگریزی اور اردو کو ملا کر تین ہزار تک بھی ابھی نہیں پہنچی انکو مطمئن کرتی ہے کہ وہ اپنا فرض اس ارشاد کے متعلق ادا کر چکے ہیں؟ ان دو سوالوں کے جواب میں ہر جگہ سے جہاں کوئی بھی احمدی موجود ہے سننے کا منتظر رہونگا اور جو کارروائی کسی جگہ ہوئی ہوگی اسکی مختصر کیفیت آیندہ رسالے میں انشاء اللہ تعالیٰ چھاپ دیجاویگی۔

ساتھ ہی میں اس امر کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ چونکہ چندہ کی مابعد وصولی میں دفتر کا بہت سا نقصان ہوتا ہے اور بار بار مطالبہ کے خطوط لکھنے پڑتے ہیں اس لیے جو احباب نئے خریدار بنیں انسے چندہ پیشگی وصول ہونا چاہیئے خواہ سال کا پورا ہو یا چھ ماہ کا۔ اور پرانے خریداروں کو بھی چاہیئے کہ اختتام سال سے پہلے نئے سال کا چندہ ارسال کر دیں۔ بدوں پیشگی وصولی چندہ آیندہ رسالہ جاری نہ ہوگا۔ ہاں یہ اختیار ہوگا کہ پہلا پرچہ بذریعہ وی پی طلب کر لیں۔

ہمارے مسلمان ہمعصر

ہمارے مسلمان معاصرین باستثنائے دو تین معزز پرچوں کے کسی اچھے موقع پر ہمارا نام لینے میں پبلک سے ایسی خوف کا اظہار کرتے ہیں جو اخبار نویسی کے منصب کے شایاں نہیں۔ اخبار نویس کا اصل غرض تو یہ ہوتا ہے کہ وہ پبلک کو کسی غلطی سے نکالنے کی کوشش کرے نہ یہ کہ پبلک کے ڈر سے خود اسی غلطی کا ارادتاً ارتکاب کرے جسمیں پبلک پھنسی ہوئی ہو۔ جب سے یہ رسالہ جاری ہوا ہے اسکے مضامین کو عموماً پسندیدگی

کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور اہل الرائے مسلمانوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے مگر ہمارے مسلمان اخبار نویس اس خوف سے کہ مبادا انکی بکری میں کچھ کمی ہو جائے سوائے مخالفت کے رنگ کے ہمارا ذکر ہرگز نہیں کرتے - یہ رسالہ ایک مذہبی رسالہ ہے اور ہمارے معاصرین کو خوب علم ہے کہ بیرونی دنیا میں اسلام کے متعلق تبدیل خیالات کرنے میں یہ کتنا بڑا کام کر رہا ہے - پس یہ کام ایسا تھا جس میں سب مسلمان برابر شریک ہوتے - اور ان کو چاہئیے تھا کہ اہل اسلام کو اس طرف توجہ دلاتے ہاں یہ ان کا حق تھا کہ جن مضامین میں ان کو اس پرچہ سے اختلاف تھا ان کا ذکر بھی کرتے اور پبلک کو کسی غلطی میں نہ رکھتے - مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سوائے ایک دو پرچوں کے یہ اخلاقی جرأت کسی میں نہ پائی گئی - بلکہ بہت سے رسالے جن میں اس رسالے کے مضامین نقل بھی کیے جاتے ہیں وہ اخیر پر اتنا حق بھی ادا نہیں کر سکتے کہ **ریویو آف ریلیجنز قادیان** کا پورا نام لکھدیں بلکہ صرف لفظ ریویو اور وہ بھی کسی قدر بگاڑ کر لکھدیتے ہیں جس سے ہرگز یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ ریویو آف ریلیجنز سے یہ مضمون لیا گیا ہے ہم کسی بات کی التجا نہیں کرتے اور نہ انسے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ کسی طرح سے اشاعت اسلام کے کام میں ہماری مدد کریں گے مگر جس صورت میں وہ اس پرچے سے مضامین کا انتخاب کرتے ہیں انپر واجب ہے کہ وہ وہی سلوک اس سے کریں جو معزز ہمعصر انگریزی کر سے کرتے ہیں یعنی اگر وہ مضامین لیں تو ساتھ پورا نام بھی شایع کر دیں کہ **ریویو آف ریلیجنز قادیان** سے لیا گیا ہے بلکہ جہاں سے مضمون شروع ہو وہاں یہ اعتراف ہونا چاہیئے۔

اسی جگہ میں سیالکوٹ کے رسالہ **الہادی** کا ذکر بھی کرتا ہوں - اس رسالہ میں تاویل القرآن مصنفہ اکبر مسیح کے رسالہ کا جواب بعنوان تائید القرآن نکل رہا ہے - اور ایڈیٹر صاحب یا منیجر صاحب رسالہ ہذا نے اس مضمون کو ابتداسے میرے پاس بھیجا ہے - جہانتک یہ مضمون ابتک پہنچا ہے اس میں ابھی تمہیدی امور پر بحث ہے - اور اصل اعتراضات تاویل القرآن کی ابھی باقی ہیں - اس لیے میں اسپر کوئی رائے زنی نہیں کرتا جب تک کہ کل مضمون یا اسکا بڑا حصہ شایع نہ ہولے - لیکن مجھے ایک بات پر تعجب آیا ہے کہ جہاں پادری اکبر مسیح نے امام الدین - چراغ الدین اور مولوی عبداللہ چکڑالوی کا ذکر کیا ہے اور ان تینوں کو اسلام کے بڑے محقق قرار دیا ہے - وہاں جواب لکھتے وقت ایڈیٹر صاحب رسالہ مذکور نے اپنی تہذیب کے تمام دعووں کو جو ابتدا سے رسالہ میں کیے تھے خیر باد کہکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر بلا ضرورت درمیان میں کیا اور اونہی سفیہانہ الفاظ کو استعمال کیا جن کے وہ مدت سے عادی ہو رہے ہیں انکی عبارت یہ ہے "اور چراغدین بیچارہ تو تھا ہی بے علم محض اور زبان لی سے کلیتًہ نابلد - ہاں کچھ مدت تک مرزا صاحب کی پارٹی میں شامل رہنے کی وجہ سے تاویل کرنے اور بات بنانے اور بڑھانے اور ادھر اُدھر کی تک چلانیکا ملکہ ہو گیا تھا - مرزا صاحب کی تائید میں چند الہام گھڑ دیئے اور وہ الہام بظاہر تو مرزا صاحب کے بہت مفید مطلب تھے - کہ اس میں مرزا صاحب کے لیے بنی بنائی صداقت دکھائی گئی تھی مگر باطن میں مرزا صاحب اور انکے مشن اور انکے چند مقرب حاشیہ نشین مہاجرین کے لیے نہایت مضر تھے کیونکہ اگر مرزا صاحب ان الہاموں کی تصدیق کرتے تو مریدوں کا رُخ شیخ چراغدین صاحب کی طرف پھر جاتا اور مرزا صاحب کو چندہ بہت کم وصول ہوتا اسلیے مرزا صاحب نے بڑے زور سے اسکی تکذیب کی اور نہایت زجر و توبیخ سے اسی توبہ کرنیکا حکم کیا - وہ بیچارہ بمصداق دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ادھر اُدھر مارا پھرا کیونکہ مرزا صاحب بحکم گاہے سلامے بر نجشند اس تعریف سے جس کی تصدیق سے شیخ صاحب کی دوکان مرزا صاحب کے مقابلے میں رونق پر ہوتی - نہایت آشفتہ ہوئے - اور ادھر مسلمان تو آگے ہی انکے مخالف اور اس الہام کے بھی مخالف تھے ...... ابھی وہ اس زینہ پر چڑھ ہی رہے تھے کہ دست اجل نے ایک ایسا دھکا دیا کہ اُٹھا کے قبر میں جا پھینکا اور دعوٰی مہدیت و مسیحیت کی ساری امیدیں غلط کر دیں" جس چراغ کو خدا ہاتھ سے جلایا ہے وہ انسانوں کی موہنہ کی پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا اور اگر یہ لوگ اس سلسلہ کو دوکانداری قرار دیتے ہیں تو پہلوں کو بھی یہی کہا گیا **اِنَّ هٰذَا الشَّیْءٌ یُّرَاد** - مولوی ابراہیم صاحب (کیونکہ یہی اس رسالہ کے ایڈیٹر ہیں) اس بات سے بیخبر نہیں کہ چراغدین کو انہی ناپاک باتوں کی وجہ سے اس سلسلہ سے خارج کیا گیا تھا - اور ایک پیشگوئی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسکی ہلاکت اور تباہی کے متعلق کی تھی جسکے مطابق یہ شخص ہلاک ہوا - پس اس موقع پر ذکر تو یہ کرنا چاہیے تھا اور اس میں اسلام کی عزت تھی کہ جب اس شخص نے ایک ناپاک رسالت کا دعوٰی کیا جس سے وہ عیسائی مذہب کی تائید اور اسلام کی تردید کرنا چاہتا تھا تو ایک سچے مسلمان نے خدا سے خبر پا کر اسکی ہلاکت کی پیشگوئی کی اور تھوڑے دنوں میں ہی وہ اس پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا اور دوسرا

...انکو چھوڑ کر ایڈیٹر الہادی نے ناحق کی نیش زنی کی ہے

۲۷ ستمبر ۱۹۰۶ء - بلجت آیاتی - و بشر الذین اٰمنوا ان لھم الفتح - ترجمہ - ظاہر ہوگئیں میری نشانیاں اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے - بیشک ان کے واسطے فتح ہے - ۲ - اکتوبر ۱۹۰۶ء - لنبلونّکم

ترجمہ - البتہ ہم تم کو آزمائیں گے - رؤیا - مَینے دیکھا کہ ایک کتاب ہے گویا وہ میری کتاب ہے اسکا نام نجم المصیبتہ ہے پھر الہام ہوا - فوق حمیدٌ - کاذب کا خدا دشمن ہے - وہ اُس کو جہنم میں پہنچائیگا - ۹ - اکتوبر ۱۹۰۶ء مَینے آج رات خواب میں دیکھا کہ میرا بھائی مرزا غلام قادر مرحوم ایک مضبوط گھوڑے پر سوار ہے اور مَینے خیال کیا کہ یہ فرشتہ ہے اور لفظ قادر کی مناسبت سے اس شکل پر ظاہر ہوا ہے اور مَیں اسکے آگے اسقدر دوڑتا ہوں کہ گھوڑا پیچھے رہ جاتا ہے اسکے بعد ہم شہر میں داخل ہوگئے اور وہ فرشتہ جو میرے بھائی کی شکل پر تھا گھوڑے پر سے اُتر آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک تازیانہ ہے اور ایک مضبوط سپاہی قوی ہیکل شکل میں ہے اور ہمنے شہر میں ایک طرف جانیکا ارادہ کیا گویا کوئی کام ہے یا کوئی خدمت ہے جو اس فرشتہ نے بجالانی ہے بعد اس کے الہام ہوا - اسے عبد الحکیم خدا تعالیٰ تجھے ہر ایک ضرر سے بچاوے اندھا ہونے اور مفلوج ہونے اور مجذوم ہونے سے - اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ عبد الحکیم میرا نام رکھا گیا ہے - خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نہیں چاہتی کہ ان بیماریوں میں سے کوئی بیماری میرے لاحق حال ہو - کیونکہ اس میں شماتت اعدا ہے -

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ماہ جون ۱۹۰۶ء

میاں نذیر الدین صاحب - بھاموں - عـ - معرفت منشی نعمت خاں صاحب - پشاور - للعـ - منشی مرزا سلطان صاحب - پشاور - ۱۵ر - ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب - جھنگ - عـ - بابو برکت علی صاحب دھرمسالہ - عـ - سردار محمد عجب خانصاحب تحصیلدار میرام شاہ - عـ - چودھری رستم علی صاحب - انبالہ - لہ عـ - بابو عبد الرحمٰن صاحب انبالہ عـ - نجف خاں صاحب - ضلع انبالہ - للعـ - جماعت منی پور آسام - عـ - مولوی عبد اللہ صاحب چک ۲۹۶ - لائلپور سے میاں محمد الدین صاحب - جدہ - لعـ - مرزا خدا بخش صاحب لاہور - صـ - مولوی عمر الدین صاحب شملہ - عـ - میاں عبد الرحمٰن صاحب - امرتسر - عـ - جماعت سیکھواں - عـ - منشی نبی بخش صاحب - راولپنڈی - عـ - منشی ہاشم علی صاحب سرداگڈہ عـ - محمد ظہور الدین صاحب - اکمل - عـ - منشی محمد علی صاحب - کسولی عـ - منشی یار محمد خانصاحب عـ - میاں نظام الدین صاحب پپی - للعـ - ڈاکٹر سید جلال صاحب - بریرہ - لعـ - ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب - قادیان - عـ - ڈاکٹر الٰہی بخش معرفت بابو عبد العزیز صاحب - صـ - جماعت بنگہ معرفت میاں رحمت اللہ صاحب - صـ - منشی اکرام الحسن صاحب راولپنڈی للعـ - مسٹر عبد الحمید صاحب سے سبو - للعـ -

فہرست چندہ اعانت دہندگان ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۶ء

جماعت لاہور۔ للعہ پائی۔ جماعت ڈیرہ غازیخاں۔ ے۔ منشی عبدالخالق صاحب۔ ڈیرہ غازیخاں۔ صہ۔ مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخاں۔ لعہ۔ میاں غلام محمد صاحب۔ مہدی آباد۔ عہ۔ منشی نورالدین صاحب۔ لائل پور۔ ے۔ جماعت۔ سڑعہ۔ عہ ۹ پائی بابو محمد شفیع صاحب۔ گوجرانوالہ۔ ے۔ میاں ابراہیم صاحب۔ امرتسر۔ للعہ۔ منشی محمد رفیق صاحب۔ لہ۔ حافظ نوراحمد صاحب فیض اللہ چک۔ عہ۔ بابو گلاب خاں صاحب۔ راولپنڈی۔ عہ۔ جماعت کپورتھلہ معرفت منشی حبیب الرحمن صاحب۔ للعہ منشی اللہ بخش صاحب۔ موضع دریانی۔ عہ۔ منشی اللہ دتا صاحب۔ مانگنانوالہ۔ عہ۔ بابو فیروز علی صاحب۔ مسہ کیسوال۔ ے۔ سید اسد اللہ شاہ صاحب۔ ۸ر۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب۔ لعہ۔ منشی رستم علی صاحب۔ انبالہ۔ عہ۔ منشی عبدالرحمن صاحب۔ انبالہ۔ عہ۔ محمد علی صاحب کسولی عہ میاں محمد نظام الدین صاحب۔ ماہل پور۔ عہ۔ میاں غلام احمد صاحب۔ کریام۔ عہ۔ معرفت حافظ عبدالرحیم صاحب۔ قادیان۔ عہ۔ سید سرور شاہ صاحب موضع دانہ۔ عہ۔ حکیم انوار حسین خانصاحب۔ شاہ آباد۔ عہ۔ منشی برکت علی خانصاحب۔ ماڑی بوچیاں والہ۔ صہ۔ میاں الہداد خانصاحب موضع محلانوالہ۔ صہ۔ سید نادر علی شاہ صاحب۔ چوہان۔ ے۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۶ء

مولوی غلام رسول صاحب۔ موضع بجواڑہ۔ صہ۔ منشی نذر محمد صاحب۔ ضلع منٹگمری۔ صہ۔ منشی گلاب خانصاحب۔ راولپنڈی۔ للعہ۔ اہلیہ منشی گلاب خانصاحب۔ جماعت احمدیہ معرفت منشی گلاب خانصاحب۔ راولپنڈی۔ عہ۔ جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین صاحب قریشی۔ عہ۔ شیخ محمد جانصاحب۔ وزیرآباد۔ للعہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب۔ موضع ترگڑی۔ للعہ۔ عالمگیر خانصاحب۔ جبلپور۔ عہ۔ بابو محمد شفیع صاحب۔ گوجرانوالہ۔ ۱۲ر۔ جماعت احمدیہ معرفت اکمل آف گولیکی عہ چودھری رستم علی صاحب۔ انبالہ۔ عہ۔ شیخ عبدالعزیز صاحب۔ نومسلم۔ قادیان۔ عہ۔ محمد اکرم بیگ صاحب۔ کوہاٹ ۸ر۔ میاں محمد صدیق صاحب۔ کوٹ احمد یوا بابو شاہ دین صاحب۔ لاہور۔ ے۔ بابو فقیر علی صاحب۔ سٹیشنماسٹر۔ عہ۔ منشی ارادت حسین صاحب۔ ادرین۔ للعہ۔ منشی ہاشم علی صاحب۔ سردہ لگدہ منشی نصر اللہ خانصاحب۔ لدھیانہ۔ للعہ۔ منشی کریم بخش صاحب۔ تحصیل نروانہ۔ للعہ۔ جماعت فیض اللہ چک معرفت حافظ نوراحمد صاحب۔ ے۔ جماعت بنارس معرفت منشی عبدالرزاق صاحب۔ ے۔ یار محمد خانصاحب۔ فارسٹر۔ ریاست جموں۔ عہ۔ بابو مظہر دین صاحب معرفت ابوالفتح محمد عبدالقادر صاحب۔ نادر دل چک۔ لعہ۔ منشی محمد علی صاحب۔ کسولی عہ۔ کے۔ ایم۔ بشیرالدین صاحب۔ حیدرآباد۔ سندھ۔ ۱۰ر بابو عبدالرحمن صاحب۔ انبالہ۔ عہ۔ منشی کرم نواز صاحب۔ فلانہ۔ عہ۔ بابو محمد رفیق صاحب۔ بی۔ اے۔ ار۔ شیخ تیمور صاحب۔ قادیان عہ ڈاکٹر محمد فیاض خانصاحب معرفت بابو محمد افضل صاحب۔ قلعہ دانو۔ للعہ۔ میاں محمد نظام الدین صاحب۔ ماہل پور حال مقیم قادیان عہ۔ شیخ نوراحمد صاحب وکیل۔ ایبٹ آباد۔ عہ۔ جماعت سیکھواں معرفت میاں امام الدین صاحب۔ ے۔

تحریک: جناب منشی عبدالعزیز صاحب گوجرانوالہ اُس دورہ سے واپس آگئے ہیں جو انہوں نے اعانت میگزین کے لیے کیا تھا اور اب جناب ابوسعید عرب صاحب رنگون کو اسی غرض کے لیے اور نیز بقایا داران سے بقایا وصول کرنیکے لیے تشریف لیجاتے ہیں وہ صرف کلکتہ اور برما کی طرف جائیں گے۔ اور انکو اختیار دیا گیا ہے کہ ان اطراف میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے چندہ میگزین وصول کر کے رسیدیں دیں۔ المشتہر۔ سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

اعلان: ہر ایک سامان کرکٹ ٹینس فٹبال و جمناسٹک وغیرہ مستری نظام الدین احمدی شہر سیالکوٹ سے مل سکتا ہے۔ مفصل فہرست مفت۔

مطبع میگزین قادیان دارالامان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ — بابت ماہ نومبر ۱۹۰۶ء — نمبر ۱۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۶ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا ۔ چندہ سالانہ عہ

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۵- اکتوبر ۱۹۰۶ء- خواب میں دیکھا کہ کچھ لکھ رہا ہوں اور لکھتے لکھتے یہ الفاظ دیکھے۔ علم الدرمان ۲۲۳- علم عربی لفظ ہے اور درمان فارسی ہے۔ اس کے آگے ۲۲۳ کا ہندسہ ہے معلوم نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ۱۶- اکتوبر ۱۹۰۶ء میں نے دیکھا کہ کسی کی موت قریب ہے یہ متعین نہ ہوا کہ کس کی موت آئی ہے۔ تب اس کشفی حالت میں ہی میں نے دعا کی۔ الہام ہوا- ان المنایا لا تطیش سہامہا۔ یعنی موتوں کے تیر خطا نہیں جاتے۔ تب میں نے اسی کشفی حالت میں پھر دعا کی کہ اے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تب الہام ہوا- ان المنایا قد تطیش سہامہا[٢]۔ اس کے بعد یہ بھی الہام تھا- رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم سب میں سے کس کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب- ۲۳- اکتوبر ۱۹۰۶ء- انا نرینک بعض الذی نعدھم۔ نزید عمرک۔ ترجمہ ہم تجھے بعض وہ امور دکھاویں گے جو مخالفوں کی نسبت ہمارا وعدہ ہے اور تیری عمر زیادہ کریں گے۔ ۳۰- اکتوبر ۱۹۰۶ء کتاب حقیقۃ الوحی کے انطباع اور طیاری میں جو بہت سا خرچ ہوا ہے اور ہونے والا ہے۔ اس کے متعلق خیال تھا تو الہام ہوا- یأتیک من کل فج عمیق- یأتون من کل فج عمیق- یأتیک رجال نوحی الیھم من السماء۔ ترجمہ- ہر ایک دور کی راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس تحائف لائیں گے تیرے پاس وہ لوگ تحائف لائیں گے۔ جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ ایک پرانا الہام قریب پچیس[٢٥] سال کا- شخصے پائے من بوسید و من گفتم کہ سنگ اسود منم- ۳۱- اکتوبر ۱۹۰۶ء- ینصرکم اللہ فی دینہ- ترجمہ- خدا اپنے دین میں تمہاری مدد کریگا- ۲- نومبر ۱۹۰۶ء میں نے دیکھا کہ رات کے وقت میں ایک جگہ بیٹھا ہوں۔ اور ایک اور شخص میرے پاس ہے تب میں نے آسمان کی طرف دیکھا- تو مجھے نظر آیا کہ بہت سے ستارے آسمان پر ایک جگہ جمع ہیں- تب میں نے ان ستاروں کو دیکھ کر اور انہیں کی طرف اشارہ کر کے کہا آسمانی بادشاہت- پھر معلوم ہوا- کہ کوئی شخص دروازہ پر ہے- اور کھٹکھٹاتا ہے- جب میں نے دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ ایک سودائی ہے- جس کا نام میراں بخش ہے اس نے مجھ سے مصافحہ کیا- اور اندر آگیا- اس کے ساتھ بھی ایک شخص ہے- مگر اس نے مصافحہ نہیں کیا اور نہ وہ اندر آیا+ اس کی تعبیر میں نے یہ کی کہ آسمانی بادشاہت سے مراد ہمارے سلسلہ کے برگزیدہ لوگ ہیں- جنکو خدا زمین پر پھیلا دیگا- اور دیوانہ سے مراد کوئی متکبر مغرور متمول یا تعصب کی وجہ سے کوئی دیوانہ ہے- خدا اس کو توفیق بیعت دیگا- اور پھر الہام ہوا- لا تخف ان اللہ معنا- گویا میں کسی دوسرے کو تسلی دیتا ہوں کہ تو مت ڈر بے شک خدا ہمارے ساتھ ہے- ۷- نومبر ۱۹۰۶ء- آج رات لنگر خانہ کے اخراجات کی نسبت میں قریباً ۱۲ بجے رات تک اپنے گھر کے لوگوں سے بات کر رہا تھا کہ اب خرچ ماہواری لنگر خانہ کا پندرہ سو سے بھی بڑھ گیا ہے کیا قرضہ لے لیں؟ پھر خیال آیا کہ قرضہ لینے سے کیا فایدہ کیونکہ دو ہزار روپیہ

[٢] یعنی موتوں کے تیر کبھی خطا بھی ہو جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

جس غرض کو عنوان میں ظاہر کیا گیا ہے وہ وہ اہم ترین اغراض ہے جس کے لیے ہم نے اس رسالہ کو انگریزی اور اردو میں شایع کرنا شروع کیا تھا اور الحمد للہ اب چار سال کے تجربہ کے بعد ہم یہ کہنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک نہایت ہی مبارک کام تھا جو شروع کیا گیا۔ ابھی یہ رسالہ عمر کے لحاظ سے محض ایک بچہ ہے مگر اس اپنی تھوڑی سی عمر میں ہی جو شہرت اور نیکنامی اس نے حاصل کی ہے اور جسقدر ضرورت اسکی محسوس ہو رہی ہے اسکا مَیں نہایت ہی مختصر سا نقشہ پیش کر کے اُن مسلمانوں کو جنکے دلوں میں اسلام کی کچھ بھی محبت ہے توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ان فواید کے حاصل کرنے میں اور دوسروں تک پُہنچانے میں جو اس رسالہ کے ذریعہ حاصل ہوتے اور پُہنچتے ہیں اس موقع کو غنیمت سمجھیں۔ اول اس امر کا ظاہر کرنا ضروری ہے کہ کون کون امور اس رسالہ کے اجرا کے محرک ہوئے۔ سو سب سے پہلا محرک اس کے اجرا کا

حفاظت اسلام

کا خیال تھا۔ اسوقت ہندوستان میں اسلام پر طرح طرح کے حملے ہو رہے ہیں اور اسے نیست و نابود کرنے اور صفحۂ دنیا سے مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ان کوششوں کے لحاظ سے یہ زمانہ بعینہٖ زمانہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کے مشابہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُسوقت تلوار کے ذریعہ اسلام کو نیست و نابود کرنیکی کوششیں کیجاتی تھیں۔ اب قلم کے ذریعہ یہی کوششیں کیجا رہی ہیں۔ جوش جیسا اُسوقت تھا ویسا ہی اسوقت ہے، ہاں دائرۂ مخالفت اب بہت وسیع ہو گیا ہے۔ پس جسطرح اُس ابتدائی زمانہ میں نابینا مخالفوں نے اسلام کو نہایت ہی کمزور سمجھ کر یہ چاہا تھا کہ اسکو نیست و نابود کر دیں اور یہ خیال کیا گیا تھا کہ انکی زبردست تلواروں کے سامنے اسلام کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ ایسا ہی اب مخالفین اسلام نے یہ خیال کیا ہے کہ ان کے ہاتھ میں ہزارہا سامان اشاعت کفریات اور اعتراضات کے موجود ہیں سیکڑوں رسالے جاری ہیں بیشمار مشنیں قایم شدہ ہیں۔ اور طرح طرح کے ذرایع جیسے ہسپتال اور سکول اور کالج انکے ہاتھ میں ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اسلام کا نام صفحۂ دنیا سے مٹا سکتے ہیں۔ اور ظاہر نظر میں اگر دیکھا جائے تو سچ مچ یہ

سامان جو اسلام کو ہلاک کرنے کے لیے اکٹھے کیے گئے ہیں اس قدر بڑے معلوم ہوتے ہیں کہ ظاہر طور پر کوئی صورت اسلام کے بچاؤ کی معلوم نہیں ہوتی مگر یاد رکھو کہ جس طرح اُس ابتدائی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے محض اعجازی طور پر اسلام کو بچایا اور مخالفین کی زبردست تلواروں کو توڑ کر دکھایا* اسی طرح اب بھی وہ اعجازی طور سے ہی اسلام کی حفاظت کریگا اور مخالفین کی قلموں کے زور کو توڑ کر دکھائیگا اور ان کے تمام سامان جن کو وہ اسلام کی نیست و نابود کرنیکے لیے جمع کر رہے ہیں وہ اسلام کی تباہی نہیں اسلام کی عزت اور عظمت کے ظاہر ہونیکا ذریعہ بنجائیں گے۔ پس اے اہل اسلام جس صورت میں تمہارے سامنے وہ ابتدائی نقشہ اعجازی حفاظت اسلام کا موجود ہے جب اسلام بالکل بے سروسامان تھا اور مخالفین کے ہاتھوں میں ہر طرح کی طاقت تھی۔ تمھیں ایک دم کے لیے بھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جو سامان قلم اب اسلام کے خلاف جمع کیے جا رہے ہیں وہ اسلام کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں ہاں تم کو دیکھنا چاہیئے کہ

اس وقت تمھارا کیا فرض ہے۔

سو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے کہ جس قسم کے سامان تمہارے خلاف کیے جائیں اسی قسم کے سامان تم بھی کرو اور اپنی کوششیں اور ہمتیں صرف کرو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ تمہاری مدد کریگا۔ پس اس وقت تمہارے مخالفوں نے اسلام کے نیست و نابود کرنیکے لیے تلوار ہاتھ میں نہیں پکڑی کہ تمہارے دلوں میں بھی کبھی تلوار کا خیال گذرے یا یہ انتظار ہو کہ اسلام تلوار کے ذریعے غالب ہوگا۔ یہ خیالات غلط ہیں اسوقت تمھیں بھی قلم اٹھانی چاہیئے اور اپنے مال اس راہ میں خرچ کرنے چاہییں اور جو وساوس پادری لوگ پھیلا رہے ہیں انکا ازالہ کرنا چاہیئے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ملکی حقوق کی حفاظت کے لیے تو اردو میں چھوڑ انگریزی میں بھی ہر ہر صوبہ ہند میں مسلمانوں کے اخبار جاری ہوں مگر مذہب کی حفاظت کے لیے کل ہندوستان میں ایک بھی پرچہ انگریزی زبان میں موجود نہ ہو حالانکہ یہی وہ زبان ہے جس میں آجکل اسلام پر طرح طرح کے حملے کیے جاتے ہیں اور اسلام کے متعلق طرح طرح کے وساوس دلوں میں پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہم ان لوگوں کے پایہ کو تو کہاں پہنچ سکتے ہیں جنہوں نے اپنے اس پاک دین کی حفاظت کے لیے اپنے مالوں اور ملکوں۔ اپنے اعزہ اور اقربا۔ اپنے پیارے وطن کو چھوڑا نہیں بلکہ اپنی پیاری جانوں کو بھی فدا کیا۔ اور شہید ہوئے اور اس بات کی کچھ پروانہ کی کہ وہ قتل کیے جائیں گے۔ مگر کیا ان اسلام کے سچے جاں نثاروں کے اقتدا میں ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ اسوقت اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق اپنے مالوں کا ایک حصہ حفاظت اسلام کے لیے خرچ کریں اور ان اعتراضات کے دور کرنے میں اپنی پوری ہمت اور کوشش صرف کریں + جنکے ذریعہ اس پاک مذہب کو بدنام کیا جا رہا ہے اور اسکا منور چہرہ طرح طرح کی ظلمتوں کے نیچے چھپا دیا گیا ہے۔ یہی خیال پہلا محرک اس امر کا تھا کہ انگریزی زبان میں

* قد جاء علی الدین من النصرۃ ثم سیعود من النصرۃ - ک - الہام حضرت امام الزمان -

ایک اعلیٰ پایہ کا رسالہ جاری کیا جاوے اور اسی غرض سے ۱۹۰۲ء میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی بنیاد رکھی گئی۔ ایک دوسرا محرک اس امر کا یہ ہوا کہ ہزارہا نوجوان مسلمان جو انگریزی تعلیم حاصل کرتے ہیں اس تعلیم کے بعض زہریلے اثروں سے متاثر ہو کر اور اسلام کے اصول حقہ سے ناواقف ہونیکی وجہ سے دین اور مذہب سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاج کے لیے یہ نہایت ضروری تھا کہ

اسلام کے اصول حقہ کا سچا فلسفہ

بیان کیا جاوے اور ان نوجوانوں کو اس بات سے آگاہ کیا جاوے کہ ایک اسلام ہی وہ مذہب ہے جس کے اصول فطرت انسانی کے مطابق اور لاتبدیل ہیں اور ان اصول میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو واقعی طور پر محل اعتراض ہو۔ اس میں کسی شبہ نہیں ہو سکتا کہ مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب مادی تعلیم اور تہذیب ہیں اور ان پر دہریت کا اثر غالب ہے۔ خود عیسائی ممالک میں اس تعلیم کے اثر سے ہزاروں نہیں لاکھوں انسان مذہب عیسوی کے عقاید کو کھلم کھلا خیرباد کہہ چکے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی مذہب بوجہ اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کے تعلیم کی روشنی کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ اور جوں جوں عیسائی مذہب کی اصلیت سے لوگ واقف ہوتے گئے وہ اس سے بیزار ہوتے گئے۔ اور اور کسی مذہب کا صحیح علم انکو دیا نہیں گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی لوگ دہریت کے اثر سے زیادہ تر متاثر ہو گئے اور انکی تعلیم اور تہذیب پر بھی آخر کار دہریت کا رنگ غالب آگیا۔ اب وہی تعلیم اپنے اس زہریلے اثر کے ساتھ ہندوستان میں آئی اور چونکہ مسلمان نوتعلیم یافتہ گروہ کے حصہ میں ہی تعلیم آئی اور وہ اپنے دین سے بکلی بیخبر ہے اور ضرور ہے کہ اسی طرح بے خبر رہیں جبتک کہ مسلمان اس بارہ میں خاص کوشش نہ کریں اس لیے اپنے مذہب کے اصول حقہ سے ناواقف ہونیکی وجہ سے وہ بھی اسی ہوا سے متاثر ہو گئے جس کا ثبوت اس گروہ کے آئے دن کی تحریروں اور تقریروں اور تجویزوں میں ملتا ہے۔ غرضکہ عیسائی مذہب سے تو عیسائی لوگ اس لیے بیزار ہوئے کہ وہ اس کی اصل حقیقت کو سمجھ گئے اور جہالت دور ہو گئی اور اسلام کے متعلق نوتعلیم یافتہ مسلمان اس لیے متزلزل ہو رہے ہیں کہ وہ دین اسلام سے ناواقف ہیں اس کا ادنیٰ ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ مغرب میں تو اسی زمانہ میں ہزارہا کتابیں عیسائی دین پر لکھی جانیکے بعد عیسائیت سے بیزاری پیدا ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ عربی زبان سے تو ناواقف ہیں اور انگریزی جس میں وہ کمال پیدا کر رہے ہیں اسکا یہ حال ہے کہ ایک بھی تصنیف کسی مسلمان کی ایسی نہیں کہ جس سے اسلامی واقفیت کا پتہ لگے بلکہ اس زبان میں جس قدر کتابیں اسلام پر ہیں وہ عموماً عیسائیوں کی ہی ہیں جنہوں نے اسلام کو بگاڑ کر پیش کیا ہے اور ہمارے مسلمان نوجوانوں کی ساری تحقیق انہی کتابوں پر مبنی ہے بس ضرور تھا کہ وہ ٹھوکر کھاتے اگر یہ لوگ بطور خود کافی تحقیق کے بعد اور اسلام کے اصول کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ان خیالات کا اظہار کرتے

جن کو وہ محض ناواقفیت کی حالت میں ظاہر کر رہے ہیں تو اور صورت تھی مگر موجودہ صورت میں جب قرآن شریف کے ترجموں تک کے لیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل حالات کے جاننے تک کے لیے صرف عیسائی صاحبان کی تحریروں پر سارا مدار ہے۔ یہ صاف نظر آتا ہے کہ سخت ضرورت ہے اس بات کی کہ ایک عظیم الشان علمی ذخیرہ اسلام کے متعلق زبان انگریزی میں بہم پہنچایا جائے اور یہ دکھایا جائے کہ اسلام کے اصول پر کسی طرح اعتراض نہیں ہو سکتا اور کہ وہ مادی اور دہریت کی تند ہوا جس نے عیسائی مذہب کو جڑھوں سے اکھاڑ دیا ہے اسلام کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی بلکہ اسلام کے پاک اصول کی صداقت اور بھی اس سے واضح ہوتی ہے مگر جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے اہم غرض اس رسالہ کے اجرا کی

اشاعت اسلام

تھی اور ہے۔ اشاعت اسلام کے مفہوم میں اصل میں تو دہی دونوں باتیں شامل ہیں جنکا ذکر اوپر ہوا یعنی جس قدر حملے یا اعتراض اسلام پر کیے جاتے ہیں ان کا جواب دینا اور اسلام کے اصول حقہ کا صحیح فلسفہ بیان کرنا مگر اس غرض کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ طریق اور اختیار کیا جاتا۔ کیونکہ ہندوستان میں تو امید کی جا سکتی ہے کہ مسلمان اس محبت کی وجہ سے جو انکو اپنے مذہب سے ہے ایسے رسالوں کی خریداری کو جو تمام حملوں کا دفعیہ معقول اور مدلل طور پر کرتے ہیں کوئی بار نہیں سمجھیں گے بلکہ خوشی سے اس کام میں مدد دیں گے طالب علموں کے لیے جن کی حالت کی اصلاح اس رسالہ کے دوسرے مقصد میں مدنظر تھی یہ رعایت کی گئی کہ رسالہ انکو نصف قیمت پر دیا جائے چنانچہ ابھی تک ایسا ہی کیا جاتا ہے اور انگریزی رسالہ صرف ڈیڑھ روپیہ سالانہ پر اور اردو رسالہ ایک روپیہ سالانہ پر انکو دیا جاتا ہے۔ مگر غیر اسلامی بلاد جیسے یورپ اور امریکہ میں اشاعت اسلام کے مقصد کو پورا کرنیکے لیے یہ امید رکھنا کہ وہاں خریدار پیدا ہوں غلط خیال ہے۔ اور چونکہ بڑی غرض اس رسالہ کی غیر اقوام میں حقیقی اسلام کی چہرہ نمائی تھی اس لیے ابتدا سے ہی یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ ایک بڑا حصہ رسالے کا مفت ان بلاد میں بھیجنا ضروری ہوگا کیونکہ ایک تو مغربی اقوام اس وقت امور دنیا میں ایسے منہمک ہیں کہ انکی توجہ کو مذہب کی طرف پھیرنا ایک سخت مشکل امر ہے اور پھر جب وہ مذہب بھی ایسا ہو جس سے انکو کوئی دلچسپی نہیں اور جسکے متعلق غلط خیالات انکے دلوں میں بچپن سے ہی جمائے گئے ہیں تو اس صورت میں یہ امید رکھنا کہ اس مذہب کے متعلق اصل تعلیم کے حاصل کرنیکے لیے وہ روپیہ بھی خرچ کریں گے فضول ہے۔ چنانچہ اسی خیال کی تائید بعد میں بہت سے ان خطوط سے ہوگئی جو مفت سلسلہ کے اجرا کے بعد موصول ہوئے۔ جیسا کہ آگے ان خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ پس اس چہار سالہ تجربہ سے اور اس خط و کتابت سے یہ امر متیقن ہو چکا ہے کہ غیر اسلامی بلاد میں اشاعت اسلام کی صورت صرف یہی ہے کہ اصول اسلام کو ایسے طور پر بیان کیا جائے جو مغربی لوگوں کی مذاق اور

ان کے طریق استدلال کے مطابق ہو اور پھر ان تحریرات کو حتی الوسع عام طور پر اور مفت شایع کیا جاوے۔
ریویو آف ریلیجنز نے کہاں تک امر اول میں کامیابی حاصل کی ہے اس کے لیے صرف چند ایک ایسے خطوط کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً آتے رہے کل خطوط کے لیے اسجگہ گنجایش نہیں۔ امر دوم میں بھی ایک حد تک کامیابی اس رسالہ کو خدا کے فضل سے حاصل ہو چکی ہے لیکن اب ضرورت ہے اس بات کی کہ مسلمان جن کے دلوں میں کچھ بھی محبت ہے اور جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسلام کا پاک جھنڈا ساری دنیا میں لہراتا ہوا دیکھیں اور اللہ اکبر کی آوازیں ساری دنیا میں بلند ہوں انکے لیے لازم ہے کہ اب اس طرف توجہ کریں مفت اشاعت کی تجویز ابتدا میں یہ کی گئی تھی کہ ہم نے اپنے احباب سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے خرچ پر ایک ایک دو دو چار چار دس دس بیس بیس رسالے باہر بھجوائیں چنانچہ بہت سے احباب نے توجہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کئی سو رسالہ گذشتہ چار سال سے برابر باہر بھیجتے ہیں اور اب بفضل خدا بعض نہایت لطیف کتابیں بھی طبع کر وا کر اسی طرح باہر بھیجنے کا ارادہ ہے۔ اگر وہ مسلمان جنہوں نے ابتک اس طرف توجہ نہیں کی ان شہادتوں کو جن کا ذکر آگے ہوتا ہے پڑھنے کے بعد اس بات کو سمجھ لیں کہ جس طریق سے ہم نے اشاعت اسلام کے کام کو شروع کیا ہے اس میں بڑی بڑی کامیابیوں کی امید ہے تو مشکل نہیں کہ ہم اس قابل ہو جاویں کہ یورپ اور امریکہ کے ہر ایک کتب خانے اور ہر ایک ریڈنگ روم اور ہر ایک سکول اور کالج میں اس رسالہ کا ایک پرچہ جایا کرے اور اسطرح چند ہی سال کے عرصہ میں ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ ہم تو یقین رکھتے ہیں کہ ضرور ایسا ہی ہوگا مگر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے مال اس راہ میں خرچ ہوں یہ وقت ہے مگر سوتوں کو جگانا خدا کے ہاتھ میں ہی ہے اور ہم اسی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اشاعت اسلام کی محبت سب مسلمانوں کے دلوں میں ڈالے۔ یورپ اور امریکہ میں صدہا دل قبولیت اسلام کے لیے تیار ہیں مگر یہ ہمارا فرض ہے کہ سچے اسلام کا نقشہ انکے سامنے پیش کر کے ان کے دلوں کو مسخر کریں۔ پیاسے موجود ہیں مگر پانی پہنچانا ان لوگوں کا فرض ہے جن کے پاس یہ پانی ہے۔ ذیل میں وہ خطوط نقل کیے جاتے ہیں۔

مسٹر محمد الگزنڈر رسل وب امریکہ

(ان کے نام نامی سے ہندوستان کے کل مسلمان واقف ہیں۔ ایک عرصہ تک وہ خود ایک اسلامی رسالہ نکالتے رہے اور اب بھی اس رسالہ کے ذریعہ اور بطور خود اشاعت اسلام کے کام میں مصروف ہیں)

پہلا خط۔ "آج مجھے ریویو کے جون کے پرچہ کی تین کاپیاں پہنچیں۔ میں اسکو بہت پسند کرتا ہوں میری رائے ہے کہ یہ پرچہ ہر ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونا چاہیے جو کچھ بھی اپنی قوت متفکرہ سے کام لے سکتا ہے۔ ہر ایک نیک مزاج اور انصاف پسند آدمی جو اس کو پڑھے گا وہ ضرور اس سے اخلاقی اور روحانی فایدہ حاصل کریگا

میں یقین کرتا ہوں کہ یہ رسالہ دنیا میں مذہبی خیال کو ایک خاص صورت دینے کے لیے ایک نہایت زبردست طاقت ہوگی اور یہ بھی یقین کرتا ہوں کہ آخر کار یہی رسالہ ان روکوں کو دور کرنیکا ذریعہ ہوگا جو جہالت سے سچائی کی راہ میں ڈالی گئی ہیں۔ اور اس طرح پر صداقت کو اپنی شاندار روشنی کے ساتھ دنیا کے سامنے چمکا کر دکھلائے گا"

دوسرا خط۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس بات سے بہت ہی خوشی حاصل ہوتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لیے کوئی خدمت خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو کر سکوں۔ اور اس لیے مجھے آپکا کام کرنیسے خوشی حاصل ہوتی ہے جو کاپیاں آپ مجھکو بھیجتے رہے ہیں وہ میں پڑھنے کے لیے ایسے لوگوں کو دیتا رہا ہوں جنہوں نے اس میں دلچسپی ظاہر کی۔ اور جب اور زائد کاپیاں مجھے بھیجی جاتی تھیں تو میں وہ تقسیم کر دیتا تھا کہ تا شائع ہو کر وہ نیک اثر پیدا کریں۔ ایسی کئی مثالیں میرے علم میں ہیں جہاں ان رسالوں نے طلب حق اور تحقیق کی روح پیدا کر دی ہے، مگر مجھے یہ علم نہیں کہ کوئی چندہ دینے والے خریدار بھی پیدا ہوئے ہیں یا نہیں اس ملک کے لوگ عجیب ہیں۔ جن چیزوں سے انہیں جسمانی آسایش اور خوشی حاصل ہو اور انکی عزت سوسائٹی میں بڑھے اس کے لیے تو وہ بیدریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ سوسائٹی میں معزز بننے کی خواہش یا جنون یورپ سے بڑھکر امریکہ میں موجود ہے۔ کیونکہ یہاں آسانی سے روپیہ خرچ کر کے عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ ایک بڑی بھاری روک ہے جس سے مجھے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ہزارہا لوگ امریکہ میں ایسے موجود ہیں جو آج اپنے اسلام کا اظہار کر دیں اگر انکو یہ ڈر نہ ہو کہ وہ سوسائٹی سے خارج کر دیے جائیں گے۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسلام کو اچھی طرح سمجھے نہیں اور اسلام کو سچا مذہب جاننے کے دعوے میں وہ سچے نہیں۔ مگر بالکل یہی وجہ اس کی نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکی خود غرضی اور اخلاقی بزدلی انکے کانشنس کی تحریک پر غالب ہیں۔ ایک دفعہ میں نے اپنے ایک دوست کو آپکے میگزین کی خریداری کیلیے ترغیب دی، بجواب اُس نے کہا کہ میں تو خوشی سے اس بات کے لیے تیار ہوں مگر تم جانتے ہو کہ میری بیوی ایپسکوپل چرچ کی سرگرم ممبر ہے اور اگر میرے گھر میں میگزین ہوگا تو اس سے خانگی جھگڑا پیدا ہوگا۔ ایک اور امر یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کی طبیعتیں ایسی ہیں کہ اپنے پادریوں کے ہاتھ میں وہ ہر طرح سے روپیہ دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اور انکو یقین ہوتا ہے کہ اس روپیہ کا انکو ثواب ہوگا۔ اور جب انکو عیسائیت کے خلاف کسی پرچہ کی خریداری کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ ڈرتے ہیں کہ گویا انکو دھوکہ دیکر انکا روپیہ لینے کی کوشش کیجاتی ہے۔ جب میں اپنا خوبصورت اور قیمتی پرچہ مسلم ورلڈ چھاپا کرتا تھا جو گیارہ سال کی بات ہے تو اسے قیمتاً خریدنے والے لوگ امریکہ میں بہت ہی تھوڑے تھے۔ وہ اسے ایک مشنری یعنی تبلیغ دین کا سلسلہ سمجھکر یہ خواہش کرتے تھے کہ مفت انکو دیا جاوے اور مجبوراً مجھے ایسا ہی کرنا پڑتا تھا"

تیسرا خط۔ "میں یہ بڑی خواہش رکھتا ہوں کہ ریویو آف ریلیجنز اس ملک کے ہزارہا عیسائیوں کے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ یہ ایک نہایت عظیم الشان کام کر رہا ہے اور صداقت کی روشنی دنیا میں پھیلا رہا ہے۔ میں اسکو نہایت دلچسپی کے

ساتھ پڑھتا ہوں کیونکہ یہ سچے اسلام کو پیش کرتا ہے اور وہ غلط خیالات ہمارے پاک مذہب کے متعلق اس میں نہیں ہوتے جنکے پیچھے بہت سے برائے نام مسلمان چل رہے ہیں۔ میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ یہ آخر کار رستم بالشان نتایج اس ملک میں پیدا کرکے دکھائیگا۔ اور اس لیے میں جہاں تک میری طاقت ہے اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ یہ رسالہ ان لوگوں تک پہنچ جاوے جو کشادہ دل رکھتے ہیں اور سچے دل سے صداقت کی تلاش کرتے ہیں"۔

شیخ عبداللہ کوئیلیم۔ لورپول۔ (ملک انگلستان کے شیخ الاسلام)

"میں ہمیشہ ریویو آف ریلیجنز کو پڑھکر محظوظ ہوتا ہوں۔ اور اسے اپنے پاک مذہب کی تائید میں نہایت ہی مفید تصانیف میں سے جانتا ہوں"۔

کونٹ ٹالسٹائے۔ روس (جو عیسائی ہو اور دنیا کے مشہور ترین زندہ مصنفوں میں سے ہے)

"نمونہ کے پرچے میں مجھے دو مضمون بہت ہی پسند آئے۔ یعنی "گناہ سے آزادی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے" اور "آیندہ زندگی"، خصوصاً موخر الذکر۔ جو خیال ان مضامین میں ظاہر کیا گیا ہے وہ نہایت فاضلانہ اور نہایت صحیح ہے"۔

ایم ایچ ہوتسما

(یہ فاضل پروفیسر ہالینڈ کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں اور اسلام کا نیا انسکلو پیڈیا جو یورپ کے مشہور فاضلان علوم مشرقی کے اہتمام سے شایع ہونیوالا ہے وہ سب انہی کی زیر نگرانی ہوگا یعنی اس کے ایڈیٹر انچیف یہی ہیں)

"ریویو آف ریلیجنز کی چوتھی جلد کے لیے جو آپنے مجھے بھیجی ہے میں خلوص دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس کے مضامین مجھے نہایت ہی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں"۔

اے جی ٹانگیو۔ لنڈن

"میں ریویو آف ریلیجنز پرچوں کے پہنچنے کا شکریہ کے ساتھ اقرار کرتا ہوں۔ جو شخص اسلام کے متعلق صحیح علم حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے وہ نہایت ہی مفید ہیں کیونکہ وہ ایسے امور پر بہت روشنی ڈالتے ہیں جن سے ہمیں اسجگہ مغرب میں کچھ بھی واقفیت نہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں ہمیں اس بات کا کہ اسلام اور اسکی تعلیم کیا ہے صحیح علم کچھ بھی نہیں آپ کی اور آپکے رسالہ کی کوششیں ایک بڑی بھاری ضرورت کو پورا کرتی ہیں اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس مقصد میں کامیابی ہو اور آپ اور آپکے کام پر خدا کی برکتیں ہوں"۔

مسنر ایڈیسن۔ نارتھمبرلینڈ

"میں آپ کا ریویو آف ریلیجنز بھیجنے کے لیے بہت ہی شکریہ ادا کرتی ہوں یہ ایک نہایت فاضلانہ رسالہ ہے۔ اور میں اسے پڑھکر بہت خوش ہوتی ہوں کیونکہ اس کے مضامین بالکل نئے اور ایک غیر معمولی طرز سے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں خود بہت سالوں تک اخبار نویس کا کام کرتی رہی ہوں اور میں ہر ایک مذہب میں عمدہ

چیز ہو اس کی قدر کرنا جانتی ہوں میں آپکے ملہم پیغمبر کی تحریروں اور نصایح کی بڑی مداح ہوں۔ آپنے سود پر جو مضمون لکھا ہے اس سے میرا بالکل اتفاق ہے اور یہ جو آپنے لکھا ہے کہ عیسائی مذہب بالکل زمین پر جھک گیا ہے۔ بہت سچی بات ہے۔ مَیں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے قابل قدر پرچے میں ان ظلموں کا ذکر کریں جو انگلستان میں بے زبان جانوروں اور پرندوں پر کھیلوں میں کیے جاتے ہیں۔"

ڈاکٹر وان ڈنبرگ۔ امریکہ

"آپ کی مہربانی سے ریویو آف ریلیجنز کی کئی کاپیاں مجھے پہنچی ہیں۔ جس کے لیے مَیں آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری بڑی مدت سے یہ خواہش تھی کہ اسلام کے متعلق صحیح باتیں معلوم ہوں جو مسلمانوں کی طرف سے ہوں اور مینے ریویو کے مختلف نمبروں کو بہت ہی دلچسپی سے پڑھا ہے۔"

بنجمن جڈکنز۔ سین ڈائگو۔ کیلیفورنیا

"مجھے ریویو آف ریلیجنز کا پیکٹ ۱۴۔ جنوری ۱۹۰۶ء کو پہنچا۔ مَیں بہت خوش ہونگا کہ مجھے اسلام کے متعلق اکثر رسالے پہنچتے رہیں جنکا بھیجنا آپ مناسب سمجھیں...... مَیں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ کیوں صلح اطمینان اور آسایش زمین پر اسلام کی تعلیم پھیلنے سے نہ بڑھ جائیگی۔"

جعفر مارٹیمر۔ انگلستان

"مَیں آپ کی اس مہربانی کا بہت ہی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپنے ریویو آف ریلیجنز کی کاپیاں مجھے بھیجیں جنسے بہت ہی مفید اور نہایت دلچسپ تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اور مَیں نہایت خوش ہونگا اگر جیسا کہ آپنے لکھا ہے اسکی کاپیاں مجھے پہنچتی رہیں۔ مینے آپ کی چٹھی شیخ عبداللہ کولیم کو دکھائی تھی۔ جنھوں نے یہ تجویز کی کہ یہ رسالے اسلامی کتب خانہ میں محفوظ کیے جاویں۔ مَیں آپ کے دلایل کی سادگی کی نہایت ہی تعریف کرتا ہوں۔"

یحیی الناصر پارکنسن

"مَیں ریویو آف ریلیجنز کی کاپیوں کے لیے جو آپنے مہربانی کرکے بھیجی ہیں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں گذشتہ سال میں ریویو آف ریلیجنز کے پرچے میں لیوزک کی کمپنی سے لیتا رہا ہوں اور انکو پڑھ کر مَیں بہت ہی خوش ہوتا ہوں۔ آپ ایک نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ آپکو کامیابی ہو۔"

این سٹیفن۔ لورپول

"اول مَیں آپ کا شکریہ ریویو آف ریلیجنز کے نمبروں کے لیے کرتا ہوں جو آپنے مہربانی کرکے مجھے بھیجے ہیں۔ مینے انکو بڑی خوشی اور دلچسپی سے پڑھا ہے۔ اور ابھی پھر فرصت نکال کر دوبارہ غور سے ان کو پڑھوں گا۔"

رابرٹ سٹینلی - مانچسٹر

"مجھے آپ کا خط پہنچا لیکن ابھی تک رسالہ کا کوئی نمبر نہیں پہنچا۔ مجھے اس بات کے دیکھنے سے بہت خوشی ہوگی کہ اسلام اس ملک میں اور دوسرے ممالک میں بہت ترقی کرے کیونکہ یہ تمام مذاہب سے افضل ہے۔"

مس رجوے

"جنوری کا ریویو آف ریلیجنز مجھے پہنچا۔ مینے اسکی چند کاپیاں بعض دوستوں کو بھیجدی ہیں جنکو میں جانتی ہوں کہ وہ اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔ یہ ایک نئی چیز ہے کیونکہ اس سے انکا علم بڑھتا ہے جیسا کہ میرا علم بھی بڑھتا ہے۔ میں خوشی سے اسکو دوسروں تک پہنچاتی ہوں۔ میں امید کرتی ہوں کہ خدا آپکے اس نیک کام میں برکت دیگا۔"

"میں ریویو آف ریلیجنز کو بہت دلچسپی سے پڑھتی ہوں۔ غلامی پر جو مضامین آپ نے لکھے ہیں انسے ان لوگونکی آنکھیں کھلتی ہیں جو اور قسم کے خیالات رکھتے ہیں اور تعدد ازدواج پر جو مضمون لکھے گئے ہیں وہ معقول ہیں۔"

اے ایچ میکبین - کانگڑہ ویلی

"مینے آپکے رسالے کو جسکا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے پڑھا۔ مجھے اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے اور مینے جسقدر ممکن تھا کوشش کرکے انگریزی زبان میں جسقدر کتابیں اسلام پر لکھی گئی ہیں (خواہ انکے مصنف مسلمان تھے یا غیر مسلمان) سب جمع کی ہیں اور اب اسلامی مذہب کا ایک خاصہ کتب خانہ میرے پاس جمع ہوگیا ہے۔ مگر اب تک مینے ایک بھی ایسی کتاب نہیں پڑھی جس میں اسلام کی حمایت اس قدر زور کے ساتھ کی گئی ہو جیسا آپ کے شاندار پرچے میں۔" "میں آپ کو اس قابل قدر پرچے کا ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہوں مینے اب تک کوئی ایسی کتاب یا پرچہ نہیں پڑھا جس میں اسلام کی حمایت اس زبردست اور طاقتور ہاتھ سے کی گئی ہو جیسے آپکے اس رسالہ میں کی جاتی ہے۔"

چند اخبارات کی رائے

کریسنٹ - لورپول "ریویو آف ریلیجنز کا پرچہ دلچسپ مضامین سے بھرا ہوا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے متعلق جو جاہل عیسائی الزام لگایا کرتے ہیں انکی تردید میں ایک نہایت فاضلانہ مضمون میں لکھا گیا ہے جس سے عمدہ مضمون آجتک ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ اور ہم پورے جوش کے ساتھ اس مضمون کی طرف اپنے ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔"

البیان - لکھنؤ "ریویو آف ریلیجنس ہی ایک ایسا پرچہ ہے جسکو خالص اسلامی پرچہ کہنا صحیح ہے۔ ہم نے اس کے کئی نمبر دیکھے اور ہم کو اس امر کے ظاہر کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ عربی میں المنار اور اردو میں ریویو آف ریلیجنس سے بہتر پرچے کسی زبان میں شایع نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں ایک ایسا رسالہ نکل رہا ہے جس کے زوردار مضامین پر علم و فضل کو ناز ہے۔ جہانتک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کا سواد اعظم اس رسالہ سے ناواقف ہے۔

جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ یہ رسالہ قادیان سے نکلتا ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی اس کے سرپرست ہیں"

وطن - لاہور۔ ہم احمدی احباب کے خاص معتقدات سے مخالف ہونیکے باوجود یہ لکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ یہ رسالہ بڑے پایہ کا رسالہ ہے اسکی تحقیقات اسلام کے متعلق ایسی ہی فلسفیانہ اور عمیق ہوتی ہیں جیسی کہ اس زمانہ میں درکار ہے"

ایک بزرگ کے خیالات "وطن" میں۔ ماہوار رسالہ ریویو آف ریلیجنس جو قادیان ضلع گورداسپور سے عرصہ ۴ سال سے ان اغراض سے شایع ہوتا ہے کہ جو شبہات لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسلام کی صداقت کے متعلق پیدا ہوتے ہیں وہ دور کیے جاویں اور جو اسلام کے اصول حقہ کے فلسفہ کو بیان کرنیکے ساتھ ہر ایک قسم کے اعتراضوں کا جو آجکل اسلام پر کیے جاتے ہیں۔ انکا دفعیہ اور ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے اصول باطلہ کی تردید کرتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ رسالہ انگریزی زبان میں ممالک غیر میں بھی اسلام کا چمکدار چہرہ دکھاتا ہے۔ امریکہ اور اسٹریلیا اور یورپ میں دو سال سے اسکی اشاعت ہو رہی تھی اور اب اس سال ۱۹۰۵ء سے جاپان میں بھی اسکی پچاس کاپیاں جانی شروع ہو گئی ہیں۔ اور ایک سو کاپی بھیجے جانیکا انتظام ہو رہا ہے ہر ایک مسلمان جو تبلیغ اسلام کے کام سے محبت رکھتا اور اُسکو اپنا جزو ایمان جانتا ہے اُسکا فرض ہونا چاہیے کہ ایسے رسالوں کی اشاعت خصوصاً اسکی انگریزی رسالوں کی جاپان اور دیگر عیسائی ممالک میں روانہ کیے جانیکے کام میں مدد دے"

المصلح - جادرہ۔ ریویو آف ریلیجنز۔ یہ اکبیس (بجائے چالیس کے غلطی سے لکھا گیا ہے) صفحے کا خوشخط رسالہ ہے جو مہینے کے مہینے عمدہ $\frac{20 \times 26}{8}$ کاغذ پر قادیان ضلع گورداسپور سے شایع ہوتا ہے۔ اسکے ایڈیٹر ایک نہایت لایق گریجوایٹ ہیں جنکا تعلق سلسلہ احمدیہ سے ہے۔ اگرچہ ہمارا کوئی تعلق اس سلسلہ سے نہیں پھر بھی انصاف ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ مذہب اسلام کے اصول و فروع سے جو فلسفیانہ بحث اس رسالہ میں ہوتی ہے وہ شاید ہی کسی اور اردو رسالہ میں ہوتی ہو"

چند غیر احمدی ہندوستانی معززین کی رائیں

مولوی محمد عبد الولی صاحب۔ لکھنؤ۔ "درحقیقت یہ رسالہ نہایت اعلیٰ درجہ کا علمی مجلہ ہے اور اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ ایسے علمی پرچے ہندوستان میں شایع ہوتے ہیں۔۔۔ جس تحقیقات سے مسئلہ طلاق کے متعلق بحث کی گئی ہے وہ تحقیقات کی آخری حد ہے" "میں ریویو آف ریلیجنز کو ہندوستان کے تمام رسالوں سے اعلیٰ و افضل سمجھتا ہوں"

میر ہدایت اللہ۔ اسسٹنٹ سرجن جہلم۔ "اس رسالہ کا ایک ورق بھی میں ایسا نہیں اُلٹتا جس سے اسلام کا جلال ظاہر نہ ہوتا ہو"

شیخ فرزند علی از راولپنڈی۔ "میں آپکے اسلام کی ان قیمتی خدمات کے لیے جو آپکا میگزین کر رہا ہے مبارکباد دیتا ہوں"

ایم حبیب احمد بی۔اے۔ مالیر کوٹلہ۔ "ان رسالوں کے مطالعہ سے ہر دلپر وہ روشنی پڑتی ہے جو اپنی حیثیت میں فدے اسلام میں بالکل نیا اور غیر معمولی چمکار رہے"

مولوی محمد اصغر صاحب مختار نواں شہر۔ "آپکے مضامین جو ریویو آف ریلیجنز میں پردہ طلاق اور غلامی کے بارہ میں شایع ہوئے ہیں واقعی نہایت ہی قابل قدر ہیں"

بیان حقیّت کتاب اللہ والنبوّۃ المحمدیّہ

(مرقومہ حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا

ہر ایک اہل بصیرت جانتا ہے کہ اس تیرہ سو (۱۳۰۰) برس ہجری کے ہر قرن میں کروڑوں آدمیوں کو بسبب تواتر اخبار کے اس امر کا علم بدیہی ہوگیا ہے کہ ایک شخص (مکرم صلعم) عربی نژاد بنام نامی محمد (صلعم) بنی اسمٰعیل میں سے شہر مکہ معظمہ میں مبعوث ہوئے۔ اور بڑے زور و شور سے انہوں نے دعوائے رسالت اور نبوت کیا اور اوس کے ساتھ فتوحات عظیمہ کے حصول کی اپنے لیے پیشین گوئیاں بیان فرمائیں اور مخالفین کے لیے شکست فاش کا ہونا اپنی پیشین گوئیوں میں ظاہر کیا چنانچہ وہ سب پیشین گوئیاں آپ کی ایک قلیل مدت حیات ۲۳ سالہ میں ہی اس طرح واقع ہوئیں کہ جس کی نظیر ابتدائی خلقت آدمؑ سے اسوقت تک نہیں ملتی اور بعد آپکے صدہا پیشین گوئیاں ہر ایک قرن میں واقع ہوتی رہیں اور ابتک واقع ہو رہی ہیں جن کا بیان کتب معتبرہ حدیث و سیر میں موجود ہے۔ اور نیز یہ بات بھی ہر ایک دانشمند جانتا ہے کہ اوس کی دہن مبارک سے وہ کلام برآمد ہوا جس کے معارضہ سے بڑے بڑے فصیح و بلیغ اور عرب عربا عاجز رہے باوجودیکہ اوس کی طرف سے پُرزور الفاظ غیرت دہ میں تحدی بھی واقع ہوئی تھی اور معارضہ و مقابلہ کے لیے بسبب شدت مخالفت مخالفین کے اسباب اور دواعی بھی کثرت سے موجود تھے مگر تاہم مخالفین اُس کلام کا معارضہ نہ کرسکے بلکہ اوس کلام کی عظمت حلاوت اور طلاوت یعنی حُسن و خوبی کے قایل رہے حتیٰ کہ اُسکو سحر بھی کہا گیا پھر وہ کلام ابتک بتمامہ و بعینہٖ موجود ہے صدق اللہ تعالےٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ یعنی سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بیشک ہم نے ہی اوتارا ہے اس نصیحت نامہ کو اور بے شک ہم ہی ہمیشہ اوس کی حفاظت کرنیوالے ہیں اس پیشین گوئی کا ہم کو مشاہدہ ہو رہا ہے کہ قرناً بعد قرن الیٰ یومنا ہذا لاکھوں آدمی اوس کلام کے حافظ ہوتے رہے اور ابتک موجود ہیں۔ اور جبکہ یہ دونوں امر بتواتر ثابت ہیں تو اوسکا علم بھی بدیہیات میں سے ہوگیا جیسا کہ ہم کو بتواتر معلوم ہوگیا ہے کہ ایک شخص نوشیرواں اور حاتم طو وغیرہ وغیرہ زمانہ ماضی میں گذرے ہیں تو اون کے وجود کا علم کہ یہ لوگ زمانہ ماضی میں ہوگذرے ہیں ضروریات سے ہوگیا ہے باوجودیکہ ہمنے اونکو دیکھا نہیں۔ بس اسی طرح پر دعوٰئے رسالت محمدؐ عربی بنی اسمٰعیلی کا علم ہر ایک ملک کے لوگوں کو بدیہی ہے۔ اگرچہ صرف یہی بیان مجمل اگر مفصل کیا جاوے تو اثبات صداقت کیلیے ایک دلیل روشن ہے مگر واسطے وضاحت کامل کے اب اس دعوٰئے رسالت کے اثبات حقیت کے لیے اتماماً للحجۃ ایک نظر ثانی بھی کرتے ہیں تاکہ صداقت اس دعوے کی ہر ایک اہل بصیرت پر بخوبی واضح ہوجاوے بیان اوسکا یہ ہے کہ جب ہم بیبل پر نظر کرتے ہیں تو تمام انبیاء کا اجماع ایسے نبی عظیم الشان کی تصدیق کے لیے موجود پاتے ہیں بلکہ حواریین حضرت عیسیٰؑ کو بھی ایسے نبی آخر الزمان کے لیے منتظر پاتے

ہیں باوجودیکہ کتب مقدسہ میں بسبب کثرت تراجم مختلفہ اور حوادث ازمنہ کے بہت سے تغیرات بھی واقع ہوگئے ہیں مگر تاہم وہ بشارات محمدیہ وصفات احمدیہ کتب مقدسہ میں ابتک موجود ہیں پس اگر اون بشارات اور صفات کا مصداق اس نبی عظیم الشان کو نہ مانا جاویگا تو تمام کتب مقدسہ اور جملہ انبیائے ماضیین کی تکذیب لازم آویگی علاوہ یہ کہ اس نبی کی تصدیق کے ساتھ ہی تصدیق مسیح موعود کی بھی ضروری ہوویگی۔ و لنعم ما قیل ؎
نام احمد نام جملہ انبیا است ✦ چوں بیامد صد نود ہم پیش ماست ✦ اگر کہا جاوے کہ ممکن ہے کہ اون بشارات اور صفات کے مصداق حضرت عیسی بنی اسرائیلی ہوویں تو کہا جاویگا کہ پھر حضرت عیسیٰ اوس نبی کے منتظر کیوں ہے اور حواریین کو اوس نبی کا انتظار کیوں رہا دیکھو عہد جدید کو کما سیاتی اور پھر حواریین نے اوس نبی کے زمانہ بعثت کو زمانہ مابین رفع ونزول عیسیٰ کا کیوں قرار دیا چنانچہ ہم یہاں پر چند درس بیبل سے تحریر کرتے ہیں جن سے بخوبی واضح ہوگا کہ مصداق اون بشارات کے حضرت عیسیٰ تو ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتے پس اب دیکھو کتاب اعمال باب ۳ کو (۱۷) اے بھائیو میں جانتا ہوں کہ تم نے اور تمھارے سرداروں نے بھی نادانی سے یہ کیا ✦ (۱۸) پر خدا نے جو کچھ اپنے سارے نبیوں کی معرفت آگے سے کہا تھا کہ مسیح دُکھ پاویگا اس طرح پورا کیا (۱۹) پس تم اپنے گناہ معاف ہونے کے لیے توبہ کرو اور دل کو پھیر لو تو خدا کے حضور سے تسلی ملنے کے دن آویں (۲۰) اور وہ اوس یسوع مسیح کو جسکی خبر آگے سے تمھیں دی گئی ہے بھیجے گا (۲۱) کہ جب تک سب باتیں جو خدا نے اپنے سارے پاک نبیوں کی معرفت پہلے سے کہیں پوری نہ ہو جاویں اس کا آسمان پر رہنا ضروری ہے (۲۲) موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ اللہ جو تمھارا خدا ہے تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لیے میری مانند ایک نبی پیدا کریگا جو کچھ وہ تم سے کہے سب سنیو (۲۳) اور جو شخص کہ اوس نبی کی نہیں سنیگا اپنے لوگوں میں سے ہلاک ہو جاویگا (۲۴) اور سب نبیوں نے سموئیل سے لیکر اون تک جو اوس کے بعد ہیں جتنوں نے خبر دی ہے ان دنوں کی بھی خبر دی ہے (۲۵) تم اون نبیوں کی اولاد ہو اور جو وعدہ خدا نے ہمارے باپ دادوں سے کرکے ابراہیم سے کہا کہ تیری نسل کے سبب سے زمین کی ساری قوم بارز پاویگی تم اوس وعدہ کے لوگ ہو (۲۶) خدا نے اپنے یسوع کو اوٹھا کے پہلے تمھارے پاس بھیجا ہے کہ وہ تم میں سے ہر ایک کو اوس کی بدیوں سے پھرا کے برکت دے انتہیٰ نسخہ عربیہ ہولی بیبل مطبوعہ سنہ ۱۸۱۱ء فصل ثالث اعمال حواریین میں درس ۱۹ کی یہ عبارت لکھی ہے لکیما توافیکم اوقات الراحۃ النیاحۃ من وجہ الرب اور درس ۲۰ کی عبارت یوں ہے ویرسل الیکم یسوع المسیح المستعد للخلاص اور درس ۲۳ کے الفاظ اسی عربی نسخہ میں یہ ہیں وسیکون کل نفس لا تسمع لذلک النبی و تطیعہ تستاصل من شعبہا اور ترجمہ فارسی سنہ ۱۸۵۶ء درس ۲۶ کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ برائے شما اولاً خداوند خود عیسیٰ را برخیزانیدہ فرستاد تا شما را برکت دہد بہ برگردانیدن ہر یکے از شما از گناہاں خود۔ ان درسوں سے چند فوائد ہم کو حاصل ہوئے

ف ۱ تمام انبیاء اور مرسلین نے بتواتر اس نبی آخر الزمان کی بشارات کو بیان فرمایا ہے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کے حواریین بھی اس عظیم الشان نبی کے ایام تازگی بخش کے ۳۳ سنہ عیسوی میں منتظر رہے دیکھو فرنس کو ف ۲ انبیائے اغبیین زمانہ بعثت اس نبی آخر الزمان کا مابین رفع اور نزول عیسیٰ بن مریم کے بتلاتے رہے ہیں ف ۳ ترجمہ فارسی درس ۲۶ میں حضرت عیسیٰ کو بندۂ خدا لکھا ہے نہ ابن اللہ ف ۴ درس ۲۰ نسخہ عربی میں صفت مسیح ثانی کے کلام الٰہی میں المستعد للخلاص لکھی ہے یعنی پہلا مسیح تو ماخوذ اور گرفتار ہوا اور مسیح ثانی کے استعداد ہی میں سلامتی اور خلاصی ہے نہ ماخوذی اور گرفتاری ف ۵ مسیح اول کے ایام رونے یا نوحہ کرنیکے تھے اور مسیح ثانی کے ایام راحت اور آسایش کے ایام ہونگے ف ۶ وہ نبی جو مابین زمانہ رفع اور نزول عیسیٰ بن مریم کے مبعوث ہوگا اوس کی وہ شان ہوگی کہ اوسکے جملہ مخالفین ہلاک اور مستاصل ہوجاویں گے۔

ہم یہاں پر مناسب سمجھتے ہیں کہ جن درسوں کا حوالہ کتاب اعمال حواریین باب تین۳ میں حضرت موسیٰ سے نقل کیا گیا ہے وہ نسخہ عربیہ بیبل سے نقل کردیویں دیکھو کتاب استثنا فصل ثامن عشر۱۸ (۱۸) و اقیم نبیا لھم من بعض اخوتک مثلک القنہ کلامی فیخاطبھم بجمیع ما آمرہ بہ (۱۹) و ای انسان لم یقبل کلامی الذی یودیہ فانی اطلبہ - اب ہم اس چودھویں صدی ہجری میں چاہتے ہیں کہ تحقیق کریں کہ جو صفات اور بشارات اس نبی آخر الزمان اور نیز مسیح موعود کی تمام انبیائے ماضیین نے بتواتر بیان فرمائی تھیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں یا نہیں؟ بالضرور موجود ہیں۔ اب دیکھو اس نبی عظیم الشان کے کلام کی نسبت فرمایا گیا تھا کہ میں اپنا کلام اوس کے منہ میں ڈالوں گا آخر درس تک دیکھو وہ کلام اوس کے دہن مبارک میں ڈالا گیا اور پھر بڑے زور و شور سے اوس کے منجانب اللہ ہونیکی تحدی بھی کی گئی اور وہ تحدی بتواتر ابتک چلی آتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین یعنی اور اگر تم شک میں ہو اوس کلام موعود سے جو ہم نے اپنے بندہ پر اوتارا ہے تو ایک سورہ اوسی کی مثل بنالاؤ اور جو تمھارے گواہ اس مماثلت پر اللہ کے سوا ہوں اونکو بھی بلالو اگر تم سچے ہو پس اگر نہ کرسکے اور ہرگز نہ کرسکو گے تم تو ڈرو اوس آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو طیار کی گئی ہے منکروں کے لیے۔

اسی نبی موعود آخر الزمان کے لیے ان درسوں میں فرمایا گیا تھا کہ اوسکے مخالفین مواخذہ الٰہی میں ماخوذ ہونگے یا ہلاک اور مستاصل کیے جاویں گے سو یہ پیشین گوئی مندرجہ بیبل بھی کس زور و شور سے واقع ہوئی کما قال اللہ تعالیٰ۔ ما یجادل فی آیات اللہ الا الذین کفروا فلا یغررک تقلبھم فی البلاد۔ کذبت

قبلھم قوم نوح والاحزاب من بعدھم وھمت کل امۃ برسولھم لیاخذوہ وجادلوا بالباطل لیدحضوا بہ الحق فاخذتھم فکیف کان عقاب ۲۴ یعنی خداوند تعالیٰ کی آیات موعودہ نے جو اس نبی پر اوتاری گئیں ہیں وہی لوگ جھگڑا کرتے ہیں جن کی عادت وجبلت انکار کی ہے پس ان لوگوں کا عیش وآرام سے شہر در شہر سلپنا پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور اونکے بعد بہت سے گروہوں نے تکذیب رسل کی ہے اور ہر ایک گروہ نے اپنے رسول کی گرفتاری کرنیکا مضبوط ارادہ کیا ہے اور جھوٹی باتوں کو سند پکڑ کر جھگڑتے رہے ہیں تاکہ حق کو اوس باطل سے لڑکھڑا دیویں آخرکار ہم نے اونکو پکڑ لیا پس دیکھو کیسا میرا عذاب اونپر واقع ہوا یعنی اسی طرح پر اس رسول کے منکرین پر بھی عذاب واقع ہوگا۔ پس اب دیکھو کہ اس رسول کے مکذبین اور بڑے بڑے مخالفین کسطرح تباہ اور ہلاک ہوگئے اور مواخذہ الٰہی میں بموجب وعید ان در سوں کے پکڑے گئے اور قوم سے کاٹ دیے گئے جس کا ذکر قرآن مجید میں بہ تواتر متعدد جگہ مذکور فرمایا گیا ہے جیساکہ آگے بھی آتا ہے۔

اس۳ رسول عظیم الشان کے بارہ میں ان درسوں میں فرمایا گیا تھا کہ وہ مثیل موسیٰ ہوگا پھر دیکھو کہ کس عظمت اور شان کے ساتھ اس مماثلت کا دعویٰ مع ثبوت دیا گیا ہے کما قال اللہ تعالےٰ۔ انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا۔ فعصیٰ فرعون الرسول فاخذناہ اخذاً وبیلا ۲۹/۱۲ یعنی بے شک ہم نے تمھاری طرف محمد صلعم کو رسول کرکے بھیجا ہے جسطرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ کو پیغمبر بناکر بھیجا تھا سو فرعون نے اوس رسول کی نافرمانی کی تو اوسکو ہم نے بڑے وبال میں پکڑ لیا یعنی اسی طرح درصورت نافرمانی محمد رسول اللہ صلعم کے تم بھی سخت وبال میں پکڑے جاؤگے چنانچہ تمام مخالفین اور مکذبین اس رسول کے ہلاک اور تباہ ہوگئے دیکھو اون آیات قرآن مجید کو جو بہ تواتر حفاظ کے ذریعہ اونکا ہر ایک مضمون اس چودھویں صدی تک چلا آتا ہے۔ اوس۴ رسول مقبول صلعم کے بارہ میں ان درسوں میں فرمایا گیا تھا کہ تمام انبیاء اور اونکی اولاد اور متبعین سے اس رسول کے لیے عہد ومیثاق لیا گیا ہے کلام (۲۵) انتم ھم بنو الانبیاء واولاد العھد الذی عاھد اللہ بہ اٰباء نا۔ ترجمہ فارسی (۲۵) شما ہستید اولاد پیغمبران واز ابناء آن عہد یکہ خدا با جداد ما بست وقتیکہ با براہیم گفت الیٰ آخرہ۔ اب دیکھو اس عہد ومیثاق کا ثبوت قرآن مجید میں کس زور وشور سے موجود ہے کما قال اللہ تعالےٰ۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین فمن تولیٰ بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون ۳/۱۷ ترجمہ۔ اے پیغمبر اونکو وہ وقت یاد دلاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ جو ہم نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے (وہ اس لیے دی ہے کہ) پھر کسی قدر مدت کے بعد جو رسول معہود آوے کہ تصدیق کرنے والا ہو

اوس کتاب کی جو تمھارے پاس ہے تو ضرور تم ایمان لانا اور بالضرور اوسکی مدد کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور لیا تم نے اسپر میرا عہد بھاری عرض کیا اُنہوں نے کہ ہاں ہم اسکا اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ گواہ رہو تم اور مَیں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پس اگر اب بھی اس عہد و پیمان کے بعد کوئی منحرف ہووے تو وہی لوگ فی الحقیقت خارج ہیں دائرہ اہل کتاب اور فرمان رب سے۔ دیکھو اس آیت میں وہی عہد و میثاق جو اعمال حوارین باب تین کے درسون میں بحوالہ کتب سابقہ مذکور ہوا ہے کیسی تاکیدات کے ساتھ قرآن مجید میں بھی مذکور ہوا ہے کہ اول تو اوسکو لفظ میثاق کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا جو عہد موثق اور مستحکم کو کہتے ہیں اور کہیں اوسکو اصر فرمایا گیا جس میں ایک ثقل کے معنے بھی پائے جاتے ہیں یعنی ایک عہد و پیمان بھاری۔ اور پھر اوس میثاق کی اضافت طرف النبیین کے فرمائی گئی جو صیغہ جمع کا ہے اور اوسپر الف لام بھی موجود ہے جو واسطے استغراق کے آتا ہے یعنی یہ عہد تمام انبیا ــــــ سے لیا گیا ہے اور درسون مذکورہ میں بھی استغراق کی تصریح ہے اور چونکہ اصلی معنے فسق کے لغت عرب میں خروج کے ہیں چنانچہ مختار الصحاح میں لکھا ہے فسقت الرطبۃ ۔ خرجت عن قشرھا ۔ وفسق عن امر ربہ ای خرج تفسیر تبصیر الرحمٰن میں لکھا ہے فاولئك وان کانوا من اھل الکتاب ھم الفاسقون ای الخارجون عن دائرۃ اھلہ بالحقیقۃ فلا عبرۃ بشھادتھم ولا باخبارھم لہذا ترجمہ ہم نے اوسی کے بموجب کیا ہے اور درسون مذکورہ میں بھی مفہوم خروج لکھا ہوا اب تک موجود ہے دیکھو عربی نسخہ ۱۸۱۱ء میں تستاصل من شعبھا ہے۔ اور فارسی نسخہ ۱۸۵۶ء میں لکھا ہوا ہے۔ وہر نفسے کہ آن نبی را نشنود از قوم منقطع گردد۔ اور اردو نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء میں لکھا ہے۔ اور جو شخص کہ اوس نبی کی نہیں سنے گا اپنے لوگوں میں سے ہلاک ہو جاویگا۔

واضح ہو کہ اللہ تعالی کی شہادت جو آیات بالا میں فرمائی گئی ہے وہ شہادت اس طرح پر ثابت ہے کہ ہزاروں برس کی پیشین گوئی جو بیبل میں لکھی گئی تھی جسے اللہ تعالی نے اہل کتاب کو آیات مذکورہ میں یاد دلایا ہے باوجودیکہ صدہا تراجم بھی عہد عتیق اور عہد جدید کی السنہ مختلفہ میں ہو گئے ہیں اور حوادث ازمنہ سے صدہا آفات بھی بیبل پر ایسی واقع ہوئیں جس کے سبب سے وہ کتب ضایع اور تلف بھی ہو گئیں اور تحریفات سے بھی اُن کتابوں میں بہت سے تبدلات واقع ہوئی ہیں مگر تاہم بشارات محمدیہ و صفات حمیدہ احمدیہ نبی آخر الزمان کی جسکے ایمان لانیکی بابت اللہ تعالی نے تمام انبیا ــــــ سے عہد موثق لیا تھا وہ عہد و میثاق اون کتابوں میں اب تک موجود ہے اور اوسی ان آیات میں قرآن مجید اہل کتاب کو یاد دلارہا ہے۔ اس سے بڑھکر اللہ تعالی کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے اور پھر جو کچھ وعید مکذبین کے لیے اون درسون میں ارشاد فرمائے گئے تھے اور قرآن مجید میں فاولئك ھم الفاسقون کے ساتھ اوس وعید کو تعبیر فرمایا گیا تھا وہ وعید اوسی طرح واقع بھی ہو گیا۔ صدق اللہ

تعالیٰ وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ یعنی اونپر ذلت ومحتاجی لازم کردی گئی اور خداوند تعالیٰ کے غضب میں آگئے۔ اور نیز ان ورسون میں فرمایا گیا تھا کہ دوبارہ جو مسیح موعود آویگا وہ مستعد خلاص ہوگا اور جو اوقات نوحہ پہلے مسیح کے تھے وہ دوسرے مسیح کے زمانہ بعثت میں اوقات راحت کے ساتھ مبدل کیے جاویں گے۔ اب اس تبدل کو ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ اولاً دیکھو اس قرن میں کیسے کیسے سامان اور اسباب راحت کے گورنمنٹ کی طرف سے دنیا میں پیدا ہوگئے ہیں جن کی نظیر پہلے زمانوں کی کسی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ صرف[1] ایک سواری ریلوے ہی پر نظر کرو جس کے مقابلہ میں جملہ سواریاں متروک ہوگئیں صدق اللہ تعالیٰ واذا العشار عطلت پھر دیکھو کہ ولیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیہا کلام نبوی میں اس کی تفسیر ہے تمام[2] دنیا بسبب موجود ہوجانے ٹیلیگرام کے ایک شہر کا حکم رکھتی ہے اس میں کسقدر راحت اور آسایش ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ۔ واذا النفوس زوجت۔ پھر[3] نظر کرو کہ جو گھاٹیاں پہاڑوں کی ایسی دشوار گذار تھیں کہ اون میں کسی بشر جری وقوی الاعضا کا بھی گذر ممکن وقوعی نہ تھا وہ اب ایسا سہل العبور ہوگیا ہے کہ ایک طفل صغیر اور شیخ فانی بھی بڑی راحت اور آسایش کے ساتھ چند منٹ میں اون گھاٹیوں میں سے گذر جاتا ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ۔ واذا الجبال سیرت۔ ترجمہ۔ اور یاد کرو اوسوقت کو جب پہاڑ چلائے جاویں گے۔ سفر[4] بحری پر نظر کرو اور تمام بڑے بڑے دریاؤں کے پلوں پر بھی نظر ڈالو کہ کس سرعت اور راحت کے ساتھ اونپر سے ہر ایک صغیر وکبیر کا مرور ہوجاتا ہے تمام دریا پلوں کے ذریعہ سے پاٹ دیے گئے ہیں اور سمندر بھی دخانی جہازوں سے گویا پٹے ہوئے نظر آتی ہیں۔ صدق اللہ تعالیٰ واذا البحار سجرت یعنی یاد کرو اوسوقت کو کہ دریا پاٹ دیے جاویں گے۔ مختار الصحاح میں لکھا ہے وسجّر النھر ملاہٗ (پاٹ دیا نہر کو) ومنہ البحر المسجور وغیرہ وغیرہ اور[5] اس سے بڑھکر دنیا میں اور کیا راحت اور آسایش ہوسکتی ہے جو نمونہ جنت کا ہے کہ تمام دنیا کی ہر ایک شئے ہر ایک جگہ پر ہر ایک شخص طلب کرسکتا ہے یہ کیسی عظیم الشان آسایش اور راحت ہے۔ پھر[6] غور کرو نہروں کے جاری ہونے میں جو بڑی کثرت کے ساتھ اس زمانہ میں جاری ہوگئی ہیں تمام مخلوق پرند چرند اور انسانوں کو کسقدر راحت اور آسایش اونسے حاصل ہے جو پہلے کسی زمانہ میں حاصل نہیں ہوئی تھی صدق اللہ تعالیٰ واذا البحار فجرت یعنی جب دریا چیرے جاویں گے۔

اور پھر دوسری صفت مسیح موعود کی نسبت جو ان ورسون میں المستعد للخلاص یعنی وہ دوسرا مسیح جسکی استعداد اور فطرت ہی میں خلاص اور بریت ہے، لکھی ہوئی ہے وہ کیسی اسپر صادق ہورہی ہے دیکھو مخالفین کی طرف سے جو مقدمات فوجداری اور دیوانی اوسپر دائر کیے گئے پھر مخالفین نے جان توڑ کوششیں کیں کہ یہ مدعی مسیحیت کا ماخوذ ہوکر گرفتار ہوجاوے قتل کیا جاوے سولی پر چڑھا دیا جاوے لیکن اوس کی بریت اور خلاصی

ہر ایک مقدمات مذکورہ میں ہوتی رہی اور اُلٹے مخالفین ہی ذلیل ہوئے خوار ہوئے اور سزایاب بھی ہوئے دیکھو کتاب البریۃ وغیرہ وغیرہ کو۔ جس سے تمکو کالشمس فی نصف النہار ثابت ہوجاوے کہ یہ وہی مسیح موعود ہے جسکی صفت بطور پیشین گوئی کتاب اعمال حواریین باب ۳ میں ویرسل الیکم یسوع المسیح المستعد للخلاص (ترجمہ۔ اور بھیجے تمہاری طرف یسوع مسیح کو وہ مسیح جس کے استعداد میں خلاص اور بریت ہے) لکھی گئی ہے پھر یہ پیشین گوئی اب تک موجود بھی ہے۔ اور پھر نظر ثانی کرو اون صدہا الہامات پر جن میں پیشتر سے اس مسیح موعود کو اپنی بریت اور خلاص کی خبر دی گئی ہے اور اپنے اپنے وقت پر وہ بریت اور خلاص اوسی طرح پر واقع ہوئی جس طرح سے کہ صدہا الہامات میں خبر دیگئی تھی۔ اگر یہ مسیح موعود سچا مدعی نہیں اور مصداق اوس پیشین گوئی مندرجہ کتاب اعمال باب ۳ کا نہیں تھا جس میں المستعد للخلاص لکھا ہوا ہے تو پھر اوس کو یہ الہامات بریت اور خلاص کے کیوں ہوئے اور پھر وہ صادق و مصدوق ہوکر کیوں پورے ہوگئے۔ صدق المسیح الموعود فی الہاماتہ ولنحیینک حیوۃ طیبۃ۔ و ینصرک اللہ فی مواطن وغیرہ وغیرہ من الالہامات الکثیرۃ۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ درصورت عدم صدق دعوئ آنحضرت صلعم کے موافق درسوں اخیر باب اٹھارہ[۱۸] اوس کتاب استثنا کے ضروری تھا کہ یہ فتوحات عظیمہ تمام علوم ضروریہ کی اور نیز فتوحات ملکوں کی کیونکر حاصل ہوسکتی تھیں کیونکہ اون درسون میں جھوٹے مدعی نبوۃ کا ہلاک اور تباہ ہونا بھی لکھا ہوا ہے۔ علی ہذا القیاس درصورت عدم صدق دعوئ مسیح موعود کے یہ کامیابی اور فتح عظیم حقائق اور معارف قرآنی کی اوسکو کیونکر حاصل ہوسکتی تھی صدق اللہ تعالیٰ ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین یعنی اور اگر یہ پیغمبر ہمارے اوپر بعض اقوال جھوٹے منسوب کرتا تو ہم اوس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اوس کی شہ رگ کو کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی شخص اوس سے ہم کو روک نہ سکتا چنانچہ مدعیان کاذب اور نیز مخالفین کی نسبت بموجب حکم تورات اور قرآن مجید کے ایسا ہی کچھ واقع ہوا مسیلمہ کذاب وغیرہ وغیرہ ہلاک اور تباہ کیے گئے۔ علی ہذا القیاس زمانہ مسیح موعود میں بھی مدعیان کاذب یا مخالفین ہلاک اور تباہ ہوئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں دیکھو لیکھرام دیانند اندرمن چراغ دین غلام دستگیر وغیرہ وغیرہ کو۔ اور ستر اس میں یہی ہے کہ جو مکذب ماموز من اللہ کی کارروائی کو روکنا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرتا ہے پھر وہ کیونکر اوس کارروائی (مراد الٰہی) کو روک سکے۔ واللہ غالب علیٰ امرہٖ و فعّال لما یرید۔ اور جو جھوٹا مدعی ہوگا اوس پر علوم الٰہی کیونکر منکشف ہوسکتے ہیں وہ تو فنون شیطانی کا مخزن اور ضال اور مضل ہوگا لہٰذا اوسکا ہلاک اور تباہ نہ ہونا منافی حکمت الٰہی کے ہے جس سے صادق اور کاذب کی تمیز میں امن جاتا رہیگا۔

اب ہم سوائے اہل کتاب کے جنپر بخوبی اتمام حجت ہوچکا آریوں وغیرہ کو بھی مخاطب کرکے سوال کرتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی

ہزاروں برس کی جو تمام انبیا نے بہ تواتر بیان فرمائی تھی اور اہل کتاب میں بہ تواتر منقول ہوتی چلی آتی تھی حتیٰ کہ ابتک موجود ہے اور پھر اوس پیشین گوئی کا پورا ہونا بھی باکمل وجہ تواتر تحریر ہذا میں اس قرن تک ناظرین کو مشاہدہ کرادیا لہذا اہل الرائے سے استفسار ہے کہ اب منکرین کو حقیقت کتاب اللہ اور نبوۃ محمدیہ کی تصدیق نہ کرنے میں کونسا عذر باقی ہے لانہ ثبت المدعا بالبرھان الجلی فاین المفر للعاقل والذکی +

دلیل نمبر دوم۔ یہ استدلال فقط نام سورہ فاتحہ سے کیا گیا ہے جس سے کتاب اللہ شروع کی گئی ہے اور مکی حالت میں اوس کا نزول ہوا ہے۔ لفظ فاتحہ مصدر ہے بمعنی فتح کے جیسا کہ لیس لوقعتہا کاذبہ میں کاذبہ بمعنی کذب کے ہے یہاں پر یہ مصدر بمعنی مفعول کے ہے جیسا کہ خلق بمعنی مخلوق کے یعنی مفتوحٌ منہ الکتاب یعنی وہ سورہ جس سے قرآن مجید شروع کیا گیا ہے چنانچہ قطر المحیط اتقان اور تفسیر کبیر وغیرہ میں لکھا ہے فاتحۃ الشئ اولہ الذی یفتتح بہ ما بعدہ ومنہ فاتحۃ الکتاب اس سورہ کا خاص ذکر کتب بیبل میں موجود ہے دیکھو عربی انجیل سنہ ۱۸۱۱ء ورایت ملکاً اخر قویاً نازلاً من السمآء قد التحف بسحابۃ وکانت دائرۃ علیٰ راسہ وکان وجہہ کالشمس ورجلاہ کانتا کاعمدۃ من نار* وقد مسکَ بیدہ مصحفا مفتوحا وجعل رجلہ الیمنیٰ علی البحر ورجلہ الیسریٰ علی الارض* وصاح بصوت عظیم کالاسد یزئر فعند ما صاح تکلمت الرعود السبعۃ باصواتہا* فلما تکلمت السبعۃ رعود اردتُ ان اکتب فسمعت صوتا من السمآء یقول اختم ما تکلمت السبعۃ رعود ولا تکتبہ* والملک الذی رأیتہ قائما علی البحر وعلی الارض رفع یدہ الیمنیٰ الی السمآء* واقسم بالحي الی ادھار الادھار الذی خلق السمآء وما فیہا والارض وما علیہا والبحر وما فیہ انہ لا یکون زمان من بعد* ولاکن فی الایام التی یصوت فیہا الملک السابع بالبوق السابع یتم سر اللہ الذی بشرت بہ عبیدہ الانبیاء نسخہ عربیہ سنہ ۱۸۱۱ء فصل ۱۰ شرویۃ یوحنا ترجمہ اسکا فارسی انجیل سے یہ ہے۔ (۱) و فرشتہ تنومند دیگر را دیدم کہ از آسمان نازل مے شد پوشیدہ بود با برے و قوس قزح بر سرش و صورتش چوں آفتاب و پایہائش چوں ستونہائے آتش مے بود (۲) و داشت در دست خود کتاب کوچک کشادہ و نہاد پائے راست خود را بر دریا و چپش را بر زمین (۳) و بآواز بلندی چوں غرش شیر فریاد نمود و چوں فریاد نمود ہفت رعد صداہائے خود را دادند (۴) و چوں آں ہفت رعد صداہائے خود را دادند من در ارادہ نوشتن بودم کہ آوازے را از آسمان شنیدم کہ مرا گفت بر آنچہ آں ہفت رعد گفتند

مہرکن وآں رامنویس (۵) و دیدم آں فرشتہ راکہ بر دریا و زمین استادہ بود کہ دست خود را بآسمان بلند نمود۔ (۶) و سوگند یاد کرد کہ بآنکس کہ تا ابدالآباد زندہ است و آسمان و ما فیش و زمین و ما فیش و دریا و ما فیش را آفرید کہ دیگر زمان نخواہد بود۔ (۷) بلکہ در ایام فرشتہ ہفتم ہنگامیکہ صور دمد سر خدا بغایت خواہد انجامید چنانچہ بہ بندگان خود پیغمبران خبر دادہ است۔ نسخہ فارسی عہد جدید جو ۱۸۷۸ء کا مطبوعہ ہے۔ اور ترجمہ اردو یہ ہے۔ (۱) میں نے اور ایک روز اور فرشتہ کو آسمان سے اوترتے دیکھا جو بادل پہنے ہوئے ہے اور اوس کے سر پر قوس قزح اور اوسکا چہرہ سورج کی مانند اور اوس کے پاؤں آگ کے ستون کی مانند تھے۔ (۲) اوس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی کھلی ہوئی کتاب تھی اور اوس نے اپنا داہنا پانو سمندر پہ اور بایاں پانو زمین پر دھرا (۳) اور آواز بلند سے جس طرح شیر گرجتا ہی پکارا تب سات بادل گرجے۔ (۴) جب سات بادل گرج چکے میں لکھنے پر تھا اور میں نے آسمان سے ایک آواز یہ کہتے ہوئے سنی کہ ان باتوں پر جنہیں سات رعدوں نے بیان کیا مہر کر اور مت لکھ (۵) تب اوس فرشتہ نے جسے میں نے سمندر اور زمین پر کھڑے دیکھا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا (۶) اور اوس کی جو ہمیشہ زندہ ہے اور جس نے آسمان کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے اور زمین کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے اور سمندر کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے پیدا کیا قسم کرکے کہا کہ ابتک زمانہ نہیں ہے (۷) بلکہ ساتویں فرشتہ کی آواز کے وقت جبکہ وہ پھونکنے پر ہوگا خدا کا راز جیسا کہ اوس نے اپنے نبیوں کو ظاہر کیا پورا ہوگا انتہی عہد جدید مطبوعہ ۱۸۷۸ء اور اسکے حاشیہ سے ثابت ہے کہ یہ مکاشفات ۱۸۹۶ سنہ عیسوی کے ہیں اب ہم اس مکاشفہ کی شرح بطور تعبیر کے لکھتے ہیں۔ ورس اول میں لکھا ہوا ہے کہ وہ فرشتہ جو آسمان سے مکاشفہ یوحنا میں اوترتے ہوئے دکھائی دیا بڑا قوی اور تیز مند تھا یہی صفت اوس فرشتہ کی ہے یعنی حضرت جبریل کی جو قرآن مجید میں بھی لکھی ہوئی ہے کما قال اللہ تعالےٰ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ علمہ شدید القویٰ ذو مرۃ یعنی وہ نہیں بولتا اپنی خواہش سے وہ کلام اوسکا تو وحی ہی ہے جو اوسکی طرف بھیجی جاتی ہے تعلیم کیا ہے اوسکو اوس فرشتہ نے جو سخت قوتوں والا ہے باعتبار جسم کے اور صاحب طاقت روحانی کا ہے بلحاظ عقل اور روحانیت کے۔ اور یہی مضمون ورس مذکور میں موجود ہے کہ اوسکا چہرہ سورج کی مانند تھا یعنی قوائے روحانی اوس کے جو اعلیٰ درجہ میں ہیں نہایت درجہ پر روشن تھے اور اوس کے پانو آگ کے ستونوں کی مانند تھے یعنی قوائے جسمانی اوس کے جو اسفل میں ہیں بہت قوی تھے۔ اور ورس دوم کا مضمون بھی سورہ فاتحہ پر صادق آتا ہے کیونکہ مصحف عربی میں کتاب کے ایک حصہ کو کہتے ہیں جسکو کراسہ بھی کہا جاتا ہے اور سورہ فاتحہ کتاب اللہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی ہے اس لیے عربی نسخہ بیبل میں مصحفا مفتوحا اوسکی نسبت لکھا ہوا موجود ہے یعنی وہ مصحف جس سے کتاب اللہ شروع کی گئی ہے اور یہی معنے فاتحۃ الکتاب کے ہیں اور چونکہ اس سورہ کا نزول واسطے اصلاح

بحروبر کے ہوا ہے لہذا داہنا پیر اوس فرشتہ کا سمندر میں اور بایاں پیر اوسکا خشکی پر مکاشفہ میں منکشف ہوا۔ اور درس سوم کا مضمون بھی سورۃ فاتحہ پر بخوبی صادق آتا ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کا نزول جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم فرمایا ہے ایک بڑی شان جلالی کے ساتھ ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ انا سنلقی علیک قولا ثقیلا یعنی بے شک ہم اوتارتے رہے تم پر کلام بھاری ایضاً ولو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرأیته خاشعا متصدعا من خشیة الله اور اگر اوتارتے ہم قرآن کو کسی پہاڑ پر تو تم دیکھتے اوسکو خوف سے جھکا ہوا اور پھٹا ہوا۔ اور اس لیے احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم کو وقت نزول وحی کے کیفیات شاقہ پیدا ہو جاتی تھیں۔ اور جو درس چار وغیرہ تا آخر میں لکھا ہوا ہے وہ بھی سورہ فاتحہ کی نسبت خود قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ یہ سورہ ہم نے بے شک تجھی کو عطا فرمائی ہے یعنی نہ اور کسی نبی کو۔ کما قال اللہ تعالیٰ ولقد اتیناك سبعا من المثانی والقرآن العظیم اور ظاہر ہے کہ سورہ فاتحہ کی سات ہی آیتیں ہیں جیساکہ اس آیت کی تفسیر میں احادیث اصح الصحاح سے ثابت ہے کہ سبع مثانی سورہ فاتحہ ہی ہے اور ان درسوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سات ہی بادلوں نے گرج کر سات کلام بیان کیے اور رعد ہائے ہفتگانہ نے بڑے زور شور سے اونکو تلاوت کیا اور نیز بڑے شد و مد سے فرشتہ آسمانی ذی اسباب نے قسم کھائی کہ ابھی تک اس مصحف مفتوح کے نزول کا وقت نہیں آیا اس لیے اوسکو نہ لکھنے کے لیے اور اوسپر مہر کرنے کے لیے یعنی مخفی رکھنے کے لیے سخت تاکید کی۔

اب ہم نظر ثانی کرتے ہیں کہ ان ساتوں آیتوں کا مضمون آنحضرت صلعم کے زمانہ بعثت میں واقع ہوا یا نہیں اگر واقع ہوا ہے تو بالضرور یہ مصحف مفتوح آپ کو دیا گیا ہے و الا فلا۔ ہر ایک اہل بصیرت کو بہ تواتر یہ بات معلوم ہے کہ مکی حالت میں آنحضرت صلعم فداہ ابی و امی مشرکین اور مخالفین کی طرف سے بظاہر بہت ستائے گئے اور جو کوئی اسلام میں داخل ہوا اوسپر مخالفین کی طرف سے طرح طرح سے اوس حالت میں ظلم کیے گئے حتّیٰ کہ خود آنحضرت صلعم کے بارہ میں قتل کے منصوبے تجویز ہوئے اور بالآخر آپ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ ہاں حالت مدنی میں آغاز فتح بدر سے فتوحات عظیمہ حاصل ہونی شروع ہوئیں پس اب ہم کہتے ہیں کہ یہ سورہ فاتحہ جو اوایل میں آپ کو عطا ہوئی ہے جیساکہ اتقان اور تفسیر کبیر وغیرہ میں لکھا ہوا ہے اوس نام فاتحہ میں ایک بشارت یہ دی گئی کہ اگرچہ تم کو تبلیغ ما انزل اور دین اسلام میں تکالیف اور مصایب بھی پیش آویں گے لیکن اوسکے ساتھ ہی خزائن علوم کے برکات اور خزائن ملکی کی فتوحات عظیمہ بھی تمکو حاصل ہوں گی جیساکہ واقع ہوا جسکا علم بہ تواتر ہمکو حاصل ہو چکا ہے۔ اب دیکھو بسم اللہ میں جو تین اسماء اللہ رحمٰن اور رحیم ہیں اونمیں حسب ذیل بشارات ہیں اسم اللہ کا مشعر ہے اس طرف کہ علوم الٰہیات اور نیز اوسکے اسما کا علم جنکا شمار ہزاروں سے بڑھکر ہے اور جنپر تمام

علوم دینیہ کا دارومدار ہے تمکو حاصل ہوگا کما وقع دیکھو علوم مدونہ اہل اسلام کو۔ الرحمٰن اور الرحیم میں یہ
اشارہ ہے کہ حسب مقتضائے صفت رحمانیت اور رحیمیت کے نعمائے دین و دنیا کی تمکو عطا کیجاویں گی۔ اب
دیکھو کہ جو لوگ محض امی بکریوں کے چرانے والے تھے اونکو کیسی کیسی وہ نعمائے دنیا و دین کی عطا فرمائی گئیں جن سے
پہلی امتیں محروم رہیں تھیں اسی لیے الحمد للہ میں اون نعمتوں کے شکر کی طرف متوجہ کیا گیا رب العلمین میں
یہ اشارہ ہوا کہ حسب مقتضائے اپنی صفت ربوبیت عامہ کے آپکے وجود با جود کو تمام عالموں کی رحمت کے لیے دنیا میں
رسول کر کر بھیجا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وما ارسلناك الا رحمة للعلمين اب دیکھو اوسکی ربوبیت عامہ کے
تقاضے کو کہ جن دین اسلام کی تبلیغ کے لیے وہ رحمۃ للعالمین ایک چھوٹی سی بستی میں مبعوث ہوئے تھے اوّلاً اوسکے
آغاز پر نظر کرو کہ سوائے ایک یا دو آدمیوں کے تیسرا شخص کوئی نہیں تھا اور پھر جو بتدریج ترقی ہوتے ہوتے اس
درجہ کمال کو پہنچا اوسکو اس زمانہ مسیح موعود میں نظر کرو کہ اب کسقدر انسان دین اسلام میں موجود ہیں اور کیسی
کیسی برکات روحانی اور فیضان نورانی اوسمیں پائے جاتے ہیں جو کسی دوسرے مذہب میں تمام دنیا کے مذاہب میں سے
نہیں پائے جاتے دیکھو اس مسیح موعود اور مہدی معہود کو جو مصداق ہے اس شعر کا ؎

الیس اللہ بکاف عبدہٗ مرزا غلام احمد ✤ مسیح وقت و مہدی ہم مجدد بر سر اینصد۔

صدق اللہ تعالیٰ انا اعطیناك الكوثر الی قولہ تعالیٰ و ان شانئك هو الابتر مکرر الرحمٰن الرحیم میں
یہ بشارت ہے کہ تمام آفات مہلکہ سے آپ محفوظ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی صلوات ہمیشہ آپ پر اور آپکے متبعین پر
روز افزوں پہنچتی رہیں گی دیکھو کوئی بستی مشہور دنیا میں ایسی نہیں ہے کہ اوس میں نماز ہائے پنجگانہ اور دیگر
اوقات میں آپ پر صلوات نہ بھیجی جاتی ہوں صدق اللہ تعالیٰ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی
یایها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اور اوسکے تمام فرشتے
اوس نبی موعود پر جسپر سورہ فاتحہ نازل ہوئی ہے رحمت اور درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی سب ملکر
صلوٰۃ اور سلام اوسپر بھیجتے رہو مالك يوم الدين میں یہ اشارات پر بشارت ہیں کہ عالم معاد میں بھی
اللہ تعالیٰ حسب مقتضا اس صفت مالکیت کے آپکے متبعین اور پیرو ونکو جنات عدن میں داخل کریگا اور
مخالفین اشقیا کو درکات جحیم میں پہنچادیگا کیونکہ تمام اعتقادات صحیحہ اور اعمال صالحہ کا بیان مجمل اسی چھوٹی سی سورہ
فاتحہ میں موجود ہے جس کے علم اور عمل سے انسان جنات الفردوس حاصل کرسکتا ہے۔ ایاك نعبد میں یہ
اشارہ ہے کہ جملہ انواع عبادات کی خواہ جسمانی ہوں یا روحانی قلبی ہوں یا قالبی اون سب کا علم بواسطہ اس سورہ
فاتحہ کے تمکو دیا گیا ہے جسکی تفصیل قرآن عظیم میں موجود ہے ایاك نستعين میں یہ اشارہ ہے کہ چونکہ
اس طرز سے مدد کا مانگنا ہم نے ہی سورہ فاتحہ میں تمکو سکھایا ہے اس لیے ہماری اعانت بمقابلہ مخالفین کے ہمیشہ تمکو

پہنچتی رہے گی دیکھو اون متواتر اعانتوں الہیہ کو جو نبی کریم صلعم اور اُنکے متبعین خالصین کو زمانہ ماضی میں پہنچتی رہی ہیں اور ہمکو اوسکا علم بہ تواتر حاصل ہے اور اس قرن میں اوس اعانت الٰہی کو بذریعہ مسیح موعود ہم مشاہدہ کر رہے ہیں عیاناً چہ بیان - اھدنا الصراط المستقیم میں یہ اشارہ ہے کہ علوم ظاہری اور باطنی میں تمکو وہ سیدھا راستہ عنایت کیا جاوے گا کہ تمہارے استدلال ظاہری سے بھی تمام مخالفین عاجز رہیں گے اور تمہارے روحانی حربوں سے بھی بسبب مزید تصفیہ قلب کے تمام حکما اور فلاسفر مغلوب اور نیچے ہوجاوینگے کیونکہ خط مستقیم ہی تو باقی خطوط منحرفہ سے اقصر الخطوط ہوا کرتا ہے - اور صراط الذین انعمت علیھم میں یہ بشارت دیگئی ہے کہ تمہاری امت کو تمام مدارج انبیا اور مراتب اولیا کے وقتاً فوقتاً الیٰ یوم القیامہ مرحمت کرتے رہیں گے اس لیے کہ یہ سورہ فاتحہ جامع ہے تمام اعتقادات صحیحہ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کی جسکی تفسیر باقی قرآن مجید میں ہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں یہ اشارہ ہے کہ ماسوا تمہارے اور تمہارے متبعین کے جو لوگ سورہ فاتحہ کے مخالف ہیں وہ سب کفار اور فساق ہیں جنکے اعمال بھی فاسد ہیں اور اخلاق بھی ردی ہیں اور اعتقادات بھی باطل ہیں اور وہی مغضوب علیہم ہیں یا ضالین ہیں اگرچہ یہ جملہ امور جو مختصراً سورہ فاتحہ کے مضامین ہیں آنحضرت صلعم سے لیکر اس امت مرحومہ کے اولیا روحانی اور علمائے ربانی میں بہ تواتر منقول ہوتے چلے آئے ہیں مگر بایں خیال کہ کوئی شخص یہ کہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ - اس لیے ہم اپنے زمانہ میں بھی اسکا ثبوت کامل دیے دیتے ہیں تاکہ پورے طور پر اتمام حجت ہوجاوے جب راس صدی چہاردہم کو ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو اس امر کو موجود پاتے ہیں کہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب نے کتاب براہین احمدیہ کے صفحات ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۱ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ سورہ فاتحہ مع قرآن مجید اور اوسکی معارف اور حقایق اور خواص کے مجھکو عطا ہوئی ہے اور اس کی طرف تمام لوگوں کو دعوت بھی کرتے ہیں۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اونکے اس دعوے کی حقیقت پر نظر اور غور کریں تو بعد نظر اور غور کرنیکے اس دعوے کی حقیقت کو کالشمس فی النہار ہم ثابت پاتے ہیں کیونکہ واقعات اس مدت ۲۵ یا ۲۶ سال کو اونکے دعوے کی صداقت کے لیے شواہد قطعیہ دیکھتے ہیں اور چونکہ واقعات کا انکار نہیں ہوسکتا لہٰذا اونکا یہ دعویٰ ایک صداقت ثابت شدہ ہوگا - اب ہم ہر ہفت آیات سورہ فاتحہ کے مضامین پر نظر کرتے ہیں کہ وہ مضامین ہفت گانہ فاتحہ کے یہاں پر کیونکر واقع ہوئے - اوّل وہ زمانہ لوجہ نفخ صور بسم اللہ کا زمانہ ہے تو اس بعثت مسیح موعود کے اوائل زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اوس میں آغاز کتاب براہین احمدیہ کا ہوا تھا جس میں تمام واقعات آیندہ متعلق بعثت زمانہ مسیح موعود کی خبریں بطور پیشین گوئی کے مندرج تھیں جو اس تحریر کے وقت تک صدہا واقع ہوچکیں اور آیندہ ہوتی رہیں گی دیکھو کتاب تریاق القلوب وغیرہ کو - اور اسی اوائل زمانہ میں (۱۶۰۰)

اشتہارات تبلیغ حقیقت کتاب اللہ اور نبوۃ محمدیہ کے تمام دنیا میں بھی شایع کیے گئے جن سے ایک غلغلہ اور آوازہ حقیقت قرآن مجید اور نبوۃ محمدیہ کا تمام چاردانگ عالم میں پہنچ گیا اور جملہ ادیان باطلہ کا ایوان متزلزل ہو گیا کما قیل سے ۵ چو صیتش در افواہ دنیا فتاد + تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد - اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد تفاسیر متضمن حقایق و معارف سورہ فاتحہ کی عربی فارسی اردو میں متحدیانہ آپکے قلم سے نکلکر تمام دنیا میں شایع ہوئیں جنکے مقابلہ پر کوئی مخالف آجتک قادر نہیں ہو سکا پس اگر یہ اوائل زمانہ میں نفخ صور بسم اللہ کا اس مسیح موعود کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوا تھا تو یہ صدہا پیشین گوئیاں مندرجہ براہین احمدیہ کیوں واقع ہوئیں۔ اور پھر اشاعت (۱۶۰۰۰) اشتہار کی توفیق اوسکو کیونکر دی گئی۔ اور پھر اون تفاسیر متحدیانہ سورہ فاتحہ صرف اوسی کو قدرت کیوں دی گئی اور اوس کے مخالفین اون تفاسیر کے مقابلہ کرنے سے کیوں عاجز رہے باوجودیکہ بذریعہ اشاعت اشتہارات غیرت دہ کے اونکو غیرت بھی دلائی گئی تھی ان واقعات سے ثابت ہوا کہ یہی اوائل زمانہ یعنی راس صدی چہاردہم اس مسیح موعود کیلیے بسم اللہ کے نفخ صور کا زمانہ تھا جس میں حسب تقتضائے اسم ذات اللہ اور تقاضائے صفات رحمٰن و رحیم کے حقیقت کتاب اللہ اور نبوۃ محمدیہ کا غلغلہ تمام چاردانگ عالم میں ایسا برپا ہو گیا کہ اوسکی نظیر اس تیرہ صدی میں (بجز اوس نبی آخر الزمان کے جسکو اول بالذات یہ سورہ فاتحہ مرحمت ہوئی تھی) اور نہیں پائی جاتی۔ پھر ہم نظر کرتے ہیں کہ الحمد للہ رب العلمین کے نفخ صور کا زمانہ اس کے بعد آیا یا نہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ضرور آیا کیونکہ ہم نے مشاہدہ کر لیا کہ بعد دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود کے شایع ہونیکے ایک عالم یعنی تمام اہل مذاہب بیرونی و اندرونی دنیا بھر کے اوسکی مخالفت اور عداوت میں مستعد و کمربستہ ہو گئے اور اوس کے قتل اور ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ اونہوں نے فروگذاشت نہ کیا اور جس امر کے لیے اللہ تعالیٰ نے اوسکو مبعوث فرمایا تھا اوسکے روکنے کے لیے سب نے اجماع کر کے ہزاروں طرح کی تدابیر اور جان توڑ کوششیں کیں۔ مگر سب کے سب اپنے ان ارادوں میں نامراد اور ناکام رہ کر خود ہی ذلیل ہو گئے۔ مگر وہ مرد میدان کا اللہ تعالیٰ کی محامد اور صفات حمیدہ کو اور نیز اوس کے رسول آخر الزمان کی عظمت شان کو دنیا میں برابر شایع کرتا رہا اور مخالفین کی عداوتوں سے اوسکا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا پس اگر یہ مدعی آیت الحمد للہ رب العلمین کی تجلیات کا مورد کامل نہیں تھا تو ایسا کچھ کیوں واقع ہوا اور اسی زمانہ کا یہ مقتضا ہوا کہ آئینہ کمالات برکات الدعا۔ کرامات الصادقین وغیرہ وغیرہ جیسی کتابیں اوسکی طرف سے دنیا میں شایع ہوئیں۔ اور علاوہ اسپر یہ ہوا کہ اس زمانہ میں فتوحات عظیمہ کا دروازہ بھی کھلنا شروع ہو گیا۔ یہیں وجہ الرحمٰن الرحیم کی تجلیات مکرر نے اپنے ورود سے اوسکی صداقت کو اور ثابت کر دیا کہ بالضرور سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوسکو عطا کی گئی ہے۔ اسی کے بعد زمانہ مالک یوم الدین کا بطور نمونہ اور ظل کے

دنیا میں ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ اگر کل دار مدار وعد اور وعیدوں دین اسلام کا قیامت ہی پر رکھا جاوے تو پھر مابہ الامتیاز درمیان دین اسلام اور دیگر ادیان باطلہ کے کیا ہوگا اس لیے اس زمانہ وسط میں مکذبین تباہی اور ہلاکت کا آنا شروع ہوگیا دیکھو واقعات لیکھرام آتھم اور غلام دستگیر وغیرہ وغیرہ کو کہ کیونکر حسب الہامات شایع شدہ ہلاک اور تباہ ہوگئے اور موافقین مخلصین اپنے مراتب اخلاص اور عرفان کے موافق کامیاب اور بامراد ہوئے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مامور من اللہ کے زمانہ اوسط میں ایک نمونہ یوم الدین کا ضرور واقع ہوجاتا ہے تاکہ اوسکی صداقت ہر ایک اہل بصیرت پر واضح اور لائح ہوجاوے اور مخلصین میں اخلاص واسطے عبادت الٰہی کے ترقی کرے اور خاص اللہ تعالیٰ کی ہی جناب میں استعانت کرنے سے اونکو اعانت الٰہی پہنچے سو ایسا ہی واقع ہوا کہ اوس وقت میں ہزاروں بندگان خدا نے اوسکے ہاتھ پر شرک خاصہ نصاریٰ سے توبہ کی اور عبادت الٰہی کو شرک عیسوی سے خالص اور منزہ کیا والحمد بعد کہ بجائے ربنا المسیح کے (جسمیں نادان اہل اسلام بھی کسی قدر اونکے شریک حال ہوگئے ہیں) اب خالص ربنا اللّٰہ کا نعرہ ہر ایک مخلص کی زبان سے بلند ہوا اور یہی تجلی ہے ایاك نعبد وایاك نستعین کی جو جماعت احمدیہ میں ہر ایک شخص اہل بصیرت کو مشاہد ہو رہی ہے حتیٰ کہ عیسائی دجاجلہ ان تجلیات احمدیہ سے فرار کرنے لگے ہیں اس لیے اب کسی بڑے پادری دجال کی بھی مجال نہیں کہ کسی احمدی بھائی کا مناظرات میں مقابلہ کرسکے پس اگر اس تجلی ایاك نعبد وایاك نستعین کا یہ مسیح موعود مورد نہیں تھا تو پھر یہ دجاجلہ ہر ایک احمدی سے کیوں فرار کرنے لگے ہیں۔ اب دعا اھدنا الصراط المستقیم جو اس فاتحہ میں تعلیم فرمائی گئی ہے اوس میں سر یہ ہے کہ اولاً تو جب کوئی بادشاہ اپنی رعایا میں سے کسی کو کوئی درخواست اپنی طرف سے ارشاد فرماوے کہ ہمارے دربار میں اس قسم کی درخواست گذرا نو تو اس حکم کے نفاذ سے ہر ایک اہل بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ بادشاہ کو اوس مطلوب شے کا عطا کرنا مقصود ہے لا غیر۔ ثانیاً تمام انبیا اولیا اور حکما کا اس امر پر اجماع چلا آتا ہے کہ دعا میں بہت بڑی تاثیر ہے یہانتک کہ یہ مقولہ مشہورہ ہے کہ الدعاء لاستجلاب المطالب کالفکر لاستجلاب العلوم اس لیے اس دعا کے سکھانے سے ثابت ہوا کہ اس امت کے لیے اس زمانہ میں تمام امور دینیہ اور دنیویہ میں صراط مستقیم کا عطا فرمانا بذریعہ مسیح موعود ومہدی معہود جناب الٰہی کو منظور ہے کیونکہ تمام بحر و بر میں افراط و تفریط واقع ہو رہی ہے جیساکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ظھر الفساد فی البر والبحر ایضاً فرمایا وکذلك جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا پس اولاً و بالذات تو یہ صراط مستقیم اوس رسول کو عطا فرمایا گیا جسپر اولاً یہ سورہ نازل ہوئی اور اس زمانہ آخری میں وہ صراط مستقیم مسیح موعود کو عطا ہوا ہے

کہ وہ تمام اپنی تعلیمات میں افراط و تفریط کو ترک کر کر اوساط کو اختیار کر رہا ہے دیکھو اعتقادات الٰہیات کو۔ اوسکی کتابوں میں نہ تو وہ تعلیم ہے جس سے صفات الٰہیہ کی نفی ہوتی ہو اور نہ اس طرح پر اثبات صفات کا ہے جس سے تشبیہ جسمانی لازم آ دے نہ بالکل جبر ہے نہ بالکل تفویض ہے نہ نفی ہے کلام الٰہی کی جیساکہ مخالفین مکالمات الٰہیہ کی نفی کر رہے ہیں اور نہ اوس طرح پر اثبات ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے زبان اور موتہہ کا ہونا لازم آجاوے تعلیم اخلاق میں کیسی تہذیب فرما رہا ہے کہ لایعنی علوم اور فکرات سے قوت نظریہ کے بچانیکے لیے تعلیم فرماتا ہے اور نظر و فکر کو معطل کر دینے سے بھی بچاتا ہے قوت شہویہ کو اس طرح پر تہذیب فرما رہا ہے کہ لذات کے انہماک سے بھی روکتا ہے اور جس امر کی اجازت عقلاً و شرعاً ہووے اوس کے استعمال کے لیے تعلیم فرماتا ہے اور چونکہ اس زمانہ میں عموماً قوت غضبیہ میں بڑا افراط ہو رہا تھا جو موجب فساد اور نقص امن کا ہے اس لیے اوسکی تعلیم میں بموجب فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ کے اوس قوت کا بالکل فرو کر دینا پایا جاتا ہے جو مقتضا اوس کی صفت خاصہ یضع الحرب کا ہے کیونکہ قوت غضبیہ کی اصلاح بغیر اس تدبیر کے نہیں ہو سکتی تھی کہ العلاج بالضد مقولہ مشہورہ ہے۔ پس جبکہ اوسکی کتابوں میں ہر ایک امر کے لیے صراط مستقیم کی تعلیم پائی جاتی ہے تو اس سے بحکم دلیل انی کے ثابت ہوا کہ صراط مستقیم کی تجلیات کا وہی الفرو مورد ہے۔

اب واضح ہو کہ سورہ فاتحہ کی آخری آیت ہفتم یعنی صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تجلی کا مورد اگرچہ آنحضرت صلعم کا آخری زمانہ اولاً و بالذات تھا مگر چونکہ آپ خاتم النبیین (صلعم) ہیں اور آپکے زمانہ بعثت و نبوت کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے اس لیے واسطے اتمام حجت آخری زمانہ کے اور نیز اسلیے کہ اس آخری زمانہ میں شیطان اور باطل ہی بڑی قوت اور زور کے ساتھ حق اور اسلام کا مقابلہ کر رہا ہے اس آیت آخری سورہ فاتحہ کی تجلیات زمانہ مسیح موعود میں ہی بڑی زور و شور سے واقع ہونی لکھی ہوئی ہیں اور تمام انبیاء اس آخری زمانہ کے راز الٰہی کی خبر دیچکے ہیں جیساکہ ورس ہفتم میں لکھا ہوا ہے۔ ولاکن فی الایام التی یصوت فیہا الملک السابع بالبوق السابع یتم سر اللہ الذی بشرت بہ عبیدہ الانبیاء

ترجمہ اسکا اردو میں گذر چکا دیکھو ورس ۵ و ۶ و ۷ کو (۵) تب اوس فرشتہ نے جسے مینے سمندر اور زمین پر کھڑے دیکھا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا (۶) اور اوسکی جو ہمیشہ زندہ ہے اور جس نے آسمان کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے اور زمین کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے اور سمندر کو اور سب کچھ جو اوس میں ہے پیدا کیا قسم کر کے کہاکہ اب تک زمانہ نہیں ہے (۷) بلکہ ساتوین فرشتہ کی آواز کیوقت میں جب وہ پھونکنے پر ہوگا خدا کا راز جیسا اوس نے اپنے بندوں نبیوں کو ظاہر کیا پورا ہوگا انتہی

حاصل کلام یہ ہے کہ زمانہ مسیح موعود میں جو حقیقت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کے کمال ظہور کا زمانہ ہے فتح اسلام بڑے زور و شور سے واقع ہوگی جس کا غلغلہ آسمان تک بلند ہوگا اسی لیے فرشتہ نے آسمان کی بھی قسم کھائی اور کلام نبوت

میں اوسکی مطابق یوں واقع ہوا کہ لو کان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس اور اوسوقت تمام اطراف زمین میں آوازہ دین اسلام کا پہنچیگا اسی لیے فرشتہ نے زمین کی قسم کھائی اور سمندر بھی بسبب کثرت جہازہائے دخانی اور بادی کے اس صیت اور آوازہ سے خالی نہ رہیں گے اسی لیے سمندر کی بھی قسم کھاکر یاد دلایا اور مخالفین دین اسلام کے مغضوب اور ضالین کے مصداق ہوکر ہلاک اور تباہ یا ضایع ہوجاویں گے کما قال اللہ تعالیٰ لیظہرہ علی الدین کلہ اور اب واقعات بتلاتے ہیں کہ یہ زمانہ اب شروع ہوگیا ہے کیونکہ اب اون حوادث کا وقوع شروع ہے جو کبھی پہلے زمانوں میں مجموعی طور پر نہیں ہوا تھا دیکھو گیارہ برس سے طاعون تمام دنیا میں کس زور سے حملہ کر رہا ہے اور زلازل شدیدہ نے بہت سے ملکوں کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ جس طرح پر خسف ارض اس زمانہ میں واقع ہوئے ایسے خسف اس تیرہ سو سال میں کب واقع ہوئے تھے اور کسی مقام پر طوفان گردباد سے اور کہیں زمینی یا آسمانی آگ سے تباہی واقع ہوئی۔ پس ان واقعات نے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ زمانہ وہی ہے جس میں تجلیات انعمت علیہم کی مسیح موعود اور اوسکی جماعت کے لیے وارد ہو رہی ہیں۔ اور مغضوب علیہم اور ضالین کے مصداق اوسکے مخالفین ہیں اور یہ زمانہ تو صرف ایک قیامت کا نمونہ ہی ہے مگر قیامت میں تو اس کا پورا ظہور ہوگا کیا سچ فرمایا مسیح موعودؑ نے ؎ خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے ٭ جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے ٭ ثم اقول ؎ کہیں بھونچال ہوکر دشمنوں کے گھر گراتی ہے ٭ کبھی ہوکر وبا دہ صورتِ طاعون لاتی ہے ٭ قال المسیح الموعود علیہ السلام ؎ غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے ٭ بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے ٭ اور جیسا کہ ان درسوں سے ثابت ہوا کہ اوس مصحف مفتوح میں تمام علوم اولین اور آخرین کے بطور راز کے جمع کیے گئے ہیں اور انبیاء مجملاً اون کی خبر دیتے رہے ہیں اس لیے اہل اسلام میں بھی اس سورہ فاتحہ کا نام اُمّ الکتاب بھی ہے اتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے اخرج ابن ابی حاتم عن ابن سابط قال فی ام الکتاب کل شئ ھو کائن الیٰ یوم القیامۃ پس جبکہ واقعات زمانہ مسیح موعودؑ نے بموجب مکاشفات یوحنا باب دس کے صداقت دعویٰ مندرجہ براہین احمدیہ پر شہادت دے دی۔ فاین المفر للتکذیب والانکار فاعتبروا یا اولی الابصار۔ منتخب از احسن البیان فی براہین القرآن

یکم نومبر ۱۹۰۶ء

ایک نیا معترض نمبر ۲

سال گذشتہ میں خواجہ غلام الثقلین صاحب ایڈیٹر عصر جدید نے ایک مضمون سلسلہ احمدیہ کے خلاف بعنوان قادیانی تحریک شایع کیا تھا جسکے انہی دنوں میں تین جواب شایع کیے گئے تھے۔ ایک الحکم میں ایک بدر میں اور ایک اس رسالہ میں۔ انہیں سے آخری مضمون کا جواب اب خواجہ صاحب نے عصر جدید کے گذشتہ ستمبر کے پرچے میں بعنوان قادیانی تحریک نمبر ۲ شایع کیا ہے۔ مضمون اول میں خواجہ غلام الثقلین صاحب نے چار اصول سلسلہ احمدیہ کی صداقت کے پرکھنے کے لیے قائم کیے تھے یعنی عدل و انصاف۔ کفایت شعاری۔ سعی و محنت اور اتفاق قومی۔ میں نے انکی اس بحث کی غلطی کو ظاہر کر کے دکھایا تھا کہ یہ وہ اصول نہیں جو کلام ربانی میں حق اور باطل کے درمیان امتیازی نشانوں کے طور پر قائم کیے گئے ہوں۔ نہ ہی ان باتوں پر زور دیکر ہم کسی مفید نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ بلکہ امتیازی نشان سچے اور جھوٹے مدعیٔ نبوت میں وہ ہے جس کو قرآن کریم نے اس پختہ اور حتمی وعدہ کے رنگ میں بیان کیا ہے کہ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔ اب میری بحث کے حصہ اول پر خواجہ صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس سے اگر میں یہ قیاس کر لوں کہ انہوں نے اسے صحیح تسلیم کر لیا ہے تو شاید غلطی پر نہ ہوں۔ مگر بحث کے حصہ دوئم پر ایڈیٹر صاحب عصر جدید کو سخت اعتراض ہے مگر اس اعتراض کے کرنے میں خواجہ غلام الثقلین کے ہی الفاظ میں اگر میں یہ کہوں کہ ”یا تو حد درجہ کا دھوکہ دیا جاتا ہے یا انتہا درجہ کی سادہ لوحی برتی جاتی ہے“ تو خواجہ صاحب کے مہذب طرفدار مجھے معذور سمجھیں۔ خواجہ صاحب نے نہایت ناانصافی سے میری اصل بات کو بیان نہ کیا کیا اچھا ہوتا کہ وہ میری اصل بحث کو جو صرف تین ہی ورق ہے نقل کر کے اسپر رائے زنی کرتے تا انکے ناظرین کو صحیح طور پر موازنہ کرنیکا موقع ملتا کہ مباحثین میں سے کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ میری اس کل بحث کو خواجہ غلام الثقلین صاحب نے نہایت ظلم کر کے ان مختصر الفاظ میں پیش کیا ہے کہ ”وہ چلتی کا نام گاڑی“ اور پھر یہ فرض کر کے اسپر چند ایک اعتراض کیے ہیں میں خواجہ صاحب کی اس ناانصافی کو اور کسی طرح سے ظاہر نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ اسی مضمون کا ایک حصہ اسجگہ دوبارہ نقل کر دوں اور میں عصر جدید کے ایڈیٹر صاحب سے اس بات کی التجا کرتا ہوں کہ اس مضمون کو اپنے پرچے میں نقل کر کے اسکا جواب تحریر فرماویں تا انکے ناظرین کسی دھوکے میں نہ رہیں اگر انکو واقعی احقاق حق منظور ہے تو اس میں انکا کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ مضمون یہ ہے:

”اب چند سطروں میں میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت اور تائید کے کیا کیا وعدے کیے اور کیونکر وہ وعدے پورے ہوئے ہیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ دنیا میں جو لوگ کوئی کام کرتے ہیں وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی۔ پس خالی کامیابی یا ناکامی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی اپنے

ان خاص بندوں کے ساتھ جنپر وہ اپنا کلام نازل فرماتا ہے اور جنکو دنیا کی اصلاح کے لیے مامور فرماتا ہے یہ سنت قدیمہ ہے کہ وہ پہلے ایسے حالات میں جب چاروں طرف سے ناکامی ہی ناکامی نظر آتی ہے انکو بذریعہ وحی مطلع فرماتا ہے کہ وہ آخر میں غالب اور منصور کیے جاویں گے اسکی دو غرضیں ہوتی ہیں اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر قسم کے غموم و ہموم کے اوقات میں جب لوگ ان کی باتوں کو رد کرتے ہیں اور ہر قسم کے مصایب اور تکالیف اور ایذاؤں کے نشانے میں جو مخالفین کی طرف سے انکو پہنچائی جاتی ہیں۔ خدا کے زندہ اور طاقتور کلام سے تسلی ملتی رہے اور دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا ناکامیوں کے بعد آخر کامیاب ہونا دنیا کے لیے ایک نشان ٹھہرے اور تا معلوم ہو کہ انکی کامیابی اتفاقی امر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے خاص ارادہ اور منشاء سے یہ انکی نصرت ہوئی ہے۔ اور تا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم پر اس کے بندوں کو یقین تام حاصل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اُسوقت یہ خبر دی جب انکی کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ اسی لیے قرآن شریف کی تمام کی سورتیں ابتدا سے لیکر آخر تک اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں سے بھری پڑی ہیں کہ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے ساتھی غالب اور منصور و مظفر ہونگے اور ہر ایک روک جو انکی کامیابی کی راہ میں آویگی اُٹھا دیجاویگی۔ اور پھر آخر مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام وعدوں کو پورا فرماکر تمام مخالفین پر اتمام حجت کی چنانچہ جب یہ آخری اور عظیم الشان فتح اور کامیابی کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر یعنی ہم نے کھلی کھلی فتح عطا فرمائی تا وہ تمام اعتراض جو پیغمبر پر کیے جاتے ہیں خود ہی دنیا کی نظروں میں مردود ثابت ہو جائیں۔ کیونکہ جب نصرت الٰہی تمام وکمال کو پہنچ گئی اور مخالفین کی کل کوششیں جو سالہا سال تک وہ کرتے رہے بالکل ناکام اور نامراد ہوئیں اور حسب وعدہ الٰہی یہ سب باتیں ہوئیں تو یہ ایک ایسی کھلی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر پیدا ہو گئی جس کے مقابل کسی اعتراض کی گنجایش ہی نہ رہی۔ تعجب ہے کہ مکہ کے بت پرستوں نے تو اس بات کو سمجھ لیا جب انہوں نے فتح مکہ کے بعد کہا کہ آج ہم آنحضرت کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ وہ نصرت اور تائید کے تمام وعدے پورے ہوئے جو آپکے ساتھ کیے گئے تھے اور اسوقت یہ سوال نہ کیا کہ فلاں فلاں اعتراض ابھی آپ کو دور کرنے چاہئیں اور آج کل کے نام کے مسلمان اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ذنبک سے مراد اسجگہ وہ ذنوب ہیں جو مخالفین آپ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے تھے ورنہ فتح کو گناہوں کی معافی سے کیا تعلق۔

اب اس خدائے تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق ہمارے حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اُسوقت آپ کی نصرت اور تائید اور مخالفین کی کوششوں کے ناکام اور نامراد رہنے کے وعدے دیے۔ جب آپ ایک گمنامی کیحالت میں پڑے ہوئے تھے۔ خدائے تعالیٰ کی یہ وحی اگر صرف چند آدمیوں کے سماع تک ہی محدود ہوتی

اور تحریر میں نہ آجاتی تو بھی مخالفین کو انکار کی گنجایش ہوتی کہ شاید یہ وحی اسوقت کی نہ ہو مگر ایک ایسے وقت میں یہ سب پیشگوئیاں براہین احمدیہ میں شایع ہو چکی ہیں جس کو آج پچیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اور جبکہ ابھی حضرت میرزا صاحب کا دعویٰ تھا۔ نہ ہی کوئی مخالف تھے اور نہ ہی ان کے پاس لوگوں کی آمد و رفت تھی بلکہ اسوقت آپکو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ مثلاً ان الہامات پر غور کرو۔ اذا جاء نصر الله والفتح وانتهى امر الزمان الينا اليس هذا بالحق۔ یاتیك من كل فج عميق۔ یاتون من كل فج عميق۔ ينصرك الله من عنده يرفع الله ذكرك۔ فحان ان تعان وتعرف بين الناس لا تصعر لخلق الله ولا تسئم من الناس اصحاب الصفة وما ادراك ما اصحاب الصفة ترى اعينهم تفيض من الدمع۔ يصلون عليك ربنا اننا سمعنا مناديا ينادى للايمان۔ یعنی جبوقت خدا کی مدد اور فتح آئے گی اور زمانہ ہماری طرف رجوع کر لیگا اُسوقت کہا جائیگا۔ کہ کیا یہ کاروبار خدا کیطرف سے نہ تھا۔ ہر ایک گہری راہ سے تیرے پاس نصرت آئیگی اور ہر ایک دور کی راہ سے تیری پاس لوگ آئیں گے۔ خدا اپنے پاس سے تیری مدد کریگا۔ خدا تیرے ذکر کو دنیا میں بلند کریگا۔ وہ وقت چلا آتا ہے کہ تیری مدد کیجائیگی اور دنیا جہان میں تیرے نام کو شہرت دیجائیگی لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع کریں گے۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تو انسے بدخلقی نہ کرے اور ان کی کثرت دیکھکر تھک نہ جائے۔ اور اصحاب الصفہ بھی ہونگے۔ اور تُو جانتا ہے کہ اصحاب الصفہ کیسے لوگ ہونگے؟ وہ بہت قوی الایمان ہوں گے۔ اور تُو دیکھے گا کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے وہ تیرے پر درود بھیجیں گے۔ بسبب اس نعمت کے جو تیرے ذریعہ انکو ملے گی۔ اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے سو ہم ایمان لائے۔

یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت کی ہیں جب حضرت مرزا صاحب کو دوسرے لوگ تو ایک طرف رہے خود اس چھوٹے سے گاؤں کے بہت لوگ بھی نہ جانتے تھے اور آپ ایک نہایت گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور پھر اسیوقت یہ پیشگوئیاں بذریعہ براہین احمدیہ کے دنیا میں شایع بھی ہوگئیں۔ یہ وحی کئی قسم کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً اول یہ کہ مخالف یہ کوشش کریں گے کہ تُو ناکام رہے اور لوگ تیری طرف رجوع نہ کریں۔ مگر آخر ہمارا ارادہ پورا ہوگا۔ اور لوگ تجھے قبول کرتے جائیں گے انہی معنی پر مشتمل ایک اور الہام بھی ہے یریدون ليطفؤا نور الله بافواههم والله متم نوره یعنی لوگ خدا کے اس نور کو بجھانیکی کوشش کرینگے مگر خدا اسے پورا کرکے ہی رہیگا۔ دوئم یہ کہ دور دور سے مالی مدد اور تحایف وغیرہ تیرے پاس پہنچیں گے۔ سوئم یہ کہ دور دور کے بلاد اور ممالک سے لوگ چلکر تیرے پاس آوینگے۔ چہارم یہ کہ لوگ تیرے تباہ کرنیکے لیے کوشش کرینگے مگر خدا اپنی نصرت تیرے شامل حال رکھیگا اور تیرا محافظ رہیگا۔ یہی مطلب دوسری جگہ یعصمك الله ولو لم يعصمك الناس۔ کہکر ادا کیا گیا ہے۔ یعنی لوگ تیرے ہلاک کرنے کی

کوششیں کریں گے مگر خدا تجھے بچائیگا۔ پنجم یہ کہ کل دنیا میں تیری شہرت ہو جائے گی۔ ششم یہ کہ لوگ اسقدر کثرت سے آویں گے کہ قریب ہے کہ تو اونسے تھک جائے۔ ساتویں یہ کہ بعض لوگ اپنے وطنوں کو چھوڑ کر ہجرت کر کے تیرے پاس آرہیں گے اور تیرے گھر کے کسی حصہ میں رہیں گے وہ اصحاب الصفہ کہلائیں گے۔

اب دیکھو کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے یہ تمام وعدے کس صفائی سے پورے کیے اور آیندہ وہ کیسی صفائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ اب نہ یہ اتفاقی امر ہے نہ منصوبہ بازی ہے۔ کیونکہ پچیس (۲۵) برس پہلے ان باتوں کی خبر دیگئی ہے۔ اور پھر وہ سب بعینہٖ اسی طرح پوری ہوئیں۔ اگر ایسی منصوبہ بازی کی کوئی نظیر دنیا میں ہے تو پیش کرو۔ مگر یاد رکھو کہ اسکی نظیر سوائے زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کہیں ہمیں نہیں ملتی۔ جس طرح وہاں دکھوں اور مصیبتوں اور تنہائی کے وقت میں ایک شخص پکار پکار کر کہتا تھا۔ کہ میرے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ نشان ہے کہ آخر میں ہی غالب ہونگا اور تمھاری سب کوششیں نامراد رہیں گی۔ اور آخر ایسا ہی ہوا باوجودیکہ دشمنوں نے کوئی دقیقہ ہلاک اور تباہ کرنیکا باقی نہ چھوڑا تھا۔ ایسا ہی یہاں بھی بڑی گمنامی اور تنہائی کیحالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدے دیے کہ میں تمھیں مرجع خلایق بناؤنگا۔ اور خدا کے یہ وعدے اسی وقت مشتہر بھی ہو گئے پھر ان الہامات کے ساتھ ایک جگہ یہ بھی لفظ ہیں کہ املوا یعنی ان باتوں کو لکھ چھوڑو۔ کیونکہ یہ سب اپنے وقت پر واقع ہونگی۔ اور پھر دشمنوں نے وہ کوششیں کیں کہ کوئی کسر تباہ کرنے میں باقی نہ چھوڑی۔ اور ایک قوم بھی اس ملک میں ایسی نہ رہی جس نے پورا زور مخالفت کا نہ لگایا ہو اور ہر طرح کے منصوبے کیے گئے مگر خدا نے اپنے وعدے کے مطابق ایسی نصرت اور تائید اور حفاظت کی جس کی نظیر سوائے انبیائ کے اور کہیں نہیں ملتی۔

میں خواجہ غلام الثقلین صاحب کو پھر یہ کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکر نہ کھائیں۔ اعتراض کس پر نہیں ہوئے اور اعتراضوں کے جوابوں سے کتنے لوگ قایل ہوئے۔ صحیح اصول جو صداقت کے پرکھنے کا قرآن کریم نے بتایا ہے وہ وہی ہے جو میں نے یہاں بیان کیا ہے۔ ہم نہ منصوبہ باز ہیں نہ دھوکہ دینے والے اور نہ ہی دھوکہ خوردہ۔ نہیں بلکہ علیٰ بصیرت ہم اس سلسلہ کی سچائی کو دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم خدائے تعالیٰ کی ہستی کے زندہ نشان دیکھ رہے ہیں تو پھر اس ذوالجلال کے آگے سے بھاگ کر کہا جائیں۔ اگر مذہب کی غرض خدا کی ہستی پر یقین پیدا کرنا ہے تو خواجہ صاحب یاد رکھیں کہ اس غرض کو آج سلسلہ احمدیہ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی پورا کرنے والا نہیں۔ یہ جو اصلاح خواجہ صاحب کر رہے ہیں یا کرنیکے مدعی ہیں وہ خشک لفاظی ہے۔ جب انسان کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر زندہ ایمان اور یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سب اصول کی پابندی کے وہ قابل ہو جاتا ہے۔ عدل و انصاف کفایت شعاری۔ قومی اتفاق۔ سعی و محنت۔ سب اسی کے نتیجے ہیں۔

میں بڑے زور سے اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ یہ نصرت اور تائید جو اس سلسلہ کی ہو رہی ہے وہ خدا کے سوا

اور کسی کی طرف سے نہیں۔ کیونکہ اسی نے پچیس برس پہلے ان سب باتوں کی خبر دی ورنہ انسان عاجز کیا چیز ہے وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں کل زندہ رہونگا۔ اس میں یہ طاقت کہاں کہ کہے کہ ساری دنیا میری مخالفت کریگی پر سب ناکام ہوں گے اور میں ہی کامیاب ہونگا۔ اگر کوئی جواب ان امور کا آپ کے پاس ہی تو اسے شایع کریں۔"

اب میں پھر اسی بات کو دوہراتا ہوں کہ اگر کوئی جواب ان امور کا آپکے پاس ہے تو اسے شایع کریں میری دلیل کو میرے الفاظ میں نقل کر کے اس کا جواب دیں۔ اور پھر اپنے ہی ناظرین سے فیصلہ کے طالب ہو ویں۔ باقی رہا انکا یہ سوال کہ سچا نبی قتل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ میری بحث تو یہ ہے کہ نصرت اور تائید اس طرح پر جو سلسلہ نبوت کے ساتھ خاص ہے جھوٹے مدعی کو کبھی نہیں ملتی۔ سو آپ اسکا جواب دیں۔ سچے اور جھوٹے مدعی نبوت میں امتیازی نشان خواجہ صاحب نے نہیں بتایا بلکہ خود سوال کر کے اس کے جواب سے اس طرح پر اعراض کیا ہے۔ کہ "اول ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنس اپنے اس امتیازی نشان کو واپس لیں اور آیت مذکورہ کے سمجھنے میں استفادہ کے خواہشمند ہوں۔" خواجہ غلام الثقلین صاحب کو ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ یہ مباحثہ کا طریق نہیں ہے میں نے آپکے رسالہ کو پڑھا ہے مگر آپکے قلم سے کوئی ایسے اچھوتے اور نادر مضامین قرآن شریف پر میں نے نہیں دیکھے جو آپ کی اس خواہش کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو سکوں بلکہ جہاں تک میں نے دیکھا ہے قرآن شریف کے معانی کرنے میں آپ سخت غلطی کھاتے ہیں جیسا کہ میں ابھی دکھا بھی دونگا۔ پس آپکا یہ خواہش کرنا کہ میں آپ سے استفادہ کا خواہشمند ہوں ایک بیہودہ خواہش ہے۔ اور اصول مناظرہ کے خلاف۔ استفادہ کی خواہش تو آپ کو کرنی چاہیئے تھی کیونکہ آپ ایک مدعی نبوت کے خلاف میدان میں نکلے تھے۔ بہرحال جب تک آپ اس خود ستائی اور کبر کو نہ چھوڑیں گے جو آپ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے مناظرہ سے آپ کو فایدہ بھی نہ ہوگا۔ باقی رہا اپنے امتیازی نشان کو واپس لینے کا سوال سو جب آپ میری تحریر کا کچھ جواب لکھیں گے تو پھر میں آپکا جواب دونگا بالفعل میں نے اپنی اصلی تحریر ہی دوبارہ پیش کی ہے کیونکہ آپ نے ظلم کی راہ سے میری تحریر کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ بیان کیا اور حالانکہ میں نے صاف لفظوں میں یہ لکھا تھا کہ "میں یہ جانتا ہوں کہ دنیا میں جو لوگ کوئی کام کرتے ہیں وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی پس خالی کامیابی یا ناکامی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا"، پھر بھی آپ نے میرے الفاظ اور دلایل کی کچھ پروا نہ کر کے یہ لکھدیا کہ گویا میں اس بات کا قایل ہوں کہ "جو مذہب چل جائے وہ ضرور سچا ہے"

چار باتیں خواجہ غلام الثقلین نے آیت انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوۃ الدنیا کے ان معنوں کی تردید میں جو میں نے بیان کیے ہیں پیش کی ہیں جو آپکے اپنے الفاظ میں نقل کی جاتی ہیں۔

"خدا نے بیان کیا ہے کہ ہم نے انسان کو صرف عبادت و اطاعت کے لیے پیدا کیا ہے اور شیطان نے خدا کی عزت کی قسم کھائی ہے کہ وہ سب کو گمراہ کر دیگا۔ الا عبادك منهم المخلصين، مگر صرف تیرے

خاص بندوں کو۔ خدانے دوسری جگہ کہا ہے۔ لقد صدق* علیھم ابلیس ظنہ۔ شیطان اپنے اس خیال میں سچا ہوگیا۔ اب علمائے فرقہ احمدیہ بتائیں کہ کون قابل اطاعت اور لایق پرستش ہے؟ خدا یا ابلیس اور اس دنیا میں کس کی اطاعت کرنیوالے زیادہ ہیں؟۔

۲۔ بنی اسرائیل کی عورتوں کو چھوڑکر فرعون اور قوم فرعون اُن کے بچوں کو قتل کردیتی تھی۔ اور اس کی نسبت قرآن مجید میں کہا گیا ہے وفی ذٰلکم بلاءٌ من ربکم عظیم پس حکماء سلسلہ احمدیہ جواب دیں کہ طریقہ فرعون حق پر تھا یا ملت ابراہیمی۔ اور قتل ہونیوالوں کی اس زندگی میں خدانے کیا مدد کی۔

۳۔ مسیح مصلوب ہوئے اور یہود نے فتح حاصل کی ان دونوں میں کون حق پر تھا اور کس کی اطاعت کا خدانے حکم دیا ہے۔

۴۔ خلفاء اربعہ اور سبطین میں سے منجملہ چھ کے پانچ نفس دشمنوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔ اس صورت میں حیات دنیا میں اُنکی کیا مدد خدانے کی جبکہ اُس نے وعدہ کیا ہے ان حقاً علینا نصر المؤمنین۔ ان چند مثالوں سے ہم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اگر مرزائیوں کی تفسیر صحیح ہے تو دنیا میں اکثر ظالم۔ فاجر۔ بدکار۔ فاسق جھوٹے قابل اطاعت اور خدا کے سچے رسول۔ ماموراور مومن ہیں اور سب کو اُنہیں کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اگر یہ معنی صحیح ہیں (اور جاہلوں کو بہکانے کے واسطے کوئی اخبار یا رسالہ یا کتاب فرقہ احمدی کی ایسی نہیں نکلتی جس میں نشان کامیابی پر زور نہیں دیا جاتا) تو قرآن شریف کی باقی تعلیم اخلاق وصبر وتحمل وتقوٰی وغیرہ کی فضول اور بیکار ہے"

بحث تو یہ تھی کہ سچے اور جھوٹے مدعی نبوت میں امتیازی نشان قرآن کریم نے کیا قرار دیا ہے۔ اب خواجہ غلام الثقلین خود ہی بتادیں کہ ان پیش کردہ امور میں سے سوائے تیسرے کے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے باقی مدعیٔ نبوت کون کون ...... ہیں۔ کیا شیطان مدعیٔ نبوت ہے؟ کیا بنی اسرائیل کے شیرخوار لڑکے مدعی نبوت تھے؟ کیا خلفائے اربعہ اور سبطین مدعیٔ نبوت تھے اگر نہیں تو ان باتوں کو امر زیر بحث سے کیا تعلق ہے؟ بحث میں تداخل سے کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جو امر بحث کے لیے پیش ہے آپ اس کے خلاف یا تائید میں جو دلایل چاہیں پیش کریں۔ بے تعلق باتوں کو پیش کرنے سے سوائے اس کے کچھ فایدہ نہیں کہ آپ یہ کہہ سکیں کہ آپنے میرے مضمون کا جواب لکھدیا ہے اور ممکن ہے آپ خود بھی ان بے تعلق باتوں کو دلایل سمجھ کر دھوکھا رہے ہوں۔ مَیں ان باتوں کا جو آپنے پیش کی ہیں کوئی جواب بالفعل نہیں دینا چاہتا سوائے اس کے کہ یہ بے تعلق باتیں ہیں۔ علاوہ ازیں آپ جو یہ لکھتے ہیں کہ شیطان کے تابعدار زیادہ لوگ ہیں کیا شیطان کی عبادت کرنی چاہیئے یا خدا کی۔ کیا آپ دکھا سکتے ہیں کہ مَینے یہ کہیں لکھا تھا کہ جس مذہب کے زیادہ پیرو ہوں یا جس خیال کے زیادہ حامی ہوں وہ سچا ہوتا ہے؟ یا یہ لکھا تھا کہ چونکہ سلسلہ احمدیہ میں دنیا کے دیگر مذاہب سے

* خواجہ صاحب نے جو آیات قرآنی اس مضمون میں نقل کی ہیں وہ اُنکی قرآن دانی کے دعوے کا کیا ثبوت دیتی ہیں۔ ناظرین خود غور کرلیں۔

بڑھکر لوگ داخل ہیں اس لیے یہ سلسلہ سچا ہے؟ کیا آپ انہی لایعنی باتوں پر اس بات کے خواہشمند ہیں کہ میں آپ سے استفادہ کی درخواست کروں! پھر آپ بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا قصہ تو پیش کرتے ہیں مگر عمداً اس بات کا اخفا کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے مقابل میں فرعون اور اسکا تمام لشکر ہلاک ہوا اور اسکو اللہ تعالیٰ بار بار حضرت موسیٰ کی صداقت کا نشان قرار دیتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ مسیح مصلوب ہوا اور یہود نے فتح حاصل کی اور ان دونوں دعووں میں آپنے قرآن کریم کے صریح الفاظ کی تکذیب کی ہے کیونکہ مسیح کے متعلق قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ ما صلبوہ اور آپ کہتے ہیں مسیح مصلوب ہوا۔ اور یہود کے متعلق جنہوں نے حضرت مسیح کی تکذیب کی تھی۔ کلام ربانی میں تو یوں ارشاد ہوا ہے فامنت طائفۃ من بنی اسرائیل وکفرت طائفۃ فایدنا الذین امنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین (الصف) یعنی ایک گروہ بنی اسرائیل کا حضرت عیسیٰ پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کیا۔ پس جو لوگ ایمان لائے تھے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ہم نے ان کی تائید کی اور وہ غالب ہو گئے۔ اور اس نص صریح کے خلاف آپکا ادعاء یہ ہے کہ یہود نے (یعنی ان یہود نے جنہوں نے حضرت مسیح کی تکذیب کی تھی) فتح پائی۔ یہ ہے آپکا علم قرآن۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اسی آپکے دماغ میں یہ خیال سمایا ہوا ہے کہ آپ کو قرآن کریم سے کچھ واقفیت ہے۔

ایک اور موقع پر خواجہ غلام الثقلین نے یہ آیت پیش کی ہے کلما جاء ھم رسول بما لا تھوی انفسھم ففریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون۔ اس مضمون کی آیتیں دو جگہ قرآن شریف میں آئی ہیں یعنی اول سورہ بقرہ میں افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم ففریقاً کذبتم و فریقاً تقتلون اور دوسری جگہ سورۃ المائدہ میں۔ کلما جاءھم رسول بما لا تھوی انفسھم فریقاً کذبوا و فریقاً یقتلون۔ لیکن جس طرح پر خواجہ صاحب لکھتے ہیں اس طرح پر یہ آیت قرآن شریف میں کہیں نہیں آئی۔ تکذیب اور قتل کے سوال کو الگ چھوڑ کر کوئی عقلمند اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے۔ اس کے پورا ہونے کے بغیر وہ اسے واپس نہیں بلاتا اور نہ ہی دشمن اس پر ایسا قابو پا سکتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول میں اسے ناکام کر سکیں یہ ایک ایسی موٹی بات ہے کہ کوئی شخص جو خدائے تعالیٰ کی طاقت اور علم پر ایمان رکھتا ہے اس کے ماننے سے انکار نہیں کر سکتا ۔ ان بموجب آیت۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض جیسا مدارج فضیلت میں کمی بیشی ہوتی ہے ایسا ہی رسولوں کے کام بھی سب کے برابر نہیں ہوتے کسی کے سپرد بڑا کام ہوتا ہے کسی کے سپرد چھوٹا۔ مثلاً جو کام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا وہ ایسا عظیم الشان کام تھا کہ دوسرے کسی رسول کے سپرد نہیں ہوا۔ پس اس کام کی عظمت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائیدیں اور نصرتیں بھی ایسی ہی عظیم الشان ہوتیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی وعدہ تھا کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر لوگ قادر نہ ہو سکیں گے جیسا کہ فرمایا واللہ یعصمک من الناس۔ پس آنحضرتؐ کی تائید اور نصرت کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ آپ کی حفاظت قتل سے کیجاتی۔ چنانچہ مخالفین باوجود بار بار کے منصوبوں اور سخت کوششوں کے اور ہر طرح کی قوت کے اسباب پر قادر نہ ہو سکے کہ آپ کو قتل کریں۔ ایسا ہی ہمارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں یہ وعدہ فرمایا تھا جو بیس سال سے شایع ہو چکا ہے کہ آپ کے قتل پر کوئی شخص قادر نہ ہو سکیگا۔ پس یہ بھی ایک تائید اور نصرت الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے شامل حال ہوئی اور یہ اسی رنگ کی تائید اور نصرت ہے جو ابتدا سے انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی رہی مگر جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے بعض انبیاء کے سپرد چھوٹے کام ہوتے ہیں اور بعض کے سپرد بڑے۔ اگرچہ بلحاظ کیفیت وہ سب ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ سو اگرچہ قتل انبیاء کے مضمون کو سچے اور جھوٹے مدعی نبوت کے درمیان امتیازی نشان سے کوئی تعلق نہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج بھی نہیں کہ ایک نبی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے کوئی چھوٹا کام سپرد کیا ہے اس کام کو کرنے کے بعد قتل کیا جاوے اور شہادت کا مرتبہ پاوے۔ محض قتل سے ناکامی لازم نہیں آتی۔ یہ محض بطور جواب لکھا گیا ہے یعنی اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جاوے کہ قرآن شریف میں کسی نبی کے قتل ہونے کا ذکر ہے۔ در اصل یہ مضمون الگ بحث چاہتا ہے جس کا یہ موقع نہیں ہے۔ نصرت اور تائید کے مفہوم میں بہت سے امور داخل ہیں۔ لیکن اس امر کو کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں کس کس رنگ میں انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی ہیں میں کسی دوسرے وقت بیان کرونگا جب خواجہ غلام الثقلین میرے اصل مضمون کا کچھ جواب لکھیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت علی یا حضرت امام حسن یا حسین رضی اللہ عنہم کی توہین جو خواجہ غلام الثقلین نے جماعت کے بعض افراد کی طرف منسوب کی ہے وہ محض جہلا کی تقلید ہے ورنہ اگر وہ خود اس سلسلہ کی ساری تحریریں دیکھ پڑھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان مقدسوں میں سے ہم کسی کی بے ادبی ہرگز نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ان کی کسقدر عزت اور عظمت ہے۔ حضرت مسیحؑ کی بے ادبی وہ لوگ کس طرح کر سکتے ہیں جن کا امام اور پیشرو خود مماثلت مسیح کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہاں الزامی رنگ میں عیسائیوں کو جواب دینے کے لیے ان کے فرضی یسوع کی حقیقت بعض وقت کھولی گئی ہے۔ ایسا ہی حضرت امام حسین کے متعلق جو ہمارا عقیدہ ہے اس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کھول کر اور وضاحت کے ساتھ اشتہار میں بیان کیا ہے اور حضرت علی اور حضرت امام حسین کے متعلق اگر کچھ ان لوگوں کے جواب میں لکھا گیا ہے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے مقدسوں کو گالیاں نکالنا درود شریف پڑھنے سے بڑھکر موجب ثواب سمجھتے ہیں تو یہ محض انکی فرضی اور خیالی تصویر کے متعلق ہے جو انہوں نے حضرت علی یا حضرت امام حسین کی اپنے دلوں میں بٹھائی ہوئی ہے۔

خواجہ غلام الثقلین صاحب کی قرآن کریم سے ناواقفیت کے متعلق صرف ایک بات اور بیان کر کے میں اس مضمون کو

ختم کرتا ہوں۔ افسوس ہے کہ اسی مضمون میں جس میں مجھے اپنے آپ سے استفادہ کا خواہشمند ہونیکی خواہش ظاہر کرتے ہیں
اس قدر فاش غلطیاں قرآن کریم کے سمجھنے میں انہوں نے کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "شاید یہ کہا جاوے کہ نشان بالامر
مامورین اللہ کے ساتھ خاص ہے یعنی جو شخص خدا کی طرف سے مرسل ہونیکا دعویٰ کرے اور اسکو کامیابی ہو تو وہ جھوٹا
نہیں ہو سکتا۔ اور ہم بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ آیت لو تقول علینا بعض الاقاویل سے مدد لیکر یہی معنے
پہنائے جائینگے۔ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ اے محمد اگر تو ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرے تو ہم تیری گرفت کرلیں گے
اور رگ گردن تیری منقطع کردیں گے اس آیت کے معنے بیان کرنے میں بھی یا تو حد درجہ کا دھوکہ دیا جاتا ہے یا انتہا درجہ
کی سادہ لوحی برتی جاتی ہے دعویٰ صرف اس قدر ہے کہ اگر سچا پیغمبر (بفرض محال) جھوٹ الہام بنانے لگے۔ تو اسکو
سخت سزا ملیگی اس سے اگر یہ لازم بھی آئے کہ اس دنیا میں سزا ملیگی تو یہ کہاں سے لازم آیا کہ جھوٹے پیغمبر کے ساتھ
بھی یہی سلوک ہوگا" خواجہ صاحب تو ہم پر دو الزاموں میں سے ایک دیتے ہیں کہ یا ہم حد درجہ کا دھوکہ دینے والے ہیں
یا انتہا درجہ کی سادہ لوحی برتنے والے۔ مگر جو تحریف انہوں نے اس آیت کریمہ کے معنے کرنے میں کی ہے وہ انکو صرف الزام
اول کی مستحق قرار دیتی ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنے ہیں کہ "اے محمد اگر تو ہماری طرف الخ" مگر میں پوچھتا
ہوں کہ آیا اس میں خطاب واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے؟ اور کیا لو تقول علینا کے معنے تو ہماری طرف منسوب
کرے ہیں؟ میں اس بات کو بیان نہ کرتا اگر خواجہ صاحب کا اس تحریف سے یہ ظاہر کرنیکا منشا نہ ہوتا کہ یہ آیت عام دلیل کے
رنگ میں نہیں۔ اصل میں خطاب کے بدل دینے سے ان کی غرض اسی مدعا کو حاصل کرنا ہے اور اسی لیے میں اس کو تحریف
قرار دیتا ہوں کیونکہ ایک خاص مقصد کو مدنظر رکھکر معنے بدلائے گئے ہیں۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب کا یہ کہنا کہ اسکے
معنے یہ ہیں کہ اگر سچا پیغمبر جھوٹ الہام بنانے لگے دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور آیت کا مفہوم بالکل مہمل ہو جاتا ہے ظاہر ہے
کہ یہ آیت کہ لو تقول علینا الخ کفار کے لیے بطور جواب ہے جو قرآن کریم کو قول شاعر اور قول کاہن یعنی افترا قرار
دیتے تھے۔ وہ یہ کہاں مانتے تھے کہ آنحضرت رسول تو سچے ہیں مگر بعض باتیں انہوں نے افترا کرکے اپنے پاس سے
ملا دی ہیں۔ ہاں اگر کفار کا یہ خیال ہوتا کہ آنحضرت پیغمبر تو سچے ہیں مگر بعض باتیں افترا کرکے آپنے ملا دی ہیں تو یہ جواب
ہو سکتا تھا کہ سچا پیغمبر اگر کچھ جھوٹی باتیں افترا کرکے بیان کرے تو ہم اس کو سزا دیا کرتے ہیں مگر وہ تو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو منجانب اللہ نہ سمجھتے تھے۔ اسی سارے رکوع کو پڑھکر دیکھ لو کہ یہاں کس بات کا ذکر ہے۔ فلا اقسم
بما تبصرون ۝ وما لا تبصرون ۝ انه لقول رسول كريم ۝ وما هو بقول شاعر قليلا
ما تؤمنون ۝ ولا بقول كاهن قليلا ما تذكرون ۝ تنزيل من رب العلمين ۝
ولو تقول علينا بعض الاقاويل ۝ لاخذنا منه باليمين ۝ ثم لقطعنا منه الوتين ۝
فما منكم من احد عنه حاجزين ۝ وانه لتذكرة للمتقين ۝ وانا لنعلم ان منكم مكذبين ۝

وانه لحسرة على الكافرين ۝ وانه لحق اليقين ۝ فسبح باسم ربك العظيم ۝
اس رکوع کا ترجمہ ناظرین کسی مترجم قرآن شریف سے دیکھ سکتے ہیں۔ ماحصل ان آیات کا یہ ہے کہ کفار قرآن شریف کو قول شاعر اور قول کاہن قرار دیتے تھے یعنی ایک مفتری کا کلام یہ نہیں کہ بعض حصوں کو افترا اور بعض کو خدا کا کلام قرار دیتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بالمقابل یہ فرمایا کہ یہ افترا کسی مفتری کا نہیں بلکہ خدا کا اتارا ہوا کلام ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ یہ افترا کیا ہوتا تو ہم آپ کی شہ رگ کاٹ دیتے پس اگر یہ کوئی دلیل صحیح کفار کے جواب میں ہے تو اسکا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ جو شخص خدا پر افترا کرے اللہ تعالیٰ اسے لمبی مہلت نہیں دیتا۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ بعض اقوال پیش کرے جن کو خود بنایا ہو اور منسوب انکو اللہ تعالیٰ کی طرف کرے۔ دلیل کے لیے عمومیت ضروری ہے اور اگر اس میں یہ عمومیت نہیں کہ مفتری کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے تو پھر یہ دلیل نہیں رہتی۔ خواجہ غلام الثقلین کی یہ کوشش کہ اس آیت کے معنے سچے پیغمبر پر صادق آتے ہیں کہ وہ افترا کرے تو پکڑا جاتا ہے ایک ایسی بیہودہ کوشش ہے جس پر ایک بچہ بھی ہنسے گا۔ اور یہ صرف قرآن کریم کی تحریف ہے۔ اعتراض تو کفار کا یہ تھا کہ یہ نبی سب کچھ اپنی طرف سے افترا کرتا ہے اور سچا نبی نہیں اور جواب یہ دیا گیا کہ اگر سچے نبی ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر کسی بات میں افترا کرتے تو ہم انکو ہلاک کر دیتے۔ کیا یہ کفار کے اعتراض کا جواب ہے؟ پس جبتک خواجہ صاحب یہ نہ دکھا دیں کہ اس موقع پر کفار کا اعتراض یہ تھا کہ آنحضرت نے باوجود سچے نبی ہونیکے چند باتیں اپنی طرف سے بھی ملا دی ہیں۔ اور اگرچہ باقی قرآن تو خدا کی طرف سے ہی انپر نازل ہوا ہے لیکن فلاں فلاں آیتیں انہوں نے اپنی جانب سے ملا دی ہیں اسوقت تک وہ اس الزام کے نیچے ہیں کہ محض اس لیے کہ بحث میں انکو کوئی ہارا ہوا نہ کہے انہوں نے عمداً یہ تحریف قرآن شریف میں کی ہے۔

میں اس مضمون کو لمبا کرنا نہیں چاہتا مگر ایک بات کا بیان کرنا ضروری ہے میں نے اس مضمون میں خواجہ صاحب کے مضمون کے بعض حصے نقل کیے ہیں مگر خواجہ صاحب نے آیات کو بالکل غلط بیان کیا ہے اور اگرچہ میں اسکی طرف ناظرین کی توجہ دلا چکا ہوں مگر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کی تصحیح بھی کر دی جاوے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے کہا ہے لقد صدق الابليس ظنه۔ حالانکہ کلام پاک میں یوں وارد ہوا ہے۔ ولقد صدق عليهم ابليس ظنه۔ دوسری آیت کا جزو آپنے یوں نقل کیا ہے وفي ذلك بلاء من ربكم عظيم۔ اصل الفاظ یوں ہیں وفي ذلكم بلاء من ربكم عظيم تیسری آیت کا جزو آپنے ان حقا علينا نصر المؤمنين بیان کیا ہے حالانکہ اصل میں ہے کان حقا علينا نصر المؤمنين چوتھی جگہ آپنے لکھا ہے يقتلون الانبياء بغير الحق۔ مگر صحیح یہ ہے يقتلون الانبياء بغير حق۔ پانچویں جگہ لکھا ہے کلما جاءهم رسول بما لا تهوى انفسهم ففريقا كذبتم وفريقا تقتلون۔ یہ بالکل غلط ہے اور اسکی تصحیح

میں پہلے کرچکا ہوں۔ خواجہ غلام الثقلین نے اپنے مضمون میں آٹھ آیتیں یا آیتوں کے اجزا نقل کیے ہیں جن میں سے دو یعنی انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا اور ولو تقول علینا بعض الاقاویل تو ہمارے رسالہ سے لی ہیں اور باقی چھ میں سے پانچ غلط ہیں۔ اور غلطیاں بھی اس قسم کی ہیں جو قرآن کریم سے ان کی ناواقفیت ظاہر کرتی ہیں۔ اس بات کو تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ سہو کاتب سے یا بعض وقت دوسرے اسباب سے کسی غلطی کا ہوجانا کوئی ایسا امر نہیں جو قابل تذکرہ ہو۔ مگر چھ آیتوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں سے پانچ کا غلط ہونا صاف اس بات کو بتا رہا ہے کہ لکھنے والے کو قرآن کریم سے کوئی مس نہیں۔ خواجہ صاحب کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ قرآن کریم سے مقابلہ کرکے آیات کو درست کر لیتے مگر تصرف الٰہی سے ایسا ہوا تا ان کا وہ دعویٰ قرآن دانی جو محض تکبر کی وجہ سے کیا گیا تھا ان کے اپنے ہاتھوں سے توڑا جاوے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ غلطیاں اکثر ایسی ہیں جو زبان عربی اور قرآن کریم سے لکھنے والے کو ناآشنا بتاتی ہیں مثلاً ذٰلکم کی جگہ ذٰلک کا استعمال۔ ابلیس پر ا۔ل کا بڑھانا۔ کان کی جگہ ان لکھنا۔ وغیرہ۔ افسوس ہے تو یہ کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے اور تہذیب کے ادعا کے خواجہ صاحب نے وہ مقام مقابلہ اختیار کیا ہے جس کے وہ لایق نہ تھے۔ اتنے بڑے دعوے پر طبع آزمائی کرنا ہر ایک آدمی کا کام نہیں ہوتا مسلمانوں میں کفایت شعاری پھیلانے اور رسوم بد کے مٹانے کا کام جو وہ کر رہے تھے اچھا کام تھا کیا ضرورت تھی کہ خواہ نخواہ ایسی باتوں میں دخل دیتے جن کے وہ لایق نہ تھے۔

وطن کا کذب صریح

بیچارہ ایڈیٹر وطن اپنی خیانت کے اس اظہار سے جو اس کی اشاعت کفر کے متعلق ایڈیٹر الحکم نے کیا۔ اور پھر اپنے ہی فریق کے مولوی صاحبان کی طرف سے کا فر ضال مضل ابوجہل وغیرہ قرار دیا جانے پر جل بھن کر خاک سیاہ ہو گیا ہے۔ اور اپنے اس دل کے جوش کا اظہار ناپاک گالیوں میں کیا ہے۔ کچھ مسلمانوں کو سلسلہ احمدیہ کے خلاف طرح طرح کے جھوٹ بول کر جوش دلاتا ہے کہ اس معاملہ میں جہاں سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ایڈیٹر وطن پر الزام لگایا گیا تھا ان کو لاتعاونوا علی الاثم والعدوان کی مخالفت کرکے ایڈیٹر وطن کی حمایت کرنی چاہیئے تھی۔ مگر میرا یہاں ان باتوں کے ذکر کرنے کا مقصود نہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کا دستور ہے کہ سیر ہوکر گالیاں نکالنے کے بعد بھی اپنے مضمون کو نہایت نرم بتاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال وطن کے تازہ پرچہ سے ہی ملتی ہے جس کے چودہ کالموں کو ایڈیٹر مذکور نے گالیوں سے اور ناپاک افتراؤں سے سیاہ کیا ہے اور ابھی اگر کوئی ان سے پوچھے تو کہیں گے کہ ہم نے نہایت نرم الفاظ میں سلسلہ احمدیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ نقاش والا مضمون جو پہلے اخبار وطن میں چھپ چکا ہے۔ اس کے متعلق ایڈیٹر صاحب

وطن اسی مضمون میں یہ لکھتے ہیں کہ ”یہ اس جماعت کے رسالوں اور اخباروں اور افراد کے سالہا سال کی جگر دوز چوٹوں اور سفیہانہ حملوں کا ایک نرم ترین جواب تھا۔ اس لیے ہمیں اب اس سے بھی سخت تر گالیاں سننے کے منتظر رہنا چاہیئے۔ اور ہمیں اس کی کچھ پروا بھی نہیں۔ ہاں اس ”نرم ترین جواب“ کے متعلق ناظرین کو اس بات کا بتانا ضروری ہے کہ اسکا لکھنے والا اسے کس قدر نرم سمجھتا تھا جو اس کے اپنے خط سے جو اس تازہ مضمون میں وطن نے شایع کیا ہے ظاہر ہوتا ہے۔ نقاش صاحب کی بحث کہیں سلسلہ احمدیہ کے کسی فرد سے ایڈیٹر وطن کی قابلیت پر ہو گئی جس کا تذکرہ اس کے اپنے خط میں ان الفاظ میں موجود ہے ”میں نے ایڈیٹر وطن کے تبحر علمی اور حب اسلامی کی تعریف کر کے کہا کہ ہر مسلمان پر اس فرد اکمل کا جسقدر احسان ہے کسی دوسرے کا شاید ہی ہو میرا یہ کہنا تھا کہ نعل در آتش ہو گیا۔ جو کچھ اس نے کہا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں جو کچھ میں نے غصہ میں جواب دیا اوسے سنانے سے فایدہ نہیں... میں نے قسم کھائی کہ اس شخص نے سلطان اور ایڈیٹر وطن کو جسقدر بُرا بھلا کہا ہے اگر ایک ایک کے بدلے سو سو نہ سنائی ہو تو نقاش نہیں کوئی پاجی چنانچہ اسی نیتے گھاؤ میں دو مضمون اور دو نظمیں لکھیں... لیکن سب میں زیادہ زبردست اور ناپاک دلوں میں ناسور ڈال دینے والا مضمون ... وطن کے لیے رکھ چھوڑا ہے جو اس کے ساتھ ارسال خدمت ہے“ یہ وہ مضمون تھا جسکو ایڈیٹر وطن نرم ترین جواب قرار دیتے ہیں اب مضمون نویس تو کہتا ہے کہ اگر احمدیوں کے ایک ایک کے بدلے سو سو نہ سنائی ہو تو وہ نقاش نہیں کوئی پاجی ہے اور ایڈیٹر وطن کہتے ہیں کہ یہ نرم ترین جواب تھا۔ اس میں ہم کچھ نہیں کہتے دونوں صاحب گہرے دوست ہیں آپس میں فیصلہ کر لیں چاہئیں ایڈیٹر وطن یا اعتراف کر لیں کہ وہ خود کاذب ہیں اور چاہے اس مضمون کو نرم ترین قرار دیکر اپنے دوست کو پاجی کے خطاب کا مستحق بنادیں۔ ہمیں اس بحث سے کوئی سروکار نہیں۔

میں نے جس بات کے لیے یہ نوٹ کرنا ضروری سمجھا ہے۔ وہ ایڈیٹر وطن کا ایک صریح جھوٹ ہے جو اس نے نہایت دلیری سے اپنے اخبار میں شایع کیا ہے۔ یہ جھوٹ اس تجویز کے متعلق ہے جس کے پیش کرنیکی حسرت اس زندگی میں ایڈیٹر صاحب کے لیے دوزخ کا کام دیتی رہے گی۔ ان اسلامی معاصرین پر جنہوں نے اشاعت کفر* کے متعلق آپکے جواب کو ناکافی قرار دیکر آپ کو اس بات کا مستحق قرار دیا ہے جس کے وہ مستحق ہیں اظہار ناراضگی کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”ہمیں حکم ہے کہ اعدائے دین** کے مقابلہ میں ایسی مضبوطی سے صف بند ہیں کہ کانہم بنیان مرصوص کے مصداق ہوں تاکہ دشمنوں کو رخنہ انداز ہوکر ہماری صفوں کو پراگندہ کرنیکا موقع نہ ملے مگر ایک ہم باجمیعت مسلمان ہیں کہ نہ صرف دشمنوں کو رخنہ اندازی کا ہی موقع دیتے ہیں بلکہ دراتحالیکہ دشمن حملہ آور ہو خود آپس میں کٹنے مرنے سے دریغ نہیں کرتے ہمارے مخالف ہماری اس کمزوری سے

---

* سبحان اللہ ایک ایسے شخص کو جو حرمۃ الربوٰا کے مقابل سود کو جائز قرار دیتا۔ قربانی کو منسوخ کرنا چاہتا اور ولیم میور کی کتابوں اور مسوٹ سزاہت اسلام کو مفید اسلامی کتابوں کے نام سے شایع کرتا ہے۔ فرد اکمل قرار دیا گیا ہے بے شک یہ کمال ضلالت ہے مگر اکمل ہم نہیں کہتے۔ منہ

** اسجگہ اعدائے دین سے مراد سلسلہ احمدیہ کو لیا گیا ہے۔ منہ

خوب واقف ہیں اور اس سے حتی الوسع فایدہ اُٹھاتے ہیں۔

"ان اسلامی معاصرین کو حق کا ایسا ہی پاس تھا تو پہلے وطن اور مرزائی معاصرین کے تعلقات پر ابتدا سے نظر ڈالتے کہ مرزائی رسالہ ریویو کس طرح سابقہ شرائط سے منحرف ہوگیا اور حالانکہ مسلمانوں کی امداد کو بڑی نفرت سے رد کرنیکا ادعا کرتا رہا مگر درحقیقت وطن کی تحریر پر اوسے جو امدادی رقمیں پہنچیں اونکو شیر مادر کی طرح ہضم کر گیا۔ اور جب اونکا اگلوانیکی کوشش کیگئی۔ تو کیسے پیچ و تاب کھائے"

اسی جگہ نیچے یہ نوٹ دیا ہے کہ "ادھر خود یہ عالی ظرفی دکھائی کہ رسالہ کے گذشتہ نمبر تک وطن سے واپس منگوا لیے"

مولوی انشاء اللہ صاحب کے اس جھوٹ کی حقیقت یہ ہے۔ کہ جب آپ شرائط قرار داده سے منحرف ہوئے۔ اور اپنے اخبار میں اسکا اعلان کیا تو پہلا خط جو مینے انکو لکھا اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ اخبار میں یہ اعلان کردیں کہ جس شخص نے وطن کی تحریک پر کوئی چندہ بھیجا ہو وہ واپس منگوا لے چنانچہ اس میرے خط کے پہنچنے کا اعتراف مولوی صاحب نے اخبار میں کیا مگر اسے شایع نہ کیا۔ پھر دوسرا خط لکھا گیا وہ بھی شایع نہ کیا اسپر مینے الحکم کے ذریعہ انکو بار بار توجہ دلائی کہ میرے خط کو اخبار میں چھاپ دو مگر مولوی صاحب کے اس بیماری کا علاج میرے پاس کیا تھا کہ وہ الزام بھی دیتے رہیں اور خود ایک مرتبہ نہیں تین مرتبہ کہنے پر بھی میرے اعلان کو شایع نہ کریں آخر مجبور ہوکر مینے اپنے رسالہ اور الحکم میں اسے شایع کیا۔ اور جن لوگوں نے چندہ دیا تھا ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی روپیہ واپس منگوایا انہیں واپس بھیجدیا۔ ایسی کمی کو پورا کرنیکا ذمہ کئی احباب پہلے سے اٹھا چکے تھے۔ پس ہمیں فکر ہی کیا تھا۔ کچھ دنوں بعد پھر مولوی انشاء اللہ صاحب کا ایک خط آیا کہ مفصلہ ذیل چار آدمیوں کا چندہ واپس کردو۔ یعنی بابو امام بخش صاحب چنزال۔ بابو اکبر علی صاحب سب اُورسیر منڈانہ۔ منشی کریم بخش صاحب منصرم ستام پٹیالہ۔ منشی شمس الدین صاحب شملہ۔ اس خط کے لکھنے میں مولوی انشاء اللہ صاحب نے ایمانداری سے کام نہ لیا۔ کیونکہ ان لوگوں کی درخواست کے بغیر یا کبھی ایڈیٹر وطن کو لکھنے کے بغیر انہوں نے چندہ واپس طلب کیا جسکا قیاس ہم نے اسی بات سے کرلیا تھا کہ ان میں آخرالذکر دو شخص ہمارے احمدی بھائی تھے۔ اور یہ صاف معلوم ہوگیا کہ ایڈیٹر وطن اپنے ہی خیال سے یہ سب کاروائی کر رہا ہے اور اصل روپیہ دینے والوں کو پتہ بھی نہیں۔ چنانچہ بجواب انکو یہ لکھا گیا کہ یہ لوگ خود اپنا چندہ طلب کریں تو ہم براہ راست انکو بھیجدیں گے ایسا ہی جو شخص اور واپس طلب کرے اسی بھی بھیجدیں گے۔ مگر چونکہ ایڈیٹر صاحب اپنی گھر کو تو خوب جانتے تھے اسلیے انہوں نے نہ ان لوگوں کو خطوط لکھے نہ ہی اخبار میں یہ تذکرہ کیا مگر ہم نے احتیاطاً اپنی دفتر سے خطوط لکھدیے کہ کیا آپ لوگ اپنا چندہ واپس لینا چاہتے ہیں ان میں سے دو احمدی تھے یعنی ایک منشی شمس الدین صاحب اور دوسرے منشی کریم بخش صاحب۔ جن کے جواب کو ناظرین قیاس کرسکتے ہیں۔ تیسرے منشی امام بخش صاحب نے جواب میں لکھا کہ "مینے چندہ جو دیا ہے وہ محض حُب اسلام سے نہ دیگر کسی وجہ سے مَیں ہرگز اسکو واپس کرنے پر آمادہ نہیں ہوں بلکہ اسکو شرم سمجھتا ہوں" چوتھے صاحب کا کوئی جواب ابتک نہیں آیا۔ اگر اب بھی وہ لکھیں تو ہم انکا روپیہ واپس کرنے کو تیار ہیں۔ اب کوئی صاحب منصف ہوکر بتاویں کہ کیا ایڈیٹر صاحب وطن

کی یہ ایمانداری تھی کہ خود بخود ہی لکھدیتے۔ ہمنے انکی اس شرمناک کارروائی کو اُسوقت ظاہر نہیں کیا اور پردہ پوشی کی مگراب انھوں نے خود اسکو ظاہر کروایا۔ افسوس ہے کہ ان کرتوتوں کے ساتھ ابھی آپ کو فرد اکمل کہلانیکا شوق ہے ایڈیٹر وطن کے لیے شرم سے ڈوب مرنیکی جگہ تھی کہ ان سے ایسی خلاف امانت اور تقوی کارروائی کی۔ مگر چونکہ اس کے عیب کو چھپایا گیا اسپر وہ اور بھی دلیر ہوکر لکھتے ہیں کہ ہم لوگوں کے روپے کو شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے۔ اسکا جواب میں صرف یہی دیتا ہوں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ کیا اب بھی ایڈیٹر وطن میں یہ جرأت ہے کہ وہ اس بات کا اعلان کریں کہ ہم کسی کا روپیہ جو واپس لینا چاہے ایک منٹ کے لیے بھی رکھنا پسند نہیں کرتے۔ مولوی انشاء اللہ صاحب! اگر خدا کا خوف آپکے دل میں کچھ نہیں تو مخلوق سے ہی شرم کیجیے اور اس جھوٹے الزام کو واپس لیجیے ورنہ اگر اب اسکو پڑھکر بھی آپ خاموشی اختیار کریں تو آپ کی یہ خاموشی اس بات پر دال ہوگی کہ آپنے کذب صریح بولا اور پھر اپنی عزت قایم رکھنے کے لیے اسے واپس بھی نہیں لیا۔

دوسرا الزام یہ دیا گیا ہے کہ رسالوں کے واپس لینے میں ہم نے کم ظرفی دکھائی میں اب صاف کہتا ہوں کہ وہ کم ظرفی ہم نے نہیں آپنے دکھائی۔ آپ کی اس کرتوت کی بھی ابتک ہمنے پردہ پوشی کی تھی مگر آپ نے خود ہی اسکا افشا بھی کرایا۔ آپنے ہمارے دفتر میں خط لکھا کہ جلد ۳ و جلد ۴ انگریزی کی مجھے بھیجدیں اور آیندہ رسالہ باقاعدہ بھیجتے رہیں۔ جسطرح آپنے رسالہ کے اشتہار کا روپیہ پیشگی لے کر اشتہار شروع کیا تھا۔ اسقدر سختی ہم نے نہ کی اور جلدیں آپ کو بھیجدیں بہت دنوں بعد جب قیمت آپسے طلب کی گئی تو آپنے بجائے قیمت ادا کرنیکے اصل جلدیں واپس کردیں۔ کیا یہ آپکی کم ظرفی تھی یا ہماری۔ ہمنے باوجود ڈاک کے ٹکٹوں کے نقصان کے آپ کو کچھ نہیں کہا اور جلدوں کے واپس آجانیکو کافی سمجھا۔ وہ آپنے ہمارے آدمی کے سپرد کردیں اسطرح پر آپ کا خرچ تو انپر کچھ نہیں ہوا ہاں اگر چیز خرید کر واپس کردینا عالی ظرفی ہے۔ تو بے شک اس کے واپس لینے میں ہم نے کم ظرفی دکھائی شاید آپ کو یہ خیال تھا کہ یہ جلدیں مفت بھیجی گئی ہونگی لیکن یہ تب ہوتا کہ ہم خود بخود بھیجتے اور آپ کو خوب معلوم ہے کہ ہم یا تو غربا کو مفت دیتے ہیں یا غیر مذاہب والوں کو وہ بھی اکثر یورپ امریکہ میں۔ آپنے ان دونوں پہلوؤں میں اپنا کوئی استحقاق ثابت نہ کیا تھا۔ جو آپ کو رسالے مفت دیے جاتے۔ افسوس ہے کہ جس قدر آپ کے ساتھ رعایت کی گئی اور آپ کی شرمناک کارروائیوں کا اخفا کیا گیا اسی قدر آپ کی جرأت بڑھ گئی۔

بھی سے ہیں تو ایک ماہ میں خرچ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد میں سو گیا صبح نماز کے بعد الہام ہوا۔ اتقنط من رحمۃ اللہ۔ الذی یربیکم فی الارحام۔ ترجمہ۔ کیا تو خدا کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے وہ خدا جو تمھیں رحموں میں پرورش کرتا ہے +

ریویو

چشمہ مسیحی اور **دینیات کا پہلا رسالہ** دوسری مرتبہ اور **احمدی کا من** تیسری مرتبہ۔ سید عبد المحی عرب نے چھپوائے ہیں۔ قیمتیں علی الترتیب ۲ر ار ار ہیں عرب صاحب موصوف سے مقام قادیان مل سکتے ہیں۔

الحجاب و تربیۃ المسلمات ۔ فصل الخطاب فی المراۃ والحجاب کا ترجمہ منشی محمد خلیل الرحمٰن نے کیا ہے ۵۶ صفحے کا رسالہ ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں دکھایا ہے کہ قاسم امین بیگ صاحب مصری جو آپ پردہ کے اُٹھانے میں ساعی ہو رہے ہیں خود ایک زمانہ میں بے پردگی کی مذمتوں کو اپنی کتابوں میں بیان کرتے رہے ہیں۔ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپی ہے۔

رسوم جاہلیت ۔ تصنیف مولوی نجم الدین صاحب سیوہاری ہے اور خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں چھپی ہے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر کے عربوں کی رسوم وغیرہ کا مفصل تذکرہ ہے۔ اور ایک قابل قدر کتاب ہے۔ قیمت ۱۲؎ ۱۶۶ صفحے۔

اپیل کا جواب ۔ جہاں تک میں بالفعل کہہ سکتا ہوں سوائے دو چار احباب کے اور کسی نے میری اپیل کی طرف توجہ نہیں کی نہ کسی احمدی انجمن کی طرف سے مجھے کسی باقاعدہ کارروائی کی اطلاع ملی ہے سوائے جماعت سیالکوٹ کے۔ تمام دل اللہ تعالیٰ کے ہی تصرف میں ہیں۔ البتہ جناب منشی غلام رسول صاحب سب انسپکٹر باگھاپرانہ کی کوشش قابل تذکرہ ہے جنہوں نے اس اپیل کو پڑھ کر ۳۸ خریدار اردو کے اور دو انگریزی کے جملہ چالیس خریدار بھیجے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزا۔ امید ہے دوسرے احباب بھی کوششوں میں لگے ہوئے ہونگے۔ ہاں اسقدر ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ کوئی صاحب چاہیں تو بجائے خریدار بننے کے وہی چندہ اشاعت میگزین کے لیے دیدیں۔

فہرست چندہ اعانت دہندگان بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۰۶ء

چودھری رستم علی صاحب۔ انبالہ۔ عہ۔ منشی محمد لطیف صاحب۔ بنگلہ رستم والہ۔ ۳ر۔ جماعت جہلم۔ عہ۔ لوکل کمیٹی قادیان۔ للعہ۔ جماعت شملہ معرفت بابو برکت علی صاحب ۱۲؎۸ر۔ بابو عبد الرحمٰن صاحب شملہ ۱۱ر۔ بابو پریم داس صاحب۔ راولپنڈی۔ ۸ر۔ عالمگیر خانصاحب۔ جبلپور۔ عہ۔ بابو محمد صاحب [illegible] للعہ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

سید اطہر حسین صاحب - سہرام - للعہ - منشی عبد العزیز صاحب - نائب تحصیلدار - ضلع کانگڑہ عہ - میاں احمد صاحب - گجرات - عہ - منشی محمد علی صاحب - کسولی عہ - جماعت بنارس - ۔ بابو برکت علی صاحب - بابو عبد الرحمن صاحب شملہ - عہ - میر اکبر صاحب عرائض نویس - مردان - صہ - جماعت سیالکوٹ مفصلات للعہ - میاں حسین بخش صاحب - سبادہ - مے - چودھری دل محمد صاحب - دھرم کوٹ رندھاوا - للعہ - بابو احمد الدین صاحب - واں - صہ - سید ناصر شاہ صاحب - دومیل - عہ - سید فخر الاسلام - نکودر - معرفت منشی عبد العزیز صاحب - کلرک گوجرانوالہ سیہ (یہ رقم اُنہوں نے اپنے خرچ سے دورہ کرکے جمع کی) میاں احمد صاحب دھرم کوٹ رندھاوا - عہ - ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب - لاہور - صہ - سید محمد رفیق صاحب - پیکنگ چین - عہ - بابو نور الدین صاحب - امرتسر - عہ - منشی قائم علی صاحب - بہلول پور - بشیر الدین صاحب - حیدر آباد سندھ - میاں اللہ بخش صاحب غلام حسین صاحبان - امرتسر - لعہ - بابو پریم داس صاحب - راولپنڈی - سید ظہور اللہ صاحب - راجور - لعہ - منشی طفیل احمد صاحب - چندوسی - جماعت سمبڑیال - عہ - میاں شہاب الدین صاحب - صریح - منشی رستم علی صاحب - انبالہ عہ - بابو عبد الرحمن صاحب - انبالہ - عہ - منشی میران بخش صاحب - انبالہ - عہ - ڈاکٹر لعل الدین صاحب - جیند - عہ - مرزا محمد احسن بیگ صاحب کامٹھہ - ریاست کوٹہ للعہ - جماعت گورال معرفت اکمل آف گولیکے - عہ - مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخاں عہ - سید جلال صاحب - بربرہ - عہ - ڈاکٹر بشارت احمد صاحب - عہ - ایک احمدی طالب علم - ۔ دولو ساکن بھینی - جماعت لاہور معرفت حکیم محمد حسین صاحب قریشی - لاہور - عہ - خلیفہ رشید الدین صاحب آگرہ - للعہ - مولوی محمد رحمت اللہ صاحب - الہ آباد للعہ - شیخ احمد اللہ صاحب - سیالکوٹ - للعہ - میاں نور الدین صاحب - پھورچہ - عہ - مرزا سلطان احمد صاحب - میانوالی - للعہ -

مدرسہ تعلیم الاسلام

عید فنڈ - یہ رسالہ احباب کے ہاتھ میں شاید عید کے دو تین دن بعد پہنچیگا - اس لیے سب احباب کو اور جملہ احمدی انجمنوں کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ عید فنڈ کے جمع کرنے میں بہت کوشش کریں کیونکہ عید کے ہی دو موقع ایسے ہیں جب مدرسہ کے فنڈ میں ایک ایسی معقول رقم کی ایزادی ہوسکتی ہے جو اس کے کثیر اخراجات کا مقابلہ کرسکتی ہے - اگر سب احمدی احباب توجہ کریں تو اس موقع پر بیس پچیس ہزار روپیہ کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں - عید فنڈ کا ایک روپیہ فی کس مقرر ہے اور ایسے مبارک موقع پر ایک روپیہ کا دینا کچھ بڑی بات نہیں ہے - ہاں صاحب وسعت احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ ضرورتیں بڑھ گئی ہوئی ہیں - وہ ایک روپیہ کو اپنے لیے کافی نہ سمجھیں انکی زیادہ رقم بعض کم وسعت احباب کی کمی کی تلافی کردیگی -

ضرورت - مدرسہ میں تین چار مدرسین کی ضرورت ہے - گریجوایٹ ہوں - سینیر یا جونیر ٹرینڈ ہوں - انڈر گریجوایٹ ہوں - درخواستیں بنام ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ تعلیم الاسلام -

(مطبع میگزین قادیان دار الامان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا -)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✣ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور - ۲۰ - دسمبر ۱۹۰۶ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(غالباً) ۱۰۔ نومبر ۱۹۰۶ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہوگئی۔ تو میں واپس آگیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ واپس آتے ہوئے بھی راستہ میں گرد و غبار کے سبب بہت تاریکی ہوگئی اور گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر ہاتھ میں پکڑا ہے۔ چند قدم چلکر روشنی ہوگئی۔ آگے دیکھا کہ ایک بڑا چبوترہ ہے اسپر اُتر پڑا۔ وہاں چند ایک لڑکے ہیں۔ انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبدالکریم آگئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم آرہے ہیں۔ اُنکے ساتھ میں نے مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی ہے اور کہا۔ کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے۔ وہ چیز اس طرح سے ہی جیسا کہ خرگوش ہوتا ہی۔ بادامی رنگ اسکے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے ایک قلم لگا ہوا ہے۔ اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہی جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہی۔ میں نے کہا کہ میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولویصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا اچھا میں مولویصاحب کو دیدونگا۔ اس کے بعد بیداری ہوگئی۔ **تعبیر**۔ عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہوسکتے ہیں اور خدا نے قرآن شریف میں اُمت کے نیک بندوں کو بھی فرعون کی عورت اور مریم سی تشبیہ دی ہے اور قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ وہ مخالفوں کے رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۳۔ نومبر ۱۹۰۶ء۔ ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا۔ الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ (یعنی کسی نشان کو ہم منسوخ نہیں کرتے یا فراموش نہیں کراتے مگر اس سے بہتر نشان عطا کرتے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔) اور گویا میں کسی کو کہتا ہوں۔ لا تخف ان اللہ معنا۔ اور کشفی نظر میں ایک نواب میرے سامنے آیا اور ساتھ ہی یہ الہام ہو۔ ای سیف اپنا رخ پھیر لے جسکی نسبت یہ تفہیم ہوئی۔ کہ اسکے بعض شرکاء خاندان جو اس سے تنازع کرتے ہیں کسی وقت اسپر غالب آجائیں گے اور سیف سے مراد نواب ہے چند روز کا الہام۔ رب لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیارا۔ ۱۵۔ نومبر ۱۹۰۶ء۔ الہام۔

قادر ہے وہ بارگاہ ٹوٹا کام بنا دے۔ بنا بنایا توڑ دے کوئی اسکا بھید نہ پاوے۔ (۲) کمترین کا بیڑا غرق ہوگیا۔ (کسی کے قول کی طرف اشارہ ہے) (۳) تیری دعا قبول کی گئی۔ ۱۸۔ نومبر ۱۹۰۶ء۔ رؤیا۔ (۱) دیکھا کہ ہمارے باغ میں کوئی ایک آدمی ایک جڑھ اُگا رہے ہیں۔ پھر غیب سے آواز آئی۔ مبارک۔ (۲) پھر ایک نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اسکے بعد الہام ہوا۔ ما وقفت موقفاً اغیظ من ھٰذا ان بطش ربک لشدید۔ ۲۲۔ نومبر ۱۹۰۶ء۔ ربّ احفظنی فان القوم یتخذونی سخرۃ۔ ۲۳۔ نومبر ۱۹۰۶ء۔ انّ اللہ مَنّ علیکم و اعطیک ما اعطیک۔ ان الذین لا یلتفتون الیک

لا یلتفتون الی اللہ۔ م۴

۵ چند روز کا الہام۔ لو اقسم علی اللہ لابرّہٗ۔ ۴۔ دسمبر ۱۹۰۶ء۔ یکرمک اللہ اکراماً عجیباً۔ پھر مجھے ایک انگوٹھی دکھائی جو میری ہے اُس میں لکھا ہے الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ۔ پھر الہام ہوا۔

الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ۔ پھر الہام ہوا۔ مبارکباد۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اسلامی اور عیسائی مذہبی جنگ

اس بات کا ذکر پہلے حصہ مضمون میں گذر چکا ہے کہ اسلام اور عیسائیت نے مذہب کے لیے تلوار اُٹھانیکے بارے میں کیا کیا تعلیمات پیش کی ہیں۔ اب یہ دکھانا باقی ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں خلق خدا کا خون ناحق گرانے کی کونسی قوم مرتکب ہوئی ہے۔ اور کس نے لوگوں کو بیدریغ تہ تیغ کرنے سے ظلم کا بیڑا اُٹھایا۔ یہ ایک ایسا مسلم امر ہے کہ جس کے ماننے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ کہ اوائل میں مسلمان ایک بے ضرر اور ناتواں قوم تھی۔ اور وہ نہایت امن اور صلح اور حکمت و موعظت سے اپنے دین کی اشاعت میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن سخت ظالم اور بد اندیش دشمنوں نے انہیں ناحق طرح طرح کی عقوبتوں میں ڈالنے کی سبقت کی۔ اور دردناک دکھوں اور اذیتوں سے ایسا ستاتے کہ مصایب صبر اور برداشت کی انتہا سے تجاوز کر گئے۔ آخر جانوں کا بچانا ضروری ہوا۔ مسلمانوں نے یوں مجبور ہو کر اوس کمزوری اور غربت کیحالت میں ایک خونخوار اور جنگجو دشمن کے مقابلہ میں آخر تلوار اُٹھائی۔ اُدھر عیسائیوں کو دیکھو کہ انہوں نے جب مذہب کے لیے تلوار ہاتھ میں لی تو اوس وقت وہ روم جیسی بڑی بھاری سلطنت کے مالک ہو کر دنیاوی اقتدار اور طاقت حاصل کر چکے تھے۔ اور ایک عالم پر اپنے رعب و حکومت کا سکہ جما چکے تھے۔ پھر مسلمان تو اونہیں لوگوں سے لڑے جنہوں نے اونکو دُکھ دیے اور اونکے امن کو چھینا اور اونپر مظالم سے ہاتھ صاف کیے۔ لیکن عیسائی بہادر اپنی ہی با امن اور صلح جو غیر عیسائی رعایا کو یسوع مسیح کی خدائی منوانیکے لیے تہ تیغ کرتے رہے۔ اور مسلمان تو مذہبی عقوبتوں کے انسداد کے لیے لڑتے رہے۔ پر عیسائیوں نے اپنے مذہب کے لیے زور بازو دکھا کر مذہبی عقوبت اور ایذا رسانی کا اصل قایم کیا۔ یہی ایک بڑا نمایاں فرق عیسائی اور اسلامی مذہبی جنگوں کے درمیان ہے۔

یہ صحیح بات ہے کہ پولوس نے عیسوی مذہب میں داخل ہونیکے لیے بہت سی آسانیاں ایجاد کر دی تھیں

لیکن باوجود ان آسانیوں کے حضرت مسیح سے تین سو برس بعد تک یہ مذہب کوئی بڑی نمایاں ترقی نہ کر سکا اس سارے زمانہ میں صرف روم میں ہی عیسائی مذہب کا بڑا زور اور چرچا رہا مگر تین سو برس تک عیسائیوں کی تعداد اس سلطنت میں نہایت قلیل تھی یہاں تک کہ جب بادشاہ قسطنطین اس مذہب میں داخل ہوا تو اوس وقت بڑی مشکل سے بیس میں ایک شخص عیسائی نظر آتا تھا۔ چنانچہ اسی کی تائید میں گبن نے جلد ۲ فصل ۱۵ میں تحریر کیا ہے کہ "آریجن کی معتبر شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر عیسائیوں کی کثرت کے سامنے عیسائیوں کی تعداد کی نسبت بہت ہی کم تھی۔ اس تعداد کے حق میں جو اندازہ انطاکیہ اور روم کی مثالوں سے سمجھ میں آتا ہے وہ بھی ہمیں اسبات پر قیاس کرنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اس سلطنت کی رعایا کے بیسویں حصہ سے زیادہ لوگوں نے قسطنطین کے عیسائی ہونے سے پہلے اپنے آپ کو علم صلیب کے نیچے منسلک کیا ہو"۔

قسطنطین کا عیسائی دین قبول کرنا کیا تھا اسکی کایا پلٹ دینا تھا۔ پہلے تو ترغیب و تحریص سے عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی مگر اس طریق کو ناکافی سمجھ کر بعد میں جبر اور زور و ظلم سے عیسائیوں کی تعداد کا بڑھانا شروع ہوا۔ وہ عیسائی جو پہلے کسی زمانہ میں رومیوں کے ظلموں کے شاکی تھے کہ محض عیسائی مذہب کی خاطر انپر ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ اب خود اس بات کو روا رکھنے لگے کہ غیر عیسائیوں کو محض ان کے مذہب کیوجہ سے دُکھ دینا جائز ہے۔ ظاہری طاقت اور سلطنت ہاتھ میں آتے ہی عیسائیوں نے اس بات کو اپنا فرض سمجھ لیا کہ بُت پرستی کو بجبر نیست و نابود کرنا چاہیئے۔ چنانچہ گبن لکھتا ہے کہ "زمانہ تھیوڈوسیس میں جسطرح بت پرستی کو برباد کیا گیا وہ تمام دنیا میں کسی قدیم اور مشہور وہم پرستی کو صفحہ ہستی سے قطعی طور پر مٹا دینے کی ایک ہی مثال ہے۔ اور اس لیے یہ حق ہے کہ انسانی دل کی تواریخ میں اس کو ایک ہی بے نظیر واقعہ تسلیم کیا جائے عیسائی اور خصوصاً کلیسیا کے عہدہ دار اور پادری بڑی بے صبری سے قسطنطین کا اس توقف میں ساتھ دے رہے تھے جو اس کی طرف سے عیسائی دین کے بجبر پھیلانے میں ظہور میں آرہا تھا۔ اور اسی طرح بے صبری کے ساتھ انہوں نے بڑے ویلنٹینین کے زمانے میں انتظار کیا جب مذہب کی خاطر کسی کو دُکھ نہ دیا جاتا تھا کیونکہ وہ اپنی فتوحات کو اوسوقت تک مکمل اور پایدار نہ سمجھتے تھے جب تک کہ اون کے حریف زندہ چھوڑے جاتے۔ امبروس اور اوس کے بھائیوں نے جو اثر گریشین پر اس کی نوجوانی کی وجہ سے اور تھیوڈوسیس پر اس کی پاکبازی کی وجہ سے حاصل کر لیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بادشاہوں کے دلوں میں مذہب کی خاطر لوگوں کو دُکھ اور تکلیفیں پہنچانے کے اصول نے مضبوط جگہ پکڑ لی"۔ ایسا ہی مشہور مورخ لیکی اپنی تواریخ اخلاق یورپ میں بیان کرتا ہے "کہ دینی اخلاق کا بہت بڑا حصہ اون تحریروں سے اخذ کیا گیا جن میں لکھا گیا تھا کہ مذہب کی خاطر قتل عام کرنا خدا کا خاص اور تاکیدی حکم ہے اور قتل بھی ایسا جس سے زیادہ بے رحمانہ اور خون آشام قتل کا تاریخ سے پتہ نہیں ملتا

اور ایسا ہی ان تحریروں پر بنائے اخلاق رکھی گئی جن میں تمام اخلاقی امور سے بڑھکر بت پرستی کو دنیا سے جبراً مٹانے کو خاص فوقیت اور ترجیح دیگئی تھی۔ اور جنمیں مذہب کی خاطر ایذا رسانی کی روح کو بڑے فصیح اور پُرجوش کلام کے پیرائے پہنائے گئے تھے...... اُس مذہب کے خلاف جسکا نشان مٹایا جا رہا تھا یہ نیا مذہب یعنی عیسائی مذہب اس بات کا مدعی تھا کہ اسے لوگوں کے افعال اور راؤں کی آزادی کو روکنے اور ان میں دخل دینے اور انہیں اپنے منشاء کے مطابق چلانیکا حق ہے اور اس کے معلم مذہبی معاملات میں ایسی آزادانہ رائے دینے کو جو انکی رائے سے کچھ اختلاف رکھتی ہو نہایت خطرناک اور سیاہ جرم قرار دیتے تھے۔"

ڈریپر لکھتا ہے کہ "مذہبی لوگوں میں عام رائے یہی تھی کہ لوگوں کو اونہیں باتوں پر ایمان رکھنے کے لیے مجبور کرنا جائز ہے جن پر گروہ کثیرہ ایمان لاچکا تھا اور اگر کوئی انکار کرے تو اُسے سزا دینا بھی درست ہے"۔ چنانچہ مشہور و معروف عیسائی پادری سینٹ اگسٹائین کے بارے میں لیکی نے تحریر کیا ہے کہ "کچھ عرصہ کے لیے اوس نے مذہبی ایذا رسانی سے پہلو تہی کیا بلکہ اس کی مذمت بھی کرتا رہا لیکن تھوڑے عرصہ میں اوسکو معلوم ہوگیا کہ جن اصول مذہب کو وہ قبول کرچکا ہے اُنکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مذہب کی خاطر ایذا رسانی کے اصل کو تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ آخر مذمت کرنے سے رجوع کرکے اس نے اپنی ساری ذہانت اسی بات کے ثابت کرنے میں صرف کی اور بار بار اسپر زور دیا اور مذہب کی خاطر ایذا رسانی کے مسئلے کا وہ خود واضع اور حامی و وکیل بن گیا۔ جن دلایل کی بناپر اگسٹائین ایذا رسانی کی حمایت کرتا تھا اکثر اون میں وہی تھے جو مَیں نے ابھی بیان کیے ہیں۔ بعض کا ماخذ تو یہ عقیدہ تھا کہ سوائے عیسائی مذہب کے نجات کہیں نہیں مل سکتی۔ اور بعض عہد نامہ عتیق کے واقعات سے ماخوذ تھے وہ کہا کرتا تھا کہ کفار کو سزا دینا خواہ وہ سزا موت ہی کیوں نہ ہو دراصل اونپر رحم ہے۔ کیونکہ اس سے وہ اور دوسرے غیر عیسائی اوس ابدی عذاب سے نجات پاجاتے ہیں جس کے وہ مستوجب ہیں۔ کتب مقدسہ میں لکھا ہوا تھا کہ الحاد زناکاری کے مساوی ہے۔ اور خطرناک اور بدترین قسم کا قتل ہے کیونکہ اس سے روح قتل ہوجاتی ہے۔ یہ کفر کی ایک شکل ہے اور یہ تمام دلایل ایسے ہیں کہ انکی بناپر اونکو سزا دینا جائز اور حق ہے۔ اور عہد نامہ جدید میں جو ثابت نہیں ہوتا کہ حواریوں نے کہیں جبر اور زور سے کام لیا ہو تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اونکے زمانہ میں کسی فاضل پیشوائے مذہب نے یہ دین قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن کیا الیاس نے اپنے ہاتھوں سے بعل کے کاہنوں کو ہلاک نہ کیا؟ اور کیا حزقیاہ اور جوسیا۔ شاہ نینوا اور بخت نصر نے نیا دین قبول کرنیکے بعد اپنی سلطنتوں میں سے جبراً بت پرستی کو تباہ نہیں کیا؟ اور کیا اونکی کھلے طور پر اس نیک عمل کے لیے تحسین اور تعریف نہیں کی گئی؟ یہ سینٹ اگسٹائین ہی تھا کہ جس نے مذہبی ایذا رسانی کے خیال کو ادا کرنیکے لیے یہ جملہ ایجاد کیا کہ انہیں مذہب میں داخل ہونے کے لیے مجبور کرنا چاہیئے۔"

غرض اطرح جونہی کہ عیسائی مذہب کو دنیاوی سلطنت ہاتھ لگ گئی اوسی وقت سے اپنی ہی رعایا کو جن کے ہاتھ سے انکو کچھ بھی گزند نہ پہنچا تھا اور نہ کسی قسم کا خطرہ تھا سخت بے رحمی سے مذہبی عقوبتوں کا تختہ مشق بنایا یہ ایسے ظالمانہ کام تھے کہ مسلمانوں میں جو بڑے ظالم بادشاہ بھی گذرے ہیں اون سے بھی ایسے ظلم ظہور میں نہیں آئے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ کسی مسلمان بادشاہ نے ملک گیری کی خاطر بہت کشت وخون کیا ہو اور بعض وقت ناحق خون بھی گرایا ہو۔ لیکن یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ اونہوں نے کبھی ایسے مکروہ فعل کا ارتکاب کیا ہو کہ جو لوگ اون کے ماتحت امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوں اونہیں ایذائیں پہنچائی ہوں اور نہ تیغ کیا ہو صرف اس وجہ سے کہ اُنہوں نے ان کا دین قبول نہ کیا ہو۔ ایک عیسائی مضمون نویس لکھتا ہے کہ "مسلمانوں میں جو روح دوسرے مذاہب کے خلاف پھونکی گئی تھی اس کی کافی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ جب کبھی کسی ملک کو وہ فتح کر لیتے تو اوس کے مندروں اور گرجوں کو مسجدیں بنا لیتے" مگر جس حال میں کہ مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں ہزاروں پُرانے مندر اور گرجے آجتک قایم کھڑے ہیں تو ایک یا دو واقعات کی بنا پر کسی امر کو عام طور پر قیاس کر لینا سخت غلطی ہے۔ جس مذہبی تعصب اور جوش میں آکر عیسائی پیشواؤں اور بادشاہوں نے قدیم رومیوں کے دیوتاؤں کے مندروں کو (جو یونانی فن تعمیر کی نہایت عمدہ اور بلند شان یادگاریں تھیں) تباہ کیا اوس کی مثال دنیا کی وحشی ترین قوموں کی تواریخ میں بھی کہیں پائی نہیں جاتی۔ اور جب ہم ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایسے ظلم عیسائیوں نے جنگوں کے وقتوں میں نہیں کیے کہ جب کسی حریف کو پورے طور پر مغلوب کرنے کے جوش کی وجہ سے وہ کسی حد تک معذور سمجھے جاسکیں بلکہ عیسائی سلاطین کے مظالم با امن زمانہ میں اپنی ہی صلح جو رعایا پر دیدہ و دانستہ محض اون کے عیسائی مذہب کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے کیے گئے تو اون کی انکی درشتی اور مکروہیت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ ہم ذیل میں گبن کی ایک عبارت کا اقتباس کرتے ہیں جس سے ناظرین کو پتہ لگ جائیگا کہ عیسائیوں میں تعصب اور مذہبی جوش میں آکر ایذا رسانی کی روح کس حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "سائی نے جیئس کو جو مشرقی علاقہ کا حکمران تھا اور ازاں بعد دو نوابوں جوئیس اور گنڈنیٹیئس کو جو مغربی ممالک کے دو نامور اور مشہور و معروف حاکم تھے خاص حکم نامہ عطا کیا گیا تھا جس کی رو سے انکو حکم دیا گیا تھا کہ تمام مندروں کو بند کر دیں اور تمام آلات بت پرستی کو جبراً ضبط کر کے ضایع کر دیں۔ اور تمام تبرکات اور جائداد کو ضبط کر کے بادشاہ یا گرجا یا فوج کے فایدہ کے لیے تصرف میں لادیں۔ چاہیے تھا کہ یہ غارتگری یہیں روک دی جاتی اور عریان عمارات جنہیں اب بتوں کی عبادت بند ہو گئی تھی اس مذہبی جوش کے تباہ کن حملوں سے بچائی جاتیں۔ بہت مندر اون میں یونانی فن تعمیر کے بہت عالی شان اور خوبصورت یادگار تھے۔ اور بادشاہ کا اس میں اپنا فایدہ تھا کہ اپنے شہروں کی عظمت اور شان کو یوں تباہ نہ ہونے دیتا اور اپنے مقبوضات کی قدر و قیمت

میں نقصان واقع نہ ہونے دیتا - لازم تھا کہ ان شاہانہ عمارات کو بحال رہنے دیا جاتا تاکہ یہ یسوع مسیح کی فتوحات کی مستقل یادگاریں رہ جاتیں - فنون اور علوم کے تنزل کے زمانوں میں (جو عیسائی مذہب کے ساتھ شروع ہو گئے تھے) یہ بہت کام آنیوالی تھیں - ان میں میگزین بن سکتے - کارخانے جاری ہو سکتے تھے - اور مجالس اور مجمعوں کے کام آسکتے تھے اور شاید ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ جب ان مندروں کی دیواریں عیسائی رسوم کے ذریعہ سے پورے طور پر پاک اور صاف کر لیجاتیں تو ان میں خدا کی پرستش کرنے سے پرانی بت پرستی کے گناہ دور ہو کر پاک ہو جاتے .... بادشاہوں کے قوانین سے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اون میں کسی قدر رفق اور نرمی کے آثار موجود تھے لیکن اون کی کوششیں کچھ ایسی سرد مہری سے لبریز اور ڈھیلی اور بے جان ہوتی تھیں جو کلیسیا کے بڑے بڑے مقدس بزرگوں اور پیشواؤں کے مذہبی جوش اور جبر و غضب کی موج کو روکنے کے لیے کافی نہ تھیں ملک فرانس میں مقدس مارٹن بشپ طورس اپنے درویشوں کو ہی لیکر اپنے وسیع علاقہ کے بتوں اور مندروں اور مقدس درختوں کو تباہ کرنے کے لیے نکل پڑا۔"

وہ واقعہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ کسطرح مارسلس نے جو ملک شام کا ایک بشپ تھا اپنے ملک کے مشتری دیوتا کے مندر کو تباہ کرنے کا عزم کیا - مگر اوسکی عمارت ایسی مضبوط اور پائدار تھی کہ بڑے بڑے مضبوط آلات بھی کچھ کام نہ دے سکے - پھر اپنے دل کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اس جوشیلے بشپ نے اوس مندر کی بنیادوں میں سرنگیں لگائیں - کارتھیج کا وہ عظیم الشان زہرہ کا مندر جو دو میلوں میں محیط تھا اور روم کا وہ شاہی گنبد جسکو کل دیوتاؤں کے مندر کے نام سے منسوب کرتے تھے چھین کر گرجے بنائے گئے - اور جن پادری صاحبان کو مسلمانوں کی جنگجو اور خونریز قوم ہونے پر یہ ایک قطعی دلیل معلوم ہوتی ہے کہ قسطنطنیہ کے سینٹ صوفیا کے گرجے کی مسجد بنالیگئی تھی اونہیں چاہیئے کہ وہ اپنے دین عیسوی کی اون مثالوں کو یاد کریں کہ جنمیں بیشمار مندر گرجے بنائے گئے - لیکن اگر عیسائی صاحبان نے کل کے کل مندروں کو چھوٹے چھوٹے بتوں کی پرستش دور کرکے اور اونکی بجائے ایک بڑے بت کی پرستش کو قایم کرکے گرجوں میں تبدیل نہیں کیا تو یہ کوئی خوبی کی بات یا قابل تحسین امر نہیں - کیونکہ خود گبن نے لکھا ہے کہ "مذہبی دیوانوں کی بے ترتیب بیقاعدہ اور بے اختیار افواج رومی دنیا کے ہر صوبہ و علاقہ میں امن سے بستی ہوئی رعایا پر حملے کرتی رہتی تھیں - اور قدیم زمانہ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی عمارات کے کھنڈرات اسوقت تک بھی اون وحشیوں کے حملوں کو یاد دلا رہے ہیں جن کی طبایع خاص طور پر ایسی خطرناک تباہیوں کے لیے استعداد اور میلان رکھتی تھیں اور جنہوں نے بڑی محنت سے ان کھنڈروں کے بنانے میں اپنا وقت صرف کیا۔" پس اگر مندروں کے گرجا بنانے میں ظلم کے ساتھ کسی قدر انسانیت بھی تھی تو ان مندروں کے ویران کرنے میں پوری پوری وحشیانہ حرکات نظر آتی ہیں کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ

عیسائیوں نے بت پرستی کے مندروں کو تباہ کیا اور بت پرستی کا مذہب مٹایا اور بت پرستوں کو ایذائیں پہنچائیں
لیکن نیا مذہب بجبر منوانے کے لیے اونہوں نے بہت خونریزی نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی رومی عیسائی بادشاہ نے اپنی رعیت
کے لیے کبھی یہ اعلان کیا کہ یا تو عیسائی مذہب قبول کرو اور یا موت قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ لیکن اس کی وجہ
صرف یہ ہے کہ چونکہ وہ بت پرست لوگ عیسائیوں کی رعیت تھے اور غلاموں کی طرح اون کے مطیع اور فرمانبردار تھے
اس لیے اونہیں اپنے مالکوں کی بات ماننے کے لیے چنداں سختی کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ گبن نے لکھا ہے کہ "اگر
اون بت پرست لوگوں میں بھی اپنے مذہب کے لیے ویسی جوش اور جرأت کی روح منفوذ ہوتی جو ان عیسائیوں کے
دلوں میں بھری ہوئی تھی تو عیسوی مذہب کی یہ فتوحات خونریزی کے رنگ سے رنگین ہوتیں۔ اور جوپیٹر اور
اپولو (رومیوں کے دیوتاؤں) کے شہیدوں کو اپنے معبودوں کے قدموں پر اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کرنیکا
فخر حاصل کرنیکا موقع نصیب ہوتا۔ لیکن بت پرستوں کی بےعقیدہ اور غافل طبایع کے ساتھ ایسے جوش اور استقلال کو
مناسبت نہیں تھی۔ متعصب عیسائی بادشاہوں کے سخت اور متواتر حملوں کے بالمقابل ایک ایسا نرم اور قبول
کرنے والا مادّہ تھا جس کی وجہ سے ان حملوں کا زور خود بخود ٹوٹ جاتا تھا۔ اور بیچارے بت پرست قانون
تھیوڈوسیس کی سزاؤں اور دکھوں سے اسی طرح بچتے رہے کہ وہ ہر بات میں اطاعت اختیار کر لیتے اور ہر حکم کے
سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔ بجائے اس کے کہ وہ یہ کہتے کہ ہمارے دیوتاؤں کا حکم شہنشاہ کے حکم سے بڑھکر قابل
تسلیم ہے۔ وہ ایک دلسوز اور غم آلود بڑبڑاہٹ کے ساتھ اپنی شکایتوں کو اپنے آپ تک ہی محدود رکھکر اپنی
اون پاک آبائی رسوم سے باز آجاتے جو اون کے بادشاہ انکو ترک کرنے کا حکم کرتے۔ اگر کبھی وقت اون کے
دلوں میں کچھ جوش بت پرستی کے لیے پیدا بھی ہوتا یا یہ خیال انکے دلوں میں آتا کہ شاید ان کے راز کا افشا
نہ ہوگا اور اس بنا پر کبھی وہ اپنی توہم پرستی کی طرف رجوع کرتے۔ تو پھر نہایت عاجزی سے تائب ہو کر عیسائی
مجسٹریٹوں کی درشتی کے پنجہ سے بچ جاتے۔ اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہوگا کہ جب کبھی انہوں نے بت پرستی
کے رسوم کو ادا کرنے کی گستاخی کی ہو تو بعد میں اپنی اس گستاخی کا کفارہ اس طرح پر نہ دیا ہو کہ کراہیت اور نفرت کو
دل میں چھپا کر ظاہر طور پر انجیل کے جوئے کو اپنی گردن پر قبول کر لیا ہو۔ ایسے نالایق نو مریدوں کے روز افزوں
گروہوں سے گرجے پُر ہو رہے تھے جو محض نفسانی اور دنیاوی اغراض حاصل کرنے کے لیے اپنے بادشاہ کے
مذہب کو اختیار کر رہے تھے۔ اون کی اصل حالت یہ تھی کہ ظاہراً جب وہ تمام حرکات مذہبی کو بڑے ذوق سے
ادا کرتے نظر آتے اور عیسائیوں کی دعائیں پڑھتے تھے تو اوس وقت بھی دلوں کے اندر وہ سچے اخلاص کے
ساتھ اپنے قدیم دیوتاؤں کے آگے دعائیں کرنے سے دلوں کو تسلّی دیتے۔ ایسے تھے جہاں ان بت پرستوں میں
مذہب کی خاطر تکالیف اٹھانے کے لیے صبر اور استقلال نہ تھا ساتھ ہی ان میں اپنے جابر حکام کا مقابلہ کرنیکی

روح اور جرأت نہ تھی۔ اور لاکھوں انسان جو اپنے مندروں کی بربادی کے شاکی تھے وہ بھی اپنے دشمنوں کے بغیر کسی مقابلہ کے مطیع ہو گئے۔ شام کے کسانوں اور سکندریہ کے عام لوگوں نے جو عام عیسائی مذہبی جوش کی مخالفت کا اظہار کیا۔ وہ صرف بادشاہ کے نام اور اس کی حکومت کے رعب سے فرو کر دیا گیا؟"

کوئی سمجھدار انسان اس عذر کو قبول نہیں کر سکتا کہ عیسائیوں نے جو یہ دست تطاول دراز کیا ہوا تھا اور بت پرستوں کو ناحق کی عقوبتوں اور ایذاؤں کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا ان سختیوں کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ انہیں توہم پرستی اور بت پرستی کی ناپاک رسموں سے سخت نفرت تھی بلکہ اون کی غرض تو صرف یہی تھی کہ عیسائی مذہب میں لوگ زیادہ داخل ہوں اور یہ غرض نہ تھی کہ بدی کی بیخکنی ہو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے آپ ہی بت پرستی کی خرابیوں کو اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ مسئلہ تثلیث بت پرستوں سے ہی لیا گیا تھا علاوہ ازیں انہوں نے یہودیوں کو جو خدائے واحد کے پرستار تھے اس سے بھی زیادہ جوش و جنون سے ایذائیں پہنچائیں۔ اور اگرچہ بت پرستوں کو بپتسمہ نہ لینے کی صورت میں صریح طور پر سزائے قتل کا مستحق نہ قرار دیا گیا ہو۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا کو واحد ماننے والے یہودیوں پر محض اس لیے کہ انہوں نے یسوع مسیح کو ماننے سے انکار کیا نہایت سخت بے رحمی سے یہ مسئلہ عمل میں لایا گیا یعنی لاکھوں یہودیوں کو بغیر کسی اور قصور کے اور محض اس وجہ پر کہ انہوں نے عیسائی مذہب کو قبول نہ کیا طرح طرح کی ایذا رسانیوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ عیسائیوں نے جیسے خطرناک اور سخت مظالم یہودیوں پر کیے ہیں وہ ایسے ہیں کہ دنیا بھر کی بے رحمیوں کی تواریخ میں اون کی نظیر نہیں ملتی۔ جب سے عیسائیوں کو دنیاوی اقتدار اور سلطنت حاصل ہوئی او سوقت سے لے کر ایک عرصہ دراز تک اور بعض ممالک میں زمانہ حال تک ہر ایک عیسائی ملک میں ہر ایک عیسائی سلطنت کے ماتحت یہودیوں پر نہایت بیرحمانہ مظالم برابر کیے جاتے رہے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ چند سطروں میں ان وحشت انگیز مقدس عیسائی ظلموں کو بیان کیا جا سکے۔ چنانچہ اسی کی تائید میں پادری جارٹن٭ نے لکھا ہے کہ "ان یہودیوں کے درد انگیز حالات جن کے اموال و املاک تاخت و تاراج کر لیے گئے۔ اور اونہیں برہنہ کر کے ملک بدر کیا گیا اور فاقوں سے مارے گئے اور طرح طرح سے دکھ دیے گئے۔ اور قید خانوں میں ہلاک کیے گئے۔ اور پھانسی دیے گئے۔ اور عیسائیوں کے ہاتھوں سے جلا کر راکھ کر دیے گئے اگر لکھے جائیں تو کئی جلدیں بھر جائینگی"۔ (جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

٭ ان مظالم کے واقعات اور اقتباس کتاب کرائمز آف کرسچینٹی یعنی جرائم عیسائیت سے لیے گئے ہیں۔ جو عیسائی آزاد خیالوں کی ایک کتاب ہے۔ منہ

قسطنطین کا عیسائی ہونا یہودیوں کے سخت اور دراز عقوبتوں کے مصائب کے سلسلے کا پیش خیمہ تھا۔ لکھا ہے کہ جو یہودی یروشلم کی مرمت کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے قسطنطین نے اون کے کان کاٹ ڈالے۔ اور یوٹیکیس اسپر یہ زیادہ کرتا ہے کہ اس بادشاہ نے ان سب کو بپتسمہ لینے اور ایسٹر (عیسائیوں کی عید) کے موقع پر سوئر کا گوشت کھانے پر مجبور کیا۔ پھر اسی قسطنطین نے فلسطین کے علاقہ میں جتنے شہر یہودیوں کے تھے سب جلا دیے اور جو یہودی ملا اوسے قتل کرا دیا۔ نہ عورتوں پر رحم کیا اور نہ بچوں کو ہی چھوڑا۔ عیسائی سلطنت میں جیسے جیسے طاقت اور زور بڑھتا گیا ویسے ہی یہودیوں پر دکھوں کی صعوبت اور انکی ایذا رسانی زیادہ ہوتی گئی۔ گبن نے تحریر کیا ہے کہ منارکا میں "صرف سینٹ سٹیفن کے تبرکات نے آٹھ دن کے اندر اندر پانچسو چالیس ۵۴۰ یہودیوں کو عیسائی مذہب میں لانے کا کام دیا۔ ہاں ان تبرکات کے ساتھ کچھ مدد ایسی ایسی خوشگوار ایذا رسانیوں کی بھی تھی جیسے ان کے معبدوں کو جلا دینا اور جو کافر عیسائی مذہب کو قبول نہ کرتے تھے اور مقابلہ کرتے تھے انکو پہاڑوں میں بھگا کر بھوک سے مار ڈالنا۔ وغیرہ" سکندریہ میں یہودی شہر بدر کیے گئے۔ اون کے گھر لوٹ لیے گئے۔ اور اون کے معبد چھین کر گرجے بنائے گئے۔ جسٹینین اور بھی بڑھ گیا۔ گبن نے لکھا ہے کہ "جسٹینین کے اعتقاد میں غیر عیسائیوں کا مار دینا جرم قتل کی تعریف میں نہیں آتا تھا۔ اور وہ پاکدلی کے ساتھ عیسائی مذہب کی اشاعت تلوار اور آگ سے کرتا رہا" بشپوں نے بھی سخت ظالمانہ افعال سے یہودیوں کو عیسائی بنانے کی کوششیں کیں ساتویں صدی کے شروع میں "نوے ہزار ۹۰۰۰۰ یہودیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ بپتسمہ حاصل کریں۔ جنہوں نے انکار کیا اون کے اموال ضبط کر لیے گئے۔ اور اونکو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں اور اس میں شک معلوم ہوتا ہے کہ آیا اونہیں اپنا وطن چھوڑنے کی اجازت بھی دی یا نہیں" (گبن)۔ ۶۳۳ء میں کونسل طالیدو نے یہ حکم نافذ کیا کہ یہودیوں کے تمام بچے اون کے والدین سے چھین لیے جائیں۔ اور اونکو عیسائی کنیسوں میں بھیجدیا جائے یا مذہبی لوگوں کے حوالہ کیے جائیں کہ وہ انہیں عیسائی دین کی تعلیم دیں۔ (دیکھو فلیوری کی تاریخ کلیسیا فصل ۸) اسی مجلس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ اگر کوئی نو عیسائی کسی یہودی سے باتیں کرتا ہوا پایا جائے تو اوسکو غلام سمجھا جائے اور جس یہودی سے باتیں کرے اوسکو پبلک کے سامنے کوڑے لگائے جائیں۔ ۶۹۴ء میں طالیدو کی چودھویں مجلس نے یہودیوں کے بچوں کو چھین لینے کا پھر حکم دیا۔ بعض حالات میں یہودیوں کے بچوں کو کنیسوں میں محبوس رکھنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ عیسوی مذہب میں نجات پاکر وہ ہمیشہ کی لعنت سے بچ جاویں۔

۶۱۵ء میں ملک فرانس میں پیرس کی کونسل نے قانون نافذ کیا کہ کوئی یہودی کسی عیسائی پر

کوئی مقدمہ نہیں کر سکے گا کہ وہ بشپ سے بپتسمہ کا فضل نہ پالے۔ سنہ ۶۳۰ء میں کثیر التعداد یہودیوں کو مجبور ہو کر اوس ملک سے بدر ہونا پڑا کیونکہ یہ قانون بنایا گیا تھا کہ تمام لوگ جو یسوع مسیح پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس سلطنت سے باہر چلے جاویں۔

صلیبی جنگوں میں یہودیوں پر خاص طور سے خطرناک ظلموں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔ چنانچہ گبن نے لکھا ہے "وردن۔ طریویز۔ منٹز۔ سپائرز۔ ورمس۔ میں ہزاروں بدنصیب یہودی لوٹ لیے گئے اور تہ تیغ کر دیے گئے یہ ایسی سخت مصایب کا زمانہ تھا کہ ہیڈرین کے حادثہ کے بعد یہودیوں نے کبھی ایسا خونریز صدمہ نہ دیکھا تھا۔ کچھ جو بچ گئے وہ بشپوں کی ہمت سے بچے کیونکہ اونہوں نے منافقانہ طور پر دین عیسوی قبول کر لیا تھا۔ لیکن جو یہودی اپنے مذہب پر اڑے تھے انھوں نے پورے مذہبی جوش سے عیسائیوں کے مذہبی جوش کا مقابلہ کیا۔ اور اپنے گھروں کو مضبوط طور پر محفوظ کر کے اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو دریاؤں میں پھینکدیا۔ اور آپ بھی دریاؤں میں کود کر اپنے دشمنوں کے عناد اور بغض یا اگر بطور تنزل کہا جائے تو اون کے لالچ کو مایوس کر دیا۔ جو کسی طرح ... سے ٹھنڈا ہوتے ہی نہ تھے۔"

اسی طرح ملمین نے لکھا ہے۔ "اس قوم (یہودیوں) کے خوفناک قتل جو جرمنی کے آباد شہروں اور دریائے رائن کے کناروں پر صلیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سے وقوع میں آتے رہے وہ بائبل کے بعد بدترین دشمنوں کو مطیع بنانے سے کم کار ثواب نہ سمجھے جاتے تھے۔" بیسینج کا بیان ہے کہ "ورمز میں یہودی لوگ بشپ کے محل میں پناہ گزین ہوئے وہیں اونہیں مجبور کیا گیا کہ دو باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کر لو خواہ دین عیسوی قبول کر و یا اپنے سر تلوار سے قلم کراؤ۔ بعض نے عیسائی دین قبول کر لیا۔ لیکن جنہوں نے قبول نہ کیا وہ خودکشی پر مجبور ہوئے۔ تریویز میں جب عیسائی غازیوں کو حملہ کی نیت سے اوس طرف آتے سنا تو یہودی ماؤں نے اپنی لڑکیوں کو گلے گھونٹ کر مار ڈالا۔" بویریا میں بارہ ہزار یہودی بے رحمی سے قتل کر دیے گئے۔ جہاں کہیں عیسائی مجاہد جاتے وہاں یہودی بیچاروں کی قسمت تلوار یا بپتسمہ ہی ہوتا۔ انگلستان میں بھی اونکو ایسی ہی بدنصیبیوں کا سامنا ہوا تھا۔ اور وہ نہایت بیرحمی اور بیدردی سے قتل کیے گئے اور لوٹ لیے گئے۔ ہیکر لکھتا ہے کہ "ہر گروہ نے اسبات کی حلف اٹھائی کہ آگ اور تلوار سے یہودیوں کی بیخکنی کر دیں گے اور اون کے محافظوں کے پنجوں سے اونہیں چھین لیں گے۔ ان محافظوں کی تعداد اتنی تھوڑی تھی کہ سارے ملک جرمنی میں بہت تھوڑی جگہیں ایسی شمار میں آسکتی تھیں جہاں وہ باغی شمار ہو کر قتل نہ کیے گئے ہوں یا جلائے نہ گئے ہوں .... بسل میں یہودیوں کو جلانیکے لیے ایک چوبی مکان طیار کیا گیا اور جتنے یہودی وہاں تھے جن کی تعداد بہت بڑی تھی اوس مکان میں اکٹھے بلائے گئے اور صرف عام لوگوں کے شور مچانیکی وجہ سے بغیر تحقیقات اور کسی عدالت کے حکم کے اوس مکان کے

دروازے بند کرکے اوس کو آگ لگادی گئی۔ اور سب کے سب یہودیوں کو وہیں جلاکر راکھ کردیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی عدالتی تحقیقات بھی ہوتی تو انکو اوس سے بھی کوئی فایدہ نہ ہوتا۔"

اس سے تھوڑا عرصہ بعد فرے برگ میں ایسا ہی واقعہ ہوا اور پھر سپیرز میں یہودیوں سے ایسے ظلم کیے گئے کہ وہ جان سے تنگ آگئے اور اپنے مکانوں میں داخل ہوکر اونہیں آگ لگادی اور خود اون میں اپنے بال بچوں سمیت جلکر کباب ہوگئے۔ چند آدمی جو اون میں سے بچ رہے اونکو مجبوراً بپتسمہ دیا گیا۔ مُردوں کی لاشوں کو شراب کے خالی پیپوں میں بند کرکے دریائے رائین میں اس لیے پھینکدیا گیا کہ اون سے کہیں ہوا خراب نہ ہوجائے .... سٹراسبرگ میں یہودیوں کے قبرستان میں ایک بڑا تختہ بناکر دو ہزار زندہ یہودیوں کو جلادیا گیا۔ تھوڑے سے آدمیوں نے بپتسمہ لینے کا وعدہ کرلیا تو اونہیں اور اون کے بال بچوں کو اُتار لیا گیا۔ بعض عورتوں کی جوانی اور حسن دیکھکر ترس غالب ہوا۔ اور اونکی مرضی کے خلاف اونکو موت سے بچا لیا گیا۔ بعضے جو زور سے بھاگ نکلے تھے اونکا پیچھا کرکے بازاروں میں مار ڈالا گیا۔"

ملک ہسپانیہ میں فرڈیننڈ اور ازابیلا کی تخت نشینی کے موقع پر عیسائیوں نے یہودیوں اور مسلمانوں پر ناگفتہ بہ ظلم کیے۔ ۳۰۔ مارچ ۱۴۹۲ء کو ان عیسائی بادشاہوں نے یہ اعلان کیا کہ تمام غیر عیسائی لوگ جنہوں نے بپتسمہ حاصل نہیں کیا اخیر جولائی تک اس سلطنت کی حدود سے باہر نکل جائیں۔ اس حکم میں یہ بھی لکھا تھا کہ کسی ایسے شخص کو چاندی یا سونا ساتھ لیجانیکی اجازت نہیں۔ انکی اس مصیبت کو لنڈو اس طرح بیان کرتا ہے۔ "ان خانمان برباد تباہ حال بدقسمت لوگوں کو جو جو مصیبتیں جھیلنی پڑیں وہ احاطہ بیان میں نہیں آسکتیں۔ بعض کشتیوں کو ہی آگ لگ گئی اور وہ بیچارے یا تو آگ میں بھونے گئے اور یا غرق ہوگئے۔ اور جو اس بلا سے بچے وہ چونکہ بہت کوٹ کوٹ کر لادے گئے تھے اس لیے وہ بھی ڈوب ہی مرے۔ اکثر کی برگشتگی قسمت نے کشتیوں کو توڑ کر .... اونہیں کسی بنجر کنارے پر جا ڈالا۔ جہاں بھوک اور پیاس نے ہی پیغام اجل سنادیا۔ اور جو یہاں سے بھی جانبر ہوگئے اون کی زندگی اون کے لیے ہر قسم کی تباہیوں اور مصیبتوں سے لبریز ثابت ہوئی۔ بعضے ناخداؤں نے شرارت کی وجہ سے عمداً بحری سفر کو لمبا کردیا تاکہ اون بدبخت مظلوموں کا رہا سہا مال و اسباب پانی اور خوراک خریدنے پر صرف کراکے اور نہیں تو اونہیں قلاش اور بے نوا ہی کردیا جائے۔"

ان بے گھر اور بے در مفلوک الحال بدنصیبوں میں سے بعض ساحل جینوا پر جا لگے۔ وہاں بھی اونکے لیے وہی تباہی طیار تھی۔ لیکن بعض بڑے رحم دل عیسائیوں نے وہاں انکے حال پر ترس کھاکر انکی مدد کی۔ اور وہ مدد بھی یہی تھی کہ اگر جان اور کھانیکا سامان چاہتے ہو تو صلیب پر ایمان لے آؤ ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔ ایسی حالتیں

اب انکو سوائے تسلیم کے چارہ ہی کیا ہو سکتا تھا۔ ایسا ہی پرتگال میں ان مغضوب علیہم لوگوں کے لیے وہی سختیاں تقدیر میں لکھی تھیں۔ وہاں کے رئیس ڈان عمانوئیل کو فرڈیننڈ اور ازابیلا نے اپنی لڑکی کا بیاہ اس شرط پر دیا کہ وہ مسلمانوں اور یہودیوں کو اپنے ملک سے نکال دیوے۔ چنانچہ ماہ دسمبر سنہ ۱۴۹۶ء میں یہ حکم نافذ کیا گیا تھا کہ تمام یہودی جنہوں نے عیسائی دین قبول نہیں کیا وہ دو مہینے کے عرصہ میں ملک پرتگال کے حدود سے باہر چلے جاویں۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد پھر یہ حکم جاری کیا گیا کہ یہودیوں کے تمام بچے جو چودہ سال سے کم عمر کے تھے والدین سے جبراً چھین لیے جائیں اور عیسوی دین میں اون کی تربیت کیجائے۔ ان پاکیزگی کے مدعی عیسائیوں نے اس وحشیانہ فرمان کی بڑی دلچسپی سے تعمیل کی۔ اور اس دردانگیز اور وحشت خیز نظارہ کو لنڈو اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ ”آہ! وہ کیسا وحشت انگیز اور دردناک نظارہ تھا کہ جب اون بیکس اور مصیبت اور مامتا کی ماری ماؤں کی گودوں اور چھاتیوں سے اونکے پیارے ننھے بچے سختی اور زور سے چھین لیے گئے۔ اور بیچارے مقہور و مظلوم باپ جو معصوموں کو شفقت پدری کی گودوں میں لیے ہوئے تھے اونہیں کھینچ گھسیٹ کر اون سے اونکے بچے لے لیے گئے۔ اُس وقت کے آہ و نالے اور فغاں اور ٹھنڈی سانسیں اور عورتوں کی چیخیں اور رونے کے نعرے جن سے کرۂ ہوا پُر ہو گیا تھا نہایت ہی دردانگیز تھے۔ ان ظلموں سے تنگ آکر بعض لوگوں پر ایسی حالت طاری ہو گئی تھی کہ انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے کوؤں میں پھینک کر ہلاک کر دینے کو بہتر سمجھا۔ بعض بیچارے جانوں سے ہی ایسے ہاتھ دھو بیٹھے کہ خودکشی کر لینا ہی اوسوقت پسند کیا۔“ لیکن اونکی مصیبتیں ابھی یہیں تک ختم نہ ہوئیں۔ بلکہ ”ایک اور تازہ قانون بنایا گیا کہ جن یہودی بچوں کی عمر چودہ اور بیس سال کے اندر ہو اونکو بھی جبراً والدین سے چھین کر بپتسمہ دیدیا جاوے۔ اسطرح بے شمار بچوں کو گروہ در گروہ بالوں اور بازوؤں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے گرجوں میں لاتے اور جبر اور سختی سے بپتسمہ کا پانی اور نئے نام قبول کراتے۔ اور یہ بچے کیتھلک سلسلہ کے معاہدوں کے حوالے کر دیے جاتے۔ پھر انکے والدین بھی گرفتار کر کے اونکو یہ طمع دیجاتی کہ اگر تم عیسائی دین قبول کرلو تو تمھیں تمھاری اولاد دیدی جاوے گی۔ خدانخواستہ اگر اونمیں سے کوئی انکار کر بیٹھتا تو تین دن متواتر بے آب و دانہ زندان میں محبوس رکھے جاتے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسے شیطانی اور وحشت انگیز قانون کے برخلاف کوئی فانی انسان استقلال دکھاسکے۔ لیکن یہودی لوگ باوجود ان تمام ایذاؤں کے متزلزل نہ ہوئے جو قوم یہود کے لیے باعث فخر امر ہے۔ مگر اونکے استقلال دکھانے پر اونکو چھوڑا نہیں جاسکتا تھا چنانچہ آخر کار یہ حکم جاری کیا گیا کہ جس طرح نوجوان بچوں کو بجبر بپتسمہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح باقی لوگوں کو بھی دیا جاوے۔ چنانچہ ہر طبقہ کے مرد اور عورتیں کیا جوان اور کیا بوڑھے کشاں کشاں گرجوں میں لائے گئے اور وہاں اُنکو زندگی کا بپتسمہ دیا گیا۔ اور عیسائیوں کے ہجوم فرط جوش میں تماشا دیکھ دیکھکر خوش ہوتے اور قہقہے لگاتے تھے“ (گمنتا)

عیسوی دین نے اپنی اشاعت کے لیے جس جس طرح خلق خدا کا خون بہایا اوس کی بہت تھوڑی مثالیں اسجگہ لکھی گئی ہیں۔ جسطرح اس دین کی ترقی کے لیے اون مشہور خونریز افعال کا شارلیمن مرتکب ہوا جس نے مذہب کو بزور شمشیر پھیلایا۔ اور جسطرح بیگناہ مسلمانوں کو ٹھنڈی چھری سے ملک ہسپانیہ میں ذبح کیا گیا یہ دو اور قابل ذکر نمونے ہیں جن سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ مذہب پھیلانے کے لیے مدت دراز تک جبر اور عقوبت کے اصول پر یہ دین قایم رہا۔ اس میں کلام نہیں کہ ان اصول کی حمایت و پاسداری وہی لوگ کرتے تھے جو مذہبی عہدہ دار ہوتے تھے۔ اونہیں ان ناہنجار اصول کے ساتھ کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جہاں کہیں کبھی کسی بادشاہ کے دل میں مظلوموں کی رحم انگیز آہ و فریاد پر ترس بھی آتا اور اون کی التجاؤں کو رحم کی وجہ سے منظور کرنیکی طرف وہ رغبت بھی کرتا تو یہ پادری صاحبان اپنے رسوخ اور دباؤ سے اونکو اس انسانی طریق سے باز رکھتے۔ لکھا ہے کہ جب فرڈی ننڈ اور ازابیلا کا یہ حکم شایع ہوا کہ جو کوئی یہودی تثلیث اور صلیب کے مذہب پر ایمان نہیں لاوے گا وہ حدود ہسپانیہ سے باہر نکل جاوے تو اوس وقت ایک بڑا باحیثیت اور رسوخ والا یہودی بادشاہ کے حضور میں پہنچکر اوسکے پاؤں پر گر پڑا اور اس حکم کو منسوخ کرنیکے عوض میں بہت بڑی رقم پیشکش کرنیکی درخواست کی۔ اسپر بادشاہ اور اوس کی رانی کا دل پگھل آیا اور وہ اس درخواست کے قبول کرنے پر کچھ آمادہ بھی ہو گئے۔ لیکن پادری صاحبان انجیلی تعلیم کے مطابق ہمیشہ سے دشمنوں سے ایسی محبت کرتے چلے آئے ہیں کہ وہ اس بات کو گوارا ہی نہیں کر سکتے تھے کہ عیسائی حکومت میں وہ لوگ زندہ رہنے پائیں۔

لمبین لکھتا ہے کہ "محکمہ انکویزیشن کے افسر یہودی کی اس درخواست پر ڈر گئے (کہ مبادا بادشاہ لالچ میں آکر یہ منظور کر لے) بادشاہ اور اسکی ملکہ کا دل انسانیت کے خیالات اور انصاف کے برخلاف لوہے کی طرح سخت بنا دیا گیا تھا مگر اندیشہ یہ تھا کہ رقم کے پیش کرنے سے جو مفاد نظر آتا تھا وہ اپنا اثر نہ کر جائے۔ اسی وقت طامس یسوع مسیح کا ایک بت جو صلیب پر لگا ہوا تھا لیکر بادشاہ کے آگے بڑھا اور بت کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ یہ وہ ہے جسے یہودا نے تیس درم نقرئی کے عوض بیچ ڈالا تھا۔ اب اگر آپ اوسے بہت بھاری معاوضہ پر بیچیں گے تو خدا کے سامنے اس بات کی جوابدہی کرنی ہو گی۔ سنگدل پادری کی اس بات سے بادشاہ کانپ اُٹھے اور بیچارے یہودیوں کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ یا تو عیسائی دین قبول کریں اور یا ملک چھوڑ بھاگیں"

یہ ہے عیسائی دین کے مذہبی جنگوں کا کچا چٹھا اور یہ نہ صرف عیسائی بادشاہوں کی بلکہ زیادہ تر اون لوگوں کی کرتوتیں ہیں جن کو روح القدس نے یسوع مسیح کی خوشخبری اور اسکا دین پھیلانے کے لیے الہام کیے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ جب ہر ایک عیسائی آنکھیں بند کر کے اندھا دھند لوگوں کو جبراً عیسائی بنانیکے کام میں

لگا ہوا تھا تو ان سخت ظالمانہ اور وحشیانہ فعلوں کو دیکھکر ایک بھی آواز نہ دیتا کہ یہ اشاعت دین عیسوی نہیں بلکہ سراسر ظلم اور ناحق کی خونریزی ہے۔ سیکڑوں برسوں تک ساری عیسائی دنیا مذہب پھیلانے کے لیے اس قسم کی ناگفتہ بہ ظالمانہ کارروائیوں کو اپنے مذہب کا ایک نہایت ضروری مسئلہ سمجھتی رہی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہ تیرہ و تار جابرانہ اور بیرحمانہ اذیتیں شاذونادر ہوتیں یا ان کے مرتکب کبھی کوئی ظالم مزاج سفاک طبع بادشاہ ہی کہیں کہیں ہوتے۔ اور عام طور پر عیسائی اور اون کے پیشوا پادری لوگ اپنی مساعی کو ان شیطانی افعال کے انسداد کرنے اور بے گناہوں کی جانوں کو ناحق کے خون سے بچانے میں لگاتے تو اوس حال میں عیسائی مذہب جن الزاموں کا مرتکب ثابت ہے اونسے کسی حد تک بری رکھا جا سکتا تھا۔ لیکن جن حالات اور واقعات کے نیچے یہ دردانگیز اور خطرناک ظلم کیے گئے۔ اون سے ان سیاہ کاریوں کی تصویر اور بھی تاریک ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ظلم اُن لوگوں پر کیے گئے اور یہ ایذائیں اُن بندگان خدا کو پہنچائی گئیں جو یہ نہیں کہ بطور حریف میدان مقابلہ میں کھڑے تھے بلکہ بحیثیت رعایا انکے ظل حکومت میں بستے تھے اور انہی عیسائیوں کو اپنا ملجا اور ماوا سمجھتے تھے۔ کسقدر دردانگیز نظارہ ہے کہ انہوں نے اپنی ہی بیکس رعایا پر زور بازو دکھایا جو مقابلہ کرنا ہی نہ چاہتی تھی اور اگر چاہتے تو کر ہی نہ سکتے تھے۔ پس یہ خونریزی کی ایک نہایت ہی خطرناک تصویر ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

عیسائیوں کے مذہبی جنگوں کا مختصر الفاظ میں ذکر کرنے اور اون کے اپنے ہی گواہوں کی شہادتیں پیش کرنے کے بعد اب میں اسلامی غزوات کا کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جن کے بارے میں پادری صاحبان نے شور مچا رکھا ہے جن پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ وہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو نہیں دیکھتے پر دوسرے کی آنکھ کا تنکا اونکو نظر آجاتا ہے۔ پہلے اس بات کا بیان تو ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے جابر اور طاقتور دشمنوں نے محض اونکے اسلام قبول کرنے پر اونہیں ایسی ایسی اذیتیں پہنچائیں کہ جن سے بڑھکر کوئی عقوبت نہیں ہو سکتی تھی اور اسطرح مظلوم مسلمانوں کو مجبور ہو کر آخر تلوار ہاتھ میں لے کر اپنی جانوں کو بچانا پڑا۔ جو جو دکھ اور مصیبتیں مسلمانوں کو دشمنوں نے پہنچائیں اور جس جس طرح اونکی ذلت کی اوسکی نظیر ان مصایب میں بھی نہیں ملتی جو عیسائیوں کے ہاتھ سے یہودیوں کو پہنچیں۔ مسلمانوں کی تعداد ابھی تھوڑی ہی تھی لیکن کم بخت دشمنوں نے اونہیں سخت دکھ اور ذلتیں پہنچائیں اور ہر روز زیادہ تکلیفیں دیتے پر تلے رہے۔ یہ حال دیکھکر اکثروں نے اپنے وطن مالوف اور گھر بار کو چھوڑ پردیس میں جا ٹھکانہ کیا۔ دو دفعہ تو حبش کے ملک کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ قریش نے وہاں بھی اونکا تعاقب کیا لیکن ناکام لوٹے۔ ان ظالموں کے ظلم اتنے بڑھ گئے کہ آخر خود آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے مسلمانوں کو بھاگ کر مدینہ میں پناہ لینی پڑی۔

قریش کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ وہ عرب میں اسلام کی اشاعت ہوتی دیکھ سکتے اور نہ سن سکتے تھے جب حبش تک اونہوں نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا تو مدینہ میں کیوں امن سے بیٹھنے دیتے۔ بلکہ اب تو انہوں نے اپنی طاقتوں کو جمع کر کے یہی ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر کے اونکو یکبارگی تباہ کر دیا جائے اور اسلام کی بیخ ہی اُکھاڑ دیجائے۔ مسلمانوں کی مصیبتوں اور دُکھوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب اونہیں ان سفاک ظالم حملہ آوروں کے ہاتھ سے اپنا آپ لڑکر بچانے کی اجازت ہوئی کیونکہ کفار سوائے اس کے راضی ہوتے تھے کہ مسلمان دین اسلام سے مرتد ہو کر اون کے دین میں ہی شامل رہیں۔ اس امر کے متعلق قرآن مجید سے بہت شہادت ملتی ہے جس کے معتبر اور صحیح ہونے پر کوئی سوال نہیں ہو سکتا۔ اس شہادت میں سے بعض تو گذشتہ اشاعت میں ذکر کر دیگئی تھی لیکن اس جگہ بھی چند آیات لکھدی جاتی ہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۴ اس طرح پر ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔ جسکا ترجمہ یہ ہے۔ اور (یہ کفار) سدا تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہانتک کہ انکا بس چلے تو تمھیں تمھارے دین (اسلام) سے برگشتہ کر دیں۔ اس آیت سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہو رہی ہے کہ کفار نے مسلمانوں کو ستانے اور گزند و اذیت پہنچانے اور اونکو اسلام چھوڑا کر بت پرستی کی طرف رجوع کرانیکے ارادہ سے تلوار اُٹھائی تھی دشمنوں کی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی لیکن آسمانی تائیدوں سے انہوں نے کئی میدانوں میں دشمنوں کی کثیر التعداد افواج کو پس پا کیا۔ اسپر قریش کا غضب زیادہ زیادہ بھڑکتا گیا۔ اور اب وہ اس بات پر تُل پڑے کہ سب کے سب مسلمانوں کو تلوار سے صاف کر دیا جائے۔ بعض مسلمانوں کو اپنی قلت تعداد دیکھکر کچھ خوف بھی تھا اور اسی بات کا آیت مذکورہ سے پہلی آیت میں مذکور ہے۔ جس میں لکھا ہے کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ یعنی تمھارے لیے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا اور تمکو ناگوار بھی گذرے گا۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز تمکو بُری لگے اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تمکو بھلی لگے اور وہ تمھارے حق میں بُری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اسی طرح مسلمانوں کو جنگ کرنے کے لیے جو ضرورت پیش آئی اوسکا ذکر اس آیت میں بھی ہے یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ۔ یعنی (اے پیغمبر مسلمان تم سے) ادب والے مہینوں کی نسبت یعنی اونمیں لڑائی کرنیکی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) تو (انکو سمجھا دو کہ ادب والے مہینوں میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا کو (جیساکہ اوسکے ماننے کا حق ہے)

نہ ماننا اور راہ رب (الٰی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) نہ جانے دینا۔ اور (ان لوگوں کو جو) اُس (مسجد ہیں رہنے اور اس میں عبادت کرنے) کے اہل (ہیں یعنی مسلمانوں) کو اس میں سے نکال دینا (کہ خانۂ خدا میں خدا کی عبادت نہ کر سکیں) اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑھکر (گناہ) ہے ؛

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے محض مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض اور خدا کی راہ سے روکنے کے لیے ہی تلوار اُٹھائی۔ اور مسلمانوں کو اپنے حقوق اور جانوں کی حفاظت کے لیے جنگ سے ہی جواب دینا ضروری ہوا۔ ایک عقلمند اور سمجھدار انسان اس بات کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ جو صورت پیش آگئی تھی اس میں اس طرح جنگ کے لیے حکم دینا نہ صرف جائز اور برحق بلکہ نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ مسلمانوں نے اس لیے تلوار نہیں اُٹھائی کہ کافروں کو جبراً مسلمان بنائیں جیسا کہ پادری صاحبان کے اجداد کے کارناموں سے ظاہر ہے۔ اونکا لڑنا تو صرف اس لیے تھا کہ وہ اپنے آپ کو اسلام چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے کی لعنت سے بچائیں

قرآن شریف میں بہت ... سی ایسی آیات ہیں کہ جن سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ کفار ہمہ تن ہو کر اسی بات کے لیے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح مسلمان لوگ اسلام کو چھوڑ دیں اور بت پرست بن جائیں۔ اور اسی غرض کے لیے وہ انہیں طرح طرح سے ستانے اور شرمناک اذیتوں سے اپنے نامۂ اعمال سیاہ کرتے۔ جیسے سورۃ النسار رکوع ۱۱ میں۔ ودوالو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً ہے جسکا ترجمہ یہ ہے۔ "انکی خواہش یہ ہے کہ جس طرح خود کافر ہیں اوسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو (اور وہ) اور تم (سب) ایک ہی طرح کے ہو جاؤ" پھر سورہ ممتحنہ کی دوسری آیت ہے۔ ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداءً ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء وودوا لو تکفرون۔ ترجمہ (یہ کافر) اگر (کہیں) تم پر قابو پا جائیں تو کھلم کھلا تمہارے دشمن ہو جائیں۔ اور ہاتھ اور زبان دونوں سے تمہارے ساتھ برائی کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور ان کی اصلی تمنا یہ ہے کہ کاش تم (بھی ان ہی کی طرح) کافر ہو جاؤ۔ ایسا ہی آیت مندرجہ سورۃ النساء رکوع ۱۲ میں ہے۔ ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیاً واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ ترجمہ۔ اور (مسلمانو!) تمکو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اون بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے (دشمنوں سے) نہیں لڑتے (جو عاجز آکر خدا سے) دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو اس بستی (یعنی مکے) سے کہیں نجات دے جہاں کے رہنے والے (ہم پر) ظلم کر رہے ہیں۔ اور (خود ہی) اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور (خود ہی) اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

ایسے ہی سورۃ النساء کی ذیل کی آیات پر بھی غور کرو کہ کتنے لوگ جو اسلام کی صداقت کو دل سے مانتے تھے کفر کی حالت میں رہنے کے لیے مجبور کیے گئے۔ ان الذین توفّٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم۔ قالوا کنّا مستضعفین فی الارضؕ قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا۔ ترجمہ۔ جو لوگ (مشرکین میں پڑے رہنے اور اپنے دین کی خرابی سے) اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں فرشتے اونکی جان قبض کیے پیچھے اونسے پوچھتے ہیں کہ تم کس حالت میں رہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو وہاں بے بس تھے (اس پر فرشتے اون سے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی (اتنی لمبی چوڑی) زمین (اسقدر) گنجایش نہیں رکھتی تھی کہ تم اوس میں (کسی طرف کو) ہجرت کر کے چلے جاتے۔

الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا۔ ترجمہ۔ مگر (ہاں) جو مرد اور عورتیں اور بچے اسقدر بے بس ہیں کہ اونسے کوئی حیلہ کرتے نہیں بن پڑتا اور نہ انکو (باہر نکل جانے کا) کوئی راستہ سوجھ پڑتا ہے۔

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ۔ ترجمہ اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی خدا کے لیے) اپنا وطن چھوڑ دے گا تو (روئے) زمین میں اس کو (رہنے سہنے کے لیے) وافر جگہ اور (ہر طرح کی) گنجایش ملے گی۔

ان مندرجہ بالا آیات پر غور کرنے سے ناظرین کو اچھی طرح سمجھ آجائیگا کہ مسلمانوں کو کن حالات کے ماتحت جنگ کے لیے ہاتھ اُٹھانا پڑا۔ اسلام کے دینی جنگوں اور مسیحی مذہبی جنگوں کی طرف جب غور کیجاتی ہے تو صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان دونوں کے محرکات اور اغراض بالکل ایک دوسرے کے برعکس تھے۔

مسیح کے پرستاروں نے تو اس لیے تلوار اُٹھائی کہ بے بس اور ضعیف بت پرستوں اور یہودیونکو بزور اپنے مذہب میں شامل کریں۔ اور برخلاف اس کے مسلمانوں نے صرف اسلیے شمشیر کو میان سے نکالا جبکہ اونہوں نے دیکھ لیا کہ اب دین اسلام میں ہمارا رہنا بغیر اس کے محال اور ناممکن ہے۔ ایسا ہی مسیحی لوگوں نے اوسوقت لڑائی کرنا اختیار کیا جب وہ سلطنت دنیا حاصل کر چکے تھے۔ اور مسلمانوں کو ابتدائی ضعف اور بے بسی کیحالت میں زبردست اور خونخوار دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ ایسے صریح امور ہیں کہ کوئی پادری صاحب ان سے انکار نہیں کر سکتے اور انکو مانکر اعتراض اسلام پر نہیں رہتا بلکہ عیسائیت پر جا پڑتا ہے۔ اس کے ماسوا قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ مسلمانوں کو صرف اوس وقت تک لڑنیکی اجازت ہے کہ جب تک کفار کا فتنہ جاری رہے۔ اور جب اونکی شرارتیں ختم ہو جائیں تو پھر

جنگ کا حکم موقوف۔ چنانچہ قرآن شریف کی آیت ذیل پرغور کرو۔ وقاتلوهم حتّٰی لا تکون فتنة ویکون الدین لِلّٰه فان انتهوا فلا عدوان الا علی الظّٰلمین۔ ترجمہ۔ اور وہاں تک اون سے لڑو کہ (ملک میں) فساد (باقی) نہ رہے اور دین کا اختیار کرنا خدا کے لیے ہو جائے پھر اگر کافر (فساد سے) باز آجائیں تو (تم بھی لڑنا چھوڑ دو) عداوت ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ چونکہ اس آیت شریف کے الفاظ کے غلط معنے بیان کرکے مخالفین نادان لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جگہ اس آیت کے معنے ذرا کھولکر بیان کردیں + لفظ فتنةً جو اس آیت میں آیا ہے اس کے اصلی معنے آگ سے جلانے کے ہیں۔ اسلیے اصطلاحی طور پر مصیبت ابتلا یا خانہ جنگی یا قتل یا دینِ حق سے برگشتہ کرنے کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس آیت میں اس کے یہ آخری معنے ہی مراد ہیں یعنی دین حق سے برگشتہ کرنا۔ چنانچہ راڈول جس نے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کیا ہوا ہے۔ اوس نے بھی اسجگہ دینِ حق سے برگشتہ کرنیکے معنے کیے ہیں۔ اور اوسی صفحہ پر حاشیہ میں دوسرے معنے خانہ جنگی بیان کیے ہیں۔ اور اس لفظ کی دوسری تشریح یوں کی ہے کہ فتنہ سے مراد خانہ جنگی ہے یعنی کفار کا مسلمانوں کو مکہ سے نکالنا۔ ان مترادف معنوں میں کوئی سا ایک اختیار کیا جائے اسلیے اس آیت کے معنے یہی قرار پاتے ہیں کہ مسلمانوں کو اسوقت تک کفار سے جنگ کرنیکی اجازت ہے جب تک کفار اون کے اسلام قبول کرنیکی وجہ سے اونکو ستاتے اور دُکھ دیتے رہیں۔ اصل میں عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہی معنے صحیح ہیں۔ لیکن جملہ ویکون الدین لِلّٰه کے متعلق اس سے بھی زیادہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ اسکے عام طور پر لوگ یہ معنے کرکے دھوکہ میں آجایا کرتے ہیں ... کہ "صرف پرستش خدا کی ہو" یا "خدا کا دین (اسلام) ہی دنیا پر جاری ہو"۔ یہ دونوں معنے اصل منشائے قرآن شریف اور سیاق وسباق کے مخالف ہیں۔ کیونکہ اسی آیت کے ان الفاظ کی ان سے تردید ہوتی ہے جن میں لکھا ہے کہ "جب وہ فساد سے باز آجائیں تو اونسے کوئی عداوت نہ رکھی جائے۔ کیونکہ دشمنی صرف ظالموں سے رکھنی ہی جائز ہے"۔ اب اگر اسکا مطلب یہی ہوتا کہ مسلمانوں کو اوسوقت تک لڑائی نہیں چھوڑنی چاہیئے جب تک کہ تمام کفار اسلام میں داخل نہ ہوجاویں۔ تو الفاظ فان انتهوا یعنی "اگر وہ فساد سے باز آجائیں" غیر ضروری اور باطل ٹھہرتے ہیں۔ اور انکو یہاں لانیکی ضرورت نہ تھی۔ اس آیت میں بھی مسلمانوں کو اس حکم کا صاف طور پر پابند کردیا گیا ہے کہ جب کفار اونپر ظلم کرنا اور اونہیں دُکھ دینا چھوڑ دیں تو تمام عداوتوں کو مسلمان ترک کردیں۔ اسلیے جملہ یکون الدین لِلّٰه کے یہ معنے نہیں ہوسکتے کہ صرف اسلام ہی تمام دنیا کا مذہب ہوجانا چاہیئے۔ جب اس آیت کا ماقبل اور مابعد دیکھا جاتا ہے اور اس کے صحیح معنوں کی طرف توجہ کیجاتی ہے تو یہ بات صاف عیاں ہوتی ہے کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے اور فرائض وشعائر دین اسلام کے ادا کرنے میں کوئی دقت اور رکاوٹ نہ رہے اس لیے قرآن شریف بھی تاکید فرماتا ہے۔ کہ جنگ صرف اوسوقت تک ہی جاری رہے جسوقت تک مسلمانوں کے

دشمن اونکو دُکھ دیتے رہیں۔ اور جب ادن کے مظالم سے کامل آزادی قایم ہوجائے تو پھر دینی جہاد جاری رکھنے کے لیے کوئی جائز اور شرعی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا قطعی دلایل سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمانوں نے سوائے اس ایک بنیاد کے کہ کفار کے ظلموں سے اپنے آپ کو بچایا جاوے اور مذہبی آزادی قایم کیجاوے دینی جہاد نہیں کیا۔

اس آیت کے جو معنے ہم نے کیے ہیں وہ از خود تراشیدہ نہیں بلکہ صحیح لغت اور سیاق و سباق کی بنا پر کیے گئے ہیں۔ اور تواریخ اسلام ہمارے معنوں کی زور سے تائید کرتی ہے۔ یہ کیسی ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن کریم میں یہ حکم ہوتا کہ اوسوقت تک جنگ جاری رکھا جائے جبتک کہ کفار مسلمان نہ ہوجائیں تو اس منشاء کو پورا کرنے کے لیے سب سے پہلے خود آنحضرت سرور کائنات صلعم ہتھیار اُٹھاتے۔ اب یہ مسلم بات ہے کہ یہ آیتیں ابتدائی اسلامی جنگوں کے متعلق نازل ہوئیں اختلاف صرف اتنا ہی ہے۔ کہ آیا یہ جنگ بدر کے متعلق ہیں یا جنگ اُحد کے متعلق۔ لیکن ان دونوں جنگوں کے بعد کہیں اس بات کا پتہ نہیں ملتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کہیں کفار پر ابتدائی حملہ کیا ہو جہانتک تاریخ کو تحقیق کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمان صرف کفار کے حملوں سے اپنے بچاؤ کیلیے جنگ کرتے رہے مثلاً مشہور و معروف جنگ احزاب ہی لے لو جس میں عرب کے بت پرستوں کے خطرناک اور زبردست حملے سے بچنے کے لیے یہی ایک ذریعہ سمجھا گیا۔ کہ شہر مدینہ کے گرد خندق کھود دی جائے۔ چنانچہ اسی لحاظ سے اس لڑائی کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں۔ اسکے بعد جب اس آیت کے نازل ہوئے کئی سال گذر چکے تھے۔ اور جنگ اُحد کو بھی ۳ سال گذر چکے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ۱۶ سو اصحاب کی جماعت کے ساتھ حج کرنے کے ارادہ سے مکہ معظمہ کیطرف روانہ ہوئے۔ یہ حرمت کے مہینے تھے۔ اور عربوں میں قدیم الایام سے یہ رسم چلی آتی تھی۔ کہ ان مہینوں میں تمام عداوتیں چھوڑ دیجاتیں اور جنگ معطل کر دیے جاتے اور اس رسم کی تمام اہل عرب میں اتنی عزت و حرمت تھی کہ کسی کو اس کے توڑنے کی جرأت نہ ہوسکتی تھی۔ لیکن مسلمانوں کو ستانے کے لیے قریش نے اپنے اس آبائی طریق کی بھی عزت چھوڑ دی اور جونہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حُدیبیہ میں پہنچے قریش نے انہیں آگے بڑھنے سے روکدیا اور مکہ معظمہ کی زیارت کرنیسے مانع ہوئے اس موقع پر ایک عارضی صلح نامہ فریقین کے درمیان اس غرض کے لیے تحریر ہوا۔ کہ کچھ سالوں کے لیے دونوں فریق تمام عداوتیں چھوڑ دیں گے۔ یہ عارضی صلح قرآن شریف کے اُس حکم کے ماتحت کی گئی جو آیت زیر بحث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو صرف یہی حکم ہے۔ کہ وہ کفار کے ساتھ اُسی حالت میں لڑائی کریں۔ جبتک وہ ان سے جنگ کرتے رہیں۔ اور اذیتیں پہنچاتے رہیں۔ لیکن یہاں جب اُنہوں نے عداوتوں کے چھوڑنے اور مسلمانوں کو دُکھ دینے سے باز رہنے کا وعدہ کرلیا تو مسلمان بھی اُسوقت تک اُن سے لڑائی معطل کرنے کے لیے پابند ہوگئے اگر آیت زیر بحث کے معنے یہ کیے جاویں کہ آنحضرت ؐ کو اور مسلمانوں کو اسوقت تک جنگ کرنی چاہیئے۔ جبتک دین اسلام تمام دنیا میں پھیل جائے اور ایک بھی کافر باقی نہ رہے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ کفار سے

لڑائی جاری رکھی جاتی پس صلح حدیبیہ اُس حکم الٰہی کے منشاء کے برخلاف ہوئی۔ جسکا منشاء یہ تھا کہ جب تک سارا عرب یا ساری دنیا مسلمان نہ ہو جائے اُسوقت تک لڑائی کو روکا نہ جائے۔ ان تمام حالات سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس آیت کے کبھی وہ معنے خیال نہیں کیے۔ جو نکتہ چین اور حرف گیر دشمن الفاظ کو مروڑ کر کرنا چاہتے ہیں۔ پس اس آیت کے صرف یہی معنے ہیں۔ کہ مسلمان صرف اُسوقت تک جنگ جاری رکھیں۔ جبتک کہ کفار کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھانے سے محفوظ ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے جنگ پہلے زمانہ کے جنگوں سے کسی حال میں مختلف نہیں۔ اور آپنے کبھی ایک بھی ایسا جنگ نہیں کیا کہ جس میں کسی قوم یا قبیلہ پر اسلام قبول کرانے کیلیے جبر کیا گیا ہو۔ نکتہ چین دشمنوں نے اسلام کے برخلاف یہ بھی شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ جنگ کے متعلقہ پہلے قرآنی احکام کو پچھلے احکام سے مختلف بیان کرتے ہیں۔ اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدائی جنگ صرف دفاعی تھے اور ایسے ہی احکام انکے متعلق ہیں۔ لیکن پچھلے احکام جو جنگوں کے لیے نازل ہوئے۔ انمیں کفار کو جبراً اسلام قبول کرانے کے اصول درج ہیں۔ لیکن اگر واقعہ میں ایسا اختلاف پہلے اور پچھلے احکام قرآنی میں موجود ہوتا تو اسی قسم کا اختلاف آنحضرت صلعم کے ابتدائی اور آخری جنگوں کے موقعوں پر عملی طور پر بھی ثابت ہوتا۔ کیونکہ اس میں ذرہ بھی شک نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ ان احکام کی پورے طور پر تعمیل کرتے۔ بلکہ قرآن کریم سے تو یہ پتہ ملتا ہے کہ کفار کے ساتھ لڑنے کے لیے صرف آپکی ذات مبارک ہی حکماً مجبور تھی۔ جیساکہ سورۃ النساء کی آیت (۸۶) فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المؤمنین عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا سے ظاہر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے (اے پیغمبر) تم اللہ کی راہ میں (دشمنوں سے) لڑو۔ نہیں حکم کیا گیا مگر تیری ذات کو۔ اور (ہاں) مسلمانوں کو (بھی لڑائی کے لیے) اُبھارو۔ قریب ہے کہ اللہ کافروں کے مقاتلہ کو روک دے" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ کے لیے جتنے احکام تھے ان سب کے سب سے پہلے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور اگر آپکی پہلی اور پچھلی لڑائیوں میں ہم کوئی ایسا فرق بیان نہ کر سکیں جس سے معلوم ہو کہ ایک دفاعی تھے اور دوسرے بجبر مسلمان کرنے کے لیے تو اس کا نتیجہ بلا تامل یہی ہوگا کہ ابتدائی احکام کی طرح دوسرے احکام جنگ بھی صرف مسلمانوں کی حفاظت اور کفار کی اذیتیں روکنے کے لیے تھے۔ اب اس بات کا فیصلہ کرنیکے لیے کہ آنحضرت صلعم کے جنگوں میں کوئی ایسا فرق واقعی موجود نہ تھا ہم اسجگہ آپکے آخری جنگ کی کچھ کیفیت لکھدیتے ہیں۔ جو ہجرت کے نویں سال میں واقع ہوا اس جنگ کا نام جنگ تبوک ہے اور سورۂ توبہ کا بہت بڑا حصہ خصوصاً ۳۸ آیت سے لیکر اخیر سورۃ تک ساری سورۃ اسی جنگ کے بیان سے بھری پڑی ہے یہی وہ غزوہ ہے کہ جس میں اُن لوگوں کو جو کفار کے برخلاف جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے نہیں پہنچے تھے منافق کہا گیا ہے اور جن کے برخلاف آنحضرت کو

حکم تھا کہ یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنٰفقین و اغلظ علیھم یعنی اے پیغمبر کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ اور جسکا پچھلے مضمون میں ذکر آ چکا ہے۔ چونکہ یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے آخری غزوہ تھا اس لیے اگر کوئی جنگ بجبر مسلمان کرنیکے لیے کیا گیا ہو تو ضرور ہے کہ یہ جنگ اس غرض سے کیا گیا ہو اس لیے ہمیں یہ بات دیکھنی ضروری ہے کہ آیا اس غزوہ سے کسی قوم کو بجبر مسلمان بنانا مقصود تھا اور یا کسی دشمن کے حملہ سے بچنے کے لیے اس جنگ کی تیاری کی گئی تھی۔ ہم اس بات کے ثبوت کے لیے اپنے ناظرین کو تواریخی کتب سے لمبی لمبی عبارتیں نقل کر کے تھکانا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ذیل کے دو نوٹ جو میور نے اپنی تصنیف کے حاشیوں پر لکھے ہیں کافی طور پر تسلی کر دیتے ہیں۔ جن میں سے ایک کا عنوان "رومی باجگذاروں کا شام کی سرحد پر جمع ہونا" اور دوسرے کا عنوان "محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مقابلہ کے لیے مہم کی تجویز کرتے ہیں۔ موسم بہار ہجری سنہ ۹" ہے۔ یہی غزوۂ تبوک تھا۔

غرض اسی طرح صاف ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی جنگ کسی قوم کو بجبر اسلام میں داخل کرنیکے لیے نہیں کیا۔ ہاں سورۃ توبہ میں یہ وارد ہے فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین۔ ترجمہ۔ پھر (اے مسلمانو!) "اگر یہ لوگ (کفر و شرک سے) توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں" ایسے لوگوں کو چھیڑنا نہیں۔ یہی وہ آیت ہے کہ جس سے مخالف لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہر ایک کافر کو جو اسلام پر ایمان نہیں لاتا قتل کر دیا جائے۔ ناظرین خود ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ اس آیت کا ایسا نتیجہ کیسے خلاف وضع اور سیاق ہے۔ لیکن چونکہ کوتہ اندیش دشمنان اسلام ان الفاظ کے غلط معنے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان آیات کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ اور اس غرض کے لیے سورۃ توبہ کی چند ابتدائی آیات پہلے لکھی جاتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سورۃ میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ مسلمانوں کو عام طور پر جنگ کرنیکا حکم دیا گیا تھا کہ تمام کفار کو بزور شمشیر مسلمان بنایا جائے۔

(۱) براءۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین (۲) فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر و اعلموا انکم غیر معجزی اللہ و ان اللہ مخزی الکٰفرین (۳) و اذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین و رسولہ فان تبتم فھو خیر لکم و ان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ و بشر الذین کفروا بعذاب الیم (۴) الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا و لم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم

عہدھم الی مدتہم ط ان اللہ یحب المتقین ٥ (٥) فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد ج فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ط ان اللہ غفور رحیم ٥ (٦) وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ط ذلک بانھم قوم لا یعلمون ٥ کیف یکون للمشرکین عہد عند اللہ وعند رسولہ الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ط ان اللہ یحب المتقین ٥ (٨) کیف وان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا ولا ذمۃ ط یرضونکم بافواھھم وتابی قلوبھم واکثرھم فسقون ٥ (٩) اشتروا باٰیت اللہ ثمنا قلیلا فصدوا عن سبیلہ ط انھم ساء ما کانوا یعملون (١٠) لا یرقبون فی مؤمن الا ولا ذمۃ ط واولئک ھم المعتدون ٥ (١١) فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین ط ونفصل الاٰیات لقوم یعلمون ٥ (١٢) وان نکثوا ایمانھم من بعد عہدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون ٥ (١٣) الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدءوکم اول مرۃ ط اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین ٥ ترجمہ (١) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان کر رکھا تھا۔ اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے انکو صاف جواب ہے۔ (٢) تو اے مشرکو امن کے چار مہینے (ذی قعدہ۔ ذی الحج۔ محرم۔ رجب) ملک میں چلو۔ اور جانتے رہو کہ تم اللہ کو (کسی طرح بھی) عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور آخر کار اللہ کافروں کو (مسلمانوں کے ہاتھ سے دنیا میں) رسوا کرنیوالا ہے (٣) اور حج اکبر کے دن اللہ اور اسکے رسول سے لوگوں کو (آگاہ کرنیکے لیے عام) منادی کیجاتی ہے کہ اللہ اور اسکا رسول ان مشرکوں سے دست بردار ہیں۔ پس (اے مشرکو) اگر تم توبہ کرو۔ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر (اب بھی خدا اور اس کے رسول سے) پھرے رہو۔ تو جان رکھو کہ تم اللہ کو کسی طرح بھی ہرا نہیں سکو گے۔ اور کافروں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سناؤ۔ (٤) ہاں ان مشرکین سے جنکے ساتھ تم نے صلح کا عہد کیا تھا۔ پھر انہوں نے ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی (وہ لوگ مستثنٰی ہیں)۔ تو ان کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اسے اس مدت تک جو ان سے ٹھہرا رکھا ہے پورا کرو کیونکہ اللہ ان لوگوں کو (جو بد عہدی سے) بچتے ہیں دوست رکھتا ہے۔ (٥) پھر جب امن کے ماہ نکل جائیں۔ تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور انکو گرفتار کرو۔ اور انکا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی

تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو انکا راستہ چھوڑ دو (یعنی ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کرو کیونکہ) اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۶) اور مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسکو پناہ دو یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) کلام خدا کو سن لے پھر اسکو اسکے امن کی جگہ واپس پہنچا دو یہ (رعایت ان لوگوں کے حق میں) اسوجہ سے ہے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت سے) واقف نہیں۔ (۷) اللہ کے نزدیک اور اسکے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیونکر (معتبر) ہو (کہ انہوں نے عہد شکنی کرکے اپنی بے اعتباری کر لی) مگر جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (صلح کا) عہد کیا تھا اور انہوں نے اب تک اسکو نہیں توڑا تو جبتک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی سیدھے رہو۔ کیونکہ اللہ ان لوگوں کو جو (بدعہدی سے) بچتے ہیں دوست رکھتا ہے۔ (۸) کیسے (معتبر ہو سکتا ہے مشرکین کا عہد) ان کا حال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہاری بارہ میں نہ قرابت کا پاس ملحوظ رکھیں گے اور نہ عہد و پیمان کا۔ زبانی باتوں سے تم کو راضی کرنا چاہتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور انمیں اکثر ایسے ہیں جو عہد کو توڑتے ہیں۔ (۹) یہ لوگ (دنیا کے لالچ میں آکر) خدا کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا سا فایدہ حاصل کرکے لوگوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگے۔ کیا ہی بُری حرکتیں ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں (۱۰) کسی مسلمان کے بارہ میں نہ تو قرابت کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں نہ عہد و پیمان کا اور یہی لوگ برسر زیادتی ہیں (۱۱) پھر (اے مسلمانو!) اگر یہ لوگ .... توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور جو لوگ سمجھدار ہیں انکے لیے ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ (۱۲) اور اگر یہ لوگ عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں۔ اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے پیشواؤں کی قسمیں کچھ بھی اعتبار کے قابل نہیں۔ انسے خوب لڑو۔ تاکہ یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز آجاویں (۱۳) (اے مسلمانو!) تم ان لوگوں سے (دل کھولکر) کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں ابتدا بھی انہوں نے ہی کی۔ کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو۔ پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو انسے کہیں بڑھکر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

ان آیات کے صحیح مفہوم اور معانی سمجھنے کے لیے انکی شان نزول کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو دکھ دینے اور اسلام کی ترقی کو روکنے کے جرموں کا ارتکاب نہ صرف اہل مکہ ہی نے کیا تھا بلکہ تمام عرب کے بت پرست آپس میں متفق ہو کر شریک تھے شروع شروع میں حضور سرور کائنات صلعم اون لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے جو مکہ کے حج کے لیے عرب کے تمام اطراف سے جمع ہوتے تھے۔ اس ذریعہ سے عرب کی تمام قوموں کو اسلام کی خبر تو پہنچ گئی۔ لیکن ان کے دلوں میں بت پرستی نے ایسا گھر کیا ہوا تھا کہ بجائے اسکے کہ وہ اسلام کی طرف کچھ توجہ کرتے انہوں نے اسلام کے ساتھ نہایت سخت دشمنی کا پہلو اختیار کر لیا۔ قریش کے ہاتھ میں کعبہ کی حفاظت اور انتظام تھا۔

وہ آتے جاتے لوگوں کو دین اسلام کے برخلاف جوش دلاتے رہتے تھے۔ انکا رسوخ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ انکی دشمنی کے ڈر کے مارے کوئی قوم اسلام کی مدد کرنا تو ایک طرف رہا مخالفت کرنے سے بھی خاموش نہ رہ سکتی تھی۔ اس لیے اگر کسی قوم میں سے کسی شخص کے دل میں اسلام کی صداقت پر ایمان بھی پیدا ہو جاتا تو بھی کھلے طور پر اظہار کرنا نہایت مشکل تھا۔ اور اگر کوئی اپنے اسلام لانیکا علانیہ طور پر اظہار کر بھی دیتا تو اوسپر وہی بلائیں نازل ہوتیں جو مسلمانان مکہ پر نازل ہو رہی تھیں۔ پس اسطرح عرب کی تمام بت پرست قومیں جو ہر سال مکہ میں جمع ہوا کرتی تھیں لازمی طور پر اسلام کی دشمن ہوتی گئیں جب اسلام کی طاقت بڑھنی شروع ہوئی اور قریش شکست پر شکست کھا کر پستے گئے۔ تو عرب کی بت پرست قوموں میں سے اونکے ہمدرد اور معاون نکل نکل کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کے معاہدے کرتے رہے۔ یہ معاہدے اکثر معین اوقات کے لیے ہوتے تھے۔ لیکن کفار کچھ ایسے اندھے ہو گئے تھے کہ اپنے ان صلحنامونکی کچھ بھی پروا نہ کرکے جہاں کہیں موقع پاتے مسلمانوں کو ستانیسے باز نہ آتے۔ چنانچہ جنگ تبوک میں جب آنحضرت صلعم کو تمام اصحاب کی جماعت لیکر جانا پڑا تھا تو اسوقت بھی کفار نے مسلمانوں سے عہد شکنی کرکے انکو دکھ دیے۔ چنانچہ قرآن شریف میں کفار کی اس بار بار کی عہد شکنی کو صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جیسے سورہ انفال آیت نمبر ۵۸ میں ان بت پرست قومونکا حال بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے۔ الذین عٰھدت منھم۔ ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون۔ ترجمہ (اے پیغمبر) وہ لوگ جن سے تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا پھر اپنے عہد کو ہر بار توڑتے ہیں اور وہ (بد عہدی سے) نہیں ڈرتے۔ اور واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواءٍ ان اللہ لا یحب الخائنین۔ ترجمہ۔ اگر تمکو کسی قوم کی طرف سے دغا کا اندیشہ ہو تو مساوات کو ملحوظ نظر رکھکر (ان کے عہد کو اُٹھا) ان ہی کی طرف پھینک مارو۔ کیونکہ اللہ دغابازونکو دوست نہیں رکھتا۔ لیکن آنحضرت صلعم کو واضح طور پر حکم دیا گیا کہ اگر کفار مسلمانوں سے صلح کے خواستگار ہوں اور اسپر قایم رہنے کا وعدہ کریں تو صلح کرلیں۔ چنانچہ آیات ذیل اس بات کی شاہد ہیں۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم ۰ وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ۔ ترجمہ۔ لیکن (اے پیغمبر) اگر (کافر) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اوسی کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ اور اگر اونکا ارادہ تم سے دغا کرنیکا بھی ہو تاہم تم کچھ پرواہ نہ کرو کیونکہ اللہ تمکو کافی ہے۔ (انفال آیت ۶۳ و ۶۴) اور اسی امر پر پہلی آیتوں میں بھی تاکید درج ہے چنانچہ ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم وان تعودوا نعد ولن تغنی عنکم فئتکم شیئاً ولو کثرت وان اللہ مع المؤمنین۔ ترجمہ (اے اہل مکہ) تم جو فیصلہ مانگتے تھے (کہ جو برسر حق ہے اوسکی فتح ہو) تو (لو) فیصلہ بھی تمھارے سامنے آموجود ہوا

اور اگر آیندہ کے لیے باز رہو گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور اگر تم پھر جنگ شروع کرو گے تو پھر ہم بھی رجوع کرآئیں گے۔ اور تمھارا جتھا کتنا ہی بہت کیوں نہ ہو کچھ بھی تمھارے کام نہیں آئیگا۔ کیونکہ خدا مومنوں کے ساتھ ہے۔ (انفال ۱۹) جو حالات اوپر مذکور ہوئے ہیں وہی سورۂ توبہ کی شان نزول ہے۔ یہ لوگ جو آئے دن عہد و پیمان قایم کرتے اور توڑتے اور مسلمانوں کو ستانے اور دکھ دینے سے باز نہ آتے تھے اونکے لیے آخری فیصلہ یہی تھا کہ براءۃ کا اعلان کردیا جائے۔ جب کفار اور بت پرست اقوام عرب کو جو مکہ کی زیارت کیلئے جمع ہوئے تھے اس سورۃ کی پہلی آیات (جیسا کہ احادیث میں درج ہے) سنائی گئیں تو ان لوگوں نے حضور سرور کائنات صلعم کے رسولوں اور ایلچیوں کو کہا کہ اون (آنحضرت صلعم) کو کہدو کہ ہم نے جو عہد و پیمان تم سے کیے ہوئے تھے اونکو توڑ دیا ہے۔ اور اب نیزوں اور تلواروں کے سوا کوئی معاہدہ ہمارے اور تمھارے درمیان نہیں رہا۔

اس کے بعد اب ہر ایک آیت کو علیحدہ علیحدہ لیکر یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اس سورۂ شریف میں قرآن مجید نے دین اسلام پھیلانے کیلیے لوگوں کو دکھ اور گزند پہنچانا اور جبر کرنا کہیں جائز نہیں رکھا۔ پہلی آیت کے الفاظ سے صریح طور پر پایا جاتا ہے کہ براءۃ اونہیں مشرک لوگوں سے ہوئی ہے جو مسلمانوں سے عہد و پیمان صلح کا کرچکے تھے اس لیے جو احکام اس سے بعد کی آیتوں میں ہیں وہ اسکے تابع ہیں اور اونہیں بت پرستوں کے بارے میں ہیں جنکے ساتھ براءۃ کا اعلان کیا گیا۔ ساری دنیا تو درکنار انکے سوا جو دوسرے بت پرست تھے وہ بھی ان احکام میں شامل نہیں کیے گئے۔ دوسری آیت میں بت پرستوں کو کہا گیا ہے کہ "تم خدا کو ہرا نہیں سکو گے" اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کفار کا منشا رکیا تھا وہ مسلمانوں سے کوئی دکھ اٹھا کر اونکے مظالم کو روکنے کے لیے جنگ نہیں کرتے تھے بلکہ لڑنے سے اونکی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کی طاقت کو کمزور اور تباہ کردیں۔ اور اونہیں مغلوب کرکے اپنا مطیع اور منقاد بنالیں۔ تاکہ اسلام کی ترقی رک جائے۔ تیسری آیت دو مدعاؤں پر دلالت کرتی ہے۔ ایک تو یہ امر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلان تمام کفار دنیا کے لیے نہیں تھا بلکہ صرف اونہیں لوگوں کے لیے تھا جو اوس حج اکبر کے دن پر مکہ میں جمع ہوئے تھے۔ یعنی صرف اونہیں عربی بت پرستوں کے بارے میں یہ اعلان تھا کہ جو مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے اور دوسرا امر جو اس تیسری آیت سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اس جنگ میں جو ان کفار کے ساتھ ہوا تھا حملہ آوری کی ابتدا کے الزام سے آنحضرت صلعم بری ہیں۔ کیونکہ اسمیں لکھا ہے کہ اللہ اور اوسکا رسول مشرکین سے بری ہیں۔ یعنی انکا کوئی الزام آپ پر قایم نہیں ہو سکتا کیونکہ پہل آپکی طرف سے نہیں۔ چوتھی آیت شریف اسبات کو ثابت کرتی ہے کہ جنگ کا اعلان تمام عہد کرنیوالے بت پرستوں کے ساتھ بھی نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ قومیں جو لڑائیوں اور عداوتوں کے بعد مسلمانوں سے صلح کا عہد و پیمان کرکے اوسپر قایم تھیں اس اعلان کے اثر سے بالکل علیحدہ تھیں۔ جنگ صرف اون قوموں کے ساتھ مقصود تھا جو مسلمانوں سے عہد و پیمان

کرکے اسکو توڑتے رہتے یا ان لوگوں کے ساتھ جو خفیہ طور پر انکو مسلمانوں پر حملہ کرنیکے لیے امداد کرتے رہتے تھے۔ پانچویں آیت یہ بات عیاں کرتی ہے کہ اگر یہ کفار اسلام قبول کرلیں تو انکی سب ظلم و زیادتیاں معاف کردیجائیں۔ ان کافروں نے مسلمانوں پر ظلموں اور تعدیوں کا اندھیر مچا رکھا تھا۔ لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کو یہی حکم دیا جاتا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو انپر رحم کریں اور انہیں معاف کردیں۔ عیسائیوں کی طرح لوگوں کو عیسائی بنانیکے لیے اذیتیں پہنچانے کا حکم نہ تھا بلکہ یہاں تو مذہب کے لیے عفو اور رفق اور تالیف کا حکم ہے۔ سخت دشمنوں اور سخت ترین دشمنوں کو معاف کرنیکا اصول بھی دنیا میں اسلام نے ہی جاری کیا ہے۔ اسلامی وحدت ایک سلسلۂ اخوت قایم کرتی ہے۔ اور جب ایک دوسرے کا بھائی ہوجاتا ہے تو پھر عداوت اور بغض سب قدرتاً معاف ہوجاتے ہیں چنانچہ اسکے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے جسکا منشا یہ ہے کہ تم بھی تخلق باخلاق اللہ کرو۔ یعنی جیسے وہ بخشنے والا اور مہربان ہے ایسے ہی اگر یہ کافر تمام شرارتوں سے توبہ کریں اور دین اسلام اختیار کریں جس سے انکی آیندہ شرارتوں کا خطرہ بکلی مفقود ہوجاوے تو تمھیں بھی انکی پہلی شرارتوں کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جیسے خدا تعالیٰ ایک بڑے گنہگار کو جب وہ سچے دل سے توبہ کرے بخشدیتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف کردیتا ہے اسی طرح تم بھی کافروں کو جب وہ تمھارے دینی بھائی ہوجائیں معاف کردو۔ چھٹی آیت پہلے سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ اس خیال باطل کا قلع قمع کرتی ہے کہ مسلمان کافروں کے ساتھ اسلیے جنگ کرتے تھے کہ بجبر انکو دین اسلام میں داخل کریں۔ اس آیت شریفہ میں یہ مذکور ہے کہ جب کوئی مشرک ان لوگوں میں سے جنکے ساتھ تمھاری جنگ ہورہی ہیں تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو۔ اور دین اسلام کی اسے تبلیغ کرو۔ پھر جب اسے دین اسلام کی خوبیاں سمجھادی جاویں تو اسپر کسی قسم کا جبر مت کرو بلکہ اسکو اسکی امن کی جگہ میں پہنچادو۔ اب اگر اسلام میں یہ حکم ہوتا جو اسکے دشمن اسپر جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ جو مشرک اسلام قبول نہ کرے اسے قتل کردیا جاوے تو اس موقع پر یہ حکم ہونا چاہیئے تھا کہ اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے کہو کہ دین اسلام قبول کرو اور اگر وہ قبول نہ کرے تو اسے اسی وقت قتل کرڈالو۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اس آخر زمانہ کی وحی میں بھی وہی حکم ہے جو ابتدائی زمانہ کی وحی میں تھا کہ دین اسلام میں کسی قسم کا جبر نہیں بلکہ ہدایت اور گمراہی کی راہیں اب الگ الگ ہوگئی ہیں۔ یہاں بھی یہی کہا کہ دین اسلام کی تبلیغ کے بعد مشرک کو اپنی جا ئے امن میں پہنچادو۔ قرآن شریف کے حکم اور آنحضرت صلعم کے عمل سے صاف طور پر یہ بات واضح ہورہی ہے کہ لا اکراہ فی الدین (یعنی دین میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں) کے اصول کی تبلیغ ہر زمانہ میں اسلام میں ہوتی رہی۔ اور یہ تعلیم کبھی منسوخ نہیں ہوئی جو وحی آخری زمانہ میں ہوئی وہ بھی اسی کی تصدیق اور تائید کرکے اسکو مستند کرتی ہے۔ ساتویں آیت میں یہ بیان ہے کہ کفار کا مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان صلح کا کرنا اب ممکن ہی نہیں۔ اور اس کے وجوہ آٹھویں آیت میں درج ہیں جسمیں اسی سوال کا اعادہ کیا گیا ہے جو پہلی آیت میں لکھا گیا ہے۔ کفار مسلمانوں کے ساتھ صلح کا عہد و پیمان کرکے مسلمانوں سے

.........کسی قصور کے باعث اوس سے انحراف نہیں کرتے تھے بلکہ اوسکی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جب وہ مسلمانوں سے عداوت پر اُتر آتے تو اوسوقت خون اور عہد کے تعلقات کو بالائے طاق رکھدیتے۔ وہ تو مسلمانوں کے ساتھ مخلصانہ طور پر عہد کرنے سے دلی طور پر مخالف تھے۔ اونکی منشا یہ ہوتی تھی کہ مسلمانوں کو باتیں کر کے غافل کر چھوڑیں۔ یہی وجہ تھی کہ بار بار وہ عہد کرتے اور بار بار اپنے عہدوں کو توڑتے رہتے تھے جب کبھی اونکی شرارتوں کی سزا دینے کے لیے مسلمان آمادہ ہوتے تو وہ آکر صلح کا پیمان کر لیتے۔ اور جب وہ دیکھتے کہ مسلمان اب کسی اور طرف متوجہ ہیں تو وہ اپنے عہد و پیمان اور تعلقات خون سے بالکل بے لحاظ ہو کر مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیتے۔ نویں آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کفار صرف اتنی بات میں ہی راضی نہ تھے کہ وہ اپنے ہی دین کی رسوم کو آزادی سے ادا کر سکیں۔ بلکہ اونکی خوشی اس میں تھی کہ مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کریں۔ وہ اس لیے نہیں لڑتے تھے کہ مسلمانوں کی طرف سے اونپر اسلام قبول کرنیکے لیے کوئی کسی طرح کا جبر ہوتا تھا بلکہ وہ اس لیے لڑتے تھے کہ مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ نہ اسلیے کہ بت پرستی سے انہیں کوئی جبراً روکتا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتے تھے کہ دوسرے لوگ بت پرستی کو چھوڑیں۔ جیسا کہ آیت شریفہ سے پایا جاتا ہے اونکی اصلی غرض یہ تھی کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکیں۔ دسویں آیت اسی بات کو دوبارہ بیان کرتی ہے کہ جب کوئی مسلمان کفار کے ہاتھ آجاتا ہے تو وہ اوس کے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہیں اور صلحنامو اور خون کے تعلقات کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ گیارھویں آیت میں مسلمانوں کو دوبارہ اس بات کا تاکیدی حکم ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں وہ تمھارے دینی بھائی ہیں اونسے لڑائی بند کر دو اور اونکی گذشتہ غلطیوں کو معاف کر دو۔ بارھویں آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ اگر کوئی قوم عہد صلح کرنیکے بعد پھر عہد شکنی کرے تو انکے پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ تیرھویں آیت میں مشرکین عرب کے ان تین خاص جرموں کا ذکر ہے جنکے لیے مسلمانوں کو لڑنیکا حکم دیا گیا۔ وہ تین جرائم یہ ہیں:- (۱) رسول خدا اور اونکے اصحاب کو ملک سے نکالنے کے منصوبے بنانا (۲) مسلمانوں پر حملہ کرنے میں ابتدا کرنا۔ (۳) جو معاہدہ صلح وہ قایم کر چکے ہیں اوسکی خلاف ورزی کرنا۔ اور مسلمانوں کو از سر نو دُکھ دینا شروع کر دینا۔

مفصلہ بالا امور سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہو رہی ہے کہ قرآن کریم میں کہیں یہ حکم نہیں کہ غیر مسلمان اقوام کو مذہب کی خاطر دُکھ دیں۔ نہ اسکی کہیں تاکید ہے اور نہ جواز ہے۔ چونکہ عرب کے بت پرستوں نے محض اس لیے کہ مسلمانوں کو بالکل تباہ کر دیں اور اونکا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اونسے جنگ شروع کی۔ اس لیے یہ ایک صحیح اور قدرتی امر تھا کہ اونہیں تلوار سے ہی سزا دیجاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ثابت ہوتا جس سے یہ پایا جائے کہ آپنے اسلام پھیلانے کے لیے کسی وقت

تلوار اُٹھائی اور جبر جائز رکھا ہو۔ اور قرآن شریف میں کہیں بھی ایسا حکم صراحت یا کنایتہً موجود نہیں کہ جس میں یہ لکھا ہو کہ اسلام پھیلانے کے لیے جبر اور تلوار سے کام لو۔ کوئی متنفس دنیا میں یہ بات کہہ نہیں سکتا کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی قوم پر بجبر اسلام منوانیکے لیے چڑھائی کی ہو۔ ہمیں اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ہجرۃ مقدسہ سے چھٹے سال بعد آپ نے مختلف سلاطین کے نام خط لکھے۔ لیکن ایک بھی ایسا خط نظر نہیں آتا جس میں کسی بادشاہ کو اس بات کی دھمکی ہی دی ہو کہ اگر اسلام قبول نہیں کرو گے تو تم پر فوجکشی کیجائیگی۔ ان خطوط میں سے ایک تو اصل ہی مل گیا ہے جسکا عکس کسی گذشتہ اشاعت میں دیا جا چکا ہے۔ اس خط کو دیکھنے سے قطعی فیصلہ اس امر کا ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کفار بادشاہوں کو صرف اسلام پیش کیا تھا۔ نہ اسلام یا بصورت انکار تلوار۔ معتبر اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ اسی مضمون کے مراسلات دوسرے بادشاہوں کو لکھے گئے تھے۔ پادری لوگوں نے دنیا کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے بڑا شور مچایا ہوا ہے کہ سورہ توبہ کی پہلی ۹ آیتوں میں مسلمانوں کو بہت سخت تاکیدی حکم ہے کہ ہمیشہ اسلام پھیلانے کے لیے تعدی اور جبر کرتے رہیں۔ لیکن یہ کیسی مضبوط اور زبردست بات ہے اور عیسائی نکتہ چینوں کے لیے نہایت شرم کا موجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کے نزول کے بعد کوئی جنگ کیا ہی نہیں۔ جتنے جنگ ہوئے وہ انسے پہلے ہو گذرے تھے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سورۃ کی کسی آیت کے یہ معنے سمجھتے کہ اوس میں خدا نے حکم کیا ہے کہ کفار کو جبراً مسلمان بنانیکے لیے ان سے جنگ کرنا چاہیئے تو ان سے بڑھکر اسلام کی اشاعت کا چاہنے والا اور ذمہ وار کون ہو سکتا ہے۔ وہ تو یہ حکم سنتے ہی اپنی افواج کو تمام اطراف میں لوگوں کو مسلمان بنانیکے لیے بھیجدیتے۔ لیکن باوجودیکہ آپ سورۂ توبہ کے نزول اور اس کے موقع حج پر اعلان کے بعد سال بھر سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے لیکن ایک بھی لڑائی آپ نے نہ کی۔ کیا اس سے اس امر کا کافی ثبوت نہیں ملتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان آیات کے کیا معنے سمجھتے تھے۔ جو معنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی سے ثابت ہیں ان سے کفار کو جبراً مسلمان کرنیکے لیے جنگ کرنے کا کسی نوع سے بھی جواز ثابت نہیں۔

پھر زمانۂ نبوت کے بعد حضرات خلفائے راشدین کی سوانح پر جب ہم غور کرتے ہیں تو کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی قوم کو مجبوراً مسلمان کرنے کے لیے فوج کشی کی ہو۔ اور نہ یہ بات ہی ثابت ہوتی ہے کہ کسی قوم کو کسی حال میں تبدیل مذہب پر مجبور کیا ہو۔ جو لڑائیاں انہوں نے کیں مجبوراً کیں۔ رومیوں اور ایرانیوں کے حملوں نے انکی ضرورت پیدا کی تھی۔ ان حملوں کی وجہ یہ تھی کہ رومی اور ایرانی سلطنتوں کے گرد و نواح کے لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ بات ان سلطنتوں میں رہنے والوں کو ناگوار گذرتی تھی۔ اسطرح جھنجلا کر یہ لوگ اسلام کی ترقی کو روکنے اور مسلمانوں کو دُکھ دینے کی نیت سے حملے کرتے اور مسلمانوں کو اپنی حفاظت کی ضرورت آخر

جنگو پر مجبور کرتی۔ اگر مسلمانوں کا ان ممالک کو فتح کرنا اس نیت سے ہوتا کہ ان لوگوں کو بجبر مسلمان کیا جائے تو
کامل فتح کر لینے کے بعد غیر مسلم قوموں کو پوری مذہبی آزادی دینے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ اور یہ بات مسلّم ہے
کہ جن جن ملکوں کو مسلمانوں نے فتح کر کے اپنے قبضہ میں کیا وہاں انہوں نے ہر ایک مفتوح قوم کو کامل مذہبی
آزادی عطا کر رکھی تھی اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے مذہبی آزادی کا وہ اصول جس کی
برکتوں سے آج دنیا مالا مال ہو رہی ہے مروّج کیا۔ جس طرز اور اصول پر اور جن اغراض کو مدّنظر رکھ کر
مسلمانوں نے ان سلطنتوں کو فتح کیا تھا۔ وہ ذیل کی عبارت سے بہت اچھی طرح سمجھ میں آ سکتے ہیں جو ایک
آزاد خیال دہریئے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے ۶۳۷ء میں یروشلم کی فتح کے ذکر میں لکھا ہے کہ
"خلیفہ والاشان شہر یروشلم میں نہایت امن کے ساتھ بغیر کسی قسم کی خونریزی کے داخل ہوا۔ اور جب وہ اس
شہر کے قسیس اعظم کو ہم رکاب لیکر شہر میں سے آثار قدیمہ دیکھتا ہوا گذرا تو وہ اس کے ساتھ نہایت لطف و اکرام
سے گفتگو کرتا تھا۔ اس نے عیسائیوں کو انکے گرجوں میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی رسوم کو ادا کرنیکی
اجازت دی۔ اور مذہبی آزادی کھلے طور پر عطا کر دی۔ اسکا مختصر فیصلہ اس قابل ہے کہ اسکی بڑی عزت کے ساتھ
حفاظت کیجائے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از جانب عمرؓ ابن الخطاب بطرف باشندگانِ ایلیا۔ واضح ہو کہ ہم
تمہاری حفاظت کریں گے۔ اور تمہارے مال و جان کی نگہبانی کریں گے اور تمہارا کوئی گرجا اور معبد گرایا نہیں
جائیگا۔ اور سوائے تم لوگوں کے تمہارے معبدوں میں کسی دوسرے کو دخل نہ ہوگا۔ نہ کوئی تمہاری بغیر انکو استعمال
کر سکیگا"۔ یہ منصف مزاج مصنف آگے چلکر لکھتا ہے کہ "عمرؓ کی جوانمردانہ وجاہت اور انسانیت اور
صلاح الدین کی کریمانہ شجاعت اور مروّت (جس نے گذشتہ زمانہ میں عیسائیوں کو یروشلم کے لینے کے منصوبوں
میں پچھاڑا) خونخوار عیسائی بادشاہوں کی درندگی اور وحشیانہ پن کے ساتھ ایک نمایاں اور زندہ مقابلہ رکھتی ہے"
(دیکھو کرائمز آف کرسچینیٹی یعنی عیسائیت کے جرم)۔

عیسائیوں کی تواریخ جن مکروہ اور دردانگیز کشت و خون کے واقعات سے لبریز ہیں۔ وہ ایسے ہیں کہ پچھلی مسلمان
بادشاہوں میں بھی کوئی انکا مرتکب ثابت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے۔ کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے اپنی سلطنت کو وسیع
کرنیکی غرض سے ملکوں پر حملے کیے ہوں اور انکو فتح کر کے اپنے ماتحت کیا ہو۔ لیکن جب فتح کے بعد ملک میں امن قائم
ہو جاتا۔ اور لوگ انکے ماتحت صلح اور امن سے رہنے لگتے۔ تو مذہب کی خاطر بادشاہ اپنی رعیت پر کبھی بھی سختی نہ کرتا اور
نہ کبھی انکے معابد گراتے۔ اور نہ کبھی انکے مذہبی امور میں دخل دینا پسند کرتے۔ کوئی ملک مسلمان بادشاہوں کے
قبضہ میں ایسا نہیں تھا۔ کہ جس میں دوسرے مذہب کے لوگ آباد نہ تھے۔ لیکن وہ کبھی انکو مذہب کی خاطر ظلم نہ کرتے
بلکہ اپنی رعیت کو مذہبی رسوم ادا کرنیکے لیے کامل آزادی عطا کرتے تھے۔ اگر ہم اسلام اور عیسوی مذہب کی

حقیقت اور اصلیت کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی جنگوں کا مقابلہ کرنا چاہیں تو صلیبی لڑائیوں سے حقیقتِ حال اچھی طرح منکشف ہو سکتی ہے۔ اسجگہ ہم یورپین مصنفوں کی قلم سے نکلے ہوئے مضامین کا کچھ اقتباس درج کرتے ہیں۔ جو اس پہلو میں عیسائی مذہب کے برخلاف قطعی طور پر فیصلہ کن شہادت ہے۔ عیسائیوں کی مذہبی لڑائیوں کو مقدس جنگ کہتے تھے اور انکا محرک مذہبی خبط ہوتا تھا۔ لیکن در اصل یہ ایسی ناپاک اور خبیث لڑائیاں تھیں کہ دنیا کو ایسی لڑائیوں کا دیکھنا ہی کبھی نصیب نہوا تھا۔ گبن نے لکھا ہے کہ "صلیبی جنگ کرنیوالے ضرورت کے موقع پر اپنے گرفتار کردہ لوگوں کے بچوں اور جوانوں کے گوشت بھون بھون کر کھاتے تھے"۔ یسوع کے ان حلیم اور رحم دل سپاہیوں کے لیے مردم خواری کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ مقدس جنگ ان لوگوں کی عصمت محفوظ رکھ سکے۔ ہم اسجگہ ایک ہی فقرہ میکاڈ کا لکھ دیتے ہیں جو اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ کس حد تک بدچلنی اور بدکاری ان لوگوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ "اگر اس زمانہ کی تاریخ کا اعتبار کر سکتے ہیں تو یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ صیہون کی خلاصی کے مجاہدین میں بابل کی خرابیوں میں سے کوئی بھی کم نہ تھی۔ نہایت تعجب انگیز اور شنیدنی نظارہ! صلیبی جنگیوں کے خیموں کے نیچے قحط اور بلانوشی وحشت خیز طور پر باہم پیوستہ تھے۔ ناپاک محبت اور عشقبازی اور لہو و لعب کے لیے بیحد جوش اور حد و نہایت سے گذری ہوئی عیاشی موت کی تصویروں کے ساتھ ملے ہوئے تھی"۔ انکی کشت و خون کے نظارے بہت خوفناک تھے۔ جب انطاکیہ فتح کیا تو اوسوقت بھی انسانیت اور رحم کے جامہ کو تار تار کر بیدریغ ہو کر مسلمانوں میں ایسا قتل عام کیا گیا کہ خون کے دریا چلا دیے اور لاشوں کے خرمن جمع کر دیے "لاطینی وحشی درندوں کی طرح امڈ پڑے بوڑھوں کی عزت و اکرام جوانوں کی بیکسی اور بے بسی نازنینوں کے حسن ان درندوں پر کچھ بھی اثر نہ کرتے تھے مسلمانوں کے گھر دنمیں گھس گھس کر انکو تباہ کرتے اور اگر کہیں مسجد نظر آجاتی تو پھر انکی وحشت اور بھی زیادہ جوش میں آتی"۔ (ملز) مقام مارا میں ایسی وحشیانہ قتل عام کے علاوہ مردم خوری کی وحشیانہ حرکت بھی کی گئی آخر کار جب یروشلم پر قبضہ ہو گیا اور مقصود ہاتھ آگیا تو انکے کشت و خون بھی حد نہایت تک پہنچ گئے۔ اس نظارہ کو گبن الفاظ ذیل میں بیان کرتا ہے۔ "عیسائی خدا کے غلط کار پرستاروں نے ایک خونخوار قربانی اپنے خدا کی نذر کی۔ مقابلہ سے اونکا جوش و غضب زیادہ بڑھتا۔ اور انکی بے رحم غضب و غیظ کے جوش کو نہ کوئی عمر اور نہ کوئی جنس ہلکا اور فرو کر سکتی۔ متواتر تین دن تک ایسی طرح قتل عام میں لگے رہے کہ جو کچھ سامنے آیا بلا تمیز ادسکو تہ تیغ کیا۔ اور لاشوں کے اتنے ڈھیر لگ گئے کہ اونکی بدبو سے وبا شروع ہو گئی۔ ستر ہزار مسلمانوں کو بے رحمی سے قتل کرنے اور بے شمار یہودیوں کو اونکے معبد میں ہی جلا دینے کے بعد بھی اونکے قبضہ میں بہت سے قیدی تھے جنہیں اپنی فایدہ کی خاطر یا تنگی کیوجہ سے انہوں نے قتل سے بچا رکھا"۔ (جلد ۶ صفحہ ۴۵۹) جب میدان جنگ کا جوش و خروش ختم ہو گیا اور شہر فتح ہو گیا تو اسوقت کا جو نظارہ تھا اوسکو میکاڈ بہت خوبی کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"جن اسیران جنگ کو خواہ انسانیت کے سبب اور خواہ اپنی بے استطاعتی کے باعث سے قتل نہ کیا تھا یا جنکی جانیں بہت سارے معاوضہ کی امید میں بچا رکھی تھیں وہ سب بے دریغ تہ تیغ کر دیے گئے۔ مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے مکانوں اور میناروں کے اوپر سے کود کر مریں۔ ہزارہا بیگناہ مسلمان گرفتار کرکے زندہ جلا دیے گئے۔ جو بیچارے خوف کے مارے تہ خانوں میں جا چھپے تھے وہاں سے بھی اونکو کھینچ کھینچ کر نکالا گیا اور عام پبلک مقامات میں لاکر اونہیں اذیتیں پہنچائی گئیں۔ اور مُردہ لاشوں کے ڈھیر دنبر ڈھیر جمع کیے جاتے رہے۔ ظالم اور جلاد صلیب پرستوں کے دل ایسے پتھر ہو گئے ہوئے تھے کہ نہ تو عورتوں کے آنسو اور نہ بچوں کی چیخیں اور نہ اوس مقام کا نظارہ ہی اونکے جوش غضب کو فرو کر سکتا کہ جہاں اونکے خداوند یسوع مسیح نے اپنے دکھ دینے والوں کو معاف کیا تھا" اس وحشیانہ نظارے کا حال بیان کرتے ہوئے ملز نے یوں لکھا ہے "مفتوح لوگوں کو پبلک مقامات پر کھینچ کھینچ کر لاتے اور مظلوموں کی طرح قتل کرتے۔ عورتیں اپنے ننھے ننھے شیر خوار بچوں کو چھاتیوں سے لگائے ہوئے اور لڑکے اور لڑکیاں وغیرہ تہ تیغ کیے گئے۔ یروشلم کے چوک اور بازار تو درکنار جہاں پہلے کوئی آدمی بھی نہ رہتا تھا وہاں بھی مردوں اور عورتوں کی لاشیں اور بچوں کے کچلے ہوئے اعضا بکھرے پڑے تھے۔ اون کثیر التعداد ظالم جلادوں میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا کہ جسکا دل رحم سے پگھلا ہو یا لطف سے پھسلا ہو" یروشلم کی فتح کرتے ہی جو نظارہ انکے مظالم سے پیدا ہوا تھا اوسکو مؤرخین اس طرح بیان کرتے ہیں "ایک مسجد عمر میں ہی اسقدر مخلوق قتل کی گئی تھی کہ خون کی نہروں میں صحن مسجد کے اندر لاشیں تیرتی پھرتی تھیں۔ کٹے ہوئے بازوؤں اور ہاتھوں کو خون کی موجوں نے بہا بہا کر اون لاشوں پر پہنچا دیا تھا کہ جن سے انکا تعلق نہ تھا۔ اس ایک مقدس مقام میں دس ہزار جانوں کا خون بہایا گیا۔ اس موقع پر صرف مقتولوں کی بے سر لاشوں کو دیکھکر ہی دہشت ناک نظارہ پیدا ہوتا تھا بلکہ خود قاتل خون سے ایسے لتھڑے اور رنگے ہوئے تھے کہ اُن کی شکلیں ایک مہیب منظر آنکھوں کے سامنے لاتی تھیں۔ مغلوب لوگوں کے لیے کوئی پناہ نہ رہی۔ جلاد جابروں کا جوش و جنون ایسا بے تمیز اور حد و نہایت سے تجاوز کر رہا تھا کہ نہ تو مقابلہ ہی سے ٹھنڈا ہوتا اور نہ منت و زاری ہی سے کچھ افاقہ ہوتا۔ ہزاروں کی گردنیں تیغ و تبر سے جدا کیں اور ہزاروں کو گرجوں اور کنیسوں کی چھتوں سے گرا کر مار ڈالا"

اس خونخواری کے بعد تھوڑا عرصہ ہی گذرا تھا کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین کی سرپرستی میں یروشلم کو خونخوار عیسائیوں کے پنجہ سے واپس لینے کی توفیق عطا فرمائی۔ اب ایک طرف عیسائی لوگوں کے وہ ظلم جو چند روزہ فتح کے عرصہ میں مسلمانوں پر کیے گئے۔ اور دوسری طرف مسلمان جوانمردوں کا فتح یروشلم کے بعد مردانہ شعار اور انسانیت کا برتاؤ۔ دونوں قوموں کا مقابلہ اور موازنہ کرنے کے لیے زندہ مثال ہے۔ ایک آزاد خیال یورپین عیسائی نژاد نے اسکے ذکر میں جو کچھ لکھا ہے وہ منصف مزاج لوگوں کو اس امر پر یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ عیسائی دین کے مقابلہ پر حلم اور رفق اور رحم اور لطف دین اسلام میں بڑھا ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اوس کے

الفاظ کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ مصنف جرائم مسیحیت (کرائمز آف کرسچینٹی) لکھتا ہے ''سن ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین عیسائیوں کو طبریہ پر شکست فاش دیکر یروشلم کی طرف بڑھا۔ وہ اس بات کو دل سے چاہتا تھا کہ اس مقدس شہر کی زمین پر خون کا رنگ نہ چڑھے اسی خیال سے سب سے پہلے اوس نے لوگوں میں عام طور پر اعلان کرا دیا کہ اگر وہ بغیر لڑائی کے اطاعت قبول کرلیں گے تو اونہیں شام میں ہی رہنے کے لیے جگہ اور روپیہ دیا جائیگا۔ لیکن عیسائیوں نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ لڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ کئی دن لڑ لڑا کر پھر سلطان کے رحم کے خواستگار ہوئے'' ایبر گبن نے لکھا ہے کہ ''سلطان صلاح الدین نے شہر کا قبضہ لینا اور انکی جانوں کو قتل سے بچا نا منظور کرلیا۔ یونانی اور ایشیائی عیسائیوں کو اوس ملک میں آباد رہنے کی اجازت دیدی۔ لیکن یہ شرط لگادی کہ چالیس دنوں کے اندر رومی اور فرنگی عیسائی اس ملک کو خالی کر دیں اور اونکو بحفاظت تمام مصر اور شام کی بندرگاہوں تک پہنچانیکا خود ذمہ اُٹھایا اور انتظام کر دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ ہر مرد کیلیے دس اور ہر عورت کے لیے پانچ اور ہر بچے کیلیئے ایک طلائی ٹھہرا دیا جاسکے اور جو لوگ اپنی آزادی خریدنے کے لیے بالکل استطاعت نہیں رکھتے اونکو غلامی میں ہی رہنے دیا جائے'' پھر آگے چلکر یہ مصنف لکھتا ہے کہ ''ہزارہا غریبوں کا معاوضہ صلاح الدین نے اپنی گرہ سے ادا کیا۔ پھر ملک عادل نے سلطان کی مثال کی اتباع کرکے دو ہزار غلاموں کی آزادی کیلیے اپنے خزانہ سے معاوضہ دیا۔ اسطرح قریب قریب نصف آبادی باقی رہ گئی جسکا معاوضہ ادا نہ ہوسکا۔ اور اکثروں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلیا۔ وحشی اور خونخوار عیسائی مجاہد تو ہر جگہ بلاتمیز زن و مرد اور بچوں کو قتل عام کرتے۔ لیکن اونکی روش کے برخلاف سلطان صلاح الدین کے حضور میں جو عیسائی عورت اپنے اسیر خاوند اور بچہ اپنے باپ اور بھائی کو چھڑانیکی درخواست کرتی اور سکی حالِ زار پر سلطانی رحم جوش میں آتا اور اونکی آہ و زاری پر اوسکا دل پگھل آتا اونکے خاوندوں۔ باپوں اور بھائیوں کو نہ صرف رہا ہی کرنیکا حکم دیتا بلکہ اونکو انعام و اکرام سے مالا مال کرکے رخصت کرتا۔ میکاڈ اس بلند ہمت اور جوانمرد غیر عیسائی سلطان کی تعریف کرتا اور اس احسان کی گرمجوشی سے شکر گذاری کرتا ہے کہ ''اوس نے ماؤں کو اونکے بچے اور عورتوں کو اونکے خاوند جو قیدیوں میں آگئے تھے واپس دیدیے۔ بعض عیسائیوں نے اپنے قیمتی مال و اسباب وہیں چھوڑے اور اپنے ماں باپ کو جو ضعیف تھے کندھوں پر اُٹھا کرلے چلے اور جنکے رشتہ دار بیمار و ناتوان تھے وہ اونکو سر پر لیے ہوئے جا رہے تھے۔ صلاح الدین یہ حال دیکھکر بہت مؤثر ہوا اور اپنے دشمنوں کو اس نیکی اور خوبی کا اس موقع پر قابل تعریف فیاضی دکھا کر معاوضہ دیا مصیبت زدہ لوگوں کے حال پر ترس کھا کر اوس نے ہسپتالوں کے نائٹوں یعنی خبر گیروں کو یہ اجازت دی کہ وہ شہر میں ہی رہیں اور حاضری لوگوں کی مدارات کرتے رہیں۔ اور جو لوگ بوجہ ضعف ناقابل ہوگئے ہوں اور ایسا ہی ان لوگوں کو بھی جو بوجہ سخت بیماریوں کے سفر کے ناقابل تھے یروشلم میں رہنے کی اجازت دی'' گبن نے بہت خوب لکھا ہے کہ ''سلطان صلاح الدین کے ان رحم اور شفقت کے عملوں نے اوسے خاص تعریف اور محبت کا بھی حق دیدیا ہے.....

صلاح الدین کی انسانیت اور قریب قریب کے عیسائی بادشاہوں کی شیطنت میں عجیب اور پُر اثر مقابلہ ہے" ملز کہتا ہے کہ یروشلم سے نکلکر اکثر عیسائی انطاکیہ کیطرف چلے گئے۔ لیکن بوہیمند عیسائی بادشاہ نے اونکو پناہ دینے سے انکار کیا اور اونہیں خوب پٹوا کر نکالا۔ جہاں کہیں مسلمانوں کے ملکو نمیں وہ چلتے پھرتے تو وہاں اونکی اچھی طرح خاطر اور مدارات ہوتی"

یہ حوالجات امر زیر بحث کو ثابت کرنیکے لیے کافی ہیں اور ہمیں اب حوالوں کے اقتباس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ بات بہت اچھی طرح اور واضح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذہبی لڑائیونکا باہم مقابلہ کرنیسے نہ صرف اسی بات کا فیصلہ ہوجاتا ہے کہ اسلام اور مسلمان بادشاہوں کے برخلاف جو جو اعتراض لوگ نادانی سے کرتے ہیں وہ بے بنیاد اور غلط ہیں بلکہ اسبات کا بھی یقینی ثبوت ملتا ہے کہ مذہب کی خاطر نوع انسان کا خون ناحق اور بیدریغ کرنے کا سنگین الزام مذہب عیسوی کے برخلاف صریح طور پر قایم ہے۔ کسی مسلمان بادشاہ نے کبھی کوئی ایک عیسائی بھی بجبر اسلام منوانے کی خاطر نہیں مارا۔ حالانکہ ہسپانیہ اور دیگر ممالک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں بیگناہ مسلمانوں کو عیسائیوں نے محض اس لیے قتل کر ڈالا کہ اونہوں نے صلیب پرستی قبول کرنیسے انکار کیا تھا۔ سیکڑوں مسجدیں گرا کر عیسائیوں نے گرجا بنا لیے۔ لیکن کوئی شاذ و نادر ہی ایسا واقعہ ہوا ہوگا جس میں مسلمانوں نے کسی گرجا کو مسجد بنا لیا ہو۔ اسلام اور عیسائیت کی حقیقت ظاہر کرنیکے لیے دراصل ذیل کا ایک ہی واقعہ بیان کر دینا کافی ہوسکتا ہے۔ جب امیر المومنین خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یروشلم کو فتح کرلیا تو آپنے اتنا ہی نہ کیا کہ عیسائیوں کے گرجا کی مسجد نہ بنائی بلکہ جب بطریق اعظم نے کہا کہ آپ ہمارے گرجا میں اپنی نماز پڑھ لیں تو آپنے اسبات کو منظور نہ کیا اور کہا کہ اگر میں تمھاری درخواست منظور کرلوں تو آیندہ زمانہ میں مسلمانوں کو میرے اس فعل کے تتبع کے لباس میں عہد توڑنے کی گنجایش نکل سکے گی"۔ لیکن جب وہی شہر تھوڑے سے عرصہ کیلیے عیسائیوں کے ہاتھ آگیا تو اونہوں نے مسجد کو بدلکر گرجا بنا لیا۔ اب اخیر میں ہمیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مصنف (جرائم عیسائیت) کرائمز آف کرسچینٹی کی منصفانہ رائے کا اسجگہ کچھ اقتباس کر دیا جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ "نہ خود حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم نے ہی کسی عیسائی پر جو اونکے ساتھ امن سے رہنا چاہتا تھا کچھ زیادتی کی۔ بلکہ بقول گبن اوس نے اونکی حفاظت اور تجارت کی آزادی۔ جائداد کی ملکیت اور مذہبی عبادات کے ادا کرنیکے پورے حقوق بے تامل کھلے دل سے عطا کیے اسلامی سلطنتوں میں عیسائی گرجوں کی اجازت تھی۔ حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی عیسائی سلطنت ہرگز یہ گوارا نہ کرتی کہ اونمیں کوئی اسلامی مسجد بھی ہوتی۔ ہندوستان میں بھی شاہان اسلام نے ہندوؤں کے بت خانونکا باقی رہنا برداشت کیا۔ عربی خلفاء نے اپنے عہد میں تمام ایشیائی لوگوں کی مذہبی آزادی بحال رکھی۔ بطریق بشپ اور پادری خانگی امور میں سول مجسٹریٹوں کی محافظت میں تھے۔ لایق عیسائی وزیر اور حکیم بنائے جاتے مالگذاری کی تحصیلات کے عہدوں پر ممتاز کیے جاتے۔ اور بعض دفعہ شہروں اور صوبونکے حاکم بھی بنائے جاتے۔ جب صلاح الدین نے یروشلم کو عیسائیوں کے ہاتھوں سے

چھیڑا البتہ تو لاطینی اور یونانی اور مشرقی عیسائیوں میں تمیز مقرر کر دی جسکی رو سے اول الذکر یعنی لاطینی عیسائی تو اسیران جنگ شمار کیے جاتے۔ لیکن دوسرے یعنی یونانی اور مشرقی عیسائیوں کو بدستور سلطانی رعیت کے حقوق عطا کیے گئے اور اونہیں عام طور پر اپنے دیوتاؤں کو اپنے طرز مذہب پر پرستش کرنیکی اجازت تھی۔ اونکے مذہب میں کوئی دست اندازی کیجاتی تھی اس تحمل آمیز رعایت کا آجتک اوسیطرح رواج ہے اور کسی نے اسکی خلاف ورزی نہیں کی۔ ترکی حکومت کے ماتحت آجتک یہودی اور عیسائی ادنیٰ آزادی خیالات کے حقوق کے مزے اُڑا رہے ہیں جو اونکے اجداد کو خلفاء نے عطا فرمائی تھی۔ بہت سارے مظلوم جنکو عیسائیوں کے تعصب کے ظلم نے ملک چھوڑ بھاگنے پر مجبور کیا اونکو اُن مسلمانوں ہی کے زیر حکومت پناہ ملتی رہی جنکو نادان معترض "دُکھ دینے والے مسلمان" کر کے پکارتے ہیں"۔ اسی مصنف نے عیسائیوں کے صلیبی جنگوں کے نتائج کا خلاصہ اسطرح بیان کیا ہے "غیر عیسائیوں کو لڑ کر ملک سے بدر کر دینے کے سبب سے مذہبی دیوانگی کا جوش اور بھی بڑھا۔ اور اپنے وطن میں ملحدین کے برخلاف تلوار زیادہ تیز کی گئی" جارٹن لکھتا ہے کہ "خدا کے لیے پھانسی دینے اور زندوں کو جلانے کا عالمگیر رواج تیرھویں صدی کو دیکھنا نصیب ہوا" ملمین نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس مقدس جنگ سے یہ مسئلہ بھی مضبوط ہو گیا کہ عیسائی مذہب پر ایمان نہ لانیوالے مسیح کے ذاتی دشمن ہیں۔ اگر وہ مسیح پر ایمان نہ لائیں تو اونہیں سزا دیجاوے اور پاکبازی کی تلوار سے قتل کر کے اونکا خاتمہ کر دیا جائے۔ ان بیشمار خرابیوں کے علاوہ جو صلیبی جنگوں کے سبب سے ظہور میں آئیں یہ انکا ہی نتیجہ تھا کہ شمالی بت پرستوں اور البیجنس پر قتل عام کی تلوار چلائی گئی اور بہت سی دوسری عالمگیر خونریزیوں اور ظلموں کی بنیاد ڈالدی جن کے ذریعہ سے بعد میں پادریوں نے یورپ کو تباہ کر دیا"

ہم نے اس مضمون میں صرف واقعات کا ذکر کر دیا ہے اور یہ بات ناظرین پر چھوڑ دی ہے کہ وہ خود انصاف سے نتیجہ نکال لیں کہ آیا اہل اسلام نے لوگوں کو بجبر اپنا دین منوانیکے لیے ظلم کرنے کے اصول پر عمل کیا یا عیسائیوں نے۔ اور آیا اسلام نے نہایت وحشیانہ بیرحمی سے مخلوق خدا کا خون ناحق گرایا یا عیسائی مذہب نے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عیسائیوں کے عملی نمونہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بُردباری اور تحمل اس مذہب میں موجود ہی نہیں جب دنیا میں اسلام آیا تو اس نے تحمل اور بُردباری کے اصول دنیا کو تعلیم کیے۔ پھر عیسائیوں نے بھی بُردباری اور تحمل کو اسلام سے سیکھا۔ لیکن وہ اپنے محسن کش اور ناشکر گذار ہیں کہ اسلام ہی کو ناحق ایسے جرائم کا مرتکب قرار دے رہے ہیں۔

عیسائی مذہب کا انجام

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ڈائجسٹ کے پچھلے نمبر میں پروفیسر فاسٹر کی کتاب بنام فائنیلٹی آف دی کرسچین ریلجنس کا

ایک قابل قدر خلاصہ چھپا ہے۔ اس کتاب میں اسبات کا جواب دیا گیا ہے کہ "کیا عیسائی دین سچا آخری دین ہے؟"
اس میں یسوع مسیح کے معجزات پر ایمان کے بارے میں بہت بحث کی گئی ہے اور جو خیالات اور دلایل اسمیں پیش
کیے گئے ہیں وہ عام مذہبی عیسائیوں کے خیالات اور عقاید سے بہت مخالف ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کثیر التعداد
پادری لوگ اس کتاب کے عقاید اور خیالات سے متفق ہیں چنانچہ بپٹسٹ فرقہ کے پادریوں کے ایک جلسہ میں ۲۲ کے
مقابل ۴۸ راؤں سے یہ تجویز قرار پائی "تجویز ہوا کہ یہ جماعت بحیثیت ایک کانفرنس ہونیکے ظاہر کرتی ہے کہ ہمارا پختہ
یقین ہے کہ جو خیالات اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں وہ کتاب مقدس کے عقاید کے بالکل مخالف ہیں۔ اور
اس کی تعلیمات اور میلان اون حقایق کے بالکل برخلاف ہیں جو عیسائی دین کی روح و روان ہیں" جس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ ۲۲ پادری صاحبان کے خیالات کا اس کتاب کی طرف میلان تھا۔ کسی دوسرے موقع پر یہ بھی ظاہر کیا گیا
ہے کہ "اسکے نتایج کو کلیسیا کے عہدہ داروں نے قبول کر لیا ہے" اور "یونیورسٹی میں توفیقاً اسکو علم فلسفہ الہیات
کی ایک عمدہ کتاب مانا گیا ہے" عیسائی دین کا سارا دارمدار یسوع مسیح کے قبر سے زندہ اُٹھنے کے مسئلہ پر ہے۔
پروفیسر فاسٹر نے اس امر پر لکھا ہے کہ "اس بات کی اصل وجہ یہی ہے کہ یسوع کا جسمانی طور پر قبر سے جی اٹھنا
عیسائی دین کے عقاید کا بنیادی پتھر ہے۔ اور اس مذہب پر اس نے ایسی مضبوط مہر لگا دی ہوئی ہے کہ ابتک لوگوں کے
نزدیک دین عیسوی کی زندگی اور موت صرف اسی واقعہ کے تاریخی ثبوت پر منحصر ہے۔ خود پولوس نے لکھا ہے کہ "اگر
یسوع کا زندہ اٹھنا ثابت نہ ہو تو ہمارا ایمان ہی باطل ہے اور ہم گناہوں کی حالت میں ہی گرفتار ہیں" کیا یہ مناسب
نہیں کہ ہم اپنے آپ ہی یہ سوال کرکے دیکھیں کہ کیا ہم ایسی حالت میں ہیں کہ اس پولوسی مسئلہ کے ساتھ تجربۃً تنزیہہ
محض؟ یسوع کی موت کے بعد جو کچھ واقعہ گذرا اوسپر اپنی رائے قایم کرینگے یہ ہم انجیلوں کے بیانات اور پولوس کی شہادت
منحصر کرنیکے پابند ہیں۔ لیکن یہ بیانات ایسے متوافق ہرگز نہیں کہ انکی بنا پر ہمارا کانشنس مسیح کے جی اٹھنے کو ایک صحیح واقعہ
ماننے کے لیے مجبور ہو۔

یسوع کے زندہ جی اُٹھنے کے مسئلہ کی اتنی اہمیت اسکی کمزوری شہادت کی نسبت سے بہت ہی بعید ہے انکو
بیانات سے صرف ایک بے ثبات تصویر نظر آتی ہے جو یقین کی نگاہ کے آگے کسی صورت میں ٹھہر نہیں سکتی کیا ہمارے
لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی سب سے اعلیٰ اور مقدس مذہبی زندگی کا مدار ایسے واقعہ پر رکھدیں جسکی کوئی بھی کامل اور واضح
تصویر بنا ہی نہیں سکتا؟ اور کیا سچ مچ یہ لازمی ہے کہ اسی واقعہ پر ہم اپنی نجات کی بنا رکھدیں؟ کیا اس کے سوا
نجات کی کوئی بنیاد نہیں؟ کیا ہمارے دین کے حقایق خدا کی محبت اوسکا فضل اوسکے احکام اور اوسکی سلطنت
بجائے خود قابل اعتبار امور نہیں ہیں؟ کیا اگر ہم توبہ کریں اور صدق ایمان کے ساتھ اوسکے فضل کے خواستگار
ہوں تو ہمیں مغفرت نہیں مل سکتی؟ اگر یسوع کی روح ہم میں آباد ہے اور ہمیں خدا کی سلامتی سے پُر کرتی ہے

توکیا وہ ہمیں تسلی نہیں دے سکتا؟ اگر یسوع کا جسمانی طور پر جی اُٹھنا اور کسی خاص زمانہ تک اپنے شاگردوں کو نظر آنا ثابت نہو توکیا ابدی زندگی میں ہمارا ایمان بے بنیاد ہوگا؟ عہدنامہ عتیق کے بزرگوں کا کیا حال ہوا جو یسوع کے جسمانی جی اُٹھنے پر ایمان نہ لائے تھے؟"

یسوع کی اعجازی ولادت کو پروفیسر فاسٹر صرف اسی صورت میں ناقابل تسلیم بیان کرتا ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم روح القدس کے ذریعہ حاملہ ہوئی تھیں۔ لیکن جس طرح سے مذہب اسلام میں اسکو پیش کیا گیا ہے اور قرآن کریم میں اسکا ذکر ہے اسکے ماننے میں کوئی اعتراض نہیں۔ چنانچہ پروفیسر فاسٹر کی رائے اسی کے مطابق ہے۔ وہ لکھتا ہے "ایک اور مثال اسی قسم کے دلایل کی کافی ہوگی۔ دلیل یہ دیگئی ہے کہ مسیح کا کنواری سے پیدا ہونا ممکن ہے کہ پارتھینو جینیسس کے آخری درجہ کی صورت ہو جسکے متعلق پروفیسر لوب نے ثابت کیا ہے کہ ادنیٰ درجہ کی حیوانی زندگی کے علاوہ بھی اسکی نظیریں ملتی ہیں اور یہ یقین ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک ذی روح میں اسکا ہونا ممکن ہے (پارتھینو جینیس توالد تناسل کی ایک خاص حالت ہے جس میں ایک مادہ میں ذکور اور اناث کے مادی موجود ہونیکے سبب سے بن باپ توالد تناسل کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے) پس دلیل کے رو سے مسیح کا کنواری سے پیدا ہونا اسی اجتماع مادتین ہے پیدایش کے کمال کی ایک مثال ہے۔ اس جملے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ پیدایش عمل دستکاری کے ذریعہ سے واقعہ ہوئی یا کسی اور طرح سے۔ اس مصنوعی ترکیب میں جہاں ایک عالم اور ماہر فن نے بہت تجارب حاصل کرنیکے بعد دونوں قسم کے مادوں کو ایک جسم میں دستکاری کے ذریعہ سے باہم مرکب کردیا ہو اور کنواری کے پیٹ کے ایسی طرز میں بچہ پیدا ہونے کے درمیان کہ جہاں طبعی اور علمی دستکاری کا دخل ہی نہ ہوا ہو مشابہت بہت ناقص ہوگی۔ شاید اس دلیل بیان کرنیوالے کے ذہن میں غالباً وہی اجتماع مادتین ہے جو قدرتی رنگ سے ظہور پذیر ہوا کرتا ہے۔ ہاں اس حالت میں ایک مشکل سے نکلکر اوسکو اوس سے بڑی مشکل میں گرنا پڑا ہے۔ اس اجتماع مادتین کے صحیح معنے تو یہی ہو سکتے ہیں کہ کنواری ہی بچے کی ماں ہے اور کنواری ہی بچے کا باپ ہے۔ اس اصول پر بچے کا قدرتی اصل بیّن طور سے ایسا مکمل ہوجاتا ہے کہ گویا درحقیقت اوس کی پیدایش میں باپ بھی ذریعہ ہوا تھا (کیونکہ اسکی ماں میں دونوں مادّے موجود تھے) لیکن اس تشریح سے اوس بیان کی غلطی ثابت ہوتی ہے جس میں یسوع کی آبائی نسب روح القدس کی طرف منسوب کیجاتی ہے۔ یعنی اس تشریح سے جس واقعہ کی تشریح کرنا مقصود ہے وہ واقعہ ہی غلط ہوجاتا ہے"

اسجگہ اس بات کا ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا کہ قرآنی اصول کے رو سے مسیح روح القدس کا بیٹا نہ تھا۔ بلکہ روح القدس نے صرف مریم کو بطور پیشگوئی صرف اس امر سے اطلاع دی تھی کہ اوسکے بغیر باپ کے لڑکا پیدا ہوگا۔ ورنہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں مسیح کو اور نبیوں کی طرح انسان ہی بیان کیا گیا ہے

اور معجزات کے بارے میں اسلامی اعتقاد عیسائیوں کے اعتقاد سے بہت امور میں مختلف ہے۔ نبی اسلام کا سب سے بڑا معجزہ خود قرآن شریف ہے۔ جس کے مثل لانے سے ہر ایک زمانہ میں مخالفین عاجز رہے اور اب بھی عاجز ہیں یہ ایک معجزہ ہے اور اس زمانہ میں بھی ویسا ہی عظیم الشان اور قطعی ہے جیسا کہ حضرت سرور کائنات صلعم کے زمانہ میں تھا۔ دوسرے اسلام میں قرآن کریم کی عظمت اور اسکی تعلیمات کی اخلاقی اور روحانی فوقیت پر معجزات کی نسبت زیادہ زور ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ معجزات بھی قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جنکو آیات کہا گیا ہے کیونکہ وہ آپ کی صداقت کے نشان ہیں۔ لیکن یہ نشانات ایک خاص زمانہ تک محدود نہ تھے۔ انکی صداقت کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ اسلام کے آسمانی نشانات ہمیشہ ہر زمانہ میں خدا کے برگزیدہ لوگوں کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے نشانات کے ظاہر کرنیکے لیے مامور فرمایا ہوا ہے۔ ان خارق عادت نشانات کی حقیقی تشریح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک عادی اور معمولی اور دوسرے غیر معمولی۔ معمولی کام معمولی طور پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی خدا کا بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنا ایسا پیوند قایم کر لیتا ہے جو خارق عادت ہوتا ہے تو پھر خدا بھی اوسکے ہاتھوں پر اپنے اعجازی اور خارق عادت نشانات ظاہر فرماتا ہے۔ دونوں قسم کے کام خدا کے کام ہوتے ہیں۔ اور خاص حالات کے ماتحت مشیت الٰہی کے موافق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

عیسائی مشنری اور مسلمان

پادری ہی ٹی ولسن نے ڈی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ کی گذشتہ اشاعت میں ایک مضمون زیر عنوان "شام میں موجودہ حالات اور مشنوں کو مسلمانوں سے امیدیں" لکھا ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کی [illegible] کے ضعف کی وجہ اپنے آقا (مسیح) کا ایک قول قرار دیا ہے کہ "وے جو تلوار اٹھاتے ہیں تلوار سے [illegible] جائیں گے"۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ اونیسویں صدی کے آخری حصہ میں انگلستان [illegible] ایرانیوں۔ ترکمانوں اور بعض اور مسلمان قوموں پر بار بار فتوحات حاصل ہوئیں"۔ مگر پادری صاحب [illegible] پیشگوئی کے پورا ہونیکے لیے اتنے دور دراز زمانہ تک سراغ پہنچانیکی تکلیف کی ضرورت نہ تھی۔ اگر وہ [illegible] تواریخ پر ذرا غور کر لیتے تو انہیں صاف نظر آجاتا کہ اسلام سے پہلے عیسائیوں نے یہودیوں اور بت پرستوں کے برخلاف تلوار اٹھائی تھی اور اس کے بعد عیسائیوں کے ممالک مسلمانوں نے فتح کر لیے تھے۔ اسلیے اگر

بعض حالات کی بنا پر مسیح کی پیشگوئی کا اونیسویں صدی کے آخری حصہ میں پورا ہونا ثابت ہو سکتا ہے تو یہ ثبوت توزیادہ اجلی اور واضح طور پر اس سے ایک ہزار برس پہلے مل سکتا ہے۔ اس پیشگوئی کو یوں منطبق کرنیسے صرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر عیسائی مشنریونکے ہاتھ میں کچھ پولیٹیکل طاقت ہوتی تو وہ پھر ایک دفعہ دنیا کو اپنی اون پہلی خونریزیونکا نظارہ دکھا دیتے جیسا بیچارے یہودیونکا شکار کیا تھا + راقم مضمون اسبات کو ثابت کرنیکی کوشش کرتا ہے کہ عیسائی مشنریوں کا شفاخانے بنانا اور مدرسے قایم کرنا بڑی بھاری فوجیں ہیں جو اسلامی قلعونکی بنیاد ونکو اُکھاڑ رہی ہیں۔ یعنی بالفاظ دیگر راقم کا خیال ہے کہ عیسائیوں کے شفاخانوں اور مدرسوں اور عیسائیونکی دنیا میں ترقیات کو دیکھکر مسلمانوں کو اس بات کا یقین آرہا ہے کہ عیسائی دین سچا ہے۔ ہم نے عموماً عیسائی مشنریوں کو یہی باتیں باربار لاتے دیکھا ہے لیکن تعجب آتا ہے کہ وہ ذرا خیال نہیں کرتے کہ یہ باتیں کیسی بیہودہ اور فضول ہیں۔ عیسائی ممالک کو فتح کرکے مسلمانوں نے بہت کامیابی کے ساتھ اون ملکوں میں [illegible] اور مدارس اور کالج قایم کیے۔ لیکن صدیوں تک عیسائیوں نے جہالت اور وحشت کی تاریکیوں سے قدم باہر نہ نکالا تو اوسوقت عیسائی مذہب جھوٹا تھا۔ اور اب کچھ مادّی ترقی کرکے سچا دین ہوگیا ہے؟ اگر مسیحی لوگ اسبات کے خواہاں ہیں کہ ہم اونکے بعض خیراتی کاموںکو قایم کرنیسے یہ نتیجہ نکالیں کہ ”عیسائیونکا خدا محبت کا خدا ہے،، جیسا کہ ولسن صاحب نے تحریر کیا ہے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ عیسائیوں کے اون مظالم اور بیرحمیوں سے ہم کیا نتیجہ نکالنے کا حق رکھتے ہیں جو اونہوں نے بت پرستوں اور یہودیوں اور مسلمانوں پر کیے؟ اور یہ ایسے ظلم تھے کہ سوائے عیسائی دین پھیلانیکے اور کوئی باعث انکا بظاہر نظر نہیں آتا۔ اپنے مذہب کی محبت کے شوق میں پادریصاحب کو مسلمانوں کے وہ الطاف اور احسانات فراموش نہیں کرنے چاہئیں جو وہ کفار پر کرتے رہے۔ انکی ایسی کوششوں سے تواریخ کے صفحات نہیں مٹ سکتے۔

راقم مضمون کو اس بات کا بھی یقین ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات مسیحی مذہب کے متعلق دن بدن اسکے حق میں مؤید ہوتے جاتے ہیں۔ اسکی تائید میں وہ ”ایک آزاد خیال مسلمان،، کی سند پیش کرتا ہے جسے اوس نے کہیں یہ کہتے سنا تھا کہ ”دنیا کی ابتدا مسیحی دین سے ہوئی ہے اور خاتمہ بھی اسی پر ہوگا،، اور ایک اور مسلمان کا کلام بھی پیش کیا ہے کہ ”سیدنا عیسیٰ خدا تھا،، اور اسکی تائید میں ایک آیت نقل کرکے اوسپر حاشیہ چڑھایا ہے کہ اسکا مطلب سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خدا تھا؟ ہم اسکو ایک بھلے مانس کا بیان فرض کرکے مسٹر ولسن کیخدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اونکا آزاد خیال شیخ اور دوسرا مسلمان محض اُسی قسم کے دو خردماغ انسان ہیں جیسے کثرت سے عیسائی ممالک میں اور بعض مسلمان ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ یہ کذب محض ہے کہ دنیا کی ابتدا عیسائی تھی اور ایسا ہی صاف اور عظیم دروغ یہ ہے کہ دنیا کا انجام بھی عیسائی ہی ہوگا۔ ایسا ہی

کبھی کوئی مسلمان جسکو قرآن شریف کی کچھ بھی واقفیت ہے ایک لمحہ کے لیے بھی مان نہیں سکتا کہ قرآن کریم میں یسوع کو خدا کہا گیا ہے۔ بلکہ قرآن شریف تو بہت صراحت اور زور کے ساتھ مسیح کی خدائی اور اوسکے کفارہ کے مسئلہ کی تردید کرتا ہے۔ آگے چلکر مسٹر ولسن نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو بچپن ہی سے یہ بات سکھلائی جاتی ہے کہ "عیسائی نجات کی تجویز" جھوٹ ہے۔ یہ بالکل سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ عیسائی صاحبان نے خود عقلی بلوغ کو پہنچکر اسبات کو سمجھ لیا ہے کہ انکی نجات کی تجویز سراسر باطل اور لغو امر ہے۔ عیسائی مشنریوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں پر اپنے مذہب کی صداقت ظاہر کرنیکے لیے کوئی معزز راستہ اختیار کریں۔ ہسپتالوں اور مدرسوں کے قایم کرنیکو دلیل ٹھہرانا معقول پسند انسانوں کے نزدیک نہایت خفیف اور مضحکہ انگیز بات ہے۔

گرجوں کو دلکش بنانیکے نئے حیلے

پہلے تو عیسائی لوگ وعظ کرکے لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنیکی کوشش کیا کرتے تھے لیکن اب غیر عیسائیوں کو مذہب عیسوی کی طرف اور عیسائیوں کو گرجوں کی طرف کھینچکر لانیکے لیے نئے طریقے پرانے طریقوں کی نسبت بہت زیادہ مؤثر ثابت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اخبار سول ملٹری گزٹ مورخہ ۲۔ نومبر میں نیویارک سے ڈیلی میل کے نامہ نگار کے حوالہ سے بعنوان "گرل وریجر" لکھا ہے "ابینزر اپسکوپل میتھوڈسٹ چرچ جو منہاٹن کے فلاڈلفیا محلہ میں واقعہ ہے وہاں کے پادری نے اپنی امامت کو بہت زیادہ دلکش بنانیکے لیے ایک نیا طریقہ دریافت کیا ہے جس سے دونوں نمازوں کے وقت لوگوں کا بہت بڑا ہجوم ہو جاتا ہے۔ اوس نے یہ تجویز نکالی ہے کہ اپنے مقتدیوں میں سے نوجوان۔ دلربا کنواری نازنین لڑکیونکی ایک جماعت بنا کر اونکو اس کام پر لگایا ہے کہ گرجا میں آنیوالوں اور آئے گئے اجنبیوں کے ساتھ ہو کر وہ انہیں مناسب جگہوں پر بٹھائیں۔ اور اپنے ناز و انداز سے اونسے چندے اور گرجا کے جیوب جمع کریں۔ ان لڑکیوں کی نوبتیں مقرر کی ہوئی ہیں۔ اور ہر ہفتے ۱۲ لڑکیوں کو اس مقدس کام کے لیے آنا پڑتا ہے انکا لباس بھی سمجھ سوچکر بہت خوشنما بنایا ہوا ہے جس سے حسن شباب کی رونق دوبالا ہو کر لوگوں کو زیادہ گرفتار دام بناتی ہیں۔ سفید رنگ کے نہایت اجلے بھولے بھالے جامے پہنے۔ اور سروں پر عجیب طرز کی خوشنما لیسدار ٹوپیاں پہنے ہوئے بڑے ناز و انداز کے ساتھ گرجا کے دروازہ کے آگے آنیوالے لوگوں کے دل کھینچنے اور استقبال کرنیکے لیے کھڑی ہوتی ہیں۔ اس نئی تجویز نے پہلے تجربہ میں بڑی کامیابی دکھائی۔ وہ نوجوان جو اصلاح کے نزدیک بھی نہ پھٹکتے تھے اب اس کشش کی بدولت دور و نزدیک سے گروہ در گروہ کھینچے چلے آتے ہیں۔ پادری صاحب جسکا نام ایورنڈ ایورٹ ڈی ڈکیہ ہے اپنی اس کامیابی کو دیکھکر باغ باغ ہو رہا ہے۔ اور وہ بیان کرتا ہے کہ اسکی نسبت مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ ان نوجوانونکو

اس نوعیکے نئی جمع کرنیکی لاینحل مشکل اس تجویز سے حل ہو جائیگی۔ جنکو اپنا شغل اور عیش اسطرح اپنیکی اجازت نہیں دیتا تھا۔ دو گرجا کے خواص حامی مشہور و معروف کاروباری لوگ ہیں اور ان سب کو اسمیں مسادی خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ خزانچی نے کہا ہے یہ بات کافی ہے کہ گذشتہ سال کے اسی اتوار کی نسبت اس دفعہ کی آمدنی میں ۱۵۰ فیصدی ترقی ہوئی ہے۔"

ہم اس باتسے واقف نہیں کہ اس پادری نے اپنے اس طریق سے نوجوان لوگوں میں روشنی پھیلانے کی بنا انجیل پر رکھی ہے کہ نہیں۔ لیکن ہمارا قیاس یہی ہے کہ چونکہ وہ عیسائی پادری اور امام ہے اس لیئے ضرور ہے کہ اوسکو اس نئے طریق کے جواز کا حق انجیل کی تعلیم سے ہی ملا ہوگا۔ اور غالباً وہ اسی خیال میں ہوگا کہ اوس نے اس نئے طریق سے اون لوگوں میں روشنی پھیلانے کے لیے یسوع مسیح کی پیروی اختیار کی ہے جو اگر یہ طریق ایجاد نہ کیا جاتا تو محروم رہ جاتے اسی طرح عیسائی مشنری بھی اسی قسم کے دل بہلانیوالے حیلوں سے لوگوں کو عیسائی بنانیکی کوشش کو نہیں لگ رہتے ہیں۔ ان واقعات سے ایک معقول انسان خوب سمجھ سکتا ہے کہ عیسائی دین میں دلی طہارت کا حاصل کرنا کہانتک مقصود ہے صاف ظاہر ہے کہ یہ نوجوان جو غیر معمولی طور پر گرجا میں جمع ہوتے ہیں اونکو تو صرف اون حسین اور دلربا صنفوں کی معیت کا جوش کھینچکر یہاں لاتا ہے۔ ورنہ پہلے بھی وہی گرجا اور وہی پادری ہوتے تھے اور وہ کبھی اوس راہ میں آنا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ لوگ جو اسلامی پردہ کے مخالف بنکر اس باتکے مؤید ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا آزادی سے کھلے طور پر باہمی میل جول انسان کے دل پر کوئی برا اثر نہیں پیدا کرتا ہے۔ اس موقع پر اونسے سوال کیا جاتا ہے کہ یہ نوجوان یہاں بجز اوس کشش کے اور کیوں آتے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ مردوں اور عورتوں کے باہم اختلاط میں ایک خوشی ہوتی ہے۔ لیکن یہ خوشی عموماً شہوانی ہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس دین اسلام نے جس میں کامل طہارت نفس اعلیٰ مقصد رکھا گیا ہے عورتوں اور مردوں کے کھلے طور پر ملنے جلنے کو منع کرتا ہے۔

شرقیوں اور غربیوں میں اخلاق کے مفہوم کا فرق

بیان کیا جاتا ہے کہ جوزف ایف سمتھ جو عیسائی فرقہ مارمن کا پیشوا ہے بجرم کثرت ازدواج گرفتار کیا گیا ہے۔ اوس کے سزا پانے میں بعض شکوک ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اس بات کا خوف ہو رہا ہے کہ شاید وہ شادیاں ہی ثابت نہ ہوں۔ اور عورتیں اوس سے تعلق مناکحت کا انکار ہی کر دیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ بصورت ثبوت نکاح وہ مستوجب سزا ٹھہرے گا اور اگر اونکا تعلق ناجائز یعنی زنا کاری کا ثابت ہوا تو وہ بری ہوگا۔ یہی ایک بڑا فرق مشرقی اور مغربی

دنیا کے مفہوم اخلاق میں ہے۔ یعنی مسلمانوں اور عیسائیوں میں جو مفہوم اخلاق ہے وہ اسی امر سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اسلامی عدالت میں پیش ہو کر زنا کے ارتکاب کا اقبالی ہو تو وہ سخت ترین سزا پانیکا مستوجب ٹھہریگا۔ لیکن وہی اقبال اگر ایک عیسائی عدالت میں کرے تو اوسکے لیے بریت کا ذریعہ ہوگا۔ اگر قدیم زمانہ کے نبیوں اور داناؤں نے کوئی تعلیم نیکی کی دی ہے اور خود عیسائیوں کے جدید ترین معتقدات میں بھی یہ بات داخل ہے کہ ضرور انکی تعلیم نیکی کی ہے تو اوس کے رو سے زنا چونکہ تمام بدکاریوں سے گندہ ترین گناہ ہے اس لیے اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو عملی طور پر عیسائی دین کی رو سے اگر ایک بیاہا ہوا عیسائی کسی غیر عورت سے چاہے تو بیشک ناجائز تعلق رکھے۔ اور جب تک کہ وہ عورت دوسرے کسی نام سے موسوم ہے اوسوقت تک اس کے ساتھ ناجائز تعلق رکھنے میں عیسائی دین کو کوئی اعتراض نہیں۔ ہم لوگ جو مشرق میں رہتے ہیں اہل مغرب کے اس مفہوم اخلاق کی عظمت اور خوبی سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ اور اسی طرح یہ بات سمجھنے سے بھی ہمارے دماغ بہت دور ہیں کہ کثرت ازدواج کیوں گناہ ہے اور ایسی حالت میں ایک انسان زنا کے ارتکاب کا اقبال کر کے کیونکر چھٹکارا پا سکتا ہے؟ یہ تو حقیقت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان ناجائز تعلقات کے عملی طور پر جواز کی اجازت دینا ہے۔

رسوم جاہلیت

پچھلے ماہ میں ریویو کے عنوان کے نیچے مَیں نے اس کتاب کا ذکر کیا تھا۔ مگر وہاں گنجایش نہ ہونیکے سبب سے بہت مختصر سا نوٹ کیا گیا تھا۔ یہ کتاب واقعی جیسا کہ مَیں نے پہلے لکھا تھا ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں اسلام سے پیشتر کے عربوں کی حالت بیان کیگئی ہے اور انکی رسوم انکے اعتقاد انکے توہمات تمام امور پر جاہلیت کے اشعار اور دوسرے تاریخی ذریعوں سے روشنی ڈالی گئی ہے ایک مدعی نبوت کے زمانے کے دو پہلو بہت ہی قابل غور ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اسکے ظہور سے پہلے ان لوگوں کی کیا حالت تھی جن میں وہ ظاہر ہوا اور دوسرے یہ کہ اسنے انکے اندر کیا تبدیلی پیدا کی یا یہ کہ اسکی انتقال کے وقت ان لوگوں کی کیا حالت ہوگئی۔ ان دونوں پہلوؤں کو قرآن کریم نے مختصر مگر نہایت پُر معنی الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر کی حالت کے متعلق فرمایا۔ ظھر الفساد فی البر والبحر اور پھر آپکے رفع الی اللہ سے پہلے یوں خطاب فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ گویا آپ کا ظہور کمال فساد کے وقت ہوا اور اصلاح کو کمال کی حد تک پہنچا کر آپ اپنے مولیٰ حقیقی کی طرف واپس گئے یہ وہ روشن ثبوت ہے جو کسی نبی کی صداقت پر ہو سکتا ہے کیونکہ جس صورت میں نبی کے دنیا میں آنیکی

اصل غرض یہی ہے کہ وہ اصلاح کرے تو سب سے اول یہی دیکھنا ضروری ہوا کہ اس کے آنے کے وقت کس قدر اصلاح طلب حالت تھی اور کیسی اصلاح اسنے کر دکھائی۔

رسوم جاہلیت کیا ہے ظہر الفساد فی البر و البحر کی تفسیر کا ایک حصہ ہے۔ ایک حصہ ہیں اس لیے کہ ہمنا ہوں کہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے کل دنیا بگڑ چکی تھی اور اسوقت دنیا کے کسی ملک میں بھی روحانی کی روشنی کا نور باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کو پہلے انبیاءؑ کی طرح ایک قوم کی طرف نہ بھیجا جائے بلکہ کل دنیا کی اصلاح کے لیے آپ کی بعثت ہو۔ بلکہ پہلے انبیاء میں تو ایک ہی وقت میں نہ صرف مختلف ممالک میں الگ الگ انبیاء کا ہونا ثابت ہے بلکہ ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک میں بھی کئی کئی نبی ہوتے تھے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ آپکے مرشد حضرت یحییٰ علیہما السلام تھے۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قوت قدسی عطا فرمائی گئی جس کا دائرہ کل دنیا کی اصلاح کو محیط ہو گیا۔ پس اسبات کو سمجھنے کے لیے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی عظیم الشان اصلاح اور تبدیلی کر دکھائی یہ نہایت ضروری ہے کہ اول خصوصاً ملک عرب کی پہلی حالت کو دیکھا جاوے یہی پہلی حالت اس کتاب رسوم جاہلیت میں بیان کی گئی ہے۔ اور اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی کیسی ظلمتوں کی خطرناک گھٹاؤں کو آفتاب اسلام نے پاش پاش کیا۔ یہی وہ ظلمتیں تھیں جنکے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے۔ ظلمت بعضها فوق بعض یعنی صرف ایک قسم کی ظلمت نہ تھی کہ عقاید میں ہی نقص ہو یا صرف اعمال ہی بُرے ہوں یا ملک کی تمدنی حالت ہی اصلاح طلب ہو۔ یا ملکی فساد ہی دفع کرنیکے قابل ہو بلکہ تاریکیوں پر تاریکیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ بت پرستی کا اندھیر۔ بدکرداریوں کا اندھیر۔ خطرناک مظالم کا اندھیر۔ توہمات اور تخیلات کا اندھیر۔ فاسد عقاید کا اندھیر۔ خانہ جنگیوں کا اندھیر۔ باہمی عداوتوں کا اندھیر۔ غرضکہ کس کس اندھیر کو بیان کیا جاوے۔ کسی ایک بدی کو دیکھا جائے تو اُسکا دور کرنا ایک انسانی طاقت سے بڑھکر کام نظر آتا ہے چہ جائیکہ ایک شخص ۲۳ سال کے عرصہ میں ان ساری تاریکیوں کو پاش پاش کرکے ایک ملک کے ملک کی کایا پلٹ دے۔

غرضکہ اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس کس قسم کے فاسد عقیدوں اور بدکاریوں اور ظالمانہ کاروائیوں اور توہمات اور تخیلات میں سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو باہر نکالا۔ روح نئے سرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سے پُر ہو کر آپ پر درود اور صلوٰۃ بھیجتی ہے۔ اور آپکی قوت قدسی حیرت میں ڈالتی ہے۔

اس کتاب کے ملنے کا پتہ جو میں پہلے نہیں لکھ سکا یہ ہے۔ "دار الکتب ایجنسی" متصل کوتوالی انارکلی لاہور۔ قیمت عمہ ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی سب عمدہ ہے۔ ایسی کتابیں اس قابل ہیں کہ انکی قدر کرکے مصنفین کی حوصلہ افزائی کیجاوے۔ کاش جسقدر روپیہ مسلمانوں کا ناولوں کی تصنیف اور خریداری پر خرچ ہوتا ہے اسکا کوئی حصہ ہی مذہبی واقفیت کے پیدا کرنے میں خرچ ہو۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

اطلاع

اِس دِقّت کو محسوس کرکے جو ہمارے بھائیوں کو مختلف مدات کا چندہ مختلف اشخاص کے نام بھیجنے میں پیش آتی ہے۔ صدر انجمن احمدیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ یکم جنوری ۱۹۰۷ء سے ہر ایک قسم کا چندہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے۔ خواہ وہ چندہ مدرسہ کا ہو۔ یا زکوٰۃ کا روپیہ یا مقبرہ بہشتی کا چندہ یا وصیت کا روپیہ یا آمدنی کا دسواں حصہ یا عید فنڈ یا مسکین فنڈ کا روپیہ یا میگزین کا روپیہ۔ غرضکہ سوائے لنگرخانہ کے روپے کے جو حضرت اقدسؑ کے نام براہ راست آنا چاہیئے۔ ہر قسم کا چندہ جو قادیان میں بھیجا جاتا ہے محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام آنا چاہیئے لنگرخانہ کا چندہ اگر کسی اور چندے کے ساتھ شامل کرکے بھیجنا ہو تو اختیار ہوگا کہ وہ بھی محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام ہی بھیجدیں اور محاسب اسے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کر دیگا۔ مگر اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ کوپن میں فرستندہ کا پورا پتہ خوشخط لکھا ہوا ہو اور نیز مفصل ہدایت ہو کہ کتنا کتنا روپیہ کس کس کیطرف سے کس کس مد کا ہے۔ میگزین کی قیمت ہے یا اعانت میگزین یعنی اشاعت اسلام کا روپیہ ہے مدرسہ کا روپیہ ہے یا عید فنڈ کا روپیہ ہے یا مسکین فنڈ یا یتیم فنڈ کا ہے یا بہشتی مقبرہ کا چندہ ہے یا وصیت کا روپیہ ہے یا آمدنی کا دسواں حصہ ہے یا زکوٰۃ کا روپیہ ہے یا کسی جایداد کی قیمت ہے جو رسالہ الوصیۃ کے ماتحت انجمن کو دیگئی ہے یا کسی مکان کا کرایہ ہے یا زمین کا محاصل ہے جو صدر انجمن احمدیہ کی ملکیت میں ہے۔ غرضکہ پورے بسط کے ساتھ کوپن میں اس امر کو واضح کرنا چاہیئے جس سے محاسب کو کسی قسم کی غلطی نہ لگے۔ تمام قوم کی رسیدیں باضابطہ دیجاوینگی اور ماہ بماہ رقوم آمدنی کسی رسالہ یا اخبار میں شایع ہوتی رہیں گی جس شخص کو باضابطہ رسید دفتر محاسب سے نہ پہنچے اُسے ضروری ہوگا کہ فی الفور اپنی مرسلہ رقم کی تحقیق کرے ایسا ہی اگر مطبوعہ رسید و نیز میں کسی قسم کی غلطی ہو یا کسی نام کا اندراج نہ ہو تو بھیجنے والیکا فرض ہوگا کہ فی الفور خط و کتابت کرے ✤ المشتہر خاکسار **محمد علی** سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

نوٹ۔ اس امر کا یاد رکھنا از بس ضروری ہے کہ رسالہ الوصیۃ کے ماتحت کئی قسم کا چندہ ہے۔ شرط اول مقبرہ بہشتی کی یہ ہے کہ کچھ چندہ حسب حیثیت مقبرہ بہشتی کی زمین اور باغ اور دیگر لوازم کی طیاری کے لیے دینا ہوگا۔ سو یہ چندہ چندہ مقبرہ بہشتی کہلاتا ہے۔ دوسری شرط وصیت کی ہے کہ وصیت کرے یا جایداد کی قیمت کرکے روپیہ داخل کرے یا آمدنی کا دسواں حصہ دے۔ سو اسکو الگ سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان دونوں شرطوں کا الگ الگ پورا ہونا ضروری ہے ✤

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں مینجر میگزین کے اہتمام سے ہوا